

معارف القرآن

تالیف

شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد درویش صاحب گاندھلوی
رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

جلد چہارم نمبر شہدائے تفسیر پاره (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵)

بر ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پتہ عارف باللہ حضرت شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ

شائع کردہ

مکتبہ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ شہداد پور

سندھ، پاکستان

بازارت، مکتبہ عثمانیہ نیش احمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ

الحمد لله والحمد لله...
خزینہ اسرار و لطائف کشف مشکلات قرآنیہ ووصاف مخدرات فرقانیہ
مُسَعَّى بِهِ

مَعَارِفُ الْقُرْآنِ

تألیف
شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا الحافظ محمد ادریس صاحب کاندھلوی
رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ رَحْمَةً وَاسِعَةً شَيْخُ الْحَدِيثِ جَامِعَةِ أَشْرَفِيَّةِ لَاهُورِ

جلد چہارم شمل بر تفسیر پارہ ۱۲ ۱۳ ۱۴ ۱۵

○

بہ ترجمہ حقیقت آگاہ معارف پناہ عارف باللہ حضرت شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ اسرارہما

شائع کردہ

مکتبہ المعارف

دارالعلوم الحسینیہ شہدادپور
سندھ، پاکستان

باجازت: مکتبہ عثمانیہ بیت النجم ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

نام کتاب :- معارف القرآن جلد ۴
 نام مصنف :- حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
 مکمل سیٹ :- ۸ جلد
 صفحات جلد ۴ :- ۶۲۵
 کتابت متن قرآن کریم :- خطاط القرآن حضرت سید محمد اشرف علی الحسینی سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ
 کتابت سرورق :- سید انیس الحسن ابن سید الخطاطین سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم العالیہ لاہور
 کتابت ترجمہ و تفسیر :- سید عصمت اللہ، سید جعفر حسین، سید ضیاء اللہ گوجرانوالہ
 تعداد طبع اول :- ۱۳۱۹ھ (۱۱۰۰ گیارہ سو)
 تعداد طبع دوم :- ۱۳۲۲ھ
 پریس :- القادر پرنٹنگ پریس کراچی
 ناشر :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور سندھ پاکستان
 فون ۴۲۲۷۶ ۴۱۳۷۶ (۰۲۲۳۲)

ملنے کے پتے

کراچی :- صدیقی ٹرسٹ، صدیقی ہاؤس۔ المنظر پارٹمنٹس ۲۵۸ گارڈن ایسٹ
 نزد سبیلہ چوک کراچی۔ پوسٹ کوڈ نمبر ۷۴۸۰۰
 لاہور :- مکتبہ عثمانیہ بیت الحمد ۳۵۳ مہران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
 شہدادپور :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور ضلع سانگھڑ سندھ پاکستان پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

ہم نے اس کتاب کی تصحیح میں حتی الوسع کوشش کی ہے پھر بھی ممکن ہے کوئی غلطی رہ گئی ہو۔
 لہذا تمام قارئین سے التماس ہے کہ اگر کہیں غلطی پاویں تو براہ راست ہمیں اطلاع دیں تاکہ آئندہ
 اشاعت میں اسے درست کیا جاسکے، اللہ تعالیٰ اس کا اجر آپ کو عطا فرمائیں گے۔

اہم نوٹ
 ▽

خط و کتابت کیلئے :- مکتبہ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور پوسٹ کوڈ ۶۸۰۳۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اجازت نامہ

برائے اشاعت معارف القرآن، بنام مکتبۃ المعارف شہدادپور

قرآن مآثر معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب جو کہ دارالعلوم المحمدیہ (شہر)
شہدادپور والے حضرات خود دوبارہ لکھوا پا ہے اور چھاپا ہے

ہماری طرف سے اجازت ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ اسکو
چھپائیں اور فروخت کریں۔
دکتر محمد سعید

۲۶/۱/۹۹

فہرست مضامین معارف القرآن

جلد چہارم

مشتمل بر— پارہ (۱۲) (۱۳) (۱۴) (۱۵)

سورۃ ہود - یوسف - رعد - ابراہیم - حجر - نمل - بنی اسرائیل - کہف



صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱	آغاز پارہ دوازدہم و مابین دابستہ	
۱	بیان صفت تدریق و تخلیق	۱
۲	ابطال قدامت مادہ	۲
۳	بحث در بارہ بعث	۳
۴	بیان حال طبیعت انسانہ و راحت و کلفت	۴
۵	بیان نوع دیگر از طعنہائے کفار ناہنجار و تسلی بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۵
۶	دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر	۶
۷	ابطال غرہ اہل دنیا بر اعمال خود	۷
۸	اہل دنیا و اہل آخرت کا مقابلہ و نتائج اخروی کا بیان	۸
۹	ظالموں کے حال و مال کا بیان	۹
۱۰	ذکر حال و مال اہل ایمان	۱۰
۱۱	مثال فریقین	۱۱
۱۲	قصہ حضرت نوح علیہ السلام با قوم او	۱۲
۱۳	حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب	۱۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۷	لطائف و معارف	۱۴
۳۱	تمتہ قصہ نوح علیہ السلام متعلق بہ طوفان	۱۵
۳۵	قصہ فرو شدن طوفان نوح علیہ السلام	۱۶
۳۷	دعای نوح علیہ السلام برائے نجات پسر خود و جواب باری تعالیٰ	۱۷
۴۰	خاتمہ قصہ مشتل بر بیان حکمت و ذکر استدلال بروحی نبوت	۱۸
۴۳	قصہ ہود علیہ السلام با قوم عاد	۱۹
۴۸	قصہ صالح علیہ السلام با قوم ثمود	۲۰
۵۱	قصہ ابراہیم علیہ السلام مشتل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحق علیہ السلام	۲۱
۵۳	لطائف و معارف	۲۲
۵۴	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا علم و رحم	۲۳
۵۶	قصہ لوط علیہ السلام و قوم او کہ تمثیل قصہ سابقہ است	۲۴
۶۲	قصہ شعیب علیہ السلام	۲۵
۶۴	قوم مردود کا جواب	۲۶
۶۶	شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب با صواب	۲۷
۶۵	ترہیب قوم از مخالفت و معاندت	۲۸
۶۶	حضرت شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب	۲۹
۶۸	قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون	۳۰
۶۹	تذکیر عواقب دنیویہ امم ظالمہ برائے عبرت	۳۱
۷۲	تذکیر عواقب اخرویہ کفر و تکذیب برائے موعظت و نصیحت	۳۲
۷۹	موعظت حسنہ	۳۳
۸۱	تذکیر از اختلاف و افتراق و حکم استقامت بر احکام شریعت	۳۴
۸۴	امم سابقہ کی ہلاکت کے سبب قریب و سبب بعید کا بیان	۳۵
۸۷	تنبیہ بر بعض حکمتہائے حکایت قصص مذکورہ	۳۶
۸۸	خاتمہ سورت مشتل بر تہدید عدم قبول ذکر موعظت	۳۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۹۰	تفسیر سورۃ یوسف (علیہ السلام)	
۹۲ شان نزول	۳۸
۹۲ حقانیت قرآن حکیم و تمہید قصہ	۳۹
۹۲ آغاز قصہ بر ذیل کے صاحب و صادق	۴۰
۹۵ خواب کی حقیقت	۴۱
۹۶ تعبیر خواب	۴۲
۹۹ معاملہ برادران یوسف علیہ السلام	۴۳
۱۰۰ فائدہ	۴۴
۱۰۸ ذکر الطاف و عنایات خداوندی با یوسف علیہ السلام	۴۵
۱۱۶ حکایت	۴۶
۱۱۶ دعوائے یوسف علیہ السلام	۴۷
۱۱۶ اعتراف زلیخا - عزیز مصر کا اعتراف	۴۸
۱۱۶ شہادت شاہد	۴۹
۱۱۶ شہادت زنان مصر وغیرہ	۵۰
۱۱۶ شہادت رب العالمین	۵۱
۱۱۶ شہادت ابلیس لعین	۵۲
۱۱۶ ذکر الطاف و عنایات خداوندی	۵۳
۱۱۶ ضمیمہ متعلقہ تفسیر و شہد شاہد من اهلها	۵۴
۱۱۹ قصہ دعوت زلیخا زنان مصر را مشتمل بر اعتراف عصمت و عفت یوسف علیہ السلام	۵۵
۱۲۵ قصہ یوسف علیہ السلام با ساقی و خباز در جیلخانہ مشتمل بر دعوت و تبلیغ	۵۶
۱۲۶ دعوت توحید	۵۷
۱۲۶ تعبیر خواب	۵۸
۱۳۰ شاہ مصر کا خواب دیکھنا اور یوسف علیہ السلام کا اس کی تعبیر بتانا	۵۹
۱۳۳ شاہ مصر کا یوسف علیہ السلام کو ملاقات کے لیے طلب کرنا	۶۰
۱۳۶	آغاز پارہ ۱۳۷ وَاٰبِرَیْ نَفْسِیْ	

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۳۶	مشتمل بر تحدیث نعمت و بیان حقیقت عصمت	۶۱
۱۳۸	ذکر اختلاف مفسرین در تفسیر این آیت	۶۲
۱۳۹	یوسف علیہ السلام کی شاہ مصر سے ملاقات و تفویض اختیارات سلطنت	۶۳
۱۴۴	ظہور قحط عظیم در اطراف مصر و شام	۶۴
۱۵۱	بار دوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام	۶۵
۱۵۴	فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ جلیلہ	۶۶
۱۵۹	باز گشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر دوم	۶۷
۱۶۳	بار سوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام بحکم یعقوب علیہ السلام برائے تفحص یوسف و بنیامین	۶۸
۱۶۶	باز گشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر سوم و بشارت بردن	۶۹
۱۶۹	بار چہارم آمدن برادران یوسف علیہ السلام مع والدین	۷۰
۱۷۱	خاتمہ قصہ بردعائے یوسف علیہ السلام برائے خاتمہ بالخیر	۷۱
۱۷۵	خاتمہ سورت بر اثبات رسالت محمدیہ و تہدید بر منکرین و بیان حقانیت کتاب مبین	۷۲
۱۷۹	تفسیر اول آیت مذکورہ	۷۳
۱۸۱	تفسیر دوم	۷۴
۱۸۱	تفسیر سوم	۷۵
۱۸۴	تفسیر سورۃ رعد	
۱۸۵	حقانیت قرآن کریم	۷۶
۱۸۶	ذکر دلائل توحید و اثبات مبداء و معاد	۷۷
۱۸۷	استدلال باحوال عالم علوی	۷۸
۱۸۸	استدلال بہ تسخیر شمس و قمر	۷۹
۱۸۹	آسمانوں کے بارہ میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ	۸۰
۱۹۰	استدلال باحوال عالم سفلی	۸۱
۱۹۱	استدلال دیگر	۸۲
۱۹۲	نکتہ	۸۳

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۱۹۴	منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات	۸۴
۲۰۰	رجوع برائے مضمون توحید	۸۵
۲۰۶	مثال حق و باطل	۸۶
۲۱۰	ذکر حال و مال محققین و مبطلین	۸۷
۲۱۲	صفات اہل عقل	۸۸
۲۱۳	جواب از شبہ عدم مبغوضیت کفار بنا بر وسعت رزق دنیوی	۸۹
۲۱۶	رجوع بہ مبحث نبوت و بیان حال اہل سعادت و اہل شقاوت	۹۰
۲۲۰	تقبیح و تشنیع اہل باطل و سزائے معاندین و جزائے مطیعین	۹۱
۲۲۳	خطاب بہ اہل کتاب در بارۃ نبوت	۹۲
۲۲۷	مسئلہ بدای کی مختصر تشریح	۹۳
۲۲۹	بدای اقسام	۹۴
"	نسخ اور بدای الحکم میں فرق	۹۵
۲۳۱	کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال	۹۶
۲۳۲	تفسیر سورۃ ابراہیم (علیہ السلام)	
۲۳۵	آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت	۹۷
۲۳۶	کفار کا شبہ اور اس کا جواب	۹۸
۲۳۷	فائدہ جلیلہ	۹۹
۲۳۹	ذکر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام	۱۰۰
۲۴۲	تذکیر بایام اللہ	۱۰۱
۲۴۳	منکرین کے شبہات اور رسولوں کے جوابات	۱۰۲
۲۴۶	خداوند عالم کی طرف سے جواب	۱۰۳
۲۴۸	مثال اعمال کفار	۱۰۴
۲۴۹	قیامت کے دن کفار کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلت اور ندامت کا ذکر	۱۰۵
۲۵۱	جہنم میں شیطان کی تقریر	۱۰۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۵۳	اہل سعادت کے حال و مال کا ذکر	۱۰۷
۲۵۴	مثال کلمہ ایمان و کلمہ کفر و سوال قبر	۱۰۸
۲۵۶	خلاصہ کلام	۱۰۹
۲۵۹	چند فوائد	۱۱۰
۲۶۰	ایک شبہ اور اس کا جواب	۱۱۱
۲۶۱	خلاصہ تفسیر آیت مذکورہ	۱۱۲
۲۶۴	مذمت کفار و مشرکین و مدح مؤمنین صالحین	۱۱۳
۲۶۷	دعاء ابراہیمی کا ذکر	۱۱۴
۲۷۲	تذکرہ آخرت و تحذیر از غفلت	۱۱۵
۲۷۵	تفسیر سورہ حجر	
"	حقانیت قرآن کریم	۱۱۶
۲۷۷	آغاز پارہ ۱۷ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا	
"	بیان حسرت اہل غفلت در روز قیامت	۱۱۷
۲۷۹	ذکر اقوال کفار ناہنجار در بارہ بارگاہ رسالت	۱۱۸
۲۸۲	لطائف و معارف بابت آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ	۱۱۹
۲۸۴	دلیل عقلی	۱۲۰
"	دلیل نقلی	۱۲۱
"	دلیل الزامی	۱۲۲
۲۸۷	حفاظت کا طریقہ	۱۲۳
۲۸۸	شیعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا	۱۲۴
۲۸۹	تاویلات شیعہ اور ان کا جواب	۱۲۵
۲۹۰	اجماع برہم محفوظیت قرآن از زیادت و نقصان	۱۲۶

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲۹۳	بیان توحید (بحث بروج)	۱۲۷
۲۹۸	ذکر پیدائش جن وانس و قصہ پیدائش آدم علیہ السلام	۱۲۸
۳۰۳	ذکر نعماء اہل جنت	۱۲۹
۳۰۶	قصہ ابراہیم و لوط علیہما السلام	۱۳۰
۳۱۰	قصہ اصحاب ایکہ و اصحاب حجر	۱۳۱
۳۱۳	تلقین صبر بر ایذا و استہزا و تمسخر	۱۳۲
۳۱۵	قول اول	۱۳۳
۳۱۶	قول ثانی	۱۳۴
۳۱۸	ترجیح راجح	۱۳۵
۳۲۱	نکتہ	۱۳۶
۳۲۲	تفسیر سورۃ نحل	
۳۲۳	آغاز سورت بوعید و تہدید بر منکرین توحید	۱۳۷
۳۲۸	دس قسم کے دلائل	۱۳۸
۳۳۰	ذکر دلائل توحید	۱۳۹
۳۳۰	نتیجہ دلائل	۱۴۰
۳۳۱	تفصیل دلائل توحید . قسم اول	۱۴۱
۳۳۱	قسم دوم	۱۴۲
۳۳۱	قسم سوم	۱۴۳
۳۳۲	قسم چہارم	۱۴۴
۳۳۲	جملہ معترضہ برائے بیان اثر دلائل مذکورہ	۱۴۵
۳۳۳	قسم پنجم . احوال نباتات سے استدلال	۱۴۶
۳۳۳	قسم ششم	۱۴۷
۳۳۴	قسم ہفتم . قسم ہشتم	۱۴۸
۳۳۵	قسم نہم - قسم دہم	۱۴۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۰	تہدید براعراض از دلائل واضحه	۳۳۵
۱۵۱	منکرین نبوت کے معاندانہ سوالات اور ان کے جوابات	۳۳۷
۱۵۲	پہلا شبہ	۳۳۸
۱۵۳	تہدید معاندین و وعید مستکبرین	۳۴۰
۱۵۴	دوسرا شبہ	۳۴۲
۱۵۵	تیسرا شبہ	۳۴۶
۱۵۶	چوتھا شبہ	۳۵۲
۱۵۷	پانچواں شبہ	۳۵۴
۱۵۸	فائدہ اولیٰ	۳۵۵
۱۵۹	فائدہ دوم	۳۵۶
۱۶۰	تہدید اہل مکر بالانواع و اقسام قہر	۳۵۷
۱۶۱	تذکیر آثار قدرت و تنبیہ بر غفلت	۳۵۹
۱۶۲	اثبات توحید و ابطال مجوسیت	۳۶۱
۱۶۳	کفار کے چند ناشائستہ اقوال و افعال کا ذکر	۳۶۲
۱۶۴	بیان حسم خداوندی	۳۶۶
۱۶۵	فائدہ	۳۶۷
۱۶۶	صلیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۸
۱۶۷	رجوع بسوئے دلائل توحید بتذکیر الغامات خداوند حمید	۳۷۴
۱۶۸	تفصیل دلائل قدرت و دلائل نعمت برائے اثبات الوہیت و وحدانیت۔ دلیل اول۔ دلیل دوم	۳۷۶
۱۶۹	دلیل سوم۔ دلیل چہارم	۳۷۷
۱۷۰	دلیل پنجم	۳۷۹
۱۷۱	دلیل ششم	۳۸۰
۱۷۲	دلیل ہفتم	۳۸۲
۱۷۳	مثال اول	۳۸۳
۱۷۴	دوسری مثال	۳۸۴
۱۷۵	دلیل ہشتم۔ کمال علم و قدرت	۳۸۵

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۸۵	دلیل نہم	۱۷۶
"	دلیل دہم	۱۷۷
۳۸۶	دلیل یازدہم	۱۷۸
"	دلیل دوازدہم	۱۷۹
۳۸۷	دلیل سیزدہم	۱۸۰
"	دلیل چہار دہم	۱۸۱
"	امتنان بر اتمام احسان	۱۸۲
۳۸۹	ذکر قیامت	۱۸۳
۳۹۵	تلقین مکالم اخلاق و محاسن اعمال و آداب	۱۸۴
۳۹۸	ایمان عہد کی تاکید اور غرور و بد عہدی سے ممانعت و تہدید	۱۸۵
۴۰۲	تعلیم طریقہ حفاظت از شر شیطانی	۱۸۶
۴۰۴	مسکریں نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات	۱۸۷
۴۰۵	کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۱۸۸
۴۰۷	حکم مرتد	۱۸۹
۴۰۹	ذکر جزائے آخرت	۱۹۰
۴۱۲	تہدید بافات و نیویہ بر معصیت و کفران نعمت	۱۹۱
۴۱۳	شکستہ	۱۹۲
۴۱۶	بیان حقیقت ملت ابراہیمیہ برائے ترغیب اتباع ملت محمدیہ	۱۹۳
۴۲۰	ایک اشکال اور اس کے تین جواب	۱۹۴
۴۲۱	جواب اول	۱۹۵
۴۲۲	جواب دوم	۱۹۶
۴۲۳	جواب سوم	۱۹۷
۴۲۶	آداب دعوت و تبلیغ	۱۹۸
۴۲۸	اختتام سورہ نحل	۱۹۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	آغاز پارہ ۱۵ سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ	
	تفسیر سورۃ الاسرار یعنی سورۃ بنی اسرائیل	۲۲۹
۲۰۰	ذکر کرامت اسرار و معراج بہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	۲۳۰
۲۰۱	فائدہ ۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶	۲۳۲
۲۰۲	فائدہ ۷	۲۳۳
۲۰۳	سوال و جواب	۲۳۶
۲۰۴	ایک شبہ اور اس کا جواب	۲۳۹
۲۰۵	معراج آسمانی اور مرزا سائے آنجہانی	۲۴۱
۲۰۶	قصۃ اسرار و معراج	۲۴۳
۲۰۷	ذکر کرامت موسیٰ علیہ السلام بے طائے تورات و شرف تکلم و مناجات	۲۴۶
۲۰۸	ذکر انجام مخالفت و معصیت برائے ترہیب و عبرت	۲۴۸
۲۰۹	نکتہ	۲۴۹
۲۱۰	ذکر فضیلت قرآن کریم	۲۵۲
۲۱۱	انسان کی جلد بازی اور نا عاقبت اندیشی	۲۵۳
۲۱۲	ذکر نعمائے دنیویہ	۲۵۴
۲۱۳	حکایت	۲۵۵
۲۱۴	بیان سعادت و شقاوت و ہدایت و ضلالت و ذکر طالبان دنیا و طالبان آخرت	۲۵۸
۲۱۵	فائدہ	۲۶۱
۲۱۶	لطائف و معارف	۲۶۳
۲۱۷	تفصیل احکام آخرت و احکام ہدایت	۲۶۹
۲۱۸	حکم اول توحید	۲۷۰
۲۱۹	حکم دوم احترام و اکرام والدین	۲۷۰
۲۲۰	ایک فلسفیانہ و سوسہ اور اس کا جواب	۲۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲۱	حکم سوم ادا حقوق دیگر اہل حقوق	۴۶۵
۲۲۲	حکم چہارم ممانعت از اسراف	۴۶۶
۲۲۳	حکم پنجم تلطف در جواب سائل	۴۶۷
۲۲۴	حکم ششم اقتصاد و اعتدال در انفاق مال	۴۶۸
۲۲۵	حکم ہفتم ممانعت از قتل اولاد	۴۶۹
۲۲۶	حکم ہشتم ممانعت از زنا	۴۷۰
۲۲۷	حکم نہم ممانعت از قتل ناحق	۴۷۱
۲۲۸	حکم دہم ممانعت از تصرف ناحق در مال یتیم	۴۷۲
۲۲۹	حکم یازدہم ایفائے عہد	۴۷۳
۲۳۰	حکم دوازدہم ایفائے کیل	۴۷۴
۲۳۱	حکم سیزدہم ایفائے وزن	۴۷۵
۲۳۲	حکم چہار دہم عدم جواز عمل بر امر نامعلوم	۴۷۶
۲۳۳	حکم پانزدہم ممانعت از رفتار تکبر و تجتر	۴۷۷
۲۳۴	خاتمہ کلام بر تائید احکام و توحید خداوندانام	۴۷۸
۲۳۵	تائید توحید و بیان حال منکرین نبوت	۴۷۹
۲۳۶	اثبات معاد	۴۸۰
۲۳۷	تلقین حسن خطاب با اہل کتاب و جوابات شبہات مشرکین	۴۸۱
۲۳۸	رجوع بسوئے ابطال شرک	۴۸۲
۲۳۹	ترہیب کفار از قہر خداوند قہار	۴۸۳
۲۴۰	فرمانشی معجزات کے اظہار کا انکار	۴۸۴
۲۴۱	نکتہ	۵۰۲
۲۴۲	ذکر عداوت شیطان با بنی نوع انسان	۵۰۳
۲۴۳	رجوع بسوئے مضمون توحید	۵۰۹
۲۴۴	لطائف و معارف	۵۱۱
۲۴۵	کرامت روحانیہ اور اس کا خاصہ	۵۱۲
۲۴۶	کرامت اور فضیلت میں فرق	۵۱۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۷	بیان فرق مراتب در روز قیامت	۵۱۵
۲۴۸	ذکر عداوت کفار با سیدالابرار در امور دینیہ و دنیویہ و وعدہ عصمت و حفاظت	۵۱۷
۲۴۹	حکم بمشغولی عبادت رب معبود و بشارت مقام محمود و تلقین دعا و ہجرت و اشارہ بسوئے قیام آسمانی بادشاہت	۵۲۰
۲۵۰	نکتہ	۵۲۲
۲۵۱	تلقین دعا و ہجرت و بشارت قیام حکومت	۵۲۳
۲۵۲	ظالموں کے ایک معاندانہ سوال کا جواب	۵۲۶
۲۵۳	فائدہ جلیلہ	۵۳۰
۲۵۴	اقوال حکماء و علماء در بارہ روح	۵۳۱
۲۵۵	لطائف و معارف پہلی معرفت	۵۳۲
۲۵۶	دوسری معرفت	۵۳۵
۲۵۷	تیسری معرفت	۵۳۶
۲۵۸	چوتھی معرفت	۵۳۶
۲۵۹	پانچویں معرفت۔ لفظ خلق اور لفظ امر کی تشریح اور انکا باہمی فرق	۵۳۸
۲۶۰	چھٹی معرفت	۵۳۸
۲۶۱	ساتویں معرفت	۵۳۹
۲۶۲	آٹھویں معرفت۔ روح نظر کیوں نہیں آتی	۵۴۰
۲۶۳	نویں معرفت۔ روح اور نفس میں فرق	۵۴۲
۲۶۴	دسویں معرفت۔ روح اور نفس کی نوعیت	۵۴۳
۲۶۵	اعجاز قرآن و اثبات رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم	۵۴۶
۲۶۶	معاندین کے سوالات اور ان کے جوابات	۵۴۷
۲۶۷	جواب استعجاب کفار بہ رسالت بشر	۵۴۷
۲۶۸	جواب اخیر مشتمل بر وعید سعیر	۵۵۱
۲۶۹	ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ	۵۵۱
۲۷۰	قول اول	۵۵۲
۲۷۱	قول دوم	۵۵۳
۲۷۲	خاتمہ سورت بر توحید و تہمید	۵۵۷

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۵۵۹	اختتام سورۃ الاسرار	۲۷۳
۵۵۹	تفسیر سورۃ کہف	
۵۶۰	ربط اور مناسبت	۲۷۴
۵۶۲	فائدہ	۲۷۵
۵۶۳	آغاز سورت و تحمید بر انزال کتاب ہدایت برائے اثبات توحید و رسالت الخ	۲۷۶
۵۶۶	ذکر اجمالی قصۃ اصحاب کہف	۲۷۷
۵۶۷	اصحاب کہف و رقیم	۲۷۸
۵۶۹	اصحاب کہف کا قصہ	۲۷۹
۵۷۸	تفصیل قصۃ اصحاب کہف	۲۸۰
۵۸۳	بقیہ قصہ مذکورہ	۲۸۱
۵۸۶	ذکر قول دیگر در تفسیر آیت مذکورہ	۲۸۲
۵۸۹	ذکر اختلاف اہل کتاب در بارۃ شمار اصحاب کہف	۲۸۳
۵۹۰	مقام اصحاب کہف	۲۸۴
۵۹۲	حکم تلاوت قرآن و مدارات در ویشان و خرقہ پوشان	۲۸۵
۵۹۷	مسئلہ	۲۸۶
۶۰۱	بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال	۲۸۷
۶۰۳	فائدہ - حکایت	۲۸۸
۶۰۴	فائدہ	۲۸۹
۶۰۶	دنیا کے فناء و زوال کی ایک مثال	۲۹۰
۶۱۲	غرور و تکبر کا حال و مال	۲۹۱
۶۱۸	قصۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام باخضر علیہ السلام	۲۹۲
	کتابت . ع-م شہداد پور	

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اسکی روزی

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ

اور جانتا ہے جہاں ٹھہرتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے سب موجود ہے کھلی

مُبَيِّنٌ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

کتاب میں - اور وہی ہے جنہ بنائے آسمان اور زمین

فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوكُمْ

چھ دن میں ، اور تھا تخت اس کا پانی پر کہ تمکو آزمائے

أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

کون تم میں اچھا کرتا ہے کام

بیان صفت ترزق و صفت تخلیق

قال الله تعالى وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا... الى... لِيَبْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا (رلط) اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عالم الغیب ہونا بیان کیا کہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اب ان آیات میں صفت ترزق اور صفت تخلیق کو بیان کرتے ہیں کہ وہی سب کا رزق ہے اور وہی سب کا خالق ہے اور مخلوق رزق کی محتاج ہے اس لیے اس نے اپنے فضل سے مخلوق کا رزق اپنے ذمہ کر لیا ہے جب تک خالق کو کسی جاندار کا زندہ رکھنا مقصود ہے اس وقت تک اسکو رزق پہنچتا رہے گا۔ اور جو حیوان بھوک سے مر جائے تو اسکی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی آگئی ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا ارادہ اسکے زندہ رکھنے کا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے جس حیوان کا جتنا رزق مقرر کر دیا ہے وہ اس سے غافل نہیں اور زمین کے تمام جانداروں کا رزق اسکے ذمہ ہونا اسکی دلیل ہے کہ اسکا علم تمام کائنات کو محیط ہے اگر اسکو تمام اشیاء کا علم نہ ہوتا تو اس قدر بے شمار مخلوقات کو رزق کیسے دیتا۔ نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ خالق کو اپنی مخلوق کا علم نہ ہو۔ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ پس اسکا خالق

اور رزاق ہونا اس کے کمال علم اور کمال قدرت کی دلیل ہے چنانچہ ارشاد ہے اور نہیں ہے کوئی جاندار جو زمین پر چلتا ہو اور رزق کھانے والا ہو مگر اللہ کے ذمہ ہے اسکا رزق جو اس نے اس کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے جس جاندار کا جو اور جتنا رزق مقرر کر دیا اسکا پہنچانا خدا کے ذمے ہے رزق کھا کی اضافت عہد اور تعین پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی قضاء و قدر میں جو رزق اسکا مقدر اور معین ہو چکا ہے وہ اسکو پہنچاتا رہے گا۔ خدا کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں پس اگر کوئی بھوک اور فاقہ سے مر جائے تو اسکی یہ وجہ نہیں کہ خدا کے خزانے میں رزق نہیں رہا بلکہ اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا کو اب اسکا زندہ رکھنا ہی مقصود نہیں۔ وہ کسی کو فاقہ سے مارتا ہے اور کسی کو بیماری سے مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے رزق کا کفیل ہے اس کے سوا کوئی رازق نہیں۔ بندوں کو چاہیے کہ اس پر بھروسہ کریں اور چونکہ رزق رسانی کے لیے علم کامل کی ضرورت ہے اس لیے وہ خداوند رزاق ہر حیوان کی جلتے قرار کو جانتا ہے مستقر سے وہ جاتے قرار مراد ہے، جہاں حیوان اپنی زندگی میں اپنے اختیار سے ٹھہرے جیسے اپنے مکان اور رہنے کی جگہ اور مستودع یعنی جلتے ودیعت سے وہ جگہ مراد ہے جہاں ٹھہرنا اختیار سے نہ ہو۔ جیسے پشت پدر اور رحم مادر اور جائے قبر شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں۔ مترجم گوید مستودع جائست کہ بغیر اختیار او آبخانگاہ داشتہ بودند مانند صلب در رحم و مستقر جائست کہ با اختیار خودی مانند مثل خانہ، (فتح الرحمن) اور یہی تفسیر ابن عباسؓ سے منقول ہے (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸ ج ۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق زمین میں پیدا کی ہے وہ سب کی روزی پہنچاتا ہے اور وہ ہر مخلوق کی قرار اور رہائش کی جگہ کو جانتا ہے کہ کس جگہ اسکی بود و باش ہے اور کس جگہ اسکی موت ہوگی اور یہ سب باتیں اگرچہ اس کے علم ازلی میں ہیں مگر ساتھ ساتھ لوح محفوظ میں بھی لکھی ہوئی ہیں اور تم اسکی کفالت رزق کا کیسے انکار کر سکتے ہو کیونکہ خداوند رزاق وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے روزی نکلتی ہے اور آفتاب کی گرمی سے وہ کھیتیاں پکتی ہیں اور آسمان اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اسکا عرش عظیم پانی پر تھا جس پر زندگی کا دار و مدار ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ غرض یہ کہ آسمان اور زمین اور عرش اور پانی کے پیدا کرنے کے بعد تم کو پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے کہ کون تم میں اچھے عمل کرتا ہے یہ کون و مکان اور یہ زمین و آسمان اور رزق کا یہ سامان اس لیے پیدا کیا کہ دیکھیں کہ ان نعمتوں کو دیکھ کر کون اپنے منعم اور محسن تک پہنچتا ہے۔ اور کون ان نعمتوں میں مست ہو کر منعم اور رزاق کا منکر ہوتا ہے عاقل اور دانے اس عجیب و غریب نظام کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ دار فانی امتحان گاہ ہے اور آئندہ چل کر ایک وقت آنے والا ہے جس میں اس امتحان کے نتیجہ کا اعلان ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ کو ہر چیز پر قدرت ہے اس نے اپنی قدرت سے آسمان اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس سے پہلے اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے پانی کو پیدا کیا اور پھر عرش کو پیدا کیا۔ پھر قلم کو پھر لوح محفوظ کو اور پھر پچاس ہزار سال بعد آسمان اور زمین پیدا کیے

اور عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے۔ کان اللہ و لہ یحکم شئی غیرہ۔ یعنی ایک وقت ایسا تھا کہ صرف اللہ کی ذات پاک تھی۔ اور اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو بلا مادہ اور بلا کسی اصل کے محض اپنی قدرت سے پیدا کیا تاکہ بندوں کا امتحان کرے کہ وہ خدا کے آثارِ قدرت کو دیکھ کر اسکو مانتے ہیں یا نہیں۔ اس قسم کی آیات اور احادیث اس امر کی صریح دلیل ہیں کہ دیگر کائنات کی طرح مادہ بھی مخلوق اور حادث ہے اللہ ہر چیز کا خالق ہے مادہ ہو یا صورت سب اس کی مخلوق ہے۔

فلاسفہ اور دہریہ کہتے ہیں کہ مادہ قدیم اور غیر مخلوق ہے یہ گروہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہیں ان کا قول یہ ہے کہ دنیا کے تمام کام مادہ قدیمہ کی حرکت سے اور موجودات کی باہمی کششوں اور طبعی خواص سے چل رہے ہیں اور یہ لوگ اپنے اس قول کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کسی چیز کو معدوم محض ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور نہ کسی چیز کو نیست سے ہست ہوتے دیکھا صرف صورتوں کا اختلاف دیکھا۔ لکڑی اور مٹی کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں مگر مادہ بحالہ باقی رہتا ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ ہماری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ صورت تبدیل کر سکتے ہیں۔ ایجا محض یا اعدام محض نہیں کر سکتے۔

جواب یہ ہے کہ آپ کی اس دلیل سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ واقع میں ایسا ہونا ناممکن اور محال ہے بے شک ایک چیز آپ نے نہیں دیکھی اور آپ کی قدرت سے باہر ہے مگر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔

بلکہ اپنے متعلق بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ آئندہ چل کر مجھے اس پر قدرت نہ ہوگی۔ ممکن ہے کہ یہ امر آج آپ کی قدرت سے خارج ہو اور آئندہ چل کر آپ اس پر قادر ہو جائیں۔ جیسے گراموفون اور ٹیلی فون اور تار برقی کی ایجادات دو سو سال پیشتر قدرتِ انسانی سے خارج تھیں اور اب ہر وقت نظروں کے سامنے ہیں غرض یہ کہ کسی چیز کو عدم تجربہ اور نہ دیکھنے پر محال کہنا سراسر غلط ہے سورج کو مشرق یا مغرب سے نکالنا آپ کی قدرت میں نہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ یہ امر کسی کی بھی قدرت میں نہیں۔ بے شک یہ امر آپ کی قدرت سے خارج ہے مگر جس قادر مطلق نے اسکو وجود عطا کیا ہے اسکو قدرت ہے کہ چاہے مشرق سے نکالے یا مغرب سے نکالے اسکی قدرت کے اعتبار سے مشرق اور مغرب سب برابر ہیں اگر کوئی شخص کسی فقیر یا مزدور سے جو دن بھر میں کمال مشقت و محنت سے ایک ایک روپیہ کماتا ہو، یہ کہے کہ تجھ کو دس ارب روپیہ مل جائے گا تو وہ اس کو ناممکن اور محال سمجھے گا۔ اور عجب نہیں کہ اسکے محال ہونے پر کوئی طویل و عریض لیکچر بھی دیدے۔ لیکن عاقل اور دانایہ سمجھتا ہے کہ یہ امر عقلاً محال اور ناممکن نہیں بلکہ مستبعد اور اچنبھا ہے یعنی عجیب معلوم ہوتا ہے دائرہ امکان سے باہر نہیں محال وہ ہے کہ جسکا باطل ہونا دلیل عقلی سے ثابت ہو جیسے جملہ نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور مستبعد وہ ہے کہ جو ظاہر کے لحاظ سے عجیب و غریب نظر آئے۔

آج کل کے سائنسدان محال اور مستبعد میں فرق نہیں کرتے حالانکہ دونوں میں بڑا فرق ہے مہر حال عدم محض سے کسی چیز کا وجود میں آنا اور نیست سے ہونا قطعاً محال نہیں البتہ مستبعد اور اچنبھے کی بات ہے آپکے پاس اسکے محال ہونے کی کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ ہمیں کبھی ایسا تجربہ نہیں ہوا اور ہم نے کبھی ایسا نہیں دیکھا آپ ذرا ہوش میں آئیے اور بتلائیے کہ آپکے نہ دیکھنے سے یا نہ کر سکنے سے کسی چیز کا محال ہونا کیسے ثابت ہوا۔ اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا ناممکن اور محال ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ ان باتوں سے آپ کا گھمنڈ ثابت ہو جاتا ہے۔

ابطال قدامت مادہ | اسے علمداران فلسفہ و سائنس آپ اگرچہ مادہ کو قدیم اور اسکے ذرات بسیط کی حرکت کو قدیم ملتے ہیں لیکن تبدیل صورت کے تو قائل ہیں کہ صورتیں بدلنی رہتی ہیں جسکا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ صورتوں کے حادثات ہونے کے قائل اور معترف ہیں اور صورت کی تبدیلی کا مطلب یہ ہے کہ پہلی صورت تو معدوم اور زائل ہو گئی اور جدید صورت موجود ہو کر مادہ کو لاحق ہو گئی تو اب سوال یہ ہے کہ جب اجسام مادیہ میں صورت و شکل کی تبدیلی واقع ہوتی ہے تو آپ یہ بتلائیے کہ اسی اول بدل کے وقت۔ اور دوسری صورت کے آنے کے وقت پہلی صورت اور شکل بھی اس جسم میں باقی رہی یا بالکل زائل اور معدوم اور فنا ہو گئی۔ یا کسی دوسرے جسم کی طرف منتقل ہو گئی۔ پہلی شق بدلتے باطل ہے اس لیے کہ ایک محل میں ایک ہی وقت میں دو متضاد شکلوں کا جمع ہونا عقلاً محال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ موم کے گولہ کو ایک شمع بنا لیا جائے تو اس میں باوجود مستطیل ہونے کے شکل مستدیری ہی باقی رہے اور علی بذاتہ مستدیری شق بھی بدلتے باطل ہے ہم بدلتے جانتے ہیں کہ اس جسم کی پہلی صورت زائل ہو کر کسی دوسرے جسم کو جا کر نہیں لگ گئی۔ اب دوسری صورت متعین ہو گئی کہ تبدیلی کے وقت پہلی صورت و شکل بالکل زائل اور معدوم ہو گئی۔ اور عدم میں چلی گئی۔ لہذا اب دوسری شکل و صورت کے متعلق تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ عدم محض سے وجود میں آئی یعنی پہلے نیست تھی اب ہست ہو گئی۔ پس ہر لمحہ صورتوں کی تبدیلی سے نیست سے ہست ہونے کا آپ نے مشاہدہ کر لیا۔ یہ تو آپکی قدرت کا حال ہوا کہ آپ صورتوں اور شکلوں میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہیں تو سمجھ لو کہ خداوند قدیر آسمان و زمین اور شمس و قمر جیسے اجسام کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے اور خداوند عالم اپنی قدرت کاملہ کے اعتبار سے ہر جوہر و عرض کو نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ صورت حادث ہے اور نیست سے ہست ہوتی ہے تو اس سے مادہ کا حادث ہونا ثابت ہو گیا کیونکہ صورت مادہ کیلئے لازم ہے مادہ بغیر صورت کے موجود نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ عقلاً محال ہے کہ مادہ تو موجود ہو اور اسکی صورت اور شکل نہ ہو کیونکہ عقل اس تصور سے قاصر ہے کہ یہ تصور کرے کہ مادہ۔ ہر کوئی زمانہ ایسا گزرا ہے کہ مادہ بغیر صورت کے موجود تھا۔ اور اس کو کوئی صورت اور شکل حاصل نہ تھی اور جب مادہ بلا صورت کے موجود نہیں ہو سکتا تو مادہ کا قدیم ہونا باطل ہو گیا کیونکہ جس چیز کا وجود کسی حادث پر موقوف ہو گا وہ قدیم نہیں ہو سکتی بلکہ بلاشبہ حادث ہوگی بلکہ وہ تو حادث در حادث ہوگی۔ اور اگر یہ مان لیا جائے

لے آپکی ناقص اور نامتام قدرت اپنے دائرہ عمل میں نیست سے ہست کرنے پر قادر ہے۔

کہ مادہ بغیر صورت کے موجود ہو سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ یہ وجود بالقوہ ہو گا۔ اور وجود بالفعل نہ ہو گا اور وجود بالقوہ من وجہ عدم ہے اور من وجہ وجود ہے یعنی ناقص و ناتمام وجود ہے اور جس چیز کا وجود ناقص اور ناتمام ہو وہ کبھی قدیم نہیں ہو سکتی۔ اور بالفاظ دیگر وجود بالقوہ ایک استعداد اور قابلیت اور صلاحیت کا نام ہے جو ایک قسم کا فرضی وجود ہے حقیقی وجود نہیں لہذا ایسی فرضی اور موہوم حقیقت کا قدیم ہونا عقلاً محال ہے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ

اور اگر تو کہے کہ تم اٹھو گے مرنے کے بعد تو

لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۷﴾

البتہ کافر کہنے لگیں یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے صریح۔

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ

اور اگر ہم دیر لگا دیں ان سے عذاب کو ایک مدت گنی تک

لَيَقُولَنَّ مَا يَجِبُ سُهُٗٔ ۖ إِلَّا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

تو کہنے لگیں کیا روک رہا ہے اسکو؟ سنا ہے! جس دن آدیگا ان پر، نہ پھیرا جائے گا

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۸﴾

ان سے اور الٹ پڑ گیا ان پر جس پر ٹھٹھے کرتے تھے۔

بحث دربارہٴ بعث

قال الله تعالى وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ... الى... وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ (ربط) گزشتہ آیت میں تکوین عالم اور اسکی غرض و غایت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو تمہاری آزمائش کے لیے پیدا کیا کہ کون اچھا عمل کرتا ہے اب اس آیت میں بعث بعد الموت۔ اور عمل کی جزا و سزا کو بیان کرتے ہیں کیونکہ مکلفین کے ابتلاء و امتحان کے لیے جزا و سزا ضروری ہے اور جزا و سزا کے لیے حشر و نشر ضروری ہے لہذا اگر کسی حکمت کی وجہ سے عذاب میں تاخیر ہو جائے تو انسان کو یہ گمان نہ کہ ناچاہیے کہ عذاب

کا وعدہ غلط ہے۔ عذاب ضرور آئیگا مگر اپنے وقت پر آئیگا اور جب عذاب آئے گا تو اس سے کچھ بچ نہیں سکے گا اور انکے مسخرہ پن کی سزا انکو مل جائے گی اور لے نئی! اگر آپ ان منکرین حساب و کتاب سے یہ کہیں کہ تم مرنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں اور حشر و نشر کے منکر ہیں تو ضرور بالضرور جواب میں یہ کہیں گے کہ نہیں ہے یہ حشر و نشر کی بات مگر کھلا جادو۔ یعنی دوبارہ زندگی کی بات مثل جادو کے دھوکہ اور فریب ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں مطلب یہ ہے کہ اس قرآن میں جادو کی باتیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونگے اور اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب اور مؤاخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ایک وقت مقررہ تک اس عذاب موعود کو کسی حکمت اور مصلحت کی بنا پر ملتوی رکھیں تو یہ لوگ ازراہ تمسخر یہ کہیں گے کہ کس چیز نے اس عذاب موعود کو نازل اور واقع ہونے سے روک رکھا ہے جس عذاب کے ہم آپ کے نزدیک مستحق ہیں یعنی محمد جس عذاب کی ہم کو دھمکیاں دیتے ہیں وہ سب جھوٹی ہیں اگر سچا ہے تو عذاب ہم پر نازل کیوں نہیں ہو جاتا۔ حق تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں آگاہ ہو جاؤ اور کان کھول کر سن لو۔ جس دن وہ عذاب موعود ان پر آجائے گا تو پھر وہ کسی طرح ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کے رہے گا اور وہی عذاب انکو آکر گھرے گا جسکا یہ ٹھٹھا اڑاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق ہیں کسی حکمت سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے۔ جب عذاب اپنے وقت معین پر نازل ہو گا تو ساری کسر نکل جائے گی اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت سے اس عذاب کے نزول کا وقت نہیں بتلایا۔

وَلَكِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۖ

اور اگر ہم چکھا دیں آدمی کو اپنی طرف سے مہر، پھر وہ چھین لیں اس سے

إِنَّهُ لَيَعُوسُ كَفُورٌ ۖ وَلَكِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ

تو وہ ناامید ناشکر ہو اور اگر ہم چکھا دیں اس کو آرام بعد

ضَرَاءٍ مُّسْتَهُ لَيَقُولُنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۖ إِنَّهُ

تکلیف کے جو پہنچی اسکو تو کہنے لگے گئیں برائیاں مجھ سے تو وہ خوشیاں

تَفَرَّحَ فَخُورٌ ۖ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ

کے بڑائیاں کرتا۔ مگر جو لوگ ثابت ہیں اور کرتے ہیں نیکیاں

أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۖ

ان کو بخشش ہے اور ثواب بڑا۔

بیان حال طبیعت انسانیہ راحت و کلفت

قال اللہ تعالیٰ وَلَکِنْ اَذَقْنَا لِلنَّاسِ مِنْ اَرْحَمَةٍ... الْح... لَہُمْ مَغْفِرَةٌ وَاَجْرٌ کَبِیْرٌ (ربط) گزشتہ آیت میں یہ بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عذاب الہی سے ڈراتے تو کفار نہایت بے باکی سے یہ کہہ دیتے کہ وہ عذاب کیوں نہیں آتا اب اس آیت میں طبیعت انسانی کا حال بیان کرتے ہیں کہ وہ اکثر و بیشتر ایک حال پر نہیں رہتی اگر عیش و آرام کے بعد ذرا تکلیف میں مبتلا ہوا تو ناامید ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور اگر مصیبت کے بعد راحت پہنچتی ہے تو اترانے لگتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے کسی رحمت اور نعمت کا مزہ چکھائیں اور پھر اس سے وہ اپنی نعمت چھین لیں تو وہ بے صبری کی وجہ سے آئندہ ہمارے لطف و کرم سے ناامید ہو جاتا ہے اور گزشتہ نعمت کو بھی بھول جاتا ہے اور جو نعمتیں فی الحال اسکو حاصل ہیں ان کے شکر سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور اگر ہم اس کو کسی نعمت کا مزہ چکھائیں جیسے تندہ رتی اور مالداری بعد اس سختی کے جو اسے پہنچی ہو جیسے بیماری اور محتاجی تو یہ کہنے لگتا ہے کہ اب تو مجھ سے برائیاں گئیں یعنی مصیبتیں اور سختیاں مجھ سے دور ہوئیں اب آئندہ کی مجھے پرواہ نہیں تحقیق یہ نادان انسان بڑا اترانے والا ہے نعمت کو دیکھ کر پھول جاتا ہے اور بڑا شیخی خورہ ہے نعمت دیکھ کر فخر کرنے لگتا ہے اور شکر سے غافل ہو جاتا ہے۔ اکثر انسانوں کی یہی حالت ہے کہ مصیبت میں بے صبری اور نعمت میں ناشکرے اور ناقدارے مگر جو لوگ صابر اور نیک عمل ہیں انکا یہ حال نہیں وہ مصیبت اور زوال نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور عطلے نعمت کے وقت شکر سے کام لیتے ہیں غرض یہ کہ سراسر اور ضرار کسی حال میں خدا سے غافل نہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے جو صبر و شکر سے موصوف ہوں گناہوں کی بخشش ہے اور بڑا اجر ہے صبر اور شکر کی برکت سے گناہوں کی بخشش بھی ہوگی اور وہم و گمان سے بڑھ کر اجر اور ثواب بھی ملے گا۔

فَلَعَلَّکَ تَارِکٌ بَعْضُ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ وَضَآئِقٌ رِیْبٌ

سو کہیں تو چھوڑ بیٹھے گا کوئی چیز جو وحی آئی تیری طرف اور خفہ ہو گا اس سے

صَدْرُکَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَیْہِ کُتْرًا وَّ

تیرا جی ، اس پر کہ وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتر اس پر خزانہ یا آتا

جَاءَ مَعَهُ مَلٰکٌ اِنَّمَا اَنْتَ نَذِیْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ

اس کے ساتھ فرشتہ ؟ تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہے ہر

شَيْءٌ وَكَيْلٌ ۝۱۲۰ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا

چیز پر ذمہ رکھنے والا کیا کہتے ہیں باندھ لایا ہے اس کو تو کہہ تم لے آؤ

بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيْتٍ وَّادْعُوا مَنِ

ایک دس سوئیں ایسی باندھ کر اور پکارو جس کو

اَسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۲۱

پکار سکو اللہ کے سوا، اگر ہو تم سچے -

فَاَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ

پھر اگر نہ کریں تمہارا کہنا تو جان لو کہ یہ اترا ہے اللہ کی خبر سے اور

اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۲۲

کوئی حاکم نہیں سوا اسکے پھر اب تم حکم مانتے ہو؟

بیان نوع دیگر از طعنات کفارناہنجار و تسلی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال الله تعالى فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحَىٰ اِلَيْكَ ... اَلَمْ يَسْلَمُوْنَ ۝

(ربط) اس سورت کا آغاز قرآن کریم کے ذکر سے فرمایا جس کے ساتھ ساتھ یہ بتلایا کہ قرآن کا موضوع

دعوت توحید ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کی جانب سے بشیر و نذیر ہیں۔ اس لیے بھیجے گئے

ہیں کہ تم ناشائستہ اعمال سے توبہ کرو۔ مگر وہ لوگ قرآن کو سحر اور آپ کو ساحر بتلاتے تھے اب ان آیات

میں انکی دوسری ناشائستہ اور طعن آمیز باتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور آپ

کا استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اور احکام الہی کو سن کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپ سے یہودہ سوالات کرتے

ہیں کبھی کہتے ہیں کہ فرشتوں کو ہمارے سامنے لاؤ کہ وہ آپ کی نبوت رسالت کی شہادت دیں کبھی کہتے ہیں کہ جیل احد کو سونا بناؤ کبھی کہتے ہیں کہ قرآن

ہے ہمارے بتوں کی مذمت نکال دو اس قسم کی یہود باتوں سے آپ تنگدل اور رنجیدہ ہوتے اور خیال آتا کہ ایسے سحر دل کو کلام الہی سنانا اور

وعظ و نصیحت کرنا بے سود ہے حق جل شانہ نے اس آیت میں آپ کو تسلی دی کہ آپ ان کی یہودہ باتوں پر

دل میں میل نہ لائیں اور ان کے تعنت و عناد اور طعن و تشنیع سے تنگ دل ہو کر کسی حکم الہی کے بیان کو

ترک نہ کریں بے شک انسان کا یہ امر طبعی ہے کہ جو اس کی بات کو نہ سنے بلکہ اسکا مذاق اڑاتے تو اسکے سامنے کیا کہے حق تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ انکی طرف نظر نہ کریں ہماری طرف نظر کریں اور نہایت کشادہ دلی سے کلام خداوندی کی آیتیں ان کو سناتے رہیں اور اگر انکا یہ گمان ہے کہ یہ قرآن آپ کا افتزار کیا ہوا ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم بھی اس جیسی دس سوڑیں افتزار کر لاؤ جب نہ بنا کر لا سکیں تو سمجھ لیں کہ یہ کلام بشر کا نہیں۔

(بالفاظ دیگر) گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان تھا۔ اب اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک عظیم دلیل کا بیان ہے یعنی یہ قرآن آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ جب تمام فصحاء اور بلغار اس کے مثل لانے سے عاجز ہو جائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ کلام خداوندی اور وحی ربانی ہے اور جس پر اللہ کی وحی نازل ہو وہ اللہ کا نبی اور رسول ہے اور یہ کلام معجز نظام اس کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے اور اس معجزہ کے بعد کسی اور معجزہ کی ضرورت نہیں لہذا آپ انکی ہرزہ سرانیوں کی طرف التفات نہ کریں صبر اور استقامت کے ساتھ فرائض تبلیغ انجام دیتے رہیے۔

مشرکین مکہ نے قرآن کریم کو مشکوک بنانے کے لیے یہ شبہ نکالا کہ یہ قرآن سحر اور جادو ہے مگر وہ لوگ چونکہ اہل فصاحت و بلاغت تھے اور اہل زبان تھے اس لیے یہ شبہ ان پر کارگر نہ ہوا تو اب یہ بہانہ نکالا کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بنایا ہوا کلام ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تمہارا یہ زعم ہے کہ یہ قرآن پاک آپ کا بنایا ہوا ہے تو تم بھی تو اہل زبان ہو اور ایسے کلام کے بنانے پر قادر ہو بنا لاؤ چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس شاید آپ ان کافروں کے تعنت اور عناد اور تمسخر کو دیکھ کر بعض ان چیزوں کا جو بذریعہ وحی آپ کی طرف بھیجی گئی ہیں اور ان مشرکین کو ناگوار ہیں جیسے بت پرستی کی مذمت۔ تو کیا آپ انکی ناگواری کی بنا پر ایسی باتوں کا بیان کرنا چھوڑ دیں گے کہ یہ نادان ان باتوں کا مذاق اڑائیں گے۔ انکے سامنے ایسی باتیں بیان کرنا بے سود ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ فَلَعلَّک تَارِکٌ کا استفہام، استفہام انکاری ہے جس سے مقصود نفی اور ممانعت ہے یعنی انکے عناد کی وجہ سے ان باتوں کے بیان کو ترک نہ کریں اور انکی اس تکذیب اور عناد کی وجہ سے آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور آپ کا دل گھٹتا ہے اس سبب سے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ نبی ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا کہ غیب سے انکو خزانہ ملتا۔ اور وہ لوگوں پر تقسیم کرتے اور لوگ انکا اتباع کرتے یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا جو ان کی نبوت کی گواہی دیتا تو اے ہمارے نبی! آپ انکی بے ہودہ باتوں سے تنگ دل ہو کر دعوت و تبلیغ میں کوئی کمی نہ کیجیے۔ جزایں نیست آپ صرف ڈرانے والے ہیں۔ آپ کے ذمہ تو صرف ڈرانا اور احکام خداوندی کا پہنچانا ہے انکی بد زبانی کی طرف التفات نہ کیجیے۔

در شب ہتاب مہ را بر سماک

از سگان دوع دوع و رع ایشاں چہ باک

اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے وہ بغیر خزانہ اور بغیر فرشتہ ہی کے آپ کے دین کو بلند کرے گا یا یہ معنی ہیں کہ اللہ کار ساز ہے وہی ہر کام بنانے والا ہے۔ آپ اپنا کام اس کے سپرد کر دیجیئے جو شخص اپنا کام اللہ پر چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ اسکا کام بناتا ہے اور جو اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے اس کی حفاظت کرتا ہے کیا یہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن آپ نے خود بنا لیا ہے آپ اس کے جواب میں یہ کہہ دیجیئے کہ اچھا تم بھی قرآن جیسی دس سورتیں اپنی طرف سے بنائی ہوئی لے آؤ اور سوائے خدا کے جس کو چاہے اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن آپ کا بنایا ہوا کلام ہے پس اگر وہ اس کے مثل بنا کر نہ لاسکیں تو آپ ان سے کہہ دیجیئے کہ اب تو یقین کر لو کہ یہ اللہ ہی کے علم سے نازل کیا گیا ہے جو علوم معاش اور معاد پر مشتمل ہے جس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور یہ بھی جان لو کہ اللہ نعل کے سوا کوئی معبود نہیں تو بتلاؤ اب بھی مسلمان ہوتے ہو یا نہیں؟

کسی جگہ دس سورتوں کے تحدی کا ذکر ہے اور کسی جگہ ایک سورت کی تحدی کا ذکر ہے تاکہ

ف

طرح طرح سے قرآن کا اعجاز ظاہر ہو جائے۔

دلائل اعجاز قرآن پر ایک اجمالی نظر

اعجاز قرآن پر دلائل تو بے شمار ہیں جس پر علماء دین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں اس وقت اجمال اور اختصار کے ساتھ چند حرف ہدیہ ناظرین ہیں۔

(۱) قرآن کریم۔ اصول دین یعنی توحید اور رسالت اور قیامت کی ایسی تفصیل اور تحقیق پر مشتمل ہے کہ توریت، انجیل اور زبور میں اسکا عشر عشر بھی نہیں۔

(۲) پھر یہ کہ قرآن کریم اثبات الوہیت و وحدانیت اور اثبات نبوت و رسالت اور اثبات قیامت کے ایسے دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ پر مشتمل ہے کہ جس کے جواب سے روئے زمین کے فلاسفہ عاجز اور درماندہ ہیں اور بڑے بڑے دہری اور مادہ پرست ان دلائل کے سامنے لاجواب ہیں۔

(۳) حرام و حلال کی تفصیل کرتا ہے۔

(۴) قرآن کریم، انبیاء سابقین کی نصیحتوں اور ان کے کلمات حکمت و موعظت کا جامع ہے

(۵) عقل معاش اور عقل معاد دین اور دنیا کی رہنمائی کرتا ہے۔

(۶) گزشتہ امتوں کے عبرت آمیز واقعات بیان کرتا ہے اور آئندہ کے لیے اہل ایمان کو بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمکو کافروں کے مقابلہ میں غلبہ عطا فرمائے گا۔

(۷) اور قیامت تک آنے والے حوادثِ کلیہ کی تمکو خبر دیتا ہے کہ زمانہ کس رفتار سے جائیگا اور کس حال میں اسکی بساط پھٹی جائے گی اور کس طرح قیامت قائم ہوگی یہ تو قرآن کریم کے معنوی اعجاز کے چند وجوہ ہیں اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اسکے دلائل اعجاز اور اسرارِ بلاغت کی کوئی حد نہیں۔

آج دنیا میں مقاماتِ حریری اور مقاماتِ بدیعی اور مقاماتِ زنجیری بشری فصاحت و بلاغت کا شاہکار دنیا کے سامنے موجود ہیں مگر قرآن کریم کے ساتھ ان کتابوں کو کوئی نسبت نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ مقاماتِ بدیعی اور مقاماتِ حریری میں عجیب طریقہ سے لغاتِ فریدہ کو سجع اور قافیہ کے رنگ میں جمع کیا ہے مگر قرآن کریم بلکہ کلامِ نبوی کے ساتھ انکو وہ نسبت نہیں کہ جو ذرہ بے مقدار کو آفتاب سے ہے۔ بالفاق اہل لسان مقاماتِ حریری اور بدیعی معجزہ نہیں۔

مگر قادیان کے ایک دہقان کی دیدہ دلیری کو دیکھو کہ وہ اپنے ہڈیاں اور تنک بندیلوں کے متعلق یہ کہتا ہے کہ یہ میری وحی بھی قرآن کی طرح معجزہ ہے آیاتِ قرآنیہ کا سرقہ کرتا ہے اور اس میں ایک دو لفظ کا رد و بدل کر کے بے حیائی سے کہتا ہے کہ یہ میری وحی ہے قرآن کی طرح اس پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔ لاجول و لا قوۃ الا باللہ اے مسلمانو! ذرا غور تو کرو کہ جب اہل لسان کے نزدیک مقاماتِ حریری اور مقاماتِ بدیعی معجزہ نہیں تو قادیان کے ایک دہقان کا ہڈیاں کہاں سے معجزہ ہو جائے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ

جو کوئی ہو چاہتا دنیا کا جینا اور اس کی رونق بھر دیں

اِلَيْهِمْ اَعْمَالُهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا

ہم انکو ان کے عمل اسی میں اور ان کو اس میں

يُخْسَوْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ

لفسان نہیں۔ وہی ہیں جن کو کچھ نہیں پچھلے گھر میں سوا

اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبِطُلُ مَا كَانُوْا

آگ۔ اور سٹ گیا جو کیا تھا اس جگہ اور خراب ہوا جو

يَعْمَلُوْنَ ۝۱۶

کاتے تھے۔

ابطال غرہ اہل دنیا بر اعمال خود

قال الله تعالى مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا... الى... بَطِلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝
(ربط) جب گزشتہ آیات میں منکرین قرآن اور منکرین توحید اور منکرین رسالت کے وعید اور عذاب کا بیان ہوا تو اب اس آیت میں اہل دنیا کے وہم فاسد اور زعم کا سد کا ابطال فرماتے ہیں اہل دنیا کو جب عذاب آخرت کی وعید سنائی جاتی تو یہ کہتے کہ اگر بالفرض والتقدير قیامت حق ہے تو ہم بڑے نیک کام کرتے ہیں۔ غریب پروری اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ تو ہم کو قیامت کے دن ان نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ لَئِنْ رَجَعْتُ إِلَى رَبِّیْ لَإِنِّ لِيُؤْتِنِیْ مِنْهُ خِزْفًا ۝ (ربط) دیگر کہ پہلی آیت میں اسلام کی حقانیت اور قرآن کریم کا منزل من اللہ ہونا بیان کیا۔ اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ کفار جو اس قرآن کریم کی تکذیب کرتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی لذات و شہوات پر مغنون ہیں اور اسلام اور قرآن انکو آخرت کی دعوت دیتا ہے جس کو اپنی لذات و شہوات میں حارج اور مزاحم سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں جو پست ہمت اپنے اعمال خیر کا صلہ محض دنیاوی زندگی اور آرائش چاہے یعنی نیک کام کر کے فقط دنیا کا فائدہ چاہے۔ اور آخرت پر نظر نہ کرے محض دنیا کی شہرت اور نیک نامی اسکا مقصود ہو ثواب آخرت اسکا مقصود نہ ہو تو ہم ان لوگوں کے اعمال کی جزا دنیا ہی میں پوری پوری دیتے ہیں یعنی دنیا میں انکو مال و دولت اور عزت و وجاہت اور صحت و اولاد کی کثرت عنایت کر دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے عوض میں کوئی کمی نہیں کی جاتی ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں سوائے دوزخ کے کچھ نہیں اور انہوں نے جو دنیا میں عمل کیا تھا وہ آخرت میں جا کر سب تباہ اور برباد ہوا اور سارا کیا کیا کار کیا اور آخرت میں کچھ کام نہ آیا اور دنیا میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ فی نفسہ اور فی حد ذاتہ بھی نیست اور نابود ہیں کیونکہ جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو وہ فی حد ذاتہ بیهوده ہے۔

الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل
کافروں نے دنیا میں جو ایسے عمل کیے کہ جو ظاہر صورت کے اعتبار سے صالح تھے مثلاً کسی کو نفع یا فائدہ پہنچانا۔ ایسے اعمال کے منعلق حبط ہوا فرمایا۔ جن اعمال کی صورت نیک کی تھی وہ قیامت کے دن حبط ہو جائیں گے۔ ان پر کوئی اجر اور ثواب مرتب نہ ہو گا۔ باقی حقیقت

کے اعتبار سے اچھے تمام اعمال باطل اور نابود تھے فی نفسہ انکے تمام اعمال باطل کسی شمار میں نہ تھے کیونکہ ایمان و اخلاص سے عاری تھے اور عجب نہیں مَّا کَانُوا يَعْمَلُونَ۔ سے ان کے اعمال کفریہ اور شرکیہ مراد ہوں تو ایسے اعمال کا صورت اور حقیقت کے اعتبار سے باطل اور لغو ہونا ظاہر و باہر ہے ایسے اعمال کے متعلق فرمایا۔ وَ بَطِلَ مَّا کَانُوا يَعْمَلُونَ۔ اور گزشتہ آیت یعنی وَ جِطَّ مَا صَنَعُوا۔ میں وہ اعمال مراد ہیں جو بظاہر خیر اور بھلائی کے ہیں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی اور مہمان نوازی کافروں کے۔ ایسے اعمال قیامت کے دن جبط ہو جائیں گے۔ یعنی ان پر کوئی آخری ثواب نہ ملے گا البتہ یہ ممکن ہے کہ ان اعمال حسنہ کی بنا پر کافروں کے عذاب دوزخ میں تخفیف کر دی جائے جیسے ابو طالب کے حق میں آیا ہے کہ جہنم میں سب سے خفیف عذاب ابو طالب کو ہو گا۔ ثواب ملنا اور چیز ہے اور عذاب میں تخفیف ہو جانا اور چیز ہے۔

اس آیت کے ثنائی نزول میں مختلف روایتیں آئی ہیں کہ یہ آیت کافروں اور مشرکوں کے بارے میں ہے یا یہود و نصاریٰ کے بارے میں یا منافقوں کے بارے میں یا اہل رب کے بارے میں ہے صحیح قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے جو سب کو شامل ہے اور مطلب یہ ہے کہ کافر ہو یا منافق یا رب کے کار جو بظاہر نیک عمل کرتے ہیں اسکا بدلہ انکو دنیا ہی میں دے دیا جائے گا۔ اور آخرت میں سوائے نار کے اور کچھ نہیں ملے گا لہذا انکو چاہیے کہ اپنی اس دنیاوی نیکی کے بھروسہ پر نہ رہیں اور یہ خیال نہ کریں کہ آخرت میں بھی ہماری یہ نیکیاں کام آئیں گی۔ آخرت میں سوائے اخلاص کے کچھ کام نہ آتے گا۔



أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ

بھلا ایک شخص جو ہے نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور پہنچتی ہے

شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً

اسکو گواہی اس سے اور پہلے اس سے کتاب موسیٰ کی راہ ڈالتی اور مہربانی

أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ

وہی لوگ مانتے ہیں اس کو اور جو کوئی منکر ہو اس سے سب فرقوں

فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ إِنَّهُ الْحَقُّ

میں سو آگ ہے وعدہ اسکا۔ سو تو مت رہ شبہ میں اس سے۔ یہ تحقیق ہے تیرے

مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ

رب کی طرف سے پھر بہت لوگ یقین نہیں رکھتے۔ اور کون

أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ

ظالم اس سے؟ جو باندھے اللہ پر جھوٹ وہ لوگ رو برو آویں گے

عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ أَلَّا شَهِادًا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا

اپنے رب کے اور کہیں گے گواہی والے یہی ہیں جنہوں نے جھوٹ بولا

عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أَلَّا تَعْنَىٰ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ

اپنے رب پر سُن لو! پھٹکار ہے اللہ کی بے انصاف لوگوں پر۔ جو

يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ

روکتے ہیں اللہ کی راہ سے اور ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی اور دہی

بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۹﴾ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ

ہیں آخرت سے مُنکر۔ وہ لوگ نہیں تھکانے والے زمین

فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ

میں بھاگ کر اور نہیں ان کو اللہ کے سوا

أَوْلِيَاءَ يُضْعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۖ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ

حمایتی دونا ہے ان کو عذاب نہ سکتے تھے سنا،

السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا

اور نہ تھے دیکھتے۔ وہی ہیں جو ہار بیٹھے

أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ

اپنی جان اور گم ہو گیا ان سے جو جھوٹ باندھتے تھے آپ ہوا

أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْآخَسِرُونَ ﴿٢٢﴾ إِنَّ الَّذِينَ

(بلاشبہ) کہ یہ لوگ آخرت میں یہی ہیں سب سے خراب - البتہ جو یقین

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ

لائے اور کہیں نیکیاں اور عاجزی کی اپنے رب کی طرف وہ

أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ

میں جنت کے لوگ وہ اس میں رہا کریں - مثال دونوں فرقوں

كَالْأَعْيُنِ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِينَ

کی ، جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا اور سنتا - کیا برابر ہے

مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

دونوں کا حال ؟ پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

اہل دنیا اور اہل آخرت کا مقابلہ اور موازنہ اور فریقین کے نتائج اخروی کا بیان

قال الله تعالى أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ يَتْنَةٍ مِّن رَّبِّهِ... إِلَى... هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔
(ربط) گذشتہ آیت میں اہل دنیا کا بیان تھا اب ان آیات میں اہل دنیا اور اہل آخرت کا موازنہ اور
مقابلہ ہے اور فریقین کے نتائج اخروی کا بیان اور پھر آخر میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی مثال بیان کی کہ کافر
تو مثل اندھے اور گونگے کے ہیں اور ایماندار مثل بینا اور شنوا کے ہیں دونوں کے اعمال اور افعال میں اور
دونوں کے حال اور مال میں زمین و آسمان کا فرق ہے اسی طرح سمجھو کہ اہل دنیا اور اہل آخرت برابر نہیں ہو سکتے
چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر قائم ہو جو اس کو راہ حق دکھلاوے
بیٹہ سے صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے جس پر چل کر آدمی سیدھا خدا تک پہنچ جائے اس
کا مصداق دین اسلام ہے جو عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام
پر پیدا ہوتا ہے جب تک بولنا سیکھتا ہے اس وقت تک اسی عہد السنت یعنی توحید اور اقرار ربوبیت
پر قائم رہتا ہے اور ہوشیار ہونے کے بعد ماں باپ کے ساتھ مل جاتا ہے اور علاوہ ازیں اس روشن دلیل

کے پیچھے پیچھے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی آئے یعنی قرآن آئے جو اس دلیل عقلی و فطری کی صحت پر گواہی دے
بینہ سے مراد دین حق ہے جو دلیل عقلی و فطری اور براہین قاطعہ سے ثابت ہے اور شاہد ربانی (گواہ) سے قرآن
مجید مراد ہے یعنی قرآن کریم کا اعجاز اور اسکے بے مثال علوم و معارف۔ دین اسلام کی حقانیت کے گواہ ہیں
پس کیا ایسا شخص جو دلیل عقلی اور دلیل نقلی پر قائم ہو یعنی ایسے صاف اور روشن راہ پر گامزن ہو جسکا صاف
اور روشن ہونا دلیل وجدانی سے ثابت ہو اور پھر اسکے بعد دلیل ربانی یعنی وحی آسمانی بھی اسکی صحت کا شاہد
اور گواہ ہو تو کیا ایسا شخص اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے کہ جس کی ہمت فقط حیات دنیا اور اس کی زینت
پر مقتصور ہو۔ ہرگز ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

اور اس روشن دلیل کا ایک شاہد قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے یعنی توریت ہے
در آنجا لیکہ وہ کتاب موسیٰ اپنے زمانہ میں اہل دین کی مقتدار اور پیشوا تھی تمام انبیاء بنی اسرائیل اس کا اتباع
کرتے تھے اسکے موافق حکم دیتے تھے اور در آنجا لیکہ وہ کتاب موسیٰ اہل ایمان کے لیے سامان رحمت تھی
کہ اسکے اتباع کی برکت سے رحمت نازل ہوتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ توریت اپنے زمانہ میں امام اور رحمت
تھی اور توریت کے بعد اب یہ کتاب یعنی یہ قرآن امام اور رحمت ہے اسکے اتباع اور اقتدار سے اللہ کی رحمت
ملے گی۔ مقصود یہ ہے کہ دین اسلام ایک طریق مستقیم ہے جسکا مستحکم ہونا دلیل عقلی اور فطری سے ثابت ہے
پھر اسکی صحت پر قرآن کریم شاہد ہے اور قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی عظیم الشان کتاب توریت بھی اس
کی شاہد ہے پس بجانب اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کے صراط مستقیم ہونے کا ایک شاہد تو قرآن کریم ہے اور دوسرا
شاہد موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہے۔ جس نے نزول قرآن کی خبر دی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر
دی اور آپ کی نبوت عامہ اور ختم نبوت کی شہادت دی نزول قرآن اور نبی امیؐ کے ظہور کی بشارت اس میں موجود
ہے اور پھر توریت کے بعد زبور اور انجیل نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر دی جس کو علماء بنی اسرائیل
توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۰۹ ج ۹)

اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں شاہد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات
مراد ہے اس لیے کہ آپ کی صورت اور آپ کی سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ یہ دین حق ہے اور بعض علماء
یہ کہتے ہیں کہ شاہد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور مراد ہے۔

در دل ہر امتی کز حق مزہ است
روے و آواز پیغمبر معجز است

۱۷ اشارہ اس طرف ہے کہ اَفْصَحَ کَانَ کی خبر محذوف ہے جو یہ ہے۔

۱۸ قال ابواسحاق الزجاج والمعنى ویتلوہ من قبلہ کتاب موسی لان النبی صلی اللہ علیہ
وسلم موصوف فی کتاب موسی یجدونہ مکتوبا عندہم فی التورۃ والانجیل آم

آپ کے اخلاق و عادات اور معجزات اور آپ کا چہرہ انور سب اس بات کے شاہد اور گواہ ہیں کہ جو دین آپ لیکر آئے ہیں وہ بالکل سچا ہے اس لیے کہ یہ چہرہ انور سچے کا چہرہ ہے جھوٹے کا چہرہ نہیں شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں کہ گواہی پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اس دین کا نور اور مزہ پاتا ہے اور قرآن کی حلاوت آھ۔

خلاصہ کلام یہ کہ بتینہ سے روشن دلیل اور صاف راستہ اور سیدھی سڑک مراد ہے یا بالفاظ دیگر اس سے دین صحیح یعنی دین اسلام مراد ہے جس کی صحت دلائل عقلیہ اور فطریہ سے ثابت ہے اور اس کی صحت و صداقت پر دو شاہد عدل موجود ہیں ایک قرآن کریم دوسرے توریت و انجیل پس ایسے دین کے حسن و جمال میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ اور مَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ - سے وہ مؤمنین مخلصین مراد ہیں جو اس دین حق پر قائم ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ دین اسلام ایک نور عقل اور نور فطرت اور نور بصیرت ہے عجیب قسم کا ایک نور ہے اور دو نور غیبی اسکے شاہد اور مؤید ہیں ایک نور قرآن اور ایک نور توریت اس طرح یہ دین نور علی نور کا مصداق بن گیا۔ دین اسلام کیا ہے ایک مجموعہ انوار ہے تو کیا جو شخص ایسے منور اور روشن دین پر قائم ہو وہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو ظَلُمْتُ بِكَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ - میں گھرا ہوا ہوں اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر آتا ہو یعنی جو شخص دنیاوی لذات اور شہوات کا غلام بنا ہوا ہو اور سعادت اخرویہ سے محروم ہو وہ اہل نور اور اہل بصیرت کے مماثل اور مشابہ کہاں ہو سکتا ہے۔ دونوں میں بُعد المشرقین ہے ایسے ہی لوگ یعنی جو لوگ اصحاب بتینہ ہیں مراد یہ ہے کہ جو لوگ عقل اور نقل اور نور برہانی اور نور یزدانی کے جامع ہیں اور توریت اور انجیل کے عالم اور فاضل ہیں اس قرآن پر یا اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور دو اجر کے مستحق ہوتے ہیں۔ کَمَا قَالَ تَعَالَىٰ اُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنٍ - یہ لوگ اصحاب بتینہ ہیں اور عقل اور فطرت کے پیرو میں اور اہل بصیرت ہیں اس لیے کہ حق کو قبول کرتے ہیں اور جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس قرآن کے منزل من اللہ ہونے کا انکار کرے تو دوزخ اسکے وعدہ کی جگہ ہے جو طرح طرح کے عذابوں سے بھرپور ہے مطلب یہ ہے کہ دنیا کا کوئی فرقہ اور کوئی گروہ خواہ یہود و نصاریٰ یا ہئت پرست اور مجوس ہوں وغیرہ وغیرہ جب تک اس قرآن اور اس نبی کو نہ مانیں گے۔ نجات نہیں پاسکتے سوائے مخاطب! تو اس قرآن کی طرف سے شک میں مست پڑ بلاشبہ یہ کتاب حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے کسی کی بنائی ہوئی نہیں لیکن باوجود ان دلائل کے اکثر لوگ عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ جس چیز کی صداقت دلائل قطعیہ سے واضح ہو چکی ہو اس کو نہ ماننا حماقت ہے اور اپنی جانوں پر صریح ظلم کرنا ہے۔

ظالموں کے حال اور مال کا بیان

اس لیے اب آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ ظالموں اور افرار پر دازوں کا حال اور مال بیان فرماتے ہیں۔

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ظالموں کی دس حالتوں اور ذلتوں کو بیان فرمایا ہے۔

- (۱) افتزار علی اللہ (۲) مقام ذلت میں انکو کھڑا کیا جائیگا۔ اُولَئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ
- (۳) خدائی گواہ گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے خدا تعالیٰ پر جھوٹ بولا۔ (۴) یہ ظالم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں (۵) لوگوں کو حق سے روکتے ہیں (۶) دین میں شبہ نکالتے ہیں (۷) آخرت کے منکر ہیں (۸) خدا سے بھاگ نہیں سکتے (۹) ان کا کوئی مددگار نہیں (۱۰) انکا عذاب دو چند ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۹ جلد ۵)

چنانچہ فرماتے ہیں اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ اسکی وحی کا یا اس کی وحدانیت کا انکار کرے یا اس کے لیے کوئی شریک نامست کرے۔ یہی افتزار کرنے والے قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے مجرمانہ حیثیت سے پیش کئے جائیں گے اور گواہ یعنی کراماتیں اور انبیاء و مرسلین یا ان کے اعضاء اور جوارح علی الاعلان یہ کہیں گے کہ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے ازراہ عناد اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا اور خدا کی طرف غلط باتیں منسوب کیں آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے جو اپنے کفر اور ظلم کے ساتھ دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے روکتے ہیں اور راہ خدا یعنی دین اسلام میں کچی یعنی شکوک اور شبہات ڈھونڈتے رہتے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے ڈمگادیں جیسے آج کل ملحدین طرح طرح کے رسالے نکال رہے ہیں جن میں اسلام پر طرح طرح کی نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں انکا مقصود فقط دنیا ہے دنیا کی شہوتوں اور لذتوں پر فریفتہ ہیں۔ دین اسلام میں کوئی عیب نہیں مگر یہ کہ وہ شہوت پرستی کا مخالف ہے اس لیے یہ کافر اور منافق اور نام کے مسلمان اس میں عیب تلاش کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے شبہ ڈال دیں۔ یہاں تک تو فرشتوں کے اعلان کا مضمون تھا اب آگے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یہ لوگ زمین میں کہیں چھپ کر یا بھاگ کر خدا تعالیٰ کو پکڑنے سے عاجز نہیں کر سکتے۔ کوئی اسکے پیچھے گرفت سے چھوٹ نہیں سکتا اور گرفتاری کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انکا مددگار نہیں جو انکو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑالے۔ ایسوں کو تو دوسری ماردی جائے گی۔ ایک اپنی مگرابی کی اور ایک دوسروں کو گمراہ کرے گی اور یہ لوگ حق سے اس درجہ نفور اور بیزار تھے کہ حق کے سننے کی تاب نہیں رکھتے تھے اور نہ اسکو دیکھ سکتے تھے یہ وہ گروہ ہے جنہوں نے آخرت کے معاملے میں اپنی جانوں کو نقصان پہنچایا اور جو افتزار وہ دنیا میں کرتے تھے آخرت میں سب جاتا رہا۔ ان کا یہ کہنا کہ فرشتے اور بہت اور سیح اور دیوی اور دیوتا ہماری شفاعت کریں گے سب غلط نکلا۔ پس لازمی نتیجہ اسکا یہ ہے کہ یہ جماعت آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والی رہی اس لیے کہ ان لوگوں نے آخرت کو فروخت کر کے جہنم کو خرید لیا تھا۔

مایہ دیں را بدینا دادن از دودں ہمتی است ز انکہ دنیا جملگی رنج است و دیں آسائش است
نعمت فانی ستانی دولت باقی دہی اندر بس سودا خرد داند کہ غبن فاحش است

ذکر حال و مال اہل ایمان

اب اہل ایمان اور اہل طاعت کا حال اور مال بیان کرتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور خشوع اور خضوع اور تواضع کے ساتھ بالکلیہ اپنے پروردگار کی طرف مائل اور متوجہ ہوں گے ایسے ہی لوگ جنتی ہیں ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ اب آگے دونوں فریق کی مثال بیان کرتے ہیں۔

مثال فریقین

ان ہر دو فریق یعنی مؤمن اور کافر کی مثال اندھے اور بہرے اور بینا اور شنوا کی ہے۔ کافر اندھا اور بہر ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ سنتا ہے اور مؤمن بینا اور شنوا ہے حق کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے کیا یہ دونوں فریق یعنی اندھا اور بہر۔ اور سننے والا اور دیکھنے والا۔ حال اور مثال میں برابر ہو سکتے ہیں یعنی ہرگز نہیں اسی طرح مؤمن کافر بھی برابر نہیں ہو سکتے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے یعنی دل کے بینا بن جاؤ تاکہ آخرت کی تجارت کر سکو اور اگر خود بینا نہیں تو کسی بینا کی سنو اور اس پر چلو اصل بینا وہ ہے جو حق کو حق اور باطل کو باطل دیکھے اور حق کی پیروی کرے اور باطل سے بچے اور جو حق کو نہ دیکھتا ہو اور نہ سنتا ہو وہ نابینا اور بہرا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ الْاٰیۃِ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ اس آیت (یعنی) اَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسٰی اِمَامًا وَ رَحْمَةً اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ یہ کی تفسیر میں غور و فکر کے بعد میرے نزدیک جو تحقیق ہے وہ درج کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ بعض افراد نے بعثت نبوی سے قبل قلب سلیم کی شہادت اور ذکاوت سے کچھ اصول شریعت کو پہچان لیا تھا کہ وہ بت پرستی اور شراب خوری اور زنا کاری کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور خواب اور رویائے صادقہ اور منامات صالحہ کے ذریعہ آپ کی بعثت کو بھی جانتے تھے اور آپ کی بعثت کے منتظر تھے اس اجمالی علم کو جو ان کے قلوب میں مرکوز تھا اس کو حق تعالیٰ نے بینہ اور دلیل سے تعبیر فرمایا ہے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اپنی آنکھوں سے اپنے خوابوں کی تعبیر دیکھ لی اور اپنے اس علم اجمالی کی شہادت کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو ان کا علم اجمالی۔ علم تفصیلی سے اور ظن و گمان، یقین اور مشاہدہ سے تبدیل ہو گیا۔ اسی علم تفصیلی اور مشاہدہ کو حق تعالیٰ نے شاہد سے تعبیر فرمایا۔ شَاهِدٌ مِّنْهُ اور نزول قرآن سے پہلے توریت۔ اہل دین و ملت کے پیشوا اور رہنما تھے اور اب

ان کا امام اور پیشوا قرآن ہو گیا ہے صحابہ کرامؓ میں کی ایک اعلیٰ جماعت ان اوصاف سے جو اوپر مذکور ہوئے موصوف تھی جن کے سر دفتر حضرت صدیق اکبرؓ تھے اور باطنی مناسبت اور قلبی ذکاوت اور سلامت کی وجہ سے آپ کو قبول اسلام میں کوئی تامل نہیں ہوا بلکہ تامل اور بدولت طلب معجزہ ایمان لے آئے اس آیت میں اسی طرف اشارہ ہے (ازالۃ الخفاء)

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي

اور ہم نے بھیجا نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف کہ میں

لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا

تم کو ڈر سنانا ہوں کھول کر۔ کہ نہ پوجو سوا

اللَّهِ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ إِلِيمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ

اللہ کے۔ میں ڈرتا ہوں تم پر عذاب سے ایک دکھ والے دن کے۔ پھر بولے

الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَرِيكَ إِلَّا بَشَرًا

سردار جو منکر تھے اس کی قوم کے ہم دیکھتے نہیں تجھ کو مگر آدمی

مِثْلَنَا وَمَا تَرِيكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ

جیسے ہم۔ اور دیکھتے نہیں کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم میں

أَرَادْنَا بِأَدَى الرَّأْيِ وَمَا تَرِي لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ

قوم ہیں اوپر کی عقل سے اور دیکھتے نہیں تم کو اپنے اوپر

فَضْلٍ بَلْ تَظُنُّكُمْ كَذِبِينَ ﴿٢٧﴾ قَالَ يُقَوْمُ أَرَأَيْتُمْ

کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔ بولا اے قوم! دیکھو تو!

إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ

اگر میں ہوا نظر آتی راہ پر اپنے رب کی اور اس نے دی مجھ کو مہر

عِنْدَهُ فَعِصِيَتْ عَلَيْكُمْ ۖ أَنْ لَزِمْتُمْ مَوَاطِنَ أَنْتُمْ لَهَا

اپنے پاس سے پھر وہ تمہاری آنکھ سے چھپا رکھی۔ کیا ہم لگاویں وہ تم کو۔ اور تم اس

کِرْهُوْنَ ۚ ۲۸ وَيَقُومِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ

سے بیزار ہو۔ اور اے قوم! نہیں مانگتا میں تم سے اس پر کچھ مال۔ میری

أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ

مزدوری نہیں مگر اللہ پر اور میں نہیں ہانکنے والا ایمان والوں کو۔

إِنَّهُمْ مُلْقَوُا رَبَّهُمْ وَلَكِنَّ لِي أَرْكَمُ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ۚ ۲۹

ان کو ملنا ہے اپنے رب سے لیکن میں دیکھتا ہوں تم لوگ جاہل ہو۔

وَيَقُومِ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ ۖ إِنْ طَرَدْتَهُمْ أَفَلَا

اور اے قوم! کون چھڑا دے مجھ کو اللہ سے اگر انکو ہانک دوں کیا تم

تَذَكَّرُونَ ۚ ۳۰ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ

دھیان نہیں کرتے ہو۔ اور میں نہیں کہتا تم کو میرے پاس ہیں خزانے اللہ کے

وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا

اور نہ میں خبر رکھوں غیب کی اور نہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ

أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ

کہوں گا کہ جو تمہاری آنکھ میں حقیر ہیں نہ دے گا ان کو اللہ

خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۚ ۳۱ إِنِّي إِذًا لَمِنَ

بھلائی۔ اللہ بہتر جانے جو اُن کے جی میں ہے یہ کہوں تو میں

الظَّالِمِينَ ۚ ۳۱ قَالُوا يَنْوَسُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَاكْثَرْتَ جِدَالَنَا

بے انصاف ہوں۔ بولے، اے نوح! تو ہم سے جھگڑا اور بہت جھگڑا چکا

فَاتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ إِنَّمَا

اب لے آ جو وعدہ دیتا ہے ہم کو، اگر تو سچا ہے۔ کہا لاوے گا

يَأْتِيَكُم بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۳﴾ وَلَا

تو اس کو اللہ ہی، اگر چاہے گا اور تم نہ ٹھکاندہ گے بھاگ کر اور نہ

يَنْفَعُكُمْ نَصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ

کام کرے گی تم کو میری نصیحت جو میں چاہوں تم کو نصیحت کروں۔ اگر

اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ ذُو رُبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تَرْجِعُونَ ﴿۳۴﴾

اللہ چاہتا ہو گا کہ تم کو بے راہ چلا دے۔ وہی ہے رب تمہارا اور اسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَامِي

کیا کہتے ہیں؟ بنا لایا قرآن کو۔ تو کہہ اگر بنا لایا ہوں، تو مجھ پر ہے میرا گناہ

وَإِنَّا بِرَبِّيْ عَمَّاسَاتَجِرْمُونَ ﴿۳۵﴾

اور میرا ذمہ نہیں جو تم گناہ کرتے ہو۔

قصہ نوح علیہ السلام با قوم او

قَالَ تَعَالٰی وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ... وَأَنَا بِرَبِّيْ عَمَّاسَاتَجِرْمُونَ

(ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اہل حق اور اہل باطل کا برابر ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ بینا اور نابینا اور شنوا اور بہرے کا برابر ہونا ناممکن ہے۔ پس غور کر لو کہ ان دو مختلف اور متضاد فریقین کا انجام کیسے یکساں ہو سکتا ہے۔

اب آگے اسی مضمون کی تائید اور تاکید کے لیے چند عبرتناک واقعات بیان کرتے ہیں جن میں اول قصہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا ہے کہ جو صد ہا سال کی نصیحت کے بعد بھی راہ راست پر نہ آئے بالآخر غرق ہوئے یہ قصہ اگرچہ سورہ یونس میں مذکور ہو چکا ہے مگر یہاں کچھ زائد حالات کا ذکر ہے جن سے

جدید فوائد حاصل ہوتے ہیں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی ساڑھے نو سو برس قوم کو نصیحت کرتے رہے اسکے بعد طوفان آیا۔ طوفان کے ساتھ برس بعد تک زندہ رہے اس قسم کے واقعات سے کفار کو تنبیہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ آپ کفار کی تکذیب سے دلگیر نہ ہوں اطمینان اور صبر کے ساتھ دعوت اور تبلیغ میں لگے رہیں۔

نکتہ | سورہ یونس میں نوح علیہ السلام کا قصہ استعجال عذاب کے جواب میں ذکر کیا اور یہاں کفار کی ایذا رسانی اور انکے تمسخر کے جواب میں ذکر کیا کہ نوح علیہ السلام نے انکے ایذا اور تمسخر پر صبر کیا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو نجات دی اور ان مسخروں کو ہلاک کیا۔ (تفسیر کبیر ص ۶۸ ج ۵)

اور البتہ تحقیق ہم نے نوح علیہ السلام کو انکی قوم کی طرف جو حق کے بارے میں اندھے اور بہرے بنے ہوئے تھے۔ رسول بنا کر بھیجا نوح علیہ السلام نے ان سے یہ کہا کہ تحقیق میں تمہارے لیے کھول کر ڈرنے والا ہوں یعنی اسباب عذاب اور وجہ خلاص کو بیان کرنے والا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ تحقیق میں تم کو ایک بڑے دردناک دن کے عذاب سے ڈراتا ہوں۔

قوم کا جواب

پس انکی قوم کے جو لوگ کافر تھے انکے سردار جواب میں یہ کہنے لگے کہ اے نوح! اول تو ہم تم کو اپنے جیسا ہی آدمی دیکھتے ہیں یعنی تم میں کوئی خاص فضیلت اور خصوصیت اور امتیاز نہیں پاتے جس کی بنا پر ہم آپ کو نبی مانیں جیسے انسان تم ہو ویسے ہی انسان ہم بھی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم پر توحی آئے اور ہم پر نہ آئے اور دوم یہ کہ ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو کسی نے سوائے ان لوگوں کے جو ہم میں کے رذیل اور کمینہ ہیں اور یہ پیروی بھی انہوں نے بے سوچے سرسری نظر سے کر لی ہے اگر وہ غور و فکر کرتے تو وہ بھی آپ کی پیروی نہ کرتے ان بے سمجھ لوگوں نے سادہ لوحی سے آپ کے سحر کو معجزہ اور آپ کے شبہات کو دلائل اور براہین سمجھ لیا ہے مطلب یہ ہے کہ نہ آپ میں کوئی شان امتیازی ہے اور نہ آپ کے پیروؤں میں کوئی خاص خصوصیت ہے بلکہ وہ رذیل اور بے عقل اور جاہل لوگ ہیں جنکے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے معززین کے لیے باعث عار اور تنگ ہے اور آج کل بھی ایسا طبقہ موجود ہے کہ جاہل ایمان کو عموماً اور علماء کو خصوصاً حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے اور انکو بیوقوف سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ طبقہ دنیاوی مال و جاہ میں ان سے کم ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک شرف و عزت کا دار و مدار مال و دولت پر ہے جسکے پاس مال نہیں وہ ان کے نزدیک رذیل ہے اگرچہ عقل و فہم میں ان سے کہیں بلند ہو اور ہم آپ لوگوں سے کس بات میں کم ہیں۔ ہم تمہارے لیے اپنے اوپر کسی قسم کی برتری نہیں دیکھتے تم ہم سے نہ مال و دولت میں زیادہ ہو اور نہ عزت و جلال

میں ہم سے بڑھ کر ہو پھر کیوں آپ کے تابع اور پیرو بنیں۔ بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ تم سب جھوٹے ہو تم نے ایک بات بنالی ہے اور چند بے وقوفوں نے بے سوچے سمجھے ہاں میں ہاں ملا دی ہے ایسے حقیر اور فقیر اول بے عقل اور جاہلوں کا اتباع آپ کی صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ ان ملعونین اور مغرورین و متکبرین کی جہالت آمیز تقریر تھی جو ختم ہوئی اب آئندہ آیت میں نوح علیہ السلام کا جواب باصواب آتا ہے اب اس کو سینے اور خوب کان لگا کر سنیے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے جواب باصواب

نوح علیہ السلام نے انکے جواب میں یہ کہا کہ اے میری قوم تمہارا میری بشری اور ظاہری صورت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ میں اور تم برابر ہیں یہ تمہاری جہالت اور حماقت ہے صورت بشریہ میں سب انسان شریک ہیں مگر باطنی فضائل و کمالات میں مختلف ہیں۔ بیشک انسان ہونے میں میں اور تم برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ظاہری صورت کے اعتبار سے اگرچہ مجھ کو تمہاری ہی جیسی صورت عطا رکھی ہے مگر باطنی فضائل و کمالات کے اعتبار سے مجھ کو تم سے جدا اور ممتاز بنایا ہے میں خدا تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لیکر آیا ہوں میں تمہارے مثل کیسے ہو سکتا ہوں صورت بشریہ کے اعتبار سے اگرچہ تمہارے مثل ہوں مگر فضائل و کمالات اور آیات و بیانات کے اعتبار سے تم سے ممتاز اور بالکل جدا ہوں۔ بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں جو میری صداقت پر گواہ ہو اور جس سے میری نبوت ثابت ہوتی ہو اور دی ہو اس نے اپنے پاس سے مجھے اپنی خاص رحمت یعنی نبوت و ہدایت کاملہ اور طہارت فاضلہ جس کو دیکھ کر ایک نظر میں صاحب بصیر سمجھ جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی بنائی ہوئی بات نہیں پھر یہ روشن حقیقت تمہاری آنکھ بند کر لینے کی وجہ سے تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی تکبر اور غرور نے تم کو اندھا بنا دیا اس لیے تم کو میری نبوت نظر نہیں آتی تو بتلاؤ ایسی صورت میں میں کیا کروں مجبور ہوں کیا اس رحمت اور ہدایت کو ہم دہر دہر سنیں تمہارے سرگادیں در آئیں گے تم اس سے بیزار اور متنفر ہو اور اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی تم کو گوارا نہیں بشعل ہدایت تمہارے سامنے کر دی ہے اب دیکھنا اور نہ دیکھنا تمہارا کام ہے باقی کسی کو ہدایت یا ب کہہ دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے نبی اور ولی کے اختیار میں نہیں خلاصہ کلام یہ کہ میری نبوت تو دلائل اور براہین سے روز روشن کی طرح واضح ہے مگر تم کو اس لیے نظر نہیں آتی کہ تم دل کے اندھے ہو یا آنکھیں بند کیے ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے جو تم کو رحمت دی تم نے اسکی قدر نہ جانی بلکہ تکذیب کے درپے ہو تو کیا میں باوجود تمہاری اس کراہت اور نفرت کے اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں یہاں تک کافروں کے پہلے شبہ اور اعتراض کا جواب ہوا کہ تم ہم جیسے بشر ہو اب انکے دوسرے شبہ اور اعتراض کا جواب دیتے

ہیں۔ دوسرا شبہ انکا یہ تھا کہ آپ کے اتباع کرنے والے حقیر اور ذلیل لوگ ہیں سو یہ اعتراض بھی جہالت اور حماقت پر مبنی ہے عزت اور ذلت کا دار و مدار مال و دولت پر مبنی نہیں بلکہ اتباع حق پر ہے جس غریب و فقیر نے حق اور باطل کے فرق کو سمجھ کر حق کا اتباع کیا وہ عزت والا ہو گیا اور جس دولت مند نے حق سے منہ موڑا وہ ذلیل و خوار ہوا لہذا معلوم ہوا کہ اَرَاذِلٌ اور ضعفاء اور فقراء کا اتباع نبوت اور صداقت میں قاذح نہیں پھر یہ کہ اراذل صورت بشریہ میں تمہارے مثل ہیں پس تم جیسے اہل عقل اور اہل فہم کا نبوت کو قبول کرنا تم پر حجت ہے یہ غریب اور فقراء اگر مال و دولت میں تم سے کم ہیں تو عقل اور فہم میں تم سے بڑھ کر ہیں اور اگر برابر بھی ہوں تو ان کی آنکھوں پر کوئی پردہ نہیں اور تمہاری آنکھوں پر تکبر اور غرور کا پردہ پڑا ہوا ہے اس لیے تم کو یہ روشن حقیقت نظر نہیں آتی جو ان فقراء اور ضعفاء کو نظر آرہی ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ فرمایا اے میری قوم میں تم سے تبلیغ و رسالت پر کوئی مال نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ جزا میں نیست کہ میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور جس کا اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میرا مقصود تو نصیحت اور تبلیغ رسالت ہے میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر ہے مال و دولت پر میری نظر نہیں۔ اس لیے میری نظر میں امیر و فقیر اور دولت مند اور حاجتمند سب برابر ہیں ظاہری صورت کے اعتبار سے بیشک میں بشر ہوں مگر حقیقت باطنہ کے لحاظ سے فرشتہ بلکہ فرشتہ سے بڑھ کر ہوں حرص اور طمع سے بالکل پاک اور منزہ ہوں اور ظاہر ہے کہ جو طمع اور غرض سے پاک ہو وہ کیوں جھوٹ بولے گا۔ تم درہم و دینار کے بندے ہو اور میں خالص خدا کا بندہ ہوں۔ میری نظر صرف خدا پر ہے مجھ میں اور تم میں یہ فرق ہے اگر عقل رکھتے ہو تو سمجھ لو اور تم میرے متبعین کی ظاہری شکستگی اور تنگدستی کو دیکھ کر انہیں رذیل کہتے اور حقیر سمجھتے ہو اور یہ چاہتے ہو کہ میں انکو اپنے پاس سے نکال دوں تب تم میرے پاس بیٹھو۔ اور میری بات سنو تو خوب سمجھ لو کہ میں اہل ایمان کو اپنی مجلس اور صحبت سے ہانک دینے والا نہیں میں تمہاری درخواست کی بنا پر ضعفاء و مؤمنین اور فقراء و مسلمین کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ تحقیق یہ درویشان اسلام عزت و کرامت کے ساتھ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں قیامت کے دن انکے ایمان اور اعمال صالحہ سے انکی کرامت ظاہر ہوگی اور مؤمن کو دنیا و مافیہا سے دس گنا زیادہ دولت ملے گی۔ اور یہ دولت مند کا فرمچہ کے ایک پر کے برابر بھی نہ ہوں گے ویکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جاہل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت اور موٹر بنگلہ کو عزت سمجھتے ہو اور اہل ایمان جو خدا تعالیٰ کے نزدیک معزز اور مقرب ہیں دل سے انکو حقیر و ذلیل اور زبان سے انکو کمینہ اور رذیل کہتے ہو تم ایسی جاہل قوم ہو کہ تمہیں عزت و ذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ خداوند ذوالجلال سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت ہے اور خداوند تعالیٰ سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔ وَاللّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَّسُوْلِهِ وَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر ۝ توجہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور اے میری قوم! اگر بالفرض والتقدیر تمہاری رعایت سے ان غبار اور فقرار کو اپنی مجلس سے علیحدہ کر دوں تو بتلاؤ کون مجھ کو اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔ غریب طالب حق کو دولت مند کی رعایت سے مجلس سے نہیں ہٹایا جاسکتا یہ بے انصافی اور ظلم ہے میں تمہاری رعایت سے خدا کے مخلص بندوں کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا اگر خدا خواستہ ایسا کروں تو مجھے خدا کی گرفت سے کون بچا سکے گا کیا بھلا تم غور نہیں کرتے کہ ایمان اور اطاعت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت ملتی ہے محض دنیاوی مال و دولت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا اور ان فقرار مومنین کو ولایت باکرامت کی عزت سے سرفراز فرمایا۔

بعد ازاں نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کافروں کے اور بعض اقوال کا جواب ارشاد فرمایا اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں یعنی بیشک میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جسکے ہونے کو تم عزت جانتے ہو یعنی مال و دولت کے خزانے اور جسکے نہ ہونے کو خساست اور رذالت سمجھتے ہو اور مال و دولت کے نہ ہونے کو کاذب ہونے کی دلیل قرار دیتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ۔ خوب سمجھ لو کہ رسول کے لیے یہ شرط نہیں کہ وہ خزانوں کا مالک ہو میرے نزدیک مال و دولت کا وجود اور عدم سب برابر ہے۔ میرے نزدیک عزت کا دار و مدار ایمان اور اطاعت پر ہے اور مال و دولت کا نہ ہونا کاذب ہونے کی دلیل نہیں کیا فقیر، کاذب اور مال دار، صادق ہوتا ہے اور نہ میں غیب دان ہوں کہ لوگوں کے باطن کی خبر دوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں یعنی تم جو یہ کہتے ہو کہ ہم تم کو اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں تو میرا یہ دعویٰ کب ہے کہ میں فرشتہ ہوں مگر تمہاری یہ جہالت ہے کہ تم بشریت کو نبوت کے منافی خیال کرتے ہو فرشتوں کا رتبہ تو انبیاء سے کم ہی ہے البتہ میں بشر ہوں مگر مؤید بہ معجزات ہوں تم عجیب نادان ہو کہ شجر اور حجر کو تو خدا اور محبوب سمجھتے ہو اور بشر کے نبی ہونے کے منکر ہو صورت بشر یہ میں تمہارے مثل ہوں لیکن کمالات بشریہ اور فضائل انسانیہ میں تم سے ممتاز اور جدا ہوں یہ تو اپنے متعلق ارشاد فرمایا اب آگے اپنے متبعین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقارت سے دیکھتی ہیں میں انکی نسبت یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لاتے اس لیے اللہ تعالیٰ انکو ہرگز کوئی بھلائی نہیں دے گا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے اگر یہ لوگ مثل ظاہر کے باطن میں بھی مومن بنیں تو انکو بہتر جزا ملے گی جو تمام ملے زمین کی سلطنت اور اسکے خزانوں سے بہتر ہوگی چونکہ یہ لوگ ظاہر میں مسلمان ہیں اس لیے میں اس کے مطابق انکے ساتھ سلوک کرتا ہوں باطن کی خبر تو اللہ تعالیٰ جانے اگر میں انکو نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں سے ہوں گا کہ محض شبہ اور گمان کی بنا پر ان کو نکال دیا۔ انبیاء کرام کو اللہ کا یہ حکم ہے کہ ظاہر کے مطابق معاملہ کریں۔

الغرض تمہارے یہ تمام شبہات اور اعتراضات سب لایعنی اور بھل ہیں اور جو میں کہتا ہوں وہ حق اور صحیح ہے اور دلیل اور برہان سے ثابت ہے۔ جب کفار نوح علیہ السلام کے جوابات سے لا جواب ہوئے

توبہ کہنے لگے کہ اے نوحؑ تو نے ہمارے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ کیا اور بحث کو بہت بڑھایا اور طول دیا۔ خیر اب بحث تو چھوڑو۔ پس اگر آپؑ سچوں میں سے ہیں تو آپؑ وہ عذاب لے آئیں جس سے آپؑ ہم کو ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے۔ اور مجھے رسول نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئیگا۔ اب آپؑ بحث کو چھوڑ بیٹے اور عذاب لائیے تو نوح علیہ السلام نے انکو جواب میں کہا میرے اختیار میں دعوت و نصیحت تھی وہ کر چکا۔

باقی عذاب کا لانا وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جزایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ہی عذاب لائے گا جب اس کو منظور ہوگا۔ دیر میں آئے یا سویر میں اور پھر تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے مجھے جو نصیحت کرنی تھی وہ میں نے تمکو کر دی۔ اب آخری بات یہ ہے جس پر میں اپنے کلام کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ میری نصیحت تم کو سودمند نہ ہوگی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں تو میرے ارادے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ازل میں تمہارے گمراہ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے اور رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو بدل سکے۔

وہی تمہارا مربی اور محسن ہے اس نے تمہاری ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے تم کو چاہتے تھا کہ اسکے حکموں پر چلتے مگر ازراہ عناد تم مجرم بنے اور ایک دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کی جزا پاؤ گے۔ کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ نوحؑ نے یہ پیغام اپنی طرف سے بنالیا ہے یعنی از خود گھڑ لیا ہے۔ اے نوحؑ آپؑ جواب میں کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑ لیا ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر ہوگا اور میں بری ہوں اس جرم سے جس کے تم مرتکب ہو مفسرین کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ آیت نوح علیہ السلام کے قصہ کا تتمہ ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو کفار مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کہ یہ قرآن آپؑ خود بنالائے ہیں۔ خدا کا کلام نہیں ہے حضرت نوحؑ کوئی کتاب نہ لائے تھے جو ان کی قوم یہ بات کہتی۔ اس لیے یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کے کلام کو درمیان قصہ نوحؑ ذکر فرمایا یہاں تک ختم سوالات اور جوابات ذکر کیے وہ سب قوم نوح کے متعلق تھے مگر کفار مکہ بھی یہی کہتے تھے اس لیے درمیان قصہ بطور جملہ معترضہ کفار مکہ کا کلام ذکر کر دیا گیا۔ اب آگے پھر نوح علیہ السلام کا باقی قصہ ذکر ہوتا ہے۔

لطائف و معارف

عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں۔

اشقیاء را دیدہ بینا نبود نیک و بد در دیدہ شاں یکساں نمود
بد بخت لوگ دل کی آنکھوں سے محروم تھے۔ اس لیے انکی نظر میں نیک و بد یکساں دکھائی دیتے تھے۔

ہمسری ما انبیار برداشتند

اولیاء را، میجو خود پنداشتند

انبیاء کرام کے ہمہری کے مدعی تھے اور اولیاء کو اپنے برابر سمجھتے تھے۔

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر ۝ ماؤ ایشاں بستہ خواہیم و خور
اور یہ کہتے تھے کہ ہم بھی انسان ہیں اور انبیاء بھی انسان ہیں کھانے اور سونے کے دونوں پابند ہیں، پھر ہم میں
اور ان میں فرق کیا رہا۔

ایں ندانستند ایشاں از عملی ۝ ہست فرقی درمیاں بے منتہی
اور کور باطنی سے یہ نہ سمجھا کہ دونوں میں بے انتہا فرق ہے۔

ہر دو گوں زنبور خور دند از محل ۝ لیک شد زان نیش و زان دیگر عمل
دونوں قسم کے زنبور (بھڑ) ایک ہی جگہ سے پھلوں کا رس چوستی ہیں مگر ایک زنبور سے ڈنگ پیدا
ہوتا ہے اور دوسرے زنبور سے شہد پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو گوں آ ہو گیا خور دند آب ۝ زیں یکے سرگیں شد و زان مشکناں
اس شعر میں ایک دوسری مثال ذکر کرتے ہیں کہ دونوں قسم کے ہرن ایک ہی قسم کی گھاس چرتے ہیں
اور ایک ہی گھاٹ سے پانی پیتے ہیں لیکن ایک سے توینگیاں بنتی ہیں اور دوسرے سے خالص مشک
نکلتی ہے۔

ہر دو نے خور دند از یک آب خورد ۝ آں یکے خالی و آں پُر از شکر
یہ تیسری مثال ہے کہ دونوں قسم کی نے ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں لیکن ایک کھوکھلی ہے
اور دوسری شکر اور رس سے پُر ہے۔

صد ہزاراں ایں چنین استباہ میں ۝ فرق شاں ہفتاد سالہ راہ میں
اس قسم کی سو ہزار نظیریں دیکھو گے ان میں ستر سال کا فرق پاؤ گے۔

ایں خورد گردد پلیدی زوجہ ۝ واں خورد گردد ہم نور خدا
خدا کا نافرمان غذا کھاتا ہے تو اس سے نجاست نکلتی ہے اور خدا کا فرمانبردار کھاتا ہے تو اس سے
نور خدا یعنی معرفت اور محبت خداوندی پیدا ہوتی ہے۔

ایں خورد زاید ہمہ بخل و حسد ۝ واں خورد زاید ہمہ نور خدا
یہ کھاتا ہے تو سرسبز بخل و حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے نور خدا پیدا ہوتا ہے۔

ہر دو صورت گزہم ماندرو است ۝ آب تلخ و آب شیریں و اصفا است
سعید اور شقی کا صورت کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہونا ممکن ہے جیسا کہ آب تلخ اور آب
شیریں ظاہر کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ دونوں میں صفائی موجود ہے مگر حقیقت مختلف
ہے۔ جسکا فرق چکھنے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ کفار نے محض ظاہری مشابہت کی بنا پر انبیاء کرام کو اپنے ہمہ اور برابر جانا یہی ان

کی کور باطنی اور بے عقلی کی دلیل ہے رہبر کا کام راستہ بتانا ہے۔ اگر کسی گم گشتہ راہ کو لائق و دق میدان میں کوئی رہنما مل جائے جو راستہ سے بخوبی واقف ہو اور وہ اس کو راستہ بتلائے اور یہ شخص جواب میں یہ کہے کہ تم تو مجھ جیسے انسان ہو میں تم کو ہادی کیسے مانوں اور تمہارے کہنے پر کیسے چلوں تو یہی جواب اسکی نادانی اور حماقت کی دلیل ہے بلاشبہ وہ ہادی طریق صورت و شکل میں تم ہی جیسا انسان ہے مگر وہ منزل مقصود کی راہ سے بخوبی واقف ہے اور تم بے خبر ہو۔

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیرمغاں گوید
کہ سالک بے خبر بود ز راہ و رسم منزلہا

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنَ يُؤْمِنَ مِنْ

اور حکم ہوا طرف لوح ۴ کے اب ایمان نہیں لا دے گا تیری

قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ

قوم میں مگر جو ایمان لا چکا سو غمگین نہ

بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۳۶﴾ وَأَصْنَعِ الْفُلَكَ

رہے ان کاموں پر جو کر رہے ہیں اور بنا کشتی

بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيُنَا وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا

رو برو ہمارے اور ہمارے حکم سے اور نہ بول مجھ سے ظالموں کے واسطے۔ یہ البتہ

إِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعِ الْفُلَكَ وَكَلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ

غرق ہوں گے اور وہ کشتی بتاتا تھا اور جب گزرتے اس پر

مَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا

سردار اس کی قوم کے ہنسی کرتے اس سے بولا اگر تم ہنستے ہو ہم سے

فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ

تو ہم ہنستے ہیں تم سے جیسے تم ہنستے ہو۔ اب آگے جان لو گے

مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ

کس پر آتا ہے عذاب کہ رسوا کرے اُسکو اور اترتا ہے اس پر عذاب

مُقِيمٌ ۳۹ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُورُ ۖ قُلْنَا

ہمیشہ کا یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم

أَحْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ

نے، لادے اس میں ہر قسم سے جوڑا دھرا اور اپنے گھر کے

إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۖ وَمَا آمَنَ

لوگ مگر جس پر پہلے پڑ چکی بات اور جو ایمان لایا ہو۔ اور ایمان نہ لائے

مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ ۴۰ وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا

تھے اسکے ساتھ مگر ٹھوڑے اور بولا سوار ہو اس میں اللہ کے نام سے ہے اسکا

وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۚ ۴۱ وَهِيَ تَجْرِي

بہنا اور ٹھہرنا۔ تحقیق میرا رب ہے بخشنے والا مہربان۔ اور وہ لے بہتی ہے

بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۖ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ

ان کو لہروں میں جیسے پہاڑ۔ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو۔ اور وہ

فِي مَعَزٍ ۚ ابْنِي ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۚ ۴۲

ہو رہا تھا کنارے، اے بیٹے سوار ہو ساتھ ہمارے اور مت رہ ساتھ منکروں کے

قَالَ سَاوِيَ إِلَىٰ جَيْلٍ يَعْصِيَنِي مِنَ الْمَاءِ ۖ قَالَ

کہا میں لگ رہوں گا کسی پہاڑ کو کہ بچا لے گا مجھ کو پانی سے۔ بولا

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۚ وَحَالَ

کوئی بچانے والا نہیں آج اللہ کے حکم سے، مگر جس پر وہ مہر کرے اور نیچ آ پڑی

دونوں میں موج سو رہ گیا ڈوبنے والوں میں۔

$$\frac{12}{2}$$

یہی دُعا اور التجا تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنْ الْكَافِرِينَ كَيَّادًا۔ لہذا نازل عذاب کے وقت بمقتضائے شفقت و رحمت کوئی دُعا اور التجا نہ کریں کہ جو پہلی دُعا اور التجا کے خلاف ہو۔ ہماری بارگاہ سے ان ظالموں کی غرقابی کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام بنجار نہیں تھے اور کشتی بنانا نہیں جانتے تھے۔ اس لیے عرض کیا کہ اے خدا میں کس طرح کشتی بناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم بنوادیں گے۔ پس بحکم خداوندی تیشہ لے کر لکڑی تراشنا شروع کی تو برابر ٹھیک بنتی چلی جاتی تھی۔ اور اس طرح وہ کشتی بناتے تھے اور انکی قوم کے سرداروں میں کوئی جماعت جب ان پر گزرتی تو انکے ساتھ تسخر کرتی۔ اور یہ کہتی کہ اے نوح پہلے تو تم پیغمبر تھے اور اب بڑھئی ہو گئے اور دریا سے دور خشک بیابان میں کشتی تیار کر رہے ہو۔ اتنی بڑی کشتی خشکی سے کھینچ کر دریا میں کیسے لے جاؤ گے۔ تم مجنون ہو گئے ہو نیز خشکی میں کشتی کی ضرورت کیا۔ بلا ضرورت کس لیے کشتی بناتے ہو جہاں دور دور پانی کا نام و نشان نہ ہو وہاں کشتی بنانا بالکل عبث ہے۔ ابن عطیہؒ کہتے ہیں اس سے پہلے لوگوں نے کشتی دیکھی بھی نہ تھی۔ اور نہ اس کے استعمال کے طریقے سے واقف تھے اس لیے تعجب کرتے اور قہقہے لگاتے اور کہتے کہ اے نوح تم اس کو کیا کرو گے نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اگر تم ہم سے تسخر کرتے ہو تو ہم بھی تم پر ہنسیں گے جیسا کہ تم ہم پر ہنستے ہو وہ ہنستے تھے اس بات پر کہ خشکی پر کشتی بنائی جا رہی ہے کیا یہ کشتی خشکی پر چلے گی اور نوح علیہ السلام اس بات پر ہنستے تھے کہ یہ لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہیں موت انکے سر پر کھڑی ہے۔ انکو معلوم نہیں کہ کس طرح زمین سے پانی اُبل پڑے گا اور یہی خشکی تری بن جائے گی۔ اور انکو غرق کر ڈالے گی۔ سو عن قریب جان لو گے کہ وہ کون ہے کہ جس پر دنیا میں ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اسکو رسوا کرے گا۔ یعنی غرق ہو گا جسے دیکھ کر لوگ ہنسیں گے اور اس دنیاوی عذاب کے علاوہ آخرت میں اس پر ایک دائمی عذاب نازل ہو گا۔ جو کبھی اس سے دور نہ ہو گا۔ غرض یہ کہ اسی طرح سوال و جواب اور تسخر کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب عذاب کے متعلق ہمارا حکم آپہنچا اور اس کی ابتداء اس طرح سے ہوئی کہ روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا۔ یعنی اس میں سے پانی اُبلنے لگا جو مقدمہ طوفان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو عذاب آنے کی یہ نشانی بتا دی تھی کہ جب اس تنور میں سے پانی بھوٹنے لگے تو تم اہل ایمان کو لیکر کشتی پر سوار ہو جانا وَ هَذَا قَوْلُ الْحَسَنِؒ وَقَالَهٖ مَجَاهِدٌ وَ عَطِيَّةٌؒ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍؒ۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۳)

ابن جریرؒ اور دیگر محققین کا قول یہی ہے کہ تنور سے یہی روٹی پکانے کا تنور مراد ہے جس سے خلاف عادت پانی اُبلنے لگا اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ تنور سے صبح مراد ہے مگر اکثر مفسرین کے نزدیک مختار یہی ہے کہ تنور سے ظاہری معنی مراد ہیں اس لیے کہ تنور کے یہ معنی حقیقی اور معروف و متبادر ہیں۔ اور دوسرے معنی مجازی ہیں اور جب لفظ حقیقت اور مجاز کے درمیان دائر ہو تو بالا جماع اس کو حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے حق تعالیٰ جل شانہ نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ فرمایا تھا کہ جب تنور سے پانی

ابلتے دیکھو تو کشتی میں سوار ہو جانا یہ علامت تھی طوفان شروع ہونے کی۔

چنانچہ جب عذاب کی علامت ظاہر ہوئی کہ نور سے پانی ابلنا شروع ہوا اور زمین کے چشمے رواں کر دیئے گئے اور آسمان سے بشت پانی برسنا شروع ہوا۔ کَمَا قَالَ تَعَالَى فَنَفْتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّثَمَرٍ ۚ فَجَشَتْ نَا الْأَرْضُ مِثْوًۢا ۚ تو ہم نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کے لیے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے دو عدد جوڑا یعنی ایک ایک نر اور ایک مادہ کشتی میں اپنے ساتھ لاد لو اور اپنے اہل و عیال کو جو ایمان والے ہیں انکو بھی کشتی میں سوار کر لو مگر ان لوگوں کو مست سوار کرنا جنکی غرقابی اور ہلاکت کے متعلق قصداً و قدر جاری ہو چکی ہے۔ اور اہل و عیال کے علاوہ ان لوگوں کو بھی سوار کر لیجئے جو ایمان لائے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے انکے ساتھ مگر تھوڑے اشخاص جنکی تعداد اتنی تھی پس حضرت نوح علیہ السلام نے حسب الحکم ان کو کشتی میں سوار کیا اور فرمایا کہ سوار ہو جاؤ اس کشتی میں اور غرق کا اندیشہ مست کر دو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا سب اس کی رحمت اور اس کے نام کی برکت سے ہے نجات کا دار و مدار اس کی رحمت پر ہے۔ یہ کشتی اسکا ظاہری سبب ہے۔ لہذا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھو نہ کہ کشتی پر اور بعض علماء تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰهِ فَجَرَّهَا وَفُتِلَ جَلَدُ نہیں بلکہ ماقبل سے حال واقع ہے اور مطلب یہ ہے کہ کشتی میں بسم اللہ پڑھتے ہوئے سوار ہو۔ چنانچہ وہ لوگ مع ضروری جانوروں کے اس کشتی میں سوار ہو گئے اور اس اثنا میں پانی بہت بڑھ گیا۔ اب وہ کشتی انکو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چل رہی تھی یعنی پانی اس قدر کثیر تھا کہ اسکی موجیں اور لہریں پہاڑ کی مانند بلند تھیں مقصود یہ ہے کہ طوفان نہایت شدید تھا مگر یہ کشتی انہی موجوں میں اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نظر رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو سکون، اطمینان کے ساتھ لیکر چل رہی تھی جس میں کسی قسم کا اضطراب نہ تھا پانی اور ہوا کے تھپیڑوں کا کشتی پر کوئی اثر نہ تھا اور اسی اثنا میں کشتی چلنے سے پہلے نوح علیہ السلام نے اپنے سگے یا سوتیلے بیٹے کو آواز دی جس کا نام کنعان تھا اور وہ کشتی سے علیحدہ تھا۔

اور اس وقت کشتی رواں تھی اور پانی چڑھا آتا تو بمقتضائے شفقت پیری آواز دی اور یہ کہا اے میرے چھوٹے بیٹے خدا را ایمان لے آ اور کشتی میں ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مست رہ یعنی ان بد بخت کافروں کی معیت کو چھوڑ اور ہمارے ساتھ سوار ہو جانا کہ اس مصیبت عظمیٰ سے تو نجات پاسکے۔ شفقت پیری کی بنا پر نصیحت فرمائی کہ یہ آخری وقت ہے اگر اس وقت بھی ایمان لے آیا تو غرق سے بچ جائیگا۔ بیٹا بولا کہ مجھے کشتی کی ضرورت نہیں میں عنقریب کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانا لوں گا۔ جو مجھ کو پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا یہ وقت ابتداء طوفان کا تھا پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچا تھا اس لیے اس نے یہ کہا۔ نوح علیہ السلام کو گمان یہ تھا کہ شاید اس قہر عام کو دیکھ کر بیٹا ہوش میں آجائے دنیا کی پریشانی اور میرا سکون اور اطمینان اسکی نظروں کے سامنے ہے فرق کو دیکھ لے اور سمجھ لے مگر غفلت کا پردہ اتنا سخت تھا بیٹا ہوش میں نہ آیا اور خیال

کیا کہ پہاڑ کی چوٹی مجھ کو غرق ہونے سے بچالے گی۔ نوح علیہ السلام نے کہا کہ اس خیال کو دماغ سے نکال دے یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں یہ اللہ کا قہر ہے جس میں اسباب عادیہ اور تدا بیر مادیہ کا رگہ نہ ہونگی۔ آج کے دن اللہ کے قہر سے کوئی چیز بچانے والی نہیں مگر جس پر خدا رحم کرے وہی بچ سکتا ہے پہاڑ بھی تو اللہ ہی کے حکم کے تابع ہے وہ بغیر حکم خداوندی کسی کو کیسے پناہ دے سکتا ہے اللہ کی تقدیر محکم جاری ہو چکی ہے کہ اس عذاب سے بچے گا کوئی نہیں۔

غرض یہ کہ یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ پانی کا زور اسکی طرف بھی بڑھ گیا اور ان دونوں باپ اور بیٹے کے درمیان موج حائل ہو گئی اور اس طرح انکی گفتگو ختم ہوئی۔ پس ہو گیا وہ بیٹا غرق ہونے والوں میں سے اور کافروں کے ساتھ بیٹا بھی غرق ہوا۔

جمہور علماء اسلام اور اہل کتاب کا قول یہ ہے کہ طوفان عام تھا تمام جہان پر آیا اور اسکے بعد دنیا میں صرف نوح علیہ السلام کی نسل جاری ہوئی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

۱۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ۔ یعنی طوفان نوح کے بعد ہم نے صرف نوح کی اولاد کو باقی رکھا۔ اور باقی سب کو غرق کر دیا اور جو لوگ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے صرف انہوں نے نجات پائی اور آئندہ کو جو نسل چلی وہ نوح علیہ السلام کی اولاد سے چلی اس وجہ سے نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہتے ہیں۔

۲۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی یہ دعا دُرِّ لَا تَذَرُ عَلَيَّ الْاَرْضَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ كَيَّارًا۔ یہ بھی اسکی دلیل ہے کہ طوفان تمام اہل زمین کے لیے تھا۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ طوفان صرف نوح علیہ السلام کی قوم کے حق میں تھا۔ کیونکہ انکی بعثت صرف اپنی قوم کے لیے تھی اس لیے یہ طوفان اس خطہ تک محدود تھا جہاں ان کی قوم آباد تھی۔ عام نہ تھا۔ بعض شہر اس طوفان سے بچ گئے تھے یہ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا انقلا نہیں آیا جس سے از سر نو دنیا کی آبادی کی ضرورت ہوئی ہو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سلف اور خلف میں سے کسی کا یہ قول نہیں کہ طوفان صرف حضرت نوح کی قوم کے حق میں تھا اور یہود کے باطل اقوال کا اعتبار نہیں اور نوح علیہ السلام کی بعثت اگرچہ عام نہ تھی صرف اپنی قوم کے ساتھ مخصوص تھی مگر اس وقت انکی قوم اور ان کی امت ہی کل اہل زمین اور اہل جہان کا مصداق تھی اور ان کی امت ہی سارا جہان اور ساری دنیا تھی موجودہ دنیا کی طرح ساری زمین آباد نہ تھی جیسے آدم علیہ السلام کی ذریت تھی وہی انکی امت تھی۔ اس طرح تمام اہل زمین حضرت نوح کی قوم تھی مطلب یہ ہوا کہ اس زمانہ میں جہاں تک دنیا آباد تھی وہاں تک طوفان آیا جو سب کو عام اور شامل تھا۔ جس سے سوائے نوح علیہ السلام کے اور اہل ایمان کے کوئی نہیں بچا غرض کہ تمام زمین کی چیزیں غرق ہو گئیں اور صرف نوح علیہ السلام اور وہ لوگ جو کشتی میں انکے ساتھ سوار تھے زندہ رہے اور طوفان کے بعد دنیا از سر نو آباد ہوئی۔ آج کل کے مدعیان تحقیق یہ کہتے ہیں کہ اتنی آدمیوں سے دنیا کا آباد ہونا محال نظر آتا ہے ان نادانوں کو

یہ خبر نہیں کہ یہ ساری دنیا صرف حضرت آدمؑ اور حواؑ سے آباد ہوئی ہے۔ کبھی یہ کہتے ہیں کہ ایسے عظیم انقلاب کا دنیا کی تاریخوں میں ذکر نہیں۔ ان نادانوں کو یہ معلوم نہیں کہ تاریخ میں جن واقعات کا ذکر ہے وہ نہایت قلیل ہیں اور جو واقعات پیش آئے وہ لاکھوں اور کروڑوں ہیں جن کے ذکر سے تاریخ خالی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نوح علیہ السلام کی بعثت عام تھی اور تمام اہل زمین کے لیے تھی تو جاننا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام اہل زمین کے لیے ہر زمانہ میں ہے اور قیامت تک رہے گی اور حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت اسلام سب اہل زمین کے لیے صرف ان کے زمانہ تک محدود تھی بعد میں باقی نہ رہی اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور بعثت اور دعوت تمام اہل زمین کے لیے ہے ہر زمان میں ہر مکان میں اور اسی طرح تاقیامت باقی رہے گی۔ (فتاویٰ عزیزی ص ۶ ج ۱)

الغرض جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ طوفان عام اور عالمگیر تھا۔ سوائے اہل کشتی کے کوئی متنفذ اس جانکاہ عذاب سے جانبر نہیں ہوا۔ اور قرآن مجید کی آیات اور اشارات سے بھی یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے کہ وہ طوفان عام تھا اور تمام جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرنا یہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کیونکہ اگر طوفان عام نہ ہوتا تو جانوروں کے سوار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ دوسرے مقامات پر تو جانور موجود ہی تھے جو لوگ طوفان کے عام ہونے کے منکر ہیں کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ واقعہ طوفان قانون فطرت کے خلاف ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ قانون طبیعت کے خلاف ہے۔ خوب سمجھ لو کہ یہ سب متبرک انہ دعویٰ ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں اور اس قسم کی باتوں سے کسی چیز کا محال ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَسْمَاءُ اَقْلَعِي

اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان! تھم جا اور

وَاغِيضَ الْمَاءَ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى

سُكْحًا دیا پانی، اور ہو چکا کام! اور کشتی ٹھہری جو دی

الْجُودَى وَقِيلَ بَعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۴۳﴾

بہار پر اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف۔

قصہ فروشدن طوفان

قال الله تعالى وَقِيلَ يَا اَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ ... اِلَى ... بَعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝

(ربط) یہاں تک اس طوفان کی آمد کا بیان تھا۔ اب اس کے خاتمہ کا بیان ہے کہ کفار ناسجار غرق ہوئے اور اہل ایمان صحیح سالم رہے چنانچہ فرماتے ہیں اور جب اصحاب سفینہ کے سوا تمام لوگ جن کے حق میں نوح علیہ السلام نے دعا کی تھی۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَفْرِ إِنِّي كَيِّدٌ ۖ ا۔ وہ سب غرق ہو گئے اور کافروں میں زمین پر بسنے والا کوئی باقی نہ رہا۔ تو خداوند قدوس کی طرف سے زمین کو حکم دیا گیا کہ اے زمین تو اپنا پانی نکل جا اور آسمان کو یہ حکم دیا گیا کہ اے آسمان تو پانی برسانے سے رک جا پھر کیا مجال تھی کہ آسمان اور زمین اسکے حکم کی تعمیل میں ایک لمحے کی تاخیر کرتے۔ چنانچہ زمین نے اپنے اوپر کا تمام پانی چوس لیا اور آسمان نے پانی برسانا بند کر دیا اور پانی کم کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ خشک کر دیا گیا۔ اور قوم نوح کا قصہ تمام ہوا۔ اور جو کافر اور منکر تھے ان میں سے کوئی ایک دیار بھی باقی نہ رہا۔ اور اہل ایمان نے نجات پائی اور اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور کشتی صحیح سلامت جو کجا پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی۔ جو موصول کے قریب واقع ہے اور یہ محرم کی دسویں تاریخ تھی۔ نوح علیہ السلام نے اللہ کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا کہ اس مبارک دن میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو نجات دی اور کفار ناسجار کو از اول تا آخر غرق کیا اور منادی کر دی گئی کہ لعنت اور پھٹکار ہو ظالم قوم کے یہ جنہوں نے حق اور اہل حق کے ساتھ بے انصافی کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انکو نیست و نابود کیا اور اپنی رحمت سے دور کیا۔ علماء تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت عجیب امر بلاغت اور دلائل اعجاز پر مشتمل ہے جس کی تفصیل کتب تفسیر میں ہے چونکہ اہل علم اور اہل فن ہی ان امر و لطائف کو سمجھ سکتے ہیں اس لیے ہم نے ان کے بیان سے پہلو تہی کی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ۛ

در بیان و در فصاحت کے بود یکساں سخن
گرچہ گویندہ بود چوں حافظ و چوں اصفی
در کلام ایند بے چوں کہ وحی منزل است
کے بود تبنت یادمانند یا ارض ابلعی!

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي

اور پکارا نوح نے اپنے رب کو بولا اے رب! میرا بیٹا ہے

مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ

میرے گھر والوں میں اور تیرا وعدہ سچ ہے اور تیرا

أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ ﴿٣٥﴾ قَالَ يُنوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ

حکم سب سے بہتر۔ فرمایا اے نوح! وہ نہیں تیرے گھر والوں میں

إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ

س کے کام ہیں ناکارہ ۔ سو مت پوچھ مجھ سے جو تجھ کو

عِلْمٌ إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۖ قَالَ ۙ

معلوم نہیں ۔ میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ ہو جاوے تو جاہلوں میں ، بولا اے

رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ

رب ! میں یناہ لیتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں تجھ سے جو معلوم نہ ہو

عِلْمٌ ۖ وَاللَّهِ تَغْفِرُ لِي وَتَرْحَمُنِي أَكُنَّ مِنَ الْخَيْرِينَ ۙ

مجھ کو ۔ اور اگر تو نہ بخشے مجھ کو اور رحم نہ کرے تو میں ہوں خرابی والوں میں ۔

دعاء نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام برائے نجات پسرخود و جواب باری تعالیٰ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ نَادَى نُوحٌ رَبَّهُ اَللّٰهُ اَكُنْ مِنَ الْخَيْرِيْنَ ۙ
اور نوح علیہ السلام نے بیٹے کے غرق ہونے سے پہلے حسرت و لجاجت کے ساتھ اپنے پروردگار کو
پکارا کہ شاید اسکی شان ربوبیت سے بیٹے کی نجات کی کوئی صورت نکل آئے پس عرض کیا کہ اے میرے رب
تحقیق یہ میرا بیٹا جو ہلاکت کے کنارے پر کھڑا ہے میرے اہل و عیال اور گھر والوں میں سے ہے جن کی نجات
کا تو نے وعدہ کیا ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ حق اور صدق ہے ۔ پس آپ میرے بیٹے کو غرق ہونے سے بچالے
اور آپ تو سب سے بڑے حاکم ہیں ۔ آپ کے حکم کو کون توڑ سکتا ہے یا ٹلا سکتا ہے ۔

اللہ جل شانہ نے دمایا اے نوح بیشک ہمارا وعدہ حق ہے مگر تیرا بیٹا حقیقت میں تیرے اہل میں سے
نہیں ہے جن کے پجاریکام نے وعدہ کیا ہے کیونکہ تحقیق وہ ناشائستہ اور سزناپا ناکارہ ہے یعنی کافر ہے اور
إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ۖ میں داخل ہے اور ہمارے یہاں اہلیت کا دار و مدار قرابت دین پر ہے
نہ کہ قرابت نسبی پر، اور ہم نے شروع ہی میں تم سے یہ کہا تھا کہ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ
مُخَرَّقُونَ ۖ وہ اشارہ اسی کی طرف تھا ۔ حکم چونکہ مجمل اور عام تھا لیکن بمقتضائے شفقت پدری تم کو اس کے
عموم سے ذہول اور سیان ہوا اس لیے تم بھولے سے یہ سوال کر بیٹھے پس آئندہ سے تم مجھ سے اس چیز کا سوال نہ
کرنا جس کا تم کو علم نہ ہو ۔ تحقیق میں تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جانا ایسی دعا مانگنی نادانی کی بات

ہے اللہ کی مرضی اور منشاء کو دیکھ کر سوال کرنا چاہیئے نوح علیہ السلام نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بنا پر یہ خیال کیا کہ میرا بیٹا بھی میرے اہل میں سے ہے اس لیے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے مطلع کر دیا کہ وہ آپ کے اہل سے نہیں نبی کے اصل اہل وہ لوگ ہیں جو نبی پر ایمان لائے اور ایمان لا کر اسکی پیروی کی۔ اس بارگاہ میں جسمانی نسب کا اعتبار نہیں بلکہ ایمانی نسبت کا اعتبار ہے۔

امام ابو منصور اتریدیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کافر ہونے کی خبر نہ تھی۔ خبر ہوتی تو وہ یہ سوال نہ کرتے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ پسر نوح کے بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔
(قول اول) وہ منافق تھا مگر نوح علیہ السلام کو اسکے نفاق کا علم نہ تھا۔ ظاہر کے اعتبار سے اسکو مؤمن سمجھ کر آواز دی کہ کافروں کا ساتھ چھوڑ دے اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ یَبْنِیْ اَرْکَبْ مَعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَعَ الْکَافِرِیْنَ۔ کا یہ مطلب ہے کہ جب تو کافر نہیں تو پھر ان کے ساتھ کیوں ہے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵) اور اسی کو امام قرطبیؒ نے اختیار کیا ہے (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۴۵ ج ۹)

(قول دوم) نوح علیہ السلام کو معلوم تھا کہ کنعان کافر تھا مگر غرق ہونے سے پہلے اسکو اس لیے آواز دی کہ شاید ہونا ک نشانات کو دیکھ کر ہوش میں آجائے اور ایمان لے آئے اور حق جل شانہ سے اس عرض و معروض رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ الْخ کا منشا بھی یہی ہو کہ اے پروردگار یہ میرا بیٹا اگرچہ بوجہ عدم ایمان کے مستحق نجات نہیں۔ لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ اسکو مؤمن کر سکتے ہیں تاکہ یہ بھی اس وعدہ حقہ کا مورد اور مستحق بن سکے اور نجات پا جائے۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵)

(قول سوم) شفقت پدری نے اس سوال اور استدعا پر آمادہ کیا ہو اور یہ گمان کیا کہ اللہ نے میرے گھر والوں کے بچانے کا وعدہ فرمایا ہے جن میں بنظاہر بیٹا داخل ہے اور اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ کا استثناء مجمل اور مبہم ہے۔ ممکن ہے کہ بیٹا اس میں داخل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر ص ۶۲ ج ۵)

بہر حال نوح علیہ السلام کا یہ سوال شفقت پدری کی بنا پر تھا اور دعا کرتے وقت بیٹے کے کفر کا صحیح

۱۔ قال الامام القرطبی قوله ولا تکن مع الکافرین ای لا تکن ممن لست منهم لانه کان عنده مؤمنافی ظنہ ولم یکن نوح یقول رب ال ابنی من اهلی الا و ذلک عنده کذا الذ اذ محال ان یسال هلاک الکفار ثم یسال فی انجاء بعضهم و کان ابنه یُسِرُّ الکفر و یظهر الایمان فاخبر الله تعالیٰ نوحا بما هو منفرد به من علم الغیوب ای علمت من حال ابنک ما لم تعلم انت و قال الحسن کان منافقا و لذا استحل نوح ان ینادیه۔ (تفسیر قرطبی ص ۴۵ ج ۹)

حال معلوم نہ تھا۔ جیسا کہ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ۔ اس پر دلالت کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ وہ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ میں داخل ہے اور نصیحت فرمادی کہ مقربین کے شایان شان نہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے ادب ناشناس جیسے بے ادب جاہلوں کی سی باتیں کرنے لگیں۔

موسیا آداب دانان دیگر اند

سوختہ جانان روانا دیگر اند

نوح علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار تحقیق میں تجھ سے پناہ پکڑتا ہوں کہ آئندہ تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کا مجھ کو علم نہ ہو۔ نوح علیہ السلام کو یہ ڈر ہوا کہ لاعلمی میں ایسی بات کا سوال نہ کر بیٹھوں کہ جو تقدیر ازیلی اور علم الہی اور منشاء خداوندی کے خلاف ہو اس لیے توبہ و استغفار کی۔ اور اے پروردگار اگر تو نے مجھے یہ ترک ادب نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ کیا تو میں ٹوٹا اٹھانے والوں میں ہو جاؤنگا یہ شان نبوت تھی کہ لاعلمی میں جو درخواست کر گزرے تھے۔ اس پر عتاب آیا تو کانپ اٹھے اور گڑ گڑانے لگے۔ اور توبہ اور استغفار کرنے لگے۔ مقربان را بیش بود حیرانی۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَ

حکم ہوا، اے نوح! اتر سلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ تجھ پر

عَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَأُمَمٌ سَنُنَزِّلُ مِنْ ثَمَرِهِمْ

اور کتے فرقوں پر تیرے ساتھ والوں میں اور کتے فرقوں کو فائدہ دیں گے پھر پہنچے گی ان کو

مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۸﴾ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا

ہماری طرف سے دکھ کی مار۔ یہ بعضی خبریں ہیں غیب کی کہ ہم بھیجتے

إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ

میں تیری طرف۔ اُنکو جانتا نہ تھا تو، نہ تیری قوم اس

قَبْلَ هَذَا أَطْصَابُ صَبْرٌ إِنَّ الْعَاقِبَةَ

سے پہلے۔ سو تو ٹھہرا رہا البتہ آخر بھلا ہے

لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۹﴾

ڈر والوں کا۔

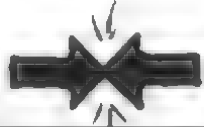


خاتمہ قصہ مشتمل بر بیان حکمت ذکر استدلال بروحی نبوت

قال الله تعالى قِيلَ لِنُوحٍ اِهْبِطْ بِسَلْمٍ مِّنَّا... اِلَى... اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ هـ
(ربط) جب کشتی جو دی پہاڑ پر جا کر ٹھہر گئی اور پانی بھی اتر گیا تو اس وقت حکم ہوا کہ اے نوح اب کشتی سے اترو ہماری طرف سے سلام اور سلامتی کے ساتھ اور برکتوں کے ساتھ اور یہ سلامتی اور برکتیں تجھ پر مبذول ہوں گی اور ان لوگوں پر مبذول ہوں گی جو تیرے ہمراہیوں سے پیدا ہونگے یعنی تیرے ہمراہیوں کی مسلمان اولاد پر بھی ہماری سلامتی اور برکتیں مبذول ہونگی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے ہمراہیوں کی مسلمان نسل کو بھی اس سلامتی اور برکت میں سے حصہ ملے گا۔ اور آئندہ نسلوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم انکو دنیا میں چند روزہ بہرہ مند کریں گے۔ یعنی موت کے وقت تک دنیا میں ان کو رسائیں بسائیں گے۔ پھر آخرت میں انکو ہماری طرف سے دوزخ کا دردناک عذاب پہنچے گا۔ وَ اَمَّا سَنُؤْتِيهِمُ سَعَةً مِّنْ نَّحْنُ مَرَادِہِمْ کہ انکو دنیا میں عیش و آرام دیں گے اور پھر آخرت میں کفر اور شرک کی وجہ سے عذاب میں پکڑے جائیں گے اور آخرت میں صرف ایمان اور عمل صالح نفع دے گا نسب کام نہ دے گا جیسا کہ کنعان کو بغیر ایمان اور عمل صالح کے نسب سے کوئی نفع نہ ہوا قریش مکہ کان کھول کر سُ لیں۔

یہاں تک نوح علیہ السلام کا قصہ تمام ہوا اب اس قصہ کو ختم کر کے اسکے دو فائدے بیان کرتے ہیں ایک تو یہ کہ ایک اُمّی کی زبان سے اہم سابقہ کے ایسے مفصل اور مستند واقعات کا بیان اسکی نبوت کی دلیل ہے۔ دوم یہ کہ اسکی تسلی مقصود ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح آپ کا اور آپ کے رفقاء کا انجام بہتر ہوگا۔

یہ قصہ نوحؑ منجملہ غیب کی خبروں کی ایک خبر ہے جسکو ہم بذریعہ وحی کے تجھ پر القاء کرتے ہیں اس قصہ کو ہمارے بتلانے سے پہلے نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم جانتی تھی۔ اور کسی امر غیبی کی بذریعہ وحی اطلاع دینا یہ دلیل نبوت ہے۔ اور اگر اس واضح دلیل کے بعد بھی آپ کو نبی نہ مانیں تو آپ ان کی ایذا اور تکلیف دہ باتوں پر صبر کیجئے۔ کیونکہ اس میں شک نہیں کہ نیک انجام خدا سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو صبر کی برکت سے نیک انجام نصیب ہوا۔ اسی طرح آپ بھی کافروں کی ایذاؤں پر صبر کریں۔ آپ کا اور آپ کے رفقاء کا انجام بھی بہتر ہوگا۔



وَ اِلَى عَادٍ اَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور عاد کی طرف ہم نے بھیجا انکا بھائی ہود، بولا اے قوم! بندگی کرو اللہ کی

مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنَّا نَتَمَرَّ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝۵۰

کوئی تمہارا حاکم نہیں سوا اسکے۔ تم سب جھوٹ کہتے ہو۔

يَقَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنَّا بِأَعْيُنِنَا ۖ إِنَّا جَرِي ۖ إِلَّا عَلَىٰ

اے قوم! میں تم سے نہیں مانگتا اس پر مزدوری میری مزدوری اسی پر ہے۔

الَّذِي فَطَرَنِي ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝۵۱ وَيَقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا

جس نے مجھ کو پیدا کیا پھر کیا تم نہیں بوجھتے۔ اور اے قوم! گناہ بخشاؤ اپنے

رَبِّكُمْ ثُمَّ تَوَبُّوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدَادًا

رب سے، پھر رجوع لاؤ اس کی طرف چھوڑ دے تم پر آسمان کی دھاریں

وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝۵۲

اور زیادہ دے تم کو زور پر زور، اور نہ پھرے جاؤ گنہگار ہو کر۔

قَالُوا يَهُودُ مَا جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي

بولے، اے یہود! تو ہم پاس کچھ سند سے نہیں آیا اور ہم نہیں چھوڑنے والے

إِلٰهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝۵۳

اپنے ٹھا کردوں کو، تیرے کہے سے اور ہم نہیں تجھ کو ماننے والے۔ ہم تو

نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۖ قَالَ إِنِّي

یہی کہتے ہیں کہ تجھ کو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھا کردوں نے بُری طرح۔ بولا میں

أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُ وَأَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝۵۴

گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں ان سے جنکو شریک کرتے ہو۔

مِنْ دُونِهِ فَكَيْدٌ وَنِي جَسِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُونَ ۝۵۵

اسکے سوا، سو بدی کرو میرے حق میں سب ملکر پھر مجھ کو فرصت نہ دو۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ

میں نے بھروسہ کیا اللہ پر جو رب ہے میرا اور تمہارا کوئی نہیں پاؤں دھرنے

إِلَّا هُوَ أَخَذَ بِنَاصِيَّتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَى صِرَاطٍ

والا، مگر اسکے ہاتھ میں ہے چوٹی اسکی۔ بیشک میرا رب ہے سیدھی راہ

مُسْتَقِيمٌ ۵۶ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ

پر۔ پھر اگر تم پھر جاؤ گے تو میں پہنچا چکا جو میرے ہاتھ بھیجا

بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ

تھا تم کو اور قائم مقام تمہارے کریگا میرا رب کوئی اور لوگ اور نہ بگاڑ سکو گے اسکا

شَيْئًا إِنَّ رَبِّي عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيزٌ ۵۷ وَلَمَّا جَاءَ

کچھ۔ تحقیق میرا رب ہے ہر چیز پر نگہبان۔ اور جب پہنچا

أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ

ہمارا حکم پہنچا دیا ہم نے ہود کو اور جو یقین لائے تھے اس کے ساتھ اپنی ہر

مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۵۸ وَتِلْكَ عَادٌ

سے اور پہنچا دیا انکو ایک گلاٹھی مار سے۔ اور یہ تھے عاد

بِحَدِّ وَآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ

منکر ہوئے اپنے رب کی باتوں سے اور نہ مانے اسکے رسول اور مانا حکم

كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۵۹ وَاتَّبَعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً

اُن کا جو سرکش تھے مخالف اور پیچھے پائی اس دنیا میں پھٹکار

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۶۰ إِلَّا أَنْ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۶۱ إِلَّا بَعْدَ

اور قیامت کے دن سُن رکھو! عاد منکر ہوئے اپنے رب سے، سُن لو پھٹکار



لَعَادِ قَوْمِ هُودٍ ۛ

ہے عاد کو جو قوم تھی ہود کی -

قصہ ہود علیہ السلام با قوم عاد

قال الله تعالى وَإِلَىٰ عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا... إلخ... أَلَا بُعْدَ لِعَادِ قَوْمِ هُودٍ ه (ربط) نوح علیہ السلام کے قصہ کے بعد یہ دوسرا قصہ ہود علیہ السلام اور انکی قوم عاد کا ہے جس میں قوم عاد کی ضلالت اور عذاب کا حال بیان فرمایا ہے یہ لوگ شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھے اور دولت و ثروت کی وجہ سے مغرور تھے۔ اور انبیاء اور انکے متبعین کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو دو خصوصیتیں عطا فرمائی تھیں ایک قوت و توانائی کما قال تعالیٰ فَتَالُوا مَن أَشَدُّ مِثْلًا قُوَّةً۔ دوم یہ کہ انکے بلاد نہایت سرسبز اور شاداب تھے یمن ان کا مسکن تھا۔ صاحب زراعت اور صاحب عمارت تھے۔

اس قصہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ قوم عاد ہود علیہ السلام کی قریبی رشتہ دار تھی اور ہود علیہ السلام اسی قبیلے کے ایک فرد تھے مگر آخرت کے معاملہ میں قرابت نسبی کچھ کام نہ آئی۔ صرف ایمان کام آیا جیسے نوح علیہ السلام کے بیٹے کو نسب کام نہ آیا چنانچہ فرماتے ہیں اور جس طرح ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے قوم عاد کی طرف انکے برادری کے بھائی ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا جو باعتبار نسب اور قرابت کے ان کے بھائی تھے اور قوم نوح کی طرح قوم عاد بھی بت پرستی میں مبتلا تھی۔ اور قوم نوح کا انجام سن چکے تھے ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم صرف اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں مگر تم نے محض اپنے گمان سے ان بتوں کو خدا کا شریک ٹھہرایا اور ان کو معبود بنا لیا ہے۔ نہیں ہو تم اس شرک اور بت پرستی کے خیال میں مگر نرا جھوٹ بولنے والے یعنی یہ شرک اور بت پرستی تمہاری بنائی ہوئی بات ہے جس پر کوئی دلیل نہیں اے میری قوم میں تم سے اس تبلیغ و دعوت اور مخلصانہ نصیحت پر کوئی اجرت اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ کسی پیغمبر نے اپنی قوم سے کوئی اجرت نہیں مانگی تاکہ معلوم ہو جائے کہ نصیحت دنیوی غرض سے پاک ہے۔ میری مزدوری تو اللہ پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھ کو دنیا میں روزی دیتا ہے اور وہی آخرت میں ثواب دے گا جو اس کے جوہ و کرم کے لائق ہے کیا تمہیں عقل نہیں کہ صادق اور کاذب اور حق اور باطل کے فرق کو سمجھ سکو۔ تم اس قدر غبی ہو کہ ایک بے غرض شخص کو جو تمہاری ہمدردی اور خیر خواہی میں تمکو فلاح دارین کی طرف بلاتا ہے اسکو تم اپنا دشمن سمجھ کر اس سے دست و گریبان بنے ہوئے ہو اے میری قوم میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنے دلوں سے کفر اور معصیت کی ظلمت دور کرنے کے

لیے اپنے پروردگار کے سامنے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ۔ اور کفر اور شرک سے معافی مانگو پھر اللہ کی اطاعت اور عبادت کی طرف رجوع کرو اور اس استغفار اور توبہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ تم پر برسنے والا بادل بھیجے گا یعنی بارش برسائے گا جس سے تمہارا قحط دور ہوگا۔ قوم عاد کا ملک نہایت سرسبز اور شاداب تھا۔ کھیتی اور باغوں اور مویشی کی کثرت تھی قوم عاد نے جب ہود علیہ السلام کی دعوت کو رد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط میں مبتلا کیا اور تین سال ان سے بارش کو روک لیا۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم کفر اور شرک سے توبہ کرو تو خدا تعالیٰ تم پر بارش نازل کرے گا اور تمہاری شادابی کو پھر لوٹا دے گا۔ اور تم کو قوت پر قوت دے گا یعنی تمہاری موجودہ قوت میں اور اضافہ کرے گا۔ یہ لوگ بڑے فوی تھے اس لیے اور زیادہ قوت کا وعدہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مالی اور بدنی قوت بڑھا دے گا۔ اور مال اور اولاد میں برکت دے گا اور مجرم اور ہٹ دھرم بن کر پیغام الہی سے انحراف نہ کرو بالفرض اگر مجرم پر کوئی عذاب بھی نہ آئے تو فوائد اور منافع سے محرومی تو یقینی ہے وہ بد بخت بولے اے ہود تم ہمارے پاس کوئی روشن دلیل نہیں لاتے جو تمہارے دعوے کی صحت پر دلالت کرے انکا یہ کہنا صریح جھوٹ اور عناد تھا ہود علیہ السلام براہین قاطعہ اور آیات بنیات لیکر آئے مگر عناد کی بنا پر ان معجزات کو شمار میں نہ لائے اور کہنے لگے کہ ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تو کسی طرح تیری بات ماننے والے نہیں۔ ہم تیرے بارے میں کچھ نہیں کہتے مگر یہ کہ ہمارے بعض خداؤں نے تجھ کو کسی برائی اور خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ یعنی ہمارے کسی خدا نے تجھ کو مجنون اور دیوانہ بنا دیا ہے جس سے تو خلاف عقل باتیں کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی پھٹکار تجھ پر پڑ گئی ہے اس وجہ سے تو یہ بہکی بہکی مانتیں کرتا ہے تیرا اس قسم کی بہکی ہوئی باتیں کرنا ہمارے بتوں کی شان میں گستاخی کی سزا ہے ہود علیہ السلام نے انکے جواب میں کہا کہ تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تحقیق میں گواہ بنانا ہوں اللہ کو اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری اور بیزار ہوں سوائے خدا کے ان سے جنکو تم خدا کا شریک ٹھہرتے ہو۔ یعنی خدا کے سوا سب سے بیزار ہوں۔ پس اگر تم ان بتوں کو نفع اور ضرر دینے والا خیال کرتے ہو تو سب مل کر میرے ہلاک کرنے کی تدبیر کر لو۔ پھر مجھ کو مہلت بھی نہ دو۔ معلوم ہو جائیگا کہ تمہارے خداؤں میں کتنی قوت اور طاقت ہے اور جب تم سب مل کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تو یہ پتھر کے بت میرا کیا بگاڑ سکیں گے لہذا تمہارا یہ کہنا کہ تم پر ان بتوں نے کچھ کر دیا۔ یہ خود تمہارے دیوانہ پن کی دلیل ہے ہود علیہ السلام کا یہ کہنا بھی ایک معجزہ تھا کسی شان و شوکت والی قوم کے سامنے ایسا کلمہ منہ سے نکالنا بغیر تائید خداوندی ناممکن ہے چونکہ ہود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے کامل بھروسہ تھا اس لیے فرمایا تحقیق میں نے بھروسہ کیا اللہ تعالیٰ پر جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے اس لیے میں نے اپنا کام اسی پر چھوڑ دیا تم سب اسی کے تصرف میں ہو۔ روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں کہ اسکی پیشانی اسکے ہاتھ میں نہ ہو پیشانی کے بال پکڑنا یہ کمال قدرت و تصرف کی تمثیل ہے یعنی ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے بغیر اسکے مشیت کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ تحقیق میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے جو

اس پر بھروسہ کرتا ہے اسکو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ پس اگر اس بیان واضح کے بعد بھی تم صراطِ مستقیم سے اعراض کرو تو تمہارے اس اعراض سے مجھے اپنے حق میں کوئی ڈر نہیں کیونکہ تحقیق میں نے تم کو یہ پیغام پہنچا دیا ہے جو دیگر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں بری الذمہ ہو گیا اور تم پر جنت پوری ہو گئی اب اگر تم حق کو نہیں مانو گے تو اللہ تمکو ہلاک کر دے گا اور تمہارا قصہ ختم کر دے گا اور میرا پروردگار دوسری قوم کو تمہاری جگہ آباد کرے گا جو تمہارے دیار اور اموال کے مالک بنیں گے۔ اور تم اس کفر اور اعراض سے خدا کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اپنا ہی کچھ بگاڑو گے۔ بیشک میرا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے ہر چیز اسکے حفظ اور علم میں ہے جو جس کے لائق ہو وہی اسکو پہنچتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے دوستوں کی دشمنوں سے حفاظت کرتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ حفاظت اللہ کا کام ہے اور یہ بت تو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتے۔ اس ارشادِ سرِ پارساد سے اشارہ اس طرف تھا کہ اب عذاب کا وقت آپہنچا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ہمراہ ایمان لائے تھے بادِ صحر کے عذاب سے بچا لیا اور یہ نجات دینا محض ہماری رحمت اور مہربانی کے سبب سے تھا اور وہ ایمان جو اس نجات کا ظاہری سبب بنا وہ بھی ہماری توفیق اور عنایت سے تھا لہذا کسی کو اپنے نیک عمل پر گھمنڈ نہ کرنا چاہیئے اور ہم نے انکو سخت عذاب سخت آندھی سے بچا لیا۔ قوم عاد پر آٹھ دن اور سات رات متواتر آندھی چلی جس نے انکے اعضا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہود علیہ السلام کے ساتھی جو اخیر میں چار ہزار تک پہنچے تھے انکو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب سے محفوظ رکھا۔ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے عذابِ نبوی ہو یا خودی بغیر ایمان کے اس نجات نہیں ملتی اور ایمان بیکہ پیغمبر خدا کی پیروی اور اسکی کفش برداری۔

یہاں تک قوم عاد کا قصہ بیان ہوا۔ اب آگے اہل عرب کو خطاب کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور یہ قوم جس پر عذاب نازل ہوا قوم عاد تھی۔ اور یہ انکے اُجڑے ہوئے مکان اور انکی تباہی اور بربادی کے نشان اور کھنڈر تمہارے سامنے ہیں۔ اس قوم نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اسکے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اور عناد کرنے والے کے حکم کی پیروی کی خدا کے رسولوں کی اتباع اور پیروی کو اپنے لیے عار سمجھا اور ظالموں اور سرکشوں کی پیروی کو اپنے لیے عزت جانا۔ ان لوگوں نے اگرچہ صرف ہود علیہ السلام کا انکار کیا مگر وہ درحقیقت تمام رسولوں کا انکار تھا۔ کیونکہ تمام رسول رسالت میں باہم یکساں ہیں۔ اور توحید وغیرہ اور اصول دین میں سب متفق ہیں۔ اس لیے ایک پیغمبر کی نافرمانی سب پیغمبروں کی نافرمانی کو مستلزم ہے۔ اور ان کے ان افعال کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی لعنت انکے پیچھے پیچھے ہوگی۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں لعنت کبھی ان سے جدا نہ ہوگی۔ پس اے اہل عرب، تم ان کے حال سے عبرت پکڑو۔ خبردار ہو جاؤ کہ قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا۔ سن لو کہ پھٹکار ہے قوم عاد کو جو ہود کی قوم تھی۔ عاد دو قوموں کا نام ہے (اول) وہ کہ جن کی طرف ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ یہ لوگ بُت پرست تھے اور نہایت قوی اور مہیب ڈیل ڈول کے مغرور آدمی تھے۔ اس قوم کو عاد اولے کہتے ہیں۔

(دوم) وہ عاد جن کی طرف صالح علیہ السلام مبعوث ہوئے اور شہداد، مردود و مطرود۔ اور لقمان مقرب و مقبول وغیرہ اسی قوم میں کے تھے اس قوم کو عاد ثانیہ کہتے ہیں۔ یہ قصہ عاد اولے کا تھا۔ اب اُنہرے رکوع میں عاد ثانیہ کا بیان کرتے ہیں۔



وَالِی ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یَقَوْمِ

اور ثمود کی طرف بھیجا انکا بھائی صالح۔ بولا اے قوم !

اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهُ ۚ هُوَ

بندگی کرو اللہ کی کوئی حاکم نہیں تمہارا اسکے سوا۔ اسی نے

اَنْشَاکُمْ مِّنْ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ

بنایا تم کو زمین سے اور بسایا تم کو اس میں سو بخشواؤ اس سے

ثُمَّ تَوْبُوْا اِلَیْهِ ۚ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝۶۱ قَالُوْا یٰضِلُّ

اور اسکی طرف آؤ۔ تحقیق میرا رب نزدیک ہے قبول کرنیوالا۔ بولے اے صالح !

قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا اَتَنْهٰنَا اَنْ نَّعْبُدَ

تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے، تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پوجیں

مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاِنَّا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

جنکو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے اور ہمکو تو شبہ ہے اسمیں جس طرف تو بلاتا

اِلَیْهِ مُرِیْبٌ ۝۶۲ قَالَ یَقَوْمِ اَرَاَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی

ہے ایسا کہ دل نہیں ٹھہرتا۔ بولا اے قوم ! بھلا دیکھو تو اگر مجھ کو سوچھو بل

بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّیْ وَاَتٰنِیْ مِنْهُ رَحْمَةٌ فَمَنْ یَنْصُرْنِیْ

گئی اپنے رب سے اور اس نے مجھ کو دی مہر اپنی طرف سے پھر کون میری مدد

مِنَ اللَّهِ إِنَّ عَصِيَّتَهُ^{۶۲} فَمَا تَزِيدُ وَنَبِيٌّ غَيْرُ

کرے اللہ کے سامنے اگر اسکی بے حکمی کروں۔ سو تم کچھ نہیں بڑھاتے میرا۔ سوائے

تَحْسِيرٍ^{۶۳} وَيَقُومُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا

نقصان۔ اور اے قوم! یہ اونٹنی ہے اللہ کی تم کو نشانی۔ سو چھوڑ دو اس

تَأْكُلُ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ

کو، کھاتی پھرے اللہ کی زمین میں اور نہ چھیڑو اسکو بُری طرح تو پکڑے گا تم

عَذَابٌ قَرِيبٌ^{۶۴} فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ

کو عذاب نزدیک کا۔ پھر اسکے پاؤں کاٹے، تب کہا، برت لو اپنے گھروں میں

ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكُمْ وَعَدُّ غَيْرُ مَكْذُوبٍ^{۶۵} فَلَمَّا

تین دن۔ یہ وعدہ ہے، جھوٹا نہ ہو گا۔ پھر جب

جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

پہنچا حکم ہمارا، بچا دیا ہم نے صالح کو اور جو یقین لائے اسکے ساتھ

بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِنْ خِزْيٍ يُومِيذُ^{۶۶} إِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اپنی مہر کر کر۔ اور اس دن کی رسوائی سے۔ تحقیق تیرا رب وہی ہے

الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ^{۶۷} وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ

زور آور زبردست۔ اور پکڑا ان ظالموں کو چنگھاڑنے

فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثَيِّينَ^{۶۸} كَانَ لَمْ يَغْنَوْا

پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے۔ جیسے کبھی رہے نہ تھے

فِيهَا طَالَتْ^{۶۹} أَنْ تَشْكُرُوا كَفَرُوا رَبَّهُمْ طَالَتْ^{۷۰} إِلَّا بَعْدَ الشُّمُودِ^{۷۱}

ان میں۔ سُن لو! شُود منکر ہوئے اپنے رب سے۔ سُن لو! پھٹکار ہے شُود کو۔

قصہ صالح علیہ السلام با قوم ثمود

قال الله تعالى وَ اِلَى ثَمُودَ اَخَاهُمْ صَالِحًا... اِلَى... اَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ۝

(ربط) اب یہ تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام اور انکی قوم ثمود کا ہے اور حضرت ہود اور حضرت صالحؑ کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہودؑ کی امت کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالحؑ کی امت کو عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔ جسکا نام ثمود ہے اور حجر میں جو شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ہے رہا کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور قوم ثمود کی طرف ہم نے انکے نسبی اور خاندانی بھائی صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ صالحؑ کو انکا بھائی اس لحاظ سے کہا کہ وہ اسی خاندان اور قبیلہ کے ایک فرد تھے۔ قرابت نسبی کے اعتبار سے انکو بھائی کہا انہوں نے اپنی قوم سے یہ فرمایا اے میری قوم تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں اسی نے تمکو زمین سے پیدا کیا۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا جسم زمین سے بنایا پھر آدم سے سب آدمی پیدا ہوئے اس لفظ سے حق تعالیٰ کی کمال قدرت کو بیان فرمایا اور اس لفظ میں اجمالی اشارہ اس طرف تھا کہ جس طرح ایک انسان کا مٹی سے پیدا ہونا ممکن ہے اسی طرح ایک حیوان (یعنی ناقہ) کا ایک پتھر سے پیدا ہونا بھی ممکن ہے اور زمین سے پیدا کرنے کے بعد تمکو زمین میں آباد کیا یا یہ معنی ہیں کہ تمہاری عمریں دراز کیں حاصل یہ کہ حق تعالیٰ نے کمال قدرت سے تم کو وجود عطا فرمایا اور تمہاری حیات اور بقا کا سامان پیدا کیا پس اس منعم جہتی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو یعنی ایمان لاؤ پھر ہمہ تن اسکی طرف متوجہ ہو جاؤ تحقیق میرا پروردگار اہل توبہ اور اہل استغفار سے قریب ہے اور انکی توبہ واستغفار کا قبول کرنے والا ہے۔ قوم کے لوگ بولے اے صالحؑ اتو اس دعوائے نبوت اور دعوائے توحید سے پہلے ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ امید لگایا گیا تھا یعنی تیری درست اور متانت کو دیکھ کر یہ امیدیں لگی ہوئی تھیں کہ تو قوم کا مادی اور بلجا بنے گا مگر تیری ان باتوں نے ہماری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا تو نے ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم مذہب کے خلاف علم چما دیا۔ شاہ صاحب موضح القرآن میں لکھتے ہیں ”یعنی ہونہار لگتا تھا کہ باپ دادا کی راہ روشن کریگا، تو لگا مٹانے“۔ بھلا اے صالحؑ! تو ہم کو ان چیزوں کی پرستش سے منع کرتا ہے جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے۔ کیا تیرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے قدیم اور

۱۔ معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود کے قومی اور وطنی بھائی تھے۔ اور قومیت مستحدہ کے قائل تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت صالحؑ کی بعثت اس خاص قوم کی طرف تھی۔ اور وہ اسی قبیلہ کے تھے انکو توحید کی دعوت دینے کے لیے مبعوث کیا۔ جو ان پر ایمان لایا اس نے فلاح پائی اور جو ان پر ایمان نہیں لایا وہ عذاب الہی سے تباہ و برباد ہوا۔ مہ عفا اللہ عنہ ۱۱

آبائی مذہب کو چھوڑ دیں اور جس دین کی طرف تو ہم کو بلانا ہے تحقیق ہم اسکے بارے میں بڑے شک میں پڑ گئے ہیں۔ جس نے ہم کو تردد اور اضطراب میں رکھا ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ توحید میں تو اضطراب اور خلجان لاحق ہو گیا اور شرک اور بت پرستی میں سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا۔ یہی حال ہے اہل دنیا کا کہ باطل اور گمراہی میں تو ان کو اطمینان ہوتا ہے اور حق و ہدایت میں انکو بے چینی اور بے اطمینانی ہوتی ہے ایسوں کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ صالح علیہ السلام نے انکے جواب میں کہا اے قوم! بتلاؤ تو سہی کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن اور واضح حجت پر ہوں اور خدا نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت یعنی نبوت عطا کی ہو تو میں خدا تعالیٰ کے روشن دلائل کو چھوڑ کر تمہارے شکوک اور اوہام کا پیرو کیسے ہو سکتا ہوں۔ پس اگر اس حالت میں خدا کی نافرمانی کروں اور تبلیغ احکام میں کوتاہی کروں تو بتاؤ کون ہے کہ جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اور عذاب الہی سے مجھ کو بچائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی معصیت خیران مبین ہے پس تم نافرمانی کا مشورہ دیکر سولے خسارہ اور نقصان کے میرے حق میں کوئی زیادتی نہیں کرتے۔ اس بحث اور مجادلہ کے بعد قوم نے صالح علیہ السلام سے نبوت رسالت کے لیے معجزہ طلب کیا کہ پہاڑ کے پتھر سے اونٹنی نکال کر دکھائیں حضرت صالح نے خدا تعالیٰ سے دعا کی۔ خدا تعالیٰ کے حکم سے پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔ جیسا کہ مفصل قصہ سورۃ اعراف میں گزر چکا اور جب وہ ناقہ پتھر سے نکلی تو صالح علیہ السلام نے اونٹنی کے بے میں نصیحت مثنوی کی اور فرمایا اے میری قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لیے نبوت کی نشانی ہے کہ دفعۃً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بغیر کسی نر کے حاملہ ہے اور بغیر پیدائش کے پتھر سے نکلی ہے اور بے شمار دودھ دیتی ہے یہ خدا کی قدرت کی نشانی ہے اور میری نبوت و رسالت کی بھی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لیے حکم خداوندی بلا سبب ظاہری کے یکدم پتھر سے نکلی ہے یہ میری نبوت کا معجزہ ہے۔ (تفسیر کبیر صفحہ ۲، ج ۵)

غرض یہ کہ یہ اونٹنی اس وقت میری نبوت کی نشانی ہے۔ اور یہی اونٹنی آئندہ چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ سے گی اور چونکہ یہ اونٹنی خاص طور پر منجانب اللہ بطور خرق عادت پیدا ہوئی ہے اس لیے اس ناقہ اللہ کے کچھ حقوق ہیں۔ یس تم اللہ کی اونٹنی کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی اور کھاتی پھرے اور اسی طرح پانی کے بارے میں جتنا چاہے پانی پیئے۔ اللہ کی اونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے وہ اللہ کی اونٹنی ہے اللہ کی زمین سے کھائے گی تم پر اس کا دانہ اور چارہ نہیں وہ اونٹنی اس قدر فربہ اور دراز تھی کہ دو سکر جانور اس کی صورت دیکھ کر بھاگ جاتے تھے لہذا اے میری قوم تم اس اونٹنی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور جرائی کے ارادہ سے اسکو ہاتھ بھی نہ لگاؤ کیونکہ یہ ناقہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے۔ ورنہ پھر تم کو فوری عذاب آپکڑے گا۔ یعنی اگر تم نے اس ناقہ کو پکڑا تو تم پر فوری عذاب نازل ہو گا۔ اور تم کو مہلت نہ ملے گی۔ سو انہوں نے باوجود اس نصیحت اور موعظت بلیغہ کے اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے تو صالح علیہ السلام نے فرمایا اچھا تین دن اپنے گھر میں آرام و راحت کے گزار لو یعنی بدھ اور

جمعرات اور جمعہ اور گزار لو۔ اسکے بعد شنبہ کے روز تم پر عذاب آئے گا۔ یہ خدا کی طرف سے وعدہ ہے جس میں جھوٹ کا کوئی شائبہ نہیں۔ تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے دن انکے چہرے زرد ہو گئے۔ اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کے روز سیاہ اور ہفتہ کے دن عذاب نازل ہوا پس حسب وعدہ تین دن گزرنے کے بعد جب ہمارے عذاب کا حکم آپہنچا تو ہم نے صالح علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو انکے ساتھ ایمان لائے تھے اپنے فضل اور رحمت سے انکو عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بھی بچا لیا۔ بیشک تیرا پروردگار توانا اور غالب ہے ایسے دوستوں کو عزت دیتا ہے اور دشمنوں کو ذلیل و خوار کرتا ہے اور جو لوگ ظالم تھے انکو ایک چنگھاڑنے آپکڑا۔ سو وہ صبح کو اپنے گھٹنوں پر بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے یعنی سب کے سب ایک چنگھاڑ سے مر گئے گویا وہ ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔

تین دن کے بعد جبریلؑ نے ایک چیخ ماری جس سے سب کا دم نکل گیا۔ چیخ سے دل پھٹ گئے اور گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے۔ آگاہ ہو جاؤ کہ قوم ثود نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس طرح ہلاک کیا۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ کفر کا خمیازہ ایسا ہوتا ہے کہ قوم ثود اللہ کی رحمت سے دور پھینک دی گئی۔ اور ایسی ہلاک اور برباد ہوئی کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ یہ قصہ سورہ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں ان کا عذاب رجفہ یعنی زلزلہ بیان کیا گیا ہے۔ وجہ تطبیق وہاں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبَشْرَى قَالُوا سَلَامًا

اور آپکے ہیں ہمارے بھیجے ابراہیم پاس خوشخبری لیکر بولے سلام

قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيدٍ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا

وہ بولا سلام ہے پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب

رَأَى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ

دیکھا، ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے پر اوپری سمجھا اور دل میں ان سے

خَيْفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ ﴿٧٠﴾

ڈرا۔ وہ بولے مت ڈر ہم بھیجے آئے ہیں طرف قوم لوط کے۔

وَأَمْرَاتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَ

اور اسکی عورت کھڑی تھی تب وہ ہنس پڑی پھر ہم نے خوشخبری دی اسکو اسحق کی اور

مِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۚ ﴿٤١﴾ قَالَتْ يَوِیْلَتِی ءَاِلِدُ

اسحق کے پیچھے یعقوب کی۔ بولی اے خرابی! کیا میں جنوں کی؟

وَأَنَا عَجُوزٌ ۖ وَهَذَا بَعْلٌ شَیْخٌ ۖ إِنَّ هَذَا لَشَیْءٌ

اور میں بڑھیا ہوں اور یہ جواند میرا ہے بوڑھا۔ یہ تو ایک عجیب چیز

عَجِیْبٌ ۚ ﴿٤٢﴾ قَالُوا أَتَعْجَبُیْنَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتُ اللَّهِ

ہے۔ وہ بولے کیا تعجب کرتی ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی مہر ہے

وَبَرَکَتُهُ عَلَیْكُمْ أَهْلَ الْبَیْتِ ۖ إِنَّهُ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ ۚ ﴿٤٣﴾

اور برکتیں تم پر، اے گھر والو! وہ ہے سراہا بڑائیوں والا۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى

پھر جب گیا ابراہیم سے ڈر اور آئی اس کو خوشخبری

یَجَادِلُنَا فِی قَوْمِ لُوطٍ ۚ ﴿٤٤﴾ إِنَّ إِبْرَاهِمَ لَحَلِیمٌ ۖ وَأَوَّاهٌ

جھگڑنے لگا ہم سے قوم لوط کے حق میں۔ البتہ ابراہیم تحمل والا نرم دل

مُنِیبٌ ۚ ﴿٤٥﴾ یَا إِبْرَاهِیمُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ

تھا رجوع رہنے والا۔ اے ابراہیم چھوڑ یہ خیال۔ وہ تو آ چکا

جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ لَأَتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُودٍ ۚ ﴿٤٦﴾

حکم تیرے رب کا۔ اور ان پر آتا ہے عذاب جو پھیرا نہیں جاتا۔

قصہ ابراہیم علیہ السلام مشتمل بر بشارت ملائکہ کرام بولادت اسحق علیہ السلام

قال الله تعالى وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى... الى... عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ (رابطہ) اب ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس میں فرشتوں کی تولد فرزند کی بشارت کا

ذکر ہے کہ تمہارے یہاں ایک بیٹا ہوگا جسکا نام اسحاق ہوگا پھر اس بیٹے کے ایک بیٹا ہوگا جس کا نام یعقوب ہوگا۔ اس بشارت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس برس کی تھی اور حضرت سارہ کی عمر نوے یا بانوے سال کی تھی حضرت ہاجرہؑ سے حضرت اسماعیلؑ علیہ السلام پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ سارہ کو متنا تھی کہ ان کے بھی کوئی بیٹا ہو لیکن کبر سنی کی وجہ سے ناامید ہو چکی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی یہ بشارت بھیجی۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بشارت دینے کے لیے تین فرشتے آئے تھے۔ جبرائیل اور میکائیلؑ اور اسرافیل علیہم السلام اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ یا نو فرشتے آئے تھے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۶۲ ج ۹ و زاد المسیر لابن الجوزی صفحہ ۱۲۷ ج ۴)

الغرض یہ قصہ من جملہ قصص مذکور کا چوتھا قصہ ہے جو لوط علیہ السلام کے قصہ کی تمہید ہے اسی وجہ سے ماقبل کی طرح اُرْسَلْنَا اِبْرَاهِيْمَ اِلٰی كَذَا۔ نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے وہ فرشتے جنکو ہم نے قوم لوط پر عذاب کے لیے بھیجا تھا۔ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیٹے اور پوتے کے پیدا ہونے کی بشارت لیکر آئے تو بولے کہ ہم تم کو سلام کرنے میں ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا وعلیکم السلام چونکہ یہ فرشتے خوبصورت آدمیوں کی شکل میں تھے اس لیے ابراہیم علیہ السلام ان کو ہمان سمجھے اور خوش ہو کر ضیافت کا سامان کیا۔ پس ابراہیم علیہ السلام نے دیر نہ کی کہ انکے کھانے کے لیے ایک بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لے آئے جس سے چربی ٹپکتی تھی۔ قنادہ کہتے ہیں کہ ان کا اکثر مال یہی گائیں تھیں آپ بڑے ہمان نواز تھے۔ پندرہ روز کے انتظار کے بعد یہ ہمان آئے تو بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے کھانا لائے مگر وہ ہمان اور ہی قسم کے تھے وہ کس طرح کھا سکتے تھے۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ انکے ہاتھ اس بچھڑے کے کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو اسکو اوپر جانا اور دل میں ان کی طرف سے خوف زدہ ہوئے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیوں آئے ہیں اگر ہمان ہیں تو کھانا کیوں نہیں کھاتے حضرت شاہ عبدالقادرؒ خوف کی توجیہ میں یہ فرماتے ہیں کہ فرشتے عذاب الہی کو لیکر قوم لوط کی طرف جا رہے تھے اور اس وقت یہ فرشتے خدا کی شان غضب اور انتقام کے منظر تھے اس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کے قلب پر خوف کی ایک کیفیت طاری ہو گئی بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خوف ان پر ظاہر کیا۔ کما قال تعالیٰ اِنَّا مِنْكُمْ وَجَلُوْنَ۔ تو بولے تم ڈرو مت ہم آدمی نہیں فرشتے ہیں ہم تو قوم لوط کی طرف عذاب دیکر بھیجے گئے ہیں اور راستے میں آپکو بشارت دینے کے لیے اتر گئے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت سارہؑ کہیں کھڑی سُن رہی تھیں۔ پس وہ ہنس پڑیں۔ آیت میں ہنسنے کی وجہ مذکور نہیں۔ بعض کہتے ہیں انکا ہنسنا تعجب کی بنا پر تھا کہ عجب بات ہے کہ اتنے دنوں کے بعد تو ہمان ملے جنکی ضیافت کا سامان کیا پھر وہ فرشتے نکلے۔ یا اس بات پر تعجب ہوا کہ فرشتے آدمی کی صورت میں ہمان بن کر آئے کیا بات ہے یا اس بات پر تعجب ہوا کہ اس قدر خدم اور حشم ہوتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام تین چار آدمیوں سے ڈر گئے۔ یا قوم لوط کی ہلاکت کی خبر سُن کر خوش ہوئیں کہ یہ جیشین اور مفسدین کا گروہ اب ہلاک ہوگا۔ اس قوم نے عورتوں کو خراب کیا اور لڑکوں کو

بے حیا اور بدکار بنایا اس لیے ان کا عذاب سن کر خوش ہوئیں اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب فرشتوں نے یہ خبر سنائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بڑھاپے میں سارہ کے بطن سے بیٹا عطا کرنے والا ہے تو یہ خبر سن کر حضرت سارہ ہنس پڑیں۔ پس ہم نے فرشتوں کی زبانی سارہ کو ایک فرزند کے پیدا ہونے کی بشارت دی جو اسحق نام کے ساتھ موسوم ہو گا اور اسحق کے علاوہ یعقوب کی بھی بشارت دی یعنی ایک بشارت تو یہ دی کہ اس سن میں تمہارے ایک لڑکا پیدا ہو گا جس کا نام اسحق ہے پھر دوسری بشارت یہ دی کہ تمہارے پوتا بھی ہو گا جس کا نام یعقوب ہے مطلب یہ ہے کہ بیٹے کے بعد پوتا بھی دیکھو گی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ وہ بیٹا زندہ رہے گا۔ اور وہ بیٹا بھی صاحب اولاد ہو گا۔ جس سے تمہاری نسل چلے گی۔ سارہ بولی ہائے میری کب سختی کیا میں اب بچہ جنوں گی۔ حالانکہ میں بوڑھی ہوں اس وقت میری عمر تینانوے سال کی ہے اور میرا خاوند ہے بہت بوڑھا جس کی عمر اس وقت ایک سو بیس برس کی ہے۔ حضرت سارہ کو یہ بشارت اس لیے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹا اسمعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ حضرت سارہ کو تمنا تھی کہ مجھے بھی بیٹا ملے۔ لیکن فرزند نہ عطا ہوا۔ یہاں تک کہ جب بڑھیا ہو گئیں اور باؤس ہو گئیں اس وقت یہ بشارت دی گئی تو تعجب میں پڑ گئیں اور کہنے لگیں تحقیق یہ بات تو بہت ہی عجیب ہے کبھی دیکھنے اور سننے میں نہیں آئی۔ فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعجب کرتی ہے۔ تعجب کی کیا بات ہے خدا ہر امر پر قادر ہے خدا کی صنعت کے لیے کسی آلہ کی اور اسکے فضل کے لیے کسی علت کی ضرورت نہیں۔ دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا کرنا کوئی عجیب نہیں اس کی قدرت کے سامنے بوڑھا اور جوان سب برابر ہے اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر دن رات کی رحمتیں اور برکتیں برس رہی ہیں صبح و شام معجزات و کرامات اور خوارق عادات کا مشاہدہ کرتے رہتے ہو تمہارا یہ تعجب بھی عجیب ہے تمہارا حق میں یہ بشارت قابل تعجب نہیں بلکہ تمہارا تعجب قابل تعجب ہے بیشک اللہ تعالیٰ قابل تعریف ہے اور بزرگی والا ہے اسکے جود و کرم سے کوئی شے عجیب نہیں۔ تم بجائے تعجب کے اس کے حمد و شکر میں مشغول ہو جاؤ۔

لطائف و معارف

- ۱۔ بعض علماء نے وَمِنْ قَرَارِ اسْحَقَ يَعْقُوبَ کے لفظ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت اسحق علیہ السلام ذبیح نہ تھے بلکہ حضرت اسمعیل ذبیح تھے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر)
- ۲۔ یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ زوجہ رجل بھی اسکے اہلبیت میں سے ہے اس لیے کہ اَلْعَجَبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحِمَتْ اللّٰهُ وَبَرَكَتُہٗ عَلَیْکُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ۔ یہ خطاب حضرت سارہ کو ہے جو حضرت ابراہیم کی زوجہ محترمہ تھیں اس طرح حق تعالیٰ کے اس ارشاد

اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيراً
 کو سمجھو کہ یہ خطاب دراصل ازواج مطہرات کو ہے اس لیے کہ اوپر سے تمام سلسلہ کلام۔ نسا نبی کریم یعنی
 ازواج مطہرات کے بارے میں چلا آرہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بمقتضائے شفقت و کرم اہل خانہ
 کو بھی کبیل اڑھا کر اس دعا میں شامل فرمایا۔ اور جس طرح اس آیت میں اہل بیت کے لیے جمع مذکر کا صیغہ
 رحمة اللہ وبرکاتہ علیکم۔ واحد مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیا گیا۔ اسی
 طرح آیت تطہیر میں یہی خطاب جمع مذکر کے صیغے جمع مؤنث کے لیے بطور تعظیم و تکریم استعمال کیے گئے۔
 ۳۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نمازوں میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ اس کے الفاظ اسی آیت سے
 ماخوذ اور مقتبس ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حلم اور ترحم

اب آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حلم اور ترحم کو بیان کرتے ہیں۔ پس جب ابراہیم علیہ السلام
 سے وہ خوف جاتا رہا جو فرشتوں کی طرف سے پیدا ہوا تھا اور ان کے پاس بیٹے اور پوتے کی پیدا ہونے کی
 خوشخبری پہنچ گئی۔ تو ادھر سے بے فکر ہو کر دوسری طرف متوجہ ہوئے اور ہم سے قوم لوط کے بارے میں
 بحث شروع کر دی جس کی تفصیل دوسری آیت میں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا فرشتوں سے مجادلہ یہ تھا کہ جب
 فرشتوں نے کہا کہ ہم قوم لوط کے ہلاک کرنے کے لیے آئے ہیں تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا اس بستی میں تو لوطؑ
 بھی ہے تم اس بستی کو کیسے ہلاک کر سکتے ہو۔ فرشتوں نے کہا کہ ہم سوائے انکی بیوی کے انکو اور ان کے گھروں
 کو بچالیں گے۔ بیشک ابراہیمؑ بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف بڑے رجوع کرنے والے تھے چونکہ حضرت
 ابراہیمؑ بڑے نرم دل اور حلیم اور بردبار تھے۔ اس لیے خطاکاروں پر عقوبت میں جلدی نہیں چاہتے تھے مطلب
 یہ ہے کہ ابراہیمؑ کی طبعی فرط رحمت اور زیادتی شفقت اس اصرار اور مجادلہ کا باعث بنی۔ خدا ترس بندوں کے
 دل بہت نرم ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ یہ چاہتے تھے کہ عذاب میں تاخیر ہو جائے شاید یہ لوگ ایمان لے
 آئیں اور اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔ لیکن آخر کار ملائکہؑ نے انکو حکم قضا و قدر سے آگاہ
 کر دیا اور کہا کہ اے ابراہیمؑ آپ اس بحث کو چھوڑ دیجیئے۔ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ تحقیق تیرے پیروں کا
 کا حکم ان کے بارے میں آپہنچا ہے۔ اب وہ کسی طرح حل نہیں سکتا اور تحقیق ان پر ایسا عذاب آنے والا ہے
 جو ان سے بٹایا نہیں جائیگا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی فطری رحم دلی کی بنا پر عذاب کی تاخیر کے بارے میں
 جو اصرار اور الحاح فرمایا اسکو حق تعالیٰ نے بطور مبالغہ لفظ مجادلہ لکنا سے تعبیر فرمایا۔ فرشتوں نے جواب دیا
 کہ یہ لوگ شفقت و رحمت کے محل نہیں رہے آپ اس خیال کو دل سے نکال دیجیئے۔ اُنکے جرم کا
 پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور ان کے متعلق عذاب کا حکم جاری ہو چکا ہے جو کسی طرح واپس نہیں ہو سکتا

البتہ جو اہل ایمان ہیں اول انکو علیحدہ کر دیا جائیگا اسکے بعد عذاب نازل ہوگا تاکہ اہل ایمان کو گزند نہ پہنچے۔

﴿ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ﴾

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَىٰ عِزِّهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے لوط پاس، خفا ہوا ان کے آنے سے اور رک

ذُرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۸﴾ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ

گیا جی میں اور بولا آج دن بڑا سخت ہے۔ اور آئی اس پاس قوم اسکی

يَهْرَعُونَ إِلَيْهِ طُوفًا وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ط

دوڑتی بے اختیار۔ اور آگے سے کر رہے تھے بُرے کام۔

قَالَ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا

بولا اے قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں حاضر ہیں یہ پاک ہیں تمکو ان سے۔ سو ڈرو

اللَّهِ وَلَا تَخْزَوْنَ فِي ضَيْفِي ط أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ

تم اللہ سے اور مت رسوا کرو مجھ کو میرے بہانوں میں کیا تم میں ایک مرد بھی نہیں

رَشِيدٌ ﴿۷۹﴾ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ

نیک راہ۔ بولے تو تو جان چکا ہے، ہم کو تیری بیٹیوں سے دعویٰ

حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۸۰﴾ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ

نہیں۔ اور تجھ کو تو معلوم ہے جو ہم چاہتے ہیں کہنے لگا کہیں سے مجھ کو تہا کے سامنے

قُوَّةً أَوْ آوِيٍّ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۸۱﴾ قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا

زور ہوتا، یا جا بیٹھتا کسی محکم آسے میں۔ (بہانہ) بولے اے لوط! ہم

رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصْلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ

بھیجے ہیں تیرے رب کے ہرگز نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک۔ سولے نکل اپنے

مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرًا تَكُ

گھر والوں کو کچھ رات سے، اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی مگر تیری عورت۔ یوں

إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ط إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ

ہی ہے کہ اس پر پڑنا ہے جو ان پر پڑیگا انکے وعدے کا وقت ہے صبح

الْكَسَّ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝۸۱ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا

کیا صبح نہیں نزدیک۔ پھر جب پہنچا حکم ہمارا، کر ڈالی ہم

عَالِيهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ۝

نے وہ بستی اوپر نیچے اور برساتیں اس پر پتھریاں کھنکر کی۔

مَنْصُودٍ ۝۸۲ مَّسْـُٔمَةٌ عِندَ رَبِّكَ ط وَمَا هِيَ مِنَ

تہ بتہ۔ صاف بنائیں تیرے رب کے پاس اور نہیں وہ بستی

الظَّالِمِينَ بَعِيدٍ ۝۸۳

اُن ظالموں سے کچھ دور۔

قصہ لوط علیہ السلام و قوم او کہ تمہ قصہ سابقہ است

قال الله تعالى وَ كَمَا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئًا بِهِمْ ۝۸۱ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بَعِيدٍ ۝۸۲ (ربط) گزشتہ قصہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اب اسکے بعد لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر کرتے ہیں لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور اہل سدوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ بستی حص کے قریب تھی اور اسکے پاس اور بھی کچھ گاؤں تھے جنکی مجموعی آبادی تقریباً چار لاکھ تھی سوائے اہل ایمان کے سب ہلاک ہو گئے۔ یہ قصہ پہلے قصہ کا تتمہ ہے یا یوں کہو کہ پہلا قصہ اس قصہ کی تمہید تھا۔ اور اصل مقصود قوم لوط کی ہلاکت کا قصہ بیان کرنا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس فارغ ہو کر لوط علیہ السلام کے پاس آئے تو لوط علیہ السلام ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگ دل

ہوتے کیونکہ وہ فرشتے حسین بے ریش لڑکوں کی شکل میں تھے لوط علیہ السلام انکو مہمان سمجھے اور چونکہ لوط علیہ السلام کو اپنی قوم کے ناشائستہ افعال کا علم تھا کہ یہ لوگ خلاف فطرت فواحش کے عادی اور خوگرہ ہیں اس لیے وہ اس قسم کے مہمانوں کی آمد سے گھبرائے اور تنگ دل ہوئے اور کڑھے کہ میں ان بدکردار اور خبیث طینت والوں سے اپنے مہمانوں کی حفاظت کیسے کروں گا۔ اور اس قدر تنگ دل ہوئے کہ اپنی تنگ دلی کو چھپانہ سکے۔ اور زبان سے کہنے لگے کہ یہ دن تو بڑا کٹھن ہے۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ کی اس پریشانی کو دیکھ لیا مگر ابھی تک ان پر ظاہر نہ کیا تھا کہ ہم دراصل فرشتے ہیں اور اس ناہنجار اور بدکردار اور بد اطوار قوم کو ہلاک کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں اور لوط علیہ السلام انکو اپنا مہمان سمجھتے رہے اور پریشان رہے کہ دیکھتے اب کیا ہوتا ہے اور انکی قوم نے جب یہ خبر سنی کہ لوط علیہ السلام کے یہاں ایسے خوب صورت لڑکے مہمان آئے ہیں کہ اب تک ان سے زیادہ خوبصورت دیکھنے میں نہیں آئے تو یہ بد اطوار قوم لوط علیہ السلام کی طرف دوڑی ہوئی آئی اور اس سے پہلے یہ لوگ بد فعلیاں کیا کرتے تھے لواطت اور اغلام اس قوم کی طینت اور عادت بن چکی تھی اور حیار اور شرم ان سے نکل چکی تھی۔ لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم! یہ ہیں میری بیٹیاں یعنی یہ میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں۔ ان سے نکاح کرو۔ یہ تمہارے لیے پاک ہیں نکاح پاک فعل ہے اور اغلام اور لواطت ناپاک اور گندہ فعل ہے۔ بیٹیوں سے قوم کی لڑکیاں مراد ہیں اس لیے کہ نبی امت کا باپ ہوتا ہے۔ اس لیے قوم کی لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں کہا۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور اس بُری خصلت سے باز آ جاؤ اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ یہ لڑکے میرے مہمان ہیں تم انکی بدکاری کی طرف ہاتھ نہ بڑھاؤ اس میں میری سخت رسوائی ہے کیا تم میں کوئی بھلا مانس شخص نہیں ہے جس میں کچھ بھی غیرت اور حیار کا مادہ ہو وہ بولے اے لوط! مجھے تو خوب معلوم ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں میں کوئی خواہش اور حاجت نہیں اور تحقیق تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ یعنی ہمارا لڑکوں کی طرف راغب ہونا بخوبی معلوم ہے۔ پس عورتوں کو ہم پر پیش کرنا فضول ہے۔ لوط علیہ السلام نے انکے جواب میں کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی تو میں خود تمکو دور کر دیتا۔ یا کوئی مضبوط قبیلہ اور کنبہ میرا مدد کرے اور ملجا ہوتا تو اسکی مدد سے تمکو دور کرنا کہ میرے مہمانوں پر زیادتی کر کے مجھے فضیحت نہ کرنے پاتے اور یہ قوم لوط علیہ السلام کی قرابت دار نہ تھی کیونکہ لوط علیہ السلام پہلے عراق میں اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ تھے جب وہاں سے شام آئے تو اللہ تعالیٰ نے انکو مؤلفکات پر پیغمبر کیا اور یہ چند بستیاں تھیں جن میں بڑی بستی سدوم تھی اور کل آبادی چار لاکھ کے قریب تھی اس لیے لوط علیہ السلام نے تمنا کی کہ کاش اس وقت میرے کنبہ والے باقوت و شوکت ہوتے تو تم مجھ پر ظلم نہ کر سکتے۔ غرض یہ کہ خوبصورت مہمانوں کی خبر سن کر اوباشوں نے هجوم کیا۔ لوط علیہ السلام نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ اور اندر ہی سے لوگوں کے ساتھ گفتگو کرتے رہے ان لوگوں نے چاہا کہ دروازہ توڑ ڈالیں اور اندر گھس آئیں تو لوط علیہ السلام نہایت مضطرب ہوئے۔ ملائکہؑ نے جب ان کے اضطراب کو دیکھا اور یہ دیکھا کہ قوم کے لوگ ان پر چڑھ آئے ہیں اور انکی مدافعت سے عاجز ہیں تب انکو خبر دی کہ ہم

فرشتے ہیں پھر یہ خوشخبری سنائی کہ یہ لوگ تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
تو وہ فرشتے بولے اے لوط تم گھراؤ نہیں ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں ان پر عذاب نازل
کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنا دل قوی رکھو۔ یہ لوگ ہرگز تجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ جبریل علیہ السلام نے لوط
علیہ السلام سے کہا دروازہ کھول دو۔ لوط علیہ السلام نے دروازہ کھول دیا۔ جبریل علیہ السلام باہر برآمد ہوئے اور
انکے منہ پر اپنا پر مارا جس سے انکی آنکھیں پھوٹ گئیں اور سب اندھے ہو گئے اور یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ لوط
کے مہمان جا دو گر ہیں۔ بعد ازاں جبریل نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ تورات کے کسی حصہ میں اپنے گھروالوں کو
اپنے ساتھ لیکر راتوں رات یہاں سے نکل جا اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے مگر تیری بیوی جو کافر ہے
اس سے نہیں رہا جائیگا وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ بلاشبہ اس عورت کو بھی وہی عذاب پہنچے گا جو
اس قوم کو پہنچنے والا ہے۔ یہ حال سن کر لوط علیہ السلام کا اضطراب رفع ہوا اور فرشتوں سے پوچھا کہ کب عذاب
آئیگا۔ فرشتوں نے کہا تحقیق انکے عذاب اور ہلاکت کے وعدہ کا وقت اس رات کی صبح ہے لوط علیہ السلام نے
کہا کہ ابھی تو صبح میں دیر ہے۔ جبریل نے کہا کیا صبح نزدیک نہیں ہے یہ رات بھر کی تاخیر اس لیے کی گئی ہے
تاکہ لوط علیہ السلام اطمینان کے ساتھ اس بستی سے نکل جائیں۔ ہلاکت کے لیے آخر شب کا وقت اس لیے
مقرر کیا گیا کہ وہ وقت سکون اور اطمینان کا ہے سب لوگ اپنے گھروں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے کاموں کے
لیے متفرق نہیں ہوتے۔ پس جب ہمارا حکم عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر اس کی اوپر کی جانب
کو نیچے کر دیا اور پچلی جانب کو اوپر کر دیا۔ جبریل علیہ السلام نے ان بستیوں کو جدا کر کے مثل تختہ کے اپنے بازو
پر اٹھا لیا۔ اور آسمان کی طرف او پچالے گئے اور وہاں جا کر انہیں پلٹ دیا اونچے کو نیچے اور نیچے کو اونچا کر دیا۔
غرض یہ کہ جبریل امین جنکی صفت قرآن میں شدید القوی آئی ہے وہ ان بستیوں کو اٹھا کر آسمان کی
طرف لے گئے اور پھر انکو اوپر سے نیچے پٹک دیا پھر ان پر کھنگر یعنی جھانورے برسائے (جھانورہ اس اینٹ
کو کہتے ہیں جو پڑاؤ کی آگ سے پک کر سیاہ پتھر کی مانند ہو جائے) اور ایسے پتھر برسائے جو ایک کے بعد
ایک منوا نر گرتے تھے۔ یعنی پلے درپلے برس رہے تھے وہ پتھر ایسے تھے کہ خدا کے یہاں سے نشان لگے
ہوئے تھے۔ ہر پتھر پر مہر یا نشان اور علامت تھی کہ اس پتھر کے لگنے سے فلاں کافر ہلاک ہوگا۔ یا ہر پتھر
پر من جانب الہ اس کافر کا نام لکھا ہوا تھا جس پر یہ پتھر گرے گا۔ وہ پتھر دنیا کے پتھروں سے بالکل جدا
اور ممتاز تھے (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۸۳ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۹۵۵ ج ۲ و تفسیر زاد المیسر ص ۱۴۶)

اور اہل مکہ کو چاہیے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کیونکہ قوم لوط کی یہ بستیاں مکہ کے ان ظالموں سے
کچھ دور نہیں ملک شام کو جاتے ہوئے ان بستیوں پر گزرتے ہیں اور ہلاکت اور بربادی کے آثار کو اپنی
آنکھوں سے دیکھتے ہیں انکو چاہیے کہ عبرت پکڑیں۔

۱ دیکھو زاد المیسر لابن الجوزی ص ۱۴ ج ۴ و تفسیر قرطبی ص ۹ ج ۹

تنبیہ | یہ قصہ سورہ اعراف میں بھی گزر چکا ہے وہاں بھی دیکھ لیا جائے۔

وَالِی مَدَیْنَ اَخَاهُمْ شُعَبًا ط قَالَ یَقَوْمِ

اور مدین کی طرف بھیجا ان کا بھائی شعیب بولا اے قوم !

اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهِ غَيْرُهُ ط وَ

بندگی کرو اللہ کی کوئی نہیں تمہارا حاکم اس کے سوا۔ اور

لَا تَنْقُصُوا الْمِیْزَالَ وَالْمِیْزَانِ اِنِّیْۤ اَرٰکُمْ بِخِیْرٍ وَ

نہ گھٹاؤ ماپ اور تول میں دیکھتا ہوں تم کو آسودہ اور

اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۝۸۳ وَ یَقَوْمِ

ڈرتا ہوں تم پر آفت سے ایک گھیر لانے والے دن کی۔ اور اے

اَوْفُوا الْمِیْزَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا

قوم ! پورا کرو ماپ اور تول انصاف سے اور نہ گھٹا دو

النَّاسَ اَشْیَاءَ هُمْ وَلَا تَعْشَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۸۵

لوگوں کو انکی چیزیں اور نہ چھاؤ زمین میں خرابی۔

بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ؕ وَمَا

جو بچ رہے اللہ کا دیا وہ بہتر ہے تم کو اگر ہو تم یقین رکھتے اور میں

اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ۝۸۶ قَالُوْۤا یَشْعِیْبُ اَصْلُوْتْکَ

ہمیں ہوں تم پر نگہبان۔ بولے اے شعیب ! تیرے نماز پڑھنے

تَاْمُرْکَ اَنْ تَتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

نے تجھ کو یہ سکھایا کہ ہم چھوڑ دیں جنکو پوجتے رہے ہمارے باپ دادے یا چھوڑ دیں

فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِيمُ الرَّشِيدُ ﴿٨٤﴾

کرنا اپنے مالوں میں جو چاہیں۔ تو ہے بڑا باوقار نیک چال والا۔

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيْنَةٍ مِّنْ رَبِّي

بولا اے قوم! دیکھو تو، اگر مجھ کو سوجھ ہوئی اپنے رب کی

وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ

طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی اور میں نہیں چاہتا کہ پیچھے

إِلَىٰ مَا أَنَّهُكُمْ عِنْدَهُ ط إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا

آپ کروں، جو کام تم سے چھڑاؤں میں تو چاہتا ہوں یہی سنوارنا، جہاں تک ہو

اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

سکے۔ اور بن آتا ہے اللہ سے۔ اسی پر میں نے بھروسا

وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿٨٥﴾ وَيَقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ

کیا ہے اور اسی کی طرف رجوع ہوں۔ اور اے قوم! نہ کمائیو میری ضد کر کر، یہ کہ پڑے

يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ

تم پر جیسا کچھ پڑا قوم نوح پر۔ یا قوم ہود پر

أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ط وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿٨٦﴾ وَ

یا قوم صالح پر اور قوم لوط تم سے دور نہیں۔ اور

اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوَبُّوا إِلَيْهِ ط إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ

گناہ بخشاؤ اپنے رب سے اور اس کی طرف رجوع آؤ۔ البتہ میرا رب مہربان

وَدُّدٌ ﴿٩٠﴾ قَالُوا يَشْعِيبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ

ہے محبت والا۔ بولے اے شعیب! ہم نہیں بوجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے

قصہ شعیب علیہ السلام

قال الله تعالى وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا... إِلَىٰ... أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعَدَتْ ثَمُودُ (ربط) یہ چھٹا قصہ شعیب علیہ السلام کا ہے جو خطیب الانبیاء کے لقب سے معروف ہیں اور اہل مدین کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ لوگ بڑے سرمایہ دار تھے انکا مذہب یہ تھا کہ ہم اپنے مالوں کے تصرف میں آزاد اور مختار ہیں (جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دار کہتے ہیں) جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں حضرت شعیب علیہ السلام یہ فرماتے تھے کہ یہ اموال اگرچہ تمہارے مملوک ہیں مگر تمہاری ملکیت مالک حقیقی کی ملکیت اور اس کے حکم کے ماتحت ہے۔ امانت اور دیانت کے ساتھ اور صحیح کیل اور وزن کے ساتھ تم اس میں تصرف کر سکتے ہو یہ قوم بت پرستی اور بدکاری کے علاوہ معاملات دنیاوی میں خیانت اور کم تولنے میں مبتلا تھی۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اصحاب مدین کو توحید کی دعوت دی اور شرک اور کم تولنے کی عادت سے توبہ اور استغفار کی نصیحت کی اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے کہ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تم پر اللہ کا عذاب آئیگا اور قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود کی طرح ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔

جب ان لوگوں نے حضرت شعیب کا کہنا نہ مانا تو آخری درجہ میں یہ فرمایا اَعْمَلُوا اَعْلٰی مَكَانَتِكُمْ (کر خیر جو تمہارا جی چاہے کرو۔ عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا کہ تم کو کیا رسوائی پہنچنے والی ہے آخر وہی ہوا کہ تھوڑے دنوں میں عذاب آیا آگ برسی اور سب ہلاک ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ہم نے مدین والوں کی طرف انکے بھائی شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ یہ اندھے اور بہرے شاید اپنے بھائی کی کچھ سنیں اور دیکھیں۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا پھر اسکی اولاد کا بھی یہی نام ہو گیا اور ان لوگوں نے ایک شہر آباد کیا اسکا نام بھی مدین رکھا۔ یہ شہر بحر قلزم کے کنارے پر تبوک کے محاذی اس سے چھ مرحلہ دور واقع ہے اور تبوک سے بڑا ہے اور مدین وہی شہر ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اول مرتبہ مصر سے تنہا نکلے تو اس شہر کے کنوئیں پر ٹھہر کر شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو پانی پلایا تھا اب آگے شعیب علیہ السلام کی تعلیم و تلقین کا حال بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قوم کو وہ بات بتائی جو سب سے اول اور مقدم فرض ہے۔ شعیب علیہ السلام نے ان سے یہ کہا اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ توحید اور عبادت یہ تو اللہ تعالیٰ کا حق ہوا۔ اب آگے مخلوق کا حق بتایا جو باہمی معاملات سے متعلق تھا اور نہ کسی کو تم پیمانے سے ناپنے کی چیزوں میں اور ترازو سے تولنے کی چیزوں میں۔ تحقیق میں تم کو اچھی حالت یعنی نعمت اور تونگری میں دیکھتا ہوں یعنی تم مفلس اور محتاج نہیں کہ اس کی وجہ سے خیانت کرو بلکہ مالدار اور نعمت والے ہو اسکا حق تو یہ ہے کہ لوگ تم سے بہرہ مند ہوں نہ یہ کہ تم دوسروں کے حق میں سے کمی

کرو۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر کرو۔ اگر زیادہ نہیں تولتے تو کم بھی نہ تولو اور تحقیق میں اس خیانت کی وجہ سے تمہاری نسبت ایسے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں جو تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہوگا۔ اس سے قیامت کا عذاب مراد ہے یا دنیوی عذاب ہلاکت مراد ہے۔ یہ تو ناپ تول میں کمی کی ممانعت ہوئی اب آئندہ آیت میں ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم اور اس میں تاکید اور مبالغہ ہے اور اسے میری قوم انصاف کے ساتھ ماپ اور تول کو پورا کیا کرو۔ ماپ میں پیمانہ کو ادھما نہ بھرو اور تولنے میں ڈنڈی نہ مارو اور لوگوں کی چیزوں میں ذرہ برابر کمی نہ کرو۔ یعنی کیل اور وزن کی خصوصیت نہیں تمام چیزوں میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو خواہ کسی قسم کی کوئی چیز ہو اس میں کمی نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کے حق میں خیانت نہ کرو۔ ایک ہی بات کو تین مرتبہ دہرانے سے مقصود تاکید ہے مگر ہر مرتبہ نئی عبارت سے ادا کیا گیا ہے جس میں خاص بلاغت ہے اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو یعنی رہزنی نہ کرو۔ یہ لوگ رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ ناپ تول میں ہر حقدار کا حق ادا کرنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا حلال مال جو تمہارے پاس باقی رہ جائے اس زیادہ مال سے کہیں زیادہ بہتر ہے جو خیانت کر کے تم حاصل کرو۔ کیونکہ حلال مال میں گو وہ قلیل ہو اس میں خیر و برکت ہے۔ اگر ہو تم یقین رکھنے والے تو سمجھ لو کہ برکت حلال میں ہے۔ حرام میں نہیں۔ میں تمہارا ہنگام نہیں کہ زبردستی تم کو منوادوں اور نیک راہ پر چلا دوں۔

من آنچه شرط بلاغت با تومی گویم ۛ تو خواہ از سختم پند گیر و خواہ ملال
حکایت کیا جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دو قسم پر تھے ایک وہ کہ جن کو جہاد کا حکم ہوا جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعضے وہ ہیں جن کو جہاد کا حکم نہیں ہوا۔ صرف تبلیغ رسالت ان کے ذمہ تھا۔ شعیب علیہ السلام ان ہی میں تھے جن کو جہاد کا حکم نہیں تھا وہ دن بھر قوم کو نصیحت فرماتے اور رات بھر نماز پڑھتے (روح البیان ص ۶ ج ۴)

قوم مردود کا جواب

قوم کے سردار بولے اے شعیب ہم نے تمہارا وعظ سُن لیا۔ کیا تیری نماز اور عبادت تجھ کو یہ حکم دیتی ہے ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے بڑے پوجتے تھے اور سب بتوں کو چھوڑ کر تیرے کہنے سے خالی ایک معبود کے ہو رہیں حضرت شعیب علیہ السلام چونکہ کثیر الصلوٰۃ تھے۔ انکی قوم انکو نماز پڑھنا دیکھتی تو بطور تمسخر ان سے یہ کہتی یا ہم اپنے مالوں میں سے حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ہم اپنے مالوں کے مالک اور مختار ہیں جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔ تحقیق تو تو بڑا بردبار اور راہ یاب ہے تو ایسی باتیں کیوں کہتا ہے۔ یہ کہنا انکا بطور استہزاء اور تمسخر تھا۔ جیسا کہ آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام والے بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں۔ یہ حلال و حرام

اور جائز و ناجائز کی تفہیم کیسی۔ مطلب یہ تھا کہ اب ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دیجئے اور دغا بازی سے بچنے کا وعظ نہ کیئے۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ بے شک تم اپنے مالوں کے مالک ہو مگر ہم تمہارے وجود کے اور تمہارے مالوں کے مالک مطلق اور مالک حقیقی ہیں تم سب ہمارے بندے اور غلام ہو تم اپنی تجارت اور زراعت میں ہمارے نازل کردہ قانون کے پابند ہو جس طرح تمہارا وجود ہمارا عطیہ ہے اسی طرح تمہارے اموال ہمارے عطا کردہ ہیں ہمارے عطا کردہ اعضاء اور جوارح سے اور ہمارے عطا کردہ قدرت اور اختیار سے تم نے یہ دولت کمائی ہے تم ہمارے بندے اور غلام ہو تمہیں ہمارے حکم کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ہم نے اپنی رحمت اور مہربانی سے یہ کہہ دیا ہے کہ تم ان اموال کے مالک ہو مگر ہماری اس عنایت اور رحمت کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمارے نازل کردہ قانون شریعت کی حدود و قیود اور ادا و نواہی سے آزاد ہو کہ خلاف قانون جو چاہو تصرف کرو شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کو برقرار رکھتی ہے۔ انشراکیت کی طرح شریعت شخصی اور انفرادی ملکیت کی منکر نہیں البتہ اسکی آزادی اور مطلق العنانی کی منکر ہے جس طرح ایک مجازی غلام اور خادم کا تصرف اور تجارتی کاروبار مجازی آقا کے ماتحت ہے۔ اسی طرح سمجھو کہ بندوں کے تمام مالی تصرفات مالک حقیقی اور خداوند احکم الحاکمین کے حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ ملک کی رعایا، حکومت اور صدر مملکت اور وزیرائے سلطنت کی مخلوق نہیں اور اپنی ذاتی قدرت اور اختیار میں اور تجارتی کاروبار میں حکومت کے محتاج نہیں مگر بایں ہمہ ملک کی رعایا۔ قانون حکومت کے ماتحت تصرف کر سکتی ہے۔ اس کے خلاف تصرف نہیں کر سکتی۔ پس جبکہ مجازی اور قانونی حکومت میں رعایا کا تصرف قانون حکومت کے ماتحت ہونا تہذیب اور تمدن کے خلاف نہیں۔ تو خدا کی مخلوق کے تصرف کو خدا کے نازل کردہ قانون شریعت کے ماتحت قرار دینا کیسے خلاف تمدن ہو سکتا ہے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح قوم شعیب بھی کہتی تھی کہ کیا آپ کی نماز ہم کو یہ حکم دیتی ہے۔ کہ ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشاء تصرف کرنا چھوڑ دیں۔ ان مغرورین اور متکبرین کا جواب یہ ہے کہ ہاں نماز ایسی ہی باتوں کا حکم دیتی ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (تحقیق نماز فحشاء اور منکرات سے روکتی ہے) اس لیے شعیب علیہ السلام کی نماز انکو آمادہ کرتی تھی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔

شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب با صواب

شعیب علیہ السلام نے جواب دیا اے میری قوم! مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے بصیرت اور روشن دلیل اور حجت پر ہوں۔ یعنی علم اور ہدایت پر ہوں جن کی بنا پر تم کو نیکی کا حکم دیتا ہوں اور برائی سے منع کرتا ہوں اور مزید برآں اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے پاس سے اچھا رزق یعنی حلال و طیب اور فراخ دیا ہو تو کیا ایسی صورت میں تمہاری جاہلانہ اور احمقانہ باتوں کی وجہ سے حق کی دعوت اور تبلیغ اور

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دوں اور تم کو بت پرستی اور کیل اور وزن میں کمی کرنے سے منع نہ کروں جبکہ خدا تعالیٰ نے نبوت و رسالت اور حجت و اضحہ اور علم و حکمت کی دولت عطا کی جس سے مجھ کو بصیرت اور نور یقین حاصل ہے اور مال حلال و طیب بھی مجھ کو اتنا دیا کہ جس کے بعد مجھ کو مخلوق کی ضرورت نہیں۔ تو مجھ پر تم بے وقوفوں کی طعن آمیز باتوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ رزق حسن سے نبوت کی نعمت مراد ہے اور میرا یہ ارادہ نہیں کہ جس بات سے تم کو منع کروں اس کے خلاف میں خود کروں۔ مطلب یہ کہ میں ایسا نہیں کہ جن باتوں اور خواہشوں سے تم کو منع کروں خود اس میں داخل ہو جاؤں۔ بلکہ تمہارے لیے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہے میں سوائے تمہاری اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ تمہارے عقائد اور معاملات درست ہو جائیں اور تمہارے اعتقادات اور معاملات سے فسادات دور ہو جائیں۔ اور یہی کمال رشد اور کمال علم ہے اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ کی قوت اور طاقت سے یعنی میں اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا چاہتا ہوں مگر میری طاقت اللہ کی قوت اور اعانت سے ہے۔ اور اس کی مدد سے ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں۔ حتیٰ کہ توکل اور اصلاح میں بھی اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ ہر کام میں نیت اسی کی کرتا ہوں۔

ترہیب قوم از مخالفت و معاندت

اس موعظت سرِ ایا حکمت کے بعد شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو اپنی مخالفت پر عذاب سے ڈراتے ہیں اور اے میری قوم! تم کو میری دشمنی اور عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم میری نافرمانی کرو۔ اور پھر تم کو ویسا ہی عذاب پہنچے جیسا کہ قوم نوح کو طوفان پہنچا۔ یا قوم ہود کو ہوا کا طوفان پہنچا جس سے وہ پارہ پارہ ہوئے یا قوم صالح کو زلزلے نے تباہ اور برباد کیا تم ان قوموں کے تاریخی حالات سے بخوبی واقف ہو اگرچہ ان کو کچھ زمانہ گزر گیا ہے۔ تم کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑو! اور قوم لوط تو تم سے دور نہیں۔ انکو تباہ ہوئے کچھ زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ دیکھ لو کہ پیغمبر کی مخالفت سے تمہارے روبرو کیسے ہلاک ہوئے مطلب یہ ہے کہ اگر گزشتہ امتوں کے حال سے عبرت نہیں پکڑتے تو قوم لوط سے عبرت پکڑو اس قوم کی بستیاں تم سے دور نہیں اور اپنے پروردگار سے اپنے گزشتہ گناہوں کی معافی مانگو اور آئندہ کیلے اس کی طرف رجوع کرو یعنی اس کے حکم پر چلو اور کفر و شرک سے توبہ کرو اور ناپ تول میں کمی کو چھوڑو بے شک میرا پروردگار بڑا مہربان ہے۔ استغفار کرنے والوں پر۔ اور بڑا محبت کرنے والا ہے۔ توبہ کرنے والوں سے استغفار سے اللہ کی رحمت اور عنایت نازل ہوتی ہے اور توبہ سے اللہ کی محبت اس پر نازل ہوتی ہے جس کا ثمرہ یہ ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں خدا کا محبوب بن جاتا ہے۔ کما قال تعالیٰ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ

قوم کا جواب

شعیب علیہ السلام کی طرف سے قوم کی دھمکیوں کا جواب

۱۲

نہیں تو اچھا تم جانو عنقریب پتہ چل جائیگا اور بالآخر ناامید ہو کر یہ کہا اے میری قوم تم اپنی جگہ میں اپنے کام کیے جاؤ میں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تم جان لو گے کہ وہ کون ہے جس پر ایسا عذاب آئے گا۔ جو اس کو ذلیل و خوار کرے گا اور معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے جو جھوٹا ہے اس وقت طرفین کی عزت اور ذلت کا فیصلہ ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ تم جھوٹے ہو یا میں جھوٹا ہوں اور آسمانی فیصلہ کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ جس عذاب سے میں تم کو ڈرا رہا ہوں وہ محض دھمکی نہیں بلکہ وہ اتنا قریب آگیا کہ اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر انتظار میں بیٹھ جاؤ۔ پس حسب وعدہ چند روز کے بعد عذاب کا سامان شروع ہوا اور جب ہمارا حکم عذاب کے لیے آپہنچا تو ہم نے فریقین میں سے شعیب علیہ السلام کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی طرف سے ایک خاص رحمت کے ساتھ عذاب آسمانی سے نجات دی اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک اور معصیت سے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا تھا یکدم ایک سخت آواز نے آپکڑا جس سے یک لخت سب کے دل پھٹ گئے اور ایک دم سب مر گئے۔

جبریل امینؑ نے ایک چیخ ماری جس کی دہشت سے سب کا فرم گئے۔ پس یہ لوگ صبح کے وقت اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مرے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں بسے نہ تھے۔ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو کہ قوم مدین کو ہلاکت اور پھٹکار ایسی ہوئی جیسا کہ قوم ثمود کو ہوئی تھی۔ چونکہ قوم شعیب اور قوم صالح (یعنی قوم ثمود) ایک ہی عذاب سے ہلاک ہوئے اس لیے فرمایا کہ مدین کی ہلاکت ویسی ہی ہے جیسی ثمود کی ہلاکت ہے۔ تشبیہ اس بات میں ہے کہ دونوں قومیں عذاب صیحہ سے ہلاک ہوئیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ قوم ثمود نے نیچے کی جانب سے صیحہ (چنگھاڑ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ اور قوم مدین نے اوپر کی جانب سے صیحہ (چیخ) سنی اور ہلاک ہوئی۔ نیز مدین کو ثمود کے ساتھ اس لیے بھی ذکر کیا کہ دونوں قوموں کی بستیاں قریب تھیں اور کفر اور ہزنی میں ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور عذاب میں بھی ایک دوسرے کے مشابہ تھیں اور دونوں عرب میں تھے اس اعتبار سے تشبیہ معنوی ہوگی۔

یہاں قوم شعیب کا صیحہ (چیخ) سے ہلاک ہونا مذکور ہوا اور سورہ اعراف میں رجفہ کا لفظ آیا ہے یعنی زلزلہ سے ہلاک ہوئے عجب نہیں کہ ابتداء میں زلزلہ آیا ہو اور پھر

فائدہ

چیخ آئی ہو۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿٩٦﴾ إِلَىٰ

اور بھیج چکے ہیں موسیٰ کو اپنی نشانیوں سے اور واضح سند سے۔ فرعون

فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبِعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ

اور اسکے سرداروں پاس پھر چلے کہے میں فرعون کے اور نہیں بات

فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۙ يَقْدُورُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

فرعون کی کچھ نیک چال رکھتی۔ آگے ہو گا اپنی قوم کے قیامت کے دن

فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَيَبْسُ الْوُرْدُ الْمَوْرُودُ ۙ وَاتَّبَعُوا

پھر پہنچا دیگا انکو آگ پر اور بُرا گھاٹ ہے جس پر پہنچے اور پیچھے سے ملی

فِي هَذِهِ لَعْنَةٌ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَبْسُ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۙ

اس جہان میں لعنت اور دن قیامت کے۔ بُرا انعام ہے جو ملا۔

قصہ موسیٰ علیہ السلام با فرعون

قال الله تعالى وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا.. الى.. يَبْسُ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۙ
(ربط) اب یہ ساتواں قصہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے اور یہ قصہ اس سورت کا آخری قصہ ہے۔ جس
میں یہ بتلایا کہ خدا اور رسول کے مقابلہ میں سلطنت اور مال و دولت اور قوت و شوکت کچھ کام نہیں آتی۔ عزت،
حق کے اتباع میں ہے اور تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں اور کھلا غلبہ دیکر بھیجا یعنی معجزات
قاہرہ و باہرہ مثل معجزہ عصا۔ اور معجزہ ید بیضا دیکر فرعون اور اس کے ملک کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پس
باوجود ان معجزات قاہرہ اور برہین باہرہ اور دلائل ظاہرہ کے ان سرکشوں نے پیغمبر خدا کا اتباع نہ کیا بلکہ حکم فرعون
کے تابع اور پیرو ہو گئے اور فرعون کا کام درست نہ تھا اور جس طرح فرعون دنیا میں ان گمراہوں کا پیشرو بنا اسی
طرح وہ قیامت کے دن اپنی قوم کا پیشوا ہو گا۔ اور اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا سوان کو آگ میں لے جا کر اتارے
گا جیسا کہ وہ دنیا میں اسکے آگے تھا۔ اور بحر قلزم میں لے جا کر انکو غرق کیا اسی طرح قیامت کے دن بھی ان کے
آگے آگے ہو گا اور بُرا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے گئے یعنی آتش دوزخ جس پر ان کو لایا گیا وہ بہت بُرا گھاٹ
ہے اس لیے کہ آدمی گھاٹ پر اس امید پر اترتا ہے کہ وہاں پیاس اور دھوپ کی گرمی دور ہوگی اور آرام
و آسائش ملے گی۔ مگر یہاں معاملہ برعکس ہو گا کہ وہاں پانی سے کلیجہ اور جل جائے گا اور پیاس زیادہ ہو جائے
گی اور زبان چھاتی پر لٹک پڑے گی اور اس دنیا میں اس قوم کے پیچھے لعنت لگا دی گئی ایسے مغرورین اور
منکبرین پر ہر شخص دنیا میں لعنت کرتا ہے اور قیامت کے دن بھی لعنت ان کے پیچھے لگی ہوگی تمام اہل محشر ان
پر لعنت کریں گے۔ یہ کتنا بُرا عطیہ ہے جو انکو عطا کیا گیا کہ دنیا اور آخرت دونوں میں لعنت ان کے
گلے کا ہار بنا دی گئی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِآءِ الْقُرْىٰ نَقِصُّهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ

یہ تھوڑے احوال ہیں بستیوں کے کہ ہم سناتے ہیں تجھ کو، کوئی ان

وَحَصِيْدٌ ۱۰۰ وَمَا ظَلَمْنَهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ

میں قائم ہے اور کوئی کٹ گیا۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا، لیکن ظلم کر گئے اپنی جان پر پھر

فَمَا اَخَذَتْ عَنْهُمْ اِلٰهَتُهُمُ الَّذِي يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

کچھ کام نہ آئے ان کو ٹھاکر، جن کو پکارتے تھے اللہ کے سوا کسی

اِلٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ

چیز میں، جب پہنچا حکم تیرے رب کا۔ اور کچھ نہ بڑھایا

غَيْرَ تَتَّبِيْبٍ ۱۰۱ وَ كَذٰلِكَ اَخَذُ رَبُّكَ اِذَا اَخَذَ

انکے حق میں سوا ہلاک کرنا۔ اور ایسی ہے پکڑ تیرے رب کی، جب پکڑتا

الْقُرْىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَكَ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۱۰۲

ہے بستیوں کو، اور وہ ظلم کر رہتے ہیں۔ بیشک اسکی پکڑ دکھ دیتی ہے۔

تذکیر عواقب دنیویہ اہم ظالمہ برائے عبرت

قال الله تعالى ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِآءِ الْقُرْىٰ ... الى ... اِنَّ اَخْذَكَ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۱۰۰
(رابطہ) یہاں تک اہم ظالمہ کے عبرتناک قصص کا بیان ہوا جن میں کفار کے شبہات اور انبیاء کرامؑ
کے جوابات کا ذکر نقاب ان واقعات کے ذکر کرنے کی حکمت بیان کرتے ہیں کہ دیکھ لو کہ کفر و تکذیب کا
انجام باعتبار دنیا کے بھی بُرا ہے اور باعتبار آخرت کے بھی بُرا ہے جن لوگوں نے انبیاءؑ کا مقابلہ کیا۔ وہ دنیا
میں ذلیل و خوار ہوئے اور انکی بستیاں تباہ و برباد ہوئیں ان آیات میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام کو بیان
کرتے ہیں تاکہ عبرت پکڑیں اور آئندہ آیت یعنی اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ
میں کفر و تکذیب کے عذاب اُخروی کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور سمجھیں کہ حق اور صداقت

کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اور اس قسم کے عجیب و غریب واقعات کا بلا تعلیم و تعلم بیان کرنا یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس قسم کا علم بدون وحی الہی ناممکن اور محال ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں یہ سات ہولناک اور عبرتناک قصے جو ہم نے اس سورت میں بیان کیے ہیں۔ اہم سابقہ اور قرون ماضیہ کے بستیوں میں کے چند قصے ہیں جن کو ہم تمہارے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ آپ لوگوں کو سناویں اور لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ سو بعض بنیائے نواب بھی ان میں کی باقی اور آباد ہیں۔ اور بعض اجڑ گئیں اور ان بستیوں کو جو ہم نے جو عذاب نازل کر کے برباد کیا۔ سو ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے کفر کر کے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا کہ کفر و شرک کر کے مستوجب عذاب ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کہ انکو بلا تصور ہلاک کر دیا ہو بلکہ اول انکو نصیحت کی۔ اور نافرمانی کے بعد بھی انکو فوراً نہیں پکڑا بلکہ انکو مہلت دی۔ جب ان لوگوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پیغمبروں کے مقابلہ پر اتر آئے۔ اور کسی طرح اپنے کفر اور عناد سے باز نہ آئے تب اللہ تعالیٰ نے انکو ہلاک کیا۔ سو جب تیرے پروردگار کا حکم آپہنچا تو ان کے معبودوں نے جنکو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے انکو کچھ نفع نہیں پہنچایا۔ یعنی انکے معبود ان سے ہمارے عذاب کو نہ ہٹا سکے۔ اور انکے معبودوں نے ان کے لیے سوائے ہلاکت کے اور کسی بات میں اضافہ نہ کیا۔ یعنی یہ معبود ہی ان کی ہلاکت اور تباہی کا باعث بنے۔ اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے۔ جب وہ ظالم بستیوں کو ظلم اور محصیت کے جرم میں پکڑتا ہے۔ بے شک تیرے پروردگار کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہے صحیحین میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے پھر جب اسکو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ إِنَّ أَخْذَهُ أَلِيمٌ شَدِيدٌ۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ط

اس بات میں نشانی ہے اس کو، جو ڈرتا ہے آخرت کے عذاب سے

ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ

وہ دن یہی، جس دن میں جمع ہونگے سب لوگ اور وہ دن ہے

مَشْهُودٌ ۝ وَمَا نُوَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۝ ط

دیکھنے کا اور اس کو ہم دیر جو کرتے ہیں سو ایک وعدہ کی گنتی تک۔

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ

جس دن وہ آدے گا، نہ بولے گا کوئی جاندار مگر اسکے حکم سے۔ سو ان میں

شَقِيٍّ وَسَعِيدٍ ۝۱۰۵ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُّوا فِي النَّارِ لَهُمْ

کوئی بد بخت ہے اور کوئی نیک بخت۔ سو وہ لوگ جو بد بخت ہیں، سو آگ میں ہیں ان کو

فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝۱۰۶ خَلِيدِينَ فِيهَا مَا دَامَتْ

وہاں چلانا ہے اور دھاڑنا۔ رہا کریں اس میں جب تک رہے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ

آسمان اور زمین، مگر جو چاہے تیرا رب بیشک

رَبُّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝۱۰۷ وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا

تیرا رب کر ڈالتا ہے جو چاہے۔ اور وہ جو نیک بخت ہیں

فِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتْ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضُ

سو جنت میں ہیں رہا کریں اس میں جب تک رہے آسمان زمین

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ ۝۱۰۸ فَلَا تَكُ

مگر جو چاہے تیرا رب بخشش ہے بے انتہا۔ سو تو نہ رہ دھوکے

فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبدُونَ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبدُونَ إِلَّا كَمَا

میں ان چیزوں سے جنکو پوجتے ہیں۔ یہ لوگ کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی

يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِّن قَبْلُ وَإِنَّا

جیسے پوجتے تھے انکے باپ دادا اس سے پہلے اور ہم

لَمَوْفُوهُمْ نَصِيبُهُمْ

دینے والے ہیں انکو انکا حصہ

غَيْرُ مَنْقُوصٍ ۝۱۰۹

بن گھٹایا۔



تذکرہ عواقب اخرویہ کفر و تکذیب برائے موعظت و نصیحت

قال الله تعالى إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ... إلَى... وَإِنَّا لَمُوقِفُوهُمْ لَنُصِيبُهُمْ بِغَيْرِ مَحْشُورٍ

(رابطہ) گزشتہ آیت میں کفر و تکذیب کے دنیوی انجام اور دنیاوی ذلت اور رسوائی کی یاد دہانی تھی۔ اب اس آیت میں کفر و تکذیب کے اخروی انجام کا بیان ہے دنیوی ذلت و ہلاکت کے ذکر سے موعظت اور نصیحت مقصود ہے عقلمند کو چاہیے کہ پہلے سے اپنے انجام کو سوچ لے قیامت کا دن اللہ کی عدالت کا دن ہے جس میں سعادہ اور اشقیاء کی جزا اور فیصلہ کا بیان ہے کہ اس دن سعادہ فائز المرام ہونگے اور اشقیاء خائب و خاسر ہونگے۔

جاننا چاہیے کہ ان آیات میں حق جل شانہ نے اہل محشر کی دو قسمیں ذکر فرمائیں ایک سعادہ اور ایک اشقیاء اور چونکہ مقام تکذیب ہے۔ اس لیے اشقیاء کے ذکر کو سعادہ کے ذکر پر مقدم فرمایا۔ اور یہاں ایک تیسری قسم اور بھی ہے جن کے ذکر سے حق جل شانہ نے سکوت فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جن کی حسنات اور سیئات برابر ہوں گی یا وہ لوگ ہیں کہ جن کے پاس نہ حسنات ہوں گی اور نہ سیئات ہونگی جیسے مجاہدین اور اطفال و صبیان سو یہ تیسری قسم اللہ تعالیٰ کے زیر مشیت ہے۔ قیامت کے دن اللہ جو چاہے گا وہ ان کے درمیان حکم کریگا۔ چونکہ اس قسم کا حکم زیر مشیت خداوندی مستور ہے اس لیے آیت میں اس قسم کا ذکر نہیں فرمایا۔ دو قسم کے ذکر کرنے سے تیسری قسم کی نفی لازم نہیں آتی۔ دو قسموں کا حکم بتلادیا۔ تیسری قسم کا حکم مخفی رکھا۔ تحقیق اللہ کی اس دردناک گرفت اور پکڑ میں یا ان قصص اور واقعات میں جو ہم نے بیان کیے ہیں۔ عظیم عبرت ہے اس شخص کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو کیونکہ جب وہ یہ دیکھے گا کہ دارا بتلا میں حق تعالیٰ کی پکڑ اس قدر الیم اور شدید ہے تو درجہ ہمارے اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہوگی کیونکہ یہ آخرت کا دن وہ دن ہوگا جس میں اول دنیا سے لیکر آخر دنیا تک تمام لوگوں کو حساب و کتاب کے لیے جمع کیا جائے گا اور یہ وہ دن ہوگا جس میں سب حاضر ہونگے۔ اس دن یہ ممکن نہیں کہ کوئی غائب ہو جائے اور حاضر نہ ہو۔ اس دن سب حاضر ہوں گے اور اس کی ہول کا مشاہدہ کریں گے۔ اور اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ آخر وہ دن کب آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ ہم نہیں تاخیر کرتے۔ اس دن میں مگر ایک شمار کی ہوئی مدت کے گزر جانے کے لیے جس کا علم سوائے ہمارے کسی کو نہیں۔ جب وہ مدت پوری ہو جائے گی تو اچانک قیامت قائم ہو جائے گی۔ دنیا کی مدت بظاہر اگرچہ طویل ہے مگر آخرت کی مدت کے مقابلہ میں قلیل ہے اس لیے کہ دنیا کی مدت محدود اور متناہی ہے اور آخرت کی مدت غیر محدود اور غیر متناہی ہے اور محدود اور متناہی غیر محدود اور غیر متناہی کے مقابلہ میں بلاشبہ قلیل ہے جب وہ قیامت کا دن آ پہنچے گا تو بغیر اجازت

خداوندی کسی کو بولنے کی مجال نہ ہوگی۔ چہ جائیکہ کوئی سفارش کر سکے پس ان تمام جمع شدہ نفوس میں سے بعض توشقی یعنی بدبخت ہوں گے اور بعض سعید یعنی نیک بخت ہوں گے۔ کما قال تعالیٰ فِرْلِقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فِرْلِقٌ فِي السَّعِيرِ۔ پس ان میں جو لوگ بدبخت ہو چکے ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے اور دوزخ میں انکی حالت یہ ہوگی کہ ان کے لیے گدھے کی اول آواز اور آخر آواز کی طرح چلانا اور دھاڑنا ہے۔ لغت میں زفر گدھے کی شروع آواز کو کہتے ہیں جو سخت ہوتی ہے اور شہیق گدھے کی پچھلی آواز کو کہتے ہیں جو آہستہ اور کم ہوتی ہے مگر اس میں سانس بہت لمبا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ شدت کرب و غم اور شدت رنج و الم سے اشیاء کی جہنم میں یہ حالت ہوگی کہ گدھوں کے مشابہ ہوں گے اور گدھوں کی طرح چیخیں گے اور چنگاڑیں گے انکی آواز کبھی زفر ہوگی اور کبھی شہیق ہوگی۔ ہمیشہ اس حال میں رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین یہ کلام عرب کے محاورہ کے مطابق ہے کہ عرب جب کسی چیز کا دوام بیان کرنا چاہتے ہیں تو یہ کہتے ہیں۔ مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ یہ ہمیشہ رہے گا جب تک کہ آسمان اور زمین رہیں اور کہتے ہیں تو زندہ رہے مَا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ جب تک دن رات ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہاں سموات والارض سے جنت کے آسمان اور زمین مراد ہیں۔ کما قال تعالیٰ يَوْمَ تَبْدُلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ اور آخرت کے آسمان و زمین کے لیے کبھی فنا نہیں۔ جنت کی طرح جنت کے آسمان و زمین بھی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بہر حال مطلب یہ ہے کہ کافروں کا جہنم میں رہنا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے کبھی وہاں سے نکالے نہیں جائیں گے اور نہ انکو وہاں موت اور فنا ہے اور یہی تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔ مگر جو چاہے تیرا پروردگار سودہ اسکے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے۔ بے شک تیرا پروردگار کرڈالتا ہے جو چاہتا ہے اسکے ارادہ اور مشیت کو کوئی روک نہیں سکتا۔ تمام سلف اور خلف کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ کفار ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ اور جنت کی طرح دوزخ بھی کبھی فنا نہ ہوگی۔ بعض نام نہاد مفسر اور مصنف یہ کہتے ہیں کہ چند روز کے بعد دوزخ فنا ہو جائے گی۔ اور کافروں کے حق میں دوزخ کا عذاب باقی نہ رہے گا اور غلط فہمی یا کوتاہ نظری یا کج طبعی کی بنا پر اس آیت میں جو لفظ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ۔ آیا ہے اس کو استدلال میں پیش کرتے ہیں کہ کفار کا عذاب دائمی نہیں۔

یہ خیال سراسر غلط اور باطل ہے اور آیات صریحہ اور احادیث متواترہ اور اجماع سلف و خلف کے خلاف ہے جیسا کہ پارہ ہشتم کے شروع میں النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ اس پر مفصل گزر چکا ہے تحقیق مسئلہ کا فرض تو ادا ہو چکا ہے اب بطور نفل اور تطوع کچھ عرض کرتے ہیں اس جگہ حق جل شانہ کا یہ ارشاد إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ۔ بعینہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جو سورۃ النعام میں گزر چکا ہے۔ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ۔ جن لوگوں کو إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ

کے استثنائے سے شہرہ لگا ہے کہ کافر ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے۔ علماء کرام نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

جواب اول | یہ ہے کہ مَا بِمَعْنَى مَنْ جیسے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ۔ اس جگہ لفظ مَا بِمَعْنَى مَنْ ہے اور یہ استثناء باعتبار عَصَاة موحیدین یعنی گنہگار مسلمانوں کے اعتبار سے ہے یعنی دوزخ میں رہیں گے مگر جن کو خدا چاہے یعنی گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے بعد ملائکہ یا انبیاء کی شفاعت سے یا۔ ارحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال لیا جائیگا۔ اور پھر انکو جنت میں داخل کر دیا جائیگا جیسا کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور یہ جواب عبد اللہ بن عباسؓ اور ضحاکؓ وغیرہ سے منقول ہے (دیکھو زاد المسیر صفحہ ۱۶۰ ج ۴) اور امام ابن جریرؒ اور حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے کہ یہ استثناء گنہگار مسلمانوں کی طرف راجع ہے کیونکہ احادیث متواترہ سے قطعاً یہ ثابت ہے کہ اہل توحید ہمیشہ دوزخ میں نہ رہیں گے۔ اگرچہ عاصی ہوں۔ یا یوں کہو کہ اشقیاء کی دو قسمیں ہیں ایک کافر اور دوسرے گنہگار مسلمان فی الجملہ دونوں قسمیں شقی ہیں اور ابتداءً دونوں ہی کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا مگر چند روز کے بعد گنہگار مسلمانوں کو جو من وجہ سعید اور من وجہ شقی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے یا کسی شفاعت سے جہنم سے نکالے جائیں گے اور پہلے قسم کے شقی یعنی کافر وہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۷)

۱۔ اصل عبارت یہ ہے۔ قد اختلف المفسرون فی المراد من هذا الاستثناء علی اقوال كثيرة حکاها الشيخ ابو الفرج ابن الجوزی فی کتابہ زاد المسیر وغیرہ من علماء التفسیر ونقل كثير منها الامام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ فی کتابہ واختار هو ما نقله عن خالد بن معدان والضحاک وقادة وابن سنان ورواه ابن ابی حاتم عن ابن عباس والحسن ایضا ان الاستثناء عائد علی العصاة من اهل التوحید ممن ینخرجہم اللہ من النار بشفاعۃ الشافعیین من الملائکۃ والنبیین والمؤمنین حتی یشفعون فی اصحاب الکبائر ثم تاتی رحمۃ ارحم الراحمین فتخرج من النار من لم یعمل خیراً قط وقال يوماً من ایام الدهر لا اله الا الله كما وردت بذالك الاخبار الصبیحة المستفیضة عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم بمضمون ذالك من حدیث انس و جابر و ابی سعید و ابی ہریرۃ و غیرہم من الصحابة رضی اللہ عنہم ولا یبقى بعد ذالك فی النار الا من وجب علیہ الخلود فیہا ولا یحید له عنہا وهذا علیہ کثیر من العلماء قدیمًا وحديثًا فی تفسیر هذه الآية الکریمۃ۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۴۷ جلد ۲)

اور شروع آیت میں وَ اَمَّا الَّذِيْنَ شَقُّوا۔ کا لفظ آیا ہے اس سے مطلق اشتیاء مراد ہیں خواہ وہ شقی کامل ہوں جیسے کافر اور مشرک یا من وجہ شقی اور من وجہ سعید ہوں جیسے گنہگار مسلمان کہ وہ باعتبار ایمان اور اسلام کے سعید ہے مگر معاصی اور گناہوں کی وجہ سے اس میں شقاوت کی آمیزش آگئی ہے غرض یہ کہ شروع آیت میں اشتیاء سے عام معنی مراد ہیں جو دونوں قسموں کو شامل ہیں اور آخر آیت میں یعنی اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ میں اشتیاء کی دوسری قسم کا استثناء مراد ہے یعنی عصاة موحیدین کا استثناء مراد ہے کہ اشتیاء کی یہ قسم ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گی بلکہ چند روز بعد اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رحمت سے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دی جائے گی یہ لوگ اگرچہ معصیت کی وجہ سے من وجہ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے نکال لیے جائیں گے بخلاف قسم اول کے یعنی اشتیاء کا ملین کے ان سے کافر اور مشرک مراد ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے وہ کبھی بھی جہنم سے باہر نہ نکلیں گے۔ گنہگار مسلمان اگرچہ معصیت کی وجہ سے من وجہ شقی ہیں لیکن ایمان اور اسلام کی وجہ سے سعید ہیں اس قسم کے لوگ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ بعد چندے وہاں سے نکال لیے جائیں گے۔ (دیکھو تفسیر امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ صفحہ ۹۹ ج ۹)

جواب دوم | دو ملر جواب وہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے اور وہ بہت عجیب ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ سے یہ بتلانا ہے کہ اہل جنت اور اہل جہنم کا خلود اور دوام مستقل نہیں بلکہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ ابدیت کسی وقت منقطع ہو جائے گی کیونکہ دوسری نصوص صریحہ و قطعیہ سے یہ امر معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی مشیت جو اہل جنت اور اہل جہنم کے خلود کے متعلق ہے وہ کبھی منقطع نہ ہوگی۔ اور اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ سے فقط اپنی قدرت کا ظاہر کرنا مقصود ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ یہ خلود لازم نہیں بلکہ ہماری مشیت پر متوقف ہے ہم جب چاہیں اور جس کو چاہیں جہنم سے باہر نکال سکتے ہیں اور آیت کا خاتمہ اِنَّ رَبَّكَ فَقَالَ لَمَّا یٰۤیْدُ بھی اسی طرف مشیر ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اپنے ایک وعظ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح اور لطیف جواب وہ ہے جو شاہ عبدالقادر صاحب نے دیا ہے جو ان کے اردو ترجمے

۱۔ قال الامام القرطبی قد اختلف فی قوله تعالیٰ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ علی عشرة اقوال ان الاستثناء انما هو للعصاة من المؤمنین فی اخراجهم بعد مدة من النار و علی هذا یكون قوله فاما الذین شقوا عاما فی الکفرة والعصاة و یكون الاستثناء من خالد بن قنادة والضحاك و ابو سنان و غیرهم ۱ ھ۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۹ ج ۹) لکھا غذا وعظ الملقب بلعاج الصيام من غیر النصیام حصہ دوم تیسواں وعظ از سلسلہ تبلیغ ص ۱۸

سے معلوم ہوتا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ**۔ میں مامور یہ ہے اور یہ مع اپنے مدخول کے ظرف ہے۔ ای الا وقت مشیتہ کما فی قوله **إِنَّكَ خَفِوَق النِّجْمِ** ای وقت خفوقہ والمعنی یخلدون فیہا الا ان یَشَاءَ رَبُّكَ **عَدَمِ خُلُودِہُمْ** فینقطع خلودہم اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ وہ مخلد فی النار ہونگے مگر جس وقت خدا ان کے عدم خلود کو چاہے تو ان کا خلود اور دوام منقطع ہو جائیگا رہی یہ بات کہ اس قید کی کیا ضرورت تھی سو اس کا جواب شاہ صاحب نے دیا ہے کہ اس میں توحید کی حفاظت کی گئی ہے کہ خلود واجب اور خلود ممکن کا فرق ظاہر کر دیا گیا تاکہ کوئی خلود کی خبر سنکر بقاء دائم میں واجب الوجود کے شریک ہونے کا گمان نہ کرے بیٹھے کہ گو ہم جہنم میں جائیں گے مگر یہ فخر تو ہمارے لیے ثابت ہو گیا کہ ہم مثل واجب الوجود کے خلود اور بقاء کے ساتھ منصف ہو جائیں گے۔ اس لیے یہ قید لگا کر یہ بتلادیا کہ واجب الوجود کا خلود کسی کے مشیت کے تابع نہیں۔ خلود واجب تو ذات واجب کا مقتضائے ذاتی ہے اور ہمارا اور تمہارا سب کا خلود اس کی مشیت کے تابع ہے جب چاہیں اسکو ختم کر سکتے ہیں اور سب کو نکال سکتے ہیں اور جب چاہیں اسکو فنا کر سکتے ہیں اس قید سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کو ظاہر فرمایا۔ دیکھو **اجر الصیام من غیر النصاہ**۔ حصہ دوم وعظ نمبر ۶۳ صفحہ ۱۸ غرض یہ کہ کلمہ **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** بعض اظہار قدرت و مشیت کے لیے ہے خلود عذاب اور دوام عذاب کے انقطاع اور اختتام کے خبر دینے کے لیے نہیں جیسا کہ **إِنَّ رَبَّكَ فَقَالَ لَمَّا يُرِيدُ**۔ سے کمال قدرت و اختیار کا ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر وہ چاہے تو بلا وجہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عذاب میں رکھ سکتا ہے۔ اور **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس کو چاہے دوزخ سے نکال سکتا ہے اسکو پورا اختیار ہے اسے کوئی نہیں روک سکتا ہر چیز اسکی مشیت اور ارادہ کے تابع ہے نیز اگلی آیت جو سعداء کے متعلق اس میں بھی **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** کا استثناء ذکر کیا گیا ہے اور وہاں بالاجماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع ہو جائیگا اور پھر اسکے متصل غیر مجزؤ کا لفظ اضافہ فرمایا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی عطا ہے کہ جس کا کبھی انقطاع نہیں پس اگر **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** کا لفظ انقطاع اور اختتام کے بیان کرنے کیلئے ہوتا تو دوسری آیت میں **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** کے فوراً بعد **عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْزُؤٍ** کہنا صریح اسکے مخالف اور مناقض ہوتا اور اللہ کا کلام اختلاف و تناقض سے پاک اور منزہ ہے

خلاصہ کلام یہ جنتیوں اور دوزخیوں کا خلود اس کی مشیت اور اختیار سے ہے۔ لیکن اللہ چاہ چکا کہ کفار و مشرکین کا عذاب تو کبھی موقوف اور منقطع نہ ہو گا اور اہل جنت کا ثواب بھی کبھی موقوف نہ ہو گا البتہ جو گناہ گار مسلمان ہیں وہ چند روز کے بعد دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** کے معنی یہ ہیں۔ مگر یہ کہ تیرا رب تمہارے گناہوں کو دوزخ سے نکال کر زہریر یعنی جہنم کے سرد طبقہ میں ڈال دے مطلب یہ ہے کہ عذاب بدل تو جائے گا مگر دوزخ سے رہائی کبھی نہ ہوگی لے

لے اس مسئلہ پر مفصل کلام پارہ ہشتم کے شروع میں آیت **النَّارُ مَثْوًى لِّمَنْ خَلِدَ فِيهَا إِلَّا مَا**

بقیہ آٹھ ص ۱۲

اور رہ گئے وہ لوگ کہ جو سعید اور نیک بخت ہیں۔ سودہ جنت میں ہونگے اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں ہاں مگر جو تیرا پروردگار چاہے سو اسکی مشیت کا علم اسی کو ہے مگر اہل جنت کو یہ بتلائے دیتے ہیں کہ یہ جنتیوں کا جنت میں رہنا عطاء خداوندی ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی معلوم ہوا کہ جنتیوں کا خلود کبھی منقطع نہ ہوگا یہ آیت سعاد اور اہل جنت کے متعلق ہے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** سے اپنی مشیت کو بیان کیا اور اس آیت یعنی **عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ** میں یہ بتلایا کہ جنتیوں کا جنت میں رہنا اللہ کی عطا ہے جو کبھی بند نہ ہوگی ہمیشہ جاری رہے گی گزشتہ آیت اختیار کے متعلق تھی۔ اور یہ آیت سعاد کے متعلق ہے اور دونوں جگہ **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** کا استثناء مذکور ہے اور اہل جنت کے بارے میں جو استثناء مذکور ہے وہاں بالاجماع یہ مراد نہیں کہ اہل جنت کا خلود کسی وقت منقطع ہو جائیگا۔ کیونکہ اس استثناء کے بعد خود اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے لیے بقار اور دوام کی تصریح فرمادی ہے چنانچہ صراحتہً فرمادیا **عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ** یعنی اس نعمت کا کبھی انقطاع نہ ہوگا معلوم ہوا کہ **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** کے استثناء کا یہ مطلب نہیں کہ سعاد اور اشقیاء کا ثواب اور عقاب ابدی نہیں بلکہ یہ استثناء محض اظہار قدرت کے لیے ہے اور مطلب یہ ہے، مگر اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے جنت اور جہنم میں کسی کا قیام اور خلود اور دوام بذات خود کوئی امر واجب نہیں بلکہ مشیت الہی کے سپرد ہے اشقیاء کے بارے میں استثناء کو ذکر کر کے صرف اپنی مشیت کو بتلادیا کہ معاملہ اللہ کی مشیت کے سپرد ہے مگر صراحتہً اپنی مشیت کو بیان نہیں فرمایا کہ وہ کیا ہے اور ہم کو اپنی مشیت سے آگاہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اور وہ انکے حق میں کیا چاہتا ہے مگر سعاد کے حق میں اول اظہار قوت کے لیے اللہ نے اپنی مشیت کا ذکر فرمایا یعنی **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** فرمایا بعد ازاں اس کے متصل **عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ** کا لفظ ذکر کر کے اپنی مشیت کو بیان کر دیا کہ اہل جنت کے بارے میں اللہ کی مشیت کیا ہے وہ یہ کہ جو خلود اور دوام کی انکو بشارت دی گئی ہے وہ عطاء خداوندی ہے جو ان سے واپس نہیں لی جائے گی اور گزشتہ آیت میں **إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ** سے اول تو یہ بتلایا کہ دوزخیوں کا خلود اور دوام اس کی مشیت پر ہے اور پھر ہی کی تاکید کے لیے **إِنَّا رَبُّكَ فَاعْلَمْ** لِمَا يُرِيدُ۔ فرمایا غرض یہ کہ

شَاءَ اللہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی فرمائش پر اس ناچیز نے ایک رسالہ الدین القیم فی الرد علی ابن القیم کے نام سے عربی میں لکھا ہے جس میں ابن تیمیہ اور ابن قیم کے تمام باتوں کا جواب دیا ہے اور قرآن اور حدیث اور اجماع امت سے اہل سنت کے مسلک کو واضح کیا ہے اور علی ہذا اس ناچیز نے التعلیق البصیح علی مشکوٰۃ المصابیح جلد ششم صفحہ ۴۰۹ باب صفۃ النار میں نار کی ابدیت اور اہل نار کے خلود پر مفصل کلام کیا ہے۔ اور علی ہذا اپنے حاشیہ بخاری مسمیٰ بہ تحفۃ القاری میں کتاب الرقاق میں بھی اس مسئلہ پر مفصل کلام کیا ہے اور ہر جگہ نیازنگ ہے اہل علم سے امید ہے کہ دیکھ کر اس ناچیز کو دعا دیں گے۔ ۱۲

إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ۔ کا استثناء اہل جنت اور اہل جہنم دونوں کے ساتھ ذکر فرمایا مگر پہلی آیت میں استثناء کے بعد إِنَّ رَبَّكَ فَاعْلَمْ تِلْمَا يُرِيدُ۔ ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں استثناء کے بعد عَطَا غَيْرُ مَجْذُوذٍ فرمایا تا کہ معلوم ہو جائے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد خروج نہیں البتہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو ارحم الراحمین کی رحمت سے اور انبیاء و مرسلین کی شفاعت سے جہنم سے نکال لیے جائیں گے اور وہ عَصَاةُ الْمُؤْمِنِينَ یعنی گناہ گار مسلمان ہونگے اور اُن کے علاوہ کفار و مشرکین کا عذاب دائمی اور ابدی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہو گا جیسا کہ بے شمار آیات اور بے شمار اخبار اور آثار سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے۔ اور اسی پر صحابہ و تابعین اور تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے جس میں تاویل کی بھی گنجائش نہیں ابن تیمیہ اور ابن قیم نے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی تفرد اور تشذوذ کی راہ اختیار کی ہے اور آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ہٹ کر ایک موضوع یا غایت درجہ ضعیف روایت کی آڑ لیکر یہ دعویٰ کیا ہے کہ دوزخ چند روز کے بعد فنا ہو جائے گی اور کافروں کا عذاب ختم ہو جائے گا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ اگر کافر اور مشرک کی بھی نجات ہو سکتی ہے تو پھر ایمان اور اسلام ہی کی کیا ضرورت رہی خوب مزہ سے کفر اور شرک کر دیہودی بنو یا نصرانی بنو یا دھری بنو اور دل کھول کر جو چاہے فسق و فجور کر و توبہ کی بھی ضرورت نہیں امید لگاتے رکھو کہ دوزخ پر ایک دن ایسا آئیگا کہ دوزخ خالی ہو جائے گی اور اس میں کوئی باقی نہ رہے گا اور اسکے دروازے کھڑکھڑ کریں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ مضمون عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی حدیث میں آیا ہے۔ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے میں کہتا ہوں کہ اگر بالفرض موضوع بھی نہ ہو تو اسکے ضعیف ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں اور پارہ ہشتم کے شروع میں ہم ان آیات اور احادیث کو بیان کر چکے ہیں جن سے صراحتاً یہ ثابت ہے کہ کافروں کا عذاب دائمی اور ابدی ہے تو ایک ضعیف و موضوع روایت کو آیات صریحہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کے مقابلہ میں پیش کرنا علمی امانت و دیانت کے منہر خلاف ہے اور علیٰ ہذا ابن قیم نے جن صحابہ اور تابعین کے چند نام جو نقل کیے ہیں انکی روایت بھی صحیح نہیں اور صریح بھی نہیں اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ہم اس حدیث کو اور ان آثار کو بھی تسلیم کر لیں تو اسکا مطلب وہ ہے جو علماء کرام اور محدثین عظام نے بیان کیا ہے کہ اس حدیث میں جہنم کا وہ طبقہ مراد ہے کہ جس میں گناہ گار مسلمان رکھے جائیں گے اور جب انبیاء اور ملائکہ کی شفاعت سے یا ارحم الراحمین کی رحمت سے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے تو جہنم کا یہ طبقہ خالی رہ جائے گا اور جہنم کے جو طبقے کافروں کے لیے ہیں وہ بدستور بھرے رہیں گے اور اُن میں سے کوئی کافر نہیں نکل سکے گا۔ (تفسیر مظہریؒ صفحہ ۵۵۵ ج ۵)

لے قال الامام نفعی معنی قول ابن مسعودؓ و ابی ہریرۃؓ لیا تین علی جہنم لیس فیہا احد عند اهل السنۃ ان ثبت ان لا یبقی فیہا احد من اهل ایمان

اور معاذ اللہ معاذ اللہ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دوزخ کسی وقت کافروں اور مشرکوں سے خالی ہو جائے گی ذرا غور تو کرو کہ اگر بغیر ایمان اور اسلام کے اور باوجود کفر اور تکذیب کے عذاب دوزخ سے نجات ہو سکتی ہے تو پھر انبیاء کرام کی بعثت اور کفار کی ہلاکت سے کیا فائدہ ہوا بالآخر جب کافر بھی عذاب دوزخ سے نجات پاسکتا ہے تو پھر اس ہنگامہ کی کیا ضرورت تھی کہ انبیاء کو کافروں کے مقابلہ میں مبعوث فرمایا اور جن لوگوں نے کفر کیا ان میں سے کسی کو طوفان سے ہلاک کیا اور کسی کو دریا میں غرق کیا اور کسی کو زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو بندر اور سور بنایا وغیرہ وغیرہ یہ سب بے کار اور بے فائدہ تھا نجات کافر کے عقیدے سے تو تمام شرائع و ملل کا باطل ہونا لازم آتا ہے۔ اے اللہ تو ہم کو ایمان پر رکھ آمین۔ اور اس زمانے کے آزاد اور بے لگام مصنفین کے پُر فریب فتنہ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھ آمین۔

پس اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سعاد را اور اشقیار کا فرق واضح ہو گیا تو آپ ان مجودوں کے باطل ہونے میں شک نہ کیجئے جنکو یہ لوگ پوجتے ہیں۔ بسطاط خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر درحقیقت مخاطب امت ہے اور مطلب یہ ہے کہ ان بت پرستوں کی گمراہی میں شک نہ کرو نہیں عبادت کرتے یہ لوگ مگر جیسے انکے آباؤ اجداد پہلے سے بے دلیل بلکہ خلاف دلیل بتوں کی پرستش کرتے آئے اسی طرح یہ لوگ بھی بلا دلیل باطل کے پیچھے جا رہے ہیں۔ یہ بت پرستی اور گمراہی انکو باپ دادا سے بطور میراث ملی ہے اور بیشک ہم ان کو عذاب سے انکا پورا حصہ دینے والے ہیں جس میں کمی نہیں کی جائے گی بلا کم و کاست ان کے جرم کے مطابق انکو عذاب ملے گا۔

موعظت حسنہ

امام بلخیؒ سے منقول ہے کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں۔ اول دل کی نرمی دوم اللہ کے خوف سے بہت رونا۔ سوم آرزو کا تھوڑا ہونا۔ چہارم دنیا سے نفرت۔ پنجم اللہ کے سامنے شرمندہ رہنا۔ اور علیٰ ہذا تفاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں۔ اول دل کی سختی۔ دوم آنکھوں کی خشکی۔ سوم دنیا کی رغبت۔ چہارم آرزو کا زیادہ ہونا۔ پنجم بے حیائی۔

(بقیہ صفحہ ۷۸)
و اما مواضع الکفار فممتلئة ابدًا و قد ذکرته فی التفسیر فی قوله تعالیٰ
لَا یَشِئْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا اِنْهَا فِیْ حَقِّ اَهْلِ الْاَهْوَاءِ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ و عندا
اکثر المفسرین المراد بالاحقاب احقاب غیر متناہیة (تفسیر مظہری
ص ۵۵ ج ۵) و کذا فی التفسیر البغوی و تفسیر الخازن و فتح الباری ص ۳۶۳ جلد ۱۱۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ وُ

اور ہم نے دی تھی موسیٰ کو کتاب پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور

لَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اگر نہ ہوتا ایک لفظ کہ آگے نکل چکا تیرے رب سے تو فیصلہ ہو جاتا

وَأِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ۝۱۱۰ وَإِنْ كَلَّا لَمَّا

ان میں اور انکو اس میں شبہ ہے کہ جی نہیں ٹھہرتا - اور جتنے لوگ ہیں جب

يُوفِينَهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۱۱۱

وقت آیا پورا دیگا تیرا رب انکو انکے کیے۔ اس کو سب خبر ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا

سو تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا۔ اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ اور حد سے نہ بڑھو

إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱۲ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ

وہ دیکھتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ اور مرت جھکو انکی طرف جو ظالم

ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ

ہیں پھر تم کو لگے گی آگ اور کوئی نہیں ہمارا اللہ کے سوا مددگار

أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝۱۱۳ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي

پھر کہیں مدد نہ پاؤ گے اور کھڑی کر نماز دونوں سرے

النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَّ

دن کے اور کچھ ٹھکڑوں رات کے، البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں

السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرِي لِلذَّاكِرِينَ ۝۱۱۴ وَأَصْبِرْ فَإِنَّ

برائیوں کو۔ یہ یاد گاری ہے یاد رکھنے والوں کو۔ اور ٹھہر رہ البتہ

اللہ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۵﴾

اللہ ضائع نہیں کرتا ثواب نیکی والوں کا۔

تحدیر از اختلاف و افتراق و حکم استقامت بر احکام شریعت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ .. إِلَى . فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ (ربط) گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا اب ان آیات میں یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت کی مگر لوگوں نے اس میں اختلاف کیا کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا اور موردِ عتاب الہی بنے۔ لہذا اے مسلمانو! تم کو چاہیے کہ ان سے عبرت پکڑو اور جو کتاب میں ہم نے تم کو دی ہے سب مل کر اسکو مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور تفرق و اختلاف سے پرہیز رکھو اور جادۂ شریعت پر ایسے مستقیم ہو جاؤ کہ پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور کَمَا أَمَرْتُ کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ سرِ مو حکم سے عدولی نہ ہو حکم کے مطابق اطاعت ہو اور وَلَا تَطْغَوْا کے لفظ میں اشارہ اس طرف ہے کہ حدود شریعت سے باہر نہ جاؤ اور وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا میں اشارہ اس طرف ہے کہ بے دینوں کی شان و شوکت دیکھ کر ان کی طرف مائل نہ ہو جانا اور ان کی رسوم اور ان کے طور و طریق اور معاشرۂ کو اختیار نہ کرنا اور پھر استقامت کے حکم کے ساتھ بعض مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا حکم دیا جو استقامت میں یحییٰ اور مددگار ہیں خاص کر تواضع اور اہل دنیا سے کنارہ کشی استقامت میں بڑی معین اور مددگار ہے کس لیے کہ لَا تَطْغَوْا میں تواضع کی طرف اشارہ ہے۔ اور لَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا میں اہل دنیا اور فساق و فجار سے علیحدہ رہنا مراد ہے اور نماز جو اُمُّ الْعِبَادَات ہے وہ تو مؤمن کی معراج ہے جسکا وَاَقِمِ الصَّلَاةَ طَيِّقِي النَّهَارِ میں حکم دیا گیا اور طرفینِ نہار کے نماز سے صبح اور عصر کی نماز مراد ہے جس میں ملائکہ اللیل والنہار جمع ہوتے ہیں۔ صبح کی نماز شروع دن میں ہوتی ہے اور عصر کی نماز اخیر دن میں ہوتی ہے اسی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے میں نہ پڑھے بلکہ جب خوب روشنی ہو جائے اور عصر کی نماز اخیر دن میں غروب سے پہلے پڑھے جبکہ سایہ اصلی کے سوا ہر چیز کا سایہ دوچند ہو جائے اور زُلْفَا مِّنَ اللَّيْلِ سے تہجد کی نماز مراد ہے۔ یہ مجموعہ مل کر پانچ امور ہوئے (۱) استقامت (۲) لَا تَطْغَوْا (۳) لَا تَرْكَبُوا (۴) مداومت بر نماز فجر و عصر (۵) نماز تہجد جس کے فضائل و برکات کی کوئی حد نہیں۔ خلاصہ کلام یہ کہ حکم خداوندی کا اتباع موجب نجات ہے اور حکم خداوندی سے اختلاف اور انحراف موجب ہلاکت ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت عطا کی تھی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔ کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا بعینہ یہی معاملہ آپؐ کی کتاب یعنی قرآن کے ساتھ پیش آیا۔ پس آپؐ مغموں نہ ہوں اور

کافروں کے اختلاف اور تکذیب سے گہرائیں نہیں یہ کوئی نئی بات نہیں آپ سے اختلاف کر نیوالے فرعونوں کے حکم میں ہیں اور اگر حکم ازلی تیرے پروردگار کی طرف سے صادر نہ ہو چکا ہوتا کہ کافروں کو پوری سزا آخرت میں دی جائے گی۔ ابھی دنیا ہی میں انکا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بلا کسی تاخیر اور مہلت کے عذاب نازل کر کے انکا فیصلہ کر دیا جاتا مگر اللہ نے اپنی حکمت سے ان کے عذاب کے لیے ایک ميعاد مقرر کر دی ہے اور تحقیق یہ معاذین اللہ کے فیصلہ سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انکو قلق اور اضطراب میں ڈال رکھا ہے شکوک اور اوہام کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور پراگندہ دل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ منہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے کہ قرآن کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں کبھی کہتے ہیں جادو ہے اور کبھی کچھ اور کبھی کچھ کسی ایک بات پر ان کو قرار نہیں اور تحقیق تیرا پروردگار ان سب کو انکے اعمال کی پوری پوری جزا دیگا نیکو کار کو ثواب اور بدکار کو عذاب بے شک اللہ تعالیٰ انکے اعمال سے پورا باخبر ہے اس پر انکا کوئی عمل مخفی نہیں پس آپ ان نابکاروں کی جزا و سزا کا معاملہ تو اس علیم و قدیر پر چھوڑ بیٹے۔

بہمہ کار بندہ دانا دوست ۛ بمکافات ہم توانا دوست

لوگ حق کو قبول کریں یا نہ کریں۔ آپ اپنی ذات سے صراط مستقیم اور دین حق پر سیدھے قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جن لوگوں نے آپ کے ہمراہ توبہ کی ہے وہ بھی آپ کی طرح صراط مستقیم پر قائم ہو جائیں تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں استقامت کے معنی کسی چیز پر ٹھیک جم جانے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جادۂ اطاعت و محبت پر قدم کو ایسا جماؤ کہ اس میں کسی قسم کا نزل و نزل اور تذبذب باقی نہ رہے اور یہ حکم عقائد اور اعمال دونوں کو شامل ہے۔ عقائد میں استقامت یہ ہے کہ نہ تو مجسمہ کی طرح تشبیہ کا اعتقاد رکھے کہ جس سے خالق کی مخلوق کے ساتھ مشابہت لازم آئے اور نہ فلاسفہ کی طرح تعطیل کا قائل ہو کہ خدا تعالیٰ کو صفات کمالیہ سے عاری اور معطل جانے اور اعمال میں اعتدال کو ملحوظ رکھے افراط و تفریط نہ کرے اور ٹھیک دیمان میں چلنا اور کسی جانب ملتفت نہ ہونا اور حق اطاعت کو پورا پورا بجالانا بہت دشوار ہے اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ ہو د نے مجھ کو بوڑھا بنا دیا اس لیے کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے اور جو حد تمہارے لیے مقرر کر دی گئی ہے اس سے تجاوز نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ دین کے دائرہ سے باہر قدم نہ نکالو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہاری اطاعت اور استقامت اور تمہارا عصیان اور طغیان اسکی نظروں کے سامنے ہے اور ظالموں یعنی حد سے نکلنے والوں کی طرف جھکو بھی مت تو عصیان اور طغیان تو بڑی چیز ہے۔ ظالموں اور فاسقوں کی طرف تو تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی بہت بُرا ہے۔ اور خطرناک ہے کیوں کہ اندیشہ ہے کہ ظالموں اور نافرمانوں کی طرف میلان اور رغبت کی بنا پر تم کو دوزخ کی آگ نہ لگ جائے اور ان کے ساتھ تم بھی آگ کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ ظالموں کی طرف میلان کے معنی یہ ہیں کہ انکے طور و طریق اور ان کے حال اور وضع کو پسند کرنے لگے جیسے کوئی انگریزی یا ہندوانی وضع قطع اختیار کر لے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اس کو کافروں کی وضع پسند ہے اور جب ظالموں کی طرف جھکنے

والوں کا یہ حال ہے تو سمجھ لو کہ خود ظالم کا کیا حال ہوگا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا دوسری آیت میں طغیان کی ممانعت فرمائی اور تیسری آیت میں اہل طغیان اور اہل عصیان کی طرف میلان کی ممانعت فرمائی اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت پر ظاہراً و باطناً ٹھیک قائم رہو اور حدود و شریعت سے باہر قدم نہ نکالو اور کسی ظالم اور نافرمان کی طرف جھکو بھی نہیں اندیشہ ہے کہ وہ تم کو کھینچتے کھینچتے دین کے دائرہ سے باہر نہ نکال دیں اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہیں پھر اگر تم ان ظالموں کی طرف مائل ہوئے تو سمجھ لو کہ تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ خدا ان لوگوں کی مدد نہیں کرتا جو اسکے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف مائل اور راغب ہوں اور اے بندے! تو ان ظالموں کو چھوڑو اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جا اور دن کے دونوں سرور میں فجر اور عصر کی نماز اور کچھ رات گئے تہجد کی نماز پابندی سے پڑھا کر اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور میلان کا بہترین ذریعہ نماز ہے۔ خاص کر فجر اور عصر اور تہجد کی نمازیں یہ اوقات خدا تعالیٰ کے خاص انوار و تجلیات کے اوقات ہیں بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ کیونکہ نیکی نور ہے اور برائی ظلمت ہے اور ظاہر ہے کہ جب نور آئے گا تو ظلمت اور تاریکی دور ہوگی جس درجہ کا نور ہوگا اسی قدر تاریکی دور ہوگی اور خوب سمجھ لو کہ یہ بات کہ نیکیوں سے گناہ معاف ہوتے ہیں، ایک جامع نصیحت ہے نصیحت ملنے والوں کے لیے کہیں کہ اس میں قاعدہ کلیہ بتلادیا گیا کہ نیکیاں گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں اور نیکیوں میں نمبر اول نماز کا ہے۔ اور چوں کہ استقامت نہایت سخت اور دشوار ہے۔ اور طغیان اور ظالموں کی طرف میلان سے اپنے کو محفوظ رکھنا یہ بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اور نماز بھی نفس پر شاق اور گراں ہے اس لیے ان سب احکام کے بعد صبر کا حکم دیتے ہیں کیونکہ الصبر مفتاح الفرج صبر کامیابی کی کنجی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بندے! تمام اوامر اور نواہی میں عموماً اور استقامت میں اور طغیان اور میلان سے بچنے میں خصوصاً صبر سے کام لے کیونکہ صبر تمام نیکیوں کی جڑ ہے پس تحقیق اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا ظاہر کلام کا مقتضی یہ تھا کہ اس طرح فرماتے فَاتَّ اللَّهُ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ۔ فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ صبر بھی حسنت میں سے ہے یا یوں کہو کہ نماز کے بعد صبر کا ذکر اس لیے کیا کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں دو چیزوں کو خاص دخل ہے ایک نماز اور ایک صبر کما قال تعالیٰ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ

سو کیوں نہ ہوتے ان سنگتوں میں، تم سے پہلے کوئی لوگ جن

يَنهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ

میں اثر ہو رہا ہو کہ منع کرتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے

أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا

سے جو ہم نے بچا لیے ان میں۔ اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے اسی راہ جس میں

فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۝۱۱۶ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ

عیش پایا اور تھے گناہ گار۔ اور تیرا رب ایسا نہیں کہ ہلاک کرے

الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْطَحُونَ ۝۱۱۷ وَلَوْ شَاءَ

بستیوں کو زبردستی سے اور لوگ وہاں کے نیک ہوں۔ اور اگر چاہتا

رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَا يَزَالُونَ

تیرا رب کر ڈالتا لوگوں کو ایک راہ پر اور ہمیشہ رہتے ہیں

مُخْتَلِفِينَ ۝۱۱۸ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ

اختلاف میں۔ مگر جن پر رحم کیا تیرے رب نے اور اسی

خَلَقَهُمْ ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْ

واسطے انکو پیدا کیا ہے اور پورا ہوا لفظ تیرے رب کا کہ البتہ بھروسے کا دوزخ

الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝۱۱۹

جنوں سے اور آدمیوں سے اکٹھے۔

أَمْ سَابِقَةٍ كِي هَلَاكَةٍ سَبَبٌ قَرِيبٌ أَوْ سَبَبٌ بَعِيدٌ كَلِمَاتُ

قال الله تعالى فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ .. إِلَى .. مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

(ربط پچھلی امتوں کا حال سا کر یہ بتلاتے ہیں کہ انکی ہلاکت کے دو سبب ہیں ایک سبب قریب اور ایک سبب بعید اور بالفاظ دیگر ایک سبب ظاہری اور ایک سبب باطنی۔ سبب ظاہری تو یہ تھا کہ شہوات نفسانی اور حظوظ شہوانی کے پیرو بن گئے۔ اور خدا کی معصیت میں غرق ہو گئے اور علماء اور

واعظین قلیل اور مغلوب تھے انکا وعظ اور انکی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے جو محدود دے چند تھے وہ تو عذاب سے محفوظ رہے اور باقی قوم جو غرق معصیت تھی وہ سب تباہ ہو گئی۔ شاہ عبدالقادر لکھتے ہیں ”کہ اگر نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی تھوڑے تھے سو آپ بچ گئے اور سبب باطنی یہ تھا کہ اللہ کا ارادہ اور اس کی مشیت اور اسکی حکمت بھی تھی کہ سب لوگ ایک راہ پر نہ چلیں بلکہ مختلف رہیں کچھ ایمان لائیں جن پر اللہ کی رحمت ہو اور کچھ کفر کریں جن پر اللہ کا قہر نازل ہو۔“ اہم سابعہ کی معصیت اور انکافسق و فجور، انکی ہلاکت کا سبب ظاہری تھا۔ اور قضاء و قدر اور مشیت خداوندی اسکا سبب باطنی تھا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔ چنانچہ فرمانے ہیں۔ پس کیوں نہ ہوئے پہلی امتوں میں سے جنکو ہم نے نافرمانی اور سرکشی کے باعث ہلاک کیا۔ ایسے ذی رائے اور صاحب عقل لوگ جو لوگوں کو زمین میں فساد کرنے سے یعنی کفر و معصیت کرنے سے منع کرتے تاکہ ان پر عذاب نہ آئے لیکن تھوڑے لوگ ایسے تھے جو لوگوں کو کفر اور شرک اور بد اعمالی سے منع کرتے تھے مگر وہ مغلوب تھے قوم کے لوگ انکا کہنا نہیں مانتے تھے قوم میں سے ہم نے انکو عذاب سے بچا لیا کیونکہ یہ قلیل افراد لوگوں کو کفر اور شرک اور معصیت کے فتنہ اور فساد سے منع کرتے تھے۔ یہ تو عذاب سے بچ گئے اور باقی قوم تباہ ہو گئی اور جو لوگ ظالم تھے وہ اس راہ کو لگ لیے جس میں عیش و عشرت کا سامان تھا یعنی وہ لذات و شہوات کے پیچھے دوڑ پڑے اور عذاب الہی سے تباہ ہوئے اور تھے یہ لوگ بڑے ہی مجرم۔ شاہ صاحب فرمانے ہیں جسکا حاصل یہ ہے کہ ”گزشتہ قرون میں ایسے بقایا اہل خیر کیوں نہ ہوئے کہ جو لوگوں کو شر و اور منکرات سے نہیں کرتے۔ ہاں ایسے لوگ قلیل ہوتے ہیں۔ انہی کو اللہ نے اپنے عذاب سے بچا لیا لہذا اللہ نے اس امت کو حکم دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریئے۔ کما قال تعالیٰ وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ الْأَيَّة۔ پھر فرمایا کہ ظالم معاصی پر مستم رہے اور انہوں نے کچھ التفات نہ کیا یہاں تک کہ ناگہاں ان پر عذاب آگیا، آہ آگے فرماتے ہیں اور نہیں ہے۔ تیرا پروردگار کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے۔ یعنی بلا وجہ اور بلا جرم انکو ہلاک کرے اور در آغاییکہ وہاں کے باشندے نیکو کار ہوں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی پکڑ کر ہلاک نہیں کرتا۔ در آغاییکہ وہاں کے باشندے اپنی حالت کے درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں نیکی کو رواج دیتے ہوں اور ظلم اور فساد کو روکتے ہوں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہوں تو خداوند قدوس ایسی حالت میں کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کا عذاب قریہ ظالمہ پر آتا ہے۔ قریہ مصلحہ پر نہیں آتا۔ کما قال تعالیٰ وَ مَا ظَلَمْنَاهُمْ وَ لَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ الْأَيَّة آیت کی یہ تفسیر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۱۱ ج ۴) اور ابن جریر یہ کہتے ہیں کہ آیت میں ظلم سے شرک مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ محض شرک کی وجہ سے کسی بستی کو ہلاک نہیں کرتا در آغاییکہ وہاں کے باشندوں کے باہمی معاملات درست ہوں محض شرک کی وجہ سے بستی پر ایسا عذاب نہیں آتا کہ جس سے بستی بالکل

نباہ ہو جائے۔ بلکہ ایسا عذاب اس وقت آتا ہے کہ جب لوگ باہم ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرنے لگیں۔ پس جن قوموں پر عذاب نازل ہوا وہ محض شرک کی وجہ سے نازل نہیں ہوا بلکہ انبیاء کرام کی تکذیب اور تمسخر اور قتل ناحق اور ایذا رسانی اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کی وجہ سے آیا اللہ تعالیٰ اپنے حق میں چشم پوشی کرتا ہے اور حقوق العباد میں سختی کرتا ہے اور کفر اور شرک پر جو عذاب شدید و الیم ہو گا وہ آخرت میں ہو گا۔ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں آیت کا وہی مطلب اختیار کیا جس کو ہم نے ابن عباسؓ سے نقل کیا اور جلال الدین سیوطیؒ نے جلالین میں اور قاضی ثناء اللہؒ نے بھی تفسیر مظہری ص ۶۲ ج ۵ میں اسی تفسیر کو اختیار کیا اور شاہ عبدالنفاذؒ نے بھی اسی تفسیر کو اختیار کیا اور ابن عطیہؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا اسی لیے میرے نزدیک بھی راجح قول اول ہے اس لیے کہ کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی جرم اور ظلم نہیں اور ایمان سے بڑھ کر کوئی صلاح اور خیر نہیں۔ عذاب کی اصل علت کفر اور شرک ہے اور نجات کا سبب اصل ایمان اور اتباع شریعت ہے اور اے نبیؐ! اگر تیرا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی دین پر کر دیتا۔ لیکن اللہ کی حکمت تھی کہ اس کی مقتضی نہیں۔ کہ سب کو ایک ہی راہ پر ڈال دے۔ تگوین عالم سے اسکا مقصود یہ ہے کہ اس کی صفات جمالیہ اور صفات جلالیہ دونوں ہی کا ظہور ہو۔ اس لیے مظاہر کا مختلف ہونا ضروری ہوا پس جنت اور اہل ایمان کو اپنے لطف و جمال اور جو دو نوال کا مظہر بنایا اور دوزخ کو اور اہل کفر کو صفت جلال اور شان تہر کا مظہر بنایا۔

درکار خانہ عشق از کفر ناگزیر است ۛ دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد
اور لوگ ہمیشہ — مختلف رہیں گے۔ کوئی دین حق کو قبول کرے گا اور کوئی نہیں۔ مگر جس پر تیرا
پروردگار رحم کرے اسکو اختلاف سے محفوظ رکھیگا اور دین حق اور صراط مستقیم پر لگا دیگا اور اسی اختلاف
اور رحمت کے لیے لوگوں کو پیدا کیا یعنی بعض کو دوزخ کے لیے اور بعض کو جنت کے لیے اور اسی اختلاف کے
لیے پیدا کرنے کی وجہ سے تیرے پروردگار کی یہ بات پوری ہوئی کہ میں بلاشبہ جہنم کو جنوں اور آدمیوں سے
بھر دوں گا۔ تاکہ مغضوبین پر اس کی صفت غضب ظاہر ہو۔

وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا

اور سب بیان کرتے ہیں ہم تیرے پاس رسولوں کے احوال سے

نُشِيتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَ

جس سے ثابت کر دیں تیرا دل اور آئی تجھ کو اس سورت میں تحقیق بات اور

مَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ (۱۲۰)

نصیحت اور سمجھوتی ایمان والوں کو -

تنبیہ بر بعض حکمتہائے حکایت قصص مذکورہ

قال اللہ تعالیٰ وَكُلًّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ... الی... وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ۔
 (ربط) اوپر کی آیت میں واقعاتِ ہلاکت کے وقوع کی علت اور حکمت بیان کی کہ یہ واقعاتِ ہلاکت کیوں پیش آئے۔ اب اس آیت میں ان قصص اور واقعات کے حکایت اور ذکر کی بعض حکمتوں پر تنبیہ فرماتے ہیں اور بالفاظِ دیگر گزشتہ آیت میں محکی عندہ کے وقوع کی علت اور حکمت کا بیان تھا اور اس آیت میں نفسِ حکایت کی علت اور حکمت کا بیان ہے جسکا حاصل تقویتِ قلب اور معظمت و نصیحت اور عبرت ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! ہم رسولوں کی خبروں میں سے تم پر ہر قسم کی خبر بیان کرتے ہیں۔ یعنی انبیاءِ کرام کے وہ حالات جو انکو ادائے رسالت اور قوم کی سرکشی اور ایذا رسانی اور بالآخر انکی ہلاکت کے گزرے ہیں ہم تجھ کو ان واقعات میں سے کچھ سناتے ہیں دو فائدوں کے لیے (اول) یہ کہ تیرے دل کو تقویت پہنچائے کہ انکو سن کر آپ کو سکون اور اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ میں انبیاءِ کرام کو یہ یہ حالات پیش آئے اور انبیاء نے ان جاہلوں کی ہلاکت اور ازیت پر کس طرح صبر کیا۔ بالآخر انبیاء اور ان کے تابعین نے نجات پائی اور انکے دشمن عذابِ الہی سے تباہ و برباد ہوئے اور (دوسرا) فائدہ یہ ہے کہ ان واقعات کے ضمن میں حق آپکے سامنے آگیا کہ حق ایسا ہوتا ہے کہ ابتداءً ضعیف اور ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا قوی اور جوان ہوتا ہے کہ بڑے بڑے متکبروں اور سرکشوں کو زمین پر پچھاڑتا ہے اور دنیا کو باطل کی ذلت کا تماشا دکھاتا ہے اور ان واقعات میں اہل ایمان کے لیے نصیحت اور عبرت ہے۔ نصیحت تو یہ ہے کہ آئندہ میں ایسا نہ کریں۔ اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور پناہ مانگیں کہ اے اللہ تو ہم کو ان تباہ کاروں کے راستہ سے دور رکھنا۔

وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ

اور کہہ دے انکو جو یقین نہیں کرتے کام کیجئے

مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَمِلُونَ ﴿١٢١﴾ وَانْتَظِرُوا إِنَّا

جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہیں۔ اور راہ دیکھو ہم بھی

مُنْتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

راہ دیکھتے ہیں۔ اور اللہ کے پاس ہے چھپی بات آسمانوں کی اور زمین کی

وَالِيهِ يَرْجِعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ط

اور اسی کی طرف رجوع ہے کام سارا ، سو اس کی بندگی کر اور اس پر بھروسہ رکھ

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ع

اور تیرا رب بے خبر نہیں جو کام کرتے ہو۔

خاتمہ سورت مشتمل بر تہدید عدم قبول ذکر می و مو عظمت

قال الله تعالى وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ .. اِلَىٰ .. وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ

(ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ اس سورت میں حق کی حقیقت خوب واضح ہو گئی اور اہل ایمان کے لیے نصیحت آگئی اب اس آیت میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ جب حق آگیا اور حجت پوری ہو گئی اس پر بھی اگر کوئی نہ ملے تو آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی اسی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ عنقریب تم کو اپنے خط کا پتہ چل جائیگا اور لے بی آپ انکے عناد سے دلگیر نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہیئے اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے پھر سورت کو اللہ تعالیٰ کے کمال علم اور کمال قدرت کے بیان پر ختم کیا جس سے سورت کا آغاز ہوا تھا چنانچہ فرماتے ہیں اور جو لوگ باوجود ان براہین قاطعہ کے ایمان نہیں لاتے اور گزشتہ قوموں پر جو عذاب نازل ہوا اسکی پرواہ نہیں کرتے آپ ان سے کہہ دیجئے تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ ہم اپنی جگہ پر کام کر رہے ہیں۔ جیسا ہم کو ہمارے پروردگار نے حکم دیا اور نتیجہ کا انتظار کرو اور تحقیق ہم بھی نتیجہ کے منتظر ہیں۔ عنقریب حق اور باطل سامنے آجائیگا۔ مگر وہ نتیجہ فی الحال پوشیدہ ہے چند روز کے بعد پردہ غیب سے نمودار ہوگا اور اللہ ہی کے لیے ہیں چھپی بائیں آسمانوں کی اور زمین کی یعنی اللہ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے آسمان اور زمین کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ خفی اور جلی، معدوم اور موجود اسکے نزدیک سب برابر ہیں۔ اور اسی کی طرف سب کام کا رجوع ہے یعنی دنیا اور آخرت کے تمام امور کی باگ اسکے ہاتھ میں ہے اس لیے اس کے نتیجہ اور فیصلہ کا انتظار ضروری ہے۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہی غیب کا جاننے والا ہے اور تمام امور کا مرجع اور منتہی ہے تو آپ ہمہ تن اللہ کی عبادت میں لگ جائیئے اور اسی پر بھروسہ رکھیئے اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ ہو جانا۔ اور اسی پر نیکہ اور بھروسہ کرنا یہی وہ استقامت ہے جسکا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ پس ان کافروں اور مشرکوں اور منافقوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کیجئے اور تیرا پروردگار تم صعب لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں تمہارا اخلاص اور انکاف و نفاق سب اسکے علم میں ہے مطلب یہ ہے کہ آپ ان کفار اور منافقین

کی عداوت سے دلگیر نہ ہوں انکا معاملہ اللہ کے سپرد کیجیے اور نتیجہ کا انتظار کیجیے۔
 کعب اجازت سے منقول ہے کہ تورات کا شروع وہ ہے جو سورۃ النام کا شروع ہے اور تورات کا
 خاتمہ وہ ہے جو سورۃ ہود کا خاتمہ ہے یعنی وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ... الى آخر السورۃ
 اخرجہ ابن جریر وغیرہ (تفسیر قرطبی ص ۹ ج ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۶۶ ج ۲)
 والحمد لله اولاً و آخراً و باطناً و ظاهراً ربنا لا تزغ قلوبنا
 بعد اذ هديتنا وهب لنا من لدنك رحمةً اِنَّكَ انت الوهاب و صلى
 الله تعالى على خير خلقه سيدنا محمد و على اله و اصحابه و ذرياته
 اجمعين و سلم كثيرًا كثيرًا و علينا معهم يا ارحم الراحمين
 و يا اكرم الاكرمين و يا اجود الاجودين آمين آمين يا رب العالمين
 الحمد لله کہ آج بروز شنبہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ ھ کو بوقت ۴ بجے دن کے سورۃ ہود
 کی تفسیر سے فراغت ہوئی اور اسے اللہ تو اپنی رحمت سے باقی تفسیر کی بھی توفیق عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَ تَب عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ
 الرَّحِيمُ وَ يَارَبِّ ارْزُقْنَا الْاِسْتِقَامَةَ عَلٰى دِينِكَ وَ سُنَّتِىْ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ
 صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آمِينَ يَارَبِّ الْعَالَمِينَ۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسیر سورۃ یوسف علیہ السلام

سورۃ یوسف علیہ السلام مکی ہے اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بیان ہوا ہے اس لیے یہ سورت اس نام سے موسوم ہوئی۔ گزشتہ سورت میں مختلف پیغمبروں کے قصے بیان کیے گئے اور اس سورت میں صرف ایک نبی کے قصہ کا بیان ہے۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں پیغمبروں کے قصے مختلف وجوہ کے ساتھ مکرر رسمہ کتر بیان کیے ہیں مگر یوسف علیہ السلام کا قصہ مکرر نہیں بیان کیا گیا۔ کیونکہ یہ قصہ لوگوں کی فرمائش کی بنا پر نازل ہوا۔ اس لیے یکجا بیان ہوا اور مکرر نہیں لایا گیا اور اسی طرح اسحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ بھی لوگوں کی فرمائش کی بنا پر نازل ہوا اس لیے یہ دو قصے بھی یکجا بیان ہوئے اور مکرر نہیں لائے گئے۔

(لِط) گزشتہ سورت یعنی سورۃ ہود میں بھی اثبات نبوت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے انبیاء سابقین کے قصے ذکر کیے اسی طرح سورۃ یوسف میں بھی یوسف صدیق علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا کیونکہ یہ قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے یوسف علیہ السلام کی طرح آپ کی نبوت کا آغاز بھی رؤیا سے ہوا۔ جیسا کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے اَوَّلُ مَا بَدَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الصَّالِحَةَ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصَّبْحِ۔

پس جیسا کہ یوسف علیہ السلام کی نبوت کا آغاز رؤیا سے ہوا۔ اِنِّیْ رَاٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ رَاٰیْتُهُمَا لِیْ سَاجِدَیْنِ۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز رؤیا سے ہوا۔

اور پھر جیسا کہ یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں نے حسد کیا اور طرح طرح کی انکو تکلیفیں پہنچائیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صبر اور استقامت کی برکت سے عزت اور غلبہ نصیب فرمایا اور جب کامیابی دیکھی تو بھائیوں سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ کہہ کر درگزر فرمایا اور کبھی بھی کوئی حرف شکوہ اور شکایت کا زبان پر نہیں آیا اور مزید برآں ان کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اور وعدہ خداوندی وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِ لَنُنَبِّئَنَّكَ بِاَمْرِ هُمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ کا ظہور اس طرح ہوا۔

اسی طرح سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں اور آپ نے حسب ارشاد خداوندی استقامت اور صبر سے کام لیا بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت آپ نے قریش پر کوئی ملامت نہیں کی

اور نہ گزشتہ کا کوئی شکوہ کیا بلکہ یوسف علیہ السلام کی طرح یہ فرمایا۔ لَا تَتْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَخْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَ هُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ اذہبول انتہم الطلقاء اور یوسف علیہ السلام کی طرح آپ نے بھی طلقاء قریش کو غنائم حین میں سے بطور تالیف قلب سو سوا دنٹ عطار کیے تاکہ اسلام کی کرامت و نفرت بدل بہ الفت و موانست ہو جائے الاحسان یستعبد الانسان۔ احسان انسان کو غلام بنا دیتا ہے اور یوسف علیہ السلام کی سنت کا اتباع ہو جائے کہ جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان کیا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان فرمائیں۔

نیز اس قصہ سے یوسف علیہ السلام کی عصمت اور عفت اور طہارت اور نراہست کو بیان کرنا ہے کہ باوجود قوت شباب کے کس درجہ عورتوں کے کید سے محفوظ رہے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ انبیاء کرام کی عصمت اور عفت اور طہارت ایسی ہوتی ہے کہ کسی حال میں نفس اور شیطان کا ان پر بس نہیں چلتا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ جب ابلیس لعین بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا تو یہ کہا فَبِعِزَّتِكَ لَا غَوْ يَنْتَهُمُ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ۔ یعنی قسم ہے تیری عزت کی کہ میں بنی آدم کے اغوار میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھوں گا مگر ان میں سے جو تیرے مخلص اور برگزیدہ بندے ہیں انکو نہیں بہکا سکوں گا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس امر کی تصدیق فرمادی۔ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ۔ بے شک میرے خالص بندوں پر تیرا کوئی زور نہ چل سکے گا۔ معلوم ہوا کہ عباد مخلصین پر نفس اور شیطان کا کوئی بس نہیں چلتا اور نفس اور شیطان کے اثر سے محفوظ اور مامون رہنے کا نام ہی عصمت ہے۔

جس سے ثابت ہوا کہ کل انبیاء معصوم ہیں اس لیے کہ کل انبیاء بنص قرآن۔ عباد مخلصین ہیں جو شیطان کے اغوار سے بالکلیہ محفوظ اور مامون ہیں۔

اور یوسف علیہ السلام بھی خدا تعالیٰ کے عباد مخلصین میں سے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ۔ نیز جس طرح حضرت نوح اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے واقعات کا ذکر کرنا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ کما قال تعالیٰ تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا اسی طرح یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی انباء الغیب سے ہے اللہ کی وحی سے اسکا بیان کرنا بھی قرآن کے کتاب اللہ ہونے کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے۔

اور علاوہ ازیں اس قصہ میں آپ کی تسلی بھی ہے کہ یوسف علیہ السلام کی طرح بھائیوں کی ایذا رسانیوں پر صبر کیجئے اور جادۂ حق پر قائم اور مستقیم رہیئے اور نتیجہ کا انتظار کیجئے۔

شان نزول | ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ہم کو کوئی قصہ سنائیں اس پر یہ قصہ نازل ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ یہود نے مشرکین کے ذریعے امتحاناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے ملک مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کی تھی کہ بنی اسرائیل تو شام میں رہتے تھے وہ مصر میں کیسے پہنچے اسکے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی کہ عجیب و غریب بصائر و عبرت پر مشتمل ہے اور اس بات کا جواب ہے کہ بنی اسرائیل شام سے چل کر کس طرح مصر میں آباد ہوئے۔

آيَاتُهَا ۱۱۱ : سُورَةُ يُوسُفَ مَكِّيَّةٌ : ۵۳ رُكُوعَاتُهَا ۱۲
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نزدع اللہ کے نام سے جو بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

الرَّافِقُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ① اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا

یہ آیتیں واضح کتاب کی - ہم نے اسکو اتارا ہے قرآن

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ② خَنُ نَقْصُ عَلَيْكَ

عربی زبان کا ، شاید تم بوجھو - ہم بیان کرتے ہیں تیرے پاس

اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنُ ③

بہتر بیان ، اس واسطے کہ بھیجا ہم نے تیری طرف یہ قرآن -

وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ③

اور تو تھا اس سے پہلے البتہ بے خبروں میں -

حقانیت قرآن حکیم و مہید قصہ

قال الله تعالى الرَّافِقُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ... الى... لَمِنَ الْغَافِلِينَ هـ
(الربط) اس سورت کا آغاز سورۃ یونس کے آغاز سے مشابہ ہے قرآن کریم کے ذکر سے اس

قصہ کو شروع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

الر۔ یہ تشابہات میں سے ہے۔ سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔ جہور کے نزدیک راجح اور مختار قول یہی ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ تشابہات۔ اللہ اور اس کے رسول کے درمیان راز ہیں۔ سوائے رسول کے کسی کا مرتبہ نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔ مفصل کلام سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے یہ آیتیں ایسی کتاب کی ہیں جو واضح اور روشن ہے۔ حق اور باطل کے فرق کو خوب واضح کرتی ہے ہم نے اس کتاب کو قرآن عربی بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے اہل عرب تم اس کے مطالب اور معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکو اور تم پر حجت قائم ہو جائے ہم آپ کے سامنے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں بذریعہ اس قرآن کے جو ہم نے آپ کے پاس بذریعہ وحی بھیجا ہے یعنی یہ قرآن جو ہم نے بذریعہ وحی تجھ پر نازل کیا ہے اس کے ذریعے تجھ کو بہترین قصہ سناتے ہیں۔ اور تحقیق آپ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔ آپ کو اس قصہ کی خبر نہ تھی اور اس قصہ کو احسن القصص یعنی بہترین قصہ اس لیے فرمایا کہ اس قصہ میں عبرتیں ہیں اور نکات ہیں اور اس میں بادشاہوں سے غلاموں تک بڑناؤ اور عورتوں کے مکر و فریب کا اور دشمنوں کے ایذا پر صبر کا اور قدرت کے قوت عفو اور جو دو کرم کا بیان ہے اور حامد اور محسود کے انجام کا بیان ہے حسد کا انجام نقصان اور خذلان ہے اور صبر مفتاح الفرج ہے اور عفت و پاکدامنی موجب عزت و رفعت ہے سورہ ہود کے ختم پر صبر اور استقامت کا ذکر تھا اس قصہ کو ذکر کر کے بتلادیا کہ صبر اور استقامت ایسا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے غیابت الحبت اور امراۃ العزیز کی ہمت اور جیلخانہ کی مصیبت اور باپ کی مفارقت وغیرہ وغیرہ پر کس طرح صبر کیا۔

نیز یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی دلیل ہے کہ آپ وحی الہی سے صحیح صحیح واقعات بیان فرماتے ہیں جو آپ نے نہ دیکھے اور نہ کسی سے سنے اور نہ کہیں پڑھے اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس قصہ کو احسن القصص اس لیے فرمایا کہ یہ قصہ جن آدمیوں کا ہے وہ سب آدمیوں میں احسن اور اجل تھے اور بعض نے کہا ہے کہ احسن القصص کے معانی اعجب القصص کے ہیں یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ

جس وقت کہا یوسف نے اپنے باپ کو اے باپ! میں نے دیکھے

أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ أَيْتَمُّ لِي

گیارہ تارے اور سورج اور چاند، دیکھے میرے تین

سُجَّدِينَ ۴ قَالَ يَبْنَىٰ لَكَ تَقْصُصُ رُءُيَاكَ

سجدہ کرتے۔ کہا اے بیٹے! مت بیان کر خواب اپنا

عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا إِنَّ الشَّيْطَانَ

اپنے بھائیوں پاس پھر وہ بنا دیں گے تیرے واسطے کچھ فریب البتہ شیطان ہے

لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ وَكَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ

انسان کا صریح دشمن - اور اسی طرح نوازے گا تجھ کو تیرا رب

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ

اور سکھا دے گا کل بٹھانی باتوں کی اور پورا کرے گا

نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا

اپنا انعام تجھ پر اور یعقوب کے گھر پر جیسا پورا کیا ہے

عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ

تیرے دو باپ دادوں پر پہلے سے ابراہیم اور اسحاق پر البتہ

رَبُّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ۶

تیرا رب خبردار ہے حکمتوں والا -

آغاز قصہ رؤیائے صالحہ و صادقہ

قال تعالى اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ... اِلَى... اِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

(ربط) اب یہاں سے احسن القصص کا بیان شروع ہوتا ہے جس کی ابتداء ایک رؤیائے صالحہ سے ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کو کہ جب یوسف نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اے میرے پیارے باپ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے تحقیق میں نے خواب میں دیکھا گیارہ ستاروں کو اور سورج اور چاند کو وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں گیارہ ستاروں سے یوسف علیہ السلام کے بھائی مراد ہیں اور سورج اور چاند سے انکے باپ اور خالہ مراد ہیں اور سجدہ سے یہ مراد ہے کہ سب ایک دن انکے آگے جھکیں گے بالجملہ یہ خواب یوسف علیہ السلام کے رفعت شان اور علوم مرتبہ پر دال ہے۔ یعقوب علیہ السلام سنتے ہی

خواب کی تعبیر سمجھ گئے اور ڈرے کہ یوسفؑ کے بھائی نہیں گے تو درپے حسد ہو گئے اس لیے یعقوب علیہ السلام نے ازراہ شفقت فرمایا اے میرے چھوٹے بیٹے تو اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔ کیونکہ وہ سنتے ہی اس کی تعبیر سمجھ جائیں گے کہ یہ خواب یوسفؑ کی منزلت عالی کی اور بھائیوں کے خضوع کی نشانی ہے پس یہ خواب سن کر تجھ سے حسد کریں گے اور تیری ایذا رسانی کے لیے کوئی حیلہ اور فریب کریں گے تحقیق شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ذرا موقع ملے تو رشک اور حسد کا دوسوہ دل میں ڈال دیتا ہے۔ اور طرح طرح کے مکر و فریب پر آمادہ کرتا ہے اور حسد کی آگ دل میں بھڑکاتا ہے اور جس طرح خدا نے تجھے خواب کے ذریعہ عزت اور رفعت اور برگزیدگی کی بشارت دی ہے اسی طرح تیرا پروردگار تجھ کو برگزیدہ بنائے گا یعنی عزتیں اور درجات عالیہ تجھ کو عطا کرے گا۔ جن میں تیری سعی اور کوشش کو دخل نہ ہو گا اور تجھ کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا تاکہ تو خوابوں کے ذریعے اشارات غیبیہ اور پیش آنے والے واقعات کو سمجھ سکے اور اس کے علاوہ اور نعمتیں دیکر بھی تم پر اور خاندان یعقوب پر اپنے انعام کو کامل کرے یعنی دنیا و آخرت کی ایسی بھلائیاں تم کو عطا کرے جو تام اور کامل ہوں اور ان میں کوئی نقصان نہ ہو۔ جیسا کہ اسکے قبل تمہارے دونوں باپ یعنی ابراہیمؑ اور اسحاق علیہما السلام پر انعام کامل کر چکا ہے اس مقام پر یعقوب علیہ السلام نے ابراہیمؑ اور اسحقؑ کا ذکر کیا اور تواضعاً اپنا ذکر نہیں کیا۔ البتہ تیرا پروردگار خوب دانا اور حکمت والا ہے یعنی جو جس لائق ہے وہی اسکو دینا ہے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ آبار و اجداد کی طرح تجھ کو اپنی نعمتوں سے نوازے اور جسے خدا نوازنا چاہتا ہے اسکا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

فائدہ | پہلی شریعتوں میں بطور تہجیت و سلام سجدہ تعظیمی جائز تھا ہماری شریعت میں حرام ہو گیا۔

خواب کی حقیقت

رُویا کے معنی خواب کے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں۔
 (۱) اول حدیثِ نفس (جسکا لفظی ترجمہ دل کی باتیں ہیں۔ انسان دن میں جس کام میں مشغول اور منہمک ہو رات کو بھی خواب میں اسکو وہی چیزیں نظر آتی ہیں جیسا کہ عاشق کو خواب میں طرح طرح سے اپنا معشوق ہی دکھائی دیتا ہے اور بلی کو خواب میں گوشت کے چھیچھڑے نظر آتے ہیں جسے الیکشن کی دھن ہوتی ہے اسے خواب میں اسمبلی ہال ہی کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔
 (دوم اضغاثِ احلام) جسکا لفظی ترجمہ خواب پریشان ہے نفس اور شیطان کے القار سے جو چیزیں خواب میں دکھائی دیں وہ اضغاثِ احلام ہیں اور احتلام بھی اسی قبیل سے ہے خواب کی یہ دو قسمیں فاسد ہیں انکی کوئی تاویل اور تعبیر نہیں۔

(خواب کی تیسری قسم) رُویائے صالحہ ہے یعنی درست خواب کہ جو دسادمیں شیطانی اور ہوا جس نفسانی سے پاک ہو ایسا ہی خواب حقیقتاً خواب ہوتا ہے اور محتاج تعبیر ہوتا ہے اور ایسے ہی خواب کو حدیث

میں رویائے صالحہ اور جزر نبوت بتلایا گیا ہے اس قسم کا خواب القار ربانی ہوتا ہے اور مؤید بنور الہی ہوتا ہے جمہور متکلمین اور مفسرین اور اولیاء اور محدثین اور عارفین فرماتے ہیں کہ رویائے صالحہ ایک قسم کا روحانی مشاہدہ ہے کہ جب انسان سو جاتا ہے اور اس کے حواس ظاہرہ معطل ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں روح عالم غیب کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور سنتی ہے روح کبھی اللہ کا کلام سنتی ہے اور کبھی فرشتوں کا کلام سنتی ہے اور اس عالم کی چیزوں کو دیکھتی ہے اور یہ روحانی مشاہدہ کبھی اصل حقیقت کا ہوتا ہے اور کبھی صورتِ مثالیہ کے ذریعے ہوتا ہے جس سے آئندہ واقعات کی طرف برنگ تمثیل و تشبیہ اشارہ اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ تارے سجدہ کرتے ہوئے دکھائے گئے برنگ تمثیل آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے آگاہ کر دیا گیا۔

اور چونکہ حضرات انبیاء کے نفوس قدسیہ نفس اور شیطان اور وہم اور خیال کی مداخلت سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں اس لیے ان کا خواب وحی قطعی اور معصوم عن الخطا ہوتا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کا خواب **يٰۤاِبْرٰهٖمُ اِنَّا جٰعِلُکَ نَبِیًّا** اور اس لیے ان کا خواب وحی تو نہیں ہوتا لیکن وحی نبوت کا ایک عکس اور پرتو ہوتا ہے جس درجہ کی ولایت ہوگی اسی درجہ کے مطابق رویا کا صلاح اور صدق ہوگا اور عوام المسلمین چونکہ کدورات نفسانیہ اور ظلمات باطنیہ میں مبتلا رہتے ہیں ان کا خواب کبھی صادق ہوتا ہے اور کبھی کاذب۔

خلاصہ کلام یہ کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک حدیثِ نفسانی اور دوم حدیثِ شیطانی، سوم القائے ربانی اور رویائے حقانی اول کی دو قسمیں ناسد اور کاسد ہیں تیسری قسم وحی ربانی ہے جسکو حدیث میں رویائے صالحہ اور رویائے صادقہ کہا گیا ہے۔ (دیکھو اشارات المرام عن عبارات الامام ص ۱۵۸)

اور تعبیر خواب کبھی تو الہام یزدانی اور القار ربانی سے ہوتی ہے جیسا کہ **وَيُعَلِّمُکَ** **مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ** میں تعبیر سے وہ تعبیر مراد ہے جو تعلیم ربانی اور القار رحمانی سے ہو ایسی تعبیر قطعی اور یقینی ہوتی ہے۔

اور کبھی خواب کی تعبیر عقل سلیم اور خداداد فہم و فراست سے ہوتی ہے اس میں کبھی خطا اور لغزش بھی ہو جاتی ہے۔

بعض فلاسفر کہتے ہیں کہ رویا (خواب) محض ایک خیال باطل ہے جس کی کوئی حقیقت واقعہ نہیں اس لیے کہ نوم ادراک کی ضد ہے حالت نوم میں ادراک عقلاً ناممکن اور محال ہے۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ جس طرح بحالت بیداری دل میں علوم اور ادراکات کا القار فرماتے ہیں اسی طرح وہ اپنی قدرت کاملہ سے بحالت خواب سونے والے کے دل میں علوم اور ادراکات کا القار فرماتے ہیں جو اس ظاہری ادراک اور احساس کی علت نامہ نہیں اصل علت حق جل شانہ کی قدرت اور اس کا ارادہ اور اسکی مشیت اور اسکی تخلیق ہے اور اسکی قدرت و مشیت کے اعتبار سے حالت نوم اور یقظہ سب

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا

بولے اے باپ! کیا ہے کہ تو اعتبار نہیں کرتا ہمارا یوسف پر اور ہم تو

لَهُ لَنُصْحُونَ^{۱۱} أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَمِ وَيَلْعَبُ

اسکے خیر خواہ ہیں۔ بھیج اسکو ہمارے ساتھ کل کہ کچھ چرے اور کھیلے

وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ^{۱۲} قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنَّ تَذْهَبُوا

اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ بولا مجھ کو غم پکڑتا ہے اس سے کہ لے جاؤ

بِهِ وَآخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الدِّيبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ

اس کو اور ڈرتا ہوں کہ کھا جاوے اسکو بھیڑیا، اور تم اس سے

غَفِلُونَ^{۱۳} قَالُوا لَيْنَ أَكَلَهُ الدِّيبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

بے خبر رہو۔ بولے اگر کھا گیا اس کو بھیڑیا اور ہم یہ جماعت ہیں قوت

إِنَّا إِذَا تَخَسَّرُونَ^{۱۴} فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْمَعُوا

تو توہم نے سب کچھ گنوا یا۔ پھر جب لیکر چلے اسکو اور متفق ہوئے

أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غِيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ

کہ ڈالیں اس کو گناہ کنوئیں میں اور ہم نے اشارت کی اسکو

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ^{۱۵} وَجَاءُوا

کہ تو بخادوے گا انکو انکا یہ کام اور وہ نہ جانیں گے۔ اور آئے

أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ^{۱۶} قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا

اپنے باپ پاس اندھیرا پڑے، روتے۔ کہنے لگے اے باپ! ہم لگے دوڑنے

نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ

آگے نکلنے کو اور چھوڑا یوسف کو اپنے اسباب پاس پھر اسکو کھا گیا

الذَّيْبُ^ج وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ^{۱۷}

بھڑیا۔ اور تو باور نہ کرے گا ہمارا کہنا اگرچہ ہم سچے ہوں۔

وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ^ط قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اور لائے اسکے کرتے پر لہو لگا جھوٹ۔ بولا! کوئی نہیں بلکہ بنادی ہے

لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً^ط فَصَبِرْ جَمِيلٌ^ط وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

نم کو تمہارے جیوں نے ایک بات۔ اب صبر ہی بن آوے۔ اور اللہ ہی سے مدد مانگتا

عَلَى مَا تَصِفُونَ^{۱۸} وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا

ہوں اس بات پر جو بتاتے ہو۔ اور آیا ایک قافلہ پھر بھیجا اپنا پہنارا

وَأَرَادَهُمْ فَأَدْلَى دَكُوعاً^ط قَالَ يُبَشِّرِي هَذَا عِلْمٌ^ط

اس نے لٹکایا اپنا ڈول بولا کیا خوشی کی بات ہے! یہ ہے ایک لڑکا

وَأَسْرَوْهُ بِضَاعَةٍ^ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ^{۱۹} وَ

اور چھپا لیا اس کو پونجی سمجھ کر۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور

شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ^ط وَكَانُوا فِيهِ

بیچ آئے اس کو ناقص مول کو گنتی کی کئی پاؤ لیاں اور ہو رہے تھے

مِنَ الزَّاهِدِينَ^{۲۰}

اس سے بیزار۔

معاملہ برادرانِ یوسف علیہ السلام

قال الله تعالى لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّأُولِيْ الْبَصَرِ ۝ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝
بے شک یوسف اور اسکے بھائیوں کے قصہ میں نشانیاں اور عبرتیں اور نصیحتیں ہیں ان لوگوں کے لیے جو

اس قصہ کو دریافت کرتے ہیں کیونکہ یہ عجیب قصہ اس لائق ہے کہ اسکی خبر دریافت کی جائے کہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو بے کسی اور بے بسی سے نکال کر مقام سلطنت تک کس طرح پہنچایا یہ اسکی قدرت کا کرم ہے۔ جو پوچھتے ہیں ان کے لیے اس قصہ میں بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جو نہیں پوچھتے ان کے لیے بھی بہت سی نشانیاں ہیں۔

جبکہ یوسف کے علاقائی بھائی آپس میں یہ کہنے لگے کہ البتہ یوسف اور انکا حقیقی بھائی بنیامین ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ محبوب ہے حالانکہ وہ دونوں کم عمر ہیں کار خدمت پدیری بخوبی انجام نہیں دے سکتے اور ہم ایک قوی جماعت ہیں ہر طرح کا آرام ہم سے متصور ہے لہذا ہم زیادہ عزیز اور محبوب ہونے چاہئیں بے شک ہمارا باپ صریح غلطی میں ہے اپنے نفع نقصان کا انکو صحیح اندازہ نہیں یعنی ہماری محبت کے بارہ میں باپ کو چوک ہوئی کہ ہمارے مقابلہ میں یوسف کو ترجیح دی اگر دیل سے دیکھا جائے تو ہم سب فرزند ہونے میں یکساں ہیں اس لیے محبت میں برابری ہونی چاہیئے تھی لیکن ہم کو ان دونوں پر اس لیے ترجیح ہے کہ ہم ایک قوی اور زبردست جماعت ہیں باپ کو ہر طرح سے آرام اور راحت پہنچا سکتے ہیں اور جو تکلیف پیش آئے اسکو دور کر سکتے ہیں اور ہر کام کے لیے کافی ہیں اور ان دونوں بھائیوں سے نوعمری کی وجہ سے یہ بات ممکن نہیں لہذا قاعدہ کے مطابق محبت ہم سے زیادہ ہونی چاہیئے پھر اگر زیادہ نہ ہوتی تو خیر برابر ہوتی اس بارہ میں ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں۔

فائدہ یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت کرنا معاذ اللہ محض حسن ظاہری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت اور جمال نبوت و صدیقیت اور نور فہم و فراست اور نور عفت بھی اسکے ساتھ شامل تھا۔ اور ان محاسن و شمائل اور کمالات و فضائل میں کوئی بھائی وغیرہ شریک نہ تھا۔ یوسف علیہ السلام ان فضائل و شمائل میں سب پر فوقیت رکھتے ہیں اور یعقوب علیہ السلام نور نبوت اور حشیم بصیرت سے ان باطنی محاسن کو بھی دیکھتے تھے اس لیے وہ انکی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال بشری حسن و جمال کے جنس سے نہ تھا اسلئے زنان مصر کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکلا مآہذا بکثرات ہذا المملکۃ کثر ذکورہ بلکہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اہل جنت کے حسن و جمال کی جنس سے تھا اور حور و غلمان کے حسن و جمال کی قسم سے تھا غرض کہ یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اخروی حسن و جمال کا نمونہ تھا اور از قسم جمال اخروی تھا اس لیے یعقوب علیہ السلام انکی طرف زیادہ مائل تھے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کا باطنی حسن و جمال یعنی علم و حکمت اور ان کی بے مثال عصمت و عفت اور نور نبوت و صدیقیت یہ باطنی محاسن یعقوب علیہ السلام کے پیش نظر تھے اور دوسرے بھائی انکی طرح انکے محاسن سے متصف نہ تھے اور حسن سیرت اور حسن صوت دونوں سے آراستہ تھے نیز یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال ملائکہ کے حسن و جمال کا ایک نمونہ تھا اس لیے وہ باپ کی نظر میں زیادہ محبوب تھے۔ علاوہ ازیں رشد و نجابت کے جو آثار یوسف اور بنیامین میں نمایاں تھے وہ دوسرے بھائیوں میں نمایاں نہ تھے اور خاص کر یوسف علیہ السلام میں نبوت اور صدیقیت کے آثار نمایاں تھے اس اعتبار سے وہ جنس

انبیاء و صدیقین سے ہے پس حسب قاعدہ الجنس میل الی الجنس یعقوب علیہ السلام انکی طرف زیادہ مائل تھے کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ خدا کا برگزیدہ اور پیغمبر ہونے والا ہے پس نبوت و رسالت کے ساتھ علاقہ بنوت یعنی فرزندیت بھی مل جائے تو دلی محبت اور تعلق میں اضافہ ہو جاتا ہے اور خدا کے برگزیدہ اور محبوب بندہ سے محبت رکھنا یہ عبادت ہے اور محبوب خدا کی محبت دراصل خدا کی محبت ہے اور پھر یہ کہ یوسف اور بنیامین اگرچہ باطنی فضائل و شمائل کی وجہ سے یعقوب علیہ السلام کی نظر میں زیادہ محبوب تھے مگر عملی طور پر حقوق فرزندیت کے اعتبار سے معاملہ سب کے ساتھ یکساں تھا اور پورے پورے عدل اور انصاف کے ساتھ تھا قرآن سے کہیں یہ ثابت نہیں کہ یعقوب نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کو دوسرے بھائیوں پر حقوق واجبہ میں یا کسی ایسے امر میں ترجیح دی ہو جو انکے اختیار میں ہو اور محبت جس کی حقیقت میلان طبعی ہے وہ امر اختیاری نہیں اس میں عدل اور مساوات ناممکن ہے اگر کوئی باپ اپنے کسی عالم اور متقی بیٹے کو بہ نسبت غیر عالم بیٹے کے زیادہ محبوب رکھے تو اس سے یہ کہنا کہ آپ اس سے زیادتی محبت میں غلطی اور خطا پر ہیں۔ یہی صریح غلطی اور ضلال مبین ہے خوب سمجھ لو اور اولاد میں اور بیٹیوں میں طبعی میلان اور محبت کے اعتبار سے مساوات عادتاً ناممکن نظر آتی ہے۔ الغرض جب بھائیوں نے یہ دیکھا کہ باپ کی نظر عنایت یوسف کی طرف زیادہ ہے تو بولے۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ حَبِیْنٍ۔ کہ واقعی ہمارا باپ اس بارہ میں صریح گمراہی میں مبتلا ہے اس لفظ سے انکی دین خداوندی میں گمراہی مراد نہ تھی۔ بلکہ دین محبت اور آئین شفقت میں گمراہی مراد تھی کہ جب ہم اخوت میں برابر ہیں تو محبت میں بھی برابر ہونے چاہئیں اور ضلال کے معنی لغت میں غلطی اور خطا کے ہیں اور مطلب یہ تھا کہ ہمارے باپ نظر محبت و شفقت کے خراج کرنے میں غلطی پر ہیں۔ مساوات کیوں نہیں برتتے اس گفتگو سے بھائیوں کا مقصود یہ نہ تھا کہ باپ کی غلطی ثابت کریں بلکہ مقصود یہ تھا کہ اس شخص کا وجود تمہارے لیے محبت پدری میں مزاحم ہے اگر یہ باپ کی نظروں سے دور ہو جائے تو پھر ہمارا معاملہ درست ہو سکتا ہے اور اسی درمیان میں انکو یوسف علیہ السلام کے خواب کی بھی خبر ہو گئی اس لیے مشورہ کیا کہ کوئی تدبیر ایسی کرنی چاہیے کہ باپ کے سامنے نہ رہے خواہ قتل کر کے، خواہ اس طرح کہ اس کو کسی دور دراز کنوئیں میں پھینک دیا جائے اور اس بارہ میں باہم مشورہ ہوا اور رائے ٹھہری کہ یوسف کو مار ڈالو کہ محبت اور شکایت کا محل ہی ختم ہو جائے یا اس کو کسی ایسی دور دراز غیر معلوم زمین میں لے جا کر پھینک دو کہ یوسف وہاں سے واپس نہ آ سکے اور باپ وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ دونوں صورتوں میں باپ سے جدا ہو جائیں گے۔ تو پھر تمہارے ہی لیے خالی ہو جائے گا۔ تمہارے باپ کا چہرہ اور تم باپ کے منظور نظر بن جاؤ گے۔ کیونکہ اس وقت باپ کو تم ہی تم نظر آؤ گے اور اس کے بعد تم توبہ کر کے اللہ کے نزدیک نیک بختوں میں ہو جاؤ گے۔

ۛ امروز گنہ کنید و فردا توبہ

یا یہ معنی ہیں کہ یوسف کے بعد تمہارے سب کام درست ہو جائیں گے اس معنی کو صلاح سے اخروی صلاح اور نیک بختی مراد نہ ہوگی بلکہ دنیوی امور کی صلاح اور درستی اور فارغ البالی مراد ہوگی۔ بھائیوں نے

صرف یوسف علیہ السلام کا ذکر کیا۔ بنیامین کے معاملہ کو کچھ اہمیت نہ دی بلکہ ظاہر یہ وجہ ہوگی کہ وہ بنیامین کی محبت کو یوسف علیہ السلام کی محبت کا تتمہ سمجھتے ہوئے بھائیوں کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مقصود باپ کو تکلیف پہنچانا نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ اور نظر عنایت کو اپنی طرف پھیر لیں۔ یہ خیال ان پر اس قدر غالب آیا کہ ان کو حسد پر آمادہ کیا اور ان سے یہ کام کروایا۔ مگر آخر میں نادم ہوئے اور خدائے تعالیٰ اور یعقوب علیہ السلام نے انکی خطا معاف کی اصل مقصود یہ تھا کہ باپ کی توجہ خالص انکی طرف ہو جائے۔ يَخْلُكُم مِّنْ وَجْهِ أَبِيكُمْ۔ اور یہ مقصود فی حد ذاتہ محمود تھا۔ مگر اسکے حوال کیلئے جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ غلط تھا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو، بے گناہ کا قتل بہت بڑا گناہ ہے مطلب یہ تھا کہ حسد اور عداوت کو اتنی ترقی نہ دو کہ قتل کر کے جان لے لو یہ کہنے والا بڑا بھائی روبیل تھا یا یہودا تھا اور بجائے قتل کے یہ صورت کر لو کہ اسکو کسی گہرے اور تاریک اندھے کنوئیں میں لے جا کر پھینک دو تاکہ کسی کو پتہ ہی نہ چلے کہ کہاں گئے اس لیے بہتر یہ ہے کہ بجائے قتل کے اسکو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو تاکہ وہاں سے کوئی راہ چلتا مسافر جو وہاں پہنچے اسکو اٹھالے جاوے اور اس کو کسی اور زمین پر لے جاوے اور تم اس سے چھوٹ جاؤ اور جو تمہاری غرض ہے کہ باپ سے دور ہو جائے اور وہ بلا قتل کے حاصل ہو جائے اگر تم کرنے ہی والے ہو۔ یعنی اگر تم کو یہ کام کرنا ہی ہے تو میری رائے یہ ہے کہ بجائے قتل کے انکو غیابت الحب میں ڈال دو اور اس طرح سے بھی تمہارا مقصود حاصل ہو جائے گا۔ غیابت الحب اس کنوئیں کو کہتے ہیں کہ جو چیز اس میں گرے وہ نظروں سے ایسی غائب اور پوشیدہ ہو جائے کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی۔ مشورہ میں سب کا اسی پر اتفاق رائے ہو گیا اور مشورہ کے بعد باپ سے جدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی کہ سب مل کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ کہا کہ اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور کبھی انکو ہمارے ساتھ نہیں بھیجتے آخر ہم ان کے بھائی ہیں اور تحقیق ہم انکے خیر خواہ اور بھلائی چاہنے والے ہیں۔ نہ کہ دشمن اور اس پر مہربان ہیں۔ لہذا آپ بلا تامل کل کے روز اسکو ہمارے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجئے کہ آسودہ ہو کر جنگل کے میوے کھائے اور کھیلے کودے اور تیر چلائے اور اونٹ دوڑائے اور اس قسم کے کھیل شرعاً جائز ہیں۔ یوسف بھی خوش ہو جائیں گے اور بے شک ہم ہر حال میں یوسف کے خوب محافظ اور نگہبان رہیں گے۔ یعنی اب کسی طرح اندیشہ نہ فرمائیں ہم یوسف کو کھلا کودا کر خوش و خرم آپکے پاس واپس لے آئیں گے اور شاید اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کو بھی سیر و تفریح کی ترغیب دیکر ساتھ چلنے پر آمادہ کر لیا ہو گا اس کے بعد باپ سے اجازت چاہی اور یوسف کو ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ یعقوب علیہ السلام نے جواب میں یہ کہا کہ تحقیق غم میں ڈالنی ہے مجھ کو یہ بات کہ تم یوسف کو اپنے ساتھ لے جاؤ تمہارے ساتھ جانے پر قلب مطمئن نہیں انبیاء کا قلب مبارک چونکہ سلیم ہوتا ہے۔ اس لیے سنتے ہی انکو بات میں سے صدق اور کذب کی بو آنے لگتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام نے جب بیٹوں کی یہ پُر فریب درخواست سنی تو سنتے ہی اس میں سے مکر اور فریب

اور حسد کی بوجھ سے فرمالی جیسا کہ حدیث میں الصدق طمانینۃ والکذب دبیۃ اور حسد و منافست کے آثار پہلے ہی سے نمایاں تھے اس لیے یعقوب علیہ السلام ان کے ساتھ بھیجنے سے خائف تھے اور بعد میں جب ایک بات بنائی تو یعقوب علیہ السلام کا دل مطمئن نہ ہوا تو فرمایا کہ مجھے اسکی جدائی دم بھر بھی ناگوار ہے اور اسکے دیکھے بغیر صبر کرنا میرے لیے بہت دشوار ہے اور اگر بالفرض تم پر اطمینان بھی کر لوں تو میں ڈرتا ہوں کہ اسکو بھیڑ یا کھا جائے اور تم اس سے غافل رہو تم کھیل تماشا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کی حفاظت سے غافل ہو جاؤ۔

ازال ترسم کزو غافل نشیند ز غفلت صورت حالش نہ بیند

دریں دیرینہ دشت محنت انگیز کہن گر گے برو دندان کند نیز

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ ایک بھیڑیے نے یوسف علیہ السلام پر حملہ

کیا۔ (تفسیر قرطبی ص ۴ ج ۹)

اس لیے یعقوب علیہ السلام کو خوف ہوا اور اس علاقے میں بھیڑیے بھی کثرت سے تھے اس خیال سے انہوں نے یہ بات فرمائی بیٹوں نے اسی بات کو بہانہ پکڑ لیا اور اسنی کو واقعہ بنا کر پیش کر دیا۔ پہلی بات کا تو کوئی جواب نہ تھا اس سے تو انجان بن گئے بلکہ اسی دوسری بات کا جواب دیا۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بیٹے دوسری بات کے جواب میں بولے خدا کی قسم اگر اس کو ایسی حالت میں بھیڑ یا کھا جائے کہ ہم جیسی قوی جماعت وہاں موجود ہو جو شیروں سے مقابلہ کر سکتی ہے تو ایسی صورت میں ہم یقیناً زیاں کار اور نقصان اٹھانے والے ہوں گے۔ کہ اپنے بھائی سے بھی بھیڑیے کو دفع نہ کر سکے۔ الفقہ جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کا مبالغہ اور اصرار سنا اور کسی درجہ میں یوسف علیہ السلام کا دل بھی جانے کی طرف مائل پایا تو اپنے دل کو مضبوط کر کے اور قصائے الہی پر راضی ہو کر جانے کی اجازت دے دی اور محافظت کی تاکید اکید کی، پھر جب انکو لیکر چلے تو راستہ ہی میں ان کے ساتھ بدسلوکی شروع کر دی جو لائق بیان نہیں اور اس بات پر سب متفق ہو گئے کہ اس کو اندھے کنوئیں میں ڈال دیں۔ چنانچہ رسی میں باندھ کر کنوئیں میں ٹکایا اور جب درمیان میں پہنچے تو رسی کا ٹ دی جا کر پانی پر گرے کنوئیں میں ایک پتھر تھا اس پر کھڑے ہو گئے۔ (ازالمیر ص ۱۹ جلد ۴)

اور اس وقت ہم نے انکی تسلی کے لیے ان کے پاس وحی بھیجی کہ تم گھراؤ نہیں عنقریب اس کنوئیں سے نکلو گے اور خدا تعالیٰ تمکو بلند رتبہ عطا کرے گا اور ایک دن وہ ہو گا کہ تم ان لوگوں کو یہ بات بتلاؤ گے اور وہ سمجھتے نہ ہونگے کہ تو یوسف ہے مطلب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی کہ تم کسی ہلاکت وغیرہ کا خوف نہ کرو ہم تمہیں کسی ایسے رتبہ پر پہنچائیں گے کہ یہ لوگ تیرے سامنے شرمسار کھڑے ہونگے اور تو ان کو اس فعل سے آگاہ کرے گا اور یہ تیرے بلند رتبہ کی وجہ سے یہ گمان بھی نہ کریں گے کہ تو یوسف ہے بلکہ انکو یہ خیال ہو گا کہ یوسف تو کہیں ہلاک ہو چکا ہے اس وحی نے یوسف علیہ السلام کی مشکل کو آسان کر دیا۔ ظاہر اسباب میں آ کر شفقت پدری منقطع ہوئی تو رحمت غیبیہ دستگیر بنی اور اس تا بد غیبی نے پائے استقامت کو اور محکم اور مضبوط کر دیا۔ غرض یہ کہ یہ قصہ تو یوسف علیہ السلام کا ہوا اور ادھر وہ لوگ عشاء کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے

ہوئے آئے۔ باپ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو بولے اے ہمارے باپ ہم دوڑیں آگے نکلنا چاہتے تھے اور ایک دوسرے کے ساتھ دوڑ میں لگے ہوئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے پس اتفاقاً بھیڑ یا اگر اس کو کھا گیا اور آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کریں گے اگرچہ ہم سچے ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ آپکو ہماری طرف سے پہلے ہی شبہ تھا اور آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑ یا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا اور اسکی دلیل ہمارے پاس یوسف کا پیرا ہن ہے اور اس کے کرتے پر جھوٹا لہو بھی لگا لائے تھے۔ ایک بکری کو ذبح کر کے یوسف کے کرتے کو اس سے تر کیا کہ یہ یوسف کا کرتہ ہے جو ہم نے چھڑایا ہے اور اس فیض کو اپنے قول کی سند میں پیش کیا۔ یعقوب علیہ السلام نے اس کرتہ کو دیکھا فرمایا وہ بھیڑ یا بڑا ہی حکیم اور دانا تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا اور پیرا ہن سے کوئی تعرض نہ کیا پھر ازراہ غصہ فرمایا، اے بیٹو یوسف کو بھیڑیے نے ہرگز نہیں کھایا بلکہ تمہارے نفسوں نے یوسف کی ہلاکت کی ایک بات بنا کر تمہارے لیے آراستہ کر دی ہے۔ نور نبوت سے پہچان لیا کہ یہ سب جھوٹ ہے اور انکی بنائی ہوئی ایک بات ہے اور یوسف فی الحقیقت ابھی زندہ ہے پس اب میرا کام صبر جمیل ہے عمدہ صبر وہ ہے کہ جس میں نہ جزع ہو نہ فزع ہو اور نہ شکوہ و شکایت ہو اور نہ ارادہ انتقام کا ہو اور جو تم یوسف کی ہلاکت کی داستان بیان کرتے ہو اسکے صبر پر اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں اس لیے کہ بغیر اللہ کی مدد کے صبر ناممکن ہے کما قال تعالیٰ قَاصِرٌ وَّ مَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ یعقوب علیہ السلام کو بیٹوں کی بات کا یقین تو نہ آیا مگر یوسف کی جدائی کا صدمہ بے حد ہوا۔ بیٹے اور بھائی اور عزیزوں کی جدائی کا صدمہ ایک امر طبعی ہے اور اولاد تو انسان کا ایک جزو ہے اور جب فرزند دلبند حسن صورت اور حسن سیرت سے آراستہ ہو اور خدا کا برگزیدہ اور پسندیدہ ہو تو اس کی جدائی کے رنج و الم کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے حضرت یعقوبؑ میں یہ ساری باتیں جمع تھیں پھر طرہ یہ کہ عجیب طرح سے مصیبت آئی بیٹا اگر بیماری میں مبتلا ہو کر مر جائے تو صبر آ جاتا ہے کیونکہ موت سے دل مایوس ہو جاتا ہے مگر یہاں بجائے موت کے گم ہونے کا واقعہ پیش آیا کہ نہ تو ہلاکت کا یقین ہے نہ کہ مایوس ہو جائیں اور نہ زندگی اور سلامتی کے کوئی آثار معلوم ہوتے ہیں جس سے پھر ملنے کی امید اور آرزو رکھیں۔ عجیب کشمکش میں مبتلا تھے کہ نہ مایوس ہو سکتے تھے اور نہ امید اور آرزو کی کوئی صورت نظر آتی تھی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو بندرجہ وحی بتلادیا گیا کہ یہ ایک امتحان ہے جس میں تم مبتلا کیے جا رہے ہو یہ پورا ہو کر رہے گا اور ایک مدت کے بعد تمکو اس مصیبت سے نجات ملے گی اور سلامتی کے ساتھ یوسف سے دوبارہ ملنا تم کو نصیب ہوگا۔ فی الحال کسی جستجو یا تلاش یا تدبیر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تلاش سے یوسف تو ملیں گے نہیں اور بیٹے رسوا ہو جائیں گے۔ لہذا صبر جمیل سے کام لیجئے کیونکہ قضا و قدر پر صبر ضروری ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۱۴ ج ۵ و ص ۱۱۵ جلد ۵)

خلاصہ کلام | یہ کہ یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ من جانب اللہ ایک ابتلا ہے ظالم کے ظلم پر اور ماکر کے مکر پر تو صبر ضروری نہیں مگر قضا و قدر پر صبر ضروری ہے قضا و قدر کے مقابلہ میں تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس وقت صبر جمیل ہی بہتر ہے اور صبر جمیل کے یہ معنی ہیں کہ

جب کوئی مصیبت نازل ہو تو بندوں سے شکایت نہ کرے کہ یہ مصیبت مجھ پر کہاں سے آگئی اس لیے یعقوب علیہ السلام روپیٹ کر بیٹھ گئے اور نہ یوسف علیہ السلام کی جستجو میں پڑے اور نہ بیٹوں سے انتقام کا ارادہ فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باپ اور بیٹے کے قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دیکھ لو صبر جمیل ایسا ہوتا ہے اور عفت و پاکدامنی ایسی ہوتی ہے اور یوسف علیہ السلام کا قصہ یہ ہوا کہ اتفاق سے ادھر ایک قافلہ آنکلا یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا۔ پس قافلہ والوں نے اپنا ایک آدمی پانی لینے کے لیے اس کنوئیں کی طرف بھیجا پس اس پانی لینے والے آدمی نے اپنا ڈول کنوئیں کے اندر لٹکایا، اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ یوسف تم اس ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ گئے جب ڈول باہر آیا تو ڈول کھینچنے والا ان کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور بولا اے بشارت تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ اے قافلے والو ابڑی خوش خبری یہ ہے کہ ایک عجیب و غریب لڑکا ہے جس کا حسن و جمال بے مثال ہے۔

چو آں ماہِ جہاں آراہ برآمد ز جانش بانگ یا بُشریٰ برآمد
بشارت کو چنین تار یک چاہے برآمد بس جہاں افروز ملے

اور قافلہ والوں نے اس کو سرمایہ تجارت بنا کر پوشیدہ رکھا کہ کوئی اس غلام کا دعویٰ نہ نکل آئے مصر جا رہے ہیں وہاں جا کر کسی بڑے دولت مند کے ہاتھ فروخت کریں گے اور خوب نفع کمائیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ قافلے والے اس کو بیچ کر نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ان کو خزانہ مصر کا مالک بنادے۔ چنانچہ بھائیوں کو خبر لگی کہ قافلے والے نکال لے گئے تو وہاں پہنچے اور قافلہ والوں سے یہ ظاہر کیا کہ یہ ہمارا غلام ہے گھر سے بھاگ آیا ہے چونکہ اسے بھانگنے کی عادت ہے اس لیے ہم اب اس کو رکھنا نہیں چاہتے تم اگر خریدنا چاہو تو ہم تم کو سستے داموں میں دیدیں گے اس طرح خرید و فروخت کا معاملہ طے پا گیا اور اس سے ان کو معمولی قیمت پر یعنی چند گنتی کے درہم پر فروخت کر دیا کم و بیش بیس درہم میں ان کو بیچ ڈالا اور دو درہم آپس میں بانٹ لیے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ بھائی ان کے بارے میں بے رغبت تھے ان کا مقصود فروخت کرنا نہ تھا بلکہ یہاں سے ٹلانا ان کا مقصود تھا کہ یوسف کسی طرح یہاں سے دوسرے ملک چلے جائیں درہم محدودہ پر قناعت کی۔ بھائیوں کو جب یوسف علیہ السلام کے کنوئیں سے نکل آنے کی خبر ہوئی تو غلبہ حسد کی وجہ سے یہ چاہا کہ یوسف کو ایسی مصیبت اور بلا میں مبتلا کر دے کہ آئندہ چل کر کسی عزت و رفعت کے مقام پر پہنچنے کا امکان ہی ختم ہو جائے۔ اس لیے اس قسم کے مکر و فریب میں لگے ہوئے تھے مگر خداوند ذوالجلال کے یہاں انکی رفعت اور سر بلندی مقدّر ہو چکی تھی اس لیے اسکی تقدیر کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔



وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِمَرْأَتِهِ أَكْرِمِي

اور کہا جس شخص نے خرید کیا اس کو مصر سے اپنی عورت کو، آبرو سے رکھ اسکو

مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۖ ط

شاید ہمارے کام آوے یا ہم کر لیں اسکو بیٹا

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ

اور اس طرح جگہ دی ہم نے یوسف کو اس ملک میں اور اس واسطے

مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۖ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ

کہ اسکو سکھاویں کچھ کل بٹھانی باتوں کی اور اللہ جیت رہتا ہے اپنا

أَمْرِهِ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا

کام اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور جب

بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

پہنچا قوت کو دیا ہم نے اسکو حکم اور علم اور ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں

الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَرَأَوْدَتُهُ لَتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ

ہم نیکی والوں کو۔ اور پھسلایا اسکو عورت نے جسکے گھر میں تھا

نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۖ قَالَ

اپنا جی تھامنے سے اور بند کیئے دروازے اور بولی شتابی کر۔ کہا

مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ

خدا کی پناہ ! وہ (عزیز) مالک ہے میرا اچھی طرح رکھا ہے مجھ کو البتہ بھلا نہیں پاتے

الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ

جو لوگ بے انصاف ہیں۔ اور البتہ عورت نے فکر کی اسکی اور اس نے فکر کی عورت کی۔ اگر نہ ہوتا

رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَ

یہ کہ دیکھی قدرت اپنے رب کی، یوں ہی ہوا اس واسطے کہ ہٹا دیں اس سے برائی اور

الْفَحْشَاءُ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٣﴾ وَاسْتَبَقَا

بے حیائی۔ البتہ وہ بے ہمالے چنے بندوں میں۔ اور دونوں دوڑے

الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا

دروازے کو اور عورت نے چیر ڈالا اسکا کرتہ پیچھے سے اور دونوں مل گئے عورت کے

لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا

خاوند سے دروازے پاس، بولی اور کچھ سزا نہیں ایسے شخص کی جو چاہے تیرے گھر میں بُرائی

إِلَّا أَنْ يُسَجِّنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي

مگر یہی کہ قید پڑے یا دکھ کی مار۔ یوسف بولا اسی نے خواہش کی

عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ

مجھ سے کہ نہ تمہاروں اپنا جی، اور گواہی دی ایک گواہ نے عورت کے لوگوں میں سے اگر ہے

قَمِيصُهُ قَدْ مِّنْ قَبْلِ فَصَدَّقَتْ وَهُوَ مِنْ

اُسکا کرتہ پھٹا آگے سے تو عورت سچتی ہے اور وہ ہے

الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ

جھوٹا۔ اور اگر ہے اس کا کرتہ پھٹا پیچھے سے تو

فَكَذَبْتَ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ

یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ پھر جب دیکھا اعزیز نے کرتہ

قَدْ مِّنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِّنْ كِيدِ كُنٍّ ط إِنَّ كَيْدَ كُنٍّ

اسکا پھٹا پیچھے سے کہا بے شک یہ ایک فریب ہے عورتوں کا۔ البتہ تمہارا فریب

عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي

بڑا ہے۔ یوسف! جانے دے یہ مذکور۔ اور عورت! تو بخشوا اپنا



لَذَنَبِكَ ۖ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

گناہ - یقین ہے کہ تو ہی گناہ گار تھی -

ذکر الطاف و عنایات خداوندی

یوسف صدیق علیہ السلام قصہ او بازانِ عزیز مصر
قال الله تعالى و قَالَ الَّذِي اشْتَرَاكَ مِنْ هَـٰٓصِلٍ ... اِلَى ... اِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ
(ربط) آغاز سورت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ارادہ خداوندی یہ ہے کہ یوسف کو اپنا برگزیدہ
بندہ بنائے اور علم تعبیر ان کو کھلتے اور انکے آباء و اجداد کی طرح ان پر اپنی نعمتیں پوری کرے بعد ازاں بھائیوں
کا ماجرا ذکر کیا کہ بھائی کو لے جا کر کنوئیں میں ڈالا اور غلام بنا کر گنتی کے دراہم میں فروخت کر دیا۔ اب ان
آیات میں حق جل شانہ اپنے الطاف و عنایات کا ذکر کرتے ہیں کہ ہم نے اپنی رحمت سے یوسف کو کہاں
سے کہاں پہنچا دیا۔ زندان چاہ سے نکال کر قصر شاہی میں پہنچایا تاکہ شہزادوں کی طرح ناز و نعم میں پلیں۔ اَوْ تَتَّخِذَهُ
وَلَدًا اور وزیر اعظم کے گھر میں رہ کر سلطنت کے رموز اور اشاروں کو سمجھیں۔

(۱) اس دوران میں ایک ابتلا پیش آیا کہ عزیز مصر کی بیوی نے انکے دامن عصمت کو داغدار کرنا چاہا مگر یوسف
علیہ السلام اسکی طرف مائل نہ ہوئے اور عفت و نراہت میں نمونہ ملائک ثابت ہوئے۔ مَا هَذَا بَشَرًا
اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ۔

(۲) اس کے بعد جیل خانہ کا ابتلا پیش آیا جس میں پہنچ کر وَلِنُعَلِّمَهُۥ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاٰحَادِيْثِ۔ کا جلوہ
نمودار ہوا۔

(۳) پھر جیل خانہ سے رہائی کے بعد عزیز مصر بنے اس وقت انبیاء اور صدیقین کا ساز ہد - ظاہر ہوا کہ مصر کے
خزائن یوسف صدیق کے ہاتھ میں ہیں اور زندگی فقیرانہ اور درویشانہ تھی۔

(۴) پھر سلطنت پر قحط سالی کا دور آیا جس کا انتظام پہلے ہی سے رویا کے ذریعے بتلادیا گیا۔

(۵) پھر آخر وہی بھائی جنہوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا اور غلام بنا کر دراہم محدودہ میں فروخت کیا تھا یوسف کی خدمت میں
غلہ لینے کے لیے آئے تو ایک نے دوسرے کو پہچان لیا اور یوسف علیہ السلام نے اس وقت بھائیوں کی گزشتہ بیوفائیوں کا کوئی ذکر
نہیں کیا بلکہ مدارات اور احسان اور تواضع میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا یہ بھی ایک عظیم ابتلا رکاوٹ تھا۔ ممکن تھا کہ طبیعت بشریہ
اگر انتقام پر آمادہ نہ ہوتی تو شکوہ شکایت سے تو گریز نہ کرتی مگر پیغمبرانہ اور صدیقانہ حلم اور کرم نے اس وقت زبان سے لَا تُزِیْبُ
عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ نکلوایا۔ اب اس ہمید کے بعد آیات کی تفسیر پڑھیے۔ اور قافلہ
والے یوسف علیہ السلام کو بھائیوں سے خرید کر مصر لے گئے اور فروخت کر نیکی انکو بازار میں کھڑا کر دیا اس بے مثال حسن و جمال کو دیکھ کر دنیا
حیران رہ گئی۔ ۷۰ آراستہ آن بازار بہر آمد ۷۱ فریاد و فغاں از درود یوار بہ آمد

خرید قیمت بڑھانے لگے نوبت بائینا رسید کہ یوسف کے برابر تول کر سونا اور چاندی اور مشک دیبا دینے پر تیار ہوئے عزیز مصر نے پیش بہا قیمت دیکر ان کو خرید لیا یہ عزیز مصر کے تمام خزانوں کا مالک تھا اور بادشاہ مصر کا بہت مقرب تھا اس کا نام قطفیر تھا اور اس کی بی بی کا نام زلیخا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام راعیل تھا۔ خرید کر یوسف علیہ السلام کو گھر لے گیا اور اہل مصر میں سے جس شخص نے انکو خرید لیا یعنی عزیز مصر نے۔ اس لئے انکو اپنے ساتھ لا کر اپنی بیوی کے سپرد کیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اسکا ٹھکانا اچھا کرنا۔ یعنی عزت و حرمت کیساتھ رکھنا غلام کی طرح اس کو نہ رکھنا شاید یہ ہم کو نفع پہنچا دے یا ہم اسکو اپنا بیٹا بنالیں یہ لڑکا بڑا ہو نہاں معلوم ہوتا ہے۔ جب اولاد نہیں تو اس کو بیٹا بنالیں گے عزیز مصر لاؤں گے اس لئے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم یوسف کو اپنا بیٹا بنالیں گے اس لئے کہ ہم و فرست کے آثار یوسف علیہ السلام کے چہرے سے نمایاں تھے۔ نفع پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ امور سلطنت میں ہمارا معین و مددگار بنے عبداللہ بن مسعود فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ صاحب فرست تین شخص گزرے ہیں اول عزیز مصر جس نے یوسف کو دیکھتے ہی تار لیا اور انکی فہم و فراست کا اندازہ لگالیا اور اپنی بیوی سے کہا اگرمی متولد عسی ان ینفعنا اؤنخذہ و لدنا۔ دوم حضرت شعیب کی صاحبزادی جس نے موسیٰ کی قوت و امانت کو دیکھ کر اپنے باپ کو یہ شورہ دیا یا بَتِ اسْتَأْجِرْهُ اِنْ خَيْرٌ مِّنْ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوٰی الْاٰمِیْنُ۔ اسے باپ انکو نوکر رکھ لیجئے۔ بہترین شخص جس کو نوکر رکھا جائے وہ وہ ہے کہ جو صاحب قوت اور صاحب امانت ہو۔ سوئم حضرت ابوبکر صدیقؓ جنھوں نے حضرت عمرؓ کی فہم و فراست کا اندازہ لگالیا اور اپنے بعد انکو اپنا جانشین بنایا۔ اور اسی طرح ہم نے رفتہ رفتہ یوسفؑ کو زمین مصر میں جایا اور اس ملک میں ان کے قدم جلتے یعنی جس طرح ہم نے ان کو قتل اور کنوئیں سے نجات دی اور عزیز کے دل میں انکی محبت ڈالی اسی طرح ہم نے انکو عزت اور کرامت کی جگہ دی اور عزت کے بلند مقام تک انکو پہنچایا تاکہ ہم ان کو خوابوں کی تعبیر سکھلائیں۔ مطلب یہ ہے کہ نجات دینے سے مقصد یہ تھا کہ ظاہری عزت و رفعت کے ساتھ علم تعبیر کی دولت سے بھی نوازیں کیونکہ رویائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہیں جو امور غیبیہ اور اسرار الہیہ کے انکشاف کا ذریعہ ہیں جس سے آئندہ واقعات کا علم ہوتا ہے پس علم تعبیر کے ذریعہ سے وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات و حوادث کا پیش آنے سے پہلے انتظام سوچ لیں چنانچہ ہی علم تعبیر جیل خانہ سے نکلنے کا ذریعہ بنا۔ اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اپنے کام اور ارادہ میں کوئی اس کے ارادہ کو روک نہیں سکتا و لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں کہ اللہ کا ارادہ کیا ہے اور وہ کس طرح پورا ہوگا بھائیوں نے انکی ذلت کا ارادہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے انکی عزت و رفعت کا ارادہ کیا اور انکو خوابوں کی تعبیر سکھائی اور اس علم کا ظہور جیل خانہ میں ہوا جبکہ ساتی نے رہائی کے بعد بادشاہ سے یوسف علیہ السلام کے تعبیر خواب کا حال بیان کیا اور یہی علم تعبیر بادشاہ کے تقرب کا ذریعہ بنا۔

نکتہ کمالات حقیقیہ دو ہیں ایک علم اور ایک قدرت اور وَ لِنُعَلِّمَهُۥ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ سے کمال علم کی طرف اشارہ ہے وَ کَذٰلِکَ مَكِّنَّا لَیُوسُفَ سے صفت قدرت و کمند کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو صفت علم اور صفت قدرت سے خاص طور پر نوازا اور جب یوسفؑ اپنی پوری جوانی کو پہنچے یعنی قوائے جسمانیہ و روحانیہ کے اعتبار سے حد کمال کو پہنچے تو ہم نے بلا کسی استناد اور معلم کے خاص علم و حکمت عطا کیا۔ اور حکمت سے مراد یا تو نبوت ہے یا وہ علم صحیح مراد ہے کہ جو انسان کو جہالت اور خطار سے اور نفس کو شہوات سے محفوظ رکھے۔ (زاوالمیرلابن الجوزی ص ۲۶)

اصطلاح شریعت میں حکمت اس علم صحیح کو کہتے ہیں جس کے ساتھ عمل صالح بھی مقرون ہو ورنہ وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے (روح المعانی ص ۱۸۷ جلد ۱۲)

اور بعض کہتے ہیں کہ عالم وہ ہے جو جانتا ہو اور حکیم وہ ہے جو مقتضائے علم پر چلتا ہو اور اسی طرح ہم نبیوں کا رد کو انعام اور جزا دیتے ہیں۔ جو صدق اور اخلاص کے ساتھ اللہ کی اس طرح عبادت کرتے ہوں گویا کہ وہ اللہ کو دیکھ رہے ہیں یعنی جس طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کو علم اور حکمت اور ظاہری عزت و رفعت سے نوازا اسی طرح ہم دیگر محبین کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کو اس وقت مقام احسان یعنی مقام ان تعبد الله کانتک تراہ حاصل تھا اور اللہ کا یہ احسان انکے اس احسان کی جزا تھی (بعد ازاں ایک ابتلا پیش آیا)

اور اس عزت و کرامت اور عطاء علم و حکمت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ابتلا پیش آیا جس سے یوسف علیہ السلام کی کمال عفت و عصمت اور کمال تقویٰ اور نزاہت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ایک طرف تو الطاف ربانیہ سے انکی تربیت ہو رہی تھی اور دوسری طرف عزیز مصر کی بیوی زلیخا نے ان کے سامنے ایک نہایت منزلتہ الاقدام موقع امتحان و آزمائش کھڑا کر دیا۔ یعنی زلیخا حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال پر مفتون ہو گئی اور جس عورت کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتے تھے۔ یعنی زلیخا۔ عزیز مصر کی بیوی جو ہر وقت ان کے حسن و جمال کو دیکھتی تھی۔ بالآخر ان پر فریفتہ ہو گئی اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے یوسف علیہ السلام کو پھسلانا چاہا کہ وہ مقام عفت و نزاہت سے پھسل کر زلیخا کی طرف مائل ہو جائیں۔ بہر حال زلیخا کا مقصد یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کو انکی ذات سے ہٹا دے اور پھسلادے اور سب دروازے بند کر دیئے کہ یوسف کہیں نکل کر بھاگ نہ جائیں۔ اور اس کے بعد بولی ادھر آ جا میں تجھ ہی کو کہہ رہی ہوں یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ بھاگنے کے لیے راستہ ہی نظر نہیں آتا تو گھبرا کر (اول) تو یہ کہا کہ خدا کی پناہ۔ اللہ مجھے اس کام سے پناہ دے جس کی طرف تو مجھے بلاتی ہے جس کی قباحیت اور شاعت میں کوئی شبہ نہیں (دوم) یہ کہ بے شک وہ شخص جس نے مجھے خرید لیا ہے یعنی تیرا شوہر وہ میرا مربی اور محسن ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا اس کے احسان کے بدلہ میں میں اس سے بُرائی نہیں کر سکتا۔ ولی نعمت کے حق نعمت کی رعایت عقلاً و شرعاً فرض اور لازم ہے اس لیے میں اس کے حرم میں خیانت کے ساتھ دست درازی نہیں کر سکتا۔ (سوم) یہ کہ ظالم لوگ یعنی جو لوگ حق کو نہ پہچانیں اور نیکی کے بدلہ بدی کریں وہ فلاح نہیں پاتے پس اگر محاذ اللہ میں بھی ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور فلاح نہ پاؤں گا۔ لہذا تجھ کو بھی چاہیئے کہ اس بُرے کام سے بھاگ کر اللہ کی پناہ میں داخل

عنه قال اللغويون المحكم عند العرب ما يصرف عن الجهل والخطاء و يمنع منها و يرد النفس عما يشينها و يعود عليها بالضرر و منه حکمت الدابة و اصل الحكمة في اللغة المنع و سمى الحاكم حاكماً لانه يمنع عن الظلم و النزيغ۔ (زاد المسير ص ۲ جلد ۴) مثلاً عن هـادينا به ترجمہ عن نفسه میں کلمہ عن کا ہے کیونکہ لفظ عن کلام عرب میں مجاوزت کے لیے آتا ہے۔

ہو جا اور سمجھ لے کہ زنا اپنے اوپر بھی ظلم ہے اور شوہر پر بھی ظلم ہے۔

ناظرین کرام نے ان آیات سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اگر زلیخا پر فطرت بشری اور نفس امارہ کا غلبہ تھا تو یوسف علیہ السلام پر خدا داد علم و حکمت اور پیغمبرانہ عصمت و نزاہت کا غلبہ تھا۔ خود بھی اس برائی سے محفوظ ہیں اور اس کو بھی وعظ و نصیحت فرما رہے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ زلیخا نے تو جال ہی بچھا ڈالا ہے تو گھبرا کر معاذ اللہ کہا اور اللہ کی پناہ میں داخل ہو گئے اور جس نے خدا کی پناہ لی اس پر کس کا وار چل سکتا ہے۔ اور پھر یہ فرمایا۔ **إِنَّكَ رَجُلٌ حَسَنٌ هَتَوَايَ** اور پھر یہ فرمایا **إِنَّكَ لَا يَفْلَحُ الظَّالِمُونَ**۔

ناظرین غور فرمائیں کہ دلائل یوسفی کی یہ ترتیب بھی یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا ایک نمونہ ہے دلائل کی یہ ترتیب غایت درجہ مستحسن ہے اب آگے چھ حضرت یوسف علیہ السلام کی کمال عفت کا بیان ہے اور البتہ تحقیق فکر کی اس عورت نے یوسف علیہ السلام کو بچھا لسنے کی۔ اور یوسف علیہ السلام نے فکر کی اس کے دفع کرنے کی اور اپنے سے بچانے کی اور وہاں سے بھاگنے اور اس کے جال سے نکلنے کی۔ اگر یوسف نے اپنے پروردگار کی دلیل اور حجت کو اور اپنے رب کریم کی عظمت اور کبریائی کو نہ دیکھا ہوتا تو ایسے وقت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل تھا کیونکہ اسباب اور دواعی سب موجود تھے اور مانع کوئی موجود نہ تھا مگر جس نے خدا کی حجت اور دلیل کو دیکھ لیا ہو اور زنا اور بدکاری کی قباحیت اور شناعة اس پر روز روشن کی طرح واضح ہو اور خدا کی عظمت اور جلال اس کے سامنے ہو وہ نفس اور شیطان کے جال میں کہاں پھنس سکتا ہے جس پر خدا کی دلیل اور برہان سے زنا کی حرمت اور شناعة منکشف ہو جائے وہ بُرے کام سے متنفر اور پیارا ہو کر اسی طرح بھاگتا ہے۔ دیکھو اسی طرح ہم نے یوسف کو اپنی برہان دکھائی اور اپنی پناہ میں لے لیا۔ تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھر دیں یعنی جو برائی اور بے حیائی یوسف کے پاس آنا چاہتی ہے ہم اس کو یوسف کے قریب بھی نہ آنے دیں تاکہ اس کے دامن عفت و عصمت پر کوئی دھبہ نہ لگ جائے کیونکہ وہ بلاشبہ ہمارے ان معصوم اور مخلص بندوں میں سے ہیں جن پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور دوسری جگہ اس طرح آیا ہے **فَبَعَثْنَاكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ** اس آیت میں شیطان کے اقرار کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے یہ اعتراف کیا کہ اس کے لیے خدا نے تعالے کے عباد مخلصین کا اغواء ممکن نہ ہو گا اور یوسف علیہ السلام بھی خدا کے مخلصین میں سے ہیں اصطلاح قرآن میں عباد مخلصین خدا کے ان چیدہ اور برگزیدہ بندوں کو کہا جاتا ہے کہ جو خالص اللہ اور آخرت کے ہو گئے ہو اور نفس اور شیطان کا کوئی شائبہ ان میں باقی نہ رہا ہو کما قال تعالیٰ **وَإِذْ كُنَّا نَبْرَأُكَ يَا إِبْرَاهِيمَ** **ذِكْرُنِي الذِّكْرَ وَتَأْمُرُ عِبَادَكَ بِأَتِيَنَّهُمُ الْمُضْطَفِينَ** **الْأَجْيَارَ** یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے حق میں ہے اور زیر تفسیر آیت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہے جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب کی اولاد میں سے ہیں ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام علم اشارہ اس طرف ہے کہ **لَوْلَا أَنْ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ** کی جزاء محذوف ہے وہ یہ ہے جو ذکر کی گئی ہے، منہ عفا اللہ عنہ

کی طرح عباد مخلصین میں شمار فرمایا ہے۔ پس صاف ظاہر ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سوء اور فحشاء کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں فرمایا تھا وہ اللہ کے عباد مخلصین میں سے تھے جس پر نفس اور شیطان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوسف کو عباد مخلصین میں اور اس سے پہلے انکو عباد محسنین میں سے فرمایا۔ اس قسم کے تمام اوصاف مدح یوسف علیہ السلام کی عصمت کے دلائل ہیں معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام ہر گناہ سے پاک اور بری رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام سے کوئی کلمہ توبہ اور استغفار کا منقول نہیں یہ ناممکن ہے کہ نبی اور صدیق سے کوئی امر خلاف اولیٰ سرزد ہوا اور وہ توبہ اور استغفار نہ کرے اور

لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهِ - کے بعد حق تعالیٰ شانہ کا یہ فرمانا لِنُصِيفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ تاکہ ہم یوسف سے سوء اور فحشاء کو دور رکھیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ سوء اور فحشاء یوسف کی طرف آنا چاہتے تھے اللہ نے سور کو دور رکھا اور یوسف کے پاس نہ آنے دیا۔ معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سور اور فحشاء کی طرف مائل نہ تھے ورنہ اس طرح فرماتے لِنُصِيفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ۔ کہ ہم نے یوسف کو سوء اور فحشاء سے دور رکھا اور یوسف کو سور اور فحشاء کے پاس جلنے سے باز رکھا۔ پس یہ تعبیر اس امر کی صریح دلیل ہے کہ سور اور فحشاء چل کر یوسف علیہ السلام کی طرف آنا چاہتے تھے معاذ اللہ یوسف علیہ السلام سور اور فحشاء کی طرف نہیں جارہے تھے جو کسی کی طرف ناجائز قدم اٹھائے اسکے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس کو آنے سے اور اندر داخل ہونے سے روک دیا گیا ہے پس خوب سمجھ لو کہ سور اور فحشاء یوسف صدیق کی بارگاہ عفت و عصمت کی طرف قدم اٹھانا چاہتا تھا خداوند قدوس نے انکو آنے سے روک دیا معاذ اللہ اگر یوسف صدیق کے ارادہ میں کوئی حرکت ہوتی تو یوں فرماتے کہ ہم نے یوسف کو سور اور فحشاء کی طرف جانے سے روک دیا پس یہ آیت اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ یوسف نے کسی سور اور فحشاء کا قصد نہیں کیا اس لیے کہ بُرے کام کا ہم اور قصد بھی سور اور فحشاء ہے اور اس آیت میں یہ بتلادیا کہ اللہ کریم نے سور اور فحشاء کو یوسف علیہ السلام سے دور رکھا۔ اور علیٰ ہذا شروع آیت میں یہ فرمانا کہ وَرَا وَدَتْهُمُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یوسف علیہ السلام کا ارادہ امْرَءَةُ الْعَزِيزِ کے ارادہ سے مختلف تھا کیونکہ مرادوت۔ باب مفاعلت کا صیغہ ماضی ہے جس کا مصدر مرادوت ہے بروزن مقاتلت اور مضاربت اور تمام کتب لغت اور صرف میں یہ تصریح ہے کہ باب مفاعلت مقابلہ اور مشارکت کے لیے آتا ہے مقاتلت کے معنی قتل میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور مضاربت کے معنی ضرب میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا مخارعت ایک دوسرے کو دھوکہ دینا اور اسی طرح مرادوت کے معنی سمجھو کہ جو ”رود“ بمعنی طلب مشتق ہے کہ طلب اور ارادہ میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا ایک طرف طلب کا نام ارادہ عجب طلب اور خواہش میں دو طرفہ مقابلہ ہو تو لغت میں اس کا نام مرادوت ہے تو لفظ وَرَا وَدَتْهُمُ، خود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کی طلب مختلف تھی۔ طلب اور خواہش میں دونوں کا مقابلہ مشروع ہوا۔ یوسف کی طلب اور تھی اور زلیخا کی طلب اور تھی۔ زلیخا یہ چاہتی تھی کہ یوسف کو پھسلا کر اسکی ذات قدسی صفات سے ہٹا کر اپنی طرف کھینچ لے۔ کما قال اللہ تعالیٰ سَوَّادُ عَنْهُ اَبَاہُ۔ اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ باپ کی طلب بیٹوں کی طلب سے مختلف تھی۔ اور وَلَقَدْ

هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا۔ کا لفظ بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ کہ امراء العزیز اور یوسف علیہ السلام دونوں کا فکر اور ہم بالکل ایک دوسرے سے مختلف اور جدا تھا ہر ایک کو اپنی اپنی فکر تھی۔ امراء العزیز کو اپنے مطلب کی فکر تھی اور یوسف صديق کو اسکے دفعیہ کا فکر تھا حق جل شانہ نے امراء العزیز کے ہم کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا۔ فرمایا اور یہ نہیں فرمایا کہ وَلَقَدْ هَمَّتَا کہ دونوں نے قصد اور ارادہ کیا معلوم ہوا کہ دونوں کا قصد اور ارادہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ قرآن کریم میں ہے۔ وَمَكْرُؤًا وَمَكَرَ اللَّهُ۔ وَمَكْرُؤًا مَكْرًا وَمَكْرًا مَكْرًا۔ اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَ اَكِيدُ كَيْدًا۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کافروں کے مکروہ کید کو علیحدہ ذکر فرمایا ہے اور اپنی مکروہ کید کو علیحدہ ذکر فرمایا معلوم ہوا کہ اللہ کا کید اور مکروہ کافروں کے کید و مکروہ سے مختلف اور جدا تھا دونوں مکروہ اور کید ایک قسم کے نہ تھے اسی طرح یہاں سمجھو کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا۔ کا مطلب یہ ہے کہ زلیخانے اپنے مطلب کی فکر کی اور یوسف علیہ السلام نے اسکے مقابلہ اور دفع کی فکر کی ہے ہر ایک کا ہم دوسرے سے مختلف اور جدا تھا۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ روحانی اور کشفی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قصہ میں یہ فرمایا ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَ هَمَّ بِهَا اور اس ہم کی کوئی تعیین نہیں فرمائی بظاہر اشتراک معلوم ہوتا ہے یوسف علیہ السلام نے جواب میں یہ فرمایا۔

ہاں تو نے سچ کہا لیکن وہ اشتراک صرف لفظ میں ہے نہ کہ معنی میں اس نے یہ ارادہ کیا کہ مجھے اپنے مطلب پر مجبور کرے اور میں نے یہ ارادہ کیا کہیں اسکے دفع کرنے میں غالب آجاؤں پس اشتراک طلب قہر اور غلبہ میں ہے مگر ہر ایک کا مقصد اور مطلب الگ الگ اور جدا جدا ہے۔

نعم صدقت لكن في اللفظ دون المعنى فانها همت بي فتعمدني على ما كانت ادادت متي وهمت انا بها لا قهرها بالدفع عن ذلك فلا اشتراك في طلب القهر مخي و منها۔

اور فرمایا کہ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود امراء العزیز نے اقرار کیا اَلَا نَحْصَحُ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ۔ اور میرے قستہ میں کسی جگہ قرآن میں یہ نہیں آیا کہ اَنَا رَاوَدْتُهَا عَنْ نَفْسِهَا۔ اور یہ فرمایا کہ میں کیسے اس کا ارادہ کرتا اللہ نے مجھے اپنی برہان دکھائی۔ (دیکھو۔ البواقیت والجواب ص ۱۳ جلد ۲) نیز انبیاء کرام سے اگر ذرا بھی بھول چوک ہو جاتی ہے تو اس کو اتنا عظیم سمجھتے ہیں کہ سالہا سال تک توبہ استغفار میں لگے رہتے ہیں اور اس واقعہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ایک لفظ توبہ استغفار کا منقول نہیں ہوا کیونکہ اس واقعہ میں ان سے کوئی غلطی اور لغزش ظہور میں نہیں آئی۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ یہ تو ناممکن ہے کہ دونوں کا ہم اور قصد ایک ہی قسم کا ہو لہذا ضروری ہوا کہ ہر ایک کے ہم کو اس کے قصد پر محمول کیا جائے جو اسکے مناسب ہو پس عورت کے لائق یہ ہے کہ لَقَدْ هَمَّتْ بِہ میں اسکے قصد کو تحصیل لذت پر محمول کیا جائے اور ہم بِہا میں خدا کے برگزیدہ بندہ کے ہم کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دفع مصیبت کے ہم پر محمول کیا جائے۔ لہذا وَ هَمَّ بِہَا کے معنی یہ ہونگے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نفس سے اس امر قبیح کے دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (تفسیر کبیر ص ۱۲۲ ج ۵) اور اسی کے قریب قریب ابن انباریؒ کا قول ہے جس کو ابن جوزیؒ نے نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ مگر اللہ کریم کی برہان کو دیکھ کر خیال آیا کہ مارنا مناسب نہیں ورنہ زلیخا ان پر یہ الزام قائم کرے گی کہ اس نے مجھے اس لیے مارا تھا۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۲۰۶ جلد ۴)

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ وَ هَمَّ بِہَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّہ۔ کا جواب مقدم ہے جس سے آیت کا مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ تو وہ بھی ارادہ کر لیتے مگر چونکہ انہوں نے خدا کی برہان کو دیکھ لیا تھا اس لیے ارادہ بھی نہیں کیا جیسا کہ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِي بِہ لَوْلَا اَنْ رَّا بَطْنًا مِّنْ جُؤْثَرَ اُولَئِہِمْ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ الْاِلَہِہِہِہِ لَوْلَا اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْہَا میں بھی لَوْلَا کا جواب مقدم ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ہم کے معنی قصد اور ارادہ کے نہیں مگر محض خیال آجلانے کے معنی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت دل میں بے اختیار خیال آبا مگر انہوں نے خدا کی برہان دیکھ کر اس پر عمل نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بالکل محفوظ رکھا۔

جیسے روزہ دار کو گرمی میں بے اختیار پانی کا خیال آ جاتا ہے مگر وہ پانی پیتا نہیں اسی طرح سمجھو کہ یوسف علیہ السلام کے دل میں اگر ایسا خیال آیا تو وہ خیال محض غیر اختیاری خطرہ کے درجہ میں تھا عزم کے درجہ میں نہ تھا اس لیے کہ انبیاء کرامؑ اس بات سے قطعاً معصوم ہیں کہ وہ معصیت کا عزم کریں اور اسی قول کو عامہ مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ (زاد المسیر ص ۲۰۳ ج ۵)

اور بعض مفسرین نے جو اس بارہ میں نازیبا واقعات نقل کیے ہیں وہ سب قطعاً غلط ہیں اور آیت کے سیاق و سباق کے بالکل خلاف ہیں کیونکہ قصہ کا تمام سیاق و سباق حضرت یوسف علیہ السلام کی مدح اور منقبت اور ان کی کمال عفت و عصمت کے بیان سے بھرا پڑا ہے اور قرآن کریم کی آیات خود اس کی تکذیب و تردید کے لیے کافی ہیں۔

عَلَى قَالَ الْاِمَامُ الْمُرَادَانِہِ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُم بِدَفْعِہَا عَنْ نَفْسِہِ وَ مَنَعِہَا عَنْ ذَٰلِكَ الْقَبِيحِ لِاَنَّ الْاَمْرَ هُوَ الْقَصْدُ فَوَجِبَ اَنْ يَحْمَلَ فِي كُلِّ اَحَدٍ عَلَى الْقَصْدِ الَّذِیْ یَلِیْقُ بِہِ فَالْاَلْفُ بِالْمَرْءِ الْقَصْدُ اِلَى تَحْصِیْلِ اللَّذَةِ وَ التَّنَعُّمِ وَ التَّمَتُّعِ وَ الْاَلْفُ بِالرَّسُولِ الْمَبْعُوثِ اِلَى الْخَلْقِ الْقَصْدُ اِلَى زَجْرِ الْمَعَاصِیِ عَنْ مَعْصِیَہِہِہِ وَالْاَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ وَ النَّہِیِ عَنِ الْمُنْكَرِ (تفسیر کبیر ص ۱۲۲ جلد ۵)

بالآخر جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ حال دیکھا تو جان بچا کر بھاگنے کا ارادہ کیا فَفِئْشُوا إِلَى اللَّهِ زلیخا کے پیچھے دوڑی اور اس طرح آگے پیچھے دونوں دروازے کی طرف دوڑے یوسف علیہ السلام اپنے آپ کو محصیت سے بچانے کو دوڑے اور زلیخا انکو پکڑنے کے لیے بھاگی اور انکے کرتے کا پیچھے کا دامن اس کے ہاتھ میں آگیا اور پیچھے کی جانب سے انکا کرتہ چیر ڈالا۔ آگے آگے یوسف تھے اور پیچھے پیچھے زلیخا تھی مگر یوسف علیہ السلام کسی طرح دروازے سے باہر نکل گئے اور جوں توں کر کے مکان سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادھر یہ دونوں دروازہ پر پہنچے اور ادھر اتفاق سے دونوں نے عورت کے آقا یعنی شوہر کو دروازہ میں کھڑے پایا۔ زلیخا شوہر کو دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئی معلوم نہیں کہ بند دروازہ کس طرح کھل گیا بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے کھولنے سے کھل گیا اور بعض کہتے ہیں کہ خود بخود کھل گیا۔ پس جب عورت نے شوہر کو دروازے میں کھڑا پایا تو حقیقت کو چھپانے کے لیے اور فضیحت سے بچنے کے لیے اور اپنے کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے ایک مکر بنایا اور الْإِثْمَ الزَّامَ یوسف علیہ السلام پر لگا دیا اور اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیرے اہلخانہ کے ساتھ بدی کا تصور کرے اور تیری اہلیہ کو بے آبرو کرے یہ کہہ کر اس کو غصہ دلایا مگر یہی کہ ابک دو روز کے لیے اس کو جیل خانہ میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور دکھ کی مار دی جائے۔ عذاب الیم سے درد شدید مراد ہے جس سے تکلیف اور درد ہو زلیخا نے قید اور تکلیف کا تو ذکر کیا مگر یہ نہ کہا کہ اسکو قتل کر دیا جائے اس لیے کہ اسکا دل قتل پر آمادہ نہ تھا اور مستقل قیدی بنانے پر بھی آمادہ نہ تھا بلکہ یہ چاہتی تھی کہ صرف دو تین دن کے لیے اسکو جیل خانہ بھیج دیا جائے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ یہ جو کچھ بطور تعریض میری طرف منسوب کر رہی ہے وہ بالکل جھوٹ ہے بلکہ معاملہ برعکس خود اسی عورت نے مجھ سے خواہش کی اور مجھے پھسلایا اور پہلایا اور اسی نے جبراً و قہراً مجھ کو میرے نفس سے ہٹانا چاہا اور میں نے انکار کیا اور اس کے فتنہ سے اپنی جان بچانے کے لیے بے تحاشا بھاگا اور یہ میرے پیچھے لگی چلی آئی یہاں تک کہ جب میرے اوپر بس نہ چلا تو پیچھے سے میرا کرتہ کھینچا جو اس کھینچنا تانی میں پھٹ گیا۔ یہ خواہش تو اس کی تھی۔ معاذ اللہ میری خواہش ہرگز نہ تھی۔

زلیخا ہرچہ می گوید دروغ است : دروغ او چراغ بے فروغ است

یہ جواب سن کر عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکی اور طہارت کا یقین واثق ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں سارا قصور اس کی بیوی کا ہے مگر باوجود اس کے حق تعالیٰ نے اتمام حجت کے لیے ایک ظاہری شہادت بھی پیدا فرمادی جو پردہ غیب سے ظاہر ہوئی اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ اسی عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر یوسف کا پیراہن آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچ کہتی ہے اور یوسف جھوٹوں میں سے ہے اس لیے کہ یہ صورت اس بات کی علامت ہے کہ زلیخا نے یوسف کو اپنے سے دفع کرے کا قصد کیا تو آگے سے انکا پیراہن پھٹ گیا اور اگر یوسف کا پیراہن پیچھے کی جانب سے پھٹا ہے تو زلیخا جھوٹ کہتی ہے اور یوسف سچوں میں ہے اس لیے کہ یہ حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یوسف علیہ السلام تو اس سے بھاگنا چاہتے تھے اور زلیخا نے پیچھے سے آکر انکو اپنی طرف کھینچنا چاہا اس لیے کہ تر

پیچھے کی جانب سے پھٹ گیا۔ اور روایات حدیث اور اقوال صحابہ و تابعین سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچی ہے کہ گواہی دینے والا ایک شیر خوار بچہ تھا جس نے بطور معجزہ اور خرقِ عادت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گہوارہ میں کلام کیا۔ اللہ کی قدرت سے وہ شیر خوار بچہ بولا۔ جس سے یوسف علیہ السلام کی برارت اور نزاہت روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی اور عزیزِ مصر کو یقین آ گیا کہ یوسفؑ سچے ہیں اور زلیخا جھوٹی ہے اس لیے اب عزیزِ مصر زلیخا کی طرف متوجہ ہوا اور غصہ میں آ کر بولا کہ تحقیق بلاشبہ تم عورتوں کا یہ ایک مکر اور جملہ ہے اور بے شک تمہارا مکر بہت بڑا ہے بلاشبہ عورتوں کی چالاکیاں غضب کی ہوتی ہیں۔

کسی عالم کا قول ہے کہ میں شیطان سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ عورتوں سے ڈرتا ہوں۔ عورتوں کا کیدِ عظیم ہے اور شیطان کا کیدِ ضعیف ہے۔ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا۔ نیز شیطان چوروں کی طرح چھپ کر مکر کرتا ہے اور عورت سامنے آ کر مکر کرتی ہے پھر یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا اے یوسف جو ہونا تھا وہ ہو چکا اب آئندہ کے لیے اس بات سے درگزر کر دو اور کسی سے اسکا ذکر نہ کرو۔ عزیزِ مصر کا منشاء یہ تھا کہ کسی کو خبر نہ ہو تا کہ میری رسوائی نہ ہو۔ مگر قصار و قدر نے اس کو ایسا مشہور کیا کہ ہر ایک گھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ اور عزیزِ مصر نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ یا یہ معنی ہیں کہ تو یوسفؑ سے معافی مانگ کہ تو نے اس کو متہم کر کے ایذا پہنچائی ہے شک تو ہی خطا کاروں میں سے ہے سارا قصور تیرا ہی ہے اس طرح سے یہ قصہ بظاہر ختم ہوا مگر مخفی نہ رہ سکا۔

خلاصہ کلام یہ کہ یوسفؑ نے کسی سوراخِ فحشاء کا ہم اور عزم نہیں فرمایا جیسا کہ آیات ذیل سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے کیونکہ جن جن افراد اور اشخاص کا اس واقعہ سے تعلق ہے وہ حسبِ ذیل ہیں (۱) یوسف علیہ السلام (۲) زلیخا (۳) عزیزِ مصر (۴) زنانِ مصر (۵) شاہد اہل زلیخا (۶) ابیس لعین (۷) خداوند رب العالمین۔ ان میں سے ہر ایک نے یوسفؑ کی برارت و نزاہت کی شہادت دی اور اس کا اقرار و اعتراف کیا۔ اب ان شہادتوں کے بعد انکی برارت و نزاہت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

دعوائے یوسفؑ یوسف علیہ السلام نے اپنی برارت و نزاہت کا اس طرح دعویٰ کیا۔ اِنِّیْ رَاَوْتُ ثَمَنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ۔ رَبِّ السَّجْنِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَدَاوَتِیْ عَنْ نَّفْسِیْ۔

اعتراف زلیخا اور زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی برارت و نزاہت کا ان لفظوں میں اقرار کیا۔ وَلَقَدْ رَاَوْتُہُ عَنْ نَفْسِہٖ فَاَسْتَعْصَمْتُ۔ اَلَنْ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاَوْتُہُ عَنْ نَفْسِہٖ وَ اِنَّہُ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔

عزیزِ مصر کا اعتراف قَالَ اِنَّہٗ مِنْ کٰذِبِیْنَ اِنَّ کٰذِبِیْنَ عَظِیْمٌ یُّوسُفُ اَعْرِضْ عَنْ ہٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکَ اِنَّکَ اَنْتَ مِنَ الْخٰطِیِّیْنَ۔

شہادت شاہد اَوْ شَہِدْ شَہِدٌ مِّنْ اٰہِلِہَا اِنْ كَانَ قَمِیْضُہٗ قَدْ مِّنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَہُوَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ وَاِنْ كَانَ قَمِیْضُہٗ قَدْ مِّنْ دُبُرٍ فَکَذَبَتْ وَہُوَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔

شہادت زنانِ مصر قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْءٍ۔ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ کَرِیْمٌ۔

شہادت رب العالمین

وَرَأَوْنَاهُ الَّتِي هُوَ فِيْهَا - كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَ
الْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ -

شہادت ابلیس لعین

فَبِعِزَّتِكَ لَا تُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلَصِينَ -

الغرض یہ دس آیتیں ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کی برادری کی شاہد ہیں اب ان دس شہادتوں کے بعد ان کی نزاہت و عصمت میں کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ (تفسیر کبیر ص ۱۲۱ جلد ۵)

ذکر الطاف و عنایات خداوندی

علاوہ ازیں حق جل شانہ نے اس قصہ میں یوسف علیہ السلام پر جن خصوصی عنایات و الطاف کا ذکر فرمایا ہے وہ بھی دس سے کم نہیں مثلاً (۱) رویائے صادقہ (۲) اور اجتبار (۳) اور علم تاویل (۴) اور اتمام نعمت (۵) اور نمکین زمین مصر (۶) اور ایتانے علم و حکمت اور ان کا (۷) عباد محسنین (۸) اور عباد مخلصین (۹) اور صادقین میں سے ہونا (۱۰) اور شہد شہید من اہلہا۔ یعنی ایک شیر خوار بچہ کا شہادت دینا۔ فَبِعِزَّتِكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ۔ یہ دس امور بھی اس امر کی قطعی دلیل ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے کسی سورا اور محشا کا قلم نہیں فرمایا۔

ضمیمہ متعلقہ تفسیر شہد شہد من اہلہا

اس شاہد (گواہ) کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ کوئی مرد دانشمند تھا اور زلیخا کا رشتہ دار تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ گوارہ کا شیر خوار بچہ تھا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس بارہ میں ایک صریح حدیث بھی آئی ہے جس کو ابن جریر وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بچپن میں چار افراد نے کلام کیا۔ اول فرزند مائتہ و خیر فرعون۔ دوم یوسف کی سچائی کا گواہ

سوم جریج راہب کی پاکی کی گواہی دینے والا بچہ۔ چہارم عیسیٰ بن مریم اور اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ اور حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ اور ضحاکؒ اور ہلال بن یسافؒ وغیرہم سے بھی یہ منقول ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا۔ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۱۹۲ جلد ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۴۵۵ جلد ۲)
غلام کلام کہ صحیح قول ہے کہ وہ شاید ایک شیر خوار بچہ تھا اور عورت کا قریبی رشتہ دار تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اسکو گو با کر دیا تاکہ یوسفؑ کی برارت اور پاکدامنی ظاہر ہو جائے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ

اور کہنے لگیں کئی عورتیں اس شہر میں، عزیز کی عورت خواہش کرتی ہے

فَتَهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي

اپنے غلام سے اسکا جی فریفتہ ہو گیا اسکی محبت میں۔ ہم تو دیکھتے ہیں وہ

ضَلِيلٍ مُّبِينٍ ۝۳۰ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ

بہکی ہے صریح۔ پھر جب سنا اس نے انکا فریب بلاوا بھیجا

إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ

اُن کو اور تیار کی ان کے واسطے ایک مجلس اور دی انکو ہر ایک کے ہاتھ

مِنْهُنَّ سِكِّينًا ۖ قَالَتْ أَخْرِجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا

میں پھری اور بولی یوسف! نکل آ انکے سامنے پھر جب

رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ

دیکھا اس کو، دہشت میں آ گئیں اسکے اور کاٹ ڈالے اپنے ہاتھ اور کہنے لگیں حاشا لہ۔

اللَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝۳۱

نہیں یہ شخص آدمی یہ تو کوئی فرشتہ ہے بزرگ۔

قَالَتْ فَذَايَكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَقَدْ

بولی سو یہ وہی ہے کہ طعنہ دیا تم نے مجھ کو اسکے واسطے اور میں نے

رَأَوْدَتْهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِنْ لَّمْ

چاہا اس سے اس کا جی پھر اس نے تھام رکھا اور مقرر اگر

يَفْعَلْ مَا أَمَرُهُ لَيَسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّغِيرِينَ ﴿٣٢﴾

نہ کریگا جو میں اسکو کہتی ہوں، البتہ قید پڑیگا اور ہو گا بے عزت -

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَ

یوسف بولا اے رب! مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس طرف مجھ کو بلاتیاں ہیں اور

إِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ

اگر تو نہ دفع کرے مجھ سے انکا فریب تو مائل ہو جاؤں ان کی طرف اور ہو جاؤں

مِّنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ

بے عقل - سو قبول کر لی اس کی دعا اسکے رب نے پھر دفع کیا اس سے

كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ

انکا فریب البتہ وہ ہے سنے والا خبردار - پھر یوں سوچھا لوگوں

مِّنْ بَعْدِ مَا رَأَوْا الْآيَاتِ لَيَسْجُنَهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٣٥﴾

کو وہ نشانیاں دیکھے پر کہ قید رکھیں اسکو ایک مدت -

قِصَّةُ دَعْوَتِ زُلَيْخَا زَنَانِ مِصْرَ الْمُشْتَلِ بِرَعْرِافِ عَصْمَتِ يُوسُفَ

قال الله تعالى وَقَالَ لِسُورَةٍ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ.. اِلَى.. لَيَسْجُنَهُ حَتَّىٰ حِينٍ هـ
(رابطہ) گزشتہ آیات میں یہ بیان فرمایا کہ جب عزیز مصر یہ واضح ہو گیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل بے قصور ہیں
اور یہ سب اسکی بیوی کا خود ساختہ مکر اور فریب ہے تو عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام سے یہ کہا کہ اَعْرِضْ عَنْ
هَذَا کہ اے یوسف! اس بات سے درگزر کر اور کسی سے اسکا ذکر نہ کر اور بیوی سے کہا کہ وَاسْتَغْفِرْ عَنِّي

لِذٰلِكَ - کہ یوسفؑ سے اپنے قصور کی معافی مانگ۔

عزیز مصر کا مقصود یہ تھا کہ یہ قصہ پوشیدہ رہے اور اس کا چرچا نہ ہو مگر نہاں کے ماند آں راز سے کز و سازند محفلہا“ بالآخر یہ خبر فاش ہو گئی اور رؤسائے شہر کی بیگمات میں اسکا تذکرہ ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے نوجوان غلام پر مفتون ہو گئی ہے زلیخا کو جب یہ خبر ہوئی کہ زنان مصر میرے بارہ میں یہ کہتی ہیں تو اس نے عورتوں کی دعوت کر کے انکو بلا بھیجا تاکہ یہ بھی ایک مرتبہ یوسفؑ کے حسن و جمال کو دیکھ لیں۔ اور مجھ کو معذور جانیں۔ محتسب گرمی خورد معذور دار دست را

حق جل شانہ نے پہلے واقعہ میں ایک شیر خوار بچہ کی گواہی سے یوسف علیہ السلام کی برارت اور طہارت ظاہر فرمائی اسکے بعد اب دوسرا واقعہ زنان مصر کی دعوت کا پیش آیا۔ اس واقعہ میں عزیز مصر کی بیوی نے سب کے سامنے اسکا صاف اعتراف کیا کہ یوسفؑ کی مراد ت اور طلب میری طرف سے تھی اور یوسفؑ اس بارہ میں بالکل معصوم ہے۔ وَلَقَدْ رَآوْهُنَّ عَنِ نَفْسِهِمْ فَاسْتَعْصَمَ۔ شیر خوار بچہ کی شہادت کے بعد زنان مصر کی دعوت کا واقعہ قضا و قدر سے انکی برارت کی مزید شہادت بن گیا کہ خود زلیخا نے اعتراف و اقرار کیا کہ یوسفؑ اس قصہ میں بالکل بری اور بے قصور ہے اور جس عورت نے خود ابتداء میں یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا تھا۔ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا اب اخیر میں اسی عورت نے سب عورتوں کے سامنے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی اس کو پھسلانا چاہا تھا مگر یہ تو فرشتہ کی طرح معصوم نکلا۔ (فَاسْتَعْصَمَ) عزیز مصر کی بیوی کا مقصد تو دعوت سے دفع ملامت و ندامت تھا مگر قضا و قدر نے اس کو یوسفؑ صدیق کی مزید برارت و نراہت کا ذریعہ بنا دیا اور ایسا ذریعہ بنایا کہ حجت پوری ہو گئی اور زلیخا نے سب کے سامنے صاف لفظوں میں اعتراف حقیقت کر لیا چنانچہ فرماتے ہیں اور شہر مصر کی رہنے والی چند عورتوں نے یہ بات کہی کہ عزیز مصر کی بیوی یعنی زلیخا اپنے نوجوان غلام کو پھسلاتی ہے اور چاہتی ہے کہ اسکو اس کے نفس قدسی صفات اور

ملکی سمات سے ہٹا کر اپنی طرف مائل کرے تحقیق اسکی محبت نے اسکے دل میں جگہ کر لی۔ یعنی اس غلام کی محبت اس عورت کے شقاق قلب پر دہ دل کے اندر پہنچ گئی۔ بیشک ہم اس کو کھلی گمراہی کے اندر دیکھتے ہیں یعنی عزیز جیسے شوہر کو چھوڑ کر اپنے زرخیز غلام پر فریفتہ ہونا کھلی نادانی ہے آخر وہ کیسا خوبصورت ہے جس پر وہ اس قدر کچھی پڑی ہے۔ پس جب زلیخا نے ان عورتوں کے پر فریب اور مکر آمیز باتوں کو سنا تو اس نے بھی ان کے ساتھ مکر و فریب کیا کہ دعوت کے بہانہ سے ان عورتوں کو بلا بھیجا۔ زنان مصر کا زلیخا کو ملامت کرنا یہ مکر تھا کیونکہ ان عورتوں نے یوسفؑ کے حسن و جمال کی خبر سنی تو چاہا کہ یوسفؑ کو دیکھیں اس لیے زلیخا کو یہ طعنہ دیا تاکہ اس حیلہ اور بہانہ سے یوسفؑ کو دیکھنا نصیب ہو زلیخا نے جب ان کی ملامت سنی تو اس نے چاہا کہ اپنی معدوری ان پر ظاہر کرے اس لیے دعوت کے حیلہ سے انکو مدعو کیا اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں قسم قسم کے فرش اور تکیوں سے مجلس کو آراستہ کیا اور قسم قسم کے کھانے اور میوہ جات تیار کیے اور گوشت کے پارچوں اور پھلوں کے کاٹنے کے لیے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی مصر میں یہ دستور

تھا کہ گوشت اور میوؤں کو چھری سے کاٹ کر کھایا کرتے تھے یہ تمام انتظام زلیخا کی طرف سے ان عورتوں کے ساتھ ایک قسم کا مکر تھا اور اس طرح سے جب مجلس آراستہ ہو گئی اور بیگمات نے کھانا شروع کر دیا اس وقت زلیخا نے یوسف سے کہا کہ جو اس وقت کسی دوسرے کمرہ میں تھے اے یوسف ذرا ان عورتوں کے سامنے باہر آ جاؤ یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ شاید مجھے کسی کام یا ضرورت کے لیے بلایا جا رہا ہے اور وہ باہر آ گئے۔

ز خلوت خانہ آں گنج نہفتہ ۛ بروں آمد چو گلزار شکفتہ

پس جب ان عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انکو بزرگ شان والا جانا اور انکے ظاہری اور باطنی حسن و جمال کی ان پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ بیخود ہو گئیں اور اسی بیخودی میں اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے نہ خون بہتے دیکھا اور نہ زخم کا درد عالم محسوس ہوا اور جب ذرا ہوش میں آئیں تو کہنے لگیں ”حاش للہ“ خدا پاک ہے یہ غلام تو آدمی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہی ہے یعنی یہ بے مثال حسن و جمال اور یہ عظمت و جلال انساں میں کہاں یہ تو فرشتوں کے اوصاف ہیں یعنی درحقیقت یہ کوئی فرشتہ ہے جو صورت انسانی میں نمودار ہوا ہے۔

پہوں دیدندش کہ جز والا گہ نیست ۛ برآمد بانگ برایشاں کہیں بشر نیست

نہ چوں آدم ز آب و گل سرشته است ۛ ز بالا آمدہ قدسی فرشتہ است

اور اس ظاہری حسن و جمال کے علاوہ چہرہ منور پر تقویٰ اور تقدس اور معصومیت کے آثار نمایاں تھے کہ ان حسین و جمیل عورتوں کے سامنے سے گزرے چلے جا رہے تھے کہ ذرہ برابر کسی معصی کی طرف التفات بھی نہیں کیا کہ فرشتہ سامنے سے گزر رہا ہے اس معصومانہ رفتار نے انکو اور زیادہ مسحوب کر دیا کہ آدمی تو اس حال اور چال کا نہیں ہو سکتا۔ یہ تو کوئی فرشتہ معلوم ہوتا ہے جس میں شہوت نفسانی کا کوئی شائبہ دکھلائی نہیں دیتا۔ اس وقت زلیخا نے ان عورتوں سے کہا کہ پس یہ وہ شخص ہے جس کی محبت میں تم نے مجھ کو طعنہ دیا ایک ہی نظر میں تم پر یہ حال گزرا تو مجھ پر ملامت کیسی۔ زلیخا نے عورتوں پر یہ واضح کر دیا کہ میں اسکی محبت میں معذور ہوں اس کے بعد زلیخا نے واقعہ کی حقیقت کو بتلایا جس سے مقصود زنانِ مہر کے اس قول کی یعنی اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ مَّرْكُومٌ کی تائید تھی کہ تم جو یہ کہتی ہو کہ یہ شخص بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے بالکل حق اور درست ہے اور بے شک میں نے اسکو اسکے نفس سے ہٹانا اور پھسلانا چاہا لیکن وہ معصوم اور فرشتہ کی طرح بالکل محفوظ رہا اور میرے پھسلانے میں نہ آیا اور اس اعتراف حقیقت کے بعد زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو دھکی دی اور یہ کہا کہ خیر بوجوہا سو ہوا البتہ اگر آئندہ اس نے میرے حکم کے موافق کام نہ کیا تو ضرور جیل بھیج دیا جائے گا۔ اور البتہ ہو گا دلت اٹھانے والوں میں سے اول تو فیدہی دلت ہے پھر اس امیری اور وزیری محل سرائے سے نکل کر جیل خانہ میں جانا اور بھی دلت ہے یہ بات زلیخا نے عورتوں کے سامنے کہی عورتوں نے بھی یوسف سے کہا کہ اسی سیدہ کا حکم مان۔ غلام کے لائق نہیں کہ وہ ایسی سیدہ کی مافرمانی کرے اور جیل میں جائے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ صورت حال یہ ہے اور ہر طرف سے جال بچھا ہوا ہے تو یوسف علیہ السلام نے

گھبرا کر یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار مجھ کو اس جال سے نکال وہ جیل خانہ جس کی مجھ کو دھمکی دی جا رہی ہے وہ مجھے زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلاتی ہیں کہ زلیخا کو خوش کروں اگر جیل خانہ چلا گیا تو تیری نافرمانی کا اندیشہ اور خطرہ تو نہ رہے گا۔

عجب در ماندہ ام در کار ایشان : مرانداں بہ از دیدار ایشان
 چونکہ ان عورتوں نے زلیخا کی سفارش کی تھی کہ یوسف علیہ السلام کو چاہیئے کہ اپنی سیدہ کے حکم کو مانے اس لیے صیغہ جمع مؤنث کا لایا گیا اور یٰ عورتیں کہا گیا جس کی ضمیر ان عورتوں کی طرف راجع ہے اور اے پروردگار اگر تو نے مجھ سے ان عورتوں کے مکرو فریب کو دور نہ کیا تو مجھ کو ڈر ہے کہ کہیں میں انکی طرف جھک نہ جاؤں اور نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ عورتوں کی طرف تھوڑا سا میلان اور جھکاؤ بھی نادانی ہے دانائی اور عقلمندی یہ ہے کہ عورتوں سے دور رہے پس انکے پروردگار نے انکی دعا قبول کی پس اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا مکرو فریب ان سے دفع کیا۔ بے شک خدا ہی سننے والا جاننے والا ہے یہ دونوں آیتیں صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یوسف علیہ السلام ذرہ برابر بھی انکی طرف مائل نہ ہوئے اور انہوں نے خدائے تعالیٰ سے جو دعا مانگی اللہ نے وہ دعا انکی قبول کی۔ یوسف علیہ السلام کی اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ اے پروردگار مجھے اپنے نفس پر بھروسہ نہیں تیری تائید اور حفاظت کی درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ان کے مکرو فریب سے دور رکھ اور جیل خانہ کی درخواست اس لیے کرتا ہوں کہ ان کے فتنے سے نجات ملے۔ اور انکی مراد ت سے بالکل محفوظ ہو جاؤں اللہ تعالیٰ نے انکی دعا قبول کی چنانچہ پھر اسکا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی برادری و نزاہت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد انکی رائے ہوئی کہ اس عبرانی غلام کو ایک مدت کے لیے قید میں رکھیں کہ لوگوں میں یہ چہرہ چا ختم ہو جائے اور لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اگر زلیخا اس پر عاشق ہوتی تو اسے قید کیوں ہونے دیتی اور عزیز مصر کو بھی یہی مصلحت نظر آئی کہ ایک خاص مدت تک انکو قید میں رکھ دیا جائے تاکہ زین عزیز بدنامی اور رسوائی سے محفوظ ہو جائے اور اس ناشائستہ فعل پر پردہ پڑ جائے اس بنا پر عزیز نے یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ بھیج دیا اور پانچ یا سات برس تک یوسف علیہ السلام قید میں رہے غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ بھیج دیئے گئے ایوان سے زنداں میں پہنچے قدم رکھتے ہی وہ زندان رشک گلستاں بن گیا۔ یوسف علیہ السلام کے داخل ہونے کے بعد وہ جیل خانہ جیل خانہ نہ رہا بلکہ عبادت خانہ اور خلوت خانہ اور خانقاہ اور درسگاہ بن گیا۔

چوں آں دل زندہ در زندان آمد : بحسم مردہ گوئی جاں در آمد !!
 در آں محنت سر افتادہ جو شے : برآمد زان گرفتار خرد شے

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ط قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي

اور داخل ہوئے بندی خانہ میں اُسکے ساتھ دو جوان۔ کہنے لگا ان میں سے ایک، میں

أَرِنِي أَصْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْآخِرُ إِنِّي أَرِنِي أَحْمِلُ

دیکھتا ہوں کہ میں نچوڑتا ہوں شراب۔ اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ اٹھارہ

فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبَأَنَا بِتَأْوِيلِهِ

ہوں اپنے سر پر روٹی کہ جانور کھاتے ہیں اس میں سے۔ بتا ہم کو اسکی تعبیر

إِنَّا نُرِيكَ مِنَ الْمَحْسِنِينَ ۝۳۶ قَالَ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ

ہم دیکھتے ہیں تجھ کو نیکی والا۔ بولا نہ آنے پائے گا تم کو کھانا

تُرْزَقُنِي إِلَّا نَبَأُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ط

جو ہر روز تمکو ملتا ہے مگر بتا چکوں گا تمکو اس کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے۔

ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۝۳۷ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

یہ علم ہے کہ مجھ کو سکھایا میرے رب نے۔ میں نے چھوڑا دین اس قوم کا

لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ۝۳۸

کہ یقین نہیں رکھتے اللہ پر اور آخرت سے وہ منکر ہیں۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ط

اور پکڑا میں نے دین اپنے باپ دادوں کا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا

مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۝۳۹ ذَلِكَ

ہمارا کام نہیں کہ شریک کریں اللہ کا کسی چیز کو۔ یہ

مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ

فضل ہے اللہ کا ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن بہت

النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝۴۰ يُصَاحِبِي السَّجْنَاءَ أَرْبَابٌ

لوگ بھلا نہیں مانتے۔ اے رفیقو! بندی خانہ کے، بھلا کئی مہود

مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۳۹ مَا

جدا جدا بہتر؟ یا اللہ اکیلا زبردست۔ کچھ نہیں

تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ

پوجتے ہو سوا اس کے، مگر نام ہیں کہ رکھ لیے ہیں تم نے

وَأَبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا

اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں اتاری اللہ نے انکی کوئی سند۔ حکومت نہیں ہے کسی کی

لِلَّهِ أَمْرٌ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا رِيَاسَةً ۚ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ

سوا اللہ کے۔ اس نے فرمادیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔ یہی ہے راہ سیدھی

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۴۰ يَصَاحِبِي

پر بہت لوگ نہیں جانتے۔ اے رفیقو!

السَّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۚ وَأَمَّا

بندی خانے کے! ایک جو ہے تم دونوں میں سوپلا دیگا اپنے خاوند کو شراب، اور دوسرا

الْآخَرُ فَيُصَلِّبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۚ قُضِيَ

جو ہے سو سولی چڑھے گا، پھر کھا دیں گے جانور اسکے سر میں سے فیصل ہوا

الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ۝۴۱ وَقَالَ لِلَّذِي

کام جس کی تحقیق تم چاہتے تھے۔ اور کہہ دیا اس کو جس کو

ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا أَذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ ۚ فَأَنسَاهُ

اٹکلا کہ نیچے گا ان دونوں میں میرا ذکر کریو اپنے خاوند پاس۔ سو بھلا دیا

الشَّيْطَانُ ذَكَرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السَّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۝۴۲

اسکو شیطان نے ذکر کرنا اپنے خاوند سے پھر رہ گیا قید میں کئی برس۔

قصہ یوسف علیہ السلام با ساقی و خباز در جیل خانہ بر تبلیغ

و دعوتِ اظہارِ نبوت

قال الله تعالى وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ... الى... فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ
 (رابطہ) گزشتہ آیات میں یوسف علیہ السلام کی دعا رَبِّ السِّجْنُ أَحِبُّ اِلَيَّ مَا يَدْعُوْنِيْهِ اِلَيْهِ اور اسکی قبولیت و استجاب کا ذکر ہے دعا میں یہ درخواست تھی کہ اے پروردگار ایسے زمانخانہ اور محل سرانے سے تو جیل بہتر ہے بارگاہ خدادندی میں یوسف علیہ السلام کی دعا بلفظ قبول ہوئی کہ زنان خانہ سے نکال کر جیل خانہ بھیج دیئے گئے اب وقت آیا کہ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَاْوِيلِ الْاَحَادِيثِ۔ کا ظہور ہو کہ جیل خانہ میں پہنچ کر لوگوں کے خوابوں کی تعبیریں دیں اور انکو توحید اور اسلام کی دعوت دیں اور خدا داد معجزہ اور کرامت کو ان پر ظاہر کریں تاکہ قبول حق میں معین اور مددگار ہو۔ ولی پر اپنی کرامت کا اظہار ضروری نہیں مگر نبی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار ضروری ہے کیونکہ معجزہ اور کرامت نبوت کی دلیل ہے اور جس طرح نبوت کا اعلان ضروری ہے اسی طرح دلائل نبوت کا اظہار اور اعلان بھی واجب اور ضروری ہے اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر سے پہلے اپنے معجزہ اور کرامت کو اس طرح بیان فرمایا۔ لَا يَأْتِيَكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيْهِ اِلَّا نَبَاتُكُمَا بِتَاْوِيلِهِ قَبْلَ اَنْ يَأْتِيَكُمَا تَاكِدًا لِّدَلِيْلِ نَّبُوْتِ اِبْرٰهِيْمَ كَمَا تَاوِيْلُهُ قَبْلَ اَنْ يَأْتِيَكُمَا تَاكِدًا لِّدَلِيْلِ نَّبُوْتِ اِبْرٰهِيْمَ كَمَا تَاوِيْلُهُ قَبْلَ اَنْ يَأْتِيَكُمَا تَاكِدًا لِّدَلِيْلِ نَّبُوْتِ اِبْرٰهِيْمَ كَمَا تَاوِيْلُهُ قَبْلَ اَنْ يَأْتِيَكُمَا تَاكِدًا لِّدَلِيْلِ نَّبُوْتِ اِبْرٰهِيْمَ

کے اتباع کی دعوت دے سکیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اسی زمانہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو اور جوان جیل خانہ میں داخل ہوئے ان دو جوانوں میں ایک بادشاہ کا نانباتی تھا اور دوسرا ساقی (شراب پلانے والا) یہ دونوں بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی ہمت میں ماخوذ تھے مقدمہ زیر تحقیق تھا اس لیے دونوں جیل بھیج دیئے گئے چونکہ قید خانہ میں یوسف علیہ السلام کے حسن خلق اور مروت اور صدق و امانت اور زہد و ذکر اور عبادت مشہور ہو چکی تھی اور سب لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بڑے عابد و زاہد ہیں اور خوابوں کی تعبیریں خوب بتاتے ہیں اس لیے جب یہ دونوں قیدی جیل خانہ میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کا یہ حال دیکھا تو ان کے گرد ویدہ اور دلدادہ ہو گئے ان میں سے ایک نے یعنی ساقی نے کہا کہ میں اپنے آپکو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں انگور پھوٹ رہا ہوں اور بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں اور دوسرے نے یعنی نانباتی نے کہا کہ میں اپنے آپ کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتلائیں۔ تحقیق ہم آپ کو نیکی کاروں میں دیکھتے ہیں۔ یعنی مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے ساتھ موصوف پاتے ہیں اور چونکہ ایک کے خواب کی تعبیر مضرت تھی اس لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے بر دست تعبیر دینے سے اعراض فرمایا اور یہ سمجھا کہ ایک دن مرنے والا ہے بہتر یہ ہے کہ اسکا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔ اول

ان کو نصیحت کرنا شروع کی اور دعوت ایمان اور توحید سے پہلے اپنا ایک معجزہ ذکر کیا تاکہ اس سے انکا نبی ہونا معلوم ہو جائے ان دو جوانوں نے آپ سے خواب کی تعبیر پوچھی تو آپ نے اول ان پر یہ ظاہر فرمایا کہ میرا علم۔ تعبیر خواب میں ہی منحصر نہیں۔ میں اللہ کا نبی (علیہ السلام) ہوں اور اللہ کی وحی سے غیب کی باتیں صحیح صحیح بتا سکتا ہوں۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تم کو دیا جاتا ہے میں تمکو اس کے آنے سے پہلے اسکے حال اور مال سے آگاہ کر دوں گا کہ فلاں چیز تمہارے پاس آئیگی اور اسکی کیفیت اور کمیت یہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا۔ اُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَ مَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ۔ یعنی میں تمکو آگاہ کر دوں گا اس کھانے سے جو تم کھاتے ہو اور جو جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں مطلب یہ ہے کہ تمہارے لیے تمہارے گھر سے جو کھانا آئے گا میں اس کے آنے سے پہلے ہی تم کو اسکی صفت اور کیفیت سے آگاہ کر دوں گا۔ قیدیوں نے پوچھا کہ تم نہ تو بخوبی ہو اور نہ کاہن ہو پھر تمہیں یہ علم کہاں سے حاصل ہوا تو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ علم منجملہ اس علم کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے سکھایا ہے یعنی یہ کوئی کہانت اور نجوم نہیں بلکہ سب وحی اور اہام ہے اور میرا معجزہ ہے جو میری نبوت کی دلیل ہے۔ اب اثبات نبوت کے بعد اثبات توحید کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ تحقیق میں شروع ہی سے اس قوم کی ملت کو چھوڑے ہوئے ہوں کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور خاص طور پر آخرت کے تو بالکل ہی منکر ہیں چھوڑ دینے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے میں اس ملت پر تھا پھر چھوڑ کر مؤمن ہو گیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں شروع ہی سے ملت کفر سے بری اور بنیاد ہوں اور میں تو خاندان نبوت سے ہوں اور شروع ہی سے اپنے باپ دادوں ابراہیم اور اسحق اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کا پیرو ہوں ان باپ دادوں کے ذکر سے یوسف علیہ السلام کا مفسود یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص خاندان نبوت سے ہے تاکہ لوگ انکی نصیحت اور دعوت کو خور اور توجہ سے سنیں اور توحید پر یقین لائیں اور سمجھ جائیں کہ توحید سب پیغمبروں کی یکساں ملت ہے ہم کو کسی طرح یہ سننا اور نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں غرض یہ کہ توحید تمام انبیاء کرام کی ملت کا رکن اعظم ہے یہ توحید اور شرک سے بیزاری ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے کہ موحّد بنے اس سے بڑھ کر اور کوئی فضل نہیں اس لیے کہ دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح کا سارا دار مدار اللہ کی معرفت اور اسکی اطاعت پر ہے لیکن اکثر آدمی اس نعمت کا شکر نہیں کرتے بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہیں دہری تو خدا ہی کے منکر ہیں اور نیچری تعلیم انبیاء سے متنفر اور بنیاد ہیں۔

دعوت توحید

اب آگے توحید کی دعوت اور شرک کا ابطال فرماتے ہیں۔ اے میرے جیل خانہ کے رفیقو! بتلاؤ تو سہی کہ کیا جُدا جُدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا اللہ جو اکیلا اور زبردست ہے اور سب پر غالب ہے اور معبود برحق تو وہی ہے جو سب پر غالب ہو اور یہ بُت جنکی تم پرستش کرتے ہو یہ سب عاجز اور مغلوب ہیں۔

نہیں پوجتے تم اللہ کے سوا مگر نرے ناموں کو جو تم نے اور تمہارے بڑوں نے رکھ دیئے ہیں حقیقت میں معبود نہیں گویا کہ تم محض ناموں کی پرستش کرتے ہو تم نے ان بتوں کا نام معبود رکھ لیا۔ محض نام رکھ لینے سے کوئی شے معبود نہیں ہو جاتی اللہ نے انکے معبود ہونے کے بارے میں کوئی حجت نازل نہیں کی بلا دلیل تم نے ان بتوں کو اور کو اکب کو اور نجوم کو خدا ٹھہر لیا ہے تمہارے پاس نہ کوئی دلیل عقلی ہے اور نہ دلیل نقلی حکم سوائے اللہ کے اور کسی کا نہیں چلتا اور اس نے حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو اس حکم پر عمل کر دو یہی توحید سیدھا دین ہے جس میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر آدمی اس بات کو جانتے نہیں اس لیے وہ کج راہ کو اختیار کرتے ہیں۔

تعبیر خواب

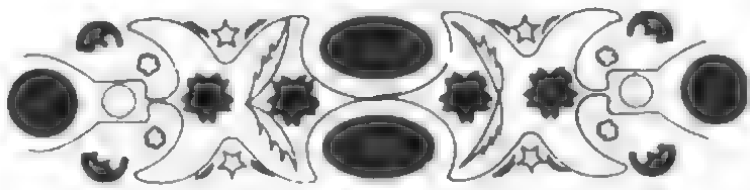
یہاں تک یوسف علیہ السلام کی نصیحت اور اثبات نبوت اور دعوت توحید کا بیان تھا کہ یوسف علیہ السلام نے انکو نصیحت کی اور توحید کی دعوت دی اب آگے انکے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے ہیں۔ اے میرے دونوں قید خانہ کے ساتھیو تم دونوں کے خوابوں کی تعبیر یہ ہے کہ تم میں ایک تو یعنی ساقی اپنے آقا کو بدستور شراب پلایا کریگا یعنی وہ جرم سے بری ہو جائیگا اور پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو جائیگا اور دوسرا یعنی نانباتی مجرم قرار پا کر سولی دیا جائیگا پھر پرندے اسکے سر سے گوشت نوح نوح کر کھائیں گے ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے یہ تعبیر سنی تو کہا کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا ہم تو دل لگی کرتے تھے یوسف علیہ السلام نے فرمایا فیصل ہو چکا وہ امر جس میں تم فتویٰ پوچھتے تھے کہ خواہ تم نے دیکھا یا نہیں دیکھا اب تو یونہی ہو گا جو اللہ کے نبی نے کہا دیا یہ حکم قضا و قدر ہے جو کسی جیل و بہانہ سے بدل اور ٹل نہیں سکتا چنانچہ ایسا ہی ہوا مقدمہ میں ایک بری ثابت ہوا اور دوسرا مجرم دونوں کو جیل خانہ سے بلایا گیا اور جب وہ جیل خانہ سے جانے لگے تو یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں میں سے فقط اس شخص سے جس کے حق میں انکو گمان تھا کہ رہائی پائے گا یعنی ساقی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا یعنی بادشاہ سے میری بیگناہی کا حال ذکر کرنا اور کہنا کہ ایک بے گناہ عرصہ سے جیل خانہ میں پڑا ہوا ہے۔

بگو ہست اندراں زنداں غریبے : ز عدل شاہِ دوراں بے نصیبے

اس نے وعدہ کر لیا۔ پھر جب ساقی اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا تو شیطان نے اسکو اپنے آقا کے سامنے یوسف علیہ السلام کا ذکر کرنا بھلا دیا جب ساقی کو شاہی تقریب حاصل ہو گیا تو جیل خانہ کے وعدہ کو بھول گیا۔ حق جل شانہ کو یوسف صدیق کا اس طرح درخواست کرنا ناپسند ہوا اس لیے شیطان کو ساقی کی یاد پر مسلط کر دیا کہ مدت تک اسکو یوسف کا ذکر کرنا یاد نہ آیا پس اس وجہ سے یوسف علیہ السلام اور چند سال قید خانہ میں رہے کہ صدیق کے شایان شان نہ تھا کہ وہ رہائی کے ایک ظاہری سبب پر نظر رکھے۔ اسکو تو چاہیے تھا کہ ہمہ تن مستبب الاسباب پر نظر رکھتا اسکے بعد سات برس اور قید میں رہے اور اول و آخر مل کر بارہ برس تک رہے اس طویل خلوت سے مقام توفیض و توکل کی تکمیل ہو گئی مخلوق سے

دفع ضرر کی درخواست کرنا اگرچہ شرعاً جائز ہے مگر انبیاء اور صدیقین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سوائے خدا کے کسی کی مدد پر نظر رکھیں۔

نکتہ اسباب ظاہرہ سے غرض محمود کے لیے استعانت اور استمداد بلاشبہ جائز ہے عصمت کے منافی نہیں مگر نبی اور صدیق کے لیے اولیٰ اور افضل یہ تھا کہ اسباب ظنیہ سے اعراض کرتے چونکہ حضرت یوسفؑ کی یہ تدبیر اسباب یقینیہ عادیہ سے نہ تھی اس لیے عقاب آیا اور بغرض تنبیہ و تادیب اور مزید سات سال زنداں میں رہے یوسف علیہ السلام نے کسی منہی عنہ کا ارتکاب نہیں کیا جو عصمت کے منافی ہوتا البتہ صدیقین اور مقربین کے لیے جس درجہ کا صبر اور توکل مناسب تھا اس میں ذرا کمی آئی اس کی تکمیل کے لیے تنبیہ کر دی گئی کہ صدیقین کے لیے اسباب ظنیہ کا ترک اولیٰ ہے۔ (دیکھو کلید مثنوی نامن عشر از شرح دفتر ششم ص ۲۳۳)



وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ

اور کہا بادشاہ نے میں (خواب) دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی

يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَسَبْعُ سُنبُلَاتٍ خُضِرٍ

انکو کھاتی ہیں سات دُبی اور سات بالیں ہری، اور

وَأُخْرَىٰ سَبْعُ يَأْكُلُهُنَّ الْمَلِكُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ

دوسری سوکھی۔ اے دربار والو! تعبیر کہو مجھ سے میرے خواب

إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ

کی۔ اگر ہو تم خواب کی تعبیر کرتے۔ بولے یہ اڑتے خواب ہیں

وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمِينَ ﴿٢٤﴾ وَقَالَ

اور ہم کو تعبیر خوابوں کی معلوم نہیں۔ اور بولا

الَّذِي نَجَّاهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ

وہ جو بچا تھا ان دونوں میں اور یاد کیا مدت کے بعد، میں بتاؤں تم کو

يَتَأْوِيلُهُ فَأَرْسِلُونِ ۝۳۵ يَوْسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ

اس کی تعبیر، سو تم مجھ کو بھیجو۔ جا کر کہا، یوسف لے سچے !

أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ يِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ

حکم دے ہم کو اس خواب میں، سات گائیں موٹی انکو کھا دیں سات

عِجَافٍ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضِرٍ وَأُخْرَى بُسْتٍ

دُبلے اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی،

لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝۳۶ قَالَ

کہ میں لے جاؤں لوگوں پاس شاید انکو معلوم ہو۔ کہا

تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ

تم کھیتی کر دو گے سات برس لگ کر۔ سو جو کاٹو اس

فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ۝۳۷ ثُمَّ

کو چھوڑ دو اُس کی بال میں مگر تھوڑا جو کھاتے ہو۔ پھر

يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا

آویں گے اس پیچھے سات برس سختی کے، کھا دیں جو

قَدْ مَتَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَحْصِنُونَ ۝۳۸

رکھا تم نے اُنکے واسطے، مگر تھوڑا جو روک رکھو گے۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ

پھر آوے گا اس پیچھے ایک برس اس میں مینہ پادیں گے

النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝۳۹

لوگ اور اس میں رس پھوڑیں گے۔



شاہ مصر کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا اس کی تعبیر بتانا

قال الله تعالى و قَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ ... إِلَى ... وَ فِيهِ كَعَصَى قَوْحٍ
(رابطہ) حق جل شانہ جب کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے ایسے اسباب بھی پیدا فرمادیتے ہیں جن کی طرف آدمی کا خیال بھی نہیں جاتا چنانچہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو قید خانہ سے نجات دلانا منظور ہوا تو بادشاہ مصر ریان بن دلید کو ایک خواب دکھایا جو انکی رہائی اور ظاہری عروج کا سبب بنا اور بادشاہ نے ایسا عجیب خواب دیکھا جس کی تعبیر سے تمام معتبر عاجز آ گئے اس خواب کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تو اس وقت اس ساتی کو یوسف علیہ السلام یاد آئے اور اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل خانہ جانے کی اجازت دیجئیے۔ وہاں ایک مرد صالح ذی علم مجسوس ہیں۔ ان سے خواب کی تعبیر پوچھ آؤں چنانچہ بادشاہ نے اجازت دی اور وہ ساتی حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور خواب بیان کر کے اسکی تعبیر پوچھی اس طرح بادشاہ کا خواب اور یوسف علیہ السلام کی تعبیر انکی رہائی اور عروج اور بلندی کا سبب بنا کیونکہ خواب کی جو تعبیر دی وہ نہایت عجیب و غریب تھی اور پھر تعبیر کے ساتھ تدبیر بھی تھی اور پھر تدبیر کے ساتھ ایک ہتھیر بھی تھی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد خوب بارش ہوگی اور پھل اور میوے افراط سے پیدا ہونگے چنانچہ فرماتے ہیں اور بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا بادشاہ کا نام ریان بن دلید تھا اور عزیز مصر اسکا وزیر تھا۔ بادشاہ نے اپنے وزرار اور ارکان دولت کو جمع کر کے جو خواب دیکھا تھا اس کو بیان کرنا شروع کیا۔ چنانچہ بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں فر بہ موٹی نازی ہیں جنکو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور دیکھتا ہوں سات سرسبز اور ہری بالیں اور دوسری بالیں خشک جو ان سات سبز بالوں پر لپیٹ گئیں اور ان کو خشک کر دیا بادشاہ نے اپنا خواب بیان کر کے کہا۔ اے اہل دربار میرے خواب کی تعبیر دو اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔ اہل دربار نے کہا اول تو یہ کوئی خواب نہیں محض پریشان خیالات ہیں اور دماغی بخارات ہیں بسا اوقات انسان کو خواب میں ایسی خیالی صورتیں نظر آ جاتی ہیں جو لائق التفات نہیں ہوتیں اور دوسرے یہ کہ ہم لوگ اگرچہ امور سلطنت سے واقف ہیں مگر خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں بادشاہ خواب سے مضطرب تھا اس جواب سے اس کو اطمینان نہ ہوا۔ ع

یا رب ایں خواب پریشان مرا تعبیر چسپیت

اور اس وقت وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی وہاں مجلس میں حاضر تھا وہ بولا اور ایک مرت کے بعد اس کو یوسف علیہ السلام کا پیغام یاد آیا تو اہل دربار سے کہا میں تم کو اس کی تعبیر سے آگاہ

کروں گا تم مجھے جیل خانہ جلنے کی اجازت دے دو۔ بادشاہ نے اجازت دے دی اس نے جیل خانہ میں جا کر یوسف علیہ السلام سے کہا۔ اے یوسف اے صدق مجتہم آپ تو مجسم صدق ہیں سر سے پیر تک صدق اور سچائی آپ کے ہر جز میں سرایت کیے ہوئے ہے آپ کا ظاہر و باطن صدق سے لبریز ہے جو بات آپ کی زبان سے نکلتی ہے وہ سچ ہوتی ہے اور ہو ہو پوری ہوتی ہے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا ہے آپ ہم کو اس خواب کی تعبیر بتائیں کہ سات گائیں موٹی تازی ہیں انکو سات دبلی گائیں کھائے جا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور ان کے علاوہ دوسری سات بالیں خشک ہیں جو ان سات ہنر پر لپٹ کر انکو بھی خشک کر رہی ہیں یہ خواب بادشاہ نے دیکھا ہے آپ اسکی تعبیر بتلائیے تاکہ یہ تعبیر لیکر لوگوں کے پاس جاؤں اور امید ہے وہ تعبیر سن کر تیرے مرتبہ اور فیصلت اور بزرگی کو جان لیں گے اور امید ہے کہ وہ تجھے بلائیں گے۔ یوسف صدیق نے کہا اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ تم اپنی عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی کرو گے یہ سات برس موٹی گائیں اور سات ہری بالیاں ہیں اور اسکے بعد سات دبلی گائیں اور سات خشک بالیاں نمودار ہوں گی یہ قحط کے سات سال ہیں جو گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کو کھا جائیں گے۔ بقرات کی تعبیر و تفسیر سین سے اس لیے فرمائی کہ گایوں سے زمین کی کاشت کی جاتی ہے اور پھر اس سے کھیتی اور بالیں نمودار ہوتی ہیں۔

اور پھر اس تعبیر کے بعد اس آنے والے قحط کی ایک تدبیر ارشاد فرمائی اور کہا پس جو کھیتی تم کاٹو اس کو بالوں ہی میں چھوڑ دو تاکہ اسکو سرسری نہ لگ جائے یعنی غلہ کو صاف نہ کرو اور دانوں کو نہ نکالو بلکہ غلہ کو دانوں سمیت ذخیرہ کرو تاکہ آفتوں سے محفوظ رہے مگر ٹھوڑا سا بقدر حاجت دانہ صاف کر لو اور باقی کو بالوں میں رہنے دو پھر تعبیر شروع فرمائی پھر ان سات برس بعد جن میں تم کھیتی کرو گے دوسرے سات برس سخت قحط اور خشک سالی کے آئیں گے جن میں سرسری اور شادابی نہ ہوگی۔ یہی سات سال خشک بالیں اور سات دبلی گائیں ہیں جو موٹیوں اور ہنر بالوں کو کھا جائیں گی۔ یہ قحط کے سات سال کھا جاویں گے وہ سب جو تم نے ان سالوں کے لیے پہلے سے جمع کر رکھا تھا۔ مگر ٹھوڑا سا بچے گا جو تم بیج کی غرض سے محفوظ کر لو گے یعنی جس قدر تم تخم پاشی کے لیے بچا رکھو گے۔ وہ تو بچا رہے گا اور باقی ختم ہو جائے گا اور سات دبلی گایوں اور سات خشک بالوں سے قحط سالی کے ان سات سالوں کی طرف اشارہ ہے پھر اس قحط کے سات سال بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں لوگ غیث یعنی بارش یا غوث فریاد اور دستگیری دینے جائیں گے غیث کے معنی بارانِ کثیر کے ہیں یعنی خوب بارش ہوگی اور غوث کے معنی فریاد رسی کے ہیں یعنی قحط زدہ لوگوں کی بارانِ رحمت سے دستگیری کی جائے گی اور اس سال میں پھل اور انگور اس کثرت سے ہوں گے کہ لوگ انکا شیر پچھڑیں گے اور شراب بنا کر پیئیں گے یوسف علیہ السلام نے اول خواب کی تعبیر بتائی پھر ازراہ شفقت و ہمدردی خلائق اسکی تدبیر بتلائی کہ اول کے سات سال میں جو غلہ پیدا ہو اس کو حفاظت سے رکھو اور کفایت شعاری سے خرچ کرو تاکہ آئندہ قحط کے سات سال میں گزارہ کر سکو اس طرح سات سال کی پیداوار سے چودہ سال کا کام چلاؤ پھر اس تعبیر و تدبیر کے بعد یوسف علیہ السلام نے انکو ایک بشارت سنائی۔ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ

يَعْرِضُونَ - یعنی قحط کے سات سال گزرنے کے بعد نہایت فراخی اور خوشحالی کا سال آئیگا۔ یہ بات آپ کو بذریعہ وحی معلوم ہوئی ہوگی کہ قحط کے سات سال گزرنے کے بعد جو سال آئیگا اس میں خوب بارش ہوگی اور خوب پیداوار ہوگی یا یہ کہ سنت الہیہ یہ ہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اب اس شدت کے بعد فراخی آئے گی۔

نکتہ | جب وہ ساتی یوسف علیہ السلام سے تعبیر پوچھنے آیا تو آپ نے تعبیر بتلانے میں کوئی شرط نہ لگائی اور نہ کوئی شکوہ کیا کہ اتنی مدت کے بعد سمجھ کو میرا خیال آیا اور نہ آئندہ کے لیے اس سے کوئی درخواست کی اس سے حضرات انبیاء کرام کی مروت اور اخلاق کا اندازہ کر لیا جائے اور ساتی کا یوسف علیہ السلام سے اس طرح خطاب کرنا اِيَّهَا الصِّدِّيقُ - اے صدق مجسم یہ اس بات کو بتلا رہا ہے کہ انبیاء کرام کی صداقت اور راست بازی اور دانشمندی اور دانائی کا سکہ کس طرح لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جاتا ہے۔



وَقَالَ الْمَلِكُ اُتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ

اور کہا بادشاہ نے اے آؤ اس کو میرے پاس پھر جب پہنچا اس پاس بھیجا آدمی

قَالَ ارْجِعْ اِلَىٰ رَبِّكَ فَسَأَلَهُ مَا بَالَ النِّسْوَةِ

کہا پھر جا اپنے خاوند پاس اور پوچھ اس سے کیا حقیقت ہے ان عورتوں

الَّتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۖ اِنَّ رَبِّيٰ بِكَيْدِهِنَّ

کی جنہوں نے کاٹے ہاتھ اپنے - میرا رب تو ان کا فریب سب

عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُمْ اِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوْسُفَ

جانتا ہے - کہا بادشاہ نے عورتوں کو کیا حقیقت ہے تمہاری جب تم نے پھسلایا یوسف

عَنْ نَّفْسِهٖ ۖ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ

کو اس کے جی سے بولیاں، حاشا للہ! ہم کو معلوم نہیں اس پر کچھ

مِنْ سُوْءٍ ۖ قَالَتْ اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْغَن

بُرائی - بولی عورت عزیز کی، اب

حَصَّحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَأَوْدَتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ

کھل گئی سچی بات میں نے پھسلایا تھا اس کو اُسکے جی سے اور وہ

لَمِنَ الصَّادِقِينَ ۵۱ ذَلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخْنُذُ

سچا ہے۔ یوسف نے کہا اتنا اس واسطے کہ وہ شخص معلوم کرے کہ میں

بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۵۲

نے چوری نہیں کی اس عزیز کی چھپ کر، اور یہ کہ اللہ نہیں چلاتا فریب دغا بازوں کا۔

شاہ مصر یوسف علیہ السلام کو ملاقات کیلئے طلب کرنا

قال الله تعالى وَقَالَ الْمَلِكُ اُتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ... اِلَى... لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ۵۱

(ربط) یوسف علیہ السلام نے جب بادشاہ کے قاصد کو خواب کی تعبیر دے دی تو قاصد نے آ کر بادشاہ سے خواب کی تعبیر بھی بیان کی اور یہ بھی بیان کیا کہ یوسف صدیق نے آنے والے قحط کی یہ تدبیر بتلائی ہے تو بادشاہ سن کر حیران رہ گیا اور اس حسن تعبیر اور حسن تدبیر سے یوسف علیہ السلام کی جلالت شان کا سکھ اسکے دل پر بیٹھ گیا۔ فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کی دید اور لقار سے بہرہ اندوز ہوں اور اسکی لیاقت اور قابلیت کے مطابق اسکا اعزاز و اکرام کروں چنانچہ قاصد پیغام شاہی لے کر یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر یوسف علیہ السلام نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا کہ میں اس وقت تک جیل خانہ سے نہ نکلوں گا جب تک لوگوں کے سامنے میری براءت اور نراہیت اور میری بے گناہی نہ ظاہر ہو جائے کہ میں بالکل بے قصور ہوں اور بے قصور مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے۔ اول عورتوں سے اس کی تحقیق کر لی جائے تاکہ آئندہ چل کر کوئی مجھ پر تہمت نہ لگا سکے اور نہ مجھ پر کسی قسم کی بدگمانی کر سکے یوسف علیہ السلام نے عورتوں کا نام تو لیا مگر احترازا زلیخا کا نام نہ لیا حالانکہ اصل وہی تھی۔ حق نمک اور حق تربیت کا خیال کیا اور شرم کے مارے اسکا نام نہ لیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب وہ قاصد تعبیر لیکر بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو تعبیر نہایت پسند آئی۔ اس وقت بادشاہ نے کہا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لیکر آؤ دیکھوں تو سہی یہ کون شخص ہے خود اسکی زبان سے اپنے خواب کی تعبیر سنوں اور اسکے علم و فضل اور عقل و دانش کے موافق اسکا اکرام کروں۔ پس جب بادشاہ کا ایلچی خواہ وہ ساتی ہو یا کوئی اور ہو یوسف علیہ السلام کے پاس آیا کہ بادشاہ سلامت آپکو یاد فرما رہے ہیں چونکہ اس طرح بلانا یہ بھی ایک قسم کی رہائی تھی اس لیے یوسف علیہ السلام

نے کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ جا میں اس وقت تک جیل خانہ سے باہر قدم نہ نکالوں گا جب تک میرا اس تہمت سے بے قصور ہونا ثابت نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے مجھ کو قید میں ڈالا گیا ہے پس بادشاہ سے درخواست کرو کہ وہ تحقیق کرے کہ کیا حقیقت حال ہے؟ ان عورتوں کی جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے یعنی میں ابھی جیل سے نکلا پسند نہیں کرتا جب تک میری اس تہمت سے برارت ظاہر نہ ہو جائے جس کی بنا پر میں قید میں ڈالا گیا ہوں اور ان عورتوں کی تخصیص شاید اس لیے کی ہو کہ ان کے سامنے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کی برارت اور نزاہت کا اقرار کیا تھا اور سب کے سامنے یہ کہا تھا۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعَصَمَ تَحْقِيقَ كَيْدِهَا بِرِئَاسَةِ بَرِّ ثَابِتٍ هُوَ جَاوِلٌ كَانَتْ يَهَا مِنْ نَكَلٍ كَا اس موقع پر یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی عورت کا ذکر ادا کیا اور احتراماً نہیں کیا کیونکہ وہ انکی سیدہ تھی تحقیق میرا پروردگار عورتوں کے مکرو فریب کو خوب جانتا ہے ان عورتوں نے میرے ساتھ بڑے بڑے مکر کیے اور سب نے مل کر مجھ پر زور دیا کہ تجھے اپنی سیدہ کا کہنا ماننا چاہیئے اور اس طرح مجھ کو قید ہونا پڑا۔ اللہ کو تو سب معلوم ہے تم بھی ذرا تحقیق کر لو تا کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ خطا کس کی ہے اصل مکرو فریب تو زلیخا کا تھا مگر چونکہ سب عورتیں انکی حامی اور مددگار تھیں۔ اس لیے عام عنوان اختیار فرمایا اور گول مول فرمایا۔ اور جیاد و شرم کی وجہ سے اصل فریب والی کا نام نہ لیا کہ جس کے گھر میں پرورش پائی تھی اُسکا کیا نام لوں گول مول فرمایا اور سمجھا کہ اصل حقیقت بالآخر کھل کر رہے گی۔ غرض یہ کہ ایچی واپس آیا اور یوسف علیہ السلام کا منشا ظاہر کیا۔ بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے مع عزیز کی عورت کے طلب کیا جب وہ سب عورتیں مع زلیخا کے حاضر ہو گئیں تو بادشاہ نے کہا، اے عورتو! تمہارا اس وقت کیا حال تھا جبکہ تم نے یوسفؑ کو اسکے نفس سے پھسلا یا تھا۔ کیا یوسفؑ نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا؟ بادشاہ کے اس سوال سے ظاہر ہے کہ بادشاہ کو اس امر کا قطعی یقین تھا کہ پھسلانے والی اور اپنی طرف لبھانے والی عورتیں تھیں اور یوسف علیہ السلام نے انکو نہیں پھسلا یا تھا بادشاہ نے یہ سوال نہیں کیا کہ یوسفؑ تم سے کیا چاہتے تھے اور تم یوسفؑ سے کیا چاہتی تھیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ کو اس بات کا علم یقینی تھا کہ یوسف علیہ السلام کی طرف سے کوئی خواہش نہ تھی۔ ساری خواہش اور اصرار اور ڈرانا اور دھمکانا عورتوں کی طرف سے تھا اصل پھسلانے والی صرف زلیخا تھی مگر بادشاہ نے بلحاظ پردہ پوشی زلیخا کو مخاطب نہ کیا بلکہ ان عورتوں کو مخاطب کیا جنہوں نے یوسفؑ سے کہا تھا کہ اپنی سیدہ کا حکم مانو۔ تمام عورتیں یک زبان ہو کر بولیں (حاشا للہ) اللہ کی پناہ ہم یوسفؑ پر کوئی تہمت لگائیں ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔ برائی تو کیا ہمیں تو یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی فرشتہ ہے۔ عزیز کی عورت یعنی زلیخا جو اس وقت وہاں مجلس میں موجود تھی بولی کہ اب حق بات سب کے سامنے بالکل ظاہر ہو گئی اور چھپانا بیکار ہے بے شک حق یہی ہے کہ میں نے ہی یوسفؑ کو اسکے نفس سے پھسلا یا تھا۔ میں نے ہی یوسفؑ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ یوسفؑ تو مجھ سے نفور اور بیزار ہو کر بھاگا جا رہا تھا اور بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے یوسفؑ نے جو اپنی برارت کو ظاہر کرنے کے لیے یہ کہا کہ هِيَ رَاوَدْتُنِي عَنْ نَفْسِي۔ بالکل حق اور صدق ہے۔

بجرم خویش کرد اقرار مطلق برآمد زو صدائے حصص الحق
 بگفتا نیست یوسف را گناہے منم در عشق او گم کردہ راہے
 نخست اور اوصول خویش خواندم چو کار من نداد از پیش اندام

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا ہے لہذا آپ آئیے تاکہ آپ کے سامنے انہیں سزا دوں یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے یہ اہتمام اور درخواست اس لیے نہیں کی کہ عورتوں کو سزا دی جائے بلکہ میری غرض اس سے صرف یہ تھی کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اسکی عدم موجودگی میں اس کی آبرو میں کسی قسم کی خیانت نہیں کی جس شخص نے مجھ کو مثل فرزند کے پرورش کیا اس پر یہ بات واضح ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اسکی عزت و ناموس میں کوئی خیانت نہیں کی اور تاکہ یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے خیانت کرنے والوں کے حیلہ اور بہانہ کو چلنے نہیں دیا۔ بلکہ اسکو ظاہر کر کے خیانت کرنے والوں کو رسوا کرتا ہے۔ چنانچہ عورتوں کا فریب نہ چل سکا۔ آخر کار حق ظاہر ہو کر رہا اور خیانت کا پردہ فاش ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مجھ سے کوئی خیانت ہوئی ہوتی تو مجھ کو کامیابی نہ ہوتی۔ زلیخا نے اپنے شوہر کے ساتھ خیانت کی تھی اللہ نے اس کی قلعی کھول دی جہور مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي كُنْ اَخْنَدُ الخ یوسف علیہ السلام کا کلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں نے بادشاہ سے جو درخواست کی کہ پہلے عورتوں سے دریافت کر لیا جائے تب حیل خانہ سے باہر آؤں گا اس درخواست سے میری غرض یہ تھی کہ عزیز مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس کے ناموس میں کسی قسم کی کوئی خیانت نہیں کی۔

اور بعض مفسرین نے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي كُنْ اَخْنَدُ الخ کو زلیخا کا کلام قرار دیا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ زلیخا نے کہا کہ میں نے یہ سچی گواہی اس لیے دی کہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے غائبانہ اس پر جھوٹ نہیں بولا اور اسکی خیانت نہیں کی اور میں نے یہ اقرار اس لیے بھی کیا کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے مکرو فریب کو چلنے نہیں دیتا۔ چنانچہ میں نے دیکھ لیا کہ میں نے خیانت کی تھی اور داؤ کھیلنا تھا مگر اللہ نے میرا داؤ چلنے نہ دیا اور مجھ کو فیضت کیا۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ جہور مفسرین کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي كُنْ اَخْنَدُ الخ یوسف علیہ السلام کا قول ہے ماقبل میں اگرچہ زلیخا کا کلام تھا مگر زلیخا کے کلام کے بعد اگر یوسف علیہ السلام کا کلام ذکر کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں فرما سکتے ہیں کہ ایک انسان کے کلام کو دوسرے انسان کے کلام کے ساتھ ملا دینا جائز ہے اگر کوئی قرینہ موجود ہو جیسا کہ اِنَّ الْمُلُوكَ اِذَا اخْلَوْا قَرْبَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْا اَعْزَةً اٰهْلِهَا اِذْ لَکَ بَلْقِیْسُ کَاکَلَامِہِے اور پھر اسکے بعد وَ کَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَ۔ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۷۱ جلد ۱۵)



وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ

اور میں پاک نہیں کہتا اپنے جی کو جی تو سکھاتا ہے بُرائی

إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۳﴾

مگر جو رحم کیا میرے رب نے بیشک میرا رب بخشنے والا ہے مہربان

مشتمل بر تحدیث نعمت و بیان حقیقت عصمت

قال الله تعالى حاكياً عن يوسف عليه السلام وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي... إِلَى... إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ (ربط) جب یوسف علیہ السلام نے اپنی برائت اور نزاہت ثابت کرنے کے لیے اتنا زور دیا اور فرمایا کہ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ الخ تو ممکن تھا کہ کوئی یہ شبہ کرے کہ یہ تو ایک قسم کا فخر اور ناز اور غرور و اعجاب اور خود پسندی اور تزکیہ نفس ہے جو عند اللہ ناپسند ہے کما قال اللہ تعالیٰ فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ اس لیے یوسف علیہ السلام نے اس شبہ کے ازالہ کے لیے فرمایا وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي الخ یعنی اس اظہار برائت سے میرا مقصود اعجاب اور تزکیہ نفس نہیں بلکہ تحدیث بالنعمة مقصود ہے کہ میری یہ عصمت اور یہ عفت محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت اور اس کی توفیق سے ہے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۱۰ جلد ۹ و تفسیر روح المعانی ص ۲ جلد ۱۳ و تفسیر کبیر ص ۴۲ جلد ۵ و تفسیر ابی السعود ص ۲۲۳ جلد ۵ بر حاشیہ تفسیر کبیر و تفسیر عمہ مظہری ص ۳۸ جلد ۵)

ملاحظہ فرمائیے کہ قال القرطبی وقال الحسن (البصری) کما قال یوسف ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ كَرِهَ نَبِيُّ اللَّهِ أَنْ يَكُونَ قَدْ زَكَّى نَفْسَهُ فَقَالَ وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي وَتَزَكِيَةُ النَّفْسِ مَذْمُومَةٌ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ (تفسیر قرطبی ص ۲۱۰ جلد ۹) ملاحظہ فرمائیے کہ قال الامام الواسی کما قال علیہ السلام ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ كَانَتْ ذَٰلِكَ جَارِياً مَجْرَى مَدْحِ النَّفْسِ وَتَزَكِيَّتِهَا وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَا تُزَكُّوْا أَنْفُسَكُمْ فَاسْتَدْرَكَ ذَٰلِكَ عَلَى نَفْسِهِ بِقَوْلِهِ وَمَا أَبْرَأُ نَفْسِي وَالْمَعْنَى وَمَا زَكَّى نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ مِيَالَةً إِلَى الْقَبَاحِ رَاغِبَةً فِي الْمَعْصِيَةِ الخ (تفسیر کبیر ص ۴۲ جلد ۵) ملاحظہ فرمائیے کہ قال القاضي ثناء اللہ قال یوسف علیہ السلام تنبیہاً علی أنه لم يرد بذلك تزكية النفس والعجب بحاله بل اظهار ما انعم الله عليه من العصمة والتوفيق وترغيب الناس الى الاقتدار به والاقتفاء بآثاره (تفسیر مظہری ص ۳۸ جلد ۵)

مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ میں بطور فخر یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرا نفس بالذات معصیت سے پاک اور بری ہے اور میں بالذات اس بات کا مدعی نہیں کہ بالذات مجھ سے معصیت اور برائی کا صدور ناممکن اور محال ہے کیونکہ برائی کا قصد نفس کی جبلت اور سرشت میں داخل ہے جو نفس بھی گناہ سے بچتا ہے وہ محض اللہ کی رحمت اور عنایت اور توفیق سے بچتا ہے نہ کہ اپنی حول اور قوت سے حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتداءً اپنی عفت اور عصمت کو بتایا تاکہ تہمت سے بالکل بری ہو جائیں پھر اخیر میں غلبہ حیا اور تواضع اور ادب خداوندی کو ملحوظ رکھتے ہوئے عصمت کی حقیقت کو واضح کر دیا کہ کسی کی عصمت اور نزاہت ذاتی نہیں بلکہ محض فضل خداوندی ہے اور اللہ کی توفیق و عنایت اور اس کی حفاظت و رحمت کے تابع ہے بغیر اس کی رحمت و عنایت کے کوئی فرد گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا خوب سمجھ لو کہ عصمت کی حقیقت صرف اللہ کی حفاظت اور رحمت ہے لہذا اہل عصمت و عفت کو چاہیے کہ اپنی عفت اور عصمت پر نظر نہ کریں بلکہ اللہ کی رحمت اور حفاظت پر نظر کریں کہ اگر اللہ تعالیٰ حفاظت نہ فرماتا تو معصیت سے محفوظ رہنا ناممکن اور محال ہے لَاحَاصِمٌ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور جب یوسف علیہ السلام نے خیانت سے اپنی براءت ظاہر فرمائی تو ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال ہو کہ یہ تو فخر اور ناز اور خود ستائی اور اپنے نفس کی پاکی اور صفائی ہے جو خدا کے نزدیک پسندیدہ نہیں تو اس خیال کے ازالہ کے لیے فرمایا کہ میں اپنے نفس کی پاکی اور صفائی بیان نہیں کرتا یعنی اس گزشتہ قول سے میری یہ غرض نہیں کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کروں کہ میرا نفس پاکیزہ ہے البتہ تحقیق میں خوب جانتا ہوں کہ نفس بالذات برائی کا حکم دینے والا ہے نفس کی طبیعت اور جبلت میں برائی کا میلان رکھا ہوا ہے ایک لمحہ کے لیے بھی نفس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا مگر جس وقت خدا ہر بانی کرے تو اس وقت انسان نفس غدار کے شر اور فتنہ سے بچ سکتا ہے صرف اللہ کی رحمت اور عنایت ہی نفس اور شیطان سے حفاظت کر سکتی ہے بے شک میرا پروردگار بخشنے والا ہر بار ہے یوسف علیہ السلام نے اول خیانت اور تہمت سے اپنی براءت کو خوب اچھی طرح ثابت کیا اور بعد میں بطور تواضع اور خاکساری یہ فرمایا وَمَا أُبْرِئُ نَفْسِي الْحَاشَاہُ اس طرف فرمایا کہ بندہ کی عصمت اور نزاہت سب اللہ کی رحمت اور عنایت پر موقوف ہے نفس کے جبلتی اور ذاتی شر سے محفوظ رہنا بغیر اللہ کی رحمت اور بغیر اس کی حفاظت کے ممکن نہیں اور یہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے کسی قسم کی خیانت نہیں کی اس سے مقصود اپنی پاکی اور صفائی اور خود ستائی نہیں بلکہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت اور توفیق سے مجھ کو نفس کے شر سے محفوظ رکھا میرا یہ فعل بطور تحدیثِ نعمت ہے وَأَمَّا بِخُصْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ لذت اور فرحت اور مسرت کے ساتھ اس کی نعمتِ حفاظت کا ذکر کر رہا ہوں کیونکہ خوب جانتا ہوں کہ آدمی اپنی ذاتی جبلت سے ہر وقت اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت کا محتاج ہے جس درجہ کی رحمت اور عنایت

شامل حال ہوگی اس درجہ کی عصمت اور حفاظت اسکی دستگیر ہوگی کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی عصمت یا عفت کو اپنے نفس کا ذاتی اقتضاء جانے نفس کا ذاتی اقتضار تو بدی کی ہی طرف ہے اور برائی سے بچنا یہ اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہے میں اپنی برائت کے بارہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بطور تحدیث نعمت کہہ رہا ہوں کہ اس نے اپنی رحمت سے مجھ کو سوء اور فحشاء سے بالکلیہ محفوظ رکھا اور فخر اور اعجاب یہ بھی ایک قسم کا سور ہے اس سے بھی اللہ نے مجھ کو محفوظ رکھا اس کہنے میں میری نظر اپنی ذات پر نہیں بلکہ اس کی رحمت اور عنایت پر ہے کہ اگر وہ اپنی رحمت سے میری حفاظت نہ فرماتا تو اندیشہ تھا کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاتا۔

جمہور مفسرین نے پہلی آیت ذالک

ذکر اختلاف مفسرین در تفسیر اس آیت

وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ اور اس آیت کو یعنی وَمَا أُبْرِيْ نَفْسِي الْخ کو یوسف علیہ السلام کا کلام قرار دیا ہے کیونکہ یہ جملہ غایت درجہ تواضع اور انکساری اور خدا پرستی پر دلالت کرتا ہے جو یوسف علیہ السلام ہی کے شایان شان ہے اور زلیخا اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھی بت پرست تھی اور ظاہر ہے کہ ایسا کلام معرفت التیام تو خدا پرست ہی کی زبان سے نکل سکتا ہے اور بت پرست کی زبان سے ایسا کلام کہاں نکل سکتا ہے (دیکھو زاد المسیر لابن جوزی ص ۲۴۲ جلد ۴)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ تمام کلام زلیخا کا ہے جس میں اس نے صراحت کے ساتھ کہہ دیا کہ تصور میرا ہی تھا اور یوسفؑ بری ہیں اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتلاتی بے شک نفس بری باتوں کا حکم دیتا ہے مگر جس پر خدا رحم کرے سو اس کا نفس اس کو بُری بات کا حکم نہیں دیتا ابھی میں یوسفؑ بھی ہے بے شک میرا پروردگار نیکو دل و لاہربان ہے یعنی گویں نے گناہ کیا ہے مگر خدا غفور رحیم ہے مجھے امید ہے کہ وہ میرا گناہ معاف فرمائے گا اور میں نے اپنے قصور کا اعلانیہ اقرار اس لیے کر لیا کہ یوسفؑ سمجھ لے کہ میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس پر کوئی بہتان نہیں باندھا یہ قول بعض مفسرین کا ہے مگر راجح اور مختار قول یہی ہے کہ اس قسم کا کلام یعنی وَمَا أُبْرِيْ نَفْسِي الْخ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ کلام اس شخص کا ہے جو متقی اور پرہیزگار ہو اور گناہوں سے بچنے والا اور بھل گئے والا ہو اور پھر بطور تواضع اور خاکساری یہ کہتا ہو کہ میں اپنے آپ کو پاک اور بری نہیں بتلاتا جو کچھ ہوا وہ سب اللہ کی رحمت اور توفیق سے ہوا یہ کلام اس عورت کے مناسب نہیں جس نے اپنی جدوجہد کو اللہ کی معصیت اور شوہر کی خیانت میں خرچ کر ڈالا ہو (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۴۳ جلد ۴)

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُونِيْ بِهٖ اَسْتَخْلِصْهٗ

اور کہا بادشاہ نے اے آؤ اس کو میرے پاس میں خاص کر

لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ

دکھوں اس کو اپنے کام میں پھر جب بات چیت کی اس سے کہا: سچ تو نے آج ہمارے

لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ﴿۵۳﴾ قَالَ اجْعَلْنِي

پاس جگہ پائی معتبر ہو کر یوسف نے کہا: مجھ کو مقرر کر

عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾

ملک کے خزانوں پر میں خوب نگہبان ہوں خبردار

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَّبِعُوا مِنْهَا

دریوں قدرت دی ہم نے یوسفؑ کو اس زمین میں جگہ پکڑے اس میں

حَيْثُ يَشَاءُ ط نَصِيبٌ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَا

جہاں چاہے پہنچاتے ہیں ہم اپنی ہر جس کو چاہیں اور ضائع

نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۵﴾ وَلَا جُرْأِخْرَةَ خَيْرٌ

نہیں کرتے ہم نیک بھلائی والوں کا اور نیک آخرت کا بہتر ہے

لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۵۶﴾

ان کو جو یقین لائے اور رہے پرہیزگاری میں

یوسف علیہ السلام کی شاہ مصر سے ملاقات اور بالمشافہ
گفتگو اور تفویض اختیارات سلطنت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ إِلَى وَكَانُوا يَتَّقُونَ

اور جب بادشاہ کو یوسف علیہ السلام کی رات اور نراہت کا کامل یقین ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کی اس شرط نے کہ سورتوں سے بھی دریافت کر لیا جائے بادشاہ کو اور بھی اطمینان دلا دیا کہ

تحقیقات کی شرط وہی آدمی لگا سکتا ہے جس کو اپنی براءت کا کامل یقین ہو اور خواب کی تعبیر اور پھر اس کے متعلق تدبیر سن کر تو بادشاہ حیران ہی رہ گیا اور کہنے لگا اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ ایسے شخص کو تو میں خالص اپنے لیے مقرر کروں گا اور عزیز مصر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوگا یعنی براہ راست مجھ سے وابستہ ہوں گے اور عزیز مصر کے ماتحت نہ ہوں گے چنانچہ لوگ ان کو بادشاہ کے پاس لائے پس جب بادشاہ نے یوسف علیہ السلام سے بالمشافہ باتیں کیں تو ان کی فہم و فراست کو دیکھ کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور حکم دیا کہ تحقیق تو آج سے ہمارے یہاں بڑے مرتبہ والا اور بڑا معتبر ہے بعد ازاں خواب کی تعبیر کا ذکر آیا بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا انتظام بڑا بھاری کام ہے یوسف علیہ السلام نے اس کی تدبیر اور انتظام کا طریقہ بتلایا بادشاہ نے کہا کہ اس کا عظیم کون کفیل اور ذمے دار بنے گا یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے اے یوسف! میں دیکھتا ہوں کہ تم مجسم صدق اور امانت ہو تم سے کسی قسم کی خیانت کا اندیشہ نہیں صدق اور امانت اور فہم و فراست تمہارے چہرہ سے عیاں ہے دل تمہاری طرف مائل ہے جیسا اطمینان تم پر کیا جاسکتا ہے ویسا اطمینان دوسرے عمال اور حکام پر نہیں کیا جاسکتا یوسف علیہ السلام نے کہا اچھا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجیے یعنی ملکی پیداوار اور اس کی آمد و خرچ کا افسر مجھے مقرر کر دیجیے تاکہ یہ خزانے صحیح حق داروں کو پہنچا سکوں اور اس طرح سے بندگان خدا کو آسانی کے ساتھ روزی پہنچا سکوں اور عجب نہیں کہ ساتھ ساتھ یہ بھی خیال کیا ہو کہ یہ عدل و انصاف دعوت حق کا ذریعہ اور وسیلہ بنے گا اور فرمایا کہ تحقیق میں خدا داد علم اور فہم سے بڑا حفاظت کرنے والا ہوں بیت المال کو خیانت سے محفوظ رکھوں گا جن سے مال لینا ہے ان سے لیا جائے گا اور جن کو دینا چاہیے ان کو دیا جائے گا اور بڑا خبردار واقف کار ہوں یعنی حق تعالیٰ نے مجھ میں انتظام کی صلاحیت رکھی ہے اگر آپ نے مجھ کو مقرر کر دیا تو انشاء اللہ ایسا انتظام کروں گا کہ خدا کے فضل سے کوئی بھوکا نہیں مرے گا چنانچہ بادشاہ نے اس کو منظور کیا اور یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوا اور ان کو اپنا وزیر باتدبیر بنایا اور سلطنت کا مختار کر دیا اور عزیز مصر کو معزول کر کے سلطنت کے تمام انتظامات ان کے سپرد کر دیئے اور مصر کے تمام خزانے پر منتصرف ہو گئے اور تمام قلمرو میں انہی کا حکم چلنے لگا چند روز کے بعد عزیز مصر کا انتقال ہو گیا اور یوسف علیہ السلام عزیز مصر کے لقب سے مشہور ہوئے کقولہ تعالیٰ فیما بعد قُلُوبًا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيزُ الْحَمْدُ اور عزیز مصر کے بعد بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کی عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے شادی کر دی جس سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک افرایم اور دوسرا یشا (تفصیل کے لیے دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۱۲ جلد ۹ وزاد المسیر ص ۲۴۴ جلد ۴ و تفسیر ابن کثیر صفحہ ۴۸۲ جلد ۲)

نکتہ | خوب سمجھ لو کہ خلیفہ راشد وہی ہے جو حفیظ و علیم کا مصداق ہو پھر ابو بکرؓ و عمرؓ کے حال پر ایک نظر ڈالو ! یوسف صدیقؑ کا نمونہ نظروں کے سامنے آجائے گا۔

اور ہم نے ایسے ہی عجیب طور پر یوسفؑ کو زمین مصر میں جگہ دی یعنی اس ملک میں حکومت اور نمکنت عطا کی اور اقتدار اور اختیار دیا کہ اس زمین میں سے جہاں چاہیں رہیں۔ قید خانہ کی تنگی اور تکلیف کے بعد یہ وسعت اور فراخی عطا کی کہ جہاں چاہیں رہیں سارا ملک ان پر فریفتہ ہے اور یہ سب اللہ کی رحمت ہے اور ہم جس کو چاہیں اپنی رحمت پہنچائیں کوئی ہمارا ہاتھ پکڑنے والا نہیں اور ہم نیکو کاروں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتے اور البتہ اہل ایمان اور اہل تقویٰ کو جو اجر آخرت میں ملے گا وہ اس دنیاوی اجر سے کہیں بہتر ہے جس کے سامنے دنیا کی دولت و ثروت سب بچ ہے یعنی یوسفؑ کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے یوسف علیہ السلام نیکو کاری اور پرہیزگاری کی بدولت قصر چاہ سے نکل کر تخت چاہ پر پہنچے اور آخرت میں جو اجر و ثواب ان کے لیے مقدر ہے وہ وہم و گمان سے بالا اور برتر ہے۔

۶ دنیا و عقبیٰ کے قدر یافت : کہ او جانب صبر و تقویٰ شناخت
خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ کہاں سے کہاں پہنچا یا کنوئیں سے نکال کر مصر کا فرمانروا بنانا
شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں یہ جواب ہوا ان کے سوال کا کہ اولادِ ابراہیمؑ اس طرح شام سے مصر میں آئی اور بیان ہوا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو گھر سے دور پھینکا تاکہ ذلیل ہوں اللہ نے عزت دی اور ملک پر اختیار دیا ایسا ہی ہوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو، (موضع القرآن)

وَجَاءَ إِخْوَتُهُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ

اور آئے بھائی یوسف کے پھر داخل ہوئے اس کے

فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ۝۵۸ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

پاس تو اس نے پہچانا ان کو اور وہ نہیں پہچانتے اور جب تیار کر دیا ان کو

بِجَهَّازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِآخِ لَكُمْ

ان کا اسباب کہا لے آؤ میرے پاس ایک بھائی جو تمہارا ہے

مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ لَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوْفِي الْكَيْلَ وَأَنَا

باپ کی طرف سے تم نہیں دیکھتے ہو کہ میں پوری دیتا ہوں بھرتی اور خوب

خَيْرَ الْمُنْزِلِينَ ﴿٥٩﴾ فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ

طرح اتارنا ہوں پھر اگر اس کو نہ لائے میرے پاس تو بھرتی نہیں

لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ

تم کو میرے نزدیک اور میرے پاس نہ آؤ۔ بولے ہم خواہش کریں گے اس کے

أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ وَقَالَ لِفَتْيَانِهِ اجْعَلُوا

باپ سے اور البتہ ہم کو کرنا ہے اور کہہ دیا خدمت گاروں کو اپنے رکھ دو

بِضَاعَتِهِمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا

اُن کی بلونجی انکے بلوجھوں میں شاید اس کو پہچانیں جب پھر کر

إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ

جاویں اپنے گھر شاید وہ پھر آئیں پھر جب پھر گئے اپنے

أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا

باپ پاس بولے اے باپ بند ہوئی ہم سے بھرتی سو بھیج ہمارے ساتھ

أَخَانًا نَّكْتُلُ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿٦٣﴾ قَالَ هَلْ أَمْنُكُمْ

بھائی ہمارا کہ بھرتی لاؤں اور تم اسکے نگہبان ہیں کہا میں اعتبار کروں تمہارا

عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمْنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ قَالَ اللَّهُ

اس پر وہی، جیسا اعتبار کیا تھا اسکے بھائی پر پہلے سو اللہ

خَيْرُ حَافِظٍ ۚ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا

بہتر ہے نگہبان اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان اور جب کھولی اپنی

مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا

چیز بست پائی اپنی بلونجی پھری آئی ان کی طرف بولے

يَا بَانَا مَا نَبَغِي ط هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ

اے باپ! وہی جو ہم مانگتے ہیں یہ پلوئجی ہماری پھیر دی ہے ہم کو اور رسد لاویں

أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزِدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ط ذَلِكَ

ہم اپنے گھر کو اور خیرداری کریں اپنے بھائی کی اور زیادہ لیویں بھرتی ایک اونٹ کی

كَيْلٌ يَّسِيرٌ ۖ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ

وہ بھرتی آسان ہے کہا ہر گز نہ بھیجوں گا اسکو ساتھ تمہارے جب تک دو گھوڑے

مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ

عہد خدا کا کہ البتہ پہنچا دو گے میرے پاس اسکو مگر کہ گھیرے جاؤ تم سارے

فَلَمَّا أَتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَى مَا نَقُولُ

پھر جب دیا اسکو عہد سب نے بولا، ذمہ اللہ کا ہے جو باتیں ہم

وَكَيْلٌ ۖ ۚ وَقَالَ يَبْنِي لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ

کہتے ہیں اور کہا اے بیٹو! نہ داخل ہو جیو ایک دروازے سے

وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ط وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ

اور بیٹھو کئی دروازوں سے جدا جدا اور میں نہیں بچا سکتا تم کو

مِّنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ط إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

اللہ کی کسی چیز سے ، حکم کسی کا نہیں سوا اللہ کے اسی پر مجھ کو بھروسہ ہے

وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۖ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ

اور اسی پر بھروسہ چاہیے بھروسہ کرنے والوں کو اور جب داخل ہوئے جہاں

حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ط مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِّنْ

سے کہا تھا ان کے باپ نے کچھ نہ بچا سکتا تھا ان کو

اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ قَضَاهَا

اللہ کی کسی چیز سے مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے جی میں سو کر چکا

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

اور وہ تو خبردار تھا ہمارے سکھائے سے لیکن بہت لوگ

لَا يَعْلَمُونَ^ع (۶۸)

خبر نہیں رکھتے

ظہور قحط عظیم در اطراف مصر و شام

قال اللہ تعالیٰ وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ... إلخ.. وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (ربط، غرض یہ کہ اس طرح یوسف علیہ السلام کو خزانہ مسر پر اقتدار اور اختیار حاصل ہوا اور بادشاہ نے سلطنت کا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کیا اور ارکان دولت اور وزراء اور اصرار نے سر تسلیم خم کر دیا اور یوسف علیہ السلام نے زمین کی پیداوار کا انتظام شروع فرمایا اور لوگوں کو کھیتی کرنے کا حکم دیا بے شمار غلہ پیدا ہوا سات برس تک جو غلہ حاصل ہوتا رہا اس میں سے بقدر ضرورت و کفایت لوگوں کو دیتے اور باقی کو جمع رکھتے یہاں تک کہ غلہ کا اس قدر ذخیرہ ہو گیا جو ساہا سال کام آسکے چونکہ حق تعالیٰ نے قبل از وقوع قحط اس سے آگاہ فرمادیا تھا اس لیے انہوں نے یہ انتظام فرمایا دوسرے ملک والوں کو پہلے سے اس کا کچھ علم نہ تھا اس لیے وہ انتظام نہ کر سکے اس انتظام میں سات سال گزر گئے اب اس کے بعد قحط کے سال شروع ہوئے اور مصر اور شام کے تمام علاقوں میں قحط عام ہو گیا جس سے لوگ پریشان ہو گئے یوسف علیہ السلام نے لوگوں کو غلہ دینا شروع کیا کسی کو ایک اونٹ سے زیادہ غلہ نہ دیتے تھے اگرچہ وہ سردار اور حاکم ہو جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے غلہ فروخت ہوتا ہے تو اطراف و اکناف سے لوگ غلہ لینے کے لیے آنے لگے اور کنعان میں بھی قحط پڑا تو یوسف علیہ السلام کے بھائی بچہ بنیامین کے غلہ لینے کے لیے مصر آئے اور من جانب اللہ وقت آیا کہ یوسفؑ کے ہاتھ سے ان بھائیوں پر احسان کرائیں جنہوں نے یوسفؑ کے ساتھ برائی کی تھی یعقوب علیہ السلام کو جب مصر کا حال معلوم ہوا تو اپنے بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ مصر کا بادشاہ بڑا نیک بخت ہے لوگوں

کو غلہ دیتا ہے تم بھی اس کے پاس جاؤ اور غلہ لاؤ غرض یعقوب علیہ السلام نے اپنے دسویں بیٹوں کو مصر بھیج دیا اور یوسفؑ کے سگے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھ لیا پس جب یہ دس بھائی یوسف علیہ السلام کے سامنے آئے تو یوسف علیہ السلام نے ایک ہی نظر میں ان کو پہچان لیا اور وہ ابھی ان سے ناشناس تھے یعنی وہ ابھی یوسفؑ کو نہ پہچان سکے اس لیے کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو صغر سنی میں چھوڑا تھا اور اُس وقت سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزر چکے تھے پھر یہ کہ یوسف علیہ السلام اس وقت لباس شاہانہ میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھے ایسی حالت میں یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ جلوہ افروز وہی ہمارا بھائی ہے جس کو ہم نے معمولی قیمت میں ایک قافلہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے چہرہ پر نقاب رکھتے تھے تاکہ مصر کی عورتیں فتنہ میں نہ پڑیں غرض یہ کہ جب بھائی یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا اور بھائیوں نے ان کو نہ پہچانا یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آئے اور عبرانی زبان میں ان سے ان کے حالات پوچھے کہ تم کون لوگ ہو اور کہاں سے آئے ہو انہوں نے کہا کہ ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں ہمارا گزرانِ معاش بکریوں پر ہے قحط کی مصیبت میں ہم بھی گرفتار ہیں اس لیے ہم تیرے پاس غلہ لینے کے لیے آئے ہیں یوسف علیہ السلام نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم جاسوس ہو اور میرے ملک کا حال معلوم کرنے آئے ہو انہوں نے کہا کہ بخدا ہم جاسوس نہیں ہم سب ایک باپ کے بیٹے ہیں ہمارا باپ بہت بوڑھا اور راست گفتار ہے اس کا نام یعقوبؑ ہے وہ اللہ کا نبی ہے یوسف علیہ السلام نے کہا تم کتنے بھائی ہو انہوں نے کہا ہم کل بارہ بھائی تھے اور ایک بھائی ہمارے ساتھ جنگل گیا اور ہلاک ہو گیا ہمارے باپ کو اس کے ساتھ ہم سب سے زیادہ محبت تھی یوسفؑ نے کہا کہ اب تم یہاں کتنے ہو انہوں نے کہا کہ ہم دس ہیں یوسفؑ نے کہا گیارہ ہواں کیا ہو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے باپ کے پاس ہے باپ نے اس کو اپنے پاس روک لیا کیونکہ وہ ہلاک شدہ بھائی کا سگا بھائی ہے باپ اس سے تسلی پاتا ہے یوسف علیہ السلام نے کہا کیا کوئی اس کی تصدیق کر سکتا ہے کہ تم سچ کہتے ہو انہوں نے کہا ہم پردیس میں ہیں یہاں ہمیں کوئی نہیں جانتا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اچھا اب کی دفعہ تم اس سوتیلے بھائی کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا اسی سے تمہارا سچ معلوم ہو جائے گا بعد ازاں یوسف علیہ السلام نے ان کو غلہ دینے کا حکم دے دیا اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان غلہ کا تیار کر دیا اور ہر ایک کے اونٹ پر گہیوں لدوا دیئے تو وہ بولے کہ ہمارا ایک بھائی جس کو باپ نے اپنی تسلی کے لیے روک لیا ہے اس کے حصہ کا بھی ایک اونٹ غلہ کا دے دیا جائے فرمایا کہ یہ قانون کے خلاف ہے اگر اس کو اپنا حصہ لینا ہے تو خود آکر لے جائے اور ان کو رخصت کیا اور چلتے وقت یہ کہا کہ اب کی دفعہ آؤ تو اپنے اس

بھائی کو بھی ساتھ لانا جو تمہارے باپ کی طرف سے تمہارا بھائی ہے یعنی اپنے علاقائی بھائی کو ساتھ لانا تاکہ اس کا حصہ بھی دیا جاسکے کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں باپ کو پورا کرتا ہوں اگرچہ اس کی قیمت پوری نہ ہو اور علاوہ ازیں میں بہترین ہمان نواز ہوں باوجود جاسوسی کے احتمال اور امکان کے میں نے تمہاری ہمان داری میں کوئی کمی نہیں کی اب کی دفعہ آؤ تو بھائی کو بھی ساتھ لاؤ تاکہ اس کے حصہ کا غلہ اس کو مل سکے پس اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو ایک تو یہ ہوگا کہ تمہارے بے میرے پاس غلہ کا کوئی ماپ نہ ہوگا اور دوم یہ کہ تم میرے پاس بھی نہ آنا پھر تمہیں یہاں آنے کی اجازت بھی نہیں اگر اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میری قلمرو میں قدم نہ رکھنا بھائی کو ساتھ نہ لانے سے میں سمجھوں گا کہ تم مجھے دھوکہ دے کر بھائی کے نام سے زیادہ غلہ لینا چاہتے تھے وہ بولے ہم تاحد امکان اس کے متعلق اس کے باپ سے گفت گو کریں گے اور تحقیق ہم اس کام کو کر کے رہیں گے یعنی جتنی کوشش ہو سکے گی اس میں کمی نہ کریں گے باقی اختیار باپ کو ہے اور جب وہاں سے چلنے لگے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ان کی پونجی جو وہ غلہ کی قیمت میں لائے تھے انہی کے شلینتوں یعنی خرچیوں میں رکھ دو شاید یہ لوگ جب اپنے گھر پہنچیں تو اس کو پہچانیں کہ یہ کس قدر جو دو کرم ہے کہ غلہ بھی دیا اور قیمت بھی اس کی واپس کر دی اور واپس بھی اس طرح کی کہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی شاید وہ اس جو دو کرم کو دیکھ کر دوبارہ واپس آئیں قیمت کو اس طرح واپس کرنے میں چند حکمتیں تھیں (اولاً) یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ اور بھائیوں سے قیمت لینا مروت کے خلاف سمجھا (ثانیاً) یوسف علیہ السلام نے یہ خیال کیا کہ ممکن ہے ان کے پاس اور قیمت نہ ہو اور پھر غلہ لینے نہ آئیں اس لیے ان کی قیمت واپس کر دی تاکہ قیمت پا کر پھر غلہ لینے آئیں (ثالثاً) یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ ایسی طرح احسان کرنا چاہا کہ ان کو ندامت اور عار نہ ہو کیونکہ اگر ظاہری طور پر قیمت واپس کرتے تو شاید وہ منظور نہ کرتے (رابعاً) یوسف علیہ السلام نے خیال کیا کہ جب یہ قیمت واپس پائیں گے تو ان کی امانت و دیانت اور مروت اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ضرور واپس آئیں۔ اور اس پونجی کی واپسی کا سبب دریافت کریں اور کوشش کریں کہ یہ قیمت واپس لی جاوے (خامساً) یہ چاہا کہ اپنے باپ کے سامنے یہ ظاہر کریں کہ مصر کے بادشاہ نے ہمارے ساتھ یہ اکرام کیا ہے اور مزید اکرام سے دوبارہ مع بھائی کے طلب کیا ہے تو یہ سن کر باپ کو بھائی کا بھیجنا گراں نہ گزرے اور جب قیمت ان کے پاس ہوگی تو دوبارہ آنے میں سہولت ہوگی غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کے ساتھ سلوک اور احسان میں ایسا ہی مثال کیا جیسا کہ بھائیوں نے برائی میں مثال کیا تھا (دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۹ جلد ۵)

پس جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے باپ کی طرف لوٹے اور وہاں پہنچے تو یعقوب علیہ السلام سے سارا حال بیان کیا بادشاہ بہت نیک سیرت اور عادل ہے اس نے ہمارا اکرام کیا اور ہماری ہمانداری کی یعقوب

علیہ السلام سن کر خوش ہوئے اور بادشاہ کو دعادی اور کہنے لگے اے ہمارے والد بزرگوار آئندہ کے لیے ہم سے غلہ روک لیا گیا ہے کہ جب تک اپنے علاقے بھائی کو نہ لاد گے اس وقت تک تم کو کیل (یعنی غلہ کا پیمانہ) نہیں دیا جائے گا لہذا آپ ہمارے ساتھ بھائی بنیامین کو بھیج دیں تاکہ ہم دوبارہ غلہ لاسکیں کیونکہ پہلی مرتبہ غلہ دیتے وقت ہم سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ آئندہ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو غلہ نہیں دیا جائے گا اس لیے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اور ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ تحقیق ہم ان کی پوری حفاظت کریں گے کوئی برائی اور تکلیف اس کو پہنچنے نہیں دیں گے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بس رہنے دو کیا اس کے بارہ میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف کے بارہ میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں یعنی میں بنیامین کے بارہ میں تمہارا اعتبار کس طرح کروں یہی بات جو تم اب کہتے ہو وہی بات تم نے اس کے بھائی یوسف کے بارہ میں کہی تھی اور تم نے مجھ سے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا مگر وہ غلط نکلا تو اب اس کے بارہ میں مجھے تمہارا اعتبار کس طرح آئے سو خیر اگر تم بنیامین کو لے ہی جاؤ گے تو اللہ کے سپرد ہے وہ سب سے بڑھ کر محافظ ہے مطلب یہ ہے کہ میرا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر ہے تم پر اور تمہاری حفاظت پر کوئی بھروسہ نہیں میں اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس کی حفاظت پر چھوڑتا ہوں اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے مجھے اس کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ارحم الراحمین اب مجھ پر دو بیٹوں کی مصیبت کو جمع نہ کرے گا اور اس گفتگو کے بعد جب انھوں نے اپنے سامان کو کھولا جو مصر سے لائے تھے تو اس میں اپنی پونجی کو پایا کہ وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی پونجی سے مراد وہ قیمت ہے جو غلہ کے عوض دے کر آئے تھے اس کو دیکھا کہ وہ ان کی طرف واپس کر دی گئی ہے جب دیکھا تو کہنے لگے اے ہمارے شفیع و رحیم باپ لیجئے اور ہم کو کیا چاہیے کہ بادشاہ نے ہمارا اکرام کیا اور ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور پھر ہماری قیمت بھی اس طرح واپس کر دی کہ ہم کو خبر بھی نہ کی دیکھ لیجئے یہ ہماری پونجی سامنے ہے جو ہم کو واپس کر دی گئی اس سے بڑھ کر بادشاہ سے کس چیز کو چاہیں پس بادشاہ کی اس شفقت و عنایت کا مقتضی یہ ہے کہ آپ ہم کو دوبارہ بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت دیں اور اس بات کی اجازت دیں کہ اپنے بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیں جیسا کہ بادشاہ کی شرط ہے اور اس طرح ہم اپنے گھر والوں کے لیے غلہ لائیں گے اور آمد و رفت میں اپنے بھائی کی پوری حفاظت کریں گے اور اس کے حصہ کا ایک بار شتر غلہ زیادہ لائیں گے کیونکہ یہ غلہ جو اس وقت ہم لائے ہیں وہ قلیل مقدار ہے جس سے ہماری ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آتی اور بغیر بھائی کے ساتھ لیجائے دوبارہ غلہ ملنا ممکن نہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا خیر مجھے ایسی حالت میں بھیجنے سے انکار تو نہیں مگر میں اس کو اس وقت تک تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد اور پیمانہ نہ

دو کہ تم ضرور اس کو میرے پاس واپس لاؤ گے ہاں اگر تم کہیں گھر جاؤ اور اس کی حفاظت سے مجبور ہو جاؤ تو اس وقت تم معذور ہو گے چنانچہ سب نے اس پر قسم کھاتی پھر جب انھوں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنا پختہ عہد اور پیمانہ دے دیا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے غرض یعقوب علیہ السلام بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے پر راضی ہو گئے اور جب دوبارہ مصر جانے کے لیے تیار ہو گئے تو چلتے وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو تدبیر اور احتیاط کی نصیحت کی اور کہا اے میرے بیٹو مصر میں تم سب ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا یہ حکم اس لیے دیا کہ سب بیٹے صاحبِ حق و جمال تھے اور صاحبِ شوکت و ہیبت و وقار تھے اور ایک باپ کی اولاد تھے اس لیے اندیشہ ہوا کہ اس طرح داخل ہونے سے نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر حق ہے صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نظر حق ہے اور پہلی مرتبہ مصر میں عام مسافروں کی طرح داخل ہوئے تھے اور کوئی پہچانتا نہ تھا اس لیے پہلی مرتبہ اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی اور دوبارہ جانا خاص شان اور اہتمام سے تھا اور بادشاہ کی دعوت پر تھا اس لیے حفاظت کی یہ تدبیر فرمائی اور فرمایا کہ یہ محض ایک ظاہری تدبیر ہے اور نظر بد سے بچنے کا ایک ذریعہ اور سبب ہے اور باقی اگر خدا ضرور پہنچا چاہے تو میں تم کو اللہ کی تقدیر سے بچا نہیں سکتا یعنی خواہ تم سب ایک ساتھ ایک ہی دروازہ سے داخل ہو یا متفرق دروازوں سے تقدیر الہی ہر حال میں تم کو پہنچ کر رہے گی اور احتیاط کچھ بھی کام نہ آئے گی مگر جہاں تک ممکن ہو ظاہری تدبیر اور ظاہری سبب پر عمل کرنا ضروری ہے یہ عالم اسباب ہے حق تعالیٰ نے اسباب کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ اس راستہ پر چلو رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا۔

اطلبوا الارزاق من اسبابها : وادخلوا الایات من البوابها

یعقوب علیہ السلام نے مقتضائے شفقتِ پدری اولاً ایک تدبیر کا حکم دیا پھر بندہ کے عجز اور لاچارگی پر نظر کر کے تقدیر کا ذکر فرمایا تاکہ بیٹے سمجھ جائیں کہ احتیاطی تدبیر سے مقدر نہیں ٹل سکتا کیونکہ حکم صرف اللہ کا ہے اس کے حکم کے سامنے کسی کی نہیں چلتی جو اس نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے وہ لا محالہ تم کو پہنچے گا اور یہ تدبیر تم کو کچھ نفع نہ دے گی اور باوجود اس تدبیر ظاہری کے میں نے بھروسہ خدا ہی پر کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو چاہیے کہ اسی پر بھروسہ کر رہیں نہ کہ تدبیر پر تدبیر سے گریز کرنے کا نام تو کل نہیں بلکہ توکل یہ ہے کہ تدبیر بھی کر د مگر نظر تقدیر پر رکھو اس کے بعد وہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور جب شہر مصر میں اسی طرح متفرق دروازوں سے داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا تو یہ تدبیر ان سے اللہ کی تقدیر میں سے کوئی شے دفع نہ کر سکی لیکن یعقوب علیہ السلام کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کر لیا اور اس کے موافق اولاد کو نصیحت کر دی اور اسی کے مطابق اولاد متفرق دروازوں سے داخل ہوئی مگر جو مقدر تھا وہ دور نہ ہوا اور

چوری کا الزام ان پر لگا پس اس تدبیر سے تقدیر نہ دفع ہوئی اور تقدیر دوسری طرف لے آئی اور تحقیق یعقوب بڑا خبردار تھا اس چیز سے جو ہم نے اس کو سکھائی تھی کہ تدبیر بھی کی مگر بھروسہ تدبیر پر نہ کیا اور صحیح علم یہی ہے کہ تدبیر اور تقدیر دونوں کو جمع کرے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں کہ وہ تدبیر پر مغرور ہو جاتے ہیں اور تقدیر کا بھید ان کی نظروں سے پوشیدہ ہو جاتا ہے ظاہر اسباب کو پختہ کرنا اور بھروسہ اللہ پر رکھنا یہی صحیح علم اور صحیح معرفت ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ

اور جب داخل ہوئے یوسف کے پاس اپنے پاس رکھا

أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا

اپنے بھائی کو کہا میں ہوں تیرا بھائی سو تو غمگین نہ رہ ان کاموں سے جو

يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ

کرتے رہے ہیں پھر جب تیار کر دیا ان کو اسباب ان کا رکھ دیا پینے کا باسن

فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذِنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ

بوجہ میں اپنے بھائی کے پھر پکارا پکارنے والا اے قافلے والو! تم مقرر

كُنتُمْ سِرْقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾

چور ہو کہنے لگے منہ کر کر ان کی طرف تم کیا نہیں پاتے

قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ

بولے ہم نہیں پاتے بادشاہ کا ماپ اور جو کوئی وہ لاوے اس کو ایک بوجہ

بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ

اونٹ کا اور میں ہوں اس کا ضامن کہنے لگے قسم اللہ کی! تم کو معلوم ہے

مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سِرْقِينَ ﴿٧٣﴾

ہم شرارت کرنے کو نہیں آتے ملک میں اور نہ ہم کبھی چور تھے

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿٤٣﴾

بولے، پھر کیا سزا ہے اس کی اگر تم جھوٹے ہو

قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ ط

کہنے لگے اس کی سزا یہ کہ جس کے ہوجھ میں پائے وہی جادے اس کے بدلے میں

كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ

ہم یہی سزا دیتے ہیں گنہگاروں کو پھر شروع کیا یوسف نے ان کی خرمیاں

وَعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وَعَاءِ أَخِيهِ ط

دیکھنی پہلے اپنے بھائی کی خرمی سے پیچھے وہ باسن نکالا خرمی سے اپنے بھائی کی

كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ط مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ

یوں داؤ تادیا ہم نے یوسف کو ہرگز نہ لے سکتا تھا اپنے بھائی کو

فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ط نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ

انصاف میں اس بادشاہ کے مگر جو چاہے اللہ ہم درجے بلند کرتے ہیں

مَنْ نَشَاءُ ط وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٤٥﴾ قَالُوا

جس کو چاہیں اور ہر خبر والے سے اُوپر ہے ایک خبردار کہنے لگے

إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا

اگر اس نے چرایا تو چوری کی ہے ایک اس کے بھائی نے بھی پہلے تب آہستہ کہا

يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ج قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ

یوسف نے اپنے جی میں اور ان کو نہ بتایا بولا کہ تم اور بدتر

مَكَانًا ج وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٤٦﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا

ہو درجے میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بتاتے ہو کہنے لگے اے

الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ

عزیز! اس کا ایک باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا سو رکھ لے ایک ہم میں سے اسکی جگہ

إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ

ہم دیکھتے ہیں تو ہے احسان کرنے والا۔ بولا اللہ پناہ دے! کہ ہم کسی

نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا

کو پکڑیں مگر جس پاس پائی اپنی چیز، تو - تو ہم

نَظْلِمُونَ ﴿۴۹﴾

بے انصاف ہوتے

بار دوم آمدن برادران یوسف علیہ السلام

قال الله تعالى وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أُولَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ... إِلَىٰ عِنْدَهُ لَا إِنَّا إِذَا الظَّالِمُونَ (ربط) یہاں تک برادران یوسف علیہ السلام کی پہلی بار آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں ان کی دوسری بار آمد کا ذکر ہے اور جب بار دوم یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق گیارہ بھائی یعنی دس بھائی سابق مع بنیامین کے مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے اور بنیامین کو پیش کر کے کہا کہ ہم آپ کے حکم کے مطابق اپنے اس علاقے بھائی کو اپنے ساتھ لائے ہیں جو آپ کے سامنے ہے یوسف علیہ السلام نے دودو بھائیوں کو ایک ایک جگہ ٹھہرا دیا بنیامین اکیلے رہ گئے اس لیے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اپنے پاس اس کو ٹھہرایا اور کھانے میں ان کو شریک کر لیا اور خلوت میں یوسف علیہ السلام نے بنیامین سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے کہا بنیامین یوسفؑ نے پوچھا کہ تیری ماں کا نام کیا ہے بنیامین نے کہا راحیل یوسفؑ نے پوچھا کوئی تیرا سگا بھائی بھی ہے بنیامین نے کہا ایک بھائی تھا وہ ہلاک ہو گیا یوسفؑ نے کہا اگر میں تیرے اس بھائی کے بدلہ جو ہلاک ہو گیا ہے بھائی ہو جاؤں تو تو اس بات کو پسند کرے گا بنیامین نے کہا تجھ سے اچھا بھائی کس کو مل سکتا ہے لیکن تجھ کو یعقوبؑ اور راحیل نے نہیں جناس وقت یوسف علیہ السلام نے کہا میں تیرا بھائی یوسف ہوں سو یہ لوگ جو

تیرے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں اس کی وجہ سے غمگین نہ ہو اللہ نے بھائی کو بھائی سے ملا دیا سب غم غلط ہو گئے اللہ کی رحمت نے اور پھر ان کے حسد نے ہم کو اس منزل پر پہنچایا یہ وقت نہ رنج کا ہے اور نہ شکوہ اور شکایت کا ہے بلکہ حق تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے بنیامین نے جب یہ سنا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور بزبان حال یہ کہنے لگے۔

آنحضرتؐ فرمایا: **خوشتن را در چنیں راحت پس از چندین عذاب** یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو تسلی دی اور کہا کہ اب ہم تمہیں اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے مگر اس میں ذرا تمہاری بدنامی ہوگی بنیامین نے کہا کچھ پرواہ نہیں پس جب یوسف علیہ السلام نے انکا سامان روانگی تیار کر دیا تو پانی پینے کا برتن کہ وہی غلہ دینے کا پیمانہ بھی تھا اپنے بھائی کے سامان میں خود رکھ دیا یا کسی رازدار خادم سے رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی اور ظاہر یہ ہے کہ خود یوسف علیہ السلام نے رکھا تاکہ کسی کو خبر نہ ہو اور وہ سب خوش و خرم غلہ لے کر روانہ ہوئے پھر جب وہاں سے روانہ ہوئے اور شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکارا اے قافلہ والو! تم چور ہو چونکہ برادران یوسف علیہ السلام کا قیام خاص ہمان خانہ میں تھا جس میں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا جب قافلہ روانہ ہو گیا تو کارپردازان ہمان خانہ نے سامان کی خبر گیری کی تو دیکھا کہ شاہی پیمانہ اپنی جگہ پر نہیں تو تلاشی شروع کی جب نہ ملا تو گمان یہ ہوا کہ اس ہمان خانہ میں سوائے اس قافلہ کے کوئی نہ تھا اس لیے منادی نے جا کر آواز دی۔

اے قافلہ والو!!! ٹھہرو ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوتے ہو بظاہر یہ منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے نہ تھی بلکہ ہمان خانہ کے خادموں کی طرف سے تھی جب انہوں نے مکان میں وہ پیالہ نہ دیکھا تو ان کا گمان یہ ہوا کہ اس مکان میں ان کے سوا کوئی نہ تھا اسی لیے خادم نے اپنے گمان کے مطابق کہا: **اِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ** (دیکھو تفسیر کبیر ص ۱۵۲ جلد ۵ روح البیان ص ۲۹۹ جلد ۴) امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ آواز اور منادی یوسف علیہ السلام کے حکم سے تھی تو یہ کلام بطریق تو یہ اور اشارہ تھا اور مطلب یہ تھا کہ کوئی تو مال چراتا ہے اور پچھاتا ہے تاکہ آئندہ چل کر اس سے فائدہ اٹھائے اور تم تو وہ ہو کہ جنہوں نے بیٹے کو باپ

علہ تفسیر طبری ص ۲۹۹ ج ۴ **قال الامام الاقرب الى ظاهرا الحال انهم فعلوا ذالك من انفسهم لانهم لما طلبوا السقاية وما وجدوها وما كان هناك احد الا هم غلب على ظنونهم انهم هم الذين اخذوها** (تفسیر کبیر ص ۱۵۲ جلد ۵) **ثم اتت اصحابكم لما طلبوا السقاية وما وجدوها وما كان هناك احد غير الذين ارتحلوا غلب على ظنونهم انهم هم الذين اخذوها** (فنادى المنادى من بينهم على حسب ظنهم **اِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ**) (روح البیان ص ۲۹۹ جلد ۴)

سے چرایا اور بے جا کر سستے داموں بیچ ڈالا ۔

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِنَّكُمْ كَسَادِقُونَ میں ہمزہ استفہام مقدر ہے یعنی اِنَّكُمْ لَسَادِقُونَ اور مطلب یہ ہے کہ کیا تم چور ہو یہ کلام بطور خبر نہ تھا بلکہ بطور استفہام تھا (تفسیر کبیر ص ۱۵۴ جلد ۵) اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے حکم سے تھا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَهُمْ یُسْئَلُونَ اور حکمت اس میں یہ تھی کہ یوسفؑ کے بعد بنیامین کی مفارقت سے یعقوب علیہ السلام کے ابتلا کی تکمیل ہو جاتے ۔

(دیکھو تفسیر منہرجی ص ۴۹ جلد ۵ اور تفسیر قرطبی ص ۲۳۵ جلد ۹)

القِصَّة جب یہ آواز یعنی اَیْنُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ كَسَادِقُونَ یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے سنی تو گھبرا کر بولے اور ان تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تم نے کیا گم کیا ہے جس کو تم ڈھونڈتے ہو تو تلاش کرنے والے بولے ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں اس کو تلاش کرتے ہیں اور جو اس کو لا کر حاضر کرے اس کے لیے ایک بار شتر غلہ انعام ہے اور میں اس کے دولہے کا ضامن اور کفیل ہوں غالباً انعام کا یہ اعلان یوسف علیہ السلام کے حکم سے ہوا ہو گا اہل قافلہ نے کہا اے لوگو بخدا تم جان چکے ہو کہ اس ملک میں ہم فساد کرنے نہیں آئے فقط قحط کی وجہ سے غلہ لینے کے لیے آئے ہیں ہماری حالت اور دیانت تم دیکھ چکے ہو اور ہم کبھی چور نہ تھے یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ان کی امانت و دیانت اہل مصر دیکھ چکے تھے کیونکہ بعض روایات میں آیا ہے کہ انہوں نے مصر میں داخل ہوتے وقت اپنے جانوروں کے منہ پر تو برے چڑھا دیئے تھے تاکہ کسی کے کھیت میں منہ نہ ڈال سکیں (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۳۴ جلد ۹)

اور یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اس قیمت کو جس کو انہوں نے اسباب میں پایا تھا واپس کر دیا تھا (واللہ اعلم بحال اسنادہ) القِصہ جب منادی کرنے والوں نے دیکھا کہ باوجود اس تہدید و ملامت کے اور باوجود اس انعام اور کفالت کے کسی نے کوئی اقرار نہ کیا تو منادی کرنے والے بولے اچھا بتلاؤ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں وہ مال برآمد ہوا تو اس کی کیا سزا ہوگی کہنے لگے ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ مال برآمد ہو وہی شخص اس کی سزا ہے یعنی تم اس کو اپنا غلام بنا لینا ہم ظالموں کو یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں یعنی ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ چور کو اس شخص کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جس کا مال اس نے چرایا ہو وہ سال بھر تک اس کا غلام رہتا ہے یوسف علیہ السلام بھی یہی چاہتے تھے تاکہ ان کے قول کے مطابق حجت قائم ہو اور یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو روک لیں اور بھائیوں کو عذر کی گنجائش نہ رہے انہوں نے خود اقرار کر لیا کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی سزا یہ ہے

اس طرح اپنے اقرار سے خود پکڑے گئے جب یہ طے ہو گیا کہ چور کی سزا کا طریقہ یہ ہے تو قافلہ کو مصر واپس لائے اور حضرت یوسفؑ کے سامنے ان کا مقدمہ پیش ہوا یوسف علیہ السلام نے تفتیش کا حکم دیا پس یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کی بوری سے پہلے دوسرے بھائیوں کی بوریوں کی تلاشی شروع کی اور پھر اخیر میں اپنے بھائی کی تلاشی لی اور اپنے بھائی کی بوری سے وہ پیمانہ نکال لیا اور شرط کے مطابق بنیامین کو غلام بنا لیا اس طرح سے ہم نے یوسف علیہ السلام کی خاطر بنیامین کے رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ بھائیوں ہی کی زبان سے یہ نکلوا دیا کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہو اس کو اپنا غلام بنا لو اس طرح وہ اپنے اقرار سے پکڑے گئے اور کوئی عذر نہ کر سکے اور وجہ اس تدبیر کی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے کیونکہ شاہی قانون میں چور کی سزا یہ نہ تھی کہ اس کو غلام بنا لیا جائے بلکہ چور سے مال مسروقہ کی دوچند قیمت لی جاتی تھی اور یہ سزا یوسف علیہ السلام کے نزدیک پسندیدہ نہ تھی بہر حال یوسف علیہ السلام اپنے بھائی کو بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق نہیں لے سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے تو وہ جس صورت سے چاہے دلا سکتا ہے ہم جس کو چاہتے ہیں علم و حکمت دے کر اس کے درجے بلند کرتے ہیں جیسا کہ یوسفؑ کو علم اور معرفت عطا کر کے ان کو بلند کیا اور بھائی کو روکنے کا یہ حیلہ اور طریقہ ہم نے یوسفؑ کو بتایا اور ہر ذی علم کے اوپر ایک علم والا ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء اللہ تعالیٰ پر ہے لہذا کسی عالم کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ایک سے ایک بڑھ کر ہے وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنْتَهٰی۔

فائدہ جلیلہ در تحقیق مسئلہ جلیلہ

حق تعالیٰ کا یہ ارشاد جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ اس امر کی دلیل ہے کہ کسی جائز غرض کے حصول کیلئے جیلہ کرنا جائز ہے البتہ الباطل حق یا احقاق باطل کے لیے جیلہ ناجائز ہے اور یہی فقہاء صنفیہ کا مذہب ہے مضائق اور تنگی کے مواقع سے نکلنے کے لیے حضرات انبیاء سے تو یہ کرنا ثابت ہے حضرت ابراہیمؑ کا تو یہ بَلِّ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ قرآن کریم میں مذکور ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوات میں تو یہ فرمانا اور اعداء اللہ کے قتل کرنے کے لیے صحابہ کو تو یہ کی اجازت دینا کتب صحاح میں مذکور ہے حالانکہ تو یہ بھی ایک قسم کا جیلہ ہی ہے فرق اتنا ہے کہ تو یہ جیلہ قولی ہے اور جیلہ میں فعل ہوتا ہے اور یوسف علیہ السلام کا یہ جیلہ یعنی بھائی کے سامان میں سقاہ کا رکھ دینا بظاہر حکم خداوندی سے تھا جیسا کہ کَذٰلِكَ كُنَّا لِيُوسُفَ صَاحِتَةً اس پر دلالت کرتا ہے کہ یوسفؑ کا یہ کید اور یہ جیلہ بحکم خداوندی تھا اور اس کی مرضی کے مطابق تھا اور

اس کے بعد حق تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ نَزَّاعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ تَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس قسم کا جیلہ اور کید وہی شخص کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص علم و معرفت عطا ہوا ہو اور ایسا علم موجب رفیع درجات ہے اور قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا وَخُذْ بِمِثْلِكَ صُغْتًا فَاُصْرِبْ بِهِمْ وَلَا تَحْنُتْ یعنی اے ایوب! تم اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا اٹھا لو اور اس سے مار لو اور قسم نہ توڑو۔ یہ بھی ایک قسم کا جیلہ تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو حکم دیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا هَذِهِ أُخْتِي يَهْنُ هِيَ تَاكُلُ الْكَاكِلَ شَرًّا مِّنْهُ مَحْفُوظٌ رَّبِّي مَعْلُومٌ ہوا کہ مضرت سے بچنے کے لیے جیلہ کا استعمال شرعاً محمود ہے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اس مقام پر حق جل شانہ نے یوسف علیہ السلام کے اس جیلہ کو بطریق استحسان ذکر فرمایا ہے۔

منجملہ افعال خداوندی کے کید اور مکر بھی ہے کہ اَقَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَاَكِيدُ كَيْدًا - وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرًا لِلَّهِ وَالدَّخِيلُ خَيْرٌ مَّا كَرِهْتَ اور کید اور مکر کی حقیقت خفی ہے اور اللہ تعالیٰ مدبر السموات والارض ہے بعض مرتبہ حق جل شانہ کسی حکمت کی بناء پر اپنے خاص بندوں پر اس قسم کے جیل اور مکائد اور تدابیر منکشف فرماتے ہیں جو بظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتی ہیں مگر درحقیقت وہ عین حکمت اور عین مصلحت ہوتی ہیں جیسے خضر علیہ السلام کا کشتی کو توڑنا اور کم سن لڑکے کو قتل کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر میں محل تعجب ہوا مگر یہ تمام امور غیبی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی تھے فقہاء حنفیہ نے جن جیلوں کی اجازت دی ہے وہ اسی قسم کے جیلے ہیں جن کو حق تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے اور اپنے پیغمبروں کو اس کا حکم دیا ہے باقی ایسا جیلہ جو کسی حکم قطعی سے گریز کے لیے کیا جائے (جیسے اصحاب سبت کا جیلہ) سو ایسا جیلہ فقہاء حنفیہ کے نزدیک قطعاً حرام ہے۔

القصة جب بنیامین اس جیلہ اور تدبیر سے لے لیے گئے تو وہ سب بھائی بہت شرمندہ ہوئے اور غصہ میں آکر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی چوری کر چکا ہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا بھائیوں نے جو یوسف علیہ السلام کی طرف سرقہ کو منسوب کیا اس کے بارہ میں مفسرین نے کئی قصے بیان کیے ہیں مجاہد وغیرہ سے یہ منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو ان کی پھوپھی نے ان کو پالا وہ یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتی تھیں جب یوسف علیہ السلام کسی قدر بڑے ہو گئے تو یعقوب علیہ السلام نے چاہا کہ یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس رکھیں پھوپھی نے جب ان کو رخصت کیا تو ان کے پاس اسحاق علیہ السلام کا ایک بچکا تھا چھپا کر اس کو یوسف علیہ السلام کی کمر میں باندھ دیا پھر اس بچکے کو ڈھونڈنا شروع کیا اور

یہ ظاہر کیا کہ وہ پٹکا جو مجھ کو اسحاقؑ سے وراثت میں ملا تھا وہ گم ہو گیا ہے تمام گھر والوں کی تلاشی لی آخر یوسف علیہ السلام سے وہ پٹکا برآمد ہوا تو پھوپھی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا دیکھو یوسفؑ نے میری چوری کی ہے لہذا دین ابراہیمی کے موافق اس کو میرے حوالہ کر دنا کہ ایک سال تک میں اس سے خدمت کرواؤں یعقوب علیہ السلام مجبور ہوئے اور ایک سال کے لیے انہیں یوسفؑ کو اپنی بہن کے پاس چھوڑنا پڑا پس بنیامین کے معاملہ میں برادران یوسفؑ نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا (تفسیر قرطبی ص ۲۹۳)

اور بعض کہتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے نانا کا ایک بت چُرا کر توڑ ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ گھر کا کھانا چھپا کر فقیروں کو دے دیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ اس قسم کے تمام افعال محمود اور پسندیدہ ہیں ان میں سے کوئی فعل حقیقتاً سرقہ نہیں۔

ابن انصاریؒ کہتے ہیں کہ یہ جتنے افعال ہیں ان میں کوئی بھی چوری نہیں ہاں ظاہر میں چوری کے مشابہ ہیں جب بھائیوں کو بنیامین کی چوری سے شرمندگی لاحق ہوئی تو غصہ میں آکر یوسف علیہ السلام کے اور افعال کو بھی سرقہ قرار دے دیا پس یوسف علیہ السلام نے ان کی اس طعن آمیز بات کو دل میں چھپایا اور ان پر ظاہر نہ کیا ان کا یہ طعن آمیز لفظ سُن لیا مگر اس کا کوئی رد نہیں کیا زبان سے تو کچھ نہ کہا مگر دل میں یہ کہا تم بہت بدتر ہو اور خدا اس کی حقیقت سے خوب واقف ہے جو تم بیان کر رہے ہو چور تو تم خود ہو بیٹے کو باپ سے چرا کر بیچ ڈالا اور دوسروں کو چور کہتے ہو کوئی تو مال غائب کرنا ہے تم نے تو آدمی غائب کر دیا تم غلط کہتے ہو نہ میں چور ہوں نہ میرا بھائی چور ہے اس کے بعد یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا بھائیوں نے جب یہ دیکھا تو اب فکر ہوئی کہ جا کر باپ کو کیا جواب دیں گے تو منیت و خوشامد کرنے لگے اور بولے اے عزیز مصر بنیامین کا ایک بہت بوڑھا باپ ہے اپنے بڑے بیٹے یوسفؑ کے ہلاک ہونے کے بعد اس سے محبت رکھتا ہے اندیشہ ہے کہ وہ اس غم میں مرنے جائے پس آپ اس کے بوڑھے باپ پر رحم کیجیے اور اس کی بجائے ہم میں سے ایک کو لے لیجیے تحقیق ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں دیکھتے ہیں اور آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں بے شک چور کی سزا یہی ہے کہ اس کو روک لیا جائے لیکن ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ اس کو چھوڑ دیجیے اور اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجیے آپ کا احسان ہوگا۔

یوسف علیہ السلام نے کہا خدا کی پناہ! خدا بے انصافی سے بچائے کہ ہم اس شخص کے سوا جس کے پاس ہم نے اپنا مال پایا ہے کسی دوسرے شخص کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں تو ہمارے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جس کے پاس سے مال برآمد ہوا اس کو تو چھوڑ

دی اور اس کی جگہ دوسرے کو بے وجہ پکڑ لیں تو تمہارے دین کے اعتبار سے بھی یہ صریح ظلم اور بے انصافی ہے جاننا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ تمام کارروائی خداوند تعالیٰ کے حکم سے تھی بھائی کو روکنے کے لیے خدائے تعالیٰ نے یہ جیلہ بتلایا ۔

چوں طمع خواہد ز من سلطان دین : خاک بر فرق قناعت بعد ازین
اس لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر میں اللہ کی وحی اور اس کے حکم کے خلاف کروں تو ظالم ٹھہروں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی کے مجھ کو بنیامین کے روکنے کا حکم دیا ہے میں اگر اس کو چھوڑ دوں اور اس کے بدلہ دوسرے کو لے لوں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا نبیؐ پر یہ فرض ہے کہ اپنی وحی اور الہام کا اتباع کرے اگرچہ بظاہر وہ شریعت کے خلاف نظر آئے جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو افعال خضر علیہ السلام سے سرزد ہوتے ان میں اللہ کی مخفی حکمتیں تھیں اور خوب سمجھ لو کہ یہ حکم ان لوگوں کی وحی اور الہام کا ہے جن کا مقبول خداوندی ہونا کسی نص قطعی سے ثابت ہو چکا ہو اور اب پیامت تک کسی کا الہام کتاب و سنت کے خلاف حجت تو کیا ہوتا قابل التفات بھی نہیں



فَلَمَّا اسْتَيْسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا

پھر جب ناامید ہوئے اس سے اکیلے بیٹھے مصلحت کو

قَالَ كَبِيرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ

بولا ان میں کا بڑا تم نہیں جانتے کہ تمہارے باپ نے تم سے عہد

مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِيْ يُوسُفَ

اللہ کا اور پہلے جو قصور کر چکے ہو یوسف کے حال میں

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَّاْذَنَ لِىْٓ اَبِىْٓ اَوْ يَحْكُمَ

سو میں نہ سرکوں گا اس ملک سے جب تک کہ حکم دے مجھ کو باپ میرا یا قصیہ

اللّٰهُ لِىْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۱۰ اَرْجِعُوْا اِلٰى اٰبِیْكُمْ

چکاوے اللہ میری طرف اور وہ ہے سب سے بہتر چکانے والا پھر جاؤ اپنے باپ پاس

فَقُولُوا يَا بَانَا إِبْنِكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا

اور کہو، اے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جو ہم

بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَفِظِينَ ۝۸۱ وَسَعِلَ

کو خبر تھی اور ہم کو غیب کی خبر یاد نہ تھی اور پوچھ لے

الْقَرْيَةِ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ط

اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے ہیں

وَأَنَا لَصَادِقُونَ ۝۸۲ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ

اور ہم بے شک سچ کہتے ہیں بولا کوئی نہیں! بنالی ہے تمہارے جی نے ایک

أَمْرًا فَصَبِرْ جَمِيلٌ ط عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ

بات اب صبر ہی بن آوے شاید اللہ لے آوے میرے پاس ان

جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝۸۳ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ

سب کو وہی ہے خبردار حکمتوں والا اور اُلٹا پھرا اُن کے پاس سے

وَقَالَ يَا سَعْفَى عَلَى يَوْسُفَ وَأَبْيَضْتُ عَيْنُهُ مِنْ

اور بولا، اے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کے

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝۸۴ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَوُا تَذَكَّرُ

غم سے، سو وہ آپکو گھونٹ رہا تھا کہنے لگے قسم اللہ کی! تو نہ چھوڑے گا یاد

يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ

یوسف کی جب تک کہ گل جاوے یا ہو جاوے

الْهَالِكِينَ ۝۸۵ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَىٰ

مُردہ بولا میں تو کھولتا ہوں اپنا احوال اور غم اللہ ہی

اللّٰهُ وَاعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۶﴾ يَبْنِيَّ

پاس اور جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے اے بیٹو!

اَذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْيَسُوا

جاؤ اور تلاش کرو یوسف کی اور اس کے بھائی کی اور مت ناامید ہو

مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَأْيِسُ مِنْ رُّوحِ اللّٰهِ إِلَّا

اللہ کے فیض سے بے شک ناامید نہیں اللہ کے فیض سے مگر

الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۷﴾

وہی لوگ جو منکر ہیں

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر دوم

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّا اسْتَأْيَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا... اِلَى الْقَوْمِ الْكَافِرُونَ (ربط) گزشتہ آیات میں برادران یوسف کی دوسری آمد کا ذکر تھا اب آئندہ آیات میں اس دوسرے سفر سے واپسی کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پس جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی کے بارہ میں یوسف علیہ السلام سے بالکل ناامید ہو گئے اور ان کے صاف جواب سے سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ہمارے حوالہ نہ کریں گے تو علیحدہ ہو کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیے پس جوان ہیں سے عقل یا عمر میں بڑا تھا اس نے یہ کہا کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے بنیامین کی محافظت کے بارہ میں تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے بارہ میں تم جو کوتاہی کر چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے اب باپ کے سامنے کس منہ سے جائیں پس میں تو اب زمین مصر سے نہ نکلو گا یہاں تک کہ میرا باپ مجھ کو یہاں سے نکلنے کی اجازت دے یا اللہ تعالیٰ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم کرنے والا ہے سوائے بھائیو! تم مجھ کو تو یہاں چھوڑو اور تم باپ کی طرف واپس جاؤ پھر کہو اے ہمارے باپ آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لیے ان کو وہاں روک لیا گیا اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر اس چیز کی جس کو ہم نے مشاہدہ سے جانا اور سمجھا اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہم نے جو آپ سے محافظت کا عہد

کیا تھا اس وقت ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ چوری کرے گا اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اسے ساتھ نہ لے جاتے یا یہ معنی ہیں کہ ظاہر میں اس کی چوری ثابت ہوئی اور اس کے سامان سے پیمانہ برآمد ہوا یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اور نے یہ پیمانہ اس کے سامان میں رکھ دیا ہو بہر حال ہم غیب دان نہیں اور اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر شخص کو بھیج کر بستی والوں سے دریافت کرالیں جو اس واقعہ کے وقت موجود تھے اور اس قافلہ سے بھی پوچھ لیں جس کے ساتھ ہم آئے تھے اور بے شک ہم اپنے قول میں سچے ہیں یعقوب علیہ السلام نے حال سن کر یہ دریا کہ بنیامین چوری میں ماخوذ نہیں ہوا بلکہ تمہارے دلوں نے کوئی بات بنائی ہے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا اور جس طرح پہلی بار بیٹوں نے آکر یہ کہا تھا کہ یوسفؑ کو تو بھیڑیا کھا گیا ہے تو اس وقت یعقوب علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً فَصَبْرٌ جَمِيلٌ اسی طرح جب دوسری بار بیٹوں نے آکر بنیامین کی چوری کا قصہ بیان کیا تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً (ط) فَصَبْرٌ جَمِيلٌ اور بنیامین کے واقعہ کو بھی بیٹوں کی بنائی ہوئی بات قرار دیا حالانکہ بظاہر یہ بات ان کی بنائی ہوئی نہ تھی اور وہ بظاہر اپنی بات میں سچے تھے لیکن نبی کا کلام جھوٹ اور غلط نہیں ہو سکتا نبی کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ حق اور صدق ہوتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اس وقت سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ کا خطاب سب بیٹوں کو ہے جن میں یوسفؑ بھی داخل ہیں اور یہ بات یوسفؑ کی بنائی ہوئی تھی حقیقت میں بنیامین چور نہ تھے تو یعقوبؑ کا یہ کلام بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْراً صدق اور حق ہے کہ اے بیٹو! یہ بات تمہاری بنائی ہوئی ہے اور اس کی کچھ اصل اور حقیقت نہیں حقیقت میں بنیامین نے چوری نہیں کی تم سب بھائیوں میں سے کسی کی بنائی ہوئی بات ہے اور بعض مفسرین کرامؒ نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تم مجھ سے حفاظت کے عہد و پیمان کر کے بنیامین کو لے گئے تھے جب یہ واقعہ پیش آیا تو تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ یہ کہتے کہ اسباب میں سے یہ پیالہ برآمد ہونے سے چوری کیسے ثابت ہو گئی ممکن ہے کسی دوسرے شخص نے ان کے اسباب میں یہ پیالہ چھپا دیا ہو تم نے پیالہ برآمد ہوتے ہی چوری کا اقرار کر لیا اور خلاف قانون بادشاہ مصر کو شریعت ابراہیمی کا فتویٰ بتلا کر بھائی کو گرفتار کروا دیا اگر شریعت ابراہیمی کا فتویٰ ان کو نہ بتلاتے تو بھائی گرفتار نہ ہوتا بادشاہ کو کیا خبر تھی کہ شریعت ابراہیمی میں چور کی یہ سزا ہے تمہارے کہنے کے مطابق بادشاہ نے اس کو غلام بنالیا تم اگر بادشاہ کو نہ بتلاتے تو بادشاہ اپنے قانون پر چلتا اور بنیامین کو نہ لے سکتا محض پیالہ کے برآمد ہوجانے سے تم نے چوری کو کیسے تسلیم کر لیا چوری کے ثبوت کے لیے ایسی شہادت اور دلیل چاہیے جس میں کوئی شبہ نہ ہو چوری کے لیے یہ شرط ہے کہ مال مقام حرز و محفوظ سے نکالا گیا ہو اور مقام محفوظ سے نکالنا شہادت صحیحہ سے ثابت ہو جب چور کو سزا دی جا سکتی ہے بہر حال میرا خیال یہ ہے کہ بنیامین کی گرفتاری میں تمہاری تسویل نفس کو کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہے سو خیر جو ہوا سو ہوا میرا چارہ کار صبر جمیل

ہے مجھے امید ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تینوں بیٹوں کو میرے پاس لائے گا یعنی یوسفؑ کو بنیامین کو اور اس تیسرے بیٹے کو جو مصر میں رہ گیا ہے اور شرم کی وجہ سے نہیں آیا۔

یہ بات یعقوب علیہ السلام نے حسن ظن کی بنا پر کہی اللہ کی سنت یہ ہے کہ عمر کے بعد یسر عطا فرماتے ہیں نیز ان کو یقین تھا کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں کیونکہ ابھی تک یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر پوری نہیں ہوئی اور یوسفؑ کا خواب بلاشبہ صحیح ہے وہ ضرور واقع ہو کر رہے گا یوسفؑ کے رؤیائے صادقہ کا وقوع اور ظہور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ ابھی صحیح و سالم زندہ ہوں اور وہ مح اپنے بھائیوں کے مجھے ملیں۔

القصہ یعقوب علیہ السلام نے توریت اور نور معرفت سے جانا کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں اور نہایت ادب سے حق تعالیٰ سے یہ امید ظاہر کی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا بے شک اللہ تعالیٰ ہی علیم اور حکیم ہے جو کچھ اس نے میرے ساتھ اور یوسفؑ کے ساتھ کیا وہ سب علم اور حکمت کے ساتھ ہے اور یہ جواب دے کر شدت رنج و غم سے ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور دوسری طرف منہ کر لیا اور اس نازہ غم سے یوسفؑ کا پرانا غم نازہ ہو گیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسفؑ پر اور غم کی وجہ سے روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یا بے رونق ہو گئیں یوسف علیہ السلام کے فراق میں روتے روتے جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی اسی قدر نور بصیرت میں زیادتی ہوتی جاتی تھی اور گریہ و زاری کی زیادتی سے لحظہ بلحظہ مراتب اور مدارج بلند اور برتر ہو رہے تھے پس وہ اندر ہی اندر گھٹے ہوئے اور خاموش تھے کسی مخلوق سے اپنے صدمہ کی شکایت نہیں کرتے تھے دل مبارک رنج و غم سے بھرا ہوا تھا مگر ظاہر نہ کرتے تھے۔

شعر در دلیت دریں سینہ کہ گفتن نتوانم : : : : : دیں طرفہ کہ آں نیز نہفتن نتوانم
بیٹوں نے جب باپ کا یہ اضطراب دیکھا تو بولے اے باپ بخدا آپ تو ہمیشہ یوسفؑ کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تم ان کے غم میں گھل کر مرنے کے قریب ہو جاؤ گے یا بالکل مرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں کے جواب میں یہ کہا میں تو اپنی بے قراری اور پریشانی کا اور رنج و غم کا شکوہ فقط اللہ ہی سے کرتا ہوں نم سے تو کچھ نہیں کہتا اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے میں خوب جانتا ہوں کہ یوسفؑ کا خواب سچا ہے یعنی مجھ کو یقین ہے کہ یوسفؑ ابھی مرا نہیں کیونکہ ابھی تک اس کا خواب پورا نہیں ہوا مجھے امید ہے کہ عنقریب یوسفؑ مجھ سے ملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھلایا ہے حرف بحرف اس کو پورا کرے گا نیز مجھے معلوم ہے کہ اللہ مضطر کی دعا قبول کرتا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ خدا اپنے دعا کرے والے بندہ کو محروم اور خالی ہاتھ نہیں چھوڑتا شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کیا تم مجھ کو صبر سکھاؤ گے بے صبر وہ ہے جو خالق کے بھیجے ہوئے درد کی مخلوق کے آگے شکایت کرے بس تو اس سے کہتا ہوں جس نے

مجھے درد دیا اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یوسفؑ زندہ ہے ضرور ملے گا اور اس کا خواب پورا ہو کر رہے گا یہ مجھ پر آزمائش ہے دیکھوں کس حد پر پہنچ کر بس ہو (موضع القرآن)

بعد ازاں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ مسبب الاسباب وہی ہے لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ اس عالم اسباب میں تدبیر ظاہری کو ترک نہ کر داس لیے میں تم کو کہتا ہوں کہ ایک بار پھر مصر جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کا کھوج لگاؤ یعنی کوشش کرو جس سے یوسفؑ کا نشان ملے اور بنیامین کو رہائی ہو اور تیسرے بھائی کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ جب بنیامین چھوٹ جائے گا تو وہ خواہ مخواہ کیوں مصر میں پڑا رہے گا اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اس کی رحمت سے امید رکھو کہ تمہاری سعی بار آور ہوگی بے شک خدا کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں حضرات انبیاء کرام علم الہی سے وہ چیز جانتے ہیں جو دوسرے نہیں جانتے اس لیے ابتداء میں چاہ کنعان میں تلاش کرنے کا حکم نہ دیا اور جب وقت آیا تو بالقاء الہی حکم دیا کہ مصر جا کر یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

پھر جب داخل ہوئے اس کے پاس بولے اے عزیز !

مَسَّنَا وَاهْلَكْنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ

بڑی ہے ہم پر اور ہمارے گھر پر سختی اور لائے ہیں ہم بوجی ناقص، سو

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللَّهَ يَجْزِي

پوری دے ہم کو بھرتی اور خیرات کر ہم پر اللہ بدلہ دیتا ہے خیرات

الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ

کرنے والوں کو کہا کچھ خبر رکھتے ہو کہ کیا کیا تم نے یوسف سے

يُوسُفَ وَاَخِيهِ اِذْ اَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ قَالُوا اِنَّكَ

اور اس کے بھائی سے جب تم کو سمجھ نہ تھی بولے کیا سچ تو

لَاَنْتَ يُوْسُفُ ط قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهَذَا اَخِي قَدْ

ہی ہے یوسف ؟ کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ

مَنْ اللَّهُ عَلَيْنَا إِنَّهُ مَنْ يَتَّقُ وَيَصْبِرُ فَإِنَّ اللَّهَ

نے احسان کیا ہم پر البتہ جو کوئی پرہیزگار ہو اور ثابت رہے تو اللہ

لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۹۰ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ

نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا بولے قسم ہے اللہ کی! البتہ

أَشْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخُطِئِينَ ۹۱ قَالَ لَا

تجھ کو پسند رکھا اللہ نے ہم سے اور ہم تجھے جو کئے والے کہا کچھ

تَثْرِيْبٌ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ

الزَّامِ نَبِيْنِ ۹۲ اذْهَبُوا بِقِسِيْصِيْ هَذَا فَالْقَوَّةُ عَلَى

سے ہر بان الزام نہیں تم پر آج بخشنے اللہ تم کو اور وہ ہے سب ہر بانوں

وَجْهِ اِبْنِيْ يَاتِ بِصِدْرًا ۹۳ وَاتُونِيْ يَا هٰدِيْكُمْ

کے کہ چلا آوے آنکھوں سے دیکھنا اور لے آؤ میرے پاس گھر

۹۳ اَجْمَعِيْنَ

اپنا سارا

بَارِسُومَ اَمْدَنَ بَرَادِرَانَ يُوْسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِحُكْمِ يَعْقُوْبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَفْخِصُ يُوْسُفَ بَنِيَامِيْنَ

قَالَ اللَّهُ تَعَالٰی فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ... اَلِیْ... وَاتُّوْنِيْ بِأَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ (ربط، گزشتہ آیات میں یہ ذکر تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو تاکید اکیڈ کی کہ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کی تلاش میں نکلیں چنانچہ یہ لوگ مصر روانہ ہوئے کہ اول تو اس بھائی کو لانے کی کوشش کریں جس کا نشان معلوم تھا اس کے بعد دوسرے بے نشان بھائی یعنی یوسفؑ کی تلاش شروع کریں اب آئندہ آیات میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام

کی ہدایت کے مطابق پھر مصر روانہ ہوئے اور اناج کے لیے بھی کچھ خفیف سی بضاعت ساتھ لیتے گئے پس جب یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے حکم کے مطابق مصر روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو بولے اے عزیز مصر! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچی ہے اس مرتبہ اے عزیز کے لفظ سے خطاب کیا جس کا مقصود یہ تھا کہ آپ ہماری شکستہ حالی پر رحم فرمائیں ہم قحط زدہ ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لیے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اسیلئے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر حاضر ہوئے ہیں پس آپ مہربانی سے ہم کو پورا پیمانہ دے دیجئے اور ہماری ناقص پونجی کا خیال نہ کیجئے اور ہم مستحق نہیں لیکن آپ ہم کو خیرات سمجھ کر دے دیجئے تحقیق اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کی یہ نیازمندی اور درد مندی دیکھی تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ضبط نہ ہو سکا اور حق جل شانہ کی طرف سے اجازت ملی کہ اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیں اب زمانہ مفارقت کا ختم ہوا چنانچہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا بھلا بتاؤ تم کو یاد ہے کہ جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے برتاؤ کیا جب کہ تمہارا زمانہ چھلتا کا تھا اس وقت تم کو بُرے بھلے کی خبر نہ تھی اس وقت تم جوش میں کر گزرے اور اب تم ہوش میں آ رہے ہو یوسف علیہ السلام نے اس طرح سے اپنے آپ کو ظاہر کیا کہ بھائیوں کو شرمندگی سے بچانے کے لیے ایک عذر بھی بیان کر دیا کہ تم سے نادانی کی حالت میں یہ بات سرزد ہوئی تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسف کا خواب اس طرح پورا ہو کر رہے گا بھائیوں نے جب یہ سنا تو فوراً یہ خیال آیا کہ یہ بولنے والا کہیں وہی یوسفؑ تو نہیں جس کو ہم نے مصری قافلہ کے ہاتھ بیچ ڈالا تھا پھر یوسفؑ کی صورت اور شکل کی طرف نظر کی تو بولے کہ کیا یقیناً تو ہی یوسف (علیہ السلام) ہے یہ جمال اور کمال سوائے یوسفؑ کے کسی میں نہیں کیا تو ہی یوسفؑ ہے ۷

فرمایا کہ ہاں میں یوسف ہی ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے ہم دونوں ایک جگہ جمع ہیں جن کے تجسس اور تحسس کے لیے محکم پدر تم نکلے ہو بے شک اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا کہ دونوں کو جدائی کے بعد یکجا کر دیا اور ہماری مصیبت کو مبتدل بہ راحت کر دیا اور جس کو غلام بنا کر در اہم معدودہ میں فروخت کیا گیا تھا اللہ نے اسے مصر کی حکومت عطا کی بے شک خدا سے ڈرے اور مصائب پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ نیکوں کے ثواب کو ضائع نہیں کرتا بھائی بولے خدا اللہ نے آپ کو ہم پر وہ فضیلت دی ہے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی اور بے شک ہم خطاوار ہیں اللہ معاف کر دو یوسف علیہ السلام نے کہا آج تم پر کوئی ملامت نہیں میں کبھی اس بات کو زبان پر نہ لاؤں گا بہر حال میں نے تمہارا قصور معاف کر دیا اللہ بھی تمہارا قصور معاف کرے اور وہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے پس جب میں نے تم پر رحم کیا تو وہ کیوں رحم نہ کرے گا پھر یوسف علیہ السلام نے ان سے اپنے باپ کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی آنکھیں جاتی رہیں

یہ سن کر اپنا پیرا ہن ان کو دیا اور کہا کہ میرا یہ کرتے لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے منہ پر ڈال دو اور وہ بیٹا ہو کر میرے پاس آئیں گے اس کرتے کے ڈالنے سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی اور ان کے ساتھ باقی سب گھر والوں کو بھی میرے پاس لے کر آؤ مطلب یہ ہے کہ بحالت موجودہ ہیں تو شام کا سفر نہیں کر سکتا تم جاؤ اور والدین کو اور سب اہل خانہ کو لے کر آؤ اور یہ سب بحکم الہی تھا اور اپنی قمیص دے کر یہ فرمایا کہ باپ کی آنکھوں کو لگا دینا یہ بھی بحکم خداوندی تھا اور من جانب اللہ معجزہ اور کرامت تھی کہ ایک نبی اور صدیق کے کرتے کو چہرہ پر ڈال دینے سے بینائی واپس آگئی جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور لعاب دہن لگانے سے ایک صحابیؓ کی آنکھ درست ہو گئی اور بہت سے بیمار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پھرنے سے اچھے ہو گئے چنانچہ بھائی اس قمیص کو لے کر مصر سے کنعان کو روانہ ہوئے۔

غالباً یوسف علیہ السلام نے اپنے اس حال کی اپنے باپ کو اس لیے اطلاع نہ دی ہو کہ بذریعہ وحی ان کو منع کر دیا گیا تھا کہ باپ کو اپنے مصر میں ہونے کی اطلاع نہ دیں تاکہ مزید گریہ و بکا سے ان کے درجات اور بلند ہوں یا اس میں اللہ کی کوئی اور حکمت ہو۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي

اور جب جدا ہوا قافلہ کہا اُن کے باپ نے میں

لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تَفْعِدُونِ ۚ قَالُوا

پاتا ہوں بو یوسف کی ، اگر نہ کہو کہ بوڑھا بہک گیا لوگ بولے

تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۙ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ

قسم اللہ کی! تو ہے اپنی اُسی غلطی میں قدیم کی پھر جب پہنچا خوشخبری

الْبَشِيرُ أَفْقَهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ

والا ڈالا وہ کرتے اس کے منہ پر، تو اُلٹا پھرا آنکھوں سے دیکھتا بولا

أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۚ قَالُوا

میں نے نہ کہا تھا تم کو؟ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے بولے

يَا بَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خُطِيئِينَ ﴿٩٧﴾

اے باپ! بخشو ہمارے گناہوں کو، بے شک ہم تھے چوکے والے

قَالَ سَوْفَ اسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ط إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ

کہا، رہو بخشاؤں کا تم کو اپنے رب سے دہی ہے بخشنے والا

الرَّحِيمُ ﴿٩٨﴾

مہربان

بازگشتن برادران یوسف علیہ السلام از سفر سوم و بشارت بردن

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَمَّا فَصَلَتِ الْحَيْرُ قَالَ أَبُوهُمُ ... إِلَى ... إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝
(ربط) جب یوسف علیہ السلام نے باپ کی بینائی کے لیے قمیص عطا کی اور کہا کہ سب اہل و عیال کو لے کر آؤ تو سب بھائی پیراہن یوسفی لے کر شاداں و فرحاں مصر سے کنعان کی طرف روانہ ہوئے اور جب قافلہ مصر سے کنعان روانہ ہوا یعنی مصر کی آبادی سے باہر نکل گیا تو یعقوب علیہ السلام نے اپنے گھر والوں سے کہا جو اس وقت ان کے پاس تھے تحقیق میں یوسفؑ کی بو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھ کو غیور المواس نہ کہو کہ بڑھا پلے کی وجہ سے بہک گیا اور بہکی ہوئی باتیں کر رہا ہے جب تک خدا تعالیٰ کو ابتلا منظور تھا اس وقت تک یوسف علیہ السلام کی کوئی خبر معلوم نہ تھی حالانکہ مصر کنعان سے بہت دور تھا مصر سے کنعان میں اور کنعان سے مصر میں ہمیشہ قافلے آتے جاتے رہتے تھے پھر جب خدائے تعالیٰ کو ان کی مصیبت کا دور کرنا منظور ہوا تو باد صبا نے بحکم خداوندی خلافِ عادت یوسف علیہ السلام کی بو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی اور اتنی دور سے خوشبو کا پہنچنا بطور معجزہ اور خرق عادت تھا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک بات خدا کی قدرت میں ہے ادھر قافلہ یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر مصر سے نکلا اور ادھر اس کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کو محسوس ہونے لگی یہ یعقوب

ملکہ یہ تمام عبارت تفہید کے اصل معنی کی تشریح ہے جیسا لغت میں مذکور ہے اہل علم کتب لغت کی مراجعت کریں ۱۳ منہ عفا اللہ عنہ۔

علیہ السلام کا معجزہ تھا اور معجزہ نبی کا اختیاری فعل نہیں ہوتا کہ جب چاہے اس کو کر سکے بلکہ وہ اللہ کا فعل ہوتا ہے خدا جب چاہتا ہے جب اعجاز کا ظہور ہوتا ہے انبیاء کرامؑ ظاہر صورت کے اعتبار سے عام مخلوق سے ممتاز نہیں ہوتے اور جب کسی اعجاز کا ظہور ہوتا ہے تب ان کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے اسی مضمون کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے یوں ادا کیا ہے

یکے پرسیدازاں گم کردہ فرزند کہ اے عاقل گہر پیر خرد مند!!
زمهرش بوی پیراہن شمدی! چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوال ما برقی جہانست دے پیداو دیگر دم نہانست
گہے بر طارم اعلیٰ نشینم! گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبویؐ میں خطبہ دے رہے تھے اور مجاہدین کا لشکر نہاد میں مشغول جہاد تھا یکا یک اثنار خطبہ میں فاروق اعظمؓ نے سردار لشکر ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی یا ساریہ الجبل۔ اے ساریہ پہاڑ کے پیچھے دیکھ مقام نہاد میں تمام لشکر نے حضرت عمرؓ کی آواز سنی یہ حضرت عمرؓ کی کرامت تھی کہ بلا اسباب ظاہری حضرت عمرؓ کی آواز مدینہ کے منبر سے نہاد پہنچا دی ایسی کرامتوں کا ظہور کبھی کبھی ہوتا ہے ہمیشہ نہیں کیونکہ کرامت ولی کا اختیاری فعل نہیں بلکہ اللہ کا فعل ہے اسی طرح معجزہ بھی اللہ کا فعل ہے نبی کا فعل نہیں اس کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت پر موقوف ہے پس جو خدا اپنے مقبول بندہ کی آواز اتنی دور تک پہنچا سکتا ہے اور سنا سکتا ہے تو وہی خدا اپنے برگزیدہ بندہ کے پیراہن کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ بندہ کو صد ہا میل دور کے فاصلہ پر سونگھا سکتا ہے اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا مسخر تھی۔

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحُ حَاصِفَةٌ تَجْرِي بَأْمَرِهِ نَسْفُكُنَا لَهُ الرِّيحُ إِلَى آخِ الْآيَاتِ پس اگر اسی طرح کسی وقت بادِ صبا بحکم خداوندی کسی برگزیدہ صفت کے خلعت کی خوشبو کسی دوسرے برگزیدہ تک پہنچا دے تو کوئی محال نہیں اس کو قبول کرو اور اپنے دوسروں سے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہ کرو۔

الغرض جب یعقوب علیہ السلام نے یہ کہا کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کرنا ہوں تو حاضری مجلس بولے تحقیق آپ تو اپنی اسی پرانی گہراہی میں مبتلا ہیں کہ یوسفؑ ابھی زندہ ہیں اور آپ سے ملیں گے اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ واقع میں کوئی خوشبو نہیں کیونکہ یوسفؑ کو مرے ہوئے ایک مدت ہو گئی پھر جب مہر سے بشارت دینے والا آیا تو اس نے آکر یہ خبر دی کہ یوسف علیہ السلام صحیح سالم زندہ ہیں اور انہوں نے یہ پیراہن دے کر مجھے بھیجا ہے تو اس بتیئر نے اس کرتہ کو ان کے منہ پر ڈالا تو اسی وقت یعقوب علیہ السلام بینا ہو گئے اور پھر اس نے سارا ماجرا بیان کیا اس وقت یعقوب علیہ السلام نے گھر والوں سے کہا کیا میں نے تم سے نہیں

کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی مجھے تو اوّل ہی سے یقین تھا کہ یوسفؑ زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس بشارت دہندہ سے پوچھا کہ تو نے یوسفؑ کو کس حال میں چھوڑا اس نے کہا کہ میں نے اس حال میں چھوڑا کہ وہ مصر کا بادشاہ ہے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا بادشاہت سے مجھے کیا مطلب یہ بتلا کہ تو نے اسے کون سے دین پر چھوڑا اس نے کہا دین اسلام پر یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اب نعمت پوری ہوئی (تفسیر قرطبی ص ۲۶۱)

یعقوب علیہ السلام کا یہ جواب سن کر سارے بیٹے والد بزرگوار کے قدموں پر گرے اور بولے اے ہمارے باپ آپ خدا تعالیٰ سے ہمارے لیے دعائے مغفرت کیجئے بے شک ہم خطا وار ہیں ہم نے یوسفؑ کے معاملہ میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم اور شرمسار ہیں یعقوب علیہ السلام نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لیے دعائے مغفرت کروں گا بے شک وہی بخشنے والا ہر مان ہے عنقریب سے مراد یہ ہے کہ سحر میں دعا کروں گا وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے بیٹوں کا مطلب یہ تھا کہ آپ خود ہی ہمارا قصور معاف فرما دیں اور خدائے تعالیٰ سے بھی دعائے مغفرت کریں حتیٰ کہ آپ کا دل صاف ہو جائے اور قلب مبارک میں ہماری طرف سے کوئی کدورت باقی نہ رہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ

پھر جب داخل ہوئے یوسف پاس جگہ دی اپنے پاس

أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ أَمِينٌ ﴿٩٩﴾

اپنے ماں باپ کو اور کہا داخل ہو مصر میں اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے

وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ وَ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب گرے اس کے آگے سجدے میں اور

قَالَ يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۖ قَدْ

کہا اے باپ! یہ بیان ہے میرے اس پہلے خواب کا اس کو

جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي

میرے رب نے سچ کیا ہے اور مجھ سے اس نے خوبی کی جب مجھ کو نکالا

مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدَنِ مِنْ بَعْدِ أَنْ

قید سے ، اور تم کو نئے آیا ہوں گاؤں سے ، بعد اس کے

نَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ

بھگڑا اٹھایا شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں میرا رب تدبیر سے

لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝۱۰۰

کرتا ہے جو چاہے بے شک وہی ہے خبردار حکمتوں والا

بار چہارم آمدن برادران یوسف علیہ السلام مع والدین و اہل خود

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ... إلخ... هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ
(ربط) بعد ازاں یعقوب علیہ السلام اپنے سارے کنبے سمیت مصر کو روانہ ہوئے اور یوسف علیہ السلام
خبر سن کر مصر سے باہر استقبال کے لیے نکلے پس جب یعقوب علیہ السلام مع خاندان کے یوسف علیہ السلام
کے پاس پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اس خیمہ میں جگہ دی جس کو ان کے استقبال
کے لیے آراستہ کیا تھا اور پھر ملاقات سے فراغت کے بعد سب سے کہا اب انشاء اللہ امن اور
اطمینان کے ساتھ اندرون مصر تشریف لے چلیے اور پھر وہاں پہنچ کر اپنے والدین کو تخت شاہی
پر بٹھایا اور اس پر شوکت منظر کو دیکھ کر سب پر یوسف علیہ السلام کی عظمت و جلال ایسی غالب آئی
کہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے یہ سجدہ تعظیمی تھا جو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آرہا
تھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عہد تک جائز رہا اب شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام
اور ممنوع قرار دیا گیا والدین کا اور بھائیوں کا یہ سجدہ بطور تحیت و سلام اور بطریق تعظیم و اکرام تھا نہ
کہ بطریق عبادت اس لیے کہ سجدہ عبادت اللہ کے لیے مخصوص ہے اور سجدہ تعظیمی پہلی شریعتوں
میں غیر اللہ کے لیے جائز تھا اب ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا اور ابویں جس کے
معنی ماں باپ کے ہیں اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس سے حقیقی ماں باپ مراد ہیں یا
باپ اور خالہ مراد ہیں اس لیے کہ بعض علماء کا قول یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ اس واقعہ سے
پیشتر وفات پا چکی تھیں اور یعقوب علیہ السلام کے ساتھ سجدہ کرنے والی حضرت یوسفؑ کی خالہ
تھیں اور خالہ بھی بمنزلہ ماں ہوتی ہے اور محمد بن اسحاقؒ اور ابن جریرؒ وغیرہم یہ کہتے ہیں کہ یہ

ان کی حقیقی ماں تھیں اس وقت وہ زندہ تھیں اور وہی ساتھ آئی تھیں اور کسی دلیل صحیح سے یہ ثابت نہیں کہ ان کی والدہ مرچکی تھیں اور ظاہر قرآن سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کے وقت ماں باپ دونوں زندہ تھے (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

اور جب سب یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے تو یوسف علیہ السلام نے کہا اے میرے والد بزرگوار! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے پہلے زمانہ میں دیکھا تھا تحقیق میرے پروردگار نے اس کو پورا کر کے دکھلایا خدا نے جو خواب دکھلایا اب اس کی تعبیر دکھلا دی یہ سب میرے پروردگار کا فضل ہے اس میں میرا کوئی دخل نہیں اور یوسف علیہ السلام نے یاکبت سے صرف باپ کو خطاب کیا اور ماں کو خطاب نہ کیا کیونکہ ماں علم تعبیر کی عالم نہ تھیں علم تعبیر کے عالم صرف باپ تھے اس لیے کہا یاکبت لے باپ یہ میرے خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا اور جس کے ظہور کے آپ منتظر تھے اور نور نبوت سے آپ کو معلوم تھا کہ یہ خواب ضرور پورا ہوگا اللہ نے اس کو بیچ کر دیا اور یہ اس کا فضل اور احسان ہے اور اس نے مجھ پر یہ احسان کیا کہ مجھے قید خانہ سے نکالا اور مجھ کو اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم کو دیہات سے شہر میں لایا اور مجھ سے ملایا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان اختلاف ڈال دیا تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ سے نکلنے کے احسان کا ذکر فرمایا اور کنوئیں سے نکلنے کے احسان کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں اور ایک قسم کی معذرت بھی کر دی کہ میرے اور بھائیوں کے درمیان جو جھگڑا پیدا ہوا وہ سب شیطان کا ڈالا ہوا تھا شیطان اگر درمیان میں نہ گھستا تو بھائی مجھ سے ہرگز نہ جھگڑتے سبحان اللہ کیا حسن خلق ہے کہ بے قصور ہیں اور شرمندہ ہو رہے ہیں نہ گزشتہ مصائب کا کوئی ذکر کیا اور نہ کوئی حرف شکایت زبان پر ہے بھائیوں کو معذور قرار دے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بیان میں مشغول ہیں بے شک میرا پروردگار جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو اس کی لطف تدبیر سے سب آسان ہو جاتا ہے بے شک وہی علم والا اور حکمت والا ہے وہ ہر چیز کی مصلحت اور تدبیر کو جانتا ہے اور اس کا ہر فعل حکمت پر مبنی ہے چاہ کنعان سے لے کر اس وقت تک چالیس سال گزرے اور قسم قسم کے ابتلا پیش آئے اللہ ہی کو ان کی حکمتیں اور مصلحتیں معلوم ہیں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یعقوب علیہ السلام مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس ۲۴ برس تک نہایت خوش حالی اور فارغ البالی اور کمال عیش و عشرت کے ساتھ رہے جب ان کی وفات کا وقت آیا تو حضرت یوسف علیہ السلام کو وصیت کی کہ ان کے جسدِ مطہر کو شام کی مقدس زمین میں ان کے باپ اسحاق علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کرنا جب یعقوب علیہ السلام نے مصر میں وفات پائی تو یوسف علیہ السلام ان کی وصیت کے مطابق ساج کے ایک تابوت میں ان کے جسد کو رکھ کر شام لے

گئے جس روز شام پہنچے اتفاق سے اسی روز یعقوب علیہ السلام کے بھائی عبص نے انتقال کیا دونوں بھائی ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے اور ایک ہی ساتھ دونوں پیدا ہوئے تھے اور ہر ایک کی عمر ایک سو سینتالیس (۱۲۴) برس ہوئی یوسف علیہ السلام اپنے باپ اور چچلے کے دفن سے فارغ ہو کر مصر واپس آ گئے (دیکھو تفسیر قرطبی صفحہ ۲۲۸ جلد ۹)

❖

❖

❖

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ

اے رب! تو نے دی مجھ کو کچھ حکومت، اور سکھایا مجھ کو کچھ پھر

الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيٌّ فِي

باتوں کا اے پیدا کرنے والے آسمان اور زمین کے! تو ہی ہے میرا کارساز

الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي

دنیا میں اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو

بِالصَّالِحِينَ ⑩

نیک بختوں میں

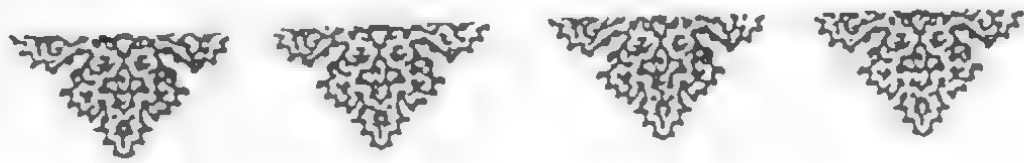
خاتمہ قصہ بردعائے یوسف علیہ السلام برائے خاتمہ بالخیر

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ إِلَى وَ أَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۵
(ربط) یوسف علیہ السلام باپ کے دفن کے بعد مصر واپس آ گئے اور باپ کی وفات کے بعد تیس ۲۳ سال زندہ رہے اور باپ اور چچا کی وفات کے بعد آخرت کا شوق غالب ہوا اور یہ دعا شروع کی اے میرے پروردگار! تو نے مجھ کو دنیوی، دینی اور ظاہری اور باطنی نعمتوں سے نوازا ہے تو نے مجھے ملک مصر کی سلطنت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر کا علم مجھ کو سکھایا اور نبوت اور صدیقیت عطا کی اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں پس جس طرح تو نے میری دنیا کو درست کیا

ع ۵ دیکھو تفسیر کبیر ص ۴، ۱ جلد ۵

اسی طرح میری آخرت کو بھی درست فرما اور اسلام کی حالت میں مجھے موت دے یعنی اپنی اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مجھے وفات دے اور مجھ کو نیک نحتوں کے ساتھ ملا دے یعنی میرے آباء و اجداد ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ ملا دے اور انبیاء کے زمرے میں مجھے پہنچا دے۔ جانتا چاہیے کہ یوسف علیہ السلام کی یہ دعا تمنا تے موت نہ تھی کہ فی الحال مجھ کو موت آجائے بلکہ مطلب یہ تھا کہ جب وقت مقدر پر میری موت آئے تو وہ موت دین اسلام ہی پر آئے اور طرق صالحین مجھے میسر ہو بہر حال یہ دعا موت کی دعا نہیں بلکہ حسن خاتمہ کی دعا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اسے پروردگار جب مجھ کو موت آئے تو اسلام پر آئے اور تیری اطاعت اور فرماں برداری کی حالت میں مروں۔ یہی دعا ہر مسلمان کو مانگنی چاہیے حسن خاتمہ کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دعا نہیں فَاَطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَرَبِّ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّيْ مُسْلِمًا وَّ اَحِقِّنِي بِالصَّالِحِيْنَ (آمین یا رب العالمین)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ میں اکثر اسی دعا کا ورد رکھتا ہوں (دیکھو تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۱۷۶) اہل سیر نے لکھا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت آیا تو آپؑ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا کہ بنی اسرائیل مصر سے نکلیں گے اس وقت میرا تابوت بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔ یوسف علیہ السلام نے ایک سو دس سال یا ایک سو سات سال کی عمر میں وفات پائی اور عزیز کی عورت کے بطن سے ان کے دو لڑکے پیدا ہوئے اور ایک لڑکی لڑکوں کے نام افرایم اور میشا تھے اور لڑکی کا نام رحمت تھا جو حضرت ابوب علیہ السلام کے عقد میں آئی جب آپؑ نے وفات پائی تو اہل مصر نے آپؑ کے دفن کے متعلق اختلاف کیا ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ میرے محلہ میں دفن ہوں تاکہ ان کی برکات سے مستفیض ہوں بالآخر ان کو سنگ مرمر یا سفید پتھر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے قریب دفن کر دیا گیا اور جب حسب وصیت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بھی ساتھ لے گئے اور شام میں لے جا کر ان کے آباء کرامؑ کے پہلو میں ان کو دفن کر دیا اور یوسف علیہ السلام کے وصال کے بعد سلطنت مصر حسب سابق فراعنہ مصر کے ہاتھ میں منتقل ہو گئی یہاں تک کہ انہیں سلاطین مصر کے سلسلہ میں وہ فرعون ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔



ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ

یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا

لَدَيْهِمْ إِذَا أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَا

اُن کے پاس، جب ٹھہرانے لگے اپنا کام اور فریب کرنے لگے اور نہیں

أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ

اکثر لوگ یقین لانے والے، اگرچہ تو للچاوے اور تو مانگتا نہیں

عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَ

ان سے اس پر کچھ نیک یہ تو اور کچھ نہیں مگر نصیحت سارے عالم کو اور

كَآيِنٌ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ

بہتیری نشانیاں ہیں آسمان اور زمین میں جن پر

عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يَوْمُ مِنْ أَكْثَرِهِمْ

ہو نکلتے ہیں اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور یقین نہیں لاتے بہت لوگ

بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ﴿۱۰۶﴾ أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ

اللہ پر مگر ساتھ شریک بھی کرتے ہیں کیا نڈر ہوئے ہیں کہ آڈھانکے ان کو

غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ

ایک آفت اللہ کے عذاب کی یا آپہنچے قیامت

بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي

اچانک اور ان کو خبر نہ ہو کہ یہ میری راہ ہے

أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ط

بلاتا ہوں اللہ کی طرف سمجھ بوجھ کر میں اور جو میرے ساتھ ہے

وَسُبْحَنَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

اور اللہ پاک ہے اور میں نہیں شریک بتانے والا اور جتنے بھیجے



مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَا لَٰ نُوحًۭیْ إِلَیْهِمْ مِّنْ أَهْلِ الْقُرُیْ

ہم نے تجھ سے پہلے، یہی مرد تھے کہ حکم بھیجتے تھے ہم ان کو بستیوں کے رہنے والے

أَفَلَمْ یَسِيرُوا فِی الْأَرْضِ فِیَنظُرُوا كَیْفَ كَانَ

سویا یہ لوگ نہیں پھرے ملک میں کہ دیکھیں کیسا ہوا آضران کا

عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ

جو ان سے پہلے تھے اور پچھلا گھر تو بہتر ہے

لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ

پرہیز والوں کو اب کیا تم نہیں بوجھتے یہاں تک کہ جب نائید ہونے

الرُّسُلُ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا ۖ

لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا تھا پہنچی ان کو مدد ہماری

فَنَجَّیْ مَنْ نَّشَاءُ ۖ وَلَا یُرَدُّ بِأَسْنَا عَنِ الْقَوْمِ

پھر بچا دیا جن کو ہم نے چاہا اور پھیری نہیں جاتی آفت ہماری قوم

الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِی قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِی

گنہگار سے البتہ ان کے احوال سے، اپنا حال قیاس کرنا ہے عقل

الْأَلْبَابِ ۖ مَا كَانَ حَدِیثًا یُّفْتَرٰی وَلٰكِن تَصْدِیْقَ

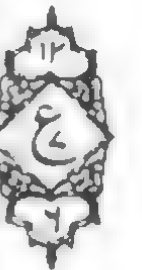
والوں کو کچھ بات بنائی ہوئی نہیں لیکن موافق اس کلام

الَّذِی بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَهُدًی

کے جو اس سے پہلے ہے اور کھولنا ہر چیز کا اور راہ سمجھائی

رَّحْمَةً لِّلْقَوْمِ یُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾

اور ہر بانی ان لوگوں کو جو یقین لاتے ہیں



خاتمہ سورت بر اثبات رسالت محمدیہ وتہدید منکرین و بیان حقایق کتاب مبین

قال الله تعالى ذلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ... إِلَى... وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (ربط) یہ سورت ان سائین کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے آپ سے بغرض امتحان یوسف علیہ السلام کا قصہ دریافت کیا تھا اب خاتمہ سورت پر یہ بتلاتے ہیں کہ یہ قصہ آپ کی نبوت کی کس طرح دلیل بنا پتنا پنچہ فرماتے ہیں یہ احسن القصص یعنی یوسف علیہ السلام کا قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کے علم کا سوائے وحی خداوندی کے کوئی ذریعہ نہیں ہم صرف وحی کے ذریعہ سے آپ کو یہ قصہ بتلاتے ہیں اور یہ آپ کی نبوت کی دلیل قاطع ہے کیونکہ آپ تو اُمی ہیں کتابیں پڑھنا نہیں جانتے اور نہ آپ نے یہ قصہ کسی سے سنا ہے پس آپ کے پاس اس قصہ کے معلوم ہونے کا سوائے وحی الہی کے کوئی ذریعہ نہیں لہذا اس قصہ کو اس حسن ترتیب اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کرنا یہ آپ کا کھلا معجزہ ہے۔ اور آپ کی نبوت کی شافی اور کافی دلیل ہے اور اے بنی! آپ یوسفؑ کے بھائیوں کے پاس موجود نہ تھے جب وہ یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنے کے متعلق پختہ ارادہ کر رہے تھے اور وہ اس کی تدبیر کر رہے تھے پس آپ نے جب یہ واقعہ خود دیکھا اور نہ کسی سے سنا تو معلوم ہوا کہ آپ صاحب وحی اور صاحب نبوت ہیں اور باوجود ان شواہد اور دلائل کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں اگرچہ آپ کتنی ہی حرص کریں کہ وہ ایمان لے آئیں کیونکہ وہ اللہ کے علم میں ازلی شقی ٹھہر چکے ہیں یہود اور قریش نے امتحاناً آپ سے یہ قصہ دریافت کیا تھا آپ نے وحی الہی کی مدد سے اس کو صحیح صحیح بیان کر دیا اس پر بھی ایمان نہ لائے تو آپ کو رنج ہوا اور اے بنی! آپ ان سے اس تبلیغ اور نصیحت پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتے کہ اس کے نہ ملنے سے آپ کا نقصان ہوتا یہ قرآن تو دنیا جہان کے لیے نصیحت ہے جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے یہ قرآن تو دلائل نبوت اور دلائل توحید سے بھرا پڑا ہے اگر منظر انصاف سے اس قرآن کو دیکھیں تو ان پر مبدار اور معاد سب منکشف ہو جائے اور آسمانوں اور زمین میں ہماری قدرت اور وحدانیت کی کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں جن پر یہ لوگ گزرتے ہیں یعنی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور وہ ان سے اعراض کرتے ہیں اگر ان کی طرف التفات کرتے تو ایمان لے آتے اور اکثر لوگ جو خدا کو مانتے بھی ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی خدا کے ساتھ شریک گردانتے ہیں ایسا ماننا نہ ماننے کے حکم میں ہے مطلب یہ ہے کہ نہ توحید کے قائل اور نہ رسالت کے قائل سو کیا یہ توحید و رسالت کے

منکر اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ ان پر عذابِ خداوندی سے کوئی ایسی آفت آئے جو ان کو اپنے اندر چھپائے اور لحاف کی طرح انکو ہر طرف سے چھیلے یا ناگہاں اپنے قیامت کی گھڑی آجائے جسکے آنے کی پہلے سے انکو خبر بھی نہ ہو اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ دین اسلام اور توحید میری راہ ہے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت پر ہوں میں اور میرے پیرو یعنی میرے پاس ایسے دلائل ہیں کہ جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں خلاصہ کلام یہ ہے کہ میں تم کو ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں مطلب یہ ہے کہ میں تم کو اپنا بندہ نہیں بناتا بلکہ خدا کی بندگی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اگر کسی کو میری نبوت کے بارہ میں یہ شبہ ہو کہ نبی اور رسول تو فرشتہ ہونا چاہیے تو یہ شبہ مہمل ہے اس لئے کہ ہم نے آپ سے پہلے جس قدر رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے کوئی فرشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی عورت نبی بنا کر بھیجی گئی اور وہ انبیاء سابقین بستیوں کے رہنے والے تھے اصحاب علم اور فہم اور حلیم تھے کیونکہ جنگل کے لوگ اکثر سخت دل اور تند خو اور حفا پیشہ ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بستی کے رہنے والوں کو نبی بنا کر بھیجا پھر دیکھ لو کہ ان کے جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا حسن بصریؒ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل باد یہ میں سے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اور نہ عورتوں میں سے اور نہ جنات میں سے کسی کو رسول بنا کر بھیجا۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۷۴ جلد ۹)

سو کیا ان مشرکین نے ملک کی سیر نہیں کی کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان منکرین اور مکذبین کا انجام کیسا خراب ہوا جو ان سے پہلے گزرے ہیں جب انہوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو سب کے سب عذاب سے ہلاک ہوئے اس زمانہ کے کافروں کو چاہیے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں اور البتہ آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو شرک اور معصیت سے بچتے ہیں۔

سو کیا تم نہیں سمجھتے کہ پہلی قومیں کس طرح ہلاک ہوئیں وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ان لوگوں نے آخرت کی پرواہ نہ کی اور مال اور دولت کے نشہ میں خدا کے رسولوں کا مقابلہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ حلیم و کریم ہے اس نے ان کو فوراً عذاب میں نہ پکڑا بلکہ ان کو لمبی لمبی مہلتیں دیں اور وہ جتنا کفر میں ترقی کرتے گئے اتنی ہی نعمتوں کے دروازے ان پر کھلتے گئے جس سے یہ منکرین بے فکر اور نڈر ہو گئے بالآخر ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا اور سب ہلاک و برباد ہوئے پس کفار عرب فی الحال عذاب کے نازل ہونے سے دھوکہ میں نہ پڑیں اگلی امتوں کو بھی اس طرح طویل مہلتیں دی گئیں۔

ع: اشارہ اس طرف ہے کہ حَتَّىٰ اِذَا اسْتَأْيَسُوْا الرُّسُلَ میں لفظ حَتَّىٰ فعلِ مقدر کی غایت ہے یعنی اُمِّهَلُوْا مقدر کی غایت ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے لَا يَخْرُدْهُمْ تَمَادُهُمْ فَيَمَآهَمُ فِيْهِ مِنَ الدَّعَةِ وَالرَّخَاءِ فَاتَّ مِنْ قَبْلِهِمْ قَدْ اُمِّهَلُوْا حَتَّىٰ يَأْسُوْا الرُّسُلَ مِنْ

باقی اگلے صفحہ پر

یہاں تک کہ جب مہلت کی مدت طویل ہوئی اور عذاب موعود کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو پیغمبر مایوس ہونے لگے اور گمان کرنے لگے کہ ہم سے جو ہماری نصرت اور دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا گیا تھا جواب تک ہمارے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق پورا نہیں ہوا شاید وہ عذاب ہماری زندگی میں نہ آوے بلکہ ہمارے پیچھے آوے یا ہماری کسی غلطی کی وجہ سے ہماری نصرت اور ہمارے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا۔ یا ہم سے وعدہ الہی کے بارہ میں کوئی غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے نزولِ عذاب کا وقت مقرر کر لیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جو نزولِ عذاب کا وعدہ کیا تھا وہ مطلق تھا اس میں کسی وقت اور زمانہ کی تعیین نہ تھی حضرات انبیاء نے اپنی رائے اور اجتہاد سے اور اپنے اندازہ اور تخمینہ سے نزولِ عذاب کا وقت متعین کر لیا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھلایا گیا کہ آپ مکہ میں داخل ہو رہے ہیں خواب مطلق تھا اس میں کوئی وقت معین نہ تھا مگر آپ پر طوافِ کعبہ کا شوق غالب ہوا اس لیے آپ اسی سال عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے اور کامیاب نہ ہوئے اور اس خواب کی تعبیر سالِ آئندہ ظاہر ہوئی اس وقت تنبیہ ہوا کہ وعدہ خداوندی تو صدق اور حق تھا مگر ہم سے غلط فہمی ہوئی کہ ہم نے اپنے خیال سے اس کی مدت متعین کر لی کہ وہ وعدہ اسی سال پورا ہوگا حضرات انبیاء کرام سے خطا اجتہادی کا واقع ہونا عصمت کے منافی نہیں وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ رَفًى أُمْنِيَّتَهُ میں اس کی تفصیل آئے گی غرض یہ کہ جب عذاب کے نازل ہونے میں دیر ہوئی اور انبیاء کرام کے اندازہ اور تخمینہ کے مطابق عذاب نہ آیا تو انبیاء یہ گمان کرنے لگے کہ وعدہ عذاب کو جس رنگ میں ہم نے سمجھا تھا وہ صحیح نہ تھا تو جب رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد کو پہنچ گئی تو اس وقت حسب وعدہ یکایک اور ناگہاں ان کو مدد پہنچی اور وہ مدد یہ آئی کہ کافروں پر عذاب آیا اور لوگوں پر پیغمبروں کا صدق ظاہر ہوا کہ انبیاء نے جو نصر و ظفر کی خبر دی تھی وہ سچی تھی مطلب یہ ہے کہ خداوند کریم کی انبیاء و مرسلین اور اولیاء اور مجتہدین کے ساتھ سنتِ قدیمہ ہے کہ جب ابتلا اور امتحان اس حد کو پہنچ جائے کہ کلیجہ منہ کو آجائے تب ان کو فتح اور ظفر کا منہ دکھلاتے ہیں اور ان کے دشمنوں

باقی صفحہ ۱۷۸ کا

النصر علیہم فی الدنیا اَوْ من اِیمانِہم لِاَنہما کُھم فی الکفر و تَمَادِیْہم فی الطغیاء من خیر و از ع ۱۰ الخ (کذا فی روح المعانی ص ۶۲ جلد ۱۳ و روح البیان ص ۳۳۳ جلد ۴ و تفسیر الجی السعودی) و قال السیوطی حتی غایۃ ما دل علیہ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا اِی فَرَاخِی نصرہم حَتَّى اِذَا اسْتَأْنَسَ الرَّسُولُ ۱۰ الخ۔

یعنی تاخیر کر دیم و مہلت دادیم امم سابقہ را در عذاب تا زمانیکہ نومید شدند پیغمبران از ایمان ایشان یا از نصرت بر ایشان در دنیا گمان بردند۔ رسولان اسخ (دیکھو حاشیہ مثنوی مولانا روم طبع کاپنور دفتر سوم ص ۱۷۵)

کو جو ان کو بر ملا جھوٹا بتلا رہے تھے زبرد زبرد اور نہ دبا لاکرتے ہیں اس طرح سے اپنے دوستوں کی عزت اور دشمنوں کی ذلت کا تماشا دنیا کو دکھلاتے ہیں پھر اس عذاب سے جو کافروں پر نازل ہوا جس کو ہم نے چاہا بچا لیا گیا یعنی اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے اور ہمارا عذاب جب آتا ہے تو مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا بلکہ وہ ضرور واقع ہو کر رہتا ہے اس آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ دشمنوں پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں فرماتے بلکہ ان کو مہلت دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کو یعنی پیغمبروں کو اور ان کے پیروؤں کو طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں سے ہلاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان کی تکلیف اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ظاہری اسباب سے ناامید ہو کر اپنے پروردگار سے یہ عرض کرنے لگتے ہیں مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اے اللہ ہماری مدد اور دشمنوں پر ہماری فتح کب ہوگی تب حق تعالیٰ کی طرف سے بشارت آتی ہے اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزرا۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمِلٰۤیْنَ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ خلاصہ کلام یہ کہ امتحان اور ابتلا عظیم کے بعد اللہ کی مدد آتی ہے۔

زاں بلا ہا کہ انبیاء برداشتند : سر پچرخ چار نی افراشتند

سر کہ در راہ محبت پیش تر : بر دل او بار محنت بیشتر

اس آیت میں جو لفظ گڈ بوا واقع ہوا ہے اس میں دو قرأتیں ہیں ایک یہ کہ گڈ بوا کو تشدید ف ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو تکذیب سے مشتق ہے اور دوسری قرأت یہ ہے کہ گڈ بوا کو تخفیف ذال کے ساتھ پڑھا جائے جو کذب سے مشتق ہے تشدید ذال کی قرأت میں آیت کے معنی واضح ہیں کہ تاخیر عذاب سے رسولوں کو یہ گمان ہوا کہ ان کی قوم ان کی تکذیب کرے گی اور نزول عذاب کے وعدہ میں ان کو جھوٹا بتلائے گی کہ تم جو ہم سے وعدہ کرتے تھے کہ کافروں پر عذاب نازل ہوگا وہ عذاب کہاں ہے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کافروں کو تو انبیاء کرامؑ کے جھوٹے ہونے کا یقین تھا اور کفار انبیاءؑ اور اہل ایمان کی ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے جب اہل ایمان کو کفار سے اذیتیں پہنچیں تو انبیاءؑ نے ان سے نصرت کا وعدہ کیا لیکن جب نصرت الہی کے آنے میں تاخیر ہوئی تو انبیاء کرامؑ کو یہ اندیشہ اور خطرہ ہوا کہ کافر تو ہم کو پہلے ہی سے جھوٹا سمجھتے ہیں اور کاذب ہونے کا یقین رکھتے ہیں مبادا ہمارے مؤمنین اور متبعین بھی وعدہ عذاب میں تاخیر ہونے کی وجہ سے ہم کو جھوٹا نہ سمجھنے لگیں اور جو لوگ ہم پر ایمان لائے ہیں وہ بھی کہیں پھسل نہ جائیں اور دین سے سرتنہ ہو جائیں تو ایسے اضطراب کے وقت میں خدا کی مدد آپہنچی اور یہ سارے خیالات غلط ثابت ہوئے کذب وعدہ کا گمان معاذ اللہ رسولوں کو نہ تھا بلکہ منکرین اور اشیاء کو تھا اور انبیاء کو اہل ایمان کے ارتداد کا خطرہ تھا رسولوں کو یہ خیال ہوا کہ مبادا اہل ایمان بھی ہماری طرف سے شک میں نہ پڑ جائیں۔

عائشہ صدیقہؓ اس (زال) کو تشدیدِ زال کے ساتھ پڑھتی تھیں اور آیت کا یہ مطلب بیان فرماتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور قرأتِ تخفیف کا انکار فرماتی تھیں اور اس کو عصمتِ انبیاء کے منافی سمجھتی تھیں۔ اور حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم لفظ کذب کو تخفیفِ زال کے ساتھ پڑھتے تھے اس قرأت پر بظاہر آیت کا یہ مطلب ہو گا کہ جب حسب وعدہ کافروں پر عذاب نازل ہونے سے رسولِ ناامید ہو گئے اور یہ گمان کرنے لگے کہ (معاذ اللہ) خدا کی طرف سے ان سے فتح و ظفر اور غلبہ و نصرت کا جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا کہ نصر و ظفر کے بارہ میں جو وحی ہم پر آئی تھی وہ کذب تھی اور ہم مکذب ہیں اس قرأت کی بناء پر آیت کا یہ مطلب نہایت مشکل نظر آتا ہے اس لیے کہ حضراتِ انبیاء کرامؑ کے نفوسِ قدسیہ اس سے پاک اور مسنرہ ہیں کہ ایک لمحہ کے لیے ان کے دل میں یہ خطرہ بھی گزرے کہ معاذ اللہ معاذ اللہ خدا نے ہم سے جھوٹا وعدہ کیا تھا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا نبی اللہ کی وحی کو غلط اور جھوٹا جلانے قطعاً ناممکن اور محال ہے اس اشکال کی بناء پر علماء محققین نے قرأتِ تخفیف کی مختلف تفسیریں کی ہیں۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں وَظَنُوا اور اَنَّهُمْ اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں **تفسیر اول** رُسُل کی طرف راجع نہیں بلکہ تینوں ضمیریں بقرینہ مقامِ رسل الیہم یعنی قوم کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب پیغمبر قوم کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور قوم کے لوگ یہ گمان کرنے لگے کہ انبیاء کرامؑ نے ہم کو جو عذاب کی دھمکیاں دی تھیں وہ سب دھکوسلے تھے اور صرف ہمارے ڈرانے کے لیے تھے اور پیغمبر جو اپنی نصرت اور ہماری ہلاکت کے وعدوں کا ذکر کرتے تھے اور جو یہ کہتے تھے کہ ہم پیغمبر ہیں اور اگر تم ہمارا کہنا نہ مانو گے تو تم پر عذاب آئے گا وہ سب جھوٹی باتیں تھیں جب نوبت بہ اینجا رسید تو اس ناامیدی کی حالت میں پیغمبروں کو ہماری مدد پہنچی اور لوگوں پر ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کرامؑ صادق تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ نے یہ تفسیر اختیار فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں ”مہلتِ دادیم تا وقتیکہ ناامید شدند پیغمبران و گمان کردند قوم ایشان کہ بدروغ وعدہ کردہ شد بایشان آمد بایشان نصرت“ (فتح الرحمٰن) اور اسی طرح طبریؒ نے سعید بن جبیرؒ سے روایت کی ہے کہ کسی نے سعید بن جبیرؒ سے اس آیت کے معنی پوچھے تو کہا کہ ناامید ہوئے پیغمبر اپنی قوم سے کہ وہ ان کو سچا جانیں اور رسل الیہم (یعنی قوم) نے گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ کہا تھا یعنی تاخیر عذاب سے قوم کو یہ گمان ہوا کہ رسولوں نے ہم سے جھوٹ کہا تھا کہ عذاب آئے گا وہ عذاب اب تک تو آیا نہیں آخر کب آئے گا۔

(دیکھو روح المعانی ص ۶۴ جلد ۱۳)

اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ قرأتِ تخفیف میں ظنوا اور اَنَّهُمْ اور قد کذبوا کی تینوں ضمیریں رُسُل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب وعدہ عذاب کے ظہور میں دیر ہوئی تو انبیاء کرامؑ ناامید ہوئے اور یہ خیال کرنے لگے کہ شاید یہ عذاب ہماری زندگی

میں نہ آئے اور ہمارے بعد آئے اللہ کا وعدہ تو حق اور صدق ہے مگر مطلق ہے جس کی مدت اور وقت کی تعیین نہیں کہ وہ کب ہوگا لہذا ضروری نہیں کہ وہ نبی ہی کی زندگی میں پورا ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کے بعد خلفاء اور جانشینوں کے ہاتھوں یہ وعدہ پورا ہو جیسے خلافت ارضی اور تمکین دین کا وعدہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے ہاتھوں پورا ہوا اور حضرات انبیاء کرامؑ کی ناامیدی ظاہری اسباب اور ظاہری حالات کی بناء پر تھی معاذ اللہ خدا کی رحمت کاملہ سے مایوسی اور ناامیدی نہ تھی حق جل شانہ کا معاملہ انبیاء و مرسلین اور ان کے اہتمام اور مخلصین کے ساتھ یہ ہے کہ مصائب کے پہاڑ ان پر نازل ہوتے ہیں حتیٰ کہ جب اسباب ظاہری سے وہ بالکل ناامید ہو جاتے ہیں اور سوائے حق تعالیٰ کی رحمت اور عنایت کے کسی چیز پر ان کی نظر نہیں رہتی تب اللہ کی طرف سے ان کو مدد پہنچتی ہے کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ اس لیے اسی آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ حق تعالیٰ کا معاملہ کافروں کے ساتھ یہ ہے کہ ان کو فوراً نہیں پکڑتے بلکہ ان کو اتنی مہلت اور ڈھیل دیتے ہیں کہ وہ خوب دل کھول کر کفر کر لیں اور اعلانیہ طور پر انبیاءؑ کو جھوٹا بتلانے لگیں اور تکبر اور غرور سے کودنے اور اچھلنے لگیں اس طرح سے ادھر تو جرم کا پیمانہ بھر رہے ہو جاتے اور ادھر انبیاء کرامؑ کے ابتلا کی منزلیں پوری ہو جاتیں حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین انتظار کرتے کرتے تھک جاتے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں گویا کہ یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ ہم سے نصر و ظفر کا وعدہ غلط کیا گیا یعنی یہ کلام بطور تشبیہ و تمثیل ہے بطور مبالغہ ایسا کہا گیا کہ عذاب میں اتنی تاخیر ہوئی کہ یہ گمان ہونے لگا کہ وہ وعدہ غلط تھا تو اس پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں ناگاہ رسولوں کو ہماری مدد پہنچی اور ان سے نصرت اور مدد کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس وقت پورا ہوا اور ان کو اور ان کے متبعین کو نجات دی اور ان کے دشمنوں کو تباہ اور برباد کیا دیکھ لو کہ اللہ کے وعدے اس طرح پورے ہوتے ہیں لہذا کفار مکہ کو چاہیے کہ اہم سابقہ کے واقعات سے عبرت پکڑیں اور تاخیر عذاب سے دھوکہ میں نہ پڑیں پہلی قوموں کو بھی اس قسم کی مہلتیں مل چکی ہیں اور اتنی طویل مہلتیں ملیں کہ رسول بھی ناامید ہو گئے تب یکایک اللہ کا قہر نازل ہوا اور کفار مغلوب اور مقہور ہوئے اور رسول مظفر و منصور ہوئے۔

حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ رسولوں کی ناامیدی اور گمان کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے وعدہ کے بعد معاذ اللہ انبیاء کو یہ ڈر نہ تھا کہ خدا کا وعدہ پورا نہ ہوگا اور نہ معاذ اللہ رسولوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی بدگمانی تھی بلکہ انبیاء کرامؑ کو اپنے نفسوں

قال الترمذی الحکیم وجہہ عندنا ان الوسل کانت تخاف بعد ما وعد الله النصارى ان تلمسوا لوعده الله ولا كن لثمسة النفوس ان تكون قد احدثت حدثا ينقض ذلك

الشرط والعهد الذی عهد الیہم
وكانت اذا طالبت المدة دخلهم
الایاس والظنون من هذا الوجه
(تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹)

کی طرف سے بدگمانی تھی کہ خدا نخواستہ ہماری
جانب سے کوئی ایسی بات سرزد تو نہیں
ہوگئی کہ جو اس وعدہ کے منافی اور منقض
ہو اور وعدہ خداوندی جس شرط کے ساتھ

مشروط ہو خدا نخواستہ ہم سے بر بنائے غفلت اس شرط کی خلاف ورزی نہ ہوگئی ہو جب مشروط پوری نہ ہوگئی تو
اس وعدہ کا پورا ہونا بھی ضروری نہ ہوگا جو اس شرط کے ساتھ مشروط ہو پس جب وعدہ خداوندی کی مدت
طویل ہو جاتی ہے تو انبیاء کرام کو اس راہ سے یعنی نفس کی راہ سے ناامیدی اور بدگمانی لاحق ہوتی ہے نہ
کہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے ۔

پس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کو اتنی طویل مہلت اور لمبی ڈھیل ملی کہ رسول عذاب کے آنے
سے ناامید ہونے لگے اور ان کو یہ گمان ہونے لگا کہ ہماری کسی لغزش اور خطا کی بنا پر وعدہ پورا نہیں کیا گیا
شاید کہ ہم سے ان امور کی بجا آوری میں کہ جو ایفاء وعدہ کے لیے شرط تھے کوئی کوتاہی واقع ہوئی ہے اسلئے
وعدہ پورا نہیں کیا گیا لہذا کذبوا کے معنی یہ نہیں کہ پیغمبروں سے جھوٹ کہا گیا بلکہ معنی یہ ہیں کہ وعدہ پورا
نہیں کیا گیا جیسا کہ مَنْ الْمُؤْمِنِينَ رَجُلًا صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ مِنْ صَدَقٍ وَعَدَهُ مِنْ
ایفاء وعدہ اور ایفاء عہد مراد ہے اسی طرح کذب سے جو صدق کی نقیض ہے اس سے مراد یہ ہو
گی کہ وعدہ پورا نہیں کیا گیا جس کی وجہ یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ وعدہ خلافی کرتا ہے فَلَا تَحْسِبَنَّ
اللَّهُ مُخْلِفًا وَعْدَهُ رُسُلَهُ سَاءَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ الْمُعَاهِدَ

بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہمارے نفس کی کسی غلطی اور کوتاہی کی وجہ سے وعدہ پورا نہیں کیا گیا پس اگر کوئی
شخص یہ گمان کرے کہ میرے نفس کی تقصیر کی وجہ سے وعدہ خداوندی روک لیا گیا تو اس میں کوئی
حرج اور مضائقہ نہیں

یا یوں کہو کہ اس ہو شرابا پریشانی میں اس گمان کے قریب قریب پہنچ گئے جیسے کہا جاتا ہے
بلغت المنزل میں منزل کو پہنچ گیا یعنی پہنچنے کے قریب ہو گیا (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹)
اور یا پھر یوں کہو کہ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا، کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا نے ان سے
جھوٹا وعدہ کیا تھا بلکہ کذب سے کذب رجاء مراد ہے یعنی جب ان کی امید کے مطابق عذاب نہ آیا
تو گمان کیا کہ ہماری امید غلط نکلی اور لفظ کذب بمعنی خطا اور غلطی بکثرت شائع ہے جیسے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ
مَا رَأَى میں کذب سے خطا اور غلطی کے معنی مراد ہیں (دیکھو تفسیر ابوالسعود ص ۲۵۴ جلد ۲ بر حاشیہ تفسیر کبیر)

حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آیت حَتَّىٰ إِذَا اسْتَأْذَنُوكَ
الرُّسُلَ وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا کے بظاہر یہ معنی ہیں یہاں
تک کہ جب رسولوں کو ناامیدی ہونے لگی اور وہ یہ خیال کرنے لگے کہ ان سے جو کچھ امداد کے بارے میں خدا

تفسیر سوم

کی طرف سے وعدہ وعید تھے، سب جھوٹے تھے اس وقت ہماری مدد آپہنچی یہ تو ظاہری اور سرسری مطلب ہوا مگر سب اہل ایمان جانتے ہیں کہ انبیاء کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ ناامید ہوں خود اسی سورت میں ہے إِنَّكُمْ لَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنْ زَوْجِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ: سو جاننا چاہیے کہ حضرات انبیاء کو نہ دل سے یقین تھا کہ وعدہائے الہی صادق اور برحق ہیں ایک نہ ایک روز بے شک امداد الہی ضرور آنے والی ہے لیکن بمقتضائے بشریت قلب میں اضطراب اور پریشانی کا آنا یہ منافی عصمت نہیں حق تعالیٰ نے اس غیر اختیاری پریشانی کو بطور شکایت اس طرح بیان فرمایا کہ کیا تمہارا گمان اور خیال تھا کہ ہم نے جو تم سے نصرت کے وعدے کیے ہیں وہ سچے نہیں یعنی جب ہم تمہارے معین اور مددگار ہیں اور ہم تم سے وعدہ کر چکے ہیں اور ہماری نظر عنایت ہر وقت تمہارے ساتھ ہے تو پھر یہ اضطراب اور پریشانی کیسی برعایت ظاہر بطور مبالغہ اس قسم کی پریشانی اور بے قراری بمقتضائے بشریت بے چینی اور بے تابی کو مجازاً لفظ ظن اور لفظ یأس سے تعبیر فرمایا (دیکھو ہدیۃ الشیخ ص ۳۳۲)۔

اور قرآن کریم میں ہے أَوَلَمْ تَكُونُمْ تَكُونُونَ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لَّيَطْمِئِنَّ قُلُوبُكُمُ فِي الْيَوْمِ الْآخِرِ احق بالشک من ابواہیم سو اس جگہ شک اور ظن کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ بمقتضائے بشریت حضرات انبیاء کو جو اضطراب پیش آیا تو اس اضطراب کو ظن اور شک سے تعبیر کر دیا گیا اس لیے کہ اضطرابی حالت شک اور تردد کے مشابہ ہوتی ہے اور بظاہر ایسا نظر آتا ہے کہ گویا کہ مضطرب، شک اور گمان میں پڑا ہوا ہے عارف رومی قدس سرہ السانی فرماتے ہیں۔

ہیں بخوال استیأس الرسل ای عمو :: تا بہ ظنوا انھم قد کذبوا !!

ایں قرأت خواں بہ تخفیف کذب :: ایں بود کہ خویش بیند محجب

در گمان افتاد جان انبیاء :: ز اتفاق منکری اشقیاء

(دیکھو ثنوی مولانا روم - دفتر سوم ص ۱۷۵ جلد ۳ مع حاشیہ و شرح بحر العلوم ص ۹۰ جلد ۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں مولوی (معنوی) قرأت ابن عباسؓ اختیار می کنند تو حبیہ می فرماید کہ احوال انبیاء مختلف است در بعض اوقات رفع حجاب می شود و احوال بندہ پر آئی العین می بیند و در بعض اوقات حجاب بشریت مانع می گردد و از حالت رأی العین فرود می آیند و ضیق خاطر و اضطراب بشریت رومی دہد ہمیں حالت احتجاب را بطریق مجاز بظن تعبیر واقع شد خلاصہ کلام آنکہ لفظ ظن و شک در آیت و حدیث اینجا مجاز است بمعنی آن کہ خاطر ایشان بحسب جبلت بشریت مضطرب شد مانند اضطراب شک کنندہ در حقیقت و محمی یا مانند اضطراب کنندہ کذب و محی اہل طہارت ص ۱۶۷)

خلاصہ کلام یہ کہ تشدید ذال یعنی قد کذبوا کی قرأت میں تینوں ضمیری یعنی وظنوا، انھم، کذبوا کے ضمائر رسل کی طرف راجع ہیں اور مطلب آیت کا واضح ہے اور تخفیف ذال یعنی قد کذبوا کی قرأت میں اشکال

ہے جس کی تفسیر میں دو قول نقل کیے ایک یہ کہ تینوں ضمیریں رسل کی طرف راجع ہیں اس صورت میں شدید اشکال ہے جس کے حل کے لیے علماء ربانین کی تفسیر میں ناظرین کے سامنے کردی گئیں انشاء اللہ تعالیٰ وہ شافی اور کافی ہیں اس جگہ ایک تیسرا قول اور بھی ہے وہ یہ کہ ظنوا کی ضمیر تو قوم کی طرف راجع ہے اور انھم اور قد کذبوا کی ضمیریں رسل کی طرف راجع ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسل سے جھوٹا وعدہ کیا گیا اور اس بارہ میں پیغمبروں پر جو دہی آئی وہ جھوٹ تھی یہ کافروں کا گمان تھا اس وقت اللہ نے اپنے رسولوں کی مدد کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ انبیاء کی وحی سچی تھی اور ان کا گمان جھوٹا تھا۔

(دیکھو حاشیہ مثنوی مولینا روم ص ۱۷۵ دفتر سوم) ملے

ایک اور قرأت شاذہ سے اس معنی کی تائید ہوتی ہے اس لیے کہ مجاہد اور حمید کے قرأت میں - وَظَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا بِصِغَرٍ مَّعْلُومٍ آيا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ قوم نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے ان سے جھوٹ بولا (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹ ورح المعانی ص ۶۴ جلد ۱۳)

البتہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں یا انبیاء سابقین اور اہم سابقہ کے قصوں میں عبرت اور نصیحت ہے ان عقل مندوں کے لیے جن کی عقل خالص ہے اہل عقل کو چاہیے کہ اس قصہ سے عبرت پکڑیں کہ جس طرح یوسف کے بھائی یوسف کے مقابلہ میں ناکام رہے اسی طرح قریش محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ناکام رہیں گے یا یہ مطلب ہے کہ اہم سابقہ کے قصوں میں سے عبرت حاصل کریں کہ اطاعت اور معصیت کا کیا انجام ہوتا ہے جس کی عقل خالص ہوتی ہے وہی ان واقعات سے عبرت پکڑتا ہے

ولے در باید اسرار معانی : کہ روشن شد بنور جاودانی

نہیں ہے یہ قرآن جس میں یہ عبرت انگیز قصے مذکور ہیں کوئی بنائی ہوئی بات یعنی یہ کتاب کوئی ناول یا افسانہ نہیں بلکہ کتاب ہدایت اور درس معرفت ہے جس سے اہل بصیرت کو سبق حاصل کرنا چاہیے یہ اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے کسی بشر کی بنائی ہوئی نہیں بلکہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور یہ اس کی حقانیت اور صداقت کی دلیل ہے کیونکہ یہ کتاب بذاتہ معجزہ ہے اور کتب سابقہ

ملے : و اگر ضمیر ظنوا عائد بر قوم بود و ضمیر انھم قد کذبوا عائد بر پیغمبران باشد معنی چنیں آید کہ گمان بردند قوم کہ پیغمبران مکذوب شدند یعنی کسیکہ وحی آورده پیغمبران بردروغ کرده پس نجات داده شد کسے کہ خواستیم و باز گردانید نمی شود عذاب ماچوں نازل شود از قوم مجرمان (حاشیہ مثنوی مولینا روم طبعہ کا پور ص ۱۷۵ دفتر سوم)

ملے : قال الامام القرطبی و قراء مجاہد و حمید قد کذبوا بفتح الکاف والذال مخففا علی معنی وطن قوم ان الرسول قد کذبوا تفسیر قرطبی ص ۲۷۶ جلد ۹ وقال ابن الجوزی والمعنی (علی هذا القراءة) ظن قومهم ایضا انهم قد کذبوا قال الزجاج (زاد المسیر ص ۲۹۶ جلد ۴)

معجز نہ تھیں ان کو شہادت اور تصدیق کی ضرورت تھی اور جو شے خود حجت اور دلیل ہو اس کو کسی دلیل کی حاجت نہیں اور یہ کتاب تمام امور دین کی تفصیل کرنے والی ہے مہدء اور معاد حلال اور حرام اور حدود اور احکام اور مواعظ اور امثال وغیرہ جملہ ضروری امور کی اس میں تفصیل موجود ہے اور مومنوں کے لیے ذریعہ ہدایت اور رحمت ہے پس ایسی کتاب کے کلمات کی تلاوت اور اس کے معنی سے عبرت حاصل کرنا اہل عقل کیلئے ضروری ہے اللہم اجعلنا من اهل الهدى والرحمة فانك اهل التقوى والمغفرة آمین

يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ

الحمد لله آج بروز شنبہ دہم رجب الحرام ۱۳۸۸ھ، ہجری کو غروب آفتاب سے کچھ پہلے سورۃ یوسف کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔ فليد الحمد والمنة

تفسیر سورۃ رعد

اس سورت میں چونکہ رعد کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت رعد کے نام سے موسوم و مشہور ہوئی اور یہ سورت مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور بعض کا قول ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور اس سورت میں تینتالیس آیتیں ہیں اور بقول بعض چوالیس یا پینتالیس آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں۔

(ربط سورت) گذشتہ سورت کے شروع میں قرآن حکیم کی حقانیت کا بیان تھا اور اخیر سورت میں وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ مِنْ أَجْمَالِ طُورٍ پر دلائل الوہیت و وحدانیت اور عجائب قدرت کی طرف اشارہ تھا اس لیے اس سورت کا آغاز بھی حقانیت قرآن سے فرمایا اور اس کے بعد قدرے تفصیل کے ساتھ دلائل الوہیت و وحدانیت اور عجائب قدرت کو ذکر کیا بعد ازاں اثبات معاد فرمایا اور پھر منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیا غرض یہ کہ اس سورت میں انہی تین مضامین کا ذکر ہے اور ان کا باہمی ربط ظاہر ہے۔

:

:

:

آيَاتُهَا ۴۳ : ۱۳ : سُورَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ : ۹۶ : رُكُوعَاتُهَا ۶

سورۃ رعد مکی ہے اور اس میں تینتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بخشنے والا ہے نہایت مہربان

الْمَرَّتِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنْزِلَ إِلَيْكَ

یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو کچھ اُنرا تجھ کو

مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ①

تیرے رب سے سوتحقیق ہے لیکن بہت لوگ نہیں مانتے

حقانیت قرآن کریم

قال الله تعالى الْمَرْءُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْإِلٰه... وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۝
(ربط) سورۃ یوسف کے اخیر میں قرآن کریم کی صفت میں یہ فرمایا مَا كَانَتْ حَدِيثًا يَّفْتَرَاهُ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ لِّشَيْءٍ كُوْهِدَ لِيْ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ : اسی مناسبت سے
اس سورت کا آغاز قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا الْمَرْءُ وَاللّٰهُ اعْلَمُ بِمَا يَذَلَّكَ بِهٖ آيَاتِيْ كِتَابِ
الہی کی آیتیں ہیں اور اے اکمل الرسل جو کتاب کامل آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کی گئی سو وہ بالکل
حق اور درست ہے لوگوں کو چاہیے کہ بے دغدغہ اس کتاب پر ایمان لائیں لیکن جائے تعجب ہے کہ اکثر
لوگ اس جامع اور کامل کتاب کو بھی نہیں مانتے اور جو ایسی صاف اور واضح حقیقت کو بھی نہ مانے تو
یہ اس کی کج طبعی کی دلیل ہے اور جو اس کتاب کو نہیں مانتا آخر وہ پھر کس کتاب کو مانے گا اور اگر
ان کو یہ شبہ ہے کہ ہم اپنے جیسے بشر کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کریں تو آئندہ آیت میں اس کا جواب ہے
کہ جسمانیات کے اعتبار سے آسمان اور زمین برابر ہیں یہ بھی جسم ہے اور وہ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی
قدرت اور حکمت سے آسمان کو زمین پر بلندی عطا کی اسی طرح سمجھو کہ اللہ کو یہ بھی قدرت ہے کہ ایک
بشر کو زمین اور دوسرے بشر کو علم اور حکمت کا آسمان بنا دے خدا کی قدرت سب جگہ یکساں ہے۔

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَ هَآثِمًا

اللہ وہ ہے، جن نے اونچے بنائے آسمان بن ستون دیکھتے ہو پھر

اُسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

قائم ہوا عرش پر اور کام لگایا سورج اور چاند کو

كُلُّ يَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّیٰ یَدَبِّرُ الْاَمْرَ یَفْصِلُ

ہر ایک چلتا ہے ایک ٹھہری مدت تک تدبیر کرتا ہے کام کی، کھولتا ہے

الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ② وَهُوَ الَّذِي

نشانیاں، شاید تم اپنے رب سے ملنا یقین کرو اور وہی ہے

مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِنْ

جن نے پھیلائی زمین اور رکھے اس میں بوجھ اور ندیاں اور

كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوَاجِينَ اشْنِينَ يُغْشَى

ہر میوے کے رکھے اس میں جوڑے دوہرے ڈھانکتا ہے

الَّيْلِ النَّهَارِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ③

دن پر رات اس میں نشانیاں ہیں ان کو جو دھیان کرتے ہیں

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُّتَجَوِّرَاتٌ ۖ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ

اور زمین میں کئی کھیت ہیں ملے ہوئے اور باغ ہیں انگور کے

وَزَرْعٌ ۖ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ ۖ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَى

اور کھیتی اور کھجوریں جڑ ملی اور بن ملی پاتے ہیں

بِمَاءٍ وَاحِدٍ ۖ وَنُفِضِلُ بِعَضِّهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي

ایک پانی اور ہم زیادہ کرتے ہیں ایک کو ایک سے

الْأُكُلِ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ④

میوے میں اس میں نشانیاں ہیں اُن کو جو بوجھتے ہیں۔

ذکر دلائل توحید و اثبات مبداء و معاد

قال الله تعالى، اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمُوتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ... إلخ... إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝
(ربط، گزشتہ آیت میں قرآن مجید کا منزل من الشد ہونا اور اس کا حق اور صدق ہونا اور کافروں کا اس پر ایمان

نہ لانا بیان کیا گیا اب آئندہ آیات میں دلائل توحید والوہیت اور قرآن کے نازل کرنے والے خدا کی کمال قدرت کا ذکر کرتے ہیں اور آخرت کا اثبات فرماتے ہیں جو اعظم مقاصد قرآن میں سے ہے اور چونکہ اکثر لوگ خدا تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کے منکر ہیں اس لیے اثبات توحید والوہیت کے لیے آسمانوں کے حالات اور آفتاب و ماہتاب کی حرکات اور زمین کے مختلف قطعات اور زمین کی پیداوار کی کیفیات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ منکرین اور مشرکین پر حجت قائم ہو اور ان سب دلائل کا مطلب یہ ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک تمام کائنات اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل اور براہین میں

استدلال باحوال عالم علوی

اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ
اثبات توحید کیلئے اللہ تعالیٰ نے اول آسمانوں کے حالات سے استدلال کیا چنانچہ فرماتے ہیں اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ بلا عمود کے قائم ہیں نیچے کوئی ستون نہیں کہ جس کے سہارے سے آسمان ٹھہرے ہوئے ہوں اور اوپر کوئی زنجیر نہیں کہ جو اوپر سے آسمان کو روکے ہوئے ہے بلا ستون کے معلق ہیں انسان ایک ذرہ کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا پس سمجھ لو کہ کسی قادر مختار ہی نے اس کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے اور خدائے تعالیٰ نے اپنی قدرت سے آسمان کو اتنا اونچا بنایا کہ جہاں تمہاری نظر بھی کام نہیں کرتی اور ظاہر ہے کہ آسمان جیسے عظیم الشان جسم کا معلق رہنا از خود نہیں اور نہ بتقاضائے طبیعت جسمانیہ ہے اور نہ کوئی نیچر اور ایجنس اس کو غماے ہوئے ہے معلوم ہوا کہ کسی قادر و قوی نے اس کو اس طرح معلق رکھا ہوا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ تروندھا عمد کی صفت ہے اور معنی یہ ہیں کہ بلند کیا اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستون کے جس کو تم نہیں دیکھتے مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں مگر وہ ایسے ہیں جو تم کو نظر نہیں آتے پھر وہ اپنی قدرت اور قہر سے اور تدبیر اور تصرف سے عرش عظیم پر قائم ہوا جو قیام اس کی شان کے لائق ہے عرش پر قائم ہونے سے اس کی جلوہ افروزی مراد ہے جس کی حقیقت سوائے خدائے کسی کو معلوم نہیں اور خدائے تعالیٰ کا عرش عظیم پر قائم اور جلوہ فرما ہونا آسمانوں کے بلند کرنے سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے اس لیے لفظ ثم ان دونوں میں تفاضل اور تفاوت کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا کہ استوی علی العرش رفع السموات سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع ہے کیونکہ عرش عظیم تجلیات خداوندی اور احکام الہیہ کا مصدر اور مرکز ہے تمام عالم کی تدبیر اور تصرف کے احکام عرش عظیم ہی سے نازل ہوتے ہیں اور عرش پر قائم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ خداوند قدوس بادشاہ کی طرح تخت پر برابر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ یہ صفت تو جسم کی ہے جو وضع اور ہیئت کے ساتھ موصوف ہو اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے

فرقہ مجسمہ اللہ تعالیٰ کو جسم گمان کرتا ہے اور استواء کے معنی بیٹھنے کے کرتا ہے اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عرش پر قائم ہوا جو اس کی شان عظمت و جلال اور اس کی شان قدوسیت کے شایان ہے اور ہم اس کے اِسْتَوٰء عَلَی الْعَرْشِ پر ایمان لاتے ہیں جو اس کی شان کے لائق ہے اور اس کی تنزیہ و تقدیس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اس لیے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس مکان اور جہت سے اور تمکن اور استقرار سے اور اتصال اور انفعال سے سب سے پاک ہے مکان اور جہت سب اسی کی مخلوق ہے وہ خداوند قدوس مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے جس شان پر تھا اسی شان پر زمان اور مکان پیدا کرنے کے بعد بھی ہے معاذ اللہ یہ خیال نہ کرنا کہ عرش تخت شاہی کی طرح خدا کو تھلے ہوئے عرش خدا کو تھلے ہو اور اٹھلے ہو نہیں بلکہ خدا کی قدرت ہی عرش کو اٹھلے ہو اور تھلے ہوئے ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرش پر قائم ہونے یا قرار پکڑنے سے مراد ہے کہ عرش سے لے کر فرش تک اور فرش سے لے کر تخت الشریٰ تک سب اسی کے قبضہ قدرت و تصرف میں ہے اور تمام کائنات پر وہی حکمران ہے جیسے تخت نشینی سے حکمرانی کے معانی مراد ہوتے ہیں اسی طرح استواء علی العرش سے حق جل شانہ کی حکمرانی اور تدبیر اور تصرف کو بیان کرنا مقصود ہے کہ عرش سے فرش تک اسی کی حکمرانی ہے باقی اس آیت کی مفصل تفسیر سورۃ اعراف میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

استدلال بہ تسخیر شمس و قمر

وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ كُلٌّ لِّمَجْرَىٰ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ

اب آفتاب و ماہتاب کے احوال سے اپنی الوہیت اور وحدانیت پر استدلال فرماتے ہیں اور مسخر کیا یعنی کام پر لگایا اس نے سورج کو اور چاند کو، دونوں اسی کے زیر حکم ہیں دونوں کی حرکت اللہ کے حکم سے ہے جس سے بندوں کی مصلحتیں وابستہ ہیں نور اور ظلمت کی آمد و رفت سے زمین اور اجسام اور اشجار و نباتات نشوونما پاتے ہیں جس قسم کی حرکت اللہ نے ان کے لیے معین کر دی ہے اس میں سب فرق نہیں آتا حق تعالیٰ نے شمس و قمر کی حرکت کے لیے جو سمت اور جہت اور جو مسافت اور جو مقدار اور کیفیت مقرر فرمادی ہے اس کے خلاف شمس و قمر حرکت نہیں کر سکتے ہر ایک کی حرکت جاری ہے ایک مدت معینہ تک یعنی جب تک دنیا قائم ہے چاند اور سورج طلوع و غروب ہوتے رہیں گے اور اسی رفتار سے حرکت کرتے رہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہر ایک اپنے اپنے مدار پر چلتا رہے گا اور اپنی منزلوں کو طے کرتا رہے گا چنانچہ سورج اپنے مدار کو سال بھر میں قطع کرتا ہے، اور چاند ایک مہینہ میں مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس طرح اور جس جانب ان کی حرکت مقرر کر دی ہے اس میں سب فرق نہیں آتا اگر کوئی قادر و قوی اس کا منتظم نہیں تو اس نظام

میں خلل کیوں نہیں آتا غرض یہ کہ ان تمام دلائل سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عالم کے یہ تمام انتظامات مادہ اور
بتحرر سے نہیں چل رہے ہیں بلکہ کسی بلیک مقدر کے ارادہ اور اختیار سے چل رہے ہیں وہی عالم علوی
اور عالم سفلی کے ہر کام کی تدبیر اور انتظام کرتا ہے اور وہ ذات والا صفات ایسی ہے کہ اس کی تدبیر
اور تصرف کے اعتبار سے عرش اور فرش پہاڑ اور ذرہ سب برابر ہیں وہ اپنی قدرت کی نشانیاں بہ تفصیل
بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے پروردگار کے ملنے کا یقین کرو یعنی مرنے کے بعد جینے کا یقین کرو کہ جس ذات نے
یہ کارخانہ بنایا ہے اور جس نے اجرام فلکیہ اور اجسام عظیمہ کو پیدا کیا ہے وہ انسان کے دوبارہ پیدا کرنے
پر بھی قادر ہے اور مخبر صادقؐ نے اس کے وقوع کی خبر دی ہے اور امر ممکن الوقوع کے وقوع کی اگر مخبر
صادق خبر دے تو عقلاً اس کا قبول کرنا لازم اور ضروری ہے۔

آسمانوں کے بارہ میں فلسفہ جدیدہ کا نظریہ

قرآن اور حدیث اور تمام کتب سماویہ سے ثابت ہے کہ آسمانوں کا وجود حق اور ثابت ہے فلسفہ
جدیدہ کے انکشافات یہ کہتے ہیں کہ آسمان ایک بے معنی لفظ ہے جو معنی سے یکسر خالی ہے آسمان کوئی چیز
نہیں یہ نیلگوں چیز جو ہم کو اوپر سے نظر آتی ہے وہ محض ایک حد بصر اور حد نظر ہے۔
ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ نیلگوں رنگ جو ہم کو دکھائی دیتا ہے وہ آسمان دنیا کا پلستر ہو دیکھنے
والوں کو عمارت کا پلستر تو نظر آتا ہے مگر اصل عمارت نظر نہیں آتی۔
نیز عقلاً اور حساً محض حد بصر اور حد نظر کا کوئی رنگ نہیں ہوتا رنگ تو جسم ہی کا ہوتا ہے۔

استدلال باحوال عالم سلفی

قال اللہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ الْإِنْفِ ذَلِكْ لَا يَتَّبِعُ الْقَوْمَ يَعْقِلُونَ
(ربط) اوپر کی آیتوں میں عالم علوی کی چیزوں سے اس کی وحدانیت اور الوہیت پر استدلال تھا یعنی آسمانوں
اور چاند اور سورج کے احوال سے استدلال کا ذکر تھا اب عالم سفلی کے چیزوں کے احوال سے یعنی زمین
سے اور اس کی پیداوار سے اور بیل و نہار کے اختلاف سے استدلال فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں
اور وہ اللہ وہی ہے جس نے زمین کو اتنا پھیلایا کہ بشمار مخلوق اس پر چل سکے اور اتنا وسیع بنایا کہ
آج تک اس کے مبداء اور انتہاء کا علم نہ ہو سکا اور اس پر بسنے والی مخلوق کا رزق اور سامان معیشت
سب اسی میں ودیعت رکھ دیا ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ زمین کو پانی پر پھلایا رزاد المسیر ص ۳۰۲
جلد ۴) وقال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور پھر اس زمین میں پہاڑ بناتے تاکہ وہ زمین

کی میخیں ہو جاتیں

زمین از تپ و لرزه آمد ستوہ : فرد کو فت برداشش میخ کوہ

اور زمین میں نہریں جاری کیں اور ہر قسم کے پھلوں سے خدا نے زمین میں دو دو قسمیں بنائیں مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش خشک اور تر، گرم اور سرد وغیرہ وغیرہ

نیز اس خدا کی ایک صفت یہ ہے کہ وہ ڈھانک دیتا ہے رات کو دن سے مطلب یہ ہے کہ کسی وقت دن کا ہونا اور کسی وقت رات کا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی قدرت اور اس کی تسخیر ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین کی حالت سے استدلال کیا ہے کہ زمین کی یہ وسعت اور اس پر جا بجا پہاڑوں اور نہروں کا ہونا بغیر کسی خالق کے نہیں ہو سکتا اور دن اور رات کے بدلنے میں اور زمین کی پیداوار میں اس کی قدرت کے عجیب عجیب کرشمے ہیں بے شک ان چیزوں میں خدا کی کمال قدرت کی نشانیاں ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ان نشانیوں میں غور کرنے سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے ایک زمین پر نظر ڈال لو کہ اس کا کوئی حصہ نرم ہے اور کوئی حصہ نہایت سخت ہے جیسے پہاڑ حالانکہ طبیعت ارضیہ سب کی ایک ہے معلوم ہوا کہ زمین کے قطعات میں یہ تفاوت مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کے علم و قدرت کا کرشمہ ہے پھر زمینوں اور پہاڑوں کی رنگتیں اور کیفیتیں مختلف اور پہاڑ میں سے جو کانیں نکلتی ہیں وہ بے انتہا مختلف کوئی کان سونے اور چاندی کی اور کوئی لوہے اور تانبے کی اور کوئی نمک اور گندھک کی وغیرہ وغیرہ یہ اختلافات نہ اتفاقی ہیں اور نہ بے شعور اور بے حس مادہ کا اقتضاء ہیں بلکہ سب خداوند علیم و قدیر کی قدرت کے کرشمے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح عالم علوی کا کارخانہ اس کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے اسی طرح عالم سفلی کا کارخانہ بھی اسی کی تدبیر اور تصرف سے چل رہا ہے سب جگہ اسی کا دست قدرت کا فرما ہے اور جن فلاسفہ کا یہ گمان ہے کہ عالم سفلی کا کارخانہ عالم علوی کی تاثیر سے چل رہا ہے وہ سب غلط ہے اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور یہ نادان اپنی الٹی سلٹی باتوں پر بڑے خوش ہیں فوحوایما عندہم من العلم

استدلال دیگر

اور من جملہ دلائل توحید کے ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں مختلف قسم کے قطعے ہیں جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں اور بایں ہمہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں حالانکہ سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں اور ایک ہی قسم کی ہوا ان پر چل رہی ہے کوئی قطعہ قابل زراعت ہے اور کوئی بنجر ہے اور کوئی کسی میوے کے قابل ہے اور کوئی کسی دوسرے میوے کے قابل ہے حالانکہ سب کو ایک ہوا اور ایک پانی پہنچ رہا ہے اور سب پر ایک ہی آفتاب کی شعاعیں پڑ رہی ہیں عجیب بات

ہے کہ باوجود اس اتصال کے اور اتحاد کے آثار مختلف ہیں اور پھر زمین کے ہر قطعہ میں مختلف قسم کے باغات ہیں کہیں انگوروں کے باغ ہیں اور کہیں کھیتی ہے اور کہیں کھجور کے درخت ہیں بعضے دو شاخے بعضے غیر دو شاخے یعنی بعضے ایسے ہیں کہ ایک ہی جڑ سے کئی شاخیں اُگیں اور بعضے متفرق جڑوں کے ہیں یعنی ہر شاخ علیحدہ جڑ سے اگی ہے یہ سب باغات ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور باوجود اس کے ہم بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں کوئی شیریں ہے اور کوئی ترش اور کوئی پھیکا کوئی کیسا اور کوئی کیسا بے شک ان امور مذکورہ میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں کہ ایک ہی قسم کی زمین ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے اور ایک ہی ہوا ہے پھر پھلوں کا مزہ بھی مختلف اور ہیئت اور شکل بھی مختلف اور ظاہر ہے کہ یہ امور نہ تو خود بخود حادث ہو گئے ہیں اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ کسی نیچر اور ایبھر کا اقتضاء ہے کیونکہ ایبھر اور نیچر میں کسی شعور اور ارادہ اور اختیار کا نام و نشان نہیں بلکہ یہ سب خدائے عظیم و قدیر کے علم اور قدرت کے کرشمے ہیں جو خاص خاص اوقات میں اس کے ارادہ اور مشیت کے مطابق نمودار ہو رہے ہیں معلوم ہوا کہ پس پردہ کوئی دست قدرت ہے جو یہ گل کارباں کر رہا ہے زمین بھی ایک ہے اور پانی بھی ایک ہے تو پھر باوجود اسباب اور اصول کے متبد ہونے کے یہ امتیاز اور اختلاف کیسا یہ سب کسی قادر مختار کی صنعت اور کاریگری ہے فلاسفہ کا گمان یہ ہے کہ درختوں اور پھلوں کا اختلاف اتصالات فلکیہ اور کواکب اور نجوم کی تاثیر سے ہے فلاسفہ عالم سفلی کے حوادث کو حرکات کواکب اور نجوم کا اثر بتلاتے ہیں یہ سب غلط ہے اس لیے کہ اول تو گزشتہ آیات میں افلاک اور کواکب اور نجوم کا حادث ہونا اور ان کا مسخر بامر الہی ہونا ثابت ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے شمس و قمر اور کواکب کی خاص وضع اور ہیئت اور حرکت کی مقدار اور اس کی ساخت متعین کر دی ہے اس سے باہر قدم نہیں نکال سکتے لہذا احوال فلکیہ کو حوادث ارضیہ کی علت قرار دینا صحیح نہیں

دوم یہ کہ اتصالات فلکیہ اور حرکات کواکب کو کبیہ کو عالم سفلی سے مؤثر قرار دینا محض ایک دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

سوم یہ کہ ایک ہی باغ ہے اور ایک ہی درخت ہے اور ایک ہی قسم کی شعاع شمسی ہے اور ایک ہی قسم کی ہوا ہے اور ایک ہی قسم کا پانی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ پھلوں کا مزہ مختلف ہے جب علت اور سبب ایک ہے تو معلول اور مسبب بھی ایک ہی ہونا چاہیے علت اور سبب میں شور اور ارادہ اور اختیار نہیں ہوتا اس لیے اس کی تاثیر میں فرق نہیں ہوتا۔

بے شعور مشین سے جو چیز تیار ہوگی اس میں تفاوت نہ ہوگا انسان اپنے ہاتھ سے جو چیز بنائے گا اس میں اس کے اختیار اور ارادہ کے موافق فرق اور تفاوت ہوگا پس ثابت ہوا کہ پھلوں کی پیدائش میں نہ تو زمین کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے اور نہ ہوا اور پانی کی طبیعت اور مادہ کو دخل ہے بلکہ

کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے فلا سفہ جدید و قدیم جس قدر چاہیں اسباب و علل بیان کریں مگر سب کی انتہا کسی بلیک مقدر پر مانی پڑے گی : **وَ اَنْتَ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَهٰی**
 امام رازیؒ نے ان آیات کی تفسیر میں دلائل علویہ اور سفلیہ کو نہایت بسط کے ساتھ بیان کیا ہے حضرات اہل علم تفسیر کبیر کی مراجعت کریں ان مادہ پرستوں کی رد میں کسی عالم نے خوب کہا ہے
وَالْاَرْضُ فِیْهَا عِبْرَةٌ لِلّٰہِ مُعْتَبِرٌ ۖ تَخْبِرُ عَنْ مَّیْلَتِ مُقْتَدِرٍ
 (ترجمہ) اور زمین میں عبرتیں ہیں عبرت حاصل کرنے والے کے لیے زمین کی ساخت خبر دے رہی ہے کہ کسی بلیک مقدر نے اس کو بنایا ہے۔

تسقی بماءٍ واحدٍ اشجارُها ۖ وبقعةٍ واحدةٍ قرارُها
 ایک پانی سے سب درختوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور ایک قطعہ زمین پر سب کا قرار ہے مگر باوجود اس کے پھل مختلف ہیں کیسی کا کیا نرہ اور کسی کا کیا۔

والشمس والہواء لیس یختلف ۖ واکلہا مختلف لا یاتلف
 جو دھوپ اور ہوا ان درختوں پر پڑ رہی ہے اس میں تو کوئی اختلاف نہیں مگر پھل مختلف ہیں ایک ہی درخت کے پھلوں کا نرہ یکساں نہیں ہوتا۔

لوان ذامن عمل الطباع لم یختلف وکان شیئاً واحداً
 اوانہ صنعة غیر صانع ۖ ہل یشبہ الاولاد الا والد
 اگر یہ طبیعت اور مادہ کا تحمل ہوتا یا بغیر کسی کاریگر کے صنعت کا ہوتا تو پھلوں میں ان کے مزدوں میں تفاوت اور فرق نہ ہوتا بلکہ سب کا نرہ ایک ہوتا (جیسے اولاد والد کے مشابہ ہوتی ہے)

الشمس والہواء یا معاند ۖ والماء والتراب شیئ واحد
 فما الذی اوجب التفاصلا
 الا حکیم لم یوردہ باطلا
 جب دھوپ اور ہوا اور پانی اور مٹی ایک ہے تو پھر یہ تفاوت اور فرق کہاں سے آیا معلوم ہوا کہ یہ تفاوت کسی قادر حکیم کے ارادہ اور اختیار سے ہوا ہے جو کبھی خلاف حکمت کا ارادہ نہیں کرتا (دیکھو روح المعانی ص ۹۳ جلد ۱۳)

بعض علماء تابعینؒ سے منقول ہے کہ یہی مثال بنی آدم کی ہے باوجودیکہ سب کی اصل ایک ہے مگر خیر و شر ایمان و کفر میں مختلف ہیں کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب اور جس طرح پانی زمین کے مختلف قطعات میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے اسی طرح کلام الہی مختلف قلوب میں مختلف اثر پیدا کرتا ہے جیسا کہ فرماتے ہیں **وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ دَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَلَا یَزِیْدُ الظَّالِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا** (یعنی یہ قرآن مومنوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے اور یہی قرآن ظالموں کو خسارہ میں بڑھاتا ہے)

وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ إِذَا كُنَّا تُرَابًا ؕ إِنَّا لَنَفِي

اور اگر تو اچنبھے کی بات چاہے، تو اچنبھا ہے اُن کا کہنا کیا جب ہو گئے ہم سچی کیا ہم

خَلَقَ جَدِيدًا ؕ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ

نئے نہیں گئے؟ وہی ہیں جو منکر ہوئے اپنے رب سے اور وہی ہیں

الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ؕ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ

کہ طوق ہیں اُن کی گردنوں میں اور وہ ہیں دوزخ والے وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ

اس میں رہا کریں گے اور شتاب چاہتے ہیں تجھ سے بُرائی، آگے بھلائی سے

وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُطُ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو

اور ہو چکی ہیں اُن سے پہلے کہاوتیں اور تیرا رب معاف

مَغْفِرَةٌ لِلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ ؕ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدٌ

بھی کرتا ہے لوگوں کو اُن کی گنہگاری پر اور بڑے رب کی مار سخت

الْعِقَابِ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ

ہے اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اُتری اُس پر کوئی

آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ؕ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

نشان اس کے رب سے، تو تو ڈر سننے والا ہے اور ہر قوم کو ہوا ہے راہ

هَادٍ ۝

بتانے والا



منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جوابات

قال اللہ تعالیٰ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ... اِنْ... اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (ربط) اوپر کی آیتوں میں توحید کا مضمون تھا اب ان آیات میں منکرین نبوت کے تین شبہات کے جوابات مع وعید و تہدید ذکر کرتے ہیں وہ تین شبہ یہ تھے (اول) وہ بعث اور حشر و نشر کو محال سمجھتے تھے اور اس سے نفی نبوت پر استدلال کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو ایک محال اور ناممکن کی خبر دیتے ہیں اور اس پر ایمان لانے کا حکم دیتے ہیں جیسا کہ دوسری آیت میں ہے هَلْ نَذُرُكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُبَيِّنُكُمْ اِذَا مَرَّ قَسَمٌ كُلِّ مُمْرِقٍ اَنْكُورٍ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ اَفَتُرَايَ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اَمْ رِبًّا جِنَّةٍ (دوسرا شبہ یہ تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کے منکرین اور کذبین پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامْطِرْ عَلَيْنَا حَجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ ابْعَثْ عَلَيْنَا مَوْلًى مِّنْكَ (تیسرا شبہ یہ تھا کہ جن معجزات کی ہم فرمائش کرتے ہیں وہ معجزات کیوں ظاہر نہیں کرتے حق تعالیٰ نے ان آیات میں کفار کے ان تینوں شبہات کا جواب دیا ہے جو نبوت کے متعلق تھے پہلے شبہ کا جواب وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ سے دیا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ کیا یہ لوگ مرجانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو خدا کی قدرت سے باہر سمجھتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس پروردگار کی قدرت اس قدر بڑی ہے کہ وہ اتنی بڑی چیزوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اس کے لیے مردہ کا دوبارہ پیدا کرنا کیا بڑی بات ہے حشر و نشر کے منکر خدا کے باغی ہیں ان باغیوں کا انجام یہ ہو گا کہ گلے میں طوق اور ہاتھ پاؤں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر ابدی جیل خانہ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

جو شخص حشر اجساد کا قائل نہیں وہ درحقیقت خدا کی ربوبیت اور قدرت کا منکر ہے کما قال اللہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ فَلَا سَفَٰةَ لِّهٖمْ فَا لَيْسَ لَهُمْ تَحْسِبَاتٌ وَّلَا اٰخِرَةُ لِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ (بلکہ خدا کو واجب بالذات اور موجب بالذات سمجھتے ہیں ان کے نزدیک خدا تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں اور اگر قادر بھی ہے تو اس کی قدرت ناقص اور ناتمام ہے فلا سفہ کے نزدیک خدا کے لیے یہ ممکن نہیں کہ بلا واسطہ والدین کے کسی حیوان کو پیدا کر سکے ان کے نزدیک ایجاد کے لیے تاثیر طبیعت اور تاثیر فلک اور تاثیر کوکب و نجوم ضروری ہے اور فلا سفہ تو خدا کے علم کے بھی قائل نہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو کلیات کا تو علم ہوتا ہے مگر جزئیات کا علم نہیں معاذ اللہ فلا سفہ کے نزدیک خدا کو معلوم نہیں کہ کون اس کا میطیع و فرمانبردار ہے اور کون نافرمان ہے۔

غرض یہ کہ فلا سفہ بھی حشر و نشر کے قائل نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ فلا سفہ خدا کی قدرت اور علم کے قائل نہیں اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ کا یہ مطلب ہوا۔

اور دوسرے شبہ کا جواب وَكَيْفَ تَعْلَمُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حلیم و کریم ہے عذاب اور مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا مگر جب عذاب آتا ہے تو ٹلتا نہیں پہلی امتوں کے حال سے عبرت پکڑیں اور عذاب کی تاخیر سے دھوکہ میں نہ پڑیں عذاب کی تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں بلکہ حلم و کرم کی وجہ سے ہے۔

اور تیسرے شبہ کا جواب الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ اَنْفُسٌ يَّعْلَمُ میں دیا گیا جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ شبہ لغو اور ہمل ہے محض عناد پر مبنی ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے صد ہا معجزات ظاہر فرمائے مگر یہ لوگ عنادی اور ضدی ہیں جو معجزہ انہیں دکھایا جاتا ہے اسے جادو کہہ دیتے ہیں اور نئے معجزہ کی فرمائش کرتے ہیں اس لیے ان کی ہر ہر بات پر معجزہ دکھانا بالکل عبث ہے اب آیات کی تفسیر پڑھیے۔

پہلے شبہ کا جواب

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ اِلٰى هُمْ فِيْهَا خُلِدُوْا

اور اگر آپ کسی شے سے تعجب کریں یا ان کے انکار اور ایمان نہ لانے سے تعجب کریں تو سب سے زیادہ عجیب ان کا یہ قول ہے کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد گل سڑ کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئی پیدائش میں آئیں گے حق تعالیٰ کی قدرت کو اور عزائے حکمت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ ہم از سر نو کیسے پیدا ہوں گے نہایت ہی عجیب ہے جو قادر و قیوم ان اجرام عظیمہ علویہ و سفلیہ کو پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ ایک انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

زندگی دادن چہ دشوارش بود

آنکہ پیدا ساختن کارش بود

یہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے دلائل ربوبیت کا انکار کیا ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسکی ربوبیت کے دلائل کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر بھی حشر اجساد کو ناممکن اور محال سمجھتے ہیں اور یہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے گلوں میں قیامت کے دن طوق ہوں گے اور یہی دوزخی لوگ ہیں جو ہمیشہ اسی دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرے شبہ کا جواب

وَ كَيْفَ تَعْلَمُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ اِلٰى وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ

اور اے نبی یہ کفار مکہ تجھ سے بھلائی اور عافیت کی ميعاد ختم ہونے سے پہلے برائی یعنی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کرتے ہیں کہ اگر تو واقع میں نبی ہے اور ہم تجھ کو نہیں مانتے تو تو ہم پر عذاب کیوں

نہیں نازل کرا دیتا حالانکہ ان سے پہلے گزشتہ امتوں پر کفر اور تکذیب ہی کے بناء پر عقوبتیں اور طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے ہیں اسی طرح تم پر بھی عذاب نازل ہو سکتا ہے تم کو چاہیے کہ پہلی امتوں کے حال بد سے عبرت پکڑو اور اس خیال میں نہ رہو کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لے آئیں گے اس وقت کا ایمان معتبر نہیں ایمان وہ معتبر ہے جو اختیاری ہو اضطراری ایمان معتبر نہیں اور اللہ عذاب کے نازل کرنے میں اس لیے جلدی نہیں کرتا کہ بے شک تیرا پروردگار لوگوں کے حق میں باوجود ان کے ظلم و ستم کے بڑی بخشش والا اور پردہ پوشی کرنے والا ہے وہ حلیم و کریم ہے فوراً نہیں پکڑتا

نہ گردن کشاں را بگیرد بفور

اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ تیرا پروردگار سخت عذاب دینے والا بھی ہے اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے لیکن مجرم جب حد سے گزر جاتا ہے تو پھر اس کو سخت پکڑتا ہے۔

تیسرے شبہ کا جواب

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَكُلُّ قَوْمٍ هَادٍ
اور یہ کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں نازل ہوئی جو ہم چاہتے ہیں جو نشانیاں یہ دکھاتا ہے وہ کچھ نشانیاں نہیں ان سے ہماری تسکین نہیں ہوتی اے نبی آپ تو صرف عذاب الہی سے ڈرانے والے ہیں معجزات کے مالک اور مختار نہیں آپ کا کام تو کافروں کو عذاب الہی سے ڈرانا ہے اور ڈرانے والی نشانیاں آپ سے بہت سی ظاہر ہو چکی ہیں اور یہ معاندین تو شق القمر جیسی نشانیوں کا بھی انکار کر چکے ہیں تو ان کو دوسری نشانیاں دکھانے سے کیا فائدہ اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے اس طرح آپ بھی اس زمانہ میں ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور ہادی کا کام راہنمائی اور خدا کی نافرمانی کے برے نتائج سے ڈرانا ہے اور خدا نے آپ کو بڑے بڑے نشانات دیئے ہیں اور دعویٰ نبوت کے اثبات کے لیے مطلق دلیل اور مطلق معجزہ کافی ہے فرمائی معجزہ ضروری نہیں کفار ایسی نشانی مانگتے ہیں جسے دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے حق تعالیٰ نے ایسے معجزات دینے سے انکار فرما دیا کفار کے شبہ کا منشاء یہ تھا کہ وہ قرآن کو معجزہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ قرآن کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف سمجھتے تھے ان کا گمان یہ تھا کہ معجزات تو وہ ہیں جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو عطا ہوئے اس لیے کافر یہ کہتے تھے کہ آپ پر ایسا معجزہ کیوں نازل نہیں ہوتا جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔

کفار کا یہ شبہ لغو اور ہمل تھا اس لیے کہ ہر زمانہ میں اثبات نبوت کیلئے ایسے معجزات عطا کیے گئے جو اس زمانہ کے مناسب تھے اور ان کی نبوت کے اثبات کے لیے کافی اور دافی تھے موسیٰ علیہ

السلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا اس لیے ان کو عصا اور ید بیضا کا معجزہ عطا کیا گیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا اس لیے ان کو اجیاء موتی اور ابرار اکہ و ابرص کا معجزہ عطا کیا گیا جس سے تمام اطباء عالم عاجز ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا اس لیے آپ کو علمی معجزہ یعنی قرآن کریم عطا کیا گیا جو لفظی فصاحت و بلاغت اور معنوی علوم و معارف کے اعتبار سے معجزہ تھا اور علاوہ ازیں آپ سے صد ہا معجزات صادر ہوئے جو عصا اور ید بیضا کے مثل یا اس سے بڑھ کر تھے مثلاً شق القمر اور عروج سموات اور ستون حنّانہ کا رونا اور انگشتان مبارک سے پانی کا جاری ہونا اور تھوڑی چیز سے ایک لشکر عظیم اور جماعت عظیمہ کا سیر اور سیراب ہونا۔

اس قسم کے بے شمار معجزات آپ سے ظاہر ہوئے اور کفار نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا مگر عناد کی بناء پر ان سب کو جادو کہہ دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے فراموشی معجزات ظاہر کرنے سے انکار فرما دیا اور بتلادیا کہ جو معجزات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو من جانب اللہ دیئے گئے وہ آپ کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں تمہاری منہ مانگی نشانیوں کا ظاہر کرنا ضروری نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ آئندہ جو معجزہ ظاہر کیا جائے اس کو بھی جادو کہہ تلادیں جیسا کہ اب تک کرتے چلے آ رہے ہیں۔



اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحِيلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں ہے رکھتی ہر مادہ اور جو سکڑتے

الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝

ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں اور ہر چیز کو ہے اس پاس گنتی

عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاءٌ

جلنے والا چھپے اور کھلے کا سب سے بڑا اُوپر برابر ہے

مِّنْكُمْ مَّنْ أَسْرَ الْفُؤُلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ

تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو

مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ

پچھپ رہا ہے رات میں اور گلیوں پھرتا ہے دن کو اس کے پھیری والے

مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ

ہیں، بندے کے آگے سے اور پیچھے سے اس کو بچاتے ہیں اللہ کے

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا

حکم سے اللہ نہیں بدلتا جو ہے کسی قوم کو جب تک وہ نہ بدلیں جو

بِأَنفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ

اپنے نیچ ہے، اور جب چاہے اللہ کسی قوم پر برائی، پھر وہ نہیں پھرتی

وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَّالٍ ۚ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ

اور کوئی نہیں ان کو اس بن مددگار وہی ہے کہ تم کو دکھاتا

الْبَرْقِ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنَشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ

ہے بجلی ڈر کو اور اُمید کو اور اُٹھاتا ہے بدلیاں بھاری

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ

اور پڑھتی ہے گرج غویاں اس کی اور سب فرشتے اس کے ڈر سے

وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَاءُ وَ

اور بھیجتا ہے کڑا کے، پھر ڈالتا ہے جس پر چاہے اور

هُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ۚ

یہ لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی بات میں اور اس کی آن سخت ہے

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا

اسی کو پکارنا سچ ہے اور جن کو پکارتے ہیں اس کے سوا نہیں

يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطٍ كَفَّيَّهُ إِلَى الْمَاءِ

پہنچتے اُن کے کام پر کچھ مگر جیسے کوئی پھیلا رہا دو ہاتھ طرف پانی کے

لِيَبْلُغَ فَاةٌ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ

کہ آپہنچے اس کے منہ تک اور وہ کبھی نہ پہنچے گا اور جتنی پکار ہے منکروں کی

إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝۱۴ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَ

سب بھسکتی ہے اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی ہے آسمان وزمین

الْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَ

میں خوشی سے اور زور سے، اور اُن کی پرچھائیاں صبح اور

الْأَصَالِ ۝۱۵ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ

شام بلوچہ کون ہے رب آسمان وزمین کا؟ کہ

اللَّهُ قُلْ أَفَاتُخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ

اللہ کہ پھر تم نے پکڑے ہیں اس کے سوا حمایتی؟ جو مالک نہیں

لَا أَنْفُسِهِمْ نَفَعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَى

اپنے بھلے بُرے کے کہ کوئی برابر ہوتا ہے اندھا

وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ ۚ أَمْ

اور دیکھنا یا کہیں برابر ہے اندھیرا اور اُجالا یا

جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ

ٹھہرائے ہیں انہوں نے اللہ کے شریک کہ انہوں نے کچھ بنایا ہے جیسے بنایا اللہ نے

عَلَيْهِمْ قُلْ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ

پھر مل گئی پیدائش انکی نظر میں کہ اللہ ہے بنانے والا ہر چیز کا اور وہی ہے اکیلا

الْقَهَّارُ ۝۱۶

زبردست

پ

رجوع برائے مضمون توحید

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ اِنِّی وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ربط) گزشتہ آیات میں منکرین نبوت اور منکرین بعث بعد الموت کے شبہات کا جواب تھا اور اس سے قبل توحید کا مضمون تھا اب پھر توحید ہی کا مضمون بیان فرماتے ہیں اس ذیل میں اول حق تعالیٰ نے اپنا عالم بجمیع معلومات ہونا بیان کیا چنانچہ اللَّهُ يَعْلَمُ اَلْحَمْدُ سِیَعِ الْعِلْمِ ہونا بیان کیا کہ اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اور کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں بعد ازاں اپنا حافظ خلق اور رقیب ہونا بیان کیا چنانچہ لَمْ یُعْجِبْکُمْ مَعْقِبَاتُہِ یہ بتو دیا کہ وہی تمام مخلوق کا حفظ اور نگہبان ہے بعد ازاں هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ اَلْحَمْدُ سِیَعِ الْقُدْرَتِ کی بڑی بڑی نشانیاں بیان کیں تاکہ اس کا عظیم الشان ہونا ظاہر ہو اور اس آیت هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ میں ایسے دلائل قدرت اور حکمت کا ذکر فرمایا کہ جو من وجہ نعمت اور رحمت ہیں اور من وجہ نقمت اور زحمت ہیں تاکہ رغبت اور رعبت دونوں ہی میں معین اور مددگار ہوں پھر قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کے بعد فرمایا لَمْ یُعْجِبْکُمْ دَعْوَةُ الْحَقِّ یعنی وہی معبود برحق ہے جس کی یہ قدرت ہے اور وہی لائق عبادت ہے کیونکہ وہی نفع اور ضرر کا مالک ہے اس کے سوا کسی کی پرستش سے نفع اور ضرر کی امید رکھنا بے کار ہے غیر اللہ کو مدد کے لیے پکارنا اور بلانا ایسا ہے جیسے کوئی پیسا کنوئیں کے من پر کھڑا ہو کر پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے اور خوشامد کرے کہ اے پانی کسی طرح تو میرے من میں پہنچ جا پھر یہ بتایا کہ بینا اور نابینا اور ظلمت اور نور برابر نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ گزشتہ آیات میں مشرکین کے انکارِ بعث اور انکارِ حشر و نشر کا ذکر تھا جس کا منشاء یہ تھا کہ جب انسان مر کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس کے اجزاء منتشر اور متفرق ہو گئے اور ایک دوسرے سے رل مل گئے اور باہمی امتیاز بھی ختم ہو گیا تو اب دوبارہ زندہ ہونا ناممکن اور محال ہو گیا حق تعالیٰ نے اس کی تردید کے لیے ان آیات میں اپنے احاطہ علمی اور کمال قدرت کو بیان کیا تاکہ عقلی طور پر حشر و نشر کا امکان واضح ہو جائے کہ جس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اس کے لیے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے اللہ تعالیٰ تمام جزئیات کو اور تمام اجزاء اور ذرات کو خوب جانتا ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ اجزاء کس جسم اور کس بدن کے ہیں اس کو زید اور عمرو ہر ایک کے اجزاء الگ الگ معلوم ہیں وہ اپنے علم اور قدرت سے ان اجزاء کو پھر اسی طرح جوڑ سکتا ہے جس طرح اس نے پہلے جوڑا تھا۔ (دیکھو البحر المحیط ص ۳۲۸ جلد ۵)

اللہ ہی خوب جانتا ہے جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوتے ہے یعنی یہ بات کہ پیٹ میں تر ہے یا مادہ، وہ ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ، ناقص ہے یا کامل اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے اور حالت حمل میں یہ بھی مقدر ہو جاتا ہے کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا اور باوجود

معجزات کے دیکھنے کے پھر بھی اپنے کفر پر قائم رہے گا اس تقریر سے آیت کا ماقبل سے ارتباط ظاہر ہو جائے گا اور رحوں کے گھٹنے اور بڑھنے کو بھی وہی جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں اور بچہ کتنے دنوں میں پیدا ہوگا اور ہر شے اس کے یہاں مقدار معین کے ساتھ ہے نہ اس سے کم ہو سکتی ہے اور نہ زیادہ اور ہر شے کی کمیت اور کیفیت اسی کو پورے طور پر معلوم ہے کسی کو معلوم نہیں کہ اس نے کیا مقدار کیا ہے اور ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے اس کا ظہور میں آنا ناممکن ہے اور ہر چیز کی عدم سے وجود میں آنے سے پہلے اللہ کے علم میں مقدار معین ہے وہ جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا کوئی چیز اس کے علم سے غائب نہیں وہ سب سے بڑا اور بلند ہے ہر شے اس کے مقابلہ میں حقیر اور صغیر ہے اس تک کسی کے خیال اور قیاس کی بھی رسائی نہیں تم میں سے جو شخص چھپا کر اپنے دل میں بات کہے اور جو اس کو پکار کر کہے اور جو شخص رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہے اور جو دن میں چل رہا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر ہیں رات دن اس کے حضور میں یکساں ہیں اللہ کا علم تمام کائنات کو محیط ہے اس کو ہر جسم اور ہر بدن کے اجزاء کا پورا پورا اور علیمہ علیحدہ علم ہے مرنے کے بعد جب اجزائے بدن متفرق اور منتشر ہو گئے تو تمہارا نظر میں اگرچہ ان اجزائے متفرقہ میں امتیاز نہ رہا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں سب ممتاز اور ایک دوسرے سے جدا ہیں اس کو معلوم ہے کہ یہ مذکر کا جزو ہے یا مؤنث کا جزو ہے اور اجزاء مٹی کے متعلق اس کو پورا علم ہے کہ یہ جزو مہر کا ہے یا پیر کا ہے حالت حمل میں بھی بچہ کے تمام اجزاء کا اس کو علم ہے اسی طرح سمجھو کہ مرنے اور ٹکنے اور سٹرنے کے بعد بھی ایسی کسی جزو کا علم پوشیدہ نہیں جس طرح اسنے اپنے علم و قدرت سے پانی اور مٹی کے متفرق اجزاء کو جوڑ کر انسان پیدا کیا اسی طرح وہ توڑنے کے بعد پھر بھی جوڑنے پر قادر ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ کے احاطہ علمی کو بیان کیا کہ وہ عالم الغیب ہے اور ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے اب آگے یہ بتلاتے ہیں کہ وہ خداوند و الجلال حفیظ و رقیب بھی ہے تمام عالم کا محافظ اور نگہبان ہے چنانچہ ہر آدمی کے لیے خواہ مومن ہو یا کافر اللہ کی طرف سے پہرہ دار فرشتے مقرر ہیں جو باری باری سے آنے والے ہیں اور بندہ کے آگے اور پیچھے سے اللہ کے حکم کی مطابق آفتوں اور بلاؤں سے حفاظت کرتے ہیں یہ فرشتے چونکہ یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اس لیے ان کو معقبات کہتے ہیں یہ فرشتے انسان کی ہر درندہ اور موزی جانور سے حفاظت کرتے ہیں اور جب اللہ کی تقدیر آتی ہے کہ آدمی کو کوئی گزند پہنچے تو یہ فرشتے تھوڑی دیر کے لیے اس سے علیمہ ہو جاتے ہیں پھر بدستور اس کی حفاظت میں لگ جاتے ہیں ان فرشتوں کو حَفَظَۃ بھی کہتے ہیں اور بظاہر یہ فرشتے کراما کا تبین کے سوا ہیں جن کا کام بندہ کے اقوال و افعال کو لکھنا ہے کتابت اعمال کے لیے ہر انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں یہ ساری عمر بندہ کے ساتھ رہتے ہیں بدلتے نہیں اور کراما کا تبین کے علاوہ کچھ فرشتے انسان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بدلتے رہتے ہیں دن کے محافظ علیمہ ہیں اور رات کے محافظ علیمہ ہیں جو انسان کی سانپ بچھو اور کیڑے مکوڑے سے حفاظت کرتے ہیں (تفسیر روح المعانی ج ۱ ص ۱۳۱ درج البیان ص ۳۵۰)

کراماً کاتبین بندہ کے اعمال کے نگہبان ہیں اور وہ دو ہیں ایک دائیں اور ایک بائیں عَنِ الیمینِ
وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیدٌ یہ دو فرشتے انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتے ان دو کے علاوہ کچھ فرشتے انسان
کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور بدلتے رہتے ہیں ان کی
تعداد میں روایتیں مختلف ہیں بعض نے کہا کہ پانچ فرشتے ہیں اور بعض نے کہا دس اور بعض نے کہا
بیس : (واللہ اعلم)

حق جل شانہ نے اس عالم کو عالم اسباب بنایا ہے ہر چیز کیلئے ظاہر میں ایک سبب ظاہری پیدا کیا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کچھ باطنی
اسباب ذرائع بھی پیدا کیے ہیں جنکو ہماری آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں انھی باطنی اسباب میں یہ ملائکہ و معقبات ہیں جو
ہماری حفاظت کا ایک باطنی سبب ہیں غیبی طور پر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو ہم سے بلائیں دفع کرنے کا
ایک سبب اور ذریعہ بنایا ہے مومن کا کام یہ ہے کہ ان کے وجود پر ایمان لائے جیسے کہ ہم کراماً
کاتبین کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ ہمیں ان کے قلم اور کاغذ اور روشنائی اور کتابت کی حقیقت
اور کیفیت معلوم نہیں کہ وہ کیا ہے اور کیسی ہے (روح المعانی ص ۱۳۱)

یہ تو بندوں کے سامان حفاظت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی حفاظت کے لیے کچھ فرشتے
مقرر کیے ہیں جو ان سے بلائیں دفع کرتے ہیں اب آگے ان آفتوں اور بلاؤں اور مصیبتوں کا ذکر کرتے
ہیں جو بد اعمالیوں کی وجہ سے بندوں پر نازل ہوتی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں تحقیق اللہ تعالیٰ نہیں بدلتا
اس معاملہ کو جو کسی قوم کے ساتھ ہو جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت کو نہ بدلیں مطلب یہ ہے
کہ اللہ تعالیٰ اپنی عطا کردہ ہر بانی اور نگہبانی اور نعمت اور عافیت سے کسی قوم کو محروم نہیں کرتا جب
تک وہ اپنی چال کو اللہ کے ساتھ نہ بدلیں جب وہ اپنی روش اللہ کے ساتھ بدل دیتے ہیں اور
بجائے شکر نعمت کے کفران نعمت اور غفلت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تب اللہ کی طرف سے آفت
اور مصیبت آتی ہے جب تم اللہ کے ساتھ غیروں کا سا معاملہ کرنے لگتے ہو تو اللہ بھی غیروں کا سا
معاملہ کرنے لگتے ہیں بندے جب اپنی حالت بدل دیتے ہیں کہ بجائے طاعت کے معصیت کرنے
لگتے ہیں تو اللہ بھی ان سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھا لیتا ہے۔

جب کسی قوم میں علانیہ طور پر فسق و فجور اور بدکاری شائع ہو جاتے تو وہ قوم چند روز میں تباہ
ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور تاریخ اس کی گواہ ہے اور جب اللہ ارادہ کرے کسی قوم کے
تباہی کا یعنی جب اللہ تم کسی قوم سے بوجہ بدعتی اور بداعمالی اپنی نعمت چھین کر ان کی ذلت و خواری کا ارادہ فرمائیں تو پھر وہ برائی اور
بلا کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی اور ایسے وقت میں سوائے خدا کے کوئی مددگار نہیں ہوتا جو بلا کو دفع کر
سکے حتیٰ کہ وہ فرشتے جو ان کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں وہ بھی تھوڑی دیر کے لیے علیحدہ ہو جاتے ہیں
اور برائی سے ہلاکت اور آفت مراد ہے وہ ہے جو تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا
ہے بجلی جب چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے گرنے سے

ڈرتے بھی ہیں ایک ہی چیز میں دو متضاد صفتوں کا جمع ہونا خدا کی کمال قدرت کی دلیل ہے گویا کہ ایک ہی شے نعمت بھی ہے اور عذاب اور مصیبت بھی اس طرح خدا تعالیٰ نے ایک ہی شے میں اپنا لطف اور قہر دو متضاد چیزوں کو جمع کر دیا اور برق اس نور لامع اور ساطع کو کہتے ہیں جو ابر کے درمیان سے چمکتا ہے اور وہ ہی اپنی قدرت سے ہوا میں بوجھل بادلوں کو اٹھاتا ہے جو ہزاروں ٹن پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں اور جمال نہیں کہ بغیر اس کے حکم کے کسی جگہ برس جاتیں اور نہ کسی کی یہ مجال کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے موافق پانی کا ایک قطرہ لے سکے اور گرج حمد و ثنا کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں فرشتوں کا تسبیح و تحمید کرنا اور خدا کی عظمت و جلال کو بیان کرنا بظاہر ایک معقول امر ہے مگر رد یعنی رگرج کا بظاہر تسبیح و تحمید کرنا قابل غور معلوم ہوتا ہے اس سے بعض علماء اس طرف چلے گئے کہ گرج کی تسبیح و تحمید کا مطلب یہ ہے کہ گرج سے خدا کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے جس کو سن کر اہل عرفان کی زبان سے بے ساختہ سبحان اللہ اور الحمد للہ نکل جاتا ہے اس مطلب کا حاصل یہ ہے کہ تسبیح کی اسناد رعد کی طرف مجازی ہے اور مفسرین کی ایک جماعت کے نزدیک رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو سحاب (بادل) پر مقرر ہے پس اگر رعد ایک فرشتہ کا نام ہے تو پھر اس کی تسبیح و تحمید میں کوئی استبعاد نہیں جیسا کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک فرشتہ کی تسبیح پڑھنے کی آواز ہے جو بادلوں کو چلاتا ہے اور اس وقت تسبیح پڑھتا ہے جسے عوام الناس بادل کی آواز سمجھتے ہیں ورنہ درحقیقت یہ آواز اس کی تسبیح کی ہے اور اس فرشتہ کے ہاتھ میں آتشی تازیانہ ہوتا ہے جس سے وہ بادلوں کو ہنکاتا ہے اس سے جو جھک ظاہر ہوتی ہے وہ برق (بجلی) ہے اور وہ کوڑا جس سے ابر کو مارتا ہے اس کی آواز رعد ہے اور صاعق ایک آگ ہے جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے جب نیچے آتی ہے تو جس چیز پر گرتی ہے تو اس کو جلا کر بھسم کر دیتی ہے اور محققین یہ فرماتے ہیں کہ اگر رعد محض آواز کا نام بھی ہو تب بھی تسبیح و تحمید کی اسناد اس طرف حقیقی ہے اگرچہ وہ ہمارے فہم میں نہ آئے حق تعالیٰ کا ارشاد **وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ** - یعنی کوئی شے ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح و تحمید نہ کرتی ہو مگر اے بنی آدم تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں حضرت سلیمان علیہ السلام پرندوں کی بولی سمجھتے تھے اور باقی لوگ نہیں سمجھتے تھے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بارگاہ خداوندی میں ہر چیز کی ایک خاص حقیقت ہے جیسے نماز اور روزہ اور قرأت قرآن اور سورۃ بقرہ و آل عمران وغیرہ وغیرہ ہمارے اعتبار سے یہ تمام چیزیں اعراض اور غیر قائم بنفسہ ہیں لیکن اصل حقیقت ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے اسی طرح سمجھو کہ رعد ہمارے اعتبار سے اگرچہ محض ایک آواز ہو لیکن بارگاہ خداوندی میں اس کی کوئی پوشیدہ حقیقت ہو فرشتہ ہو یا کوئی شے ہو اور وہ حقیقتاً خدا کی تسبیح و تحمید کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس کی تصدیق واجب اور لازم ہے گو ہماری فہم میں نہ آئے پس جان لینا چاہیئے کہ گرج کی یہ آواز جو ہماری سمجھ

میں خالی آواز معلوم ہوتی ہے وہ درحقیقت سبحان اللہ و بحمدہ کے معنی رکھتی ہے اور تسبیح پڑھنے والی چیز درحقیقت رعد ہے پس مسلمان کا کام یہ ہے کہ زیادہ تحقیق میں نہ پڑے اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو فرما دیا اس کو تسلیم کرے اور جو غیر مسلم ہے وہ ان باتوں کو کسی طرح بھی ماننے والا نہیں اُس عالم کے احوال کو اس عالم کے احوال پر قیاس کرنا سراسر نادانی ہے اور جس خبر اور اثر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادلوں پر مقرر ہے اور جو آواز سنائی دیتی ہے وہ فرشتہ کی آواز ہوتی ہے سو یہ خبر اگرچہ آحاد میں سے ہے متواتر اور قطعی نہیں لیکن احوط یہ ہے کہ حدیث کی مخالفت نہ کی جائے اگرچہ وہ آحاد ہی کیوں نہ ہو جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل قائم نہ ہو جائے عقلاً یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کر کے بارش کا انتظام اس کے سپرد کیا ہو اور اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہو جس سے وہ بادلوں کو ہانکتا ہو اور یہ رعد اس فرشتہ کی آواز ہو اور یہ برق اس کے کوڑے کی شراروں کی چمک ہو (وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ) غرض یہ کہ رعد اور برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جس سے بندوں کو ڈراتا ہے اور ان سے بڑھ کر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے پھر ان کو جس پر چاہتا ہے گراتا ہے اور اس کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ کافر لوگ اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ اللہ کی قدرت اور قہر کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے دشمن اس کے قبضہ قدرت سے نکل نہیں سکتے۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک متکبر ریتس کے پاس دعوت اسلام کا پیغام بھیجا وہ متکبر بولا کہ اللہ کا رسول کون ہے؟ اور اللہ کیا چیز ہے؟ سونے کا ہے یا چاندی کا یا تانبے کا؟ تیسری مرتبہ جب اس نے یہ گستاخانہ الفاظ بکے تو فوراً ایک بادل اٹھا اور اس پر بجلی گری جس سے اس کی کھوپڑی ارگئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اب قدرت کی ان بڑی بڑی نشانیوں کو بطور نتیجہ ارشاد فرماتے ہیں خدائے برحق ہی کے لیے سزاوار ہے سچی دعا اور پکار یعنی اس سے دعا مانگنا اور اسی کا یاد رکھنا اور اسی کی طرف رجوع کرنا صحیح اور درست ہے کیونکہ وہ دعاؤں کو سُنتا ہے اور حاجت روا ہے اور جو لوگ اس کے سوا اور معبودوں کو پکارتے ہیں وہ معبودان کو ان کی پکار کا کچھ جواب نہیں دے سکتے ان کا پکارنا ایسا ہے جیسے کوئی پیاسا شخص اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلانے تاکہ وہ پانی آپ سے آپ اس کے منہ تک پہنچ جائے اور وہ پانی اس تک پہنچنے والا نہیں کیونکہ پانی جما دہے بے حس ہے اور بے شعور ہے اور نہ اسے ہاتھ پھیلانے والے کی خبر، نہ اس کی پیاس کی خبر اور نہ اس میں یہ قدرت کہ پکارنے والے کی پکار کا جواب دے سکے، بعینہ یہ مثال مشرکوں اور ان کے معبودوں کی ہے ان کے معبود نہ ان کی دعا کو سنتے ہیں اور نہ یہ ان کو جواب دے سکتے ہیں غرض مشرکوں کا

بتوں کو پکارنا محض بے سود ہے اور کافروں کی اپنے بتوں کو جس قدر بھی پکار رہے وہ سب بے کار ہے بتوں کو پکارنا بہ دعوتِ جہالت و ضلالت ہے جو مفسی الی الہلاکت ہے۔
خلاصہ کلام یہ کہ خدا ہی کی پرستش ٹھیک ہے اور اس کے غیر کی پرستش بالکل رائیگاں ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیسا سا پانی کے پاس جا کر اس بات کا منتظر رہے کہ یہ پانی میرے منہ میں آجائے حالانکہ وہ کبھی آپ سے آنے والا نہیں اس طرح غیر اللہ کی پرستش سے جو لوگ نفع کے امیدوار ہیں ان کی امید کبھی بر آنے والی نہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کافر جن کو پکارتے ہیں بعضے خیال ہیں اور بعضے جن ہیں اور بعضی ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں کچھ خواص ہیں لیکن اپنے خواص کے مالک نہیں پھر کیا حاصل ان کا پکارنا جیسے آگ یا پانی اور شاید ستارے بھی اسی قسم میں ہوں یہ اس کی مثال فرمائی (انتہی)

اس کے بعد پھر حق تعالیٰ اپنی عظمت اور کبریائی کو بیان فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اس کی مسخر ہے اور اس کے سامنے ذلیل و خوار ہے اور غیر اللہ کی پرستش عقلاً اس لیے بھی بے کار ہے کہ تمام کائنات اللہ کے سامنے سر بسجود ہے کیونکہ اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی زمین میں ہے کوئی خوشی سے اور کوئی ناخوشی سے کوئی خوشی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاتا ہے اور جو خدا پر یقین نہیں رکھتا اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اس کے خلاف نہیں کر سکتا اور ان زمین والوں کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں سجدہ کرتے ہیں یعنی سائے بھی خدا کے حکم بردار ہیں جب گھٹاتا ہے گھٹ جاتے ہیں اور جب بڑھاتا ہے تو بڑھ جاتے ہیں اور سایوں کا گھٹنا اور بڑھنا صبح اور شام کے اوقات میں زیادہ ہوتا ہے اور کائنات کا یہ سجدہ اللہ کی عظمت اور جلال کی خبر دیتا ہے زجاجؒ کہتے ہیں کہ کافر تو غیر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں مگر ان کا سایہ اللہ کو سجدہ کرتا ہے ابن انبارؒ کہتے ہیں کہ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظلال کے لیے عقول اور افہام پیدا کر دے جس سے وہ اللہ کو سجدہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو فہم دیا اور وہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں اسی طرح سمجھو کہ مومن کا سایہ اللہ کو طوعاً سجدہ کرتا ہے اور کافر کا سایہ کرباً سجدہ کرتا ہے (تفسیر کبیر ص ۱۹۸)

انسانی سجدہ کے معنی زمین پر پیشانی رکھ دینے کے ہیں اور انسان کے علاوہ دوسری چیزوں کا سجدہ ان کے لائق اور مناسب ہے۔

یہ سجدہ عزائم سجود میں سے ہے اس آیت کو پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔

یہاں تک توحید کی حقانیت اور شرک کا بطلان واضح ہو گیا اب بطور اتمام حجت ان سے سوالات کا حکم دیا جاتا ہے اے نبیؐ آپ ان مشرکوں سے جو خدا کے سوا اوروں کو پوجتے ہیں پوچھیے کون ہے رب آسمانوں اور زمین کا یعنی ان کا مدبر اور خالق کون ہے جو ان کو قائم رکھنے والا اور ان کے

وجود کو تھا منے والا ہے اور چونکہ اس کا جواب متعین ہے اس لیے آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ اللہ ہے یعنی آپ ان کے جواب کا انتظار نہ فرمائیے خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ ہے اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہو سکتا ہے اس لیے ان کے جواب کا آپ انتظار نہ کیجئے نیز وہ خود بھی خدا کے خالق اور مالک اور مدبر ہونے کے منکر نہیں اے نبی! ان مشرکوں سے پوچھیے کہ کیا پس اس اقرار و اعتراف کے بعد تم نے اللہ کے سوا کارساز پکڑے ہیں جو اپنی ذاتوں کے لیے بھی کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں تو غیر کی کیا مدد کریں گے پوچھیے کیا اندھا یعنی مشرک اور بینا یعنی مؤمن برابر ہے یا کفر و شرک کی تاریکیاں اور ایمان کی روشنی برابر ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح اندھا اور بینا اور اندھیرا اور اجالا برابر نہیں اسی طرح مؤمن اور کافر اور ایمان اور کفر برابر نہیں مؤمن بینا ہے وہ راہ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے اس کو راہ حق دکھائی نہیں دیتی کیا انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں کہ انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہو جیسے خدا نے پیدا کیا پھر اس وجہ سے پیدائش ان کی نظر میں مشتبہ ہو گئی اور شبہ میں پڑ گئے کہ یہ بھی خالق ہے اور وہ بھی خالق ہیں ہم کس کو معبود مانیں مطلب یہ ہے کہ کیا ان معبودوں نے بھی کوئی چیز پیدا کی ہے جس سے تم پر اللہ کی مخلوق اور غیر اللہ کی مخلوق مشتبہ ہو گئی ہے اس لیے تم نے ان کو اللہ کا شریک اور سا جھی بنایا اور اس اشتباہ کی وجہ سے تم نے غلطی سے کسی چیز کو خالق مان لیا اگر ایسا ہوتا تو ایک حد تک معذور ہو سکتے تھے لیکن جب یہ بات بھی نہیں تو پھر کیا آفت آئی کہ مشرک کی بلا میں گرفتار ہوئے یعنی یہ بات تو نہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود ٹھہرائے ہوئے ہیں اگر مخلوقات عالم میں ذرا غور کریں اور عقلوں سے کام لیں تو تمام اشیاء کا خالق اللہ تعالیٰ ہی کو پائیں گے اس لیے اے نبی! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی ذات و صفات میں یکتا ہے اور سب پر غالب ہے اور اس کے سوا جو ہے وہ مغلوب ہے اور مغلوب خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ

اتارا سے آسمان سے پانی ، پھر پھر سے نالے اپنے اپنے

بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا

موافق ، پھر اوپر لایا وہ نالا جھاگ بھولا ہوا اور جس چیز

يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ

کو دھونکتے ہیں آگ میں واسطے زیور کے یا اسباب کے اس میں بھی

زَبَدٌ مِّثْلُهُ ط كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ط

جھاگ ہے ویسا ہی یوں ٹھہراتا ہے اللہ صیح اور غلط

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ج وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

سو وہ جو جھاگ ہے سو جاتا ہے سوکھ کر اور وہ جو کام آتا ہے لوگوں کے

فَيَمَكْتُ فِي الْأَرْضِ ط كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ط

سو رہتا ہے زمین میں یوں بتاتا ہے اللہ کہاوتیں

مثال حق و باطل

قال الله تعالى انزل من السماء ماء فسالت اودية بقدرها... الى... يضرب الله الامثال (ربط) گزشتہ آیت میں کافروں کو اندھوں سے اور مسلمانوں کو بینا سے اور کفر کو ظلمت سے اور اسلام کو نور سے تشبیہ دی اب ان آیات میں حق و باطل کی دو مثالیں بیان فرماتے ہیں ایک پانی کی اور ایک آگ کی چنانچہ فرماتے ہیں

پہلی مثال

اس واحد قہار نے آسمان سے پانی اتارا پھر نالے اس پانی سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق بہہ پڑے یعنی پانی تو آسمان سے یکساں برسا مگر ہرنالے میں بقدر اس کی وسعت اور عمق کے سمایا اسی طرح آسمان سے قرآن کریم نازل ہوا اور قلوب کی زمینوں نے بقدر اپنی صلاحیت اور وسعت کے اس آسمانی بارانِ رحمت کا اثر قبول کیا اور ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق اور موافق فیض لیتا ہے جیسے ہر وادی اپنی وسعت کے مطابق پانی لیتی ہے پھر اٹھایا اس سیلاب کے پانی نے اپنے اوپر ایک پھولا ہوا جھاگ۔ سیلاب میں دو چیزیں ہوتی ہیں ایک خالص پانی اور دوسرا میل کچیل اور جھاگ یہ اوپر ہوتا ہے اور خالص پانی نیچے دبا ہوا ہوتا ہے پس اسی طرح سمجھو کہ حق خالص پانی کی طرح ہے جس پر زندگی کا دار و مدار ہے اور باطل مثل جھاگ کے ہے کسی وقت باطل حق کو دبا بھی لیتا ہے لیکن باطل کا یہ اُبال عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے تھوڑے سے جوش و خروش

کے بعد اس کا نام و نشان بھی نہیں رہتا اور اصل کار آمد چیز یعنی حق اور صداقت کا آب حیات وہ باقی رہ جاتا ہے۔

دوسری مثال

اور حق و باطل کی دوسری مثال یہ ہے کہ جس دھات کو زیور بنانے کے لیے یا اور کوئی چیز بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں اور پگھلاتے ہیں تو اصلی دھات سونا اور چاندی تو نیچے رہ جاتا ہے اور ویسا ہی جھاگ اور میل پچیل اوپر آ جاتا ہے جو محض بے کار ہے اور اصلی سونا چاندی اس جھاگ کے نیچے دیا ہوا ہے اس طرح حق تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بیان کرتے ہیں بہر حال جو کف اور جھاگ ہے وہ تو خشک ہو کر چلا جاتا ہے اسی طرح باطل اگر کسی وقت حق پر غالب بھی آجائے تو اس کو ثبات اور قرار نہیں اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہے جیسے صاف پانی اور خالص جوہر وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے یعنی اس کو قرار اور ثبات ہے اسی طرح دین حق کو قرار و ثبات ہے وہ باقی رہ جاتا ہے اور باطل جو مثل جھاگ کے ہے وہ مٹ جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ لوگ باطل کے ظاہر اور عارضی اور چند روزہ غلبہ سے شبہ میں نہ پڑیں حق صاف و شفاف پانی یا اصلی جوہر کے مشابہ ہے اور باطل مثل میل پچیل کے ہے اگرچہ ظاہر میں وہ اصلی جوہر سے اونچا نظر آتا ہے مگر بہت جلد فنا ہو جاتا ہے یا پھینک دیا جاتا ہے۔

گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے توحید اور شرک کا مقابلہ بیان کیا تھا اب ان آیات میں دو مثالوں سے حق اور باطل کے مقابلہ کی کیفیت بیان فرمادی اور آئندہ آیات میں دونوں کا انجام کھول کر بیان کرتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

لِّلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنٰی ۝ وَالَّذِينَ

جنہوں نے مانا ہے اپنے رب کا حکم ان کو بھلائی ہے اور جنہوں نے

لَمْ يَسْتَجِيبُوْا لَهُ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

اس کا حکم نہ مانا، اگر ان پاس ہو جتنا کچھ زمین میں ہے

جَمِیْعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فِتْنٰۤاۤیْہٖ ۝ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ

سارا اور اس کے برابر ساتھ اس کے سب دیں اپنی چھڑوائی ہیں ان لوگوں کو ہے



سُوْءُ الْحِسَابِ ۚ وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ط وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۸ ع

بُرا حساب اور ٹھکانا اُن کا دوزخ ہے اور بُری ہے تیاری

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ ۝۱۹

بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ اترتا تجھ کو تیرے رب سے تحقیق ہے

كَمَنْ هُوَ أَعْمٰی ۝۱۹ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝۲۰

برابر ہوگا اس کے جو اندھا ہے وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے وہ جو

يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ ۚ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝۲۰

پورا کرتے ہیں قرار اللہ کا، اور نہیں توڑتے اقرار اور

الَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ ۚ وَ

وہ کہ جوڑتے ہیں جو اللہ نے فرمایا جوڑنا اور

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۝۲۱ وَالَّذِينَ

ڈرتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں برے حساب کا اور وہ جو

صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَ

ثابت رہے، چاہتے توجہ اپنے رب کی اور کھڑی رکھی نماز اور

أَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً ۚ وَيَدْرَعُونَ

فرج کیا ہمارے دیئے میں سے چھپے اور کھلے، اور کرتے ہیں

بِالْحُسْنَةِ السَّيِّئَةِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَقَبَى الدَّارِ ۝۲۲ جَنَّتْ

برائی کے مقابل بھلائی ان لوگوں کا ہے پچھلا گھر باغ

عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا ۚ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ ۚ وَ

میں رہنے کے داخل ہوں گے ان میں اور وہ جو نیک ہوئے اُن کے باپ دادوں اور

أَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ

جو روؤں میں اور اولاد میں اور فرشتے آتے ہیں ان پاس

مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعَمَ

ہر دروازے سے کہتے ہیں سلامتی تم پر بدلے اس کے کہ تم ثابت

عُقْبَى الدَّارِ ۖ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ

رہے سو خوب ملا پکھلا گھر اور جو لوگ توڑتے ہیں اقرار اللہ کا

مِّنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن

اس کو پکا کر کر اور کاٹتے ہیں جو چیز کہا اللہ نے اس کو

يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

جوڑنا اور فساد اٹھاتے ہیں ملک میں ایسے لوگ اُن کو

الْعَنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۖ

ہے لعنت، اور ان کو ہے بُرا گھر

ذکر حال و مالِ مُحْتَمِلِينَ وَمُبْطِلِينَ

قال الله تعالى لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْحُسْنَىٰ.... اٰی... اُولَٰئِكَ لَهُمُ الْعَنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (ربط) گزشتہ آیات میں حق اور باطل کی مثال بیان فرمائی اب ان آیات میں اہل حق اور اہل باطل کا حال اور مال بیان کرتے ہیں ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوت کو قبول کیا یہ گروہ سعادت کا ہے اور ایک گروہ وہ ہے جس نے دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا یہ گروہ اشد قیاس کا ہے ان آیات میں اخلاق و اعمال کے اعتبار سے سعادت اور اشد قیاس کے فرق کو بیان کرتے ہیں تاکہ دونوں گروہوں کا فرق معلوم ہو جائے مبادا کوئی نادان دونوں کو یکساں قرار دے اس لیے اول اہل حق کے فضائل و شمائل اور ان کے اخروی نتائج بیان کیے کہ وہ دل میں خوفِ خدا رکھتے ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کے پابند

ہیں اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھتے ہیں یہ گروہ اہل علم کا ہے اس کے بعد ان کے مقابل اہل باطل کی خرابیاں اور ان کے برے اعمال کا نتیجہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اہل حق اور اہل سعادت نے ہدایت سے حصہ حاصل کیا اور ان کے اعمال ظاہری و باطنی ان کے لیے نافع اور باقی رہے اور اہل باطل نے ہدایت سے حصہ نہ پایا اور ان کے سارے اعمال مثل جھاگ کے باطل اور بے کار گئے اور مرتے ہی دنیا کے تمام منافع اور فوائد زائل ہو گئے چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا اور جو آپ ہدایت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل کیا تھا اس کو نوش جان کیا اور شہادت اور وسواس کا جو میل و کجیل اور خس و خاشاک اس میں باہر سے آ لگا تھا اب اس کو ہدایت کے اوپر سے اتار کر پھینک دیا ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں بھلائی یعنی جنت مقرر ہے کما قال تعالیٰ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِيَادَةٌ اور جن لوگوں نے اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور اس نے آسمان سے ہدایت کا جو آب حیات نازل کیا تھا اس کو استعمال کرنے سے اعراض کیا قیامت کے دن اگر ان کے پاس وہ سب کچھ مال و متاع بھی ہو جو روئے زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس سب کو آخرت کے عذاب سے جان چھڑانے کے لیے دے ڈالیں یعنی کافروں کے پاس قیامت کے دن اگر تمام روئے زمین کا خزانہ اور اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ عذاب سے رہائی کے بدلے اس سب کو دے ڈالیں مگر وہاں ان کے پاس مال کہاں دھرا ہے اور اگر بفرض محال ہو بھی تو قبول کہاں ہو سکتا ہے آخرت کے عذاب سے رہائی کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اس دنیا میں دعوت حق کو قبول کریں اور ان کے عقائد فاسدہ اور اعمال کا سدہ پانی کے جھاگ کی طرح سب اڑ جائیں گے اور علاوہ ازیں قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے بڑا حساب ہوگا یعنی سختی سے ان کے اعمال کا محاسبہ اور مناقشہ ہوگا اور ذرہ ذرہ پر مواخذہ اور باز پرس ہوگی جس کو دوسری آیت میں حساب عکس فرمایا اور حساب کے بعد ان کا ٹھکانا ہمیشہ کیلئے دوزخ ہے اور وہ بہت بری خواہش ہے مگر کافر چونکہ چشم بصیرت سے عاری اور کور ہے اس لیے اس کو راہ ہدایت نظر نہیں آتی اور مومن بینا اور عاقل ہے وہ اپنی عقل سے حق اور باطل کا فرق سمجھتا ہے اور چشم بصیرت سے آیات بینات کو دیکھتا ہے اس لیے اب آئندہ بینا (مومن) اور نابینا (کافر) کے فرق کو واضح فرماتے ہیں کیا تم کو ہدایت اور ضلالت کا فرق نظر نہیں آتا پس کیا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے کیا ایسا شخص اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جو نابینا ہو اور اسے حق نظر نہ آتا ہو کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں ہرگز نہیں اسی طرح سمجھو کہ مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے لَا يَسْتَوِيكَ أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ الآية جزا میں نیست کہ نصیحت وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کی عقلیں خالص ہیں اور شوائب و ہم اور نفسیات سے پاک ہیں جن کی عقلیں خالص اور صاف ہیں وہی نور بصیرت سے اشیاء کے حقائق اور دقائق کو دیکھتے اور سمجھتے ہیں اولوالالباب وہ لوگ ہیں جو بند

پذیرا اور عبرت گیر ہوں ۔

صفات اہل عقل

اب آئندہ آیات میں اہل عقل کی صفات کو ذکر کرتے ہیں کیونکہ عقل تو دل کے اندر چھپی ہوئی ہے اس کا اندازہ صفات ہی سے ہو سکتا ہے کہ اندر عقل ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس درجہ کی ہے۔
(وصف اول) "اولوالالباب" وہ لوگ ہیں کہ جو اللہ کے عہد ربوبیت کو پورا کرتے ہیں جو انہوں نے روز میثاق اللہ سے باندھا تھا۔

(وصف دوم) اور عہد کو توڑتے نہیں یعنی نافرمانی سے باز رہتے ہیں۔

(وصف سوم) اور جن علاقوں کا اللہ نے ملانے کا حکم دیا ہے ان کو ملاتے اور جوڑتے ہیں یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں اور اپنے عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان اور نیک سلوک کرتے ہیں۔
(وصف چہارم) اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کوئی فعل ہم سے خلاف عہد سرزد نہ ہو جائے۔
(وصف پنجم) اور ڈرتے ہیں حساب کی سختی سے یعنی سخت محاسبہ سے ڈرتے ہیں اس لیے کہ جس سے حساب میں مناقشہ اور چھان بین ہوئی وہ ہلاک ہوا۔

(وصف ششم) اور جن لوگوں نے محض اپنے پروردگار کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے جادہ طاعت پر قائم رہنے میں صبر کیا یعنی شرائع عبودیت کی پابندی کی اور بوجہ مخالفت نفس جو مشقت پیش آئی اس کا تحمل کیا۔

(وصف ہفتم) اور ٹھیک وقت اور ٹھیک آداب کے ساتھ نماز کو ادا کیا۔

(وصف ہشتم دہم) اور جو مال و منال اور علم اور فضل و کمال ہم نے ان کو دیا اس میں سے کبھی پوشیدہ اور کبھی ظاہر جیسا موقع ہوا خرچ کیا۔

(وصف دھم) اور وہ بدی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں یعنی برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور سیئہ کی ظلمت کو حسنہ کے نور سے زائل کر دیتے ہیں دیکھ لو عقلمند ایسے ہوتے ہیں۔

بدی را بدی سہل باشد جزا : اگر مردی احسن الی من اسار

ایسے ہی عقل مندوں کے لیے دارِ آخرت ہے یعنی ان کے لیے خلود اور بقاء کے باغات ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے آباء و اجداد اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد جو نیک ہیں وہ بھی ان کے ساتھ ان باغات میں داخل ہوں گے اگرچہ انکے اعمال اولوالالباب جیسے نہ ہوں مگر معاملہ ان کے ساتھ ویسا ہی ہوگا یہ اولوالالباب کی خاص کرامت ہے کہ ان کے طفیل میں ان کے قریبی رشتہ دار بھی ان کے ساتھ ہوں گے اگرچہ ان کے اعمال ان جیسے نہ ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا ایمان

اور ایقان ٹھیک ہو اور درست ہو جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ اور فرشتے ان پر جنت کے ہر دروازے سے مبارک باد دینے کے لیے یہ کہتے ہوئے داخل ہونگے سلامتی ہو تم پر اس لیے کہ تم نے صبر کیا یعنی دین حق پر قائم رہے اور ثابت قدم رہے پس کیا ہی اچھا ہے دارِ آخرت جو تمام آفات ظاہری اور باطنی سے سالم اور محفوظ ہے یہ جملہ دارِ آخرت کی ترغیب اور تشویق کے لیے ذکر فرمایا ہے یہاں تک تو اہل جنت اور سعادت کی صفت و کرامت کا بیان ہوا اب اس کے بالمقابل اشیاء اور کافروں کی خرابیاں اور ان کے بُرے اعمال کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں۔

اور جو لوگ نابینا اور نادان اور عقل سے کورے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں بعد اس کی مضبوطی کے اور جن رشتوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں ہر معصیتِ فتنہ اور فساد ہے اور سب سے بُرا فساد کفر اور شرک ہے ایسے ہی بد عقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے جس کے مقابلہ میں یہ دنیا ان کے لیے بہشت ہے حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قبور شہداء پر جاتے تو یہ کہتے سُنَّا عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ، اور اسی طرح حضرت ابو بکر اور عمرو عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی کہا کرتے تھے بہر حال ان آیات میں بد سختوں کا حال بیان کیا اور ان کے انجام سے خبر دی کہ ان کا حال اور مال اہل ایمان کے بالکل برعکس ہے۔

اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ وَفَرَحُوا

اللہ کشاد کرتا ہے روزی جس کو چاہے اور تنگ اور وہ رنجھے ہیں

بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا

دنیا کی زندگی پر اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں آخرت کے حساب میں مگر

مَتَاعٌ ۚ

۲۶

تھوڑا برتنا

جَوَابُ اَزْشَبْہِ عَدَمِ مَبْغُوضِيَّتِ كُفَّارِنَا بِرَوْسَعَتِ رِزْقِ دُنْيَاوِي

قال اللہ تعالیٰ اللہ یبسٹ الرزق لمن یشاء ویقدر الی الا متاع

(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کا ملعون و مغضوب ہونا بیان کیا چونکہ اکثر کفار دنیوی مال و دولت اور ظاہری عزت و راحت کے اعتبار سے خوش حال تھے اس لیے دیکھنے والوں کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر کفار خدا کے نزدیک ملعون و مبغوض ہوتے تو ان پر دنیا میں رزق کی وسعت کیوں ہوتی تو اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیتے ہیں کہ رزق کا کم یا زیادہ ہونا ایمان اور کفر پر موقوف نہیں ہم جسے چاہتے ہیں زیادہ رزق دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں کم دیتے ہیں اور دنیاوی زندگی کی عیش و عشرت کا کوئی اعتبار نہیں یہ تو چند روزہ ہے آخرت کا عیش جو ابدی ہے کافر اس سے محروم رکھے جاتیں گے سعادت اور ثقاوت کا فیصلہ آخرت میں ہوگا دنیا، دار امتحان ہے نہ کہ دار جزا دنیا کی تنگی اور فراخی مقبول اور مردود ہونے کی دلیل نہیں بہت سے نیک اشخاص تنگدست ہوتے ہیں اور بہت سے اوباش عیش و عشرت میں ہیں رزق کی فراخی اور تنگی ازراہ حکمت و مصلحت ہے اور یہ کافر جس عیش و عشرت پر خوش ہو رہے ہیں وہ استدراج اور اہمال ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اَيَحْسَبُونَ اَنَّهُمْ يُمَدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّاءٍ وَ بَنِيْنٍ سَارِعٍ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُوْنَ لہذا کافروں کو چاہیئے کہ اپنے مال و جاہ کو دیکھ کر مغرور نہ ہوں مال و دولت کی کثرت مقبولیت کی دلیل نہیں بلکہ یہ من جانب اللہ استدراج اور ڈھیل ہے کہ جرم کا پیمانہ خوب بمرور ہو جائے اور جو کرنا ہے وہ دل کھول کر کر لیں پھر یک لخت ان کو گرفتار کر کے تختہ دار پر لٹکا دیا جائے

بناداں آن چناں روزی رساند : کہ دانا اندراں حیراں بماند

اللہ تعالیٰ وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے رزق کا کم اور زیادہ ہونا کفر اور ایمان پر موقوف نہیں اور کفار اترائے ہوتے ہیں دنیاوی زندگی پر اور اس کی عیش و عشرت پر اور ان کا یہ اترنا بالکل فضول ہے اس لیے کہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں مگر بہت تھوڑا سامان حدیث میں ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی رواہ الامام احمد و قال اللہ تعالیٰ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا

✽

✽

✽

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ

اور کہتے ہیں منکر کیوں نہ اُتری اس پر کوئی

آيَةٌ مِّنْ رَبِّهِ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ

نشانی اس کے رب سے کہ اللہ بھلاتا ہے

مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ

جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو

اَنَابَ ۲۷ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمِئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ط

رجوع ہوا وہ یقین لائے اور چین پکڑتے ہیں ان کے دل اللہ کی یاد

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمِئِنُّ الْقُلُوْبُ ۲۸ ط الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

سے سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتے ہیں دل جو یقین لائے اور

عَمَلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَّهُمْ وَحَسَنُ مَاۤیْ ۲۹ كَذٰلِكَ

کی نیکیاں خوب ہے ان کو، اور اچھا ٹھکانا اسی طرح

اَرْسَلْنَاكَ فِیْ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا اُمَمٌ لِّتَتْلُوْا

تجھ کو بھیجا ہم نے ایک امت میں کہ ہو چکی ہیں اس سے پہلے امتیں، تا

عَلَيْهِمُ الَّذِیْ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ وَهُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ط

سادے تو ان کو جو حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور وہ منکر ہوتے ہیں رحمن سے

قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ

تو کہہ وہی رب میرا ہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی

مَتَّابِ ۳۰ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُوِّرَتْ بِهٖ الْجِبَالُ اَوْ

طرف آتا ہوں چھوٹ کر اور اگر کوئی قرآن ہوا ہوتا کہ چلے اس سے بہاڑ، یا

قَطِعَتْ بِهٖ الْاَرْضُ اَوْ كَلِمٰتِہٖ الْمَوْتٰی ط بَلْ لِلّٰهِ

ٹکڑے ہو دے اس سے زمین، یا بولے اس سے مردے بلکہ اللہ

اَلَا مَرْجِعًا ط اَفَلَمْ یَاۤیْسَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَّوْیَشَاءُ

کے ہاتھ میں ہیں سب کام سو کیا خاطر جمع نہیں ایمان والوں کو اس پر کہ اگر چاہے

اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ راہ پر لاوے سب لوگ اور پہنچتا رہے گا منکروں کو اُن

تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ

کے کیے پر کھڑکا یا اترے گا نزدیک اُن کے گھر

دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ

سے جب تک پہنچے وعدہ اللہ کا بے شک اللہ خلاف نہیں

الْمِيعَادَ ۝۳۱ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ

کرتا وعدہ اور ٹھٹھا کر چکے ہیں کتنے رسولوں سے تجھ سے آگے

فَأَمَلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ

سو ڈھیل دی میں نے منکروں کو پھر اُن کو پکڑا، تو کیسا تھا

عِقَاب ۝۳۲

میرا بدلا

رجوع بہ محبت نبوت و بیان حال اہل سعادت و اہل شقاوت

قال اللہ تعالیٰ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ... إلخ... فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ
(رابط) اوپر سے سلسلہ کلام اہل حق اور اہل باطل کے بارے میں چلا آ رہا ہے اور اس سے قبل وَإِنْ لَّعَجَبٌ
فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ میں نبوت کے متعلق مضمون تھا اب پھر اسی مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں اور
کافروں کا وہی سابق قول کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہماری فرمائش کے مطابق معجزہ نازل کیوں نہیں ہوتا
پھر نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ پر بہت سی آیات ظاہرہ اور معجزات ظاہرہ نازل
کی ہیں لیکن ہدایت اور ضلال سب اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا
ہے ہدایت دیتا ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے معجزات اور بینات تو بہت نازل کئے ہیں مگر تمہیں

اللہ کی طرف سے ہدایت اور توفیق نہیں ہوتی تو میں کیا کروں باقی یہ ناممکن ہے کہ معجزات کا نازل ہونا تمہاری خواہشوں کے تابع ہو جائے بعد ازاں اہل سعادت اور اہل شقاوت کا حال بیان فرمایا۔

اور یہ کافر لوگ آپ کی نبوت پر طعن اور اعتراض کے لیے یہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی ایسی نشانی جیسی ہم چاہتے ہیں کیوں نہیں اتاری گئی فَلْيَاثِرْنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْوَلُونَ اے بنی! آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے اور راہ بتاتا ہے اس کو جو اس کی طرف رجوع کرے یعنی نشانیاں تو بہت اتاری گئی ہیں مگر خدا نے تم کو گمراہ کر دیا ہے کہ معجزات تمہارے سامنے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے جو شخص ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی راہِ راست پر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ راہِ راست پر نہ آئے اللہ کی ہدایت اور توفیق اسی شخص کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور حق کا طالب ہو ایسا شخص بلا معجزہ دیکھے ہوئے بھی ایمان لے آتا ہے کیونکہ خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ صدقِ دل سے اللہ پر ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے تسلی اور آرام پاتے ہیں آگاہ ہو جاؤ کہ جو دل حقیقت میں دل ہیں وہ اللہ ہی کی یاد سے مطمئن ہوتے ہیں اللہ کے ذکر کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے دل کو سکون اور اطمینان حاصل ہو یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کیے ان کے لیے پاکیزہ زندگی اور اچھا ٹھکانا ہے سکون اور اطمینان دنیاوی مال و دولت سے حاصل نہیں بلکہ تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ف لغت عرب میں طوبیٰ کے معنی نہایت درجہ کی خوشی اور شادمانی کے ہیں اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔

شاہ عبد القادرؒ لکھتے ہیں "یعنی حق تعالیٰ کو ضرور نہیں کہ سب کو راہ پر لا دے یا نشانیاں بھیج کر ہر طرح ہدایت دے بلکہ یہی منظور ہے کہ کوئی بچے کوئی راہ پاوے سو جس کے دل میں رجوع آئے نشان ہے کہ اس کو سو جھٹا چاہا" (انتہی)

اب آگے ان لوگوں کا رد فرماتے ہیں کہ جو نبوت و رسالت کو انوکھی چیز سمجھتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی! جس طرح ہم نے آپ سے پہلے پیغمبروں کو ان کی امتوں کی طرف بھیجا اسی طرح ہم نے تجھ کو ایک امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تو ان کو وہ کتاب پڑھ کر سناوے کہ جو ہم نے تیری طرف وحی کے ذریعے بھیجی ہے جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی نشانی ہے اور اللہ کی عظیم رحمت ہے ان کو چاہیے تھا کہ اس نعمتِ عظمیٰ کی قدر کرتے اور اس پر ایمان لاتے مگر ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ رحمن کے منکر ہیں اس لیے قرآن پر ایمان نہیں لانے ان جاہلوں کو اللہ کا نام "رحمن" معلوم نہیں چنانچہ ابو جہل ملعون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح دعا کرتے سنا یا اللہ، یا رحمان! تو اپنی قوم سے جا کر کہنے لگا کہ اب تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو خدا کو پکارنے لگا ایک معبود کو چھوڑ کر دوسرا معبود پکڑ لیا ایک تو اللہ کو پکارتا

ہے اور ایک رحمن کو پکارتا ہے ہم تو سوائے رحمان یماہرہ (مسلمہ کذاب) کے علاوہ اور کسی رحمن کو نہیں جانتے اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ وہ رحمن جس کے تم منکر ہو وہی میرا پروردگار ہے اور وہی اللہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں کبھی کسی نام سے اور کبھی کسی نام سے اسی ایک رب کو پکارتا ہوں قُلْ اَدْعُوا اللّٰهَ اَوْ اَدْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيُّمَا تَدْعُوا فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے اور اگر کوئی کتاب الہی اس عالم میں ایسی ہوتی کہ جس کے سبب پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیئے جاتے اور زمین ہموار کر دی جاتی یا اس کے ذریعے سے زمین شق کر دی جاتی کہ اس سے نہریں جاری ہو جاتیں یا اس کے ذریعے مردوں سے باتیں کرائی جاتیں کہ مردے اپنی قبروں میں بولتے یا اٹھ کر قبر سے باہر آتے اور لوگوں سے باتیں کرتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کے معجزات کی فرمائش کیا کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر قرآن کے ذریعے ان کے یہ فرمائشی معجزات بھی دے دیئے جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے خوب سمجھ لو کہ ایمان اور ہدایت کسی کے اختیار میں نہیں بلکہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے۔

اس آیت میں قرآن سے مطلق کتاب الہی مراد ہے جیسا کہ ایک حدیث میں زبور پر بھی لفظ قرآن کا اطلاق کیا ہے۔

بعض مسلمانوں کو ازراہ شفقت و ترحم یہ خیال ہوا کہ کاش کہ کوئی بڑی نشانی اور یہ معجزات ظاہر ہو جاتے تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے اس لیے ان کے جواب اور تسلی کے لیے آئندہ آیت نازل ہوئی کیا مسلمان ان کافروں کے ایمان سے ناامید نہیں ہوئے جو ایسے معجزات مانگتے ہیں جب کہ وہ جان چکے ہیں کہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت دیدے تو اے مسلمانو! تم ان کے ایمان سے مایوس ہو جاؤ یہ کسی طرح ایمان نہیں لائیں گے اللہ ہی کو ان کی ہدایت منظور نہیں پھر تم ان معاندین کی فکر میں کیوں لگے ہو اور ہمیشہ پہنچتی رہے گی ان کافروں کو ان کی کرتوتوں کی سزا میں ایک نہ ایک مصیبت جو ان کو ہلاتی رہے اور دھمکاتی رہے یا ان کے گھروں کے قریب ان کے گرد و نواح والوں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت پاویں اسی طرح مسلمانوں کے جہاد اور غزوات کا اور کافروں پر مصیبتوں اور آفات کا سلسلہ جاری رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے جس کا خدائے تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا اور آپ ان کافروں کے استہزاء اور تمسخر سے رنجیدہ نہ ہوں یہ آپ کے ساتھ خاص نہیں اس لیے کہ تحقیق آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا پس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں

پکڑا بلکہ ان منکروں کو مہلت دی تاکہ دل کھول کر انبیاء کا مذاق اڑالیں پھر جب ان کے جرم کا پیمانہ بریز ہو گیا تب میں نے ان کو اچانک پکڑ لیا پس سمجھ لو کہ میرا عذاب کیا ہوتا ہے اور کس طرح آتا ہے اس دنیاوی عذاب پر اخروی عذاب کو قیاس کر لو جو دار جزا ہے جس درجہ کا عذاب ہوگا اسی درجہ کی سزا ملے گی حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں کہ مسلمان چاہتے ہوں گے کہ ایک نشانی بڑی سی آوے تو کافر مسلمان ہو جاویں سو فرمایا اگر کسی قرآن سے یہ کام ہوتے تو البتہ اس سے پہلے ہوتے لیکن افتیان اللہ کا ہے اور خاطر جمع اسی پر چاہیے کہ اللہ نے نہیں چاہا اگر وہ چاہتا تو حکم کافی تھا لیکن کافر مسلمان یوں ہوں گے کہ ان پر آفت پڑتی رہے گی ان پر پڑے یا ہمسا یہ پر جب تک سارے عرب ایمان میں آجاویں وہ آفت یہ ہی تھی جہاد مسلمانوں کے ہاتھ سے، (انتہی)

أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

بھلا جو شخص لیے کھڑا ہے ہر کسی کے سر پر اس کا کیا

وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَبُّوهُمْ ۖ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا

اور ٹھہرائے ہیں اللہ کے شریک کہہ اُن کا نام لو یا اللہ کو بتاتے ہو جو وہ

لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ ۖ أَمْ بَيَّظَاهِرٌ مِّنَ الْقَوْلِ ۖ بَلْ

نہیں جانتا زمین میں یا کھرتے ہو اوپر اوپر باتیں کوئی نہیں

زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۖ

پر بھلے سو جھائے ہیں، منکروں کو اُن کے فریب اور روکے گئے ہیں راہ سے

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ لَهُمْ عَذَابٌ

اور جس کو بھلاوے اللہ سو کوئی نہیں اس کو بتانے والا اُن کو مار پڑتی ہے

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۚ وَمَا

دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی مار تو بہت سخت ہے اور کوئی

لَهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۚ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا احوال جنت کا جو کہ وعدہ ملا ہے

الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلُّهَا

ڈروالوں کو بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں میوہ اس کا

دَائِمٌ وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى

ہمیشہ ہے اور سایہ یہ بدل رہے اُن کا جو پہنچے رہے اور بدلہ

الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝۳۵

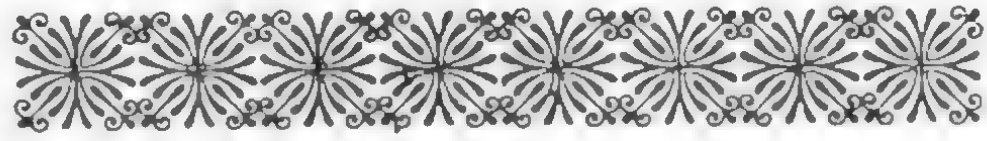
منکروں کا آگ ہے۔

تقیج و تشنیع اہل باطل و سرائے معاندین و جزائے مطیعین

قال الله تعالى اَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ... اى... وَ عُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝
(ربط) اوپر کی آیتوں میں توحید کا ذکر تھا اب ان آیات میں اہل شرک کی تقیج و تشنیع اور اہل ایمان اور
اہل کفر کی جزاء و سزا کا ذکر فرماتے ہیں۔

پس کیا وہ ذات جو ہر شخص کے سر پر قائم ہے اور اس کی قوم ہے اور اس کے تمام اعمال پر مطلع ہے
ان کے بتوں کی مثل ہو سکتی ہے ہرگز نہیں یعنی کیا وہ ذات پاک جو ہر ایک کی حافظ اور نگہبان ہے اور
لوگوں کے نیک اور بد عمل سے باخبر ہے کیا وہ ان بتوں کے برابر ہو سکتی ہے جو محض عاجز اور بے خبر
ہیں ہرگز نہیں اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں اے نبی! آپ ان سے کہیے کہ ذرا ان
شرکاء کا نام تو لو، دیکھیں کیسے ہیں ان میں کوئی صفت الوہیت کی بھی ہے یا نہیں اور اوپر جو خداوند قدوس
کی صفات بیان کی گئی ہیں کیا کوئی حیا دار ان پتھروں میں ان کا کوئی نام و نشان بتا سکتا ہے یا تم
خدا کو اس چیز کے وجود سے مطلع کرتے ہو جس کے زمین میں ہونے کی اس کو خبر نہیں بقدرض محال اگر
زمین میں کوئی اس کا شریک ہوتا تو اس کو ضرور معلوم ہوتا یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز واقع میں موجود ہو
اور اللہ کو اس کا علم نہ ہو اور زمین کی قید اس لیے لگائی کہ بت پرستوں نے جس قدر شرکاء
ٹھہراتے ہوئے تھے وہ سب زمین میں ہی کے تھے یا بے سوچے سمجھے اور بے دلیل محض سرسری اور ظاہری بات
کہتے ہو جس کی واقع میں کوئی حقیقت اور مصداق نہیں جیسے حبشی کا نام کا فور رکھ لیا جائے اس طرح
تمام بتوں کو اللہ کہنا بے معنی الفاظ ہیں تم نے محض اپنے خیال سے ان کو معبود ٹھہرایا ہے جس پر
کوئی دلیل نہیں اِنَّ هِيَ اِلَّا اَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ مِمَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْهُدَىٰ ط بَلْكَه حق
یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں کافروں کے لیے ان کا مکرو فریب ان کی نظروں میں آراستہ کر دیا گیا یعنی ان کا کفر و
شُرک محض ایک ملمع کاری ہے جس کو شیطان نے ان کی نظروں میں خوب صورت کر کے دکھلایا ہے،
سب دھوکہ اور فریب ہے اور اسی ملمع کاری کی وجہ سے یہ لوگ سیدھے راستے سے روک دیئے گئے ہیں
شیطان نے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا اور جس کو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی راہ دکھلانے والا نہیں ایسے
لوگوں کے لیے دنیا میں بھی عذاب ہے مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل اور قید یا طرح طرح کی ذلتیں اور مصیبتیں
اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید بھی ہے اور دائم و مدید بھی ہے اور
ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی
صفت یہ ہے کہ اس کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہیں میوہ اس کا دائم ہے کبھی منقطع
نہ ہوگا اور اس کا سایہ بھی دائم ہے وہ بھی منقطع نہ ہوگا جنت میں نہ سورج ہے نہ چاند اور نہ تاریکی لیکن
دور دور تک سایہ پھیلا ہوا ہے یہ جنت جزاء ہے متقیوں کے لیے اور کافروں کی جزاء آگ ہے جو کبھی منقطع
نہ ہوگی



وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ

اور جن کو ہم نے دی ہے کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو اُنزا

إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ ط

بتری طرف اور بعض فرقے نہیں مانتے اس کی بعضی بات

قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ ط

کہہ مجھ کو یہی حکم ہوا کہ بندگی کروں اللہ کی اور شریک نہ کروں اس کے

إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَآبٌ ۝۳۶ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا

ساتھ اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا اور اسی طرح اُنارا ہم نے یہ کلام

عَرَبِيًّا وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ

حکم عربی زبان میں اور اگر تو چلے اُن کے شوق پر بعد اس علم کے جو تجھ کو



مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ۝۳۷

پہنچا کوئی نہیں تیرا اللہ سے حمایتی اور نہ بچانے والا

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ

اور بھیجے ہیں ہم نے کتے رسول تجھ سے آگے اور دی تھیں ان کو

أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ط وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ

جو رویتیں اور لڑکے اور نہ تھا کسی رسول کو کہ لے آوے کوئی نشانی

إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط يَكُلُّ أَجَلٌ كِتَابٌ ۝۳۸ يَمْحُوا اللَّهُ مَا

مگر اللہ کے اذن سے ہر وعدہ ہے لکھا ہوا مٹاتا ہے اللہ جو

يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ ۝۳۹ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ۝۴۰ وَإِنْ مَا نُرِيَنَّكَ

چاہے اور رکھتا ہے اور اسی پاس ہے اصل کتاب اور یا کبھی دکھادیں ہم

بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفِّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ

تجھ کو کوئی وعدہ جو دیتے ہیں اُن کو یا تجھ کو بھر لیوں سو تیرا ذمہ تو پہنچانا ہے

الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝۴۱ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي

اور ہمارا ذمہ حساب لینا کیا نہیں دیکھتے کہ ہم چلے آتے ہیں

الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ط وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا

زمین پر گھٹاتے اس کو کناروں سے اور اللہ حکم کرتا ہے کوئی نہیں

مُعَقَّبٌ لِحُكْمِهِ ط وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۴۲ وَقَدْ مَكَرَ

کہ پیچھے ڈالے اُس کا حکم اور وہ شتاب لیتا ہے حساب اور فریب کرچکے

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ط يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ

ہیں اُن سے اگلے ، سو اللہ کے ہاتھ ہیں سب فریب جانتا ہے جو کماتا ہے

كُلُّ نَفْسٍ ۖ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِبِيَ الدَّارِ (٣٢) وَ

ہر جی اور اب معلوم کریں گے منکر کس کا ہوتا ہے پچھلا گھر اور

يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۖ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ

کہتے ہیں منکر تو بھیجا نہیں آیا کہہ اللہ بس ہے

شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۚ

گواہ میرے تمہارے بیچ اور جس کو خبر ہے کتاب کی

خطاب بہ اہل کتاب و رباقہ نبوت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ اِلَى وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ
(ربط) اوپر کی آیتوں یعنی وَإِنْ تَعْجَبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ (الخ) وَلَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِثْلَ نَبُوتِ
کی بحث گزری، اب ان آیات میں اہل کتاب کی حالت اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب
دیتے ہیں کفار عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں زیادہ یہ شبہات کیا کرتے تھے ایک
شبہ یہ تھا کہ پیغمبر کو تو فرشتوں کی طرح زن و فرزند سے اور علائق بشریہ سے پاک ہونا چاہیے۔ وَلَقَدْ
أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ فِي هَذِهِ الْأَسْفَلِ فَهُمْ يُسْتَكْبَرُونَ (الحج) اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ آپ سے پہلے جو نبی بھیجے گئے اور جن
کی نبوت کو اہل کتاب بھی مانتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم وغیرہ وہ بھی اہل دعیال والے تھے دوسرا
شبہ یہ کرتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ جو ہماری خواہش کے مطابق معجزات نہیں دکھلا سکتے وَمَا
كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ يَكْفُرُ الْكَافِرُ وَلِيَكُونَ لَكُم مِّنْهُ آيَاتٌ (الحج) اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ یہ بات رسول کے اختیار میں نہیں بلکہ
اللہ کے اختیار میں ہے تیسرا شبہ ان کا یہ تھا کہ ہماری تکذیب اور مخالفت پر جن مصائب اور آفات
سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ ہم پر نازل کیوں نہیں ہوتیں لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ (الحج) اس شبہ کا جواب دیا کہ
خدا کے یہاں ہر شے کا وقت مقرر ہے جو پہلے سے لکھا جا چکا ہے اور اس لفظ سے ان کے ایک اور
شبہ کا اجمالاً جواب ہو گیا کہ یہ کیسے نبی ہیں کہ تورات و انجیل کے احکام کا اور خود اپنی شریعت کے احکام
کا نسخ جائز رکھتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ قرآن خدائی کلام نہیں پھر آئندہ آیت میں اسی جواب کی تفصیل فرمائی
يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ (الحج) کہ حسب مصلحت احکام بدلتے رہتے ہیں ان شبہات کی تفصیل
کے لیے تفسیر کبیر صفحہ ۳۱۴ جلد پانچ دیکھیں اب آئندہ آیات میں ان تمام شبہات کا جواب دیتے ہیں

چنانچہ فرماتے ہیں ۔

اور جن لوگوں کو ہم نے آسمانی کتاب دی یعنی توریت و انجیل جیسے عبد اللہ بن سلامؓ اور نصارائے نجران و یمن ۔ سراد اس سے وہ اہل کتاب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو قبول کیا اور اس سے منتفع ہوئے ایسے لوگ خوش ہوتے ہیں اس کتاب سے جو آپ کی طرف نازل کی گئی کیونکہ نور عقل سے قرآن کو علم و معرفت کا منبع پاتے اور اس کی خبر اپنی کتابوں میں پاتے ہیں اور بعض فرقے اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے جو ان کی دنیوی اغراض و منافع میں حائل اور مانع بنتی ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں اپنا اختیار ہے کہ تم اپنے احمقانہ عقائد تثلیث اور کفارہ پر قائم رہو جزا میں نیست کہ مجھ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف ایک اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں کسی کو خدا کا بیٹا ماننا یا جو رو بنانا یہ شرک ہے اور میں لوگوں کو صرف اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں نہ کسی غیر کی جانب کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اسی کی طرف دعوت دینے کے لیے مبعوث ہوا ہوں اور اسی کی طرف مجھے واپس جانا ہے اس سرائے فانی کا قیام چند روزہ ہے مطلب یہ ہے کہ قیامت حق ہے اور اس پر میرا ایمان ہے اور یہ امور اہل کتاب کے نزدیک بھی مسلم ہیں اس لیے کہ اصولاً اہل کتاب توحید اور رسالت اور قیامت کے قائل ہیں اور جس طرح ہم نے قرآن سے پہلی کتابوں کو صاحب کتاب کی زبان میں اتارا اسی طرح ہم نے اس کتاب کو حکم عربی بنا کر آپ کی زبان میں اتارا جو حد اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور یہ قرآن اللہ کی آخری کتاب ہدایت ہے ۔

اس لیے اہل کتاب پر اس کا اتباع واجب ہے کیونکہ یہ آخری کتاب ہونے کی وجہ سے تمام پہلی کتابوں کی ناسخ ہے اور ناسخ کے بعد منسوخ کا اتباع صحت نہیں بلکہ ہوائے نفس ہے اس لیے سے نبی! اگر بفرض محال آپ نے اس علم الہی کے آجانے کے بعد ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو اللہ کے مقابلہ میں آپ کا کوئی مددگار اور عذاب الہی سے بچلنے والا نہیں مطلب یہ کہ اللہ کے احکام کو صاف صاف بیان کر و کسی بات میں ان کی پیروی اور رعایت نہ کرو اور ان سے نہ ڈرو و ظاہر میں یہ خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر اصل مقصود اہل کتاب مشرکین اور منکرین کو سنانا ہے اور اگر کوئی آپ کی نبوت میں یہ طعن کرے کہ رسول کو نکاح اور بیوی بچوں اور کھانے پینے سے کیا مطلب، نبی کو ان دنیوی مرغوبات اور لذات سے کیا تعلق تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نبوت کے منافی نہیں اس لیے کہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے کتنے ہی رسول بھیجے جو کھاتے اور پیتے تھے اور ہم نے ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی نکاح اور اولاد سے نبوت میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ اس سے بشریت کی تکمیل اور تنزیہ ہو جاتی ہے اسلام ہمیں رہبانیت نہیں سکھاتا حضرات انبیاء جہانیت اور روحانیت دونوں اعتبار سے کامل ہوتے ہیں اس لیے اہل و عیال ان کے فرائض رسالت کی ادائیگی میں خارج اور مزاحم نہیں ہوتے اور اگر کوئی آپ کی نبوت میں یہ شبہ کرے کہ اگر آپ

اللہ کے نبی ہیں تو ہماری خواہش کے مطابق معجزات کیوں نہیں دکھلاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی رسول کے امکان میں یہ نہیں کہ بغیر حکم خداوندی اپنی طرف سے کوئی معجزہ اور نشانی لاسکے بغیر خدا کی مرضی کے پیغمبر معجزہ نہیں دکھا سکتا معجزہ کا ظہور اللہ کے ارادہ اور مشیت اور اس کی حکمت اور مصلحت پر موقوف ہے نہ کسی خواہش اور رغبت پر وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر وقت موعود اور موت معینہ کے لیے ایک خاص حکم لکھا ہوا ہے اور ہر دور دورہ کے لیے اس کے یہاں ایک کتاب اور خاص تحریر ہوتی ہے جو مقتضائے حکمت و مصلحت اس مدت اور قرن کے لیے مناسب ہوتی ہے اور وہ کتاب کارکنان قضاء و قدر یعنی ملائکہ مدبرات کو دے دی جاتی ہے جب تک اس کی میعاد باقی رہتی ہے اس وقت تک وہ حکم جاری رہتا ہے جب اس کی میعاد ختم ہو جاتی ہے تب دوسرے زمانہ اور قرن کے مناسب دوسرا حکم آتا ہے اس جگہ اجل سے ازمنہ موجودات مراد ہیں ہر موجود کے لیے ایک محدود اور معین زمان چاہیے جس میں وہ محدود ہو کر پایا جائے نہ بڑھے نہ گھٹے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو وقت کسی کام کے لیے مقرر کر دیا ہے وہ اس کے یہاں لکھا ہوا جب وہ وقت آتا ہے تو جو حکم اس وقت کے مناسب ہوتا ہے وہ ظاہر ہوتا ہے ہر زمانہ کے لیے اس کے یہاں ایک مخصوص کتاب ہے اس نے کمال علم و حکمت سے ہر زمانہ کے لیے ایک حکم معین اور مقدر فرما دیا ہے جو ان پر اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے اسی طرح سمجھو کہ کوئی نشان اپنے لکھے ہوئے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا اللہ کا کارخانہ لوگوں کی فرمائشوں اور پبلک کے مطالبات پر نہیں چلتا اللہ نے اپنی حکمت اور مصلحت سے ہر کام کے لیے وقت مقرر کر کے لکھ دیا ہے جب تک وہ مقرر وقت نہ آجائے وہ کام نہیں ہو سکتا مطالبہ اور جلد بازی سے کچھ نہیں ہوتا اس ارشاد سراپا ارشاد سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ ہر قضائے الہی اور وعدہ خداوندی کا وقت لکھا ہوا ہے اور ہر قرن اور زمانہ کے لیے جدا حکم ہے جو اس کے مناسب ہے اور ہر حکم اپنے لکھے ہوئے کے مطابق اپنے وقت پر ظاہر ہوتا ہے۔

اس آیت سے مشرکین کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو مشرکین کہتے تھے کہ آپ اپنے کفر اور تکذیب کی بناء پر جن بلاؤں اور عذابوں سے ہم کو ڈراتے ہیں وہ کہاں ہیں اس کے جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور معین ہے جو اللہ کے یہاں لکھا ہوا ہے اپنے وقت پر اس کا ظہور ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ لِكُلِّ اَجَلٍ کِتَابٌ، میں اجل سے وقت موعود اور مدت معینہ مراد ہے اور کتاب سے نامہ خداوندی اور نوشتہ خداوندی مراد ہے اور آیت اپنے ظاہر پر ہے جمہور مفسرین نے اسی

علم اس آیت کی یہ تفسیر، تفسیر بیضاوی اور تفسیر ابوالسود اور تفسیر روح المعانی سے ماخوذ ہے حضرات اہل علم ان تفسیروں سے مراجعت فرمائیں (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)

کو اختیار فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر وہ وقت جس میں اللہ نے کسی امر کے وقوع کو مقدر کیا ہے اللہ کے یہاں اس کے جاری ہونے کا وقت لکھا ہوا ہے اسی لکھے ہوئے کے مطابق اس کا وقوع اور ظہور ہوتا ہے اور فراموشی یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور اصل کلام اس طرح ہے لِكُلِّ كِتَابٍ أَجَلٌ، یعنی امر جس کو خدا تعالیٰ نے لکھ رکھا ہے اس کے لیے ایک اجل موعَّل اور وقت معلوم ہے کما قال اللہ تعالیٰ لِكُلِّ نَبَأٍ مُّسْتَقَرٌّ (دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۲۸ نیز تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۱۵ جلد ۵ دیکھیں)

اب آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس نے اپنی حکمت اور ارادہ اور مشیت سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں اس میں جس طرح چاہے تغیر و تبدل کر سکتا ہے اس لیے کہ اللہ اپنی قدرت اور حکمت سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کو ثابت اور برقرار رکھتا ہے وہ لکھے ہوئے میں تغیر و تبدل پر قادر ہے اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے اور جس کو چاہے باقی رکھے یہ اس لیے فرمایا کہ یہودیہ کہتے تھے کہ یہ کیسا نبی ہے کہ جو توریت اور انجیل میں اور اپنی شریعت کے احکام میں نسخ کو جائز رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ اللہ اپنی حکمت اور مصلحت کے موافق نازل کرتا ہے اور جب وہ مصلحت نہیں رہتی تو اس حکم کو محو کر دیتا ہے یعنی منسوخ کر دیتا ہے اس سے یہودیہ نصاریٰ کے اس شبہ کا جواب ہو گیا جو وہ نسخ احکام کے متعلق کرتے تھے۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں جو محو و اثبات کا ذکر کیا گیا اس میں ہر قسم کی تغیر و تبدل داخل ہے مثلاً حکومتوں کا فنا و زوال اور قوموں کا ادبار و اقبال اور سعادت و شقاوت کا بدلنا اور رزق میں فراخی اور تنگی ہونا اور عالم سفلی میں کون و فساد کا ہونا اس قسم کے تمام تغیرات اور انقلابات محو و اثبات کے عموم میں داخل ہیں اور مطلب یہ ہے کہ وہ مالک و مختار ہے کبھی موجود کرتا ہے اور کبھی معدوم کبھی زندہ کرتا ہے اور کبھی مارتا ہے کبھی مالدار بناتا ہے اور کبھی فقیر و غیور وغیرہ پس اسی طرح اس کو اختیار ہے کہ جس حکم کو چاہے کسی وقت منسوخ کرے اور جس حکم کو چاہے برقرار رکھے وہ علیم و حکیم ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں غرض یہ کہ ہر قسم کی تغیر و تبدل اور ہر قسم کا محو و اثبات اور نسخ احکام سب اس کے ہاتھ میں ہے اور محو و اثبات اور

محلہ : قال القرطبی قوله تعالى لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ای لكل امرٍ قضاه الله كتاب عند الله قال الحسن وقيل فيه تقدیم و تاخیر المعنی لكل كتاب اجل قال الفراء والضمماك المعنی لكل امرٍ كتبته الله اجل موعَّل و وقت معلوم نظیر لِكُلِّ نَبَأٍ مُّسْتَقَرٌّ (تفسیر قرطبی ص ۳۲۸ جلد ۹)

محلہ : دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۱۶ جلد ۵ امام رازی نے اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ محو و اثبات سے کسی خاص شئی کا محو و اثبات مراد نہیں بلکہ عام معنی مراد ہیں ۱۲

تغییر و تبدل ”یدا“ نہیں (جیسا کہ روافض کا گمان ہے) بلکہ بطریق حکمت و مصلحت ہے اس لیے کہ اس کے پاس اصل کتاب ہے جس کا نام لوح محفوظ ہے جس میں اس محو و اثبات و تغیر و تبدل کی تمام تفصیل درج ہے اور یہ لوح محفوظ قضا و قدر کے تمام دفاتر کی جڑ ہے اور تغیر و تبدل اور محو و اثبات سے منزہ اور مبصری ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں ”دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعض اسباب ظاہر ہیں بعض اسباب کی تاثیر کا ایک اندازہ ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے جب چاہے ویسی ہی رکھے آدمی کبھی کنکر سے مرتا ہے اور کبھی گولی سے بچتا ہے اور ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے وہ ہر گز نہیں بدلتا اندازے کو تقدیر کہتے ہیں یہ دو تقدیریں ہیں ایک بدلتی ہے ایک نہیں بدلتی۔ جو تقدیر بدلتی ہے اس کو معلق کہتے ہیں اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں“ اھ (کذا فی توضیح القرآن)

حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ ان آیات کے ترجمہ میں تحریر فرماتے ہیں ہر قضائے موقت رانامہ ہست یعنی چوں قضائے الہی بوجہ مستحق شود آنرا در عالم ملکوت ثبت فی کنند ابودنی سازد خدا ہر چہ می خواہد و ثابت می کند ہر چہ خواہد و نزدیک اوست ام الكتاب یعنی لوح محفوظ مترجم گوید صورت حادثہ در عالم ملکوت خلق می فرماید بعد ازاں اگر خواہد محو کند و ثابت دارد و شاید کہ معنی چنیں باشد ہر زمانے را شریعتی ہست نسخ می کند خدا تعالیٰ آنچه می خواہد و ثابت می گذارد آنچه خواہد و نزدیک اوست لوح محفوظ ”واللہ اعلم (فتح الرحمن)“

حاصل کلام یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی صفت تقدیر اور علم ازلی کو بیان کیا کہ حق تعالیٰ نے حوادث اور واقعات کے لیے ایک وقت مقرر اور مقرر فرمایا ہے ان میں خدا کی مرضی سے رد و بدل بھی ہوتا رہتا ہے اور ایک حکم قطعی ہے وہ کبھی نہیں بدلتا پہلے کو قضا معلق اور دوسرے کو مبرم کہتے ہیں۔

مسئلہ بدایہ کی مختصر تشریح

شیعہ آیت مذکورہ یعنی یَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ سے بدایہ ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں جس محو اور اثبات کا ذکر ہے اس سے بطریق بدایہ محو اور اثبات مراد ہے اللہ تعالیٰ ان کو عقل اور فہم دے اہل سنت کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی تغیر و تبدل اور محو اور اثبات سب اللہ کے ہاتھ میں ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے اور اللہ کا علم اور ارادہ بدایہ پاک اور منزہ ہے شیعوں کے اس خیال سراپا خیال کے اختلال ظاہر کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

مسئلہ بدا کی مختصر سی تشریح کر دی جائے۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا جانتے نہیں اس لیے کہ بدا کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ایک چیز کا ارادہ فرمائے پھر اس کو کسی دوسری چیز میں مصلحت ظاہر ہو جو اس سے قبل ظاہر نہ تھی پس ارادہ اول کو فسخ کر کے دوسری چیز کا ارادہ کر لے تو یہ بدا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ کے لیے بدا جانتا اور واقع ہے اور آیت مذکورہ **يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ** کو استدلال میں پیش کرتے ہیں یعنی اللہ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے شیعہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب اللہ کو دوسری مصلحت ظاہر ہوتی ہے تو پہلے ارادہ کو بدل دیتا ہے اور یہ ہی معنی بدا کے ہیں علماء شیعہ اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں ان معنی قولنا بدالہ تعالیٰ انہ ظہر لہ ما لم یکن ظاہرا یعنی ہمارے اس قول کہ اللہ تعالیٰ کو بدا واقع ہوا اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ایسی بات ظاہر اور معلوم ہوتی جو پہلے ظاہر نہ ہوتی تھی۔

اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بدا کا واقع ہونا ناممکن اور محال ہے کیونکہ نصوص متواترہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ کا علم ازل تمام کائنات کو محیط ہے ازل سے ابد تک تمام کائنات اور ممکنات کو برابر اور یکساں جانتا ہے کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو پہلے سے نہ جانتا ہو اور بعد میں اس کو جانے عقلاً یہ بات محال ہے کہ اللہ پر کوئی ایسی چیز اور منکشف ہو جو پہلے اس پر ظاہر اور منکشف نہ تھی اور سورہ طہ میں ہے **لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسِي**، اللہ کا علم غلطی اور نسیان سے پاک ہے معاذ اللہ اگر حق تعالیٰ کے لیے بدا جانتا ہے۔ تو لازم آئے گا کہ حق تعالیٰ نا عاقبت اندیش ہے اور اس کو انجام کا علم نہیں تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔

عجیب بات ہے کہ شیعوں کے نزدیک ایمہ کو تو علم ماکان و مایکون ہو اور خداوند علام الغیوب کو نہ ہو کہ جس کو بدا کی ضرورت لاحق ہو کہ مصلحت ظاہر ہونے پر پہلے ارادہ کو فسخ کرے اور دوسری چیز کا ارادہ کرے۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خلفاء ثلاثہ اور ہماجرین اور انصار کی مدح کی مگر بعد میں بدا واقع ہوا کہ یہ ساری تعریفیں اور سارے وعدے غلطی سے اول ظہور میں آئے اور بعد میں حقیقتہ الامر صحابہ کی جناب باری کو معلوم اور ظاہر ہو گئی مگر حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی جگہ بھی اشارتاً اور کنایتاً یہ نہیں بتلایا کہ صحابہ کے بارہ میں مجھے بدا واقع ہو گیا ہے شیعوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو صحابہ کے بارہ میں قدر قلیل بدا واقع نہیں ہوا بلکہ بمقدار عظیم و کثیر بدا واقع ہوا کہ بے شمار آیتوں میں صحابہ کی مدح فرما گئے اور بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ سب خلاف مصلحت تھا اور معاذ اللہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری ہی عمر اسی غلطی میں مبتلا رہے جس سے خداوند کریم کو بدا واقع ہوا شاید حسب زعم شیعہ جو قرآن امام غائب کے پاس ہے اس میں کوئی آیت ایسی ہو جو اس بات پر دلالت کرتی ہو

کہ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کے بارہ میں بدا واقع ہوا۔

بدا کی اقسام

شیعوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں۔

قسم اول = بدائی العلم | وهو ان يظلم له خلاف ما علم، یعنی بدا در علم یہ ہے کہ پہلے علم کے خلاف کوئی چیز ظاہر ہو یعنی خدا تعالیٰ نے پہلے سے جو جان رکھا تھا بعد میں حقیقت الامر اس کے خلاف معلوم ہوئی اور منکشف ہوئی۔

قسم دوم بدائی الارادہ | وهو ان يظلم له على خلاف ما اراده، یعنی بدا در ارادہ یہ ہے کہ پہلے کچھ ارادہ تھا پھر بعد میں یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں تھا۔

قسم سوم = بدائی الامر | وهو ان يامر بشيء ثم يامر بشيء بعده یعنی بدائی الامر یہ ہے کہ پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یہ معلوم ہوا کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس حکم کو بدل کر دوسرا حکم ایسا دیا کہ جس میں یہ غلطی نہ ہو بلکہ مصلحت وقت کے مطابق ہو۔

اور شیعہ ان تینوں معنی پر خدا تعالیٰ کے بدا کو جائز قرار دیتے ہیں اور بدا کی پہلی قسم کو شعبہ اپنے عرف میں بدا در اخبار کہتے ہیں اور دوسری قسم کو بدا در تکوین کہتے ہیں اور تیسری قسم کو بدا در تکلیف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہل سنت نے بھی بدا کی اس تیسری قسم کو جائز رکھا ہے چونکہ بدا کی تیسری قسم یعنی بدائی الحکم اور بدائی التکلیف بظاہر نسخ کے مشابہ معلوم ہوتی ہے جس کے اہل سنت قائل ہیں اس لیے شیعوں نے یہ کہہ دیا کہ اہل سنت بھی بدا کی تیسری قسم یعنی بدائی الحکم کو جائز رکھتے ہیں اور بدا کو جائز نہیں رکھتے اور نسخ اور بدائی الامر میں فرق ہے اور ہر ایک کی حقیقت دوسرے سے مغایر اور جدا ہے۔

نسخ اور بدائی الحکم میں فرق | اہل سنت کہتے ہیں کہ نسخ کی حقیقت اور ہے اور بدا کی حقیقت اور ہے نسخ کی حقیقت یہ ہے کہ ایک حکم کا

زمانہ ختم ہو جائے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجائے معاذ اللہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اس لیے وہ حکم موقوف ہو گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اس کے بعد دوسرے حکم کا زمانہ آگیا جیسے بندوں میں سے کسی کو پہلے سے زمانہ حکم اول کی مقدار اور مدت معلوم ہو یا نہ ہو واللہ کے یہاں ہر حکم کی ایک ميعاد اور وقت مقرر ہے وہ حکم اس ميعاد اور مدت تک برقرار رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس حکم ازلی میں ہوتا ہے اور ہر حکم اپنے اپنے وقت میں عین حکمت اور عین

مصلحت ہوتا ہے اور غلطی اور خطا سے پاک اور میرا ہوتا ہے اور بدا کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے ایک حکم دیا پھر جب اس میں کوئی نقصان معلوم ہوا تو اس کو بدل دیا تو خطا اور غلطی بدا کے مفہوم اور اس کی حقیقت میں داخل سے در نہ پھر وہ بدا نہیں تمام کتب شیعہ سے یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ بدا کی حقیقت یہ ہی ہے کہ پہلی بات میں کوئی غلطی اور چوک ظاہر ہو جائے اور نیا علم پیدا ہو۔

اہل سنت اس کو محال اور ناممکن قرار دیتے ہیں کہ اللہ کے علم میں اور اس کے ارادہ میں اور اس کے حکم میں کسی خطا اور نسیان کا ذرہ برابر امکان نہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم اور حکیم ہے اس کو کوئی نیا علم ظاہر نہیں ہوتا اور لَّا یَضِلُّ رِیِّیْ وَلَا یُشْغِلُ اس کی شان ہے اس کے علم میں کسی غلطی اور بھول چوک کا امکان نہیں اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کی مصلحت اور ان کے فائدہ اور منفعت کے لیے احکام کو بدلنا یہ نسخ ہے بدا نہیں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم ہر زمان اور مکان میں حق اور درست ہے اور اس کے علم قدیم اور حکمت ازلیہ پر مبنی ہے اور خطا اور نسیان سے پاک اور منزہ ہے نسخ میں حکم اول کی تبدیلی اس بنا پر نہیں کہ کوئی جدید مصلحت ظاہر ہوئی جو پہلے ظاہر نہ تھی بلکہ مصالح مکلفین کی تبدیلی کی بناء پر احکام میں تبدیلی ہوتی ہے اور اللہ کے علم ازلی میں پہلے سے تھا کہ یہ حکم فلاں وقت تک رہے گا اس لیے اہل سنت نسخ کے قائل ہیں اور بدا کے قائل نہیں کیونکہ بدا کے معنی یہ ہیں کہ جب غلطی معلوم ہو تو اس کو بدل دیا جائے یہ اہل سنت کہتے ہیں کہ اللہ کا علم محیط ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں کہ جس کو حق تعالیٰ قبل ہونے کے اور بعد ہونے کے برابر نہ جانتا ہو۔

برو علم یک ذرہ پوشیدہ نیست کہ پیداؤ ینہاں بنزدش یکبست

اور آیت یَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ میں محو اور اثبات سے ناہمائے اعمال سے حسنات اور سیئات کا محو و اثبات مراد ہے یا احکام اور شرائع میں تغیر و تبدل مراد ہے علم الہی میں محو اور اثبات مراد نہیں کیونکہ اسی آیت کے بعد متصلاً یہ وارد ہے وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ اور اللہ کے پاس اصل کتاب ہے یعنی لوح محفوظ ہے اس میں نہ تغیر ہے اور نہ تبدل ہے اور علم الہی میں محو اور اثبات اور تغیر و تبدل عقلاً محال ہے عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ سب اس کے علم ازلی کے مطابق اور موافق ہو رہا ہے۔

اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا دفتر ہے جس کی طرف ام الکتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر ہے اور یُکَلِّ اَجَلٍ کِتَابُکَ سے چھوٹے دفتر کی طرف اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں ہر دور اور مدت کے لیے ایک جدا کتاب ہے اس میں سے جو چاہے مٹا دے اور جو چاہے باقی رکھے اور یہ محو و اثبات اس چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے دفتر میں نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جملہ یَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ چھوٹے دفتر یعنی یُکَلِّ اَجَلٍ کِتَابُکَ کے بعد واقع ہے اور یہ ہی مذہب اہل سنت کا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر علم خداوندی کے موافق ہے

یا خود علم خداوندی ہے اس میں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا پھر شیخہ کس خوبی پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ برا کلام اللہ سے ثابت ہے ۔

مسئلہ بد کے متعلق ہم نے بقدر ضرورت یہ مختصر کلام ہدیۃ ناظرین کیا ہے جو تحفہ اثنا عشریہ مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اور ہدیۃ الشیعہ مصنفہ حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ سے ماخوذ ہے حضرت اہل علم اصل کی مراجعت فرماتیں ۔

کفر کا زوال اور اسلام کا اقبال

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ... الخ... وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ (ربط) گزشتہ آیات میں حق تعالیٰ نے اپنی شان محو اثبات اور صفت تغیر و تبدیل کا ذکر فرمایا اب آئندہ آیات میں کفر کے زوال اور اسلام کے عروج اور اقبال کو بیان فرماتے ہیں کہ اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں ۔ نیز گزشتہ آیات میں کافروں پر دنیوی آفات اور مصائب کے نزول کی خبر دی تھی کما قال تعالیٰ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّنْ دَارِهِمْ الخ اور فرمایا تَهْلِكُهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ اب ان آیات میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ اب ان مواعید کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں ان منکرین نبوت کو چاہیے کہ کفر کے زوال اور اختلال کے اور اسلام کے عروج اور اقبال کے جو آثار من جانب اللہ نمودار ہو رہے ہیں نظر اٹھا کر ان کو دیکھیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اگر ان لوگوں کو آپ کی نبوت میں اس بنا پر شبہ ہے کہ کفر و تکذیب کی بناء پر جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے وہ نازل کیوں نہیں ہوتا تو اسکے متعلق سن لیجئے ۔

اے نبی! اگر ہم آپ کو اس عذاب میں سے جس کا کافروں کو وعدہ دیتے ہیں اس کا کچھ حصہ آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھلا دیں یعنی آپ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور اہل کفر کی ذلت و خواری آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ان وعدوں کے وقوع سے پہلے آپ کو دنیا سے اٹھا لیں اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشینوں اور خادموں کے ہاتھ پر باقی ماندہ وعدوں کو پورا کریں، بہر حال جو بھی صورت ہو آپ فکر میں نہ پڑیں آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی بہر حال آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا خدا نے اسلام کی فتح و نصرت اور غلبہ کا اور کفر کی ذلت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا خواہ دیر سے ہو یا سویر سے باقی ان منکرین کو تاخیر اور ہلکت سے بے خبر نہیں ہونا چاہیے کفر کے زوال اور اسلام کے عروج کے آثار شروع ہو گئے ہیں کیا یہ منکرین نبوت اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کفر کو اطراف و جوانب سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں دن بدن ملک میں اسلام بڑھتا اور پھیلتا جا رہا

ہے اور کفر گھٹنا جا رہا ہے اور سرداران کفر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جا رہے ہیں اور روز بروز اسلام کی شوکت بڑھ رہی ہے اور کفر و شرک ذلیل و خوار ہو رہا ہے تو اعدائے اسلام اس سے عبرت کیوں نہیں حاصل کرتے بعض مفسرین نے اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَأْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ فَتْحَاتِ الْاِسْلَامِ مراد لی ہیں اس بناء پر ان کو اشکال پیش آیا کہ یہ سورت تو مکی ہے ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور ہجرت سے پہلے فتوحات اسلامیہ نہ تھیں تو اس اعتراض سے بچنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ یہ سورت مدنی ہے مگر آیت کا صحیح مطلب وہ ہے جو ہم نے عرض کیا اور اس پر یہ اشکال ہی وارد نہیں ہوتا کہ جواب کی ضرورت پیش آئے حضرت شاہ عبد القادرؒ نے اپنے اردو فائدہ میں اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فارسی فائدہ میں اسی مطلب کو اختیار کیا وہی راجح اور مختار ہے اور اشکال سے خالی ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

یعنی روز بروز شوکت اسلام بزمین عرب منتشر می شود و دار الحرب ناقص می گردد از اطراف آن عامہ مفسرین اس آیت را مدنی دانند و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد و مراد از نقصان دار الحرب اسلام اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ و قبائل بمن است پیش از ہجرت، انتہی۔

اور شاہ عبد القادر صاحبؒ لکھتے ہیں ہم چلے آتے ہیں زمین پر گھٹنا تے یعنی اسلام پھیلتا جا رہا ہے عرب کے ملک میں اور کفر گھٹتا ہے“ ۱۰ھ۔

مقصود اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ اگر یہ معاندین آپ کی نبوت اور دعوت کو قبول نہ کریں تو رنجیدہ نہ ہوں آپ کا جو کام تھا وہ آپ نے کر دیا اور آیت لَہُمْ عَذَابٌ فِی الْحَبْلَةِ الدُّنْيَا لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تَصِیْبُہُمْ بِمَا صَنَعُوْا کَارِجَةً میں ہم نے عذاب کا وعدہ کیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر آئے گا اس کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں آپ کو دکھلا دیں گے اور باقی ماندہ حصہ آپ کی وفات کے بعد پورا ہوگا آپ بے فکر رہیں قضاء الہی میں بعض فتوحات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی واقع ہونے والے تھے اور بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلفاء کے ہاتھ پر واقع ہونے والے تھے۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فتوحات اور غلبہ اسلام کا کیا اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے ان میں بعض دکھلا دیں گے اور بعض آپ کے اٹھ لینے کے بعد آپ کے خادموں کے ہاتھ پورے ہوں گے کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے کہ ہم دن بدن کفار کی زمین اطراف و جوانب سے کم کرتے جلتے ہیں اور مسلمانوں کو اس کا وارث بناتے جاتے ہیں۔

اور اللہ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے کوئی اس کے حکم کو پیچھے ہٹانے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے کافروں کو جلد سزا دے گا اور مومنوں کو جلد جزا دے گا اور بہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں تو خوب سمجھ لیں کہ تحقیق گزشتہ کافروں نے بھی اپنے انبیاء کے ساتھ مکرو فریب کیا مگر سب بے کار گیا اس لیے کہ سب مکرو فریب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے مکر کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو ایسے طریقے سے برائی پہنچانا کہ خبر نہ ہو سو یہ امر حقیقتاً اللہ ہی کے اختیار میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کافروں کے مکر کو چلنے نہیں دے گا ہر شخص جو بھی کام اور تدبیر کرتا ہے اللہ اس کو خوب

جانتا ہے اور یہ مکر کرنے والے اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ میں نہ پڑیں ان کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ دارِ آخرت کا اچھا انجام کس کیلئے ہے۔

اور کافر یہ کہتے ہیں کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے نہیں آپ کہہ دیجیئے کہ تمہارے انکار سے کیا ہوتا ہے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے خداوند قدوس نے میری صداقت کے بڑے بڑے نشانات تم کو دکھلائے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبح کو بڑھانا ہے اور جھوٹ کو مٹانا ہے اور جس کے پاس کتاب الہی کا صحیح علم ہے۔ وہ بھی میری نبوت کا کافی گواہ ہے یعنی جن یہودیوں اور عیسائیوں کو توریت اور انجیل کا صحیح اور واقعی علم ہے اور وہ طالب دنیا اور حق کو چھپانے والے نہیں تو وہ میری نبوت کو خوب جانتے ہیں چنانچہ ایسے یہودیوں اور عیسائیوں نے آپ کی نبوت کی شہادت دی کہ قال اللہ تعالیٰ اَوَلَمْ يَكُنْ لَكُمْ آيَةٌ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ بَنِي اِسْرَآءِیْلَ

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْهَدُ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ وَاشْهَدُ اَنْ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ رَبَّنَا اِنَّا بِمَا اَنْزَلْتَنَا وَاتَّبَعْنَا الرِّسُوْلَ فَاَكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِیْنَ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلٰی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَاصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ یَا اَرْحَمَ الرَّحْمِیْنَ۔

خاتمہ

الحمد للہ آج بتاریخ ۱۵ شوال المکرم یوم یکشنبہ بوقت چاشت سورۃ رعد کی تفسیر سے فراغت ہوئی فلہ الحمد اولاً و آخراً اے اللہ اپنی رحمت کاملہ سے بقیہ تفسیر کے اتمام کی توفیق عطا فرما اور اس کو قبول فرما، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ط

إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ①

اجالے کو، اُن کے رب کے حکم سے، راہ پر اس زبردست سراہے اللہ کی

اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط

جس کا ہے سب، جو کچھ آسمانوں و زمین ہیں اور

وَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ② لِّلَّذِينَ

خوابی ہے منکروں کو ایک سخت عذاب سے جو پسند

يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ

رکھتے ہیں زندگی دنیا کی آخرت سے اور روکتے ہیں

عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ط أُولَٰئِكَ فِي ضَلٰلٍ

اللہ کی راہ سے، اور ڈھونڈھتے ہیں اس میں کجی وہ بھول پڑے ہیں

بَعِيدٍ ③ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ

دور : اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے، مگر بولی بولتا اپنی قوم کی

لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي

کہ اُن کے آگے کھولے پھر بھٹکانا ہے اللہ جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ ط وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ④

جس کو چاہے اور وہ ہے زبردست حکمتوں والا

آغاز سورت بہ بیان مقصد بعثت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الرَّأْيُ أَنُزِّلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ... ۱۰ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یہ

بتلا دیا گیا کہ قرآن کے نازل کرنے اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے مقصد یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے ذریعے سے لوگوں کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالیں اور جو لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ان کو آخرت کا راستہ بتلائیں دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے اور ظلمات یعنی اندھیروں سے کفر اور شرک اور معصیت کے انواع و اقسام مراد ہیں اور نور حق سے دین حق مراد ہے چنانچہ فرماتے ہیں السر اس کے معنی اللہ ہی کو معلوم ہیں یہ کتاب ایک قرآن ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تاکہ تو اس کے ذریعے سے لوگوں کو کفر اور معصیت کی تاریکیوں سے ایمان اور ہدایت کی روشنی کی طرف نکالے ان کے پروردگار کے حکم سے یعنی خدا کی توفیق اور ہدایت سے جس کے لیے ہدایت مقدر کی ہے وہ رسول کی دعوت سے ہدایت قبول کرے گا کیونکہ اصل ہادی اللہ تعالیٰ ہیں اور رسول داعی ہیں اپنی دعوت کے ذریعہ ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف یعنی ایسے خدا کے راستہ کی طرف لے جاتے ہیں جو غالب اور ستودہ ہے اور وہ راہ دین اسلام ہے اس اللہ کے راستہ کی طرف کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے اور خرابی اور بربادی ہے کافروں کے لیے کہ جو راہ کج کی طرف مائل ہیں اور اس سیدھی راہ میں حائل ہیں ایسوں کے لیے بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی جہالت کی وجہ سے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب رکھتے ہیں ان کی تمام جدوجہد صرف دنیا کے لیے ہے اور آخرت کو طاق لسیان میں رکھ دیا ہے خود کا تو یہ حال اور دوسروں کو بھی راہ خدا سے روکتے ہیں اور راہ حق میں کجی کے متلاشی رہتے ہیں یعنی دین اسلام میں طرح طرح کے عیب نکالتے رہتے ہیں تاکہ اس سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کر سکیں ایسے ہی لوگ ایسی گمراہی میں جا پڑے ہیں جو حق اور نور ہدایت سے بہت دور ہے بظاہر اب راہ ہدایت کی طرف آنے کی کوئی امید نہیں۔

کفار کا ایک شبہ اور اس کا جواب

کفار یہ کہتے تھے کہ یہ قرآن تو آپ کی زبان میں اترا اگر کسی اور زبان میں ہوتا تو ہم یقین کرتے کہ یہ منزل من اللہ ہے یہ قرآن تو آپ کی زبان میں ہے اس لیے یہ احتمال ہے کہ شاید یہ قرآن خود آپ ہی کا بسایا ہوا ہے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اسی قوم کی بولی اور زبان میں تاکہ احکام الہیہ کو بخوبی ان کی زبان میں بیان کر سکے اور قوم اس کی بات کو بآسانی سمجھ سکے اور وہ نبی ان کو خدا کا راستہ بتاتے اور ظلمت سے ان کو نور کی طرف نکالے پھر اس انداز اور بیان کے بعد جب ان پر حجۃ الہیہ قائم ہو جاتی ہے تو اللہ جس کو جاہل ہے گمراہ کرتا ہے کہ ہدایت کا نور اس کے دل تک نہیں پہنچتا اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے کہ اس کے دل میں نور پیدا کرتا ہے اور وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے

قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۝

قوم کو اندھیروں سے اُجالے کو

وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

اور یاد دلا اُن کو کہدن اللہ کے البتہ اس میں

لَايَةٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ

نشانیوں میں اس کو جو ثابت رہنے والا حق ماننے والا اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو

اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ

یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر، جب چھڑایا تم کو فرعون کی قوم سے

يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَ

وہ دیتے تھے تم کو بری مار، اور ذبح کرتے بیٹے تمہارے اور

يَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكَ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ

اور جیتی رکھتے عورتیں تمہاری اور اس میں مدد ہوتی تمہارے رب کی

عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

بڑی اور جب سنا دیا تمہارے رب نے، کہ اگر حق مانو گے تو اور دوں گا تم کو

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَى

اور اگر ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے اور کہا موسیٰ نے

إِنْ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ

اگر منکر ہو گے تم اور جو لوگ زمین میں ہیں سارے تو اللہ

لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝

بے پروا ہے سب خوبیوں سراہا

ذکر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا..... إِلَى..... فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ (ربط) گزشتہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی غرض و غایت کو ذکر کیا اب آگے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء کرامؑ کے کچھ واقعات ذکر کر کے بتلاتے ہیں کہ اور انبیاء کی بعثت سے بھی یہی مقصود تھا کہ وہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں اور ان کو آخرت کا بھولا ہوا سبق یاد دلائیں اور اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں کہ انسان ظلمت سے نکل کر نور میں آجائے اور اس کو خدا کا راستہ نظر آنے لگے اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی زبان عبرانی میں کتاب دی اسی طرح ہم نے آپ کو قرآن آپ کی قوم کی زبان عربی میں دیا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور البتہ بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیاں دے کر اپنی قوم کو کفر کی تاریکیوں سے نور ایمان کی طرف نکال اور ان کو یاد دلا کہ وہ دن جس میں اللہ نے قوم نوح اور قوم عاد اور قوم ثمود سے اپنے پیغمبروں کا بدلہ لیا یا یہ مطلب ہے کہ ان کو اللہ کے انعام اور انتقام کے واقعات اور معاملات یاد دلاؤ بلے شک اس قسم کے معاملہ میں ہر صابر و شاکر کے لیے نشانیاں ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے انعامات اور احسانات کو جو تم پر ہوئے خاص کر جب کہ اس نے رہائی دی تم کو آل فرعون کے ظلم و ستم سے، وہ تم کو بری طرح عذاب دیتے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری لڑکیوں، بیٹیوں کو عورتوں کو زندہ چھوڑتے بلکہ چاہتے تھے کہ لڑکیاں زندہ رہیں تاکہ ان کو باندیاں بنا کر ان سے خدمت لیں اور اس معاملہ میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی یا یہ معنی ہیں کہ ایسی بلا سے نجات دینا اور پھر اسے عروج میں بدلنا حق تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اے میری قوم وہ وقت یاد کرو جب میرے پروردگار نے میرے ذریعہ تم کو خبردار اور آگاہ کر دیا تھا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو البتہ میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے میری ناشکری کی تو بھی رکھو بلے شک میرا عذاب سخت ہے تو تم کو ڈرنا چاہیے کہ خدا تعالیٰ ناراض ہو کر اپنی نعمت نہ واپس لے لے شیخ عطارؒ فرماتے ہیں۔

شکر نعمت نعمت افزوں کند کفر نعمت نعمت بیروں کند

اس لیے بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اگر اسلام اور ایمان کی نعمت کا شکر کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس میں زیادتی فرمائے گا اور مقام احسان اور مشاہدہ تک پہنچا دے گا اور موسیٰ علیہ السلام نے یہ بھی کہا اے قوم اگر تم اور تمام روئے زمین کے باشندے مل کر بھی خدا کی ناشکری کرنے لگو تو خوب سمجھ لو کہ تحقیق اللہ بے نیاز ہے اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں اور نہ تمام عالم کی ناشکری سے اس کا کوئی ضرر

ہے اور وہ ستودہ ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی تسبیح و تحمید میں غرق ہے
بذکرش جملہ موجودات گویا : ہمہ اوراقِ روئے شوق جوہا

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ

کیا نہیں پہنچی تم کو خبر اُن کی جو پہلے آئے تھے

قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۖ وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ ۚ

تم سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور جو ان سے پیچھے ہوئے ،

لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

اُن کی خبر نہیں مگر اللہ کو : آئے ان پاس رسول اُن کے نشانیاں لے کر

فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا

پھر لٹے دیئے اُن کے ہاتھ اُن کے منہ میں اور بولے ہم نہیں مانتے

بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا

جو تمہارے ہاتھ بھجبا اور ہم کو شبہ ہے اس راہ میں جس طرف ہم کو بلا تے ہو

إِلَيْهِ مُرِيبٌ ۚ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَرِفِي اللَّهِ شَكٌّ فَاطِرِ

جس سے خاطر جمع نہیں بولے اُن کے رسول کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ

بنائے آسمان اور زمین تم کو بلاتا ہے کہ بخشے کچھ گناہ تمہارے

وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ قَالُوا إِنَّا أَنْتُمْ إِلَّا

اور ڈھیل دے تم کو ایک وعدہ تک جو ٹھہر چکا ہے کہنے لگے تم تو یہی

بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۖ تُرِيدُونَ أَن تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ

آدمی ہو ہم سے ، چاہتے ہو کہ روک دو ہم کو اُن چیزوں سے جن کو پوجتے

أَبَاؤُنَا فَاتُونَا بِسُلْطِنٍ مُّبِينٍ ⑩ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

رہے ہمارے باپ دادے، سولاؤ کوئی سند کھلی ان کو کہا ان کے رسولوں نے

إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ

ہم یہی آدمی ہیں جیسے تم لیکن اللہ احسان کرتا ہے

عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ

اپنے بندوں میں جس پر چاہے اور ہمارا کام نہیں کرے

نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطِنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ

آویں تم پاس سند مگر اللہ کے حکم سے اور اللہ پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑪ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ

بھروسہ چاہیے ایمان والوں کو اور ہم کو کیا ہوا کہ بھروسہ نہ کریں اللہ پر

وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَكُنْصَبِرْنَ عَلَى مَا أَذَيْتُمُونَا

اور وہ سمجھا چکا ہم کو ہماری راہیں اور ہم صبر کریں گے ایذا پر جو ہم کو دیتے ہو

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ⑫ وَقَالَ الَّذِينَ

اور اللہ پر بھروسہ چاہیے بھروسے والوں کو اور کہا منکروں نے

كَفَرُوا بِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ

اپنے رسولوں کو ہم نکال دیں گے تم کو اپنی زمین سے یا پھر آؤ ہمارے

فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ⑬

دین میں تب حکم بھیجا اُن کو، رب اُن کے لئے کھادیئے ان ظالموں کو

وَلَنَسِيطَنَّكَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ

اور بسا دیں گے تم کو اس زمین میں اُن کے پیچھے یہ ملتا ہے اس کو جو ڈرا



مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۱۳) وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ

کھڑے ہونے سے میرے سامنے اور ڈرامیر ڈرے اور فیصلہ لگے مانگنے اور نامراد ہوا جو

جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۱۵) مِّنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ

سرکش تھا ضد کرنے والا پیچھے اس کے دوزخ ہے اور پلاویں گے اس کو پانی

صَدِيدٍ ۱۶) يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ

پیپ کا گھونٹ گھونٹ لیتا ہے اس کو اور گلے سے نہیں اُتار سکتا اور چلی آتی ہے

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ

اس پر موت ہر جگہ سے اور وہ نہیں مرنے والا اور اس کے پیچھے مار ہے

غَلِيظٌ ۱۷)

گاڑھی

تذکیر بایام اللہ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُوءُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ.... اِلَى.... وَمِنْ وَرَائِهِمْ عَذَابٌ غَلِيظٌ
 ربط، گزشتہ آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ، کہ لوگوں کو اللہ کے دین یعنی
 اس کے معاملات کی یاد دلاؤ کہ کس طرح اللہ نے انبیاء سابقین کے کذبین اور منکرین کو ہلاک کیا تاکہ یہ
 منکرین ان سے عبرت پکڑیں ان آیات میں پہلی امتوں کا حال اور مال یاد دلاتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء
 کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور پھر خدا نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا گزشتہ قوموں نے اپنے مال و دولت
 پر بھروسہ کرتے ہوئے انبیاء کی تحقیق و تذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا اور انبیاء کرامؑ نے اپنے پروردگار
 پر بھروسہ کیا جس کا انجام یہ ہوا کہ انبیاء کرام اور ان کے اصحاب و احباب نے نجات پائی اور ان کے
 دشمن عذاب خداوندی سے ہلاک ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں کیا تم کو ان لوگوں کی ہلاکت کی خبر نہیں
 پہنچی جو تم سے پہلے تھے یعنی قوم نوح اور عاد قوم ہود اور ثمود قوم صالح کی اور ان قوموں کی جو ان تینوں
 قوموں کے بعد گزریں جن کے مفصل حالات اور تعداد کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا مطلب یہ
 ہے کہ تم کو ان کے حال سے عبرت پکڑنی چاہیئے یہ کلام یا تو موسیٰ علیہ السلام کے کلام کا تتمہ ہے یا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگوں کو خطاب ہے اور ان قوموں کی خبر ان لوگوں میں معروف اور متواتر تھی اور ان کا آغاز اور انجام ان کو معلوم تھا اس لیے ان کو یاد دلایا تاکہ عبرت پکڑیں اللہ تعالیٰ نے ان کا عبرت ناک حال اس طرح بیان کیا کہ ان کے رسول ان کے پاس اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر آتے پس ان کی قوموں نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا۔

(۱) کہ اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں دے دیتے کہ چپ رہو اور کوئی حرف اس قسم کا منہ سے نہ نکالو یا یہ معنی ہیں کہ قوموں نے تعجب سے اپنے منہ میں دے دیتے یعنی انگشت بندھاں ہو گئے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں۔

(۲) اور یہ کہا کہ ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جو تم دے کر بھیجے گئے ہو یعنی جس چیز کو تم اپنے زعم میں پیغام خداوندی بتلاتے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

(۳) اور جس راہ کی طرف تم ہم کو بلا تے ہو اس کے بارہ میں ہم شک میں ہیں جس نے ہم کو قتل اور اضطراب میں ڈال دیا ہے اور اس شک کا منشاء صرف ان کی جہالت اور بے خبری اور اغراض فاسدہ تھیں اس لیے رسولوں نے ان کے جواب میں کہا، کیا تم کو اللہ کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے یعنی یہ آسمان اور زمین تمہاری نظروں کے سامنے ہیں جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ یہ اتنی بڑی عمارت خود بخود تو بن کر کھڑی نہیں ہو گئی یہ عجیب و غریب آفرینش اس کے صانع کی ہستی پر شاہد ہے پس جس خداوند ذوالجلال کا وجود اور ہستی اس قدر بدیہی ہے اس کا کیوں انکار کرتے ہو اب اس کے بعد اس کی کمال رحمت کو بیان کرتے ہیں وہ خدا تم کو ایمان اور ہدایت کی طرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کرے اور تاکہ تمہیں ایک مدت معینہ تک جہالت سے اور دنیا میں تم پر عذاب نہ کرے اس جواب پر قوم کفار کے لوگ بولے اور تین شبے پیش کیے۔

بہلاشبہ

تو یہ کیا کہ تم ہم جیسے ایک آدمی ہو اور تمام انسان ماہیت انسانیہ اور حقیقت بشریہ میں مساوی اور برابر ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان تو اللہ کا رسول ہو جائے اور دوسرا اس پر ایمان لائے اور اس کا پیرو بنے تم صورت اور ہیئت میں ہم جیسے ہو تم کو ہم پر کیا فضیلت اور برتری ہے جو ہم تمہاری پیروی کریں۔

دوسراشبہ

یہ کیا کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طریقہ پر پایا اور تم یہ چاہتے ہو کہ ہم کو ان چیزوں کی پرستش

سے روک دو جن کو ہمارے آباد اجداد پوجتے تھے ہم تمہارے کہنے سے اپنے آبائی طریقہ کو کیسے چھوڑیں۔

تیسرا شبہ

یہ تھا کہ اگر تم دعوائے نبوت و رسالت میں سچے ہو تو ہمارے سامنے ایسی روشن دلیل لاؤ جس کو ہم بھی تسلیم کریں مطلب یہ تھا کہ تم نے جو معجزات ہم کو دکھلائے ہیں ان پر ہم مطمئن نہیں ایسے معجزات قاہرہ دکھلاؤ جن کو دیکھ کر آدمی ایمان لانے پر مجبور ہو جائے۔

رسولوں کا جواب

ان کے رسولوں نے ان کے جواب میں ان سے کہا کہ تمہارے یہ تینوں شبہ بھلے ہیں۔

پہلے شبہ کا جواب

بے شک ہم تم جیسے بشر ہیں یعنی صورت اور ہیئت میں بلاشبہ تمہاری طرح ہیں اس سے ہم انکار نہیں کرتے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور نبوت و رسالت سے اس کو سرفراز کرتا ہے جنس انسانیت میں شریک ہونے سے یہ لازم نہیں کہ اس جنس کے تمام افراد فضائل و کمالات میں برابر ہو جائیں صورت اور ہیئت کے اعتبار سے عاقل اور غافل، جاہل اور فاضل سب برابر ہیں پس جس طرح ایک جنس کے افراد میں فضائل جسمانیہ کے اعتبار سے تفاوت ممکن ہے اسی طرح فضائل روحانیہ میں بھی تفاوت ممکن ہے جاہلوں نے انبیاء کی صورت و شکل دیکھ کر یہ خیال کر لیا کہ ہم اور وہ یکساں ہیں حالانکہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دوسرے شبہ کا جواب

اور اسی سے دوسرے شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ حق و باطل کی تمیز اور صدق و کذب کا فرق یہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے اس کو عطا کرتا ہے اور ایک کثیر جماعت کو اس سے محروم کرتا ہے تمہارے آباد اجداد جاہل اور نادان تھے اور بے بصیرت تھے ان کو حق و باطل کی تمیز نہ تھی اور جاہلوں کا اتفاق کسی عاقل پر محنت نہیں۔ (تفسیر کبیر ص ۲۳۴)

تیسرے شبہ کا جواب

کفار کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ ہم تمہارے ان پیش کردہ معجزات پر مطمئن نہیں ہماری خواہش کے مطابق معجزات لاؤ اس کا جواب دیتے ہیں اور ہماری طاقت نہیں کہ ہم بغیر اللہ کے حکم کے تمہارے پاس کوئی دلیل اور برہان لے آئیں یعنی تمہاری فرمائشیں پوری کرنا ہماری قدرت اور اختیار میں نہیں۔ باقی ہم اپنی نبوت کی سند اور روشن نشان پہلے دکھلا چکے ہیں وہ اطمینان کے لیے کافی اور دانی ہیں ضد اور عناد کا علاج ہمارے پاس نہیں حضرات انبیاء نے جب کفار کو ان کے شبہات کے شافی اور کافی جواب دے دیئے اور کفار ان کے جواب با صواب سے لاجواب ہو گئے تو جہالت اور نادانی پر اتر آئے اور انبیاء کرام کو ڈرانے دھکانے لگے تو حضرات انبیاء کرام نے کہا کہ ہم تمہاری تحویف سے خائف نہیں تم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے اور ہم کو کیا ہوا کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اسی نے ہم کو نجات اور ہدایت کی راہیں بتلائی وہی ہم کو تمہارے شر سے بچائے گا اور خدا کی قسم ہم ضرور صبر کریں گے اس ایذا پر جو تم ہم کو پہنچاتے ہو اور توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے سب کچھ اسی کے ہاتھ میں ہے اس تمام تر اتمام حجت کے بعد بھی کفار نرم نہ ہوئے بلکہ اور گرم ہو گئے اور کفار اپنی طاقت کے غرور میں رسولوں سے یہ کہنے لگے کہ اپنے توکل کو تو رہنے دو اور سن لو کہ البتہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے یا تو تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ۔ جاننا چاہیے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے کبھی اپنی قوم کے دین پر قائم نہیں ہوئے جن کو یہ کہا جاسکے کہ تم ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ انبیاء کرام شروع ولادت سے لے کر شرک اور کفر کی آلودگی سے ہمیشہ پاک رہے ہیں بلکہ اصل یہ ہے کہ انبیاء کرام نبوت سے پہلے انہی کے ساتھ رہتے تھے اور قبل از بعثت ان کو تبلیغ و دعوت نہیں کرتے تھے اس لیے وہ لوگ انبیاء کو اپنا ہم مذہب جانتے تھے اور بعثت کے بعد جب انبیاء قوم کو اللہ کے احکام سناتے تو وہ لوگ یہ سمجھتے کہ اب یہ ہمارے دین سے پھر گئے اور ان کو دھمکی دیتے کہ یا تو ہمارے مذہب میں آ جاؤ ورنہ ہم تم کو اپنے ملک سے نکال دیں گے جس طرح قوم شعیب نے کہا تھا لَخُرْجُوكَ يَشْعِيبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَوْمِنَا۔ اور جس طرح قوم لوط نے کہا تھا اَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَوْمِنَا۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کے حال سے خبر دی ہے وَ اِنَّ كَاذِبًا لَّيُفْتَنُ قَوْمًا مِنَ الْمَدْيَنَ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذَا لَا يَلْبَثُوْنَ خِلْفَاكَ اِلَّا قَلِيْلًا۔ وَاِذْ يَمْكُورُ بِكَ الْذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُورُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبل از بعثت اپنی ملت پر سمجھتے تھے اسی وجہ

سے آپ کو صابی کہتے تھے یعنی آبائی دین سے پھر جانے والا کہتے تھے اور آپ کے قتل کے درپے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قتل مرتد کا مسئلہ کافروں کے نزدیک بھی مسلم ہے۔

خداوند عالم کی طرف سے جواب

کافر جب خدا کے پیغمبروں کو اس قسم کی دھمکیاں دینے لگے تو وحی بھیجی رسولوں کے رب نے کہ تم کافروں کے اس کہنے سے کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے خوف مت کرو البتہ تحقیق ہم انہی ظالموں کو ہلاک اور تباہ کریں گے اور ان کے ہلاک کرنے کے بعد تمہارے متبعین کو اس زمین میں بسائیں گے کما قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الرُّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ وَأَوْثَرْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضَعُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَكَلَّمَ رَبِّكَ الْخُسْفَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَرْنَا مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ۔

آگے فرماتے ہیں میری طرف سے یہ وعدہ اس شخص کے لیے ہے جو قیامت کے دن میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرے کہ اپنے پروردگار کو کیا منہ دکھاؤں گا اور میرے عذاب سے بھی ڈرے اس قسم کا خوف دینی اور دنیوی کامیابی کی علامت ہے۔

انبیاء اور ان کی قومیں خدا سے فیصلہ چاہنے لگے انبیاء اپنی فتح کے طلب گار ہوئے اور کافرا اپنی فتح کے طلب گار ہوئے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ نوح علیہ السلام نے دعا مانگی فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتَحْنَا وَنَجَّيْنَا أُرْلُوطَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے یہ دعا مانگی رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ اور شعیب علیہ السلام نے یہ دعا مانگی رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَغِيْرُ غَرَضِ يَہ کہ انبیاء نے اپنی فتح کی دعا مانگی اور کافروں نے اپنی فتح کی دعا مانگی اَللّٰهُمَّ اِنَّا كَانَتْ هٰذِهِ

مملہ واستفتحوا کی ضمیر میں دو قول مشہور ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر رسولوں کی طرف راجع ہے کہ رسولوں نے اپنے رب سے اپنی فتح چاہی اور ایک قول یہ ہے کہ ضمیر کفار کی طرف راجع ہے کہ کفار جہل مرکب میں مبتلا تھے اور ازراہ تمرد و عناد فیصلہ چاہتے تھے کما قال اللہ تعالیٰ حَاكِبَا عَنْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كَانَتْ هٰذِهِ هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمِطْ عَلَيْنَا حِجَابَهُ مِنَ السَّمَاءِ اَوْ اُنْزِلْنَا بِعَذَابِ اَلَيْمٍ اور تیسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر انبیاء اور کفار دونوں کی طرف راجع ہے انبیاء نے اپنے لیے فتح طلب کی اور کافروں نے اپنے لیے فتح طلب کی (دیکھو روح المعانی ص ۱۸۰ جلد ۱۳)

هُوَ الْحَقُّ مَنْ عِنْدَكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا جَرَّةً مِّنَ السَّمَاءِ اَوْ اُثْنِا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ غرض یہ کہ دونوں طرف سے فیصلہ کی جلدی ہونے لگی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کن عذاب نازل کر دیا اور جب وہ فیصلہ کن عذاب آیا تو انبیاء و رسل تو کامیاب ہوئے اور ہر کس معاند نامراد ہوا یہ تو دنیا میں ہوا اور اس کے علاوہ اس کے آگے دوزخ ہے اور وہاں اس کو پینے کے لیے پیپ ہو دیا جائے گا جو کافروں کی کھال وغیرہ سے بہہ کر جمع ہوگا جب وہ پیاس سے بے تاب ہوگا تو یہی کچھ لو اس کو پینے کو دیا جائے گا وہ اسے بد مزگی اور بدبو اور حرارت کی وجہ سے گھونٹ گھونٹ کر کے پیتے گا اور بآسانی اس کو گلے سے نہیں اتار سکے گا لیکن چار و ناچار شدت پیاس کی وجہ سے مشکل اس کو اتارے گا ترمذی میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کے آگے صدید پیپ پیش کی جائے گی وہ اس سے کراہت کرے گا جب اس کے منہ کے قریب کی جائے گی تو اس کا چہرہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال اتر کر گر پڑے گی اور جب پی جائے گا تو اس کی آنتیں کٹ کر پاخانہ کی راہ سے نکل پڑیں گی اور پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وَ اِنَّ يَسْتَعْجِلُوْا يَخَالُوْا اِمْصَارًا كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ سَاءَتْ مُوْتَقِنًا (رواہ احمد و سنن ابی داؤد) اور دوسری جگہ ہے وَ سَقُّوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعْ اَمْعَاكُهُمْ غرض یہ کہ جب کافر جہنم میں پیاس سے بے تاب ہوگا تو اس کو پیپ جیسا پانی پلایا جائے گا اور ہر طرف سے اس کو موت آگھرے گی یعنی موت کی کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے گی جو اس کو نہ آوے مگر وہ مرنے والا نہیں کہ سر کران تکلیف اور شدائد سے نجات پا جائے کما قال اللہ تعالیٰ لَا يُقْضٰی عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِہِمَا۔

آنتیں بھی کٹ کر گریں گی اور کھال بھی سر کر گریں گی مگر موت نہیں آئے گی بلکہ بدستور کھال اور آنتیں بحال کر دی جائیں گی تاکہ ہر بار اس کو نیا عذاب دیا جاسکے اور جس عذاب کا وہ دنیا میں منکر تھا ابد الابد تک مزہ چکھتا رہے اور اس کے آگے اور سخت عذاب ہے جو ہر لحظہ شدید اور حدید ہوتا رہے گا جس کی کوئی انتہا نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّہِمۡۤ اَعْمَالُہُمۡ كَرَمَادٍ

احوال ان کا جو منکر ہوئے اپنے رب سے، ان کے کئے جیسے راکھ

اَشْتَدَّتْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ لَا یَقْدِرُوْنَ

زور کی چلی اس پر باؤ دن آندھی کے کچھ ہاتھ میں نہیں

مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ ①

اپنی کمائی میں سے یہی ہے دور بہک پڑنا

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنَّ

تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے بنائے آسمان و زمین جیسے چاہیے اگر

يَشَآئِدْ هَبْكُمۡ وَيَاۤتٍۭ بِخَلْقٍۭ جَدِيۡدٍ ۝۱۹ وَمَا ذٰلِكَ

چاہے تم کو لے جاوے اور لاوے کوئی پیدائش نئی اور یہ اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ۝۲۰

مشکل نہیں

مثال اعمال کفار

قال اللہ تعالیٰ، مَثَلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡۤ اَعْمَآلُہُمۡ كَوْمَآدٍ مِّنۡ اِلَیٍّ... وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِيزٍ
 (ربط) اور کافروں کے انواع عذاب ذکر تھا اب انکے اعمال کے خاتم ہونے کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ جس طرح آندھی والے دن تیز آندھی سے راکھ اڑ
 جاتی ہے اور اسکا کچھ نام و نشان باقی نہیں رہتا اسی طرح کافروں کے اچھے اعمال جیسے صدقات جو انہوں نے بحالت کفر دیئے وہ قیامت کے دن
 کفر کی تیز آندھیوں سے سب اڑ جائیں گے اور کسی عمل کا نام و نشان نہ رہے گا اسوقت انکی حسرت کی حالت ناگفتہ بہ ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں جنہوں نے
 اپنے پروردگار کا انکار کیا ان کے اعمال صالحہ خیرات و صدقات مثلاً اس راکھ کے ہیں جس پر سخت آندھی
 کے دن تیز ہوا چلی اور اس راکھ کو اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا اسی طرح قیامت میں کفران کے نیک عملوں کو
 اڑا کر پرانگندہ کر دے گا اور جس طرح کوئی شخص اس پرانگندہ راکھ کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتا اسی طرح قیامت
 کے دن یہ کافر قادر نہ ہوں گے کہ دنیا میں جو کمایا ہے اس میں سے کچھ حاصل کر سکیں راکھ کی طرح سب اڑ
 جائیں گے کسی کا کہیں نام و نشان نظر نہ آئے گا یہی وہ گمراہی ہے جو حق سے بہت دور ہے اور حد درجہ
 کا خسارہ ہے کہ جن اعمال کو ذریعہ قرب و نجات سمجھتے تھے وہ راکھ کی طرح اڑ گئے کیا تو نے نہیں دیکھا اے
 دیکھنے والے یا نہیں جانا تو نے اے جاننے والے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ
 پیدا کیا ہے کسی حکمت کے لیے بنایا ہے بے کار نہیں بنایا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین اور
 کواکب کو تیرے چند روزہ فائدہ اٹھانے کے لیے بنایا ہے ہرگز نہیں بلکہ بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے ان
 میں سے ایک یہ ہے کہ تو آسمان و زمین دیکھ کر اس کی قدرت اور عظمت و جلال کا اندازہ لگا لے اور اس
 کے نظام کو دیکھ کر سمجھ لے کہ یہ سارا کارخانہ کسی قادر قیوم کے حکم اور قیومی سے چل رہا ہے جب چاہے
 فنا کر دے وہ اگر چاہے تو تمام بنی آدم کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ زمین پر دوسری نئی مخلوق لے آئے
 جو تمہاری جیسی مشرک اور نافرمان نہ ہو یہ امر اللہ پر کچھ مشکل نہیں اور جب وہ ایسا قادر مطلق ہے

تو اسے قیامت قائم کرنا اور تم کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے لہذا سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ تم کو ہلاک کر دے اور تمہاری زمین اور ملک پر انبیاء اور ان کے متبعین کو قابض اور متصرف بنادے

وَبَرِّزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ

اور سامنے کھڑے ہوں گے اللہ کے سارے پھر کہیں گے کمزور

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَاَهْلَ اَنْتُمْ

بڑائی والوں کو ، ہم تھے تمہارے پیچھے سو کچھ

مُغْنَوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ طَقَالُوا لَوْ

بچاؤ گے تم ہم سے مار اللہ کی ؟ وہ بولے ، اگر راہ پر لاتا

هَذَا نَا اللَّهُ لَهْدَيْنَكُمُ سَوَاءٌ عَلَيْنَا اَجْرُ عَنَّا اَمْ صَبَرْنَا

ہم کو اللہ، البتہ ہم تم کو راہ پر لاتے اب برابر ہے ہمارے حق میں ہم بے قراری

مَا كُنَّا مِنْ مُّحِيصٍ ۝۲۱

کریں یا صبر کریں ہم کو نہیں خلاصی

قیامت کے دن کفار کی باہم گفتگو اور پیشوایان کفر کی ذلت اور ہدایت کا ذکر

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، وَبَرِّزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا..... اِلٰی..... اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مُّحِيصٍ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں پیغمبروں کے انکار کی سزا کا ذکر تھا اب قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو کا ذکر ہے کہ قیامت کے دن کفار اپنے پیشواؤں سے کہیں گے کہ ہم دنیا میں تمہارے پیرو تھے کیا آج کے دن تم ہم کو عذاب سے بچا سکتے ہو وہ انکار کر دیں گے کہ آج ہم تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے اور یہ عذر کریں گے کہ ہم خود گمراہ تھے اگر ہم راہ راست پر ہوتے تو تمہیں کیوں گمراہ کرتے چنانچہ فرماتے ہیں، اور سب مومن اور کافر اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے اور قبروں سے نکل کر خدا کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور اور کم درجے کے کافران لوگوں سے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے یہ کہیں گے کہ تحقیق ہم دنیا میں تمہارے

تابع تھے تمہارے کہنے سے ہم نے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا تو کیا آج تم ہم سے اللہ کے عذاب میں سے کسی چیز کو دفع کر سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آسکتے ہو تو وہ پیشوایان کفر عذر خواہی کے طور پر جواب میں یہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت اور توفیق دیتا تو ہم تم کو بھی سیدھے راستے پر لے چلتے چونکہ ہم خود گمراہ تھے اس لیے ہم نے تم کو گمراہی کی طرف بلایا اب یہ تمہارا قصور ہے کہ تم نے آنکھ بند کر کے ہمارا کہنا مانا اور اللہ کے رسولوں کو نہ مانا اور اب ہم اور تم سب مبتلائے بلا ہیں ہم سب کے حق میں برابر ہے کہ ہم خواہ اضطراب اور بے قراری ظاہر کریں یا صبر کریں دونوں حالتوں میں ہمارے لیے عذاب سے چھٹکارا نہیں یہ دار جزاء ہے یہاں رنج و غم سے کچھ نہیں ہونا جو فیصلہ ہو چکا ہے وہ اٹل ہے اور بعض مفسرین یہ کہتے ہیں کہ یہ گفتگو جہنم میں جانے کے بعد ہو گی جیسا کہ دوسری آیت میں اس کی تصریح آئی ہے **وَإِذْ يَتَحَاوَنُ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعْفُو الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِّنَ النَّارِ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلُّ فِرْصَةٍ مِنَ اللَّهِ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ بَيْنَ الْمِيَدَانِ** حشر میں باہمی مخالفت کا ذکر ان آیتوں میں ہے: **وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْجَعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ الْقَوْلَ يَقُولُ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتَضَعُّوا أَمْ نَحْنُ صَدَنُكُمْ عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ وَقَالَ الَّذِينَ اسْتَضَعُّوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكُوا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُمْ آندَادًا وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝**

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ

اور بولا شیطان، جب فیصل ہو چکا کام، اللہ نے

اللَّهُ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ وَعَدْتُكُمْ

تم کو دیا تھا سچا وعدہ اور میں نے وعدہ دیا

فَاخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

پھر جھوٹ کیا اور میری تم پر حکومت نہ تھی مگر میں

إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي

نے تم کو بلایا، پھر تم نے مان لیا سو مجھ کو مت الزام دو،

وَلَوْ مَوَّأَ أَنْفُسَكُمْ ط مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ

اور الزام دواپنے تیں ۔ نہ میں تمہاری فریاد پر پہنچوں نہ تم میری

بِمُصْرِخِي ط إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ط

فریاد پر پہنچو ۔ میں نہیں قبول رکھتا جو تم نے مجھ کو شریک ٹھہرایا تھا پہلے

إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۲۲) وَأُدْخِلَ الَّذِينَ

البتہ جو ظالم ہیں ان کو دکھ کی مار ہے اور داخل کیے گئے جو لوگ

أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

ایمان لاتے تھے اور کام کیتے تھے نیک، باغوں میں بہتی نیچے اُن کے

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ط تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا

ندیاں، رہا کریں ان میں اپنے رب کے حکم سے اُن کی ملاقات ہے

سَلَامٌ ۲۳)

وہاں سلام

جہنم میں شیطان کی تقریر

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ..... إِلَى..... كَهُمْ عَذَابُ أَلِيمٍ (ربط) گزشتہ آیات میں ضعفاء کفار کی اپنے رئیسوں اور سرداروں سے باہم گفتگو کا ذکر تھا اس آیت میں شیطان کی گفتگو کا ذکر ہے جو تمام کافروں کا رئیس اور سردار ہے شیطان اس وقت جو تقریر کرے گا حق تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا ذکر کیا ہے جب اہل جنت جنت میں اور اہل نار دوزخ میں پہنچ جائیں گے تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر متفقہ طور پر ابلیس کو لعنت ملامت کریں گے کہ تو نے ہم کو تباہ و برباد کیا تو اس وقت ابلیس کھڑا ہوگا اور الزام دفع کرنے کے لیے (آگ ملے کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ دے گا) یہ وقت کافروں

ملہ آگ کے منبر کا ذکر تفسیر قرطبی ص ۳۵۶ جلد ۹ اور صاوی حاشیہ جلالین ص ۲۸۲ جلد ۲ میں ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

پر عجیب مصیبت کا ہو گا ان کا سردار ہی ان کو صاف جواب دے دے گا۔

کافروں کے اس حال بدآل کے بعد حق تعالیٰ، وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي طُورٍ مقابلہ اہل ایمان کی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ اشقیام کے بعد سعادت کا حال و حال ذکر کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور جب حساب و کتاب کے بعد کام فیصل ہو چکے گا یعنی دوزخی دوزخ میں اور جنتی جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے تو سب دوزخی جمع ہو کر شیطان کو لعنت ملامت کریں گے تو اس وقت ابلیس آگ کے ایک منبر پر کھڑا ہو کر کہے گا اے بدبختو! اور مجھے ملامت کرنے والو تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا کہ قیامت اور حشر و نشر اور حساب و کتاب اور جزاء و سزا حق ہے اور جو کفر کرے گا وہ ہلاک ہو گا اور جو ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا پس خدا کے اس سچے وعدہ کا تم نے آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا کہ اس حیات دنیوی کے بعد کوئی حیات اور حساب و کتاب نہیں پس میں نے تم کو الٹا وعدہ دیا تھا یعنی میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا آج بالکل اس کا الٹ نکلا اور میرا تمہارے اوپر کوئی زور نہ تھا یعنی تم مجھے کس لیے ملامت کرتے ہو تم پر میرا کوئی زور اور زبردستی نہ تھی کہ جبراً او قہراً میرے حکم پر چلو اگر تم میرا کہنا نہ مانتے تو میں تمہارا کیا کر سکتا تھا تم نے میرا حکم اپنے مزہ کیلئے مانا اب عذاب بھی مجھ کو میری طرف سے صرف اتنی بات ہوئی کہ میں تم کو بطریق دوسو سہائی طرف بلایا نہ میرے پاس کوئی دلیل اور حجت تھی اور نہ کوئی طاقت قوت تھی کہ تم کو زور دے دوں یا تمہاری کسی قہر اور غلبہ کے اور بغیر کسی حجت اور دلیل کے محض بطریق دوسو سہائی کی ظاہری آرائش اور زیبائش تمہاری نظروں کے سامنے کر دی پس تم نادانوں نے فوراً میرا کہنا مان لیا اور انبیاء و رسل جنہوں نے طرح طرح کے سچے و براہین تمہارے سامنے پیش کیے اور طرح طرح کی آیات و سیئات تم کو دکھلائی تم نے ان کا کہنا نہ مانا پس آخر تمہارا یہ انجام ہوا پس تم مجھے ملامت نہ کرو اور اپنی جانوں کو ملامت کرو کہ تم نے دلیل اور براہین کو چھوڑ کر میری بے دلیل باتوں کو مان لیا اس وقت تم ایسے اندھے کیوں ہو گئے تھے کہ بے دلیل میرے پیچھے لگ لیے جماعت تمہاری ہے مجھے کیوں ملامت کرتے ہو میری طرف سے تو فقط دعوت تھی اور اصل علت عذاب از نکاب معصیت ہے جو تمہارا اختیاری فعل ہے لہذا آج نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو تم دونوں عذاب دائمی میں رہیں گے تحقیق میں بری اور بے زار ہوں اس سے کہ تم نے پہلے دنیا میں مجھے اللہ کا شریک قرار دیا میں اللہ کا شریک نہیں مطلب یہ ہے کہ تم جو دنیا میں اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے آج میں تمہارے اس اعتقاد سے بری اور بے زار ہوں میرا تم سے کوئی تعلق نہیں بے شک جو ظالم یعنی مشرک ہیں ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے آیات کے ظاہر سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کا یہ خطبہ کافروں کے جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہو گا لیکن بعض احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں فیصلہ ہو جانے کے بعد اور اہل ایمان کے جنت میں جانے اور کافروں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہو گا اور وہ حدیث یہ ہے کہ عقبہ بن عامرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو جمع کر کے فیصلہ کر دے گا اور خدا کے رسول شفاعت سے فارغ ہو جائیں گے تو کفار کہیں گے کہ مومنوں نے تو اپنا شفیع پالیا یعنی آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کو پالیا جو ان کے لیے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کریں گے کاش ہمارا کوئی سفارش ہو جاتا کفار کہیں گے سوائے ابلیس کے کون ہے جو ہماری سفارش کرے جس نے ہم کو گمراہ کیا پس کفار جمع ہو کر ابلیس کے پاس آئیں گے اور کہیں گے تم ہمارے پیشوا ہو تم ہمارے واسطے اٹھو کیونکہ تمہیں نے ہم کو یہ راہ بتلائی تھی پس وہ اپنے مقام سے اٹھے گا اور اس کی مجلس سے ایسی سخت بدبو اٹھے گی جو کس نے اس سے پہلے نہ سونگھی ہوگی اور پھر گریہ زاری اور چیخ و پکار بلند ہوگی اس وقت شیطان اٹھے گا اور یہ کہے گا اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ اور اس طرح ان سے اپنی بیزاری ظاہر کرے گا ابلیس کے اس خطبہ سے کفار کی کمر ٹوٹ جائے گی اور دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۲۵۶ جلد ۹ و تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۹ جلد ۲)

اہل سعادت کے حال و حال کا ذکر

وَأَدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا... إلخ... تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ

رابطہ اوپر کی آیتوں میں اشیاء کا حال اور مال بیان کیا اب اہل سعادت کا حال اور مال بیان کرتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کی آپس کی دعا۔ ملاقات سلام ہوگی جس سے اس امر کا اظہار مطلوب ہوگا کہ وہ ہمیشہ ہر آفت سے سلامت رہیں گے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً

تو نے نہ دیکھا؟ بیان کی اللہ نے ایک مثال، ایک بات ستمی

كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿٢٣﴾

جیسے ایک درخت ستھرا اس کی جڑ مضبوط ہے، اور ٹہنی آسمان میں

تَوَاتَى أَكْطَاهَا كُلٌّ حِينَ يُأْذِنُ رَبُّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ

لاتا ہے پھل اپنا ہر وقت پر اپنے رب کے حکم سے اور بیان کرتا ہے

الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَثَلُ

اللہ کہاوتیں لوگوں کو، شاید وہ سوچ کریں اور مثال

كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ

گندی بات کی، جیسے درخت گندا، اکھاڑ لیا اوپر سے

الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۖ يَثْبُتُ اللَّهُ الَّذِينَ

زمین کے کچھ نہیں اس کو ٹھہراؤ مضبوط کرتا ہے اللہ

أَمَنُوا بِالنُّقُولِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي

ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور

الْآخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ۖ وَيَفْعَلُ اللَّهُ

آخرت میں اور بھلا دیتا ہے اللہ بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ

مَا يَشَاءُ ۚ

جو چاہے

مثال کلمہ ایمان و کلمہ کفر، و ذکر سوال قبر

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى أَلَمْ تَوْكَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً... إِلَى... وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ
 (رابطہ گزشتہ آیات میں کافروں اور مومنوں کے اخروی نتائج کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں کلمہ ایمان اور کلمہ کفر کی مثال بیان فرماتے ہیں اور عالم برزخ میں اس کا اثر اور ثمر بیان کرتے ہیں تاکہ کلمہ توحید کی فضیلت اور کلمہ کفر کی قباحت ظاہر ہو۔)

اس آیت میں کلمہ طیبہ سے کلمہ لا الہ الا اللہ مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث میں اس کی تصریح ہے اور محمد رسول اللہ اکے تابع ہے وہ بھی مراد ہے کیوں کہ ملزوم کے ساتھ لوازم کا ہونا ضروری ہے مگر چونکہ اہل ایمان اس امت سے پہلے بھی گزرے ہیں جو ایمان اور فضائل ایمان میں ان کے ساتھ شریک ہیں سب لا الہ الا اللہ کہتے تھے مگر لا الہ الا اللہ کا قرین ہر امت میں بدلتا رہا ہے کوئی لا الہ الا اللہ کے ساتھ نوح نبی اللہ کہتا تھا کوئی ابراہیم خلیل اللہ کہتا تھا اور کوئی موسیٰ کلیم اللہ کہتا تھا اور کوئی عیسیٰ روح اللہ کہتا تھا اور ہم محمد رسول اللہ کہتے ہیں غرض یہ کہ کلمہ رسالت جملہ قبلہ ہے ہر امت میں بدلتا رہا ہے اور کلمہ لا الہ الا اللہ غیر متبدل ہے جس میں تمام اہل ایمان داخل ہیں وادیان مشترک ہیں اس لیے اکثر احادیث میں لا الہ الا اللہ

براکتفا کیا گیا باقی مراد وہی پورا کلمہ ہے یعنی مع اپنی قرین اور لازم کے مراد ہے لا الہ الا اللہ تو سب میں مشترک ہے مگر لا الہ الا اللہ کا قرین ہر امت مسلمہ کا الگ الگ ہے اور چونکہ اصل کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ ہے اور محمد رسول اللہ اس کا قرین ہے اس لیے حضرات صوفیہ جب ذکر کی تلقین کرتے ہیں تو یہ فرماتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر مثلاً اتنی مقدار میں کیا کرو اور کبھی کبھی محمد رسول اللہ بھی کہہ لیا کرو تاکہ تابع اور متبوع کا فرق اور حق ادا ہو جائے اور وجہ یہ ہے کہ ذکر تو اللہ کا حق ہے اور نبی کا حق درود ہے جس کا قرآن میں حکم آیا ہے لہذا لا الہ الا اللہ تو ذکر ہے اور محمد رسول اللہ کلمہ تجدید ایمان کے لیے ہے اب آیت کی تفسیر پڑھیے۔

کیا نہیں دیکھا تو نے اے دیکھنے والے؟ اور کیا نہیں جانا تو نے اے جاننے والے؟ کہ اللہ نے کلمہ توحید اور کلمہ شرک کی کیسی عجیب اور عمدہ مثال بیان کی ہے کلمہ طیبہ یعنی کلمہ توحید و اسلام ایک نہایت ہی پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کا پھل غایت درجہ لذیذ اور مفید ہے شجرہ طیبہ سے کھجور کا درخت مراد ہے جو اپنے بے شمار منافع کی وجہ سے اطیب الاشجار ہے اور وہ پاکیزہ درخت ایسا ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے یعنی اس کی جڑ زمین میں جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں ایسی بلند ہیں کہ آسمان میں پہنچ رہی ہیں اسی طرح کلمہ طیبہ کی جڑ مومن کے قلب میں جمی ہوئی ہے پس مومن کا قلب بمنزلہ زمین کے ہے اور ایمان اور اعتقاد توحید جو اس میں راسخ ہے وہ کلمہ ایمان کی جڑ ہے اور اعمال صالحہ اس شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں جو آسمان قبولیت تک پہنچ رہی ہیں اور اس معتقد کے لیے بلندی اور رفعت کا سبب بن رہی ہیں اور انہی اعمال صالحہ کو حدیث میں ایمان کے شعبوں سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ پاکیزہ درخت ہر وقت اپنے پروردگار کے حکم سے پھل دیتا رہتا ہے یعنی دن رات ہر موسم میں قسم قسم کے پھل دیتا رہتا ہے کبھی اس کا پھل منقطع نہیں ہوتا اسی طرح مومن کا عمل ہے کہ آسمان پر چڑھتا ہے یعنی قبول ہوتا ہے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں اور اس کا ثواب کبھی منقطع نہیں ہوتا اس کا ثواب ہر وقت مومن کو پہنچتا رہتا ہے اس ناپسندیدہ گمان یہ ہے کہ اصلہا ثابت سے ایمان کی طرف اشارہ ہے اور کونہا فی السماء سے اسلام کی طرف اشارہ ہے اور توتی اکلہا کل حیث سے مقام احسان اور اخلاص کی طرف اشارہ ہے یعنی ان انوار و برکات کی طرف اشارہ ہے جو صدق ایمان اور اعمال صالحہ سے حاصل ہوتے ہیں یہ انوار و برکات شجرہ ایمان کے ثمرات طیبہ ہیں جو عالم غیب سے ہر وقت اس کو پہنچتے رہتے ہیں اور عجب نہیں کہ توتی اکلہا سے وہ فواکہ اور ثمرات مراد ہوں جو جنت میں اعمال صالحہ پر مرتب ہوں گے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ غراسھا الجنة یا توتی اکلہا سے قرب خداوندی اور رضائے الہی کے ثمرات مراد لیے جائیں جو دائمی ہیں اور انقطاع کا ان میں احتمال نہیں اور اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں کیونکہ مثال امر مستور کو محسوس کے قریب بنادیتی ہے اور صورت کے آئینہ میں معنی کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

یہ تو کلمہ طیبہ کی مثال ہوئی جو عقل کا درخت ہے اب آگے کلمہ خبیثہ کی مثال بیان فرماتے ہیں

جو نفسانی شہوات و لذات کا خبیث اور گندہ اور بدبودار درخت ہے اور کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت خراب اور گندہ درخت ہو اور ایسا کمزور ہو کہ وہ ذرا سی حرکت میں زمین کے اوپر سے اکھاڑ پیا جائے اور اس کے لیے زمین میں کچھ قرار اور ثبات نہیں اس لیے شاخوں اور پھلوں کا ذکر تو فضول ہے کلمہ کفر کو شجرہ خبیثہ کے ساتھ تشبیہ دینے میں اشارہ اس طرف ہے کہ کفر کا وجود تو ہے مگر معتد بہ اور پایدار وجود نہیں اس لیے کفر کا دعویٰ کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں دعویٰ بے دلیل ہے اس کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں اسی وجہ سے اس کی شاخوں اور پھلوں کا ذکر نہیں فرمایا کفار کا کوئی عقیدہ دنیا میں مضبوط دلیل سے قائم نہیں تھوڑا سا دھیان کرنے سے غلط معلوم ہونے لگتا ہے عجب نہیں کہ اشارہ اس طرف ہو کہ کافر کا کوئی عمل معتبر نہیں اس لیے کہ اس کی کوئی بنیاد نہیں اور نہ اس پر کوئی اخروی ثمرہ مرتب ہوگا۔

نہ بیخ کز ان باشد اور مدار : نہ شاخ کہ گردد بدان سایہ دار
گیا ہیست افتادہ بر روی خاک : پریشان و بے حاصل و خور ناک
کافروں کے دعویٰ کی کوئی جڑ نہیں ہوتی ذرا دھیان کرو تو اس کا غلط ہونا معلوم ہو جائے گا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے دل میں کوئی نور پیدا نہیں ہوتا اور نہ دل کو سکون اور اطمینان ہوتا ہے۔

یہ کہ پہلی آیت میں کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ یعنی پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی ہے
خلاصہ کلام جس میں یہ چار وصف پائے جائیں۔

- (۱) پاکیزہ ہو، یعنی دیکھنے میں خوبصورت اور خوشبودار اور خوش مزہ ہو اس کا پھل شیریں اور لذیذ ہو۔
- (۲) جڑ اس کی مضبوط ہو اکھڑنے اور گر گرنے سے بالکل محفوظ ہو۔
- (۳) شاخیں اس کی اونچائی میں آسمان کو جا رہی ہوں یعنی بہت بلند ہوں اور ظاہر ہے کہ درخت جس قدر زیادہ لمبا ہوگا اسی قدر اس کا پھل بھی پاکیزہ اور لذیذ ہوگا اور زمین کی کدورتوں سے محفوظ ہوگا اور زیادہ بھی ہوگا۔

(۴) ہر وقت وہ پھل دیتا ہو اس کے پھل کے لیے کوئی زمانہ خاص نہ ہو کہ اس زمانہ کے سوا کسی دوسرے وقت میں اس کو پھل نہ آتا ہو جو درخت ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا وہ نہایت عمدہ درخت ہوگا اور ہر عاقل اس کے حصول کی کوشش کرے گا۔

پس یہی حال شجرہ ایمان و اسلام کا ہے کہ وہ دیکھنے میں اور سونگھنے میں نہایت پاکیزہ ہے اس درخت کے اصول و فروع کو دیکھ کر اور سن کر آدمی حیران اور ششدر رہ جاتا ہے کہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا عجیب پاکیزہ درخت ہے۔

اور اس کی جڑ نہایت مضبوط ہے کہ جو اللہ کی معرفت اور محبت اور دلائل عقل و فطرت پر قائم ہے اسی وجہ سے دین اسلام مومن کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔

اور پھر اس اعتقاد جازم سے جو اعمال صالحہ کی شاخیں نکلتی ہیں وہ آسمان قبول تک پہنچ جاتی ہیں کما
 قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ الْإِيمَانُ بَضْعٌ وَسَبْعُونَ شُعْبَةً أَوْ شُعْبَةً أَصْلٌ فِيهِ دَرَجَاتٌ كَوْنُهَا شَاخٌ كَوْنُهَا بَيْتٌ.

اور مومن اس پاکیزہ درخت کے ثمرات طیبہ اور انوار الہیہ اور برکات ربانیہ سے ہر وقت بہرہ ور اور
 لذت اندوز ہوتا رہتا ہے شجرہ ایمان کے ثمرات کبھی منقطع نہیں ہوتے۔ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ
 لِهَذَا عَاقِلٌ كَوْنُهَا بَيْتٌ کہ ایسے درخت کے حاصل کرنے سے غفلت نہ برتے جو ہر وقت پھل دیتا
 رہتا ہے اور حصول کے بعد اس کی آبیاری اور خبر گیری سے غافل نہ ہو ایسے درخت کا میسر آنا نعمت عظمیٰ ہے
 اور بِإِذْنِ رَبِّهِمَا میں اشارہ اس طرف ہے کہ ان ثمرات و برکات کا حصول خدا تعالیٰ کے حکم پر موقوف
 ہے یہ کلمہ طیبہ کی مثال کا بیان ہوا۔

اور اس کے برخلاف کلمہ خبیثہ یعنی کلمہ کفر اس خبیث اور گندہ درخت کے مشابہ ہے جس میں بہتین
 باتیں پائی جاتیں۔

(۱) بُرّ اور گندہ ہو یعنی بد صورت اور بد بودار اور بد مزہ ہو دینی اور دنیوی روحانی اور جسمانی مضر قوں کا حامل ہو
 اور طرح طرح کی خباثتوں اور کراہتوں کو اپنے اندر لیتے ہوئے ہو جس کی وجہ سے وہ غایت درجہ قابل نفرت ہو۔
 (۲) جڑ اس کی مضبوط نہ ہو زمین کے اوپر ہی رکھی ہوئی ہو ذرا سی ہوا تیز چلے یا کوئی حرکت دے تو گر پڑے۔
 (۳) اس کو مضبوط نہ ہو یعنی بہت کمزور درخت ہو جس کو ثبات اور قرار نہ ہو یہی حال ملت کفر کا ہے
 کہ ایک خبیث درخت کی طرح ملت کفر بد صورت اور بد بودار اور بد مزہ ہے اس لیے کہ شجرہ کفر بے حیاتیوں
 اور بے غیرتیوں اور طرح طرح کی بداخلاقیوں اور قسم قسم کی بد اعمالیوں کا ایک گندہ درخت ہے جس کا پھل
 سوائے ثقافت اور خسران کے کچھ نہیں امریکہ اور برطانیہ اسی قسم کے اشجار خبیثہ کے جنگل اور جنگل ہیں اور
 اس شجرہ کفر کی کوئی جڑ اور بنیاد نہیں ہوا کے ایک جھٹکے میں اکھڑ کر گر پڑتا ہے یہ درخت صرف نفسانی شہوتوں
 اور لذتوں پر قائم ہے جو سر اس عقل اور فطرت اور غیرت کے خلاف ہے کفر و شرک کے جس قدر اصول و فروع
 ہیں وہ سب باطل و بے بنیاد ہیں جن کے لیے دلیل اور برہان نہیں حُبِّهِمْ دَاخِضَةٌ اکثر مفسرین کا قول
 ہے کہ شجرہ خبیثہ سے اندر این کا درخت مراد ہے جس کا پھل نہایت زہریلا اور کڑوا ہوتا ہے اور نہایت
 بد بودار ہوتا ہے اور اس کی جڑ پھیلی ہوئی ہوتی ہے اس کو ثبات اور استحکام نہیں ہوتا بآسانی زمین کے
 اوپر سے اکھاڑا جاسکتا ہے کفر کا یہ خبیث درخت عقل اور فطرت کے جھونکے سے اکھڑ کر گر جاتا ہے
 اسی لیے مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی جھوٹ بیح کی طرح اپنے پاؤں سے نہیں
 چلتا بلکہ زن اور زر کے زور سے چلتا ہے (جیسا کہ نصرانی مذہب) مگر دل میں نہیں اترتا اس کی جڑ نہیں ہوتی
 یعنی دل اس سے مطمئن نہیں جیسا کہ نصرانیوں کی تثلیث فی التوحید اور مسند کفار جس کو شہوت بدست
 زن اور زر کے طمع سے محض زبان سے مان لیتے ہیں مگر دل میں نہیں اترتا کسی بڑے سے بڑے پادری کا

دل مسئلہ تثلیث پر مطمئن نہیں۔

غرض یہ کہ کفر کی نہ تو کوئی اصل اور بنیاد ہے اور نہ کافر کے پاس اپنے کفر اور شرک کی کوئی دلیل اور برہان ہے اور نہ اس شجرہ کفر کی کوئی فرع اور شاخ ہے اور نہ کافر کا کوئی عمل اور چڑھتا ہے اور نہ کوئی شے اس کی قبول ہے اور ایسے خبیث اور گندے درخت کے پھل کا کیا تصور ہو سکتا ہے اور اتنا کمزور ہے کہ دلائل کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا لہذا لوگوں کو چاہیے کہ ایسے بدمزہ اور زہریلے اور بدبودار اور قابل نفرت درخت سے احتراز کریں اور ایسے پاکیزہ درخت کے حاصل کرنے کی کوشش کریں جو پاکیزہ اور خوشبودار ہو اور اس کی جڑ مضبوط اور مستحکم ہو وہ شجرہ اسلام ہے جو غایت درجہ معقول اور نہایت درجہ مستحکم ہے۔ اور حدیث میں جو شجرہ طیبہ کی تفسیر کھجور کے درخت سے اور شجرہ خبیثہ کی تفسیر منطل اور کثوث کے درخت سے آئی ہے وہ بطور تمثیل ہے نہ کہ بطور تخیس، اور مقصود یہ ہے کہ کلمہ طیبہ ایک شجرہ طیبہ کے مشابہ ہے کہ اوصاف مذکورہ کا جامع ہو خواہ وہ کھجور کا درخت ہو یا اور کوئی پاکیزہ درخت ہو اور شجرہ خبیثہ سے بھی کوئی معین درخت مراد نہیں جو خبیث اور گندہ اور بدبودار اور بدمزہ ہو وہ سب شجرہ خبیثہ کے عموم میں داخل ہے اس لیے زجاج کہتے ہیں کہ کفر اور ضلالت کا کوئی فرقہ ہسن کے درخت کے مشابہ ہے اور کوئی کانٹوں کے جھاڑ کے مشابہ ہے اور کوئی کسی کے اور کوئی کسی کے یہ تو اہل سنت والجماعت کی تفسیر ہوئی اور حضرات شیعہ یہ کہتے ہیں کہ شجرہ طیبہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ اور امام حسنؓ اور امام حسینؓ مراد ہیں اور شجرہ خبیثہ سے بنی امیہ مراد ہیں (دیکھو روح المعانی ص ۱۹۲ جلد ۱۳)

یہاں تک کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال بیان فرمائی اب آئندہ آیت میں ہر ایک کے اثر اور ثمر کو بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس پکی بات کی برکت سے یعنی کلمہ طیبہ کی برکت سے جس کی جڑ مضبوط ہے دونوں جگہوں میں یعنی دنیا اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں تو اس طرح کہ مومن کلمہ طیبہ کی برکت سے شیاطین الانس والجن کے اغواء سے محفوظ رہتا ہے اور اصحاب اخذود کی طرح جب کفار کی طرف سے کوئی فتنہ اور ابتلا پیش آتا ہے تو بتوفیق خداوندی ایمان پر ثابت قدم رہتا ہے اور جادہ توحید سے اس کا قدم نہیں پھسلتا اور کوئی فتنہ پیش آئے تو اس کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آتا اور اسی طرح مرنے تک ایمان پر قائم رہتا ہے اور اسی کلمہ پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور آخرت میں اس طرح کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے نیکرین کے سوالات کا صحیح جواب دیتا ہے اور قیامت کے ہو شربادن حساب و کتاب کے وقت اس کو کوئی اندیشہ نہیں غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو دنیا اور آخرت میں حق پر مضبوط اور ثابت قدم رکھتا ہے غرض یہ کہ فی الآخرۃ سے قبر اور عالم برزخ مراد ہے جیسا کہ احادیث مرفوعہ اور اقوال صحابہ سے ثابت ہے کہ فی الآخرۃ سے قبر مراد ہے جو آخرت کی پہلی منزل ہے جہاں حق تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جواب کی تلقین اور حق اور ثواب پر تمکین عطا فرماتا ہے اور امتحان قبر میں اس کو ثابت قدم رکھتا ہے اور لفظ یُثَبِّتُ اللہ (اللہ ثابت قدم رکھتا

ہے) میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ ثبات اور استقامت اللہ کی توفیق اور تثبیت اور اس کے فضل و عنایت سے ہے اگر اللہ کی تثبیت اور تائید نہ ہو تو مومن کے ایمان کے آسمان اور زمین اپنی جگہ سے ہٹ جائیں کما قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ لَا اَنْ تَبَيَّنْتَ لَكَ لَقَدْ رَكَدْتَ تَوَكَّنْ اِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا، وقال اللہ تعالیٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُنَبِّتُ بِهِمْ فُؤَادَكَ وقال اللہ تعالیٰ اِذْ يُوحِي رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا۔

آیت میں قول حق اور قول صدق مراد ہے جو قول باطل اور قول کاذب کی تقبض ہے

ف

اثر کا بیان تھا۔

اب آگے کلمہ خبیثہ کے اثر کو بیان کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کلمہ خبیثہ کی نحوست سے ظالموں کو یعنی کافروں کو جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا دنیا اور آخرت دونوں جگہوں میں بچلا دیتے ہیں دنیا میں تو ان کا بچلنا ظاہر ہے کہ حق اور صدق سے منحرف رہے اور آخرت میں بچلنا یہ ہے کہ قبر میں جو آخرت کی پہلی منزل ہے ان سے نکیرین کے سوال کا جواب نہ بن پڑے گا بلکہ حیرت زدہ ہو کر یہ کہیں گے ہاہ..... ہاہ..... لا ادری افسوس افسوس میں کچھ نہیں جانتا جو اور لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا جو سنا وہی کہہ دیا اس پر فرشتے اس کے گرز ماریں گے اور کہیں گے لَا دَرِیْتَ وَلَا تِلْمِیْتَ کہ نہ تو نے خود سمجھا اور نہ کسی سمجھنے والے کا اتباع کیا اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی دو قسمیں ہیں ایک تحقیقی اور ایک تقلیدی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان تحقیقی کی طرح ایمان تقلیدی بھی معتبر ہے جیسے بعض عوام کو ایمان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہوتی صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور دین ہمارا اسلام ہے یہ ایمان تقلیدی ہے اور عند اللہ یہ بھی معتبر ہے یہاں بظاہر یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ثابت قدم رکھتے ہیں اور وہی بچلا تے ہیں تو پھر بچلنے والے پر کیا الزام اس کا ایک جواب تو لفظ یُضِلُّ اللہُ الظَّالِمِیْنَ سے ہو گیا کہ انہوں نے ظلم کیا تھا اس کی نحوست سے بچل گئے یہ حکیمانہ جواب ہے اب آگے حاکمانہ جواب ارشاد فرماتے ہیں

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور ثابت قدم رکھے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اور بچلائے اس کی بارگاہ میں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ مومنوں کو کیوں ثابت قدم رکھا اور ظالموں کو کیوں بچلایا اور گمراہ کیا وہ علیم و حکیم ہے وہ اپنی حکمت و مشیت سے جس کے ساتھ جو مناسب ہوتا ہے وہی معاملہ کرتا ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا۔ یہ جملہ شجرہ طیبہ کی مثال سے متعلق ہے اور وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِیْنَ کلمہ خبیثہ کی مثال سے متعلق ہے اور وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ دونوں سے متعلق ہے واللہ یحکمکم لَا مَعْصِقَ لِحُكْمِهِ۔

ایک شبہ یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ سورت مکی ہے اور حدیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب قبر کا علم مدینہ منورہ میں ہوا لہذا یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں کیسے ہو سکتی ہے اس لیے کہ یہ سورت مکی ہے اگر اس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو مکہ ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو جاتا۔

اس اشکال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اس سورت کی اس خاص آیت کو مدنی مانا جائے مگر یہ کہیں ثابت اور منقول نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں لفظ فی الاخرة وارد ہوا ہے اور آخرت دو ہیں ایک آخرت قریبہ یعنی عالم برزخ اور ایک آخرت بعیدہ یعنی عالم حشر اور قیامت کبریٰ یا یوں کہو کہ ایک حقیقی اور ایک مجازی اور آیت میں لفظ آخرت دونوں کو شامل ہے اور اپنے عموم کی وجہ سے دونوں کو متناول ہے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو تثبیت اور اضلال فی الآخرة کا ایک جزرہ تو مکہ مکرمہ ہی میں منکشف ہو گیا یعنی قیامت میں حساب و کتاب کے وقت مسلمانوں کا ثابت قدم رہنا اور کافروں کا پھلنا کیونکہ لفظ آخرت سے ظاہر اور متبادر قیامت ہے اور تثبیت اور اضلال کا دوسرا جزرہ یعنی تثبیت اور اضلال فی القبر یہ مدینہ منورہ میں منکشف ہوا خلاصہ یہ کہ تثبیت اور اضلال فی الآخرة کا وہ حصہ جو قیامت سے متعلق تھا ظاہر اور متبادر ہونے کی وجہ سے مکہ ہی میں منکشف ہو گیا اور دوسرا جزرہ یعنی عذاب قبر اور نعیم قبر یہ مدینہ میں منکشف ہوا پس آیت کے مکی ہونے میں اور آیت کے عذاب قبر کے بارے میں نازل ہونے میں کوئی تنافی نہیں رہی۔

ف (۲۱) آیت میں مؤمن صالح اور کافر کے ثواب اور عذاب قبر کا ذکر ہے تو من فاسق کا صراحتاً کوئی ذکر نہیں اب یا تو قیاس کیا جائے کہ جس طرح اس کی حالت بین بین ہے اعتقاد میں تو من کے مشابہ ہے اور عمل میں کافر کے مشابہ ہے اس طرح اس کے ساتھ معاملہ بھی بین بین ہوگا۔

(هذا كله ملخص من التثبيت بمراقبة التثبيت و غط نمبر ۱۲۲ از سلسلہ تبلیغ)
یہ ناچیز کہتا ہے کہ شاید گناہ گار تو من کے ذکر سے اس لیے سکوت کیا گیا کہ اس کا معاملہ مشیت خداوندی میں مستور ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهِ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ۔

ف (۲۲) جب مردہ قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے ہوتے ہیں ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور اس شخص ربیعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو کیا کہتا ہے سوال کے ان دو فرشتوں میں سے ایک کا نام منکر بفتح کاف بصیغۃ اسم مفعول ہے اور دوسرے کا نام نکیر بفتح زین فیل ہے چوں کہ ان کی صورت اور شکل بالکل اوپری

ہے نہ تو آدمیوں کے مشابہ ہے اور نہ فرشتوں کے اور نہ حیوانوں کے بالکل نئی مخلوق ہے اس لیے ان فرشتوں کا نام منکر اور نکیر ہے۔

اہل سنت والجماعت کے اجتماعی عقیدوں میں ایک عقیدہ یہ ہے کہ قبر (یعنی عالم برزخ) میں مومن و کافر سب سے سوال ہوگا اور کافر اور فاسق کو عذاب ہوگا قبر سے مراد برزخ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان واسطہ ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے کیونکہ یہ امر فی نفسہ ممکن ہے اور نصوص شریعت سے باجماع امت ثابت ہے اور سوال و جواب کے معنی سمجھنے اور سمجھانے کے ہیں خواہ وہ آواز سے ہوں یا غیر آواز سے ہوں اور سمجھنے کے لیے مطلق زندگی کا ہونا ضروری ہے جو انسان کے کسی جز سے متعلق ہو سکتی ہے لہذا منکرین کا یہ کہنا کہ ہم میت کو دیکھتے ہیں مگر منکر نکیر کو نہیں دیکھتے اور نہ ہی میت کی اور ان کی گفت گو کرسکتے ہیں اور نہ میت کے بدن پر کوئی علامت عذاب کی دیکھتے ہیں اور نہ میت کے بدن میں کسی قسم کی جنبش یا کوئی اور علامت ہی دیکھنے میں آتی ہے منکرین کا یہ قول صحیح نہیں منکرین کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ وہ عالم ہی دوسرا ہے اس عالم کے احوال کے مشاہدے کے لیے اس عالم کی آنکھیں چاہئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جبریل امین کا کلام سنتے تھے اور جبریلؑ کو دیکھتے تھے مگر حاضرین میں یہ استعداد نہ تھی کہ وہ جبریلؑ کو دیکھ سکیں اور ان کا کلام سن سکیں۔

بسا اوقات انسان کو خواب میں شدید ألم لاحق ہوتا ہے اور کبھی اس کو مسرت لاحق ہوتی ہے مگر پاس والے آدمیوں کو یہ بات محسوس نہیں ہوتی اور خواب دیکھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ میں بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حالانکہ وہ واقع میں سویا ہوا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا خواب بیان کرے تو اس سے دلیل عقلی کا مطالبہ نہیں ہو سکتا بعینہ یہی کیفیت منکر نکیر کے سوال کی ہے کہ مردہ ان کا کلام سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے مگر پاس کے لوگوں کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی ابھی سمجھ میں نہیں آتا جب مر وگ معلوم ہو جائے گا جبرت کا مقام ہے کہ لوگ منکر نکیر اور میت کے سوال و جواب کا انکار کرتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ ایک سمیع و بصیر انسان کا ایک قطرہ آب سے پیدا ہو جانا اس سے ہزاروں درجہ عجیب و غریب ہے مگر چونکہ روزِ مَرّہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اس لیے اس کے انکار پر قدرت نہیں اور جس امر ممکن کی قرآن اور حدیث نے خبر دی ہو مگر ان سائنس دانوں کی آنکھوں نے اس کا مشاہدہ نہ کیا تو بے دھڑک اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں گویا کہ ان کی آنکھوں نے جس چیز کو دیکھا نہ ہو وہ ناممکن اور محال ہے نابینا کو یہ حق نہیں کہ وہ بینا کے مشاہدہ کا انکار کر دے۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ فرماتے ہیں حق جل شانہ نے اس

خلاصہ تفسیر آیت مذکورہ | آیت میں ایک خاص اسلوب سے ایمان و کفر کے فرق کو بتلایا

ہے وہ یہ کہ دین اسلام کی مثال ایک نہایت عمدہ و شیریں نہایت نفع بخش پھل دار درخت جیسی ہے جو عالم ملکوت سے اُتار کر مکہ میں نصب کیا گیا جو بوجہ علو و رفعت یہ کہلانے کا مستحق ہے کہ اس کی جڑ زمین

میں قائم ہوئی اور پھر اس کی جڑیں اور شاخیں پھوٹنی شروع ہوئیں اور اطراف عالم میں پھیلتی گئیں اور کلمہ ناپاک کی مثال ایک ناپاک و خراب درخت جیسی ہے جسے لوگ بوجہ گندگی کے اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور وہ سرسبز نہیں ہونے پاتا اسی طرح جو کفر و شرک عالم میں پھیلا ہوا تھا اسلام نے اسے مٹایا اور مٹانا رہا اس تمثیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے دو گروہوں کا حال بیان فرمایا ایک گروہ وہ تھا جو اعلاء کلمہ حق میں ساعی و کوشاں تھا۔

اور دوسرا گروہ وہ تھا ، جو کفر کا پیشوا تھا اور کفر اور شرک کی ترویج میں ساعی و کوشاں تھا گروہ اول کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین اسلام پر ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں ان کے درجات بلند کرے گا اور دوسرے گروہ کی جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی دین حق کو کفر اور ضلالت سے تبدیل کر رکھا تھا مذمت کی اور آخرت میں ان کا بُرا ٹھکانہ قرار دیا گروہ اول کے مصداق اولین مہاجرین اولین ہیں جنکے سر دفتر ابوبکر صدیقؓ تھے جن کی وجہ سے دین اسلام نے رواج پایا اور گروہ ثانی جہلائے قریش تھا اس گروہ کا سر دفتر ابوجہل تھا گروہ اول کے بالمقابل گروہ ثانی والے ذلیل و خوار اور گرفتار مصیبت و بلا ہوئے اور آیت میں جس تثبیت کا ذکر ہے اس سے توفیق الہی مراد ہے جو بندہ کو قبر میں عطا کی جاتی ہے اور جس وقت منکر نکیر اُس سے آکر سوال کرتے ہیں تو وہ بتوفیق الہی راست جواب دیتا ہے (ازالۃ الخفاء)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ

تو نے نہ دیکھا جنہوں نے بدلا کیا اللہ کے

كُفْرًا وَآحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۖ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا

احسان کا، ناشکری اور اُتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں جو دوزخ ہے پیٹھیں گے اس میں

وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَدًّا لِّيُضِلُّوْا

اور بُرا ٹھکانا ہے اور ٹھہرائے اللہ کے مقابل کہ بہکاویں لوگوں

عَنْ سَبِيلِهِ ۖ قُلْ تَسْعَوْا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى

کو اس کی راہ سے تو کہہ، برت لو پھر تم کو پھر جانا ہے طرف

النَّارِ ۚ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ

آگ کے کہہ دے میرے بندوں کو جو یقین لائے ہیں قائم رکھیں نماز

وَيَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ

اور خرچ کریں ہماری دی روزی میں سے چھپے اور کھلے، پہلے اس سے کہ آوے

أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ۝۳۱ اللَّهُ الَّذِي

وہ دن جس میں نہ سودا ہے نہ دوستی اللہ وہ ہے

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

جس نے بنائے آسمان اور زمین اور اتارا آسمان سے پانی

فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ

پھر اس سے نکالی روزی تمہاری میوے اور کام میں دی تمہارے کشتی

لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۝۳۲ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْإِنْهَارَ ۝۳۲

کہ چلے دریا میں اس کے حکم سے اور کام میں دیں تمہارے ندیاں

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبِينَ ۝۳۳

اور کام میں لگائے تمہارے سورج اور چاند ایک دستور پر

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝۳۳ وَآتَاكُمُ

اور کام میں لگائے تمہارے رات اور دن اور دیا تم

مِّن كُلِّ شَيْءٍ مَّا سَأَلْتُمُوهُ ۝۳۴ وَإِنْ تَعَدُّوا

کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی اور اگر گنو

نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۝۳۵ إِنَّ الْإِنْسَانَ

احسان اللہ کے نہ پورے کر سکو بے شک آدمی بڑا

ظَلُومٌ كَفَّارٌ ۝۳۶

بے انصاف ہے ناشکر



مذمت کفار و مشرکین و مدح مؤمنین صالحین

قال اللہ تعالیٰ الْكَافِرُونَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا... إِلَى... إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَافِرًا
یہ آیت کفار مکہ کے حق میں نازل ہوئی جن پر اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے انعامات کیے اور ان کی ہدایت کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جنہوں نے شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کی مسفرتوں سے آگاہ فرمایا مگر ان لوگوں نے اس نعمت کی ناشکری کی اور بجائے اس کے کہ منعم حقیقی کی شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرتے اس کی ناشکری پر کمر بستہ ہو گئے
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا میں اپنے خاص بندوں کو مراہم عبودیت بجا لانے کی تلقین فرمائی کہ تم اپنے منعم حقیقی کی اطاعت اور عبادت میں لگے رہو اور ان کفار ناہنجار کی طرح ناشکرے نہ بنو کیا اے دیکھنے والے تو نے ان ظالموں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے احسان کو ناشکری سے بدل ڈالا کہ اللہ نے ان کی ہدایت کے لیے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو شجرہ طیبہ کی دعوت دی اور شجرہ خبیثہ کے استعمال سے ان کو منع کیا مگر ان ظالموں نے نعمت کے بدلے مصیبت اور شجرہ طیبہ کے بدلے شجرہ خبیثہ کو اختیار کیا خود بھی تباہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی تباہی کے گھر میں جا اتارا یعنی ان کو بھی شجرہ خبیثہ کھلایا جسے کھا کر وہ جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ بہت بری قرار گاہ ہے اور ان ظالموں نے تبدیل نعمت پر اکتفا نہیں کیا بلکہ منعم کو بھی بدل ڈالا کہ اللہ جو منعم حقیقی تھا اس کے ہم سر بنائے اور اس کے شریک ٹھہراتے تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے بھٹکا دیں اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اچھا چند روز فائدہ اٹھاؤ اور دنیا میں خوب مزے اڑا لو پس تمہارا آخری ٹھکانہ جہنم ہے یہ تہدید اور وعید ہے اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی طبیب کسی بد پرہیز سے کہے کل ماسٹنٹ فائنہ جائے الموت اچھا تو جو چاہے کھا تیرا انجام موت اور ہلاکت ہے (کفار و فجار کی اس تہدید و وعید کے بعد اپنے خاص بندوں کو ہدایت فرماتے ہیں اے نبی! آپ میرے بندوں سے کہہ دیجیے جو میرے خاص بندے ہیں درہم و دینار کے بندے نہیں جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اور چند روزہ ہے ان سے کہہ دیجیے کہ وہ نعمت الہی کی شکر گزاری میں لگے رہیں کہ نماز پڑھتے رہیں جو دین کا ستون ہے اور کفر و اسلام کے درمیان فارق ہے اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں پوشیدہ اور ظاہر خدا کی راہ میں خیرات کرنا یہ مالی شکر ہے بہر حال جان اور مال سے اللہ کی نعمت کے شکر میں لگے رہیں ایسے دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہو سکے گی اور نہ کوئی دوستی چل سکے گی یعنی آخرت میں کوئی

ملہ اس ترجمہ میں گزشتہ آیت ذِیْقِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِیْنَ کے ساتھ ربط کی طرف اشارہ ہے۔

فدیہ قبول ہوگا اور نہ کسی کی دوستی کام آوے گی اس دن کے آنے سے پہلے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لو یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے خدا کی نعمت کی ناشکری کی اور اس کے لیے شرکاء تجویز کیے اب آئندہ آیت میں منعم حقیقی کے اوصاف بیان کرتے ہیں کیونکہ سب سے بڑی نعمت منعم حقیقی کی معرفت ہے اور منعم حقیقی کی ذات و صفات کی معرفت ہی سعادت کبریٰ ہے اس لیے آئندہ آیات میں منعم حقیقی کے دس اوصاف بیان کرتے ہیں۔

(۱) اللہ پاک وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا (۲) اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں کو تمہارے لیے چھت بنایا اور زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا (۳) اور آسمان سے پانی اتارا جو تمہاری زندگی کا سامان ہے کما قال تعالیٰ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ پھر اس سے تمہارے کھانے کے لیے پھل نکالے (۴) اور پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کے لیے تمہارے لیے کشتیوں کو مسخر کیا تاکہ وہ تم کو اللہ کے حکم سے دریا میں لے کر چلیں جن کے ذریعے تم تجارت وغیرہ کر سکو (۵) اور تمہارے نفع کے لیے نہروں کو مسخر کیا کہ جس طرح چاہو ان سے فائدہ حاصل کرو (۶) اور مسخر کیا تمہارے لیے آفتاب کو (۷) اور مسخر کیا تمہارے لیے چاند کو کہ دونوں ایک طریقہ پر برابر چلتے ہیں اور دونوں سے تم کو ہزاروں فوائد حاصل ہوتے ہیں کھیتوں اور پھلوں کا پکنا اور حساب وغیرہ کا تعلق انہی دونوں سے ہے (۸) اور مسخر کیا تمہارے لیے رات کو تاکہ تم آرام کرو (۹) اور مسخر کیا تمہارے لیے دن کو تاکہ تم اپنے کاروبار کرو (۱۰) اور ان کے علاوہ دیا تم کو ہر اس چیز سے جو تم نے اس سے مانگی اور بے شمار چیزیں بغیر تمہارے مانگے ہی تم کو دیں اور اللہ کی نعمتیں تو اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر تم ان کو شمار کرنا چاہو تو شمار میں نہیں لاسکتے اگر اپنے اعصاب دماغ میں اور ان کے آثار میں غور کرے کہ ہر ایک میں کیا کیا نعمتیں مضمر ہیں تو شمار نہیں کر سکتا بلکہ ایک ہی نعمہ میں اگر غور کرے کہ کس طرح خلق سے نیچے اترا اور کس طرح خولی بنا اور کس طرح پاخانہ بنا تو اس کی حقیقت اور کمنہ کو نہیں پہنچ سکتا بے شک انسان بڑا ہی ظالم اور بڑا ہی ناشکر ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو بے محل استعمال کرتا ہے نعمت دینے والے کے حق کو نہیں پہچانتا اور نعمت کا شکر تو کیا کرتا بلکہ اس کے ساتھ دشمنی کا معاملہ کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باوجود کمال درجہ کی نعمت تھا اس کی دشمنی میں لگے ہوئے ہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ

اور جس وقت کہا ابراہیم نے اے رب ! کر

هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ

اس شہر کو امن کا اور بچا مجھ کو اور میری اولاد کو اس سے

الْأَصْنَامَ ۖ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ

کہ ہم بلو جیں مورتیں اے رب! انہوں نے بہکایا بہت لوگوں کو

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۚ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ

سو جو کوئی میری راہ چلا سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا سو تو

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۖ رَبَّنَا إِنِّي أَتُكَّنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي

بخشنے والا ہر بان ہے اے رب! میں نے بسائی ایک اولاد

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا

میدان میں، جہاں کھیتی نہیں، تیرے ادب والے گھر پاس، اے رب

لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفِيدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي

ہمارے! تاقائم رکھیں نماز سو رکھ بعض لوگوں کے دل جھکتے ان کی طرف

إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۖ

اور روزی دے ان کو میوؤں سے، شاید یہ شکر کریں

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نَعْلَمُ ط وَمَا

اے رب ہمارے! تو تو جانتا ہے جو ہم پھپھادیں اور جو

يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي

کھولیں اور پھپھا نہیں اللہ پر کچھ زمین میں اور نہ

السَّمَاءِ ۖ اُحْمَدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ

آسمان میں شکر ہے اللہ کو جس نے بخشا مجھ کو بڑی عمر میں

إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ط إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعٌ الدُّعَاءِ ۖ

اسماعیل اور اسحاق بے شک میرا رب سنتا ہے پکار

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ

اے رب میرے ! کر مجھ کو قائم رکھوں نماز، اور بعض میری اولاد

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ

کو اے رب ہمارے اور قبول کر میری دعا۔ اے رب ہمارے ! بخش مجھ کو اور میرے ماں باپ

وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

کو اور سب ایمان والوں کو جس دن کہ کھڑا ہووے حساب

دُعَاءِ اِبْرَاهِيمَ کا ذکر

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَابْدُؤْا بِحَمْدِ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا..... اِلٰی..... يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ربط) گزشتہ آیات میں توحید و نعم الہیہ کا ذکر تھا اب ان آیات میں دعاء ابراہیمی کا ذکر کرتے ہیں چونکہ اہل مکہ کو یہ زعم تھا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور ان کے طریقہ پر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا نقل فرمائی تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ بڑے موعود تھے اور شرک سے منفرد تھے — اور اپنی اولاد کے لیے بھی یہی دعا کرتے تھے کہ اے اللہ ان سب کو شرک اور بتوں سے دور رکھنا لہذا ان کی نسل کو چاہیے کہ ان کے طریقہ پر چلے اور انہیں کی دعاؤں سے یہ ریگستانی خط ایک پر امن اور آباد شہر بنا لہذا تم کو چاہیے کہ ان احسانات کو دیکھ کر خدا کے شکر گزار بنو خانہ کعبہ کے اہل وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو ایک خدا کی عبادت کریں یہ گھر ابراہیم علیہ السلام نے خدا کی عبادت کے لیے بنایا تھا اسی وجہ سے اس گھر کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور چونکہ ابراہیم علیہ السلام توحید اسلام کی دعوت دیتے تھے اور عبادت اصنام سے منع کرتے تھے اس لیے ان کا قلعہ کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ کی مثال کی تشریح ہے اس لیے کہ توحید بمنزلہ شجرہ طیبہ کے ہے اور شرک بمنزلہ شجرہ خبیثہ کے ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اے پروردگار اس شہر کو مقام امن اور مقام محفوظ بنا دیجیے کہ جو اس میں داخل ہو وہ آفات ظاہری و باطنی سے مامون و محفوظ ہو جائے یعنی اس کو حرم محترم بنا دیجیے اور مجھ کو اور میری صلبی اولاد کو اور اس اولاد کو جو میری زندگی میں پیدا ہو سب کو بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ بت ظاہری ہوں یا باطنی کیوں کہ نفس باطنی بت ہے کما قال افکویت مِّنْ اتَّخَذَ الْهَلَّةُ هَوَاهُ مطلب یہ تھا کہ اے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری اولاد کو شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھنا کیوں کہ ہوائے نفس کا اتباع یہ بھی ایک قسم

کا شرک ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی کہ ان کے صلیبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا کیوں کہ اس دعا میں ذبّی سے اولا د مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلیبی فرزند مراد ہیں اور وہ اسماعیلؑ اور اسحاق علیہ السلام ہیں جو اکابر انبیاء میں سے ہیں اور انبیاء مشرک اور معصیت سے محصوم ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری صلیبی اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھے گا مگر یہ دعا اس لیے فرمائی کہ ہماری معصیّت اور محفوظیت ہمارا طبعی اور ذاتی امر نہیں بلکہ اللہ کی عصمت اور اس کی حفاظت اور اس کی نائید و توفیق ہے اور مطلب یہ تھا کہ اے اللہ مجھ کو توحید خالص پر قائم اور ثابت قدم رکھ اور براہ لطف و کرم شرک جلی اور شرک خفی سے محفوظ رکھ چنانچہ ان کے صلیبی بیٹے یا جو بیٹے اس دعا کے وقت موجود تھے وہ سب شرک سے محفوظ رہے تفصیل کے لیے تفسیر کبیر ص ۲۰۵ جلد ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۲۱۰ جلد ۳ (کو دیکھیں) لہذا قریش مکہ کا غیر اللہ کو پوجنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کے منافی نہیں کیونکہ وہ ان کی صلیبی اولاد نہیں اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قریش کے حق میں قبول نہیں ہوئی تو اس سے ابراہیم علیہ السلام کی منقصدت لازم نہیں آتی یہ ضروری نہیں کہ نبی کی دعا تمام و کمال قبول ہو جائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا ان کے صلیبی بیٹوں کے حق میں یا اس اولاد کے حق میں جو اس وقت موجود تھی قبول ہوئی ساری نسل کے حق میں قبول نہیں ہوئی نیز قرآن کریم میں صرف ابراہیمؑ کی دعا کا ذکر اور اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کا کوئی ذکر نہیں کہ یہ دعا قبول ہوئی یا نہیں اور ظاہر ہے کہ یہ دعا ان بیٹوں کے ساتھ مخصوص تھی جن سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خاص محبت تھی قیامت تک آنے والی نسل کے لیے نہ تھی۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دعا بھی قبول ہوئی کہ مکہ ایک مامون اور محفوظ شہر بن گیا اور جبارہ کے تسلط اور ظالموں کی غارت گری سے محفوظ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لیے اور اپنے بیٹوں کیلئے یہ دعا مانگی کہ اے اللہ مجھ کو اور میرے بیٹوں کو بتوں سے دور رکھ اس لیے کہ مجھ کو ڈر ہے کہ میری اولاد شیطانی کرشموں کو دیکھ کر کہیں گمراہ نہ ہو جائے اے میرے پروردگار تحقیق ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے یعنی ان کی گمراہی کا سبب بنے ہیں بغیر آپ کی عصمت اور حفاظت کے ان کے فتنے سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے آپ سے یہ دعا مانگ رہا ہوں پس جس نے میری پیروی کی اور میرے پیچھے چلا یعنی مسلمان اور موحد ہوا تو وہ مجھ سے ہے یعنی میرے ساتھ وابستہ ہے اور نجات اور رفیع درجات میں میرے ساتھ ہے اور جس نے میری نافرمانی کی یعنی میرے دین کا تابع نہ ہوا اور میری ملت میں داخل نہ ہوا تو اے رب بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے یعنی تو مغفرت اور رحمت پر قادر ہے کہ ان نافرمانوں کو توبہ کی توفیق دے دے اور کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا اختیار ہے وہ اگر چاہے تو کافروں کو بھی بخش دے لیکن اس نے خبر دے دی ہے کہ مشرک اور کافر اور

منافق کو نہیں بخشے گا مگر اس کی قدرت اور اختیار ویسا ہی ہے اسے پروردگار تحقیق میں نے بسایا ہے اپنی بعض اولاد کو ایسے میدان میں جو ریگستان ہے اور قابل زراعت نہیں ان کو تیرے محترم گھر کے قریب لاکر بسایا ہے اور زراعت وغیرہ کے لیے نہیں بسایا بلکہ اسے ہمارے پروردگار تحقیق میں نے ان کو اس لیے بسایا ہے تاکہ نماز کو قائم رکھیں اور تیری عبادت کریں اور تیری طرف متوجہ رہیں اور تیرے گھر سے برکت حاصل کریں جب میری اولاد تیرے محترم گھر کے پاس آباد ہوگی تو بحق جوار (پڑوس) ان پر تیری خاص الخاص رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہیں گی پڑوسی کا بھی حق ہوتا ہے اور چونکہ یہ وادی غیر ذی زرع بلے آب و گیاہ ہے جس میں ظاہری طور پر زندگی کا کوئی سامان نہیں اس لیے کچھ انسانوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے کہ جن سے یہ انس حاصل کر سکیں اور کچھ انسانوں سے مسلمان مراد ہیں اور ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمائی کہ اے اللہ ان کو قسم قسم کے پھلوں سے رزق دے تاکہ یہ رزق تیری اطاعت اور عبادت میں ان کو مدد دے اور تاکہ یہ تیری نعمتوں کا شکر کریں اور مزید نعمت کے مستحق بنیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے ہمارے پروردگار! تحقیق آپ ہماری تمام حاجتوں کو خوب جانتے ہیں جو ہم دل میں پوشیدہ رکھیں اور جو ہم زبان سے ظاہر کریں میری یہ عرض و معروض بحق عبودیت و افتقار و حاجت ہے آپ کی اطلاع کے لیے نہیں آپ کو ہمارا سارا ظاہر و باطن معلوم ہے آپ کو خوب معلوم ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اپنی اولاد کو بسانے میں میری کیا نیت ہے اور میری یہ والہانہ عرض و معروض کس لیے ہے آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی تصدیق فرمائی اور بے شک اللہ پر آسمان اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں — حضرت ابراہیم کی دعا اور التجا بھی اللہ پر پوشیدہ نہیں پھر ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا شکر ہے اس اللہ کا جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق جیسے دو بیٹے عطا کیے جو ہر ایک ملت اسلام کا اور توحید کا شجرہ طیبہ ہے بے شک میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے یعنی وہ بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے اس لیے اور دعا میں اضافہ کیا اور کہا اے میرے پروردگار مجھ کو نماز کا قائم رکھنے والا کر دے کہ ٹھیک ٹھیک تیرے آداب عبودیت کو بجا لاؤں اور میری بعض اولاد کو بھی کل اولاد کو اس لیے نہ کہا کہ ان کو بذریعہ وحی معلوم تھا کہ سب اولاد مسلمان نہ ہوگی یا مسلمان ہوگی مگر نماز کی پابند نہ ہوگی اے ہمارے پروردگار! تو ہمارا رب اکرم ہے اپنے جو دو کرم سے ہم کو نواز اور میری یہ دعا قبول فرما اور اے ہمارے پروردگار میری مغفرت فرما اور میرے والدین کی اور تمام اہل ایمان کی جس دن حساب قائم ہوگا۔ حضرت ابراہیم کی اپنے والدین کے لیے دعائے مغفرت اس وقت تھی جب کہ وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور خدا کی مغفرت اور رحمت میں داخل ہو جائیں اور جب ان کا خاتمہ کفر اور کمرابی پر ہو گیا تو ابراہیم علیہ السلام ان سے بری ہو گئے۔

کَمَا قَالَ تَعَالَى وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهٖمَ لِحٰبِیْہٖ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَہَا اٰیٰہُ فَلَمَّا بَیَّنَ لَہٗ اَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰہِ تَبَرَّآ مِنْہٗ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ

اور مت خیال کر ، کہ اللہ بے خبر ہے ان کاموں سے جو کرتے ہیں

الظَّالِمُونَ ﴿٥٥﴾ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ

بے انصاف ان کو تو چھوڑ رکھتا ہے اس دن پر جس دن میں

فِيهِ إِلَّا بَصَارُ ﴿٥٦﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي

اوپر لگ جا دیں گی آنکھیں ڈرتے ہوں گے اوپر اٹھائے

رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفِئْتُهُمْ هَوَاءُ ﴿٥٧﴾

اپنے سر پھرتی نہیں اپنی طرف اُن کی آنکھ اور دل اُن کے اڑ گئے ہیں

وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ

اور ڈرا دے لوگوں کو اس دن سے ، کہ آوے گا ان کو عذاب ، تب کہیں گے

الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ لَّحِبِّ

بے انصاف اے رب ہمارے ، فرصت دے ہم کو تھوڑی مدت کہ ہم

دَعْوَتِكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ

مانیں تیرا بلانا اور ساتھ ہوں رسولوں کے ، تم آگے قسم نہ کھاتے تھے

مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿٥٨﴾ وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِينَ

کہ تم کو نہیں کسی طرح ملنا اور بے تحفے تم بستیوں میں

الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

انہی کی جنہوں نے ظلم کیا اپنی جان پر ، اور کھل چکا تم کو ، کہ کیسا کیا ہم نے

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ﴿٥٩﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ

اُن پر ، اور بتائیں ہم نے تم کو کہاوتیں اور یہ بنا چکے ہیں اپنا داؤ

وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ^ط وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ

اور اللہ کے آگے ہے ان کا داؤ اور نہ ہوگا ان کا داؤ کہ ٹل جاویں

مِنْهُ الْجِبَالُ^{۴۶} فَلَا تَحْسِبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ^ط

اس سے پہاڑ سمیت خیال کر کہ اللہ خلاف کرے گا اپنا وعدہ اپنے

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ^ط يَوْمَ تَبْدُلُ الْأَرْضُ

رسولوں سے بے شک اللہ زبردست ہے بدل لینے والا جس دن بدل جاوے اس زمین سے

غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ

اور زمین اور آسمان اور لوگ نکل کھڑے ہوں سامنے اللہ

الْقَهَّارِ^{۴۸} وَتَرَى الْمَجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ

ایکے زبردست کے اور دیکھے تو گنہگار اس دن جوڑے ہوئے

فِي الْأَصْفَادِ^{۴۹} سَرَّابِيلَهُمْ^ج مِنْ قِطْرَانٍ وَتَغْشَى

زنجیروں میں کرتے اُن کے ہیں گندھک کے اور ڈھانکے

وُجُوهُهُمْ النَّارُ^{۵۰} لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ^ط

لیتی ہے ان کے منہ کو آگ تا بدلہ دے اللہ ہر جی کو اس کی کمائی کا

إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ^{۵۱} هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَ

بے شک اللہ شتاب کرنے والا ہے حساب یہ خبر کر دینی ہے لوگوں کو اور

لِيُنْذِرُوا بِهِ وَيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ

تا چونک رہیں اس سے، اور تا جانیں کہ معبود ہے ایک

وَلِيَذْكُرُوا أُولَ الْأَلْبَابِ^{۵۲}

اور تا سوچ کریں عقل والے

تذکیر آخرت و تحذیر از غفلت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى، وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ... إِلَى... وَلَيَذَّكَّرْ أُولُو الْأَلْبَابِ
 ربط گزشتہ آیات میں توبید کا اور ظالموں یعنی مشرکوں کی وعید کا ذکر تھا جو آخرت کے منکر تھے اب
 آئندہ آیات میں آخرت کی یاد دہانی اور اس سے غفلت پر تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ ظالم یعنی منکرین آخرت
 قیامت کی تاخیر سے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے غافل ہے غافل نہیں بلکہ حکمت اور مصلحت
 کی وجہ سے اس میں تاخیر ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ قادر اور حلیم ہیں فوراً مجرم کو نہیں پکڑتے بلکہ اسے ہملت
 دیتے ہیں البتہ جب جرم میں حد سے گزر جاتا ہے تب اس کو پکڑتے ہیں لہذا کوئی ظالم سزا کی تاخیر سے یہ
 گمان نہ کرے کہ خدا تعالیٰ جرائم سے غافل اور بے خبر ہے وہ کیسے حساب لے گا۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کافروں کو اس دن سے
 ڈرائیے جس دن اپر عذاب آئے گا کما قال تعالیٰ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ۔
 بعد ازاں اس دن کے کچھ احوال اور کافروں کی حیرانی اور پریشانی کو بیان فرمایا اور پھر توحید پر اس
 سورت کو ختم فرمایا اور وَلَيَذَّكَّرْ أُولُو الْأَلْبَابِ سے یہ بتلادیا کہ عاقل اور دانا وہی ہے کہ جو ایک خدا
 وحدہ لا شریک لہ کو مانے اور اس کے حساب و کتاب و جزاء و سزا سے ڈرے اور وہاں کی کچھ فکر اور تیار
 کرے اور اسے غافل خدا کی ڈھیل سے یہ گمان ہرگز نہ کر کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے اعمال و افعال سے
 غافل ہے یعنی یہ خیال نہ کر کہ اللہ نے جو ان ظالموں کو ہملت اور ڈھیل دے رکھی ہے اور کھلے بندوں ان
 کو چھوڑ رکھا ہے وہ ان سے غافل ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ ہملت اور مواخذہ میں تاخیر ایک امتحانی پردہ ہے
 جزایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ان کو ڈھیل دے رہا ہے ایسے آنے والے دن کے لیے کہ حیرت اور دہشت
 کی وجہ سے اس دن نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی یعنی اس دن کی شدت اور
 ہول کو دیکھ کر آنکھیں کھلی رہ جائیں گی اور یہ قیامت
 کا دن ہو گا اور اس دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو
 حال یہ ہو گا کہ میدان حشر کی طرف دوڑتے ہوں گے کما قال تعالیٰ مُهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ—يَخْرُجُونَ
 مِنَ الْأَجْدَاثِ—يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ يَعْنِي قُبُورٍ سَ نَکَلُ کَرُ پُکَارِنَ
 والے کی آواز کی طرف دوڑ رہے ہوں گے اور حیرت اور دہشت کی شدت کی وجہ سے اپنے سر اوپر کو اٹھائے
 ہوں گے جزع اور فزع کی وجہ سے کوئی کسی طرف نظر نہیں کرے گا ان کی نگاہ ان کی طرف واپس نہیں لوٹے
 گی یعنی شدت خوف و دہشت کی وجہ سے ایسی ٹٹکی بندھے گی کہ پلک بھی نہ جھپکے گی آنکھیں کھلی رہ
 جائیں گی اور ان کے دل اڑے ہوئے ہوں گے یعنی غلبہ دہشت و حیرت کی وجہ سے ان کے دل عقل اور فہم

سے خالی ہوں گے اے ظالمو! جس آخرت اور یوم قیامت کے تم منکر ہو اس کا حال یہ ہے ہوشیار ہو جاؤ اس دن تک تم کو اللہ نے ڈھیل دے رکھی ہے اور جب یہ دن آجائے گا تو پھر تم کو مہلت نہ ہوگی اور اے نبی! آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے کہ جس دن ان پر عذاب آئے گا تو یہ ظالم لوگ جنہوں نے کفر و شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا یہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم کو تھوڑی مدت کے لیے مہلت دیجیے اور دوبارہ ہم کو دنیا میں بھیج دیجیے تو ہم اس مدت میں تیری دعوت کو قبول کریں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے ان کو جواب ملے گا کیا ہم نے تم کو دنیا میں مہلت نہیں دی تھی اور کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو زوال نہیں یعنی اس حالت سے پہلے تم کو اس درجہ یقین تھا کہ قسمیں کھا کر یہ کہا کرتے تھے کہ دنیا دائمی ہے قیامت اور آخرت کی جو باتیں پیغمبر بیان کرتے ہیں وہ سب افسانہ ہے اچھا اب تو اس قیامت کو دیکھ لیا اب تم اس کا مزہ چکھو اور علاوہ ازیں تم ان لوگوں کے گھروں میں رہے ہو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور رسولوں کا مقابلہ کیا جیسے قوم عاد اور قوم ثمود اور خبر متواتر سے تم پر ظاہر ہو چکا ہے کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا یعنی بالیقین تم سب پر بات کھل چکی ہے کہ یہ قوم عاد اور قوم ثمود کی مستیاں ہیں جن کو اللہ نے پیغمبروں کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر ڈالا وہ تو اس دایر فانی کو چھوڑ گئے اور ان کی جگہ تم آباد ہو اور ان کی تباہی اور بربادی کے آثار اور نشان تمہاری نظروں کے سامنے ہیں غور کرو جو انجام ان کا ہوا وہی تمہارا بھی ہوگا دیکھ لو کہ انعام کے بعد اللہ کا انتقام ایسا ہوتا ہے سمجھ جاؤ کہ کفر کا انجام یہ ہوتا ہے اور علاوہ ازیں یہ واقعات جو تم نے بے شمار لوگوں سے سنے عبرت کے لیے کافی تھے اور ان کے گھروں میں عذاب نازل ہونے کے جو آثار تم نے دیکھ لیے تھے وہ بھی عبرت کے لیے کافی تھے مگر ہم نے اس کے علاوہ تمہاری نصیحت کے لیے تمہارے لیے مثالیں بیان کیں تاکہ تم سمجھو مگر تم نے ان سے عبرت نہ پکڑی بلکہ اور الٹی ان کی ہنسی اڑائی اور دین حق کے مٹانے پر تئل گئے اور اس کے لیے طرح طرح کے مکر و فریب کیے اور بے شک ان لوگوں نے دین حق کے مٹانے کے لیے جس قدر ان سے مکر و فریب ممکن تھا وہ چلا ڈالا یعنی حق کے رد کرنے میں اور کفر کے غالب کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور اللہ کے سامنے ہے ان کا مکر، ان کا کوئی مکر و فریب خدا تعالیٰ سے مخفی نہیں اور واقعی ظاہر نظر میں ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ عجب نہیں ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے مل جائیں مگر حق تو پہاڑوں سے کہیں زیادہ محکم اور مضبوط ہے وہ ان مکاروں کے مکر و فریب سے کہاں ٹل سکتا ہے اللہ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے پس اے گمان کرنے والے تو اللہ کی نسبت یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ مکذبین رسالت اور منکرین آخرت کو قیامت میں عذاب دے گا وہ وعدہ حق ہے ضرور پورا ہوگا اس میں جو تاخیر ہو رہی ہے وہ عجز کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ بلاشبہ اللہ غالب ہے سب کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے صاحب انتقام ہے اپنے دوستوں کا دشمنوں سے بدلہ لیتا ہے اس کو بدلہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا اور یہ بدلہ اس روز ہوگا جس دن اس زمین اور آسمان کے علاوہ دوسری زمین اور آسمان بدل دیئے جائیں گے

جاننا چاہیے کہ تبدیل کبھی باعتبار ذات کے ہوتی ہے اور کبھی باعتبار صفات کے ہوتی ہے تبدیل ذات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات بالکل معدوم اور فنا کر دی جائے اور اس کے بدلے دوسری ذات پیدا کر دی جائے اور تبدیل صفات کے معنی یہ ہیں کہ پہلی ذات تو باقی رہے اور صفات سابقہ کے بدلہ میں دوسری صفات اس میں پیدا کر دی جائیں اور چونکہ آیت میں جو لفظ تبدیل واقع ہوا ہے وہ دونوں معانی کا متحمل ہے اس لیے آیت میں مفسرین کے دو قول ہو گئے۔

یہ ہے کہ آیت میں تبدیل صفات مراد ہے یعنی اصل زمین اور آسمان تو رہیں گے پہلا قول مگر ان کی حالت اور صفت بدل دی جائے گی مثلاً زمین کے ٹیلے اور پہاڑ برابر کر کے تمام زمین ایک ہموار میدان بنا دی جائے گی اور کسی درخت اور عمارت کا اس پر نام و نشان باقی نہ رہے گا اور آسمان کے ستارے جھڑ پڑیں گے اور سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور آسمان کی رنگت سرخ ہو جائے گی یہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

یہ ہے کہ زمین اور آسمان کی ذات میں تغیر تبدیل ہوگا یعنی یہ اصل زمین اور آسمان ہی بدل دیے جائیں گے اور نئی زمین اور آسمان پیدا کر دیا جائے گا اور وہ نئی زمین چاندی کی طرح سفید ہوگی اور اس پر کسی نے خون کا قطرہ نہ گرایا ہوگا اور نہ اس پر اللہ کی معصیت کی گئی ہوگی یہ قول عبد اللہ بن مسعود کا ہے اور بعض احادیث صحیحہ میں بھی اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے غرض یہ کہ اس بارہ میں اقوال صحابہ و تابعین مختلف ہیں اور احادیث بھی مختلف ہیں بعض سے تبدیل ذات مفہوم ہوتا ہے اور بعض سے تبدیل صفات معلوم ہوتا ہے اسلئے بعض علماء نے پہلے قول کو اختیار کیا اور بعض نے دوسرے قول کو اور امام قرطبی وغیرہ نے ان روایات میں تطبیق دی کہ زمین و آسمان کی تبدیلی کئی بار ہوگی ایک تبدیلی نفع صور کے وقت ہوگی اس وقت فقط صفات کی تبدیلی ہوگی کہ تمام زمین ہموار کر دی جائے گی اور چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے اور ستارے گر پڑیں گے دوسری تبدیلی نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان ہوگی کہ اس زمین اور آسمان کی بجائے نئے زمین اور آسمان پیدا کر دیے جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک تبدیلی اس وقت ہوگی کہ جب لوگ پل صراط پر ہوں گے واللہ اعلم وعلما اتم واحکم

آگے پھر اس دن کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور اس دن سب قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے لیے خدائے واحد قہار کے حضور حاضر ہو جائیں گے اور اس دن تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا پیروں میں بیڑیاں اور گردن میں طوق ہوں گے اور ان کے کرتے قطر ان کے ہوں گے قطر ان سیاہ روغن گندھک کو کہتے ہیں جو نہایت بدبودار اور بد رنگ ہوتا ہے اور ایک دم آگ سے بھڑک اٹھتا ہے اور چھا جائے گی ان کے چہروں کو آگ اور یہ سب کچھ ان لوگوں کے ساتھ اس لیے ہوگا کہ اللہ جزاء دے ہر نفس کو جو اس نے کمایا ہے بے شک اللہ جلدی حساب والا ہے اس کو اولین اور آخرین کا حساب کوئی دشوار نہیں ایک سے حساب دوسرے سے حساب لینے کیلئے نافع نہیں یہ قرآن اللہ کا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت اور شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ لوگ اس سے

چو کئے ہو جائیں اور تاکہ یقین کر لیں کہ معبود برحق وہی ایک ہے کسی صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل والے کیونکہ قرآن نے خدا کی وحدانیت کے اور انبیاء کرام کی صداقت اور حقانیت کے اور قیام قیامت کے ایسے صریح دلائل بتلائے ہیں کہ جن میں عقل والے کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔
 اللَّهُمَّ اخْرِجْنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَاجْعَلْنَا مِنْ أُولَى الْأَلْبَابِ آمِينَ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ الحمد لله آج بروز شنبہ بوقت ۴ بجے دن کے بتاریخ ۱۳ ذی قعدۃ الحرام سورۃ ابراہیم کی تفسیر سے فراغت ہوئی ولله الحمد اولاً و آخراً۔

تفسیر سورۃ حجر

سورۃ حجر مکی ہے اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں اس میں حجر کے رہنے والوں کی عبرت ناک ہلاکت کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا نام سورۃ حجر ہے اور حجر شام اور مدینہ کے درمیان ایک وادی سے اس سورت میں زیادہ تر منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کی عقوبت اور ہلاکت کے واقعات اور گاہ بگاہ وحدانیت اور قیامت کا ذکر بھی ہے۔

آيَاتُهَا ۹۹ : ۱۵ : سُوْرَةُ الْحَجَرِ مَكِّيَّةٌ : ۵۴ : رُكُوعَاتُهَا ۶

سورۃ حجر مکی ہے اور اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الرَّافِقِ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ ①

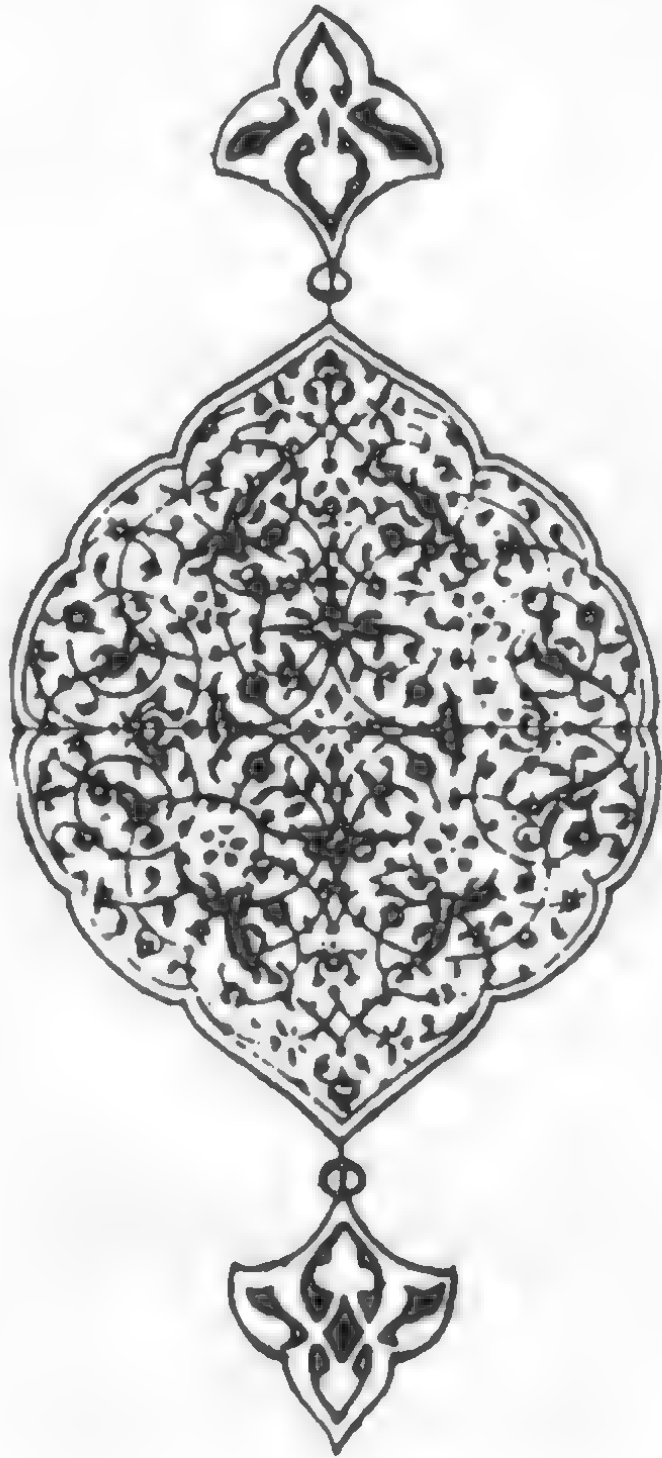
یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کھلے قرآن کی

حقانیت قرآن کریم

الرَّافِقِ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِينٍ

(ربط) گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی حقانیت سے فرمایا جو آپ کی نبوت و رسالت

کی دلیل ہے اَللّٰہ اعلم۔ مراد یہ آیتیں جن کی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تلادیت کرتے ہیں ایک عظیم الشان اور کامل کتاب کی آیتیں ہیں جس کے مقابلہ میں دوسری کتاب کتاب کہلانے کی مستحق نہیں اور اس قرآن کی آیتیں ہیں جو روشن ہے یعنی جس کے اصول اور احکام صاف اور روشن ہیں عقل اور نقل سے ثابت ہیں اور اس کا اعجاز واضح ہے یا وہ قرآن حق اور باطل کو بیان کرنے والا ہے لہذا لوگوں کو چاہیے کہ اس کتاب کو توجہ سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں ایسا نہ ہو کہ پہلی امتوں کی طرح تکذیب رسل اور آیات الہیہ سے اعراض کی بناء پر غضب الہی کے مستحق بنیں اور پھر آئندہ چل کر حسرت کریں کہ کاش ہم مسلمان ہوتے اس وقت یہ حسرت کام نہ آئے گی۔



رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ﴿۲﴾

کسی دقت آرزو کریں گے یہ لوگ جو منکر ہیں کسی طرح ہوتے مسلمان ۔

ذَرَّهُمْ يَا كُلُّوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ

چھوڑ دے ان کو کھالیں اور برت لیں اور اُمید پر بھولے رہیں کہ آگے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾ وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا

معلوم کریں گے ۔ اور کوئی بستی ہم نے نہیں کھپائی مگر اس کا

كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ

لکھا تھا مقرر ۔ نہ شتابی کرے کوئی فرقہ اپنے وعدے سے او

مَا يَسْتَاخِرُوْنَ ﴿۵﴾

نہ دیر کرے ۔

بیان حسرت اہل غفلت و رُز قیامت

قال الله تعالى . رُبَّمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ... الخ ... وَمَا يَسْتَاخِرُونَ
(ربط) گزشتہ آیت میں قرآن کریم کا من جانب اللہ ہونا بیان کیا۔ اب آئندہ آیت میں اس کے
نہ ماننے والوں کا انجام بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ جو آج دنیا کی شہوات و لذات میں غرق ہیں اور غفلت کا پردہ
ان کے پڑا ہے قیامت کے دن یا بوقت مرگ نہایت حسرت کے ساتھ کہیں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے
اور اس کتاب پر ایمان لاتے یا یہ کہ جب کفار یہ دیکھیں گے کہ انبیاء کے ماننے والوں کو ثواب مل رہا ہے اور
ان کے نہ ماننے والوں کو عذاب مل رہا ہے تو اس وقت یہ خواہش کریں گے کہ کاش ہم
مسلمان ہوتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے دنیا میں کفر کیا ہے اور اس قرآن میں انکار کیا ہے جب قیامت کے
دن اس کفار اور انکار کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو بار بار یہ تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں مسلمان
ہوتے اور اس قرآن میں کو اور اس قرآن کے لانے والے کو ماننے مگر اس وقت یہ تمنا محض بے سود ہوگی۔

لے نبی! آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کہ خوب کھائیں اور دنیاوی لذات سے فائدہ اٹھائیں اور لمبی آرزو ان کو آخرت سے غفلت میں ڈالے رکھے یعنی طویل آرزو میں ان کو ایسا غافل بنا دیں کہ انجام کا خیال بھی نہ کریں اور آخرت کو بھولے رہیں پس عنقریب وہ حقیقت حال کو جان لیں گے۔ مرنے کے بعد ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اور اس غفلت اور طول امل کا انجام آنکھوں کے سامنے آجائے گا اور ان کافروں کو جو مہلت دی گئی اور فوراً ان کو ہلاک نہیں کیا گیا سوا سکی وجہ یہ ہے کہ ہمارا قاعدہ یہ ہے کہ ہم نے کسی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر پہلے سے اس کے لیے ایک مبیعا مقرر رکھی ہوئی تھی۔ اور کوئی جماعت نہ اپنی مدت مقررہ سے پہلے ہلاک ہوتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے جب وقت آتا ہے تب ہلاک ہوتی ہے جب اللہ کی حجت پوری ہو جائے اور عذر ختم ہو جائے تب اللہ کا عذاب آتا ہے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ

اور لوگ کہتے ہیں اے شخص کہ تجھ پر اتری ہے۔

الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ٦ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَكَةِ إِنِ

نصیحت، تو مقرر دیوانہ ہے۔ کیوں نہیں لے آتا ہمارے پاس فرشتے اگر

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ٧ مَا نُنَزِّلُ الْمَلَكَةَ إِلَّا

تو سچا ہے۔ ہم نہیں اتارتے فرشتے مگر

بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُّنْظَرِينَ ٨ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا

کام ٹھہرا کر اور اس وقت نہ ملے گی ان کو ڈھیل۔ ہم نے آپ اتاری ہے

الذِّكْرُ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ٩ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ

یہ نصیحت اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اور ہم بھیج چکے ہیں رسول

قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ ١٠ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ

تجھ سے پہلے کئی فرقوں میں اگلے۔ اور نہیں آیا اُن پاس کوئی رسول

إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ١١ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي

مگر کرتے رہے ہیں اس سے ہنسی۔ اسی طرح بیٹھاتے (ڈال دیتے) ہیں

قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ

ہم اس کو دل میں گنہگاروں کے ۔ یقین نہ لادیں گے اس پر اور ہویائی (ہوتی آئی)

سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ

ہے رسم پہلوں کی ۔ اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ آسمان

السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ

سے اور سارے دن اس میں چڑھتے رہیں ۔ یہی کہیں کہ ہماری نگاہ ہی

أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝

بندہ گئی ہے ۔ نہیں ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے ۔

ذکر اقوال کفارنا، بخار در بارہ بارگاہ رسالت

قال الله تعالى: وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ... إلخ۔ بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ۝
(ربط، گزشتہ آیت میں کفار کے انکار قرآن اور اس پر تہدید کا ذکر تھا اب ان آیات میں کفار کے ان اقوال فاسدہ اور شبہات کا سدہ کا ذکر کرتے ہیں جو وہ صاحب قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کیا کرتے تھے جس سے ان کا مقصود انکار رسالت تھا ان آیات میں ان کے اقوال کو مع جواب کے ذکر فرماتے ہیں تاکہ خود ان پر ان کا عناد اور کج فہمی ظاہر ہو جائے کہ جن کو ہم اپنی جہالت کے نشہ میں سرشار ہو کر مجنون کہا کرتے تھے وہ مجنون نہ تھے چونکہ نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ربودگی کی کیفیت طاری ہوتی تھی اسلئے یہ نادان اس حالت کو جنون سمجھے قال تعالى وَيَقُولُونَ إِنَّمَا مَجْنُونٌ - وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ وَ قَالَ تَعَالَى أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ - اور عجب نہیں کہ آپ کو بطور استغناء و تمسخر مجنون کہتے ہوں۔ کما قال فرعون، رَسُولُكَ إِلَّا ابْنُ سَاحِرٍ قَدِ افْتَرَىٰ عَلَىٰ رَبِّكَ الْكَذِبَ اُرْسِلْ اَيْنَاكُمْ مَجْنُونٌ۔ خلاصہ کلام یہ کہ گزشتہ آیت میں قرآن مبین کے ساتھ کفار کے عناد اور عداوت کا بیان تھا اب ان آیات میں صاحب قرآن یعنی رسول خدا کے ساتھ ان کے عناد اور عداوت کا بیان ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

در یہ کافر لوگ جن کو طول امل نے غفلت میں ڈال رکھا ہے معجزات نبوت میں تاثر نہ کرنے

کی وجہ سے کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر قرآن اور نصیحت اتاری گئی ہے بلاشبہ تو دیوانہ ہے کہ تو ہم کو نقد سے ادھار کی طرف بلاتا ہے یعنی دنیا سے آخرت کی طرف کیوں نہیں لاتا تو ہمارے ردِ بد و فرشتوں کو جو تیری نبوت اور صداقت کی گواہی دیں اگر تو سچوں میں سے ہے کہ تیرے پاس اللہ کی وحی آتی ہے یعنی اگر تو سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں تو فرشتے ہمارے سامنے لاکھ وہ تیری رسالت کی گواہی دیں لَوْ لَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے ہم نہیں اتارتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ یعنی بمقتضائے حکمت و مشیت ملائکہ کو نازل کرتے ہیں اور تم نے جو فرمائش کی ہے وہ حق نہیں اور حق سے مراد وقتِ عذاب ہے اور تمہاری فرمائش کے فرشتے جب نازل ہوں گے تو عذاب ہی لے کر اتریں گے تو اس وقت ان کو مہلت نہیں دی جائے گی بلکہ فوراً ہلاک کر دیئے جائیں گے پھر آئندہ آیت میں اشارۃً ان کے مجنون کہنے کا جواب دیتے ہیں کہ ہمارا نبی مجنون نہیں۔ اس لیے کہ تحقیق ہم نے اس پر اس قرآن کو اتارا ہے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔ اس میں کوئی شخص کسی قسم کی کمی بیشی اور تغیر اور تبدل نہیں کر سکتا۔ قیامت تک اس میں نہ کوئی لفظی تحریف کر سکے گا اور نہ معنوی تحریف کر سکے گا اور ظاہر ہے کہ جس پر ایسی نصیحت اور ہدایت کی کتاب نازل ہو وہ مجنون نہیں ہو سکتا۔ پس سمجھ لو کہ جس قرآن کے تم منکر ہو اور جس کی وجہ سے تم ہمارے پیغمبر کو دیوانہ بتاتے ہو ہم اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ اور سمجھ لو کہ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے۔ جس کی حفاظت نہیں کی گئی وہ قرآن نہیں، اس آیت میں حق سبحانہ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ سَوَّاهُ۔ اللہ کا یہ وعدہ اور اس کی یہ پیشین گوئی جیسی فرمائی تھی حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ بحمد اللہ دیکھ لیجئے کہ قرآن مجید کی کیسی حفاظت ہوئی ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ اس سے گھٹ سکا نہ بڑھ سکا۔ اگلی کتاب میں محرف و مبدل ہو گئیں مگر قرآن ہنوز اسی حالت پر ہے جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے اور اسی طرح وہ قیامت تک ہر طرح کی تحریف و تبدل اور کمی اور زیادتی سے محفوظ رہے گا۔ جن دانش میں سے کسی کو مجال نہیں کہ اس میں سے ایک حرف یا ایک کلمہ کم یا زیادہ کر سکے۔ یہ فضیلت سوائے قرآن کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں۔ اور اس وقت سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی الہامی کتاب ایسی نہیں جس میں تحریف اور تبدل اور کمی اور زیادتی نے راہ نہ پائی ہو تو ریت اور انجیل کے اصلی نسخوں کا آج تک پتہ نہیں چل سکا اور بائبل کے جو نسخے اس وقت موجود ہیں وہ باہم مختلف ہیں ان میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اختلاف موجود ہیں سوائے قرآن کے روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں کہ ہر خطہ زمین میں جس کے بے شمار حافظ موجود ہوں اور حرف بحرف ان کو ازیر ہو بہتیرے دشمنانِ دین قرآن کی تحریف کے درپے رہے اور اب تک ہیں کوئی اس کی ترتیب بدلتا ہے اور کوئی مکتی اور مدنی سورتوں میں فرق کرنا ہے اور کوئی تاویلات فاسدہ سے اس کے معنی اور مطالب

کو بدلتا ہے اور کوئی وحی کی حقیقت کو بدل کر اس کو کلام انسانی اور القاء نفسانی بتاتا ہے مگر علماء و مخین ان کی لفظی اور معنوی تحریف کو ظاہر کر دیتے ہیں اور ان نام نہاد مسلمانوں کے پردہ نفاق کو چاک کر دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ ذکر (قرآن) کی اس شان سے محفوظیت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ قرآن منزل من اللہ ہے اور جس ذات پر یہ ذکر یعنی قرآن نازل ہوا ہے وہ مجنون نہیں۔ اور البتہ ہم آپؐ پہلی امتوں اور مختلف فرقوں میں رسول بھیج چکے ہیں مگر وہ مختلف فرقے انبیاء کی طرف جنون کی نسبت کرنے میں متفق رہے اور ان کے پاس جو پیغمبر آتا تھا اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے کیونکہ ہر گروہ اپنی بنائی ہوئی خواہشوں میں غرق تھا اور نفس کے شہوات میں ڈوبا ہوا تھا جو رسول آتا ان کو ان نفسانی اور شہوانی لذات سے منع کرتا تو اس کو مجنون بناتے اور اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے مطلب یہ ہے کہ اے نبی! یہ کافر جو آپؐ کو مجنون کہتے ہیں اور آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں پہلے کافروں نے اپنے پیغمبروں کے ساتھ اسی طرح کی باتیں کی ہیں ان جاہلوں کی یہ قدیم عادت ہے اسی طرح کی تکذیب اور استہزاء ہم مجرموں کے دلوں میں اتار دیتے ہیں۔ مجرمین سے وہ لوگ مراد ہیں جو حق کے معاند ہیں ہوائے نفس کے تابع ہیں۔ اور اتباع ہدیٰ سے استکبار کرتے ہیں کہ ہم کیوں کسی کے مطیع اور فرماں بردار بنیں اور ہم دولت مند ہیں ان درویشوں کے پیچھے کیوں چلیں۔ یہ امور تو ان کی گمراہی کے ظاہری اسباب ہیں۔ اور اصل سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی توفیق سے محروم کر دیا ہے۔ اور ان کے دل ایسے بنا دیئے ہیں کہ ایمان میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس قسم کے معاندین قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور اسی طرح گنہگار بھی ہے رسم پہلے لوگوں کی جس نے انبیاء کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ استہزاء کیا اور ان کو مجنون بتلایا وہ عذاب الہی سے ہلاک ہوا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اگلے کافر ایمان نہیں لاتے اسی طرح یہ بھی ایمان نہیں لائیں گے اور جس طرح متمرّدین ہلاک اور رسوا ہوئے اور حق کا بول بالا ہوا اسی طرح اب بھی ہوگا۔ اور نہ جاج کہتے ہیں کہ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سنت یہ ہے کہ انبیاء کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کے دلوں میں کفر اور گمراہی کو جاری و ساری کر دیتے ہیں۔ کہ کفر اور عناد ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے (تفسیر کبیر) اور وہ نزول ملائک پر تو کیا ایمان لاتے ان کے عناد اور ضد کی تو یہ حالت ہے کہ اگر بجائے اس کے کہ ان کے لیے فرشتے آسمان سے اتاریں۔ خود ان کو آسمان پر پہنچا دیں۔ اس طرح کہ ہم ان کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں پھر دن کے وقت وہ اس پر چڑھیں اور بلا کسی اشتباہ عجائب ملکوت کا مشاہدہ کر لیں اور فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تو تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ازراہ عناد یہ ہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے اس لیے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھنا ہوا دیکھتے ہیں لیکن فی الواقع ہم آسمان پر نہیں چڑھ رہے ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ عناد اور ضد کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی نشانی کو آنکھ سے بھی دیکھ لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یا ہماری عقلوں پر جادو کر دیا گیا ہے پس جو شخص تعنت اور عناد کی اس حد کو پہنچ جائے اس کو کوئی موعظت

نفع نہیں دیتی اور نہ وہ کسی نشانی سے راہ یاب ہو سکتا ہے ایسے معاندین کے سامنے فرشتوں کا نازل کرنا بالکل بے سود ہے۔

لطائف معارف

بابت آیت = اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

۱۔ تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ موجودہ قرآن بعینہ وہ ہی قرآن ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا اور ہر قسم کے تحریف اور تغیر و تبدل اور کمی اور زیادتی سے بالکل محفوظ ہے اور انشاء اللہ قیامت تک اسی طرح محفوظ رہے گا اور نہ اس میں تحریف ہو سکے گی اور نہ وہ ضائع ہو سکے گا کیونکہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

تحقیق ہم ہی نے یہ کتاب نصیحت نازل کی ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں۔ اس وعدہ کے مطابق آج چودھویں صدی گزرنے کو ہے کہ قرآن ایسا محفوظ ہے کہ مشرق سے لیکر مغرب تک اس کے لاکھوں حافظ موجود ہیں اور روئے زمین کے مسلمانوں کی زبانوں پر یکساں محفوظ ہے۔ ایک لفظ یا زبر یا زیر کا فرق نہیں بفرض محال اگر قرآن کریم کے تمام مکتوبی اور مطبوعی نسخے روئے زمین سے معدوم ہو جائیں تب بھی قرآن کا ایک جملہ اور ایک کلمہ بھی نہ ضائع ہو سکتا ہے اور نہ بدلا جاسکتا ہے۔ قرآن کے سوا کسی آسمانی اور زمینی کتاب کو یہ فضیلت حاصل نہیں۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کوئی کتاب ایسی محفوظ نہیں جیسا کہ یہ قرآن محفوظ ہے۔ سوائے قرآن کے کوئی کتاب دنیا میں ایسی نہیں جس میں تغیر اور تبدل اور تصحیف و تحریف واقع نہ ہوئی ہو۔ انتہی۔

۲۔ اور شیعوں میں جو غالی اور متعصب ہیں وہ اس بات کے قائل ہیں کہ عثمان بن عفانؓ بلکہ ابو بکرؓ و عمرؓ نے بھی قرآن کو بدل ڈالا اور بہت سی آیتیں اور سورتیں جو حضرت امیر اور اہل بیت کے فضائل میں نازل ہوئی تھیں اور جن آبات میں اہل بیت کی اطاعت اور پیروی کے احکام تھے اس قسم کی تمام آیات کو قرآن

لہ اعلم انه لم يتفق لشيء من الكتب مثل هذا الحفظ فانه لا كتاب الا وقد دخله التصحيف والتحريف. والتغيير ما في الكثير منه او في القليل ولقاء هذا الكتب مصونا عن جميع جهات التحريف مع ان داعي الملاحدة واليهود والنصارى متوفرة على ابطاله وفساده من عظم المعجزات وايضا اخبر الله تعالى عن بقائه محفوظا عن التغيير والتحريف والنقض الان قريبا من ستمائة سنة فكان هذا اخبارا عن الغيب فكان ذلك ايضا معجزا قاهرا۔ (تفسير كبير ص ۲۶۵)

سے ساقط کر دیا اس لیے کہ اس قسم کی آیتیں شیخینؒ اور عثمانؓ کو بہت شاق اور گراں تھیں۔ اور بعض فضائل اہل بیت کے ایسے مذکور تھے جن سے ان کی رگ حسد جنبش میں آگئی اس لیے اس قسم کی تمام آیتوں کو قرآن سے نکال ڈالا۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے "وَجَعَلْنَا عَلِيًّا صَهِرًا" یہ آیت اَلَمْ نَشْرَحْ میں تھی جس کے یہ معنی ہیں کہ ہم نے علیؓ کو تیرا داماد بنایا اس آیت صہریت کی نسبت حضرت امیر کی طرف کی گئی نہ کہ عثمانؓ کی طرف اور قرآن میں ایک سورت سورۃ الولاہیت تھی جو بڑی لمبی سورت تھی۔ اور اہل بیت کے فضائل پر مشتمل تھی اس کو بھی قرآن سے نکال ڈالا۔

۳۔ اہل سنت والجماعت اس طعن کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس طعن کی ذمہ داری تو خدا پر عائد ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَآءِ لْخٰفِظُوْنَ فرمایا ہے یعنی یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ و نگہبان ہیں۔ پس جس چیز کی حمایت اور حفاظت کا وعدہ خدا تعالیٰ نے کیا ہے کسی بشر کو یہ مقدور نہیں کہ وہ اس کی حفاظت بخل انداز ہو سکے اور اس میں کچھ گھٹا بڑھا سکے جس چیز کی حفاظت کا حق تعالیٰ ذمہ دار ہو اس میں کوئی الحاق اور تحریف اور کمی زیادتی کسی طرح ممکن نہیں ہاں اگر شیعہ یہ کہیں کہ شیخینؒ اور عثمانؓ کو یہ قدرت ہے کہ وہ وعدہ خداوندی کو پورا نہ ہونے دیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ شیخینؒ اور عثمانؓ معاذ اللہ اس قدر قاہر اور قادر ہیں کہ اگر چاہیں تو خدا کا وعدہ بھی نہ چلنے دیں حق تعالیٰ تو بتا کید اکید اپنے پختہ وعدہ کا اعلان کرتا ہے کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں اور شیعہ کہتے ہیں کہ خلیفہ ثالث نے قرآن اصلی کا بالکل نشان مٹا دیا۔ اللہ اللہ کیا قدرت اور طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی نہ چلنے دیں سورتیں کی سورتیں اور آیتیں کی آیتیں نکال ڈالیں یا بدل ڈالیں اور خداوند قہار و جبار خاموش دیکھتا رہا۔

۴۔ اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ جب خدا نے یہ وعدہ فرمایا کہ ہم اس قرآن کے محافظ اور نگہبان ہیں تو ہم یہ کہتے ہیں کہ۔

(۱) یہ تو ناممکن اور محال ہے کہ خداوند ذوالجلال قصداً اپنے وعدہ سے منحرف ہو جائے اور حفاظت نہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ اور قول میں سچا ہے کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ (تحقیق اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا) کَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ مَنْ اٰصَدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا۔ (اللہ سے زیادہ کون سچا ہے اپنے قول میں) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِمَکَلِمَہٗ۔

(۲) اور یہ بھی ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ وعدہ کر کے بھول جائے سورۃ مریم میں ہے وَمَا كَانَ رَبُّکَ نَسِیًا (نیرا پروردگار بھولنے والا نہیں ہے) خدا تعالیٰ کے حق میں سہوا اور نسیان اور غفلت ناممکن اور محال ہے اور سورۃ طہ میں لَا یُضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسِی (میرا پروردگار نہ بھولتا ہے اور نہ بھولتا ہے) اور سورۃ بقرہ میں ہے لَا تَأْخُذْہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ (خدا کو نہ اونگھ آ سکتی ہے اور نہ نیند)

(۳) اور یہ بھی ناممکن ہے کہ جبراً دقہراً ایسا ہو جائے کہ خدا اپنا وعدہ پورا کرنے سے مجبور ہو جائے ورنہ لازم آئے گا کہ معاذ اللہ خلیفہ ثالث قوت میں حق تعالیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں کہ حق تعالیٰ تو حفاظت کا وعدہ فرمائیں اور خلیفہ ثالث اس کو جبراً دقہراً نہ چلنے دیں اب اس سے ایک اندیشہ اور پیدا ہو گیا کہ مبادا قیامت کے دن خلیفہ ثالث شیعان علیؑ کو خدا کی حفاظت سے نکال کر کبھی کبھی کے بدلے نہ نکالنے لگیں۔

۵۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن میں کمی اور بیشی کا ہونا عقل اور نقل ہر اعتبار سے باطل ہے۔

عقلاً تو کمی بیشی کے باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ۔

دلیل عقلی

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو شخص ایمان لاتا۔ اول آپ اس کو قرآن سکھاتے اور پھر وہ قرآن سیکھنے کے بعد اوروں کو سکھاتا اسی طرح سینکڑوں آدمی اور ہزاروں آدمی مسلمان ہوئے۔

(۲) حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہزاروں آدمیوں نے قرآن سیکھا اور اس کو حفظ کیا چنانچہ بعضے بعضے عزوات میں ستر ستر قاری شہید ہوئے۔

(۳) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے اب تک یہ ہی حال ہے کہ ہر زمانے میں پشت در پشت ہزاراں ہزار قرآن کے حافظ ہوتے چلے آئے اور مشرق اور مغرب کے حافظوں میں ایک حرف کا بھی فرق نہیں پس جس کتاب کا یہ حال ہو اس میں کسی کی شرارت سے کمی و بیشی کا واقع ہو جانا عقلاً محال اور ناممکن ہے۔

(۴) مشرق اور مغرب کے قرآن کے مطبوعہ نسخوں کو ملاو، ذرہ برابر فرق نہ نکلے گا۔

(۵) روئے زمین کی مختلف زبانوں کی تفسیروں کو دیکھ لیا جائے سب کی سب ایک ہی قرآن کی تفسیر ہیں

دلیل نقلی

اور دلیل نقلی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے
 اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ - تحقیق ہم ہی نے اس قرآن کو اتارا ہے اور تحقیق ہم ہی اس کے محافظ اور نگہبان ہیں کہ قیامت تک تحریف و تبدیل اور زیادتی اور نقصان سے اور کمی و بیشی سے بالکل محفوظ رہے گا اور دوسری جگہ ارشاد ہے لَا یَأْتِیْہِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْہِ وَلَا مِنْ خَلْفِہٖ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَکِیْمٍ حَمِیْدٍ - بڑے بڑے ملاحدہ اور زنادقہ اور قرامطہ گزر گئے مگر کسی کو ایک کلمہ میں بھی تغیر و تبدیل کی قدرت نہ ہوئی خدا جس کی حفاظت کا وعدہ فرمائے اس میں کون تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔

اس دلیل عقلی و نقلی کے بعد ہم ایک دلیل الزامی پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ

دلیل الزامی

تمام روایات امامیہ سے یہ ثابت ہے کہ تمام اہل بیت - (۱) اسی قرآن کو پڑھتے تھے اور (۲) اسی کے خاص و عام سے تمسک کرتے تھے اور (۳) اسی قرآن کی آیتوں کو بطور استدلال

پیش کیا کرتے تھے اور (۴) اسی قرآن کو نمازوں میں پڑھا کرتے تھے اور (۵) اپنے اہل و عیال کو اسی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے اور (۶) اپنے مُردوں کو اسی قرآن کا ثواب پہنچاتے تھے اور (۷) اسی قرآن سے مسائل شریعہ کا استنباط کیا کرتے تھے اور (۸) بغیر وضو کے اسی قرآن کو مس نہیں کرتے تھے اور (۹) اسی قرآن کے ادا مردنواہی کے پابند تھے اور (۱۰) اسی قرآن کی تفسیر کیا کرتے تھے۔

امام حسن عسکریؑ کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ حرف بحرف اور لفظ بلفظ اسی قرآن کی ہے۔ اگر ترتیب عثمانؓ تنزیل ربانی کے مخالف ہوتی تو امام حسن عسکریؑ اس کی تفسیر نہ لکھتے کیا امام حسن عسکریؑ کو پورا کلام اللہ یاد نہ تھا جو اس کی بھی تفسیر لکھتے اور مذہب شیعہ کے کبار علما کی ایک جماعت مثلاً ابو علی، طبرسی اور قاضی نور اللہ شوستری اور ملا صدق وغیرہم نے اس امر کا صاف اقرار کیا ہے کہ ترتیب عثمانی بالکل صحیح ہے اور عہد نبوی کے بالکل مطابق ہے اور تفسیر صراط مستقیم جو شیعوں کی معتبر تفسیر ہے اس میں اس طرح ای انالہ لحفظون من التحریف والتبديل والزيادة والنقصان اور سورہ طہ تجوہ میں ہے لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ یعنی اس پر (یعنی قرآن پر) باطل (یعنی تحریف اور تناقص کا دخل نہیں) نہ آگے سے نہ پیچھے سے یعنی کسی وجہ سے، پس ثابت ہو گیا کہ مروج قرآن بلاشبہ منزل من اللہ ہے اور یہ قرآن بعینہ وہی قرآن ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور جس کی آپؐ نے صحابہؓ کو تعلیم دی معاذ اللہ عثمانؓ کو ایسا اقتدار کہاں سے حاصل ہوا کہ جو ترتیب آسمانی کے بدلنے اور بگاڑنے پر قادر ہو گئے اور ایسے قادر ہوئے کہ صفحہ ہستی سے اصل قرآن کا نام و نشان مٹا دیا اور اسد اللہ الغالب یہ سب کچھ دیکھتے رہے مگر کچھ نہ بولے حتیٰ کہ حضرت علیؓ کا زمانہ خلافت آیا اس وقت بھی باوجود خلافت اور بادشاہت کے اصلی قرآن کو ظاہر نہ کیا اور نمازوں میں ترتیب عثمانی کے مطابق قرآن پڑھتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے جب بمشورہ صحابہ قرآن کو مرتب کیا تو اس مشورہ میں حضرت امیرؓ بھی شریک تھے تو تنہا عثمانؓ کو کیوں مطعون کیا جاتا ہے سنن ابوداؤد میں باسناد صحیح سوید بن غفلہؓ سے روایت ہے قال علی بن ابی طالب لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فی المصاحف الا علی ملائمتا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا عثمانؓ کے بارہ میں سوائے کلمہ خیر کے کوئی لفظ زبان سے نہ نکالو۔ خدا کی قسم عثمانؓ نے مصاحف کو مدون اور مرتب کیا وہ ہم سب کے مشورہ اور اتفاق سے کیا۔ عثمانؓ غنیؓ نے جس قدر نسخ قرآن کے لکھوائے وہ صحابہ کے سامنے پڑھے گئے اور پھر سب کے مشورہ سے مختلف بلاد کو بھیجے گئے ایسی صورت میں تغیر و تبدل کا امکان نہیں نیز اگر بقول شیعہ کلام اللہ غیر محفوظ ہے تو بشہادت حدیث ثقلین شیعوں کو ثقلین کے ساتھ تمسک باقی نہ رہے گا اس لیے کہ تمسک کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شے

۱۔ ان علماء شیعہ کی اصل عبارتیں اگر دیکھنا مقصود ہو تو ادالۃ الشکوٰۃ جلد دوم از صفحہ ۴ تا ۱۴ مصنف مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہ کی مراجعت کریں۔

موجود ہو۔ غائب اور غیر مقدور چیز سے تمسک ممکن نہیں اور یہ ناممکن ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایسی چیز کے ساتھ تمسک کا حکم دیں جو ہماری قدرت میں نہ ہو حدیث ثقلین اس امر پر صراحتاً دلالت کرتی ہے کہ قرآن ہر زمانہ میں موجود رہے گا۔ جس سے لوگ تمسک کر سکیں گے جیسا کہ اہل بیت کا تمسک ہر وقت ہر زمانہ میں حاصل ہے کیونکہ وہ موجود ہیں پس جب کہ کتاب خود شیعوں کے زعم کے مطابق موجود ہی نہیں تو تمسک کس سے کریں گے۔

(۶) مذہب امامیہ کے بعض علماء اگرچہ اس قرآن کو محفوظ اور منزل من اللہ مانتے ہیں مگر جمہور علماء مذہب امامیہ مصحف عثمانی کو بعینہ صحیفہ آسمانی نہیں مانتے اور اس کو اصلی قرآن نہیں جانتے بلکہ اس کو ناقص مانتے ہیں اور معتقد تحریف ہیں حضرات شیعہ کے نزدیک اصل قرآن کی سترہ ہزار آیتیں تھیں۔ جن میں سے اب صرف کل چھ ہزار آیتیں باقی ہیں جیسا کہ کافی کلیں میں ہے عن هشام بن سالم عن ابی عبد اللہ ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعة عشر الف آية۔ شیعوں کی اس روایت کے مطابق کلام اللہ کا دہائی حصہ چوری اور خورد برد ہو گیا بہتر تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ذمہ ہی نہ لیتے نیز یہ روایت اگر صحیح ہو تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ معاذ اللہ قرآن کریم محرف اور غیر معتبر ہونے میں تو ریت اور انجیل سے کہیں راند ہے۔ تو ریت اور انجیل میں تو فقط امراء اور حکام کی خاطر تحریف ہوئی باقی سب جگہ تحریف نہیں ہوئی اور قرآن کریم میں اتنی تحریف ہوئی کہ سترہ ہزار آیتوں میں سے صرف چھ ہزار آیتیں باقی رہ گئیں۔ حالانکہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لیا تھا اور تو ریت کی حفاظت امت موسویہ کے سپرد کی تھی بِمَا كُنْتُمْ حَافِظُوهُ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ اور قرآن کریم کی یہ نعمت خلفائے راشدین کا طفیل ہے ورنہ حضرات شیعہ کو تو قرآن دیکھنا نصیب نہ ہوتا اور نماز اور تہجد میں پڑھنا نصیب نہ ہوتا کیونکہ حضرات ائمہ نے تو شیعوں کو کوئی قرآن دیا نہیں نیز حضرات شیعہ اس کے قائل ہیں کہ قرآن میں اگرچہ کمی واقع ہوئی ہے اور اس میں تحریف بھی ہوئی ہے مگر اس تحریف کی وجہ سے حلال و حرام میں کہیں تغیر و تبدل نہیں آیا۔ نیز شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ اس محرف قرآن کے پڑھنے کی وجہ سے ثواب تلاوت میں کمی نہیں آتی اور اس قرآن کو پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور اس موجودہ قرآن کے اتباع سے ادا مردنوا ہی کے اتباع میں سرموفرق واقع نہیں ہوتا اس اعتبار سے خلفاء راشدین ائمہ شیعہ سے ہزار درجہ بڑھ کر ہے کہ قرآن کا کچھ حصہ مسلمانوں کو دے گئے اور ائمہ نے تو قرآن کی ایک سورت بھی مسلمانوں کو نہیں دی۔

(۷) اعلم ان القرآن محفوظ بین الدفتین و هو الذی نزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من غیر زیادة ولا نقصان فیہ وقالت الرافض الخوافض القرآن وقعت فیہ الزیادة والنقصان قلنا هذا غلط بلا شبهة بعدة ادجہ (لاؤل) انه تکذیب لقوله تعالیٰ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَکَ لَحَافِظُونَ وَاَمثالہ من الآیات

(والثانی) انه يلزم منه تكفير جميع الصحابة حتى على كرم الله وجهه، حيث وافقهم على تحريف القرآن ولم ينكر عليهم مع ان عليا انكر في كثير من الامور على عثمان وخاصة مثل مخالفته في نهى عثمان متعة الحج (والثالث) ان عليا كرم الله وجهه قصد بالاتفاق بعد وفاة ابن عمر رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيته حتى جمع القرآن واعتذر بذلك تخلفه فلو لا ان جمعه موافق بجمع عثمان من حيث الزيادة والنقصان لا ظهر جمعه وترك جمع عثمان فهو الامر الذي لا تأخذ في الله لومة لائم مع انه كان يقرأ في الصلوة القرآن الذي جمعه عثمان ويتلوه ليلاً ونهاراً ويفسره على ملاح من شيعته وبالجملة القول بتحريف القرآن يهدم اساس الاسلام والله اعلم.

اس آیت میں حفاظت کا وعدہ فرمایا اور دوسری آیت میں حفاظت کا طریقہ بیان فرمایا۔ وہ آیت یہ ہے **حفاظت کا طریقہ** |

فَإِذَا قَرَأْتُمُ الْقُرْآنَ فَذُكِّرُوا بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ وَأَنْتُمْ حَافِظُونَ
 کے سبب میں بھی محفوظ کر دیں گے اور اس قرآن کو مصاحف میں بھی جمع کر دیں گے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی تلاوت اور قرأت کا شوق پیدا کر دیں گے کہ دن رات اس کو پڑھا کریں گے تاکہ قرآن کا تواتر اور تسلسل ٹوٹنے نہ پائے پھر کچھ زمانہ کے بعد اہل علم کی جماعت کو قرآن کریم کے بیان یعنی تفسیر کی طرف متوجہ کریں گے اور اس کا داعیہ ان کے قلوب میں القا کریں گے کہ وہ قرآن کریم کے شان نزول اور ناسخ اور منسوخ اور معانی کو بیان کریں گے اور چونکہ علم تفسیر جمع قرآن کے کچھ عرصہ بعد ہوگا۔ اس لیے ثَمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ میں کلمہ ثَمَّ لایا گیا جو تاخیر اور تراخی پر دلالت کرتا ہے کہ تفسیر کا مرحلہ قرآن کے جمع اور تدوین اور ترتیب کے کچھ عرصہ بعد پیش آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ (یعنی جمع قرآن شیخین کے ہاتھ سے ظاہر ہوا اور اس وعدہ خلافت کے ظہور میں شیخین بمنزلہ جاحد الہی کے ہوئے جس سے ان کی خلافت کا حق ہونا ثابت ہوا۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس خزانہ کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ کسی رسالدار اور صوبہ دار کو اس پر پہرہ کا حکم دے دے۔ اسی طرح خلفاء راشدین اور صحابہ کرام اس خزانہ قرآنی کے محافظ اور پہرے دار مقرر ہوئے اس لیے اس حفاظت کو اللہ کریم نے اپنی طرف منسوب فرمایا اور یہ کہا وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کیونکہ حفاظت کا جو انتظام بادشاہ کی طرف سے ہوتا ہے وہ بادشاہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا کہ وہ قرآن مجید کو تحریف و تبدیل

خلاصہ کلام | دنیان سے محفوظ رکھے گا اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت و نگہبانی کے اسباب پیدا فرمادیئے پہلا سبب قرآن مجید کی حفاظت کا یہ ہوا کہ خلفاء ثلاثہ کی سعی اور ہمت اور توجہ سے اور تمام صحابہ کرام کے اتفاق سے جو اس وقت تقریباً ساٹھ ہزار تھے قرآن ایک مصحف میں جمع اور مرتب کر دیا گیا اور تمام اسلامی دنیا میں اس کے نسخے شائع کرادیئے گئے اور سب نے اس کو

باتفاق قبول کر لیا اور بنقل متواتر اب تک وہ ہی مصحف تمام اسلامی دنیا میں شائع ہے جسے ہم روزمرہ تلاوت کرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ وعدہ حفاظت قرآن خلفاء ثلاثہ کے وقت میں ان کی سعی اور کوشش سے پورا ہوا یہی ان کی فضیلت کے لیے کافی ہے اب قیامت تک جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کرے گا اس کا اجر خلفاء ثلاثہ کے اعمال میں ثبت ہوگا۔

(۸) یہ قرآن آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور آپ پر اس کی تبلیغ فرض تھی کما قال اللہ تعالیٰ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ارشاد باری اس قرآن کی تبلیغ کی اور جو شخص عہد رسالت میں مشرف باسلام ہوا آپ نے اس کو یہ ہی قرآن سکھایا اور خلفاء راشدین نے یہ ہی قرآن جو آپ سے سیکھا تھا مسلمانوں کو سکھایا اور بنقل مصحف اس کو مرتب کر کے مسلمانوں کو دیا جو آج تک بنقل متواتر مسلسل چلا آ رہا ہے اور جو قرآن شیخین اور عثمان نے جمع کیا اور اس کی جمع و ترتیب میں از اول تا آخر حضرت علیؓ شریک رہے اور اپنے زمانہ خلافت میں بلکہ ساری عمر نماز وغیرہ میں اسی قرآن کو پڑھتے رہے پس اگر حضرت علیؓ کے نزدیک مصحف عثمانی غلط اور باطل تھا تو اپنے دور خلافت اور زمانہ حکومت میں اس کو منسوخ کر کے لوگوں کو صحیح قرآن سے کیوں آگاہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بھی مصحف عثمانی اصلی اور صحیح قرآن تھا۔

(۹) غرض یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور عجیب شان سے اس کی حفاظت فرمائی کہ اس قرآن کو حفاظ کے سینوں میں محفوظ کر دیا۔ کما قال تعالیٰ بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِيْ صُذُوْرِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ۔ اور صحیح مسلم میں عیاض بن حمادؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت فرماتے ہیں و انزلت علیک کتابا لا یغسلہ الماء (یعنی اے نبی! میں نے تجھ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی بھی نہیں دھو سکتا)۔ اشارہ اس طرف ہے کہ اگر تمام بنی آدم مل کر بھی اس قرآن کو مٹانے کی کوشش کریں تو اس پر قادر نہ ہوں گے۔ الحمد للہ یہ دولت اہل سنت کو نصیب ہوئی اور حضرات شیعہ اس دولت عظمیٰ سے محروم کر دیئے گئے۔ حتیٰ کہ شیعہ کلام اللہ کے نہ یاد ہونے میں ضرب المثل ہو گئے اہل سنت ہی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ تلاوت قرآن اہل سنت کا شعار ہے اور حضرات شیعہ کا شعار بجائے تلاوت قرآنی کے مرثیہ خوانی ہے۔

(۱۰) شیعوں کو قرآن کیوں یاد نہیں ہوتا

جو شاگرد استاد کے حق میں گستاخ ہوتا ہے وہ کبھی علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا خلفاء ثلاثہ دربارہ قرآن

تمام امت کے استاد ہیں جو ان کی شان میں گستاخی کرے گا وہ کبھی اس دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور مَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَإِنَّكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ میں اسی طرف اشارہ ہے حضرات شیعہ نے اس نعمت کی ناشکری کی اس لیے اس دولت سے محروم رہے دَمِنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَكُمْ يَشْكُرُ اللَّهُ۔ بلکہ یوں کہیں کہ منکرین صحابہ کو جو کلمہ گوئی کی نوبت آئی اور بزعم خود مسلمان ہوئے یہ بھی صحابہ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے اگر صحابہ جہاد نہ کرتے اور دین نہ پھیلاتے تو ان کو دین کی خبر بھی نہ ہوتی الغرض تمام عالم حضرات صحابہ کا شاگرد اور سر ہون منت ہے سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔

تاویلات شیعہ | حضرات شیعہ نے اس آیت کی دو تاویلیں کی ہیں ایک یہ کہ اصل

کلام اللہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے دوم یہ ”غارِ سرمن“ میں امام مہدی کے سینہ میں محفوظ ہے۔
جواب | اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں تاویلیں مہمل اور لغو ہیں۔ اول تو یہ کہ لوح محفوظ میں حفاظت کرنے سے ہم کو کیا فائدہ ہمیں فائدہ جب ہوتا کہ جب قرآن ہمارے پاس محفوظ ہوتا کہ احکام خداوندی کے معلوم کرنے میں کوئی شک و شبہ نہ رہتا۔ دوم یہ کہ حفاظت وہاں ہوتی ہے جہاں احتمال ضائع ہونے کا ہے اور لوح محفوظ میں یہ احتمال ہی نہیں وہاں کسی کی دسترس اور رسائی ہی نہیں کہ چوری کا احتمال ہو۔ سوم یہ کہ آیت مذکورہ میں اول تنزیل کا ذکر فرمایا۔ بعد ازاں اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وعدہ حفاظت قرآن منزل کے متعلق ہے تو تیس برس میں بتدریج نازل ہوا نہ کہ اس قرآن کا جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے۔ چہارم یہ کہ اس آیت میں قرآن کے لفظ کو ذکر سے تعبیر کیا جس کے معنی نصیحت کے ہیں اور نصیحت جاہل اور غافل کو ہوتی ہے معلوم ہوا کہ یہ قرآن جاہلوں کے لیے مذکور اور داعظ ہے اور گنہگاروں کے واسطے پند دل بند ہے اور جہل اور غفلت کے ساتھ انسان ہی موصوف ہوتا ہے ملائکہ اس عیب سے محفوظ ہیں قرآن جب تک لوح محفوظ میں رہا تو اگر رسائی تھی تو فقط فرشتوں کی تھی۔ ان کو وعظ و پند سے کیا سروکار۔ فرشتے نہ جاہل ہیں اور نہ غافل اور نہ گنہگار۔ ہاں جب یہ قرآن لوح محفوظ سے نازل ہو کہ دنیا میں پہنچا اور اس ظلم و جہول انسان سے اس کا معاملہ اور واسطہ پڑا تو اس کے لحاظ سے لفظ ذکر بمعنی پند و نصیحت استعمال ہوا کیونکہ تذکیر اور وعظ کی ضرورت غافلانِ نوع بشر ہی کے لیے ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ کا وعدہ ان ہی غافلوں اور جاہلوں کے لیے ہے نہ کہ ملائکہ کے لیے۔ پنجم یہ کہ اگر حفاظت سے لوح محفوظ میں حفاظت مراد ہے تو اس قسم کی حفاظت تو توریت اور انجیل میں بھی موجود ہے۔

تاویل دوم کا رد | ا۔ یہی دوسری تاویل سودہ بھی مہمل ہے امام مہدی کا ”غارِ سرمن“ میں مخفی

ہونا شیعوں کا ایک من گھڑت افسانہ ہے۔ نصاریٰ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری انجیل آسمان چہارم میں حضرت عیسیٰ کے پاس محفوظ ہے اور وہاں کسی قسم کا خطرہ نہیں غارِ سرمن میں اندیشہ ہے کہ حضرت امام مہدی کا کوئی دشمن پھرتا پھرتا وہاں پہنچ جائے اور ان سے قرآن کریم چھین کر

جلادے یا ان کو شہید کر دے بخلاف خلیفہ ثالث کے جمع کردہ قرآن کے کہ وہ حافظوں کے سینے میں محفوظ ہے اسکو چھین کر جلانا ناممکن ہے پس بحمدہ تعالیٰ یہ قرآن اہلسنت کے سینوں میں محفوظ ہے جہاں کسی چور اور قزاق کی رسائی ممکن نہیں۔

۲۔ علاوہ انہیں یہ عقیدہ فی حد ذاتہ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ قرآن تو لوگوں کی ہدایت کے لیے اتر ا تھا نہ کہ اخفاء کے لیے اور قیامت کے قریب ظاہر ہونے سے کیا فائدہ لوگ انتظار کرتے کرتے تھک گئے ممکن ہے کہ اس عرصہ میں حق تعالیٰ کو بدا واقع ہو گیا ہو اور ان کو امامت سے معزول کر دیا گیا ہو۔

۳۔ نیز اس چھپے رہنے میں اندیشہ ہے کہ دشمن ہزدلی کا طعنہ دیں گے کہ کیوں چھپے ہوئے ہیں باہر کیوں نہیں آتے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کل تین سو تیرہ آدمی مجتمع ہونے پائے تھے کہ جہاد شروع کر دیا اور پھر وہ بھی بزعم شیعہ اکثر منافق تھے حضرات شیعہ جیسے ”مخلص“ نہ تھے اور اب لاکھوں مخلصانہ شیعہ بھی موجود ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود انتظار اجاب اور فراہمی اسباب غار سے باہر نہیں آتے اور امت محمدیہ کو گمراہی سے نہیں نکالتے اور بجائے بیاض عثمانی کے اصل کلام ربانی کیوں ظاہر نہیں کرتے۔

۵۔ نیز حضرات شیعہ یہ بتلائیں کہ اس کا راوی اور عینی شاہد کون ہے کہ جو شہادت دے کہ امام مہدی میرے سامنے جا کر غار میں چھپے ہیں۔

۶۔ نیز اگر وہ چھپ ہی گئے تو غار تو محدود ہے تو حضرات شیعہ اس غار میں جا کر ان کو بلا لائیں۔

۷۔ نیز اگر بفرض محال کوئی عینی شاہد اس کا مل جائے کہ وہ غار میں چھپے ہیں تو معلوم نہیں کہ تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود وہ زندہ سلامت ہیں یا وفات پا چکے ہیں کتاب و سنت سے اس کے لیے دلیل چاہیے نصاریٰ تو کہہ سکتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے امام مہدی کے غار میں جا کر چھپ جانے کی کوئی ضعیف بلکہ موضوع روایت بھی نہیں۔

اجماع امت بر محفوظیت قرآن از زیادت نقصان

امام قرطبیؒ مقدمہ تفسیر میں ص ۸۰ جلد ۱ پر لکھتے ہیں۔

لا خلاف بین الامۃ ولا بین الائمة اهل السنة ان القرآن اسم کلام اللہ تعالیٰ الذی جاء به محمد صلی اللہ علیہ وسلم معجزۃ لہ (علی نحو ما تقدم) وانه محفوظ فی الصدور مقر وہ باللسنة مکتوب فی المصاحف معلومة علی الاضطرار سورۃ و آیاتہ

مبرأة من الزيادة والنقصان حروفه وکلماته۔ فلا محتاج فی تعریفہ بمحد ولا فی حصرة بعد فمن ادعى زيادة عليه او نقصانا فقد ابطال (۱) الاجماع وبهت الناس۔ (۲) ورد ما جاء به الرسول صلى الله عليه وسلم من القرآن المنزل عليه (۳) ورد قوله تعالى قل لتين اجتمعت الاشئ والجن على ان ياتوا بمثل هذا القرآن لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض ظهيرا۔ وابطل آية رسوله عليه السلام لانه اذ ذاك يصير لقرآن مقدورا عليه حين شيب بالباطل ولما قدر عليه لم يكن حجة ولا آية وخرج عن ان يكون معجزا لقائل بان القرآن فيه زيادة ونقصان راد للكتاب الله ولما جاء به الرسول وكان ممن قال الصلوات المفروضة خمسون صلوة و تزوج تسع من النساء حلال وقد فرض الله اياما مع شهر رمضان الى غير ذلك مما لم يثبت في الدين فاذا ردها بالاجماع كان الاجماع على القرآن اثبت والكذوالزمر وأوجب (اھ)

وايضا قال :- منع في زماننا هذا زائغ زاع عن الملة وهجم على الامم بما يحاول به ابطال الشريعة التي لا يزال الله يؤيدها ويثبت أسرار بني فرعون و يجرسها عن معائب اولى الجحف والجور ومكايدها هل العداوة والكفر۔ فزعم ان المصحف الذي جمعه عثمان رضي الله عنه باتفاق اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم على تصويبه فيما فعل۔ لا يشتمل على جميع القرآن اذ كان قد سقط منه خمسة اء حرف قد قرأت ببعضها وسأقرأ ببقيتها (فمنها) والعصر ونواب الدهر فقد سقط من القرآن على جماعت المسلمين ونواب الدهر الى ... (ومنها) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ بَيْفِ عَمْرٍ وَ أَنْتُمْ أَذِلَّةٌ وروى هؤلاء ايضا قال هذا صراط على مستقيم (ومنها) وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ بَعِي وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ونحو ذلك الى ان قال في صف ۸ جلد ۱۱ والقرآن الذي جمعه عثمان بموافقة الصحابة له لو انكر بعضه منكر كان كافرا حكمه حكم المرتد يستتاب فان تاب والاضربت عنقه الى آخر ما قال وانا داجاد۔ راجع من تفسيره (باب ما جاء من الحجة في الرد على من طعن في القرآن وخالف مصحف عثمان بالزيادة والنقصان) من ص ۸۰ الى ص ۸۶ جلد ۱

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا

اور ہم نے بنائے ہیں آسمان میں بُرج اور رونق دی اسکو

لِلنَّظِيرِينَ ۱۶ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ

دیکھتوں کے آگے۔ اور بچا رکھا اس کو ہر شیطان

رَّجِيمٌ ۱۷ إِلَّا مَن اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ

مردود سے ۔ مگر جو پجوری سے سُن گیا سو اس کے پیچھے

شِهَابٌ مُّبِينٌ ۱۸ وَالْأَرْضَ مَدَدَ نَهَا

بڑا انگارا چمکتا ۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا

وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

اور ڈالے اس پر بوجھ اور اگائی اس میں ہر چیز

مَّزُونٍ ۱۹ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ

اندازے کی ۔ اور بنا دیں تم کو اس میں روزیاں اور (ان کو) جن کو تم

لَهُ بِرِزْقَيْنَ ۲۰ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ

نہیں روزی دیتے ۔ اور ہر چیز کے ہم پاس خزانے

وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ۲۱ وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ

ہیں اور اتارتے ہیں ہم ٹھہرے ہوئے اندازے پر ۔ اور چلا دیں ہم نے بادیں

لَوَاقِحَ فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ

(ہوائیں) رس بھری، پھر اتارا ہم نے آسمان سے پانی پھر تم کو وہ پلایا

وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ۲۲ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ

اور تم نہیں رکھتے اس کا خزانہ ۔ اور ہم ہی ہیں جلاتے اور مارتے

وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ۲۳ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ

اور ہم ہی ہیں پیچھے رہتے ۔ اور ہم نے جان رکھا ہے جو آگے بڑھے ہیں

مِّنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ ۲۴ وَإِنَّ رَبَّكَ

تم میں اور جان رکھے ہیں پیچھاڑی والے ۔ اور تیرا رب



هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۚ (۲۵)

وہی گھیرلاوے گا ان کو، بیشک وہی ہے حکمتوں والا خبردار۔

بیانِ توحید

قال الله تعالى وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا ... الى ... إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (ربط) گزشتہ آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو مشرکین کے شبہات تھے ان کا رد فرمایا اب ان آیات میں اپنی الوہیت اور وحدانیت اور قدرت کے دلائل بیان فرماتے ہیں کچھ تو آسمانی چیزوں سے اور کچھ زمینی چیزوں سے ان میں سے پہلی دلیل یہ ہے کہ آسمان کے بارہ بُرج ہیں، یعنی آسمان کے بارہ ٹکڑے مثل خربوزہ کے پھانک کے مختلف شکل کے ستاروں سے پیدا ہو گئے ہیں ہر بُرج میں جس جانور کے ہم شکل ستارے ہیں وہ بُرج اسی نام سے عرب میں مشہور ہو گیا حمل، ثور، جوزاء، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ یہ حق تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے کہ اس نے ایسی عجیب و غریب اشیاء کو پیدا فرمایا۔ اور دوسری دلیل وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا الْخَمْسَ ذکر فرمائی کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس میں پہاڑوں کا بنانا، اور قسم قسم کے اشجار و نباتات کا اس سے اگانا یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی روشن دلیل ہے اور تیسری دلیل وَآرْسَلْنَا الرِّيحَ كَوَافِحًا سے ذکر فرمائی پھر اخیر میں اثبات توحید کے بعد حشر و نشر کا ذکر فرمایا وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنَمِيتُ اور وَإِنَّ رَبَّنَا لَـهُوَ يَحْشُرُهُمْ میں اثبات قیامت فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

پہلی دلیل

اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے آسمان میں بُرج جن کی ہئیتیں اور صفیں اور کیفیتیں مختلف ہیں آسمان بارہ بُرجوں پر منقسم ہے ہر بارہویں حصہ کا نام بُرج ہے پھر یہ بارہ بُرج اٹھائیس منزلوں پر منقسم ہیں اور ہر بُرج کے لیے دو منزلیں اور ثلث مقرر ہیں یہ اٹھائیس منزلیں قمر کی ہیں اور ہر بُرج کے تیس درجے مقرر ہیں اور بارہ برجوں کے تین سو ساٹھ درجے ہیں ان سب درجوں کو جب سورج غلطے کر لیتا ہے تو اس کا ایک دورہ پورا ہوتا ہے یہ دورہ تمام فلک کا ہے سورج اس کو ایک سال اور چاند اٹھائیس دن میں طے کرتا ہے اور ہر برج کو اکب سبع سیارہ کے لیے منزلیں ہیں مریخ کے لیے حمل اور عقرب ہے اور زہرہ کے لیے ثور اور میزان ہے اور عطارد کے لیے جوزاء اور سنبلہ ہے اور قمر کے لیے سرطان اور

شمس کے لیے اسد اور مشتری کے لیے قوس اور حوت اور زحل کے لیے جدی اور دلو ہے اور جو لوگ ان علوم میں اشتغال رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ حمل اور اسد اور قوس کی طبیعت آتشی ہے اور ثور اور سنبلہ اور جدی کی طبیعت خاکی ہے اور جوزہ اور دلو اور میزان کی طبیعت ہوائی ہے اور سرطان اور عقرب اور حوت کی آبی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ بروج سے کوکب سبعة سیارہ کے منازل مراد ہیں اور مجاہد اور قتادہ یہ کہتے ہیں کہ بروج سے سنارے مراد ہیں اور بعضے جاہل یہ کہتے ہیں کہ آسمان کوئی چیز نہیں بہت سے بہت ایک منہائے بصر اور حد نظر ہے۔

ان کا جواب یہ ہے کہ یہ بالکل مہمل ہے اس لیے کہ آسمان کا عکس دریا اور جھیل اور تمام پانیوں اور پانی کے برتنوں میں نظر آتا ہے اور عکس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ شے موجود ہو۔ معدوم کا عکس موجود نہیں ہوتا۔

اور ہم نے دیکھنے والوں کے لیے آسمان کو سورج اور چاند اور ستاروں سے آراستہ کیا تاکہ ان کو دیکھ کر ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت اور حکمت پر دلیل پکڑیں اور ہم نے آسمان کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا کہ وہ آسمانوں پر چڑھ نہیں سکتے اور نہ وہاں کے حالات سے مطلع ہو سکتے ہیں شیطانوں کی آسمان تک رسائی نہیں۔ مگر ہاں جو شیطان آسمان سے ورے ہیں چوری چھپے سے کان لگا کر فرشتوں کی کوئی بات سنتے ہیں تو اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا شعلہ ہولیتا ہے جس سے وہ شیطان یا تو ہلاک ہو جاتا ہے یا بدحواس ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آسمان ہر طرح شیطاں سے محفوظ ہے وہاں کسی کی رسائی ممکن نہیں مگر آسمان کے قریب تک جاتے ہیں اور وہاں فرشتوں میں جو گفتگو ہوتی ہے اس میں سے کوئی ایک آدھ بات چوری سے سُن کر بھاگتے ہیں شیطاں جب کوئی خبر سُننے کے لیے آسمان کے قریب جاتے ہیں تو آگ کا ایک شعلہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔ شیطان اس سے بھاگتا ہے کبھی وہ شعلہ اُسے آگتا ہے جس سے وہ ہلاک یا زخمی ہو جاتا ہے اور کبھی وہ اس کی زد سے بچ نکلتا ہے اور جو کلمہ وہاں سے سن کر بھاگتا ہے اس کو کاہن پر القاء کرتا ہے کاہن اس میں سو باتیں اپنی طرف سے ملا کر مشتہر کر دیتا ہے صرف وہ ایک بات ان باتوں میں سچی نکلتی ہے لوگ ایک سچی بات پر اس کے معتقد ہو جاتے ہیں مگر اسکے سوجھوٹوں کی طرف خیال نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے پہلے شیطاں برابر آسمانوں پر جایا کرتے تھے اور وہاں کی خبریں کاہنوں سے آکر بیان کیا کرتے تھے۔ مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد صرف چوتھے آسمان تک جاتے تھے اور جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو بالکل ان کی آمد و رفت بند کر دی گئی اب جو آسمان پر خبریں پُرا نے جاتا ہے شہاب ثاقب سے اس کو مارا جاتا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ شہاب ثاقب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی چھوڑے جاتے تھے مگر ان میں شدت اور کثرت نہ تھی

مگر آپ کی بعثت کے بعد اس میں شدت اور کثرت ہو گئی جس سے شیاطین اور جنات میں کھلبلی پڑ گئی مطلب یہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد اس کا اہتمام زیادہ ہو گیا اور آسمان کی حفاظت اور حراست میں اور زیادتی ہو گئی خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس نبی اور رسول کو تم دیوانہ اور مجنون کہتے ہو یہ کواکب اور نجوم اس کی حفاظت اور حراست کا سامان ہیں اور خدا نے برتر کی قدرت کا نشان ہیں۔

(دیکھو زاد المسیر ص ۳۸۸، جلد ۴، تفسیر قرطبی ص ۱۱ جلد ۱۰ اور روح البیان ص ۴۴۹ جلد ۴)

دلیل دوم

اد پر عالم علوی کے حالات سے حق تعالیٰ کی خالقیت اور وحدانیت کو بیان کیا اب عالم سفلی کے حالات سے اپنی خالقیت اور وحدانیت کو ثابت کرتے ہیں کہ زمین کو پیدا کرنا اور اس کو پھیلانا جس پر بے شمار مخلوق آباد ہو سکے اور پھر پہاڑوں کا قائم کرنا اور پھر زمین میں بندوں کی روزی اور سامان زندگی کو پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اس کی قدرت اور حکمت کے دلائل ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور زمین کو ہم نے پھیلایا۔ اور اتنا وسیع کیا کہ بے شمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے اور ہم نے زمین میں پہاڑوں کے لنگر ڈال دیئے تاکہ زمین جنبش نہ کر سکے اور اگائی ہم نے اس زمین میں ہر چیز مناسب اندازہ کے ساتھ ہر چیز کو اپنی علم و حکمت سے ایک اندازہ کے ساتھ پیدا کیا۔ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ نہیں اور اس زمین میں تمہارے لیے سامان معیشت پیدا کیا۔ یعنی تمہارا کھانا۔ پینا اور کپڑا جس پر تمہاری زندگی کا دار و مدار ہے سب زمین سے پیدا کیا اور تمہارے فائدہ کے لیے زمین میں ہم نے ان اشخاص کو پیدا کیا جن کے تم روزی دینے والے نہیں یعنی اہل و عیال اور خدام اور جانور چرند اور پرند کو تمہاری خاطر پیدا کیا اور ان سب کا روزی رسال اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں۔ آیت کا یہ مطلب اس صورت میں ہو گا کہ جب وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهَا بِدَارٍ قِیْنِ کا عطف معارِش پر ہو اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهَا کا عطف لَكُمْ ضمیر مجرور پر ہے اور تقدیر کلام اس طرح ہے وَجَعَلْنَا لَكُمْ مَعَارِشَ وَ لَعَنْ لَّسْتُمْ لَهَا الیٰ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہارے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل و عیال اور خدام کے لیے بھی سامان زندگی پیدا کیا اور تمہارے سامان معاش و رزق میں سے کوئی شے ایسی نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور نہیں اتارتے ہم زمین پر اپنے خزانہ مغیب سے مگر ٹھہرے ہوئے اندازہ کے مطابق یعنی گو ہمارے خزانہ میں سب کچھ ہے مگر دنیا میں اندازہ مقرر کے ساتھ اتارتے ہیں ہمارے علم اور حکمت میں جو اندازہ مقرر ہے اس کے مطابق اتارتا ہے۔ اس میں نہ زیادتی متصور ہے اور نہ کمی۔

دلیل سوّم

اور ہم نے ہوائیں چلائیں جو بادلوں کو پانی سے حاملہ یعنی بار آور بناتی ہیں اور پھر ہم آسمان سے پانی اتارتے ہیں اور پھر وہ پانی تم کو پینے کو دیتے ہیں اور تم اس کا ذخیرہ نہیں رکھ سکتے تھے یہ خزانہ اللہ کے پاس ہے اور وہی اس کا محافظ ہے بقدر معلوم تم کو اس سے ملنا رہتا ہے اگر ہم بارش نازل نہ کرتے تو تم کہاں سے اتنا پانی لاتے۔

اثباتِ معاد

یہ تمام امور اس کی قدرت اور خالقیت کے دلائل تھے۔ اب آگے معاد کو بیان فرماتے ہیں اور تحقیق ہم ہی جلاتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں ہمارے سوا کسی میں قدرت نہیں اور ہم ہی سب کے وارث ہیں۔ سب فنا ہو جائیں گے اور سب کے بعد ہم ہی باقی رہیں گے۔ ہر شخص مرجاتا ہے اور اس کی کماٹی اللہ کے ہاتھ میں رہتی ہے۔

اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے ولادت اور موت اور اسلام اور اطاعت اور صف جماعت اور صف جہاد۔ وغیرہ وغیرہ ہیں آگے بڑھنے والوں کو اور البتہ تحقیق ہم نے خوب جان رکھا ہے پیچھے رہنے والوں کو۔ ہماری اس تفسیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ آگے بڑھنا اور پیچھے رہنا عام ہے۔ خواہ باعتبار ولادت اور موت کے ہو یا باعتبار اسلام اور اطاعت کے ہو یا باعتبار جماعت کے حاضری کے ہو اللہ تعالیٰ سب کے حال اور نیت سے واقف ہیں اور بے شک تیرا پروردگار سب کو میدانِ حشر میں جمع کرے گا۔ بلاشبہ وہ بڑی حکمتوں والا خبردار ہے وہ قیامت کے دن ہر شخص کے ساتھ اس کی نیت اور عمل کے مطابق معاملہ کرے گا اس کے علم و حکمت کا اندازہ لگانا ناممکن اور محال ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ

اور ہم نے بنایا آدمی کھنکھنا تے سے

حَمًا مَّسْنُونٍ ۚ وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ

گھرے سے اور جان (جنوں) کو بنایا ہم نے اس سے پہلے

مِنْ نَّارِ السَّوْمِ ۝۲۷ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ

اُن کی آگ سے ۔ اور جب کہا تیسگر رب نے فرشتوں کو

إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ

میں بناؤں گا ایک بشر کھکھناتے سے

حَمًا مَّسْنُونٍ ۝۲۸ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي

گھرے سے ۔ پھر جب ٹھیک کر دوں اس کو اور پھونک دوں اس میں

فَقَعُوا لَهُ سِجْدِينَ ۝۲۹ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ

اپنی جان سے تو گر پڑو اسکے سجدے میں ۔ تب سجدہ کیا ان فرشتوں نے سارے

أَجْمَعُونَ ۝۳۰ إِلَّا إِبْلِيسَ ط أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ

اکٹھے ۔ مگر ابلیس نے نہ مانا کہ ساتھ ہو سجدہ

السَّجِدِينَ ۝۳۱ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ

کرنے والوں کے ۔ فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو کہ نہ ساتھ ہوا

السَّجِدِينَ ۝۳۲ قَالَ لَمْ أَكُنْ لِأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ

سجدے والوں کے ۔ بولا میں وہ نہیں کہ سجدہ کروں ایک بشر کو کہ تو نے بنایا

مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمٍ مَّسْنُونٍ ۝۳۳ قَالَ فَاخْرُجْ

کھکھناتے سے گھرے سے ۔ فرمایا تو تو نکل

مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝۳۴ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى

یہاں سے تجھ پر پھینک مار ہے ۔ اور تجھ پر پھٹکار ہے لعنہ صاف

يَوْمِ الدِّينِ ۝۳۵ قَالَ رَبِّ فَانْظُرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝۳۶

کے دن تک ۔ بولا اے رب تو مجھ کو ڈھیل دے اس دن تک کہ مڑے جیویں ۔

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٤﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا تو تجھ کو ڈھیل دی ہے ۔ اسی ٹھہرے وقت کے

الْمَعْلُومِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ

دن تک ۔ بولا اے رب! جیسا تو نے مجھ کو راہ سے کھویا میں انکو بہاؤں

فِي الْأَرْضِ وَلَا أَغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٦﴾ إِلَّا عِبَادَكَ

دکھاؤں گا زمین میں اور راہ سے کھوؤں گا ان سب کو ۔ مگر جو تیرے

مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ

چنے بندے ہیں ۔ فرمایا یہ راہ ہے مجھ تک

مُسْتَقِيمٌ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

سیدھی ۔ جو میرے بندے ہیں تجھ کو ان پر کچھ زور

إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَايِبِينَ ﴿٣٨﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ

نہیں، مگر جو تیری راہ چلا خراب لوگوں میں ۔ اور دوزخ پر

لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ

وعدہ ہے ان سب کا ۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر

بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٠﴾

دردازے کو ان میں ایک فرقہ بٹ رہا ہے۔

ذکر پیدائش انس و جن و قصہ پیدائش آدم علیہ السلام

قال الله تعالى وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ... إلخ... لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ (ربط، اوپر کی آیتوں میں حق جل شانہ نے حیوانات کی پیدائش سے اپنی قدرت اور

خالقیت کا ذکر فرمایا اب یہاں جن دانس سے اسی مقصود پر استدلال فرماتے ہیں اور جان سے مراد یہاں جنوں کا باپ ہے جس طرح اوپر کی آیتوں میں انسان سے تمام انسانوں کے باپ مراد ہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ آدمیوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر نرانی غالب تھا اور جنوں کا باپ ایسے مادہ سے پیدا کیا گیا جس میں عنصر ناری کا غلبہ تھا۔ ابلیس اسی قسم میں سے تھا اللہ تعالیٰ نے ان دو مختلف نوعوں کو پیدا کیا اور ایک دوسرے کا دشمن بنایا۔ چنانچہ آئندہ آیات میں ان دو نوعوں کی خلقت اور باہمی عداوت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو یعنی آدم علیہ السلام کو جو نوع انسانی کی اصل اور فرداؤل ہیں۔ بجتی ہوئی مٹی سے جو بنی تھی سڑے ہوئے گارے سے حضرت آدم کی اصل اور ابتدا تراب ہے یعنی خاک کے متفرق اجزاء پھر اس کو پانی میں ترکیب تو وہ طین ہو گئی پھر کچھ دیر کے بعد طین لازب یعنی چمکتی ہوئی یس دیر ہو گئی پھر مَسْنُون یعنی سڑا ہوا اور بدبودار گارا ہو گیا۔ پھر خشک ہو کر وہ صلصال بننے والی ہو گئی۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ۔ انسان کو بجنے والی مٹی سے بنایا جیسے ٹھیکر۔ اور فخرا اس مٹی کو کہتے ہیں جو آگ میں پکاٹی گئی ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور انسان کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے اللہ تعالیٰ نے جان یعنی ابوالجن کو لو کی آگ سے پیدا کیا۔

جمہور مفسرین کے نزدیک جان بنشدیدون جنوں کا باپ ہے جو ایسی لطیف آگ سے پیدا کیا جو لطافت کی وجہ سے مسامات میں گھس جاتی ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جان سب جنوں کے باپ کا نام ہے اور حسن بصریؒ اور قتادہؒ سے یہ منقول ہے کہ جان سے ابلیس مراد ہے جو شیطانوں کا باپ ہے اور ان دونوں قولوں میں یہ فرق ہے کہ جنوں میں مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی اور وہ کھاتے اور پیتے بھی ہیں اور پیدا بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ ان کا حال انسانوں جیسا ہے بخلاف شیاطین کے کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں اور نہ وہ مرتے ہیں۔ سب کے سب ابلیس کے ساتھ مریں گے جب ان کا باپ مرے گا تب وہ بھی مریں گے (تفسیر خازن و قرطبی)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ جن ایک مستقل جنس ہے اور شیاطین دوسری جنس ہے مگر زیادہ صحیح اور راجح یہ ہے کہ شیاطین جنات کی ایک خاص قسم ہے جنات میں سے جو جنوں ہو اس کو شیطان نہیں کہا جاسکتا ہے جنات میں سے جو کافر ہوا صرف اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۵، جلد ۵ و تفسیر روح المعانی ص ۳۳ جلد ۱۴)

علامہ صاویؒ فرماتے ہیں۔ اصول تین ہیں۔ آدمؑ ابوالبشر ہیں۔ اور جان ابوالجن ہیں اور ابلیس ابوالشیاطین ہے۔

(صاوی حاشیہ جلابین ص ۲۹۴ جلد ۲)

خداوند لطیف وخبیر نے اول ملائکہ کو نور سے بنایا ان کے بعد قوم جن کو نارِ سموم سے بنایا جن کا مادہ ملائکہ سے ذرا قریب تھا بعد ازاں انسان کو مٹی سے بنایا۔ جس کا مادہ کثیف ہے باقی رہے حیوانات گھوڑا

اور گدھا اور بیل اور بھینس وغیرہ معلوم نہیں کہ کب بنائے گئے آدم سے پہلے یا پیچھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نکتہ آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی چونکہ مٹی کی خاصیت اتذل اور خاکساری ہے اس لیے آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ خدا کے خضوع

و خضوع کرنے والے بندے بنیں اور مقام عبدیت و عبودیت ان کو علی وجہ الکمال حاصل ہو اس لیے کہ ہر شے اپنی اصل جنس کی طرف مائل ہوتی ہے اس لیے آدم علیہ السلام نے خاکی ہونے کی وجہ سے تواضع اور خاکساری کو اختیار کیا۔ اور ابلیس نے ناری ہونے کی وجہ سے علو اور استکبار کی راہ کو اختیار کیا اور جسم خاکی کو حقیر جانا اور تکبر اور حسد نے ابلیس کو ایسا اندھا بنایا کہ وہ اس جسم انسانی کے انوار و آثار کو نہ سمجھ سکا جس کو خود دست قدرت نے خاک اور پانی سے بنایا اس لیے اب آئندہ آیات میں انسان کی فضیلت اور کرامت کو بیان کرتے ہیں۔ اور اولاد آدم کے ساتھ ابلیس لعین کی عداوت کو بیان کرتے ہیں تاکہ آدم کی اولاد باخبر رہے کہ شیطان کو اپنا دشمن جانے اور فرشتوں کو اپنا دوست جانے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور یاد کرو اس وقت کو جب تیسرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھاتے ہوئے سڑے

ہوئے کالے کیچڑ سے ایک آدمی کا پتلہ بنانے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔ یہ سجدہ تحیت و تعظیم تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ سو جب اللہ تعالیٰ ان کو بنا چکا تو تمام فرشتوں نے اکٹھے ہو کر یکبارگی ہی ان کو سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے تکبر کی وجہ سے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کر دیا۔ اس تعبیر میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ملائکہ میں سے نہ تھا بلکہ ان کے ساتھ عبادت کرتا تھا۔ اور دوسری آیت میں تصریح ہے کہ وہ جنات میں سے تھا۔ کما قال تعالیٰ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ابلیس نے ازراہ تکبر اپنے کو بڑا سمجھا اور آدم علیہ السلام پر حسد کیا لیکن اللہ کے حکم کو نہ دیکھا۔ اللہ کا حکم سب سے بالا اور بہتر ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا ابلیس تجھے کیا امر مانع ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ فرشتے کس درجہ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ ابلیس بولا میں وہ نہیں ہوں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے کھنکھاتے ہوئے سڑے کالے کیچڑ سے پیدا کیا۔ یعنی میرے اس سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں میں پیدا ہوا ہوں آگ سے اور وہ پیدا ہوا ہے مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل اور بہتر ہے اس لیے کہ آگ جو ہر لطیف ہے اور بہترین عنصر ہے اور مٹی ایک جسم کثیف اور بدترین عنصر ہے مطلب یہ تھا کہ آدم ایک جسم کثیف ہے اور میں ایک جسم روحانی اور لطیف ہوں اور لطیف کثیف سے اعلیٰ ہے۔ پس اعلیٰ ادنیٰ کو کیسے سجدہ کرے یہ سب اس کا خیال خام تھا جس پر کوئی دلیل نہ تھی اس لعین نے یہ نہ جانا کہ فضل و شرف کا دار و مدار اللہ کے حکم پر ہے نہ کہ مادہ اور سیوا پر اور نہ یہ خیال کیا کہ فرشتے جو خالص نورانی ہیں اور ان میں ظلمت اور کدورت کا شائبہ نہیں وہ اس خلیفہ خاکی کو سجدہ کر رہے ہیں نیز فرشتوں کو جو علو منزلت اور قرب خداوندی حاصل ہے وہ اس کی نظروں کے

سامنے تھا ان کو دیکھ کر بھی یہ نہ سمجھا کہ جب خالص نور سے پیدا ہونا دلیل افضلیت کی نہیں تو نار سے پیدا ہونا کیسے افضلیت کی دلیل ہو سکتی ہے ابلیس نے محض تکبر اور حسد کی بناء پر آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور بہانہ یہ بنایا کہ آگ گارے اور مٹی سے بہتر ہے جس پر کوئی دلیل نہیں جیسا کہ سورہ بقرہ کی تفسیر میں ابلیس کی اس تلبیس و تدلیس کا مفصل جواب گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

خلاصہ کلام

یہ کہ جب ابلیس نے ازراہ تکبر و غرور فرمان خداوندی کے مقابلہ میں اپنی رائے کو بہتر جانا تو اللہ نے حکم دیا کہ اے مغرور اور بے ادب جب تیرے غرور کا یہ حال ہے تو یہاں سے نکل جا بے راندہ درگاہ ہے اور تجھ پر میری لعنت ہے روز قیامت تک تو ہمیشہ کے لیے ملعون ہوا۔ بولائے میرے پروردگار مجھے مہلت دیجئے اس دن تک کہ مردے قبروں سے اٹھائے جائیں غرض یہ تھی کہ مروں نہیں اس لیے کہ بعث کے بعد موت نہیں اور اس درخواست سے مقصود یہ تھا کہ مجھ کو اتنی طویل مہلت مل جائے کہ اولاد آدم سے بدلہ لے سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا جب تو مہلت مانگتا ہے تو تجھ کو مہلت دی گئی نفخہ اولیٰ تک جس وقت تمام مخلوق فنا ہو جائے گی اور ان کے ساتھ تو مرے گا اور نفخہ ثانیہ کے بعد سب کے ساتھ تو بھی زندہ ہوگا۔ نفخہ اولیٰ یعنی جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سارا عالم مرجائے گا اس میں ابلیس بھی مرجائے گا۔ پھر چالیس سال کے بعد نفخہ ثانیہ یعنی دوبارہ صور پھونکا جائے گا جس سے سب زندہ ہو جائیں گے اور اس چالیس سال کے درمیانی وقفہ میں ابلیس بھی مردہ پڑا رہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔ شیطان نے حشر تک زندہ رہنے کی درخواست کی مگر بارگاہ خداوندی سے وقت معین یعنی صور پھونکنے تک منظوری ہوئی اللہ نے شیطان کی ایک بات تو منظور فرمائی کہ اس کو بنی آدم کے اغواء کے لیے طویل مہلت دے دی گئی۔ مگر اس کی دوسری درخواست کہ وقت بعثت تک اس کو مہلت مل جائے یہ منظور نہ ہوئی۔ بولائے پروردگار! جیسا تو نے مجھے بہکایا میں بھی اولاد آدم کو بہکانے میں کوئی کسر نہ چھوڑوں گا البتہ میں ان کے لیے زمین میں تیری معصیت کو خوب صورت بنا کر دکھاؤں گا یعنی ان کو دنیا کی بہاریں دکھاؤں گا اور ان سب کو راہ حق سے گمراہ کروں گا سوائے ان کے جو تیرے خالص اور چیدہ بندے ہیں کیونکہ وہ میرے بس میں آنے والے نہیں۔ فرمایا کہ یہی اخلاص اور بندگی میرے تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے بے شک جو میرے اصل بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں ہاں تیرا زور صرف ان لوگوں پر ہے جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے ہوئے۔ شہوت پرست تیرے پیچھے لگ جائیں گے انہیں پر تیرا زور چلے گا اور بے شک تیرے تمام پیچھے چلنے والوں کی وعدہ گاہ دوزخ ہے یعنی شیطان اور اس کے پیرو سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان گمراہوں میں سے ایک حصہ مقرر اور معین ہے ہر دروازے

سے وہی لوگ داخل ہوں گے جو ان کے لیے مقرر اور معین ہے۔

ف سُبْعَةُ ابْوَابٍ سے بعض سلف کے نزدیک جہنم کے سات طبقے مراد ہیں جن کے نام ترتیب وار یہ ہیں۔ جہنم۔ نطنی، حطمہ۔ سعیر، سفقرہ۔ جحیم، ہادیہ اور لفظ جہنم کا اطلاق ایک خاص طبقہ پر بھی ہوتا ہے۔ اور مجموعہ طبقات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور بعض علماء کے نزدیک سات دروازے مراد ہیں جن سے الگ الگ دوزخی داخل ہوں گے۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں۔ جیسے بہشت کے آٹھ دروازے ہیں نیک عمل والوں پر بانٹے ہوئے ہیں ویسے ہی دوزخ کے سات دروازے ہیں بد عمل لوگوں پر بانٹے ہوئے ہیں۔ شاید بہشت کا ایک دروازہ زیادہ اس لیے ہے کہ بعض موحدین نرے فضل سے جنت میں جائیں گے۔ بغیر عمل کے۔ باقی عمل میں دروازے برابر ہیں۔ ۱۵۱۔

ف بظاہر ان آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ ابلیس سے کلام کیا مگر یہ کلام خطاب تہدید غضب تھا جیسے کوئی بادشاہ کسی خادم کو دھمکائے اور زجر و توبیخ کرے تو ایسا بالمشافہ کلام دلیل عزت و کرامت نہیں بلکہ دلیل اہانت و حقارت ہے۔ (دیکھو اکام المرجان فی احکام الجان ص ۱۵۶)



إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۖ (۳۵) ادْخُلُوهَا

جو پر ہیزگار ہیں باغوں میں ہیں اور چشموں میں۔ جاؤ اس میں

بِسَلَامٍ آمِنِينَ ۖ (۳۶) وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

سلامتی سے خاطر جمع سے۔ اور نکال ڈالی ہم نے جو ان کے جیوں میں تھی خفگی،

إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ ۖ (۳۷) لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا

بھائی ہو گئے تختوں پر بیٹھے آمنے سامنے۔ نہ پہنچے گی ان کو

نَصَبٌ ۖ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۖ (۳۸) نَبِيٌّ

وہاں کچھ تکلیف، اور نہ اُن کو وہاں سے کوئی نکالے۔ خبر سنادے

عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۖ (۳۹) وَأَنَّ عَذَابِي

میرے بندوں کو کہ میں ہوں اصلی بخشنے والا مہربان۔ اور یہ بھی کہ میری مار

هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝

دہی دکھ کی مار ہے ۔

ذکر نعمائے اہل جنت

قال الله تعالى۔ اِنَّ الْمُتَّقِينَ فِيْ جَنَّتٍ قٰیْمُوْنَ الی وَاِنَّ عَذَابَیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝
(ربط) اوپر کی آیتوں میں گنہگاروں کا اور ان کے لیے جہنم کی سزا کا ذکر تھا اب ان آیتوں میں پرہیزگاروں کے ثواب اور ان کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اور متقی وہ لوگ ہیں کہ جو بتوفیق الہی اور بنائیدار بزدی شیطان کے اغواء اور تسلط سے محفوظ رہے اور ابلیس لعین کی تسویل و ترغیب سے دنیا کی آرائش کے دلدادہ نہ بنے آخرت ہی کی فکر میں لگے رہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تحقیق جن لوگوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کی اور شیطان کے اغواء اور ترغیب سے بچتے رہے وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے دودھ اور شراب کے چشے ان میں جاری ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان باغوں میں سلامتی کے ساتھ امن سے داخل ہو جاؤ اب تم کو کسی قسم کا خوف اور غم نہیں موت اور ہر آفت سے تم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو اور ان نعمتوں کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ کرو۔ بالکل بے خوف ہو کر رہو اور بمقتضائے بشریت دنیا میں جو ان کے سینوں میں کسی قسم کا کوئی کینہ یا خفگی اور ناگواری تھی۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ہی یک لخت ہم اس کو ان کے سینوں سے نکال ڈالیں گے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بمقتضائے بشریت دنیا میں ایسے دو شخصوں کے درمیان رنج و ملال پیش آجاتا ہے کہ جو دونوں خدا کے نزدیک متقی ہوتے ہیں اور دونوں اہل بہشت میں سے ہوتے ہیں جیسے جنگ جمل اور جنگ صفین میں صحابہؓ کے درمیان رنج و ملال پیش آیا۔ جنت میں داخل ہونے سے قبل ان کا باہمی رنج و ملال سینوں سے نکال دیا جائے گا۔ پھر جنت میں داخل ہونے کے بعد وہ بھائی بھائی بنے آمنے سامنے محبت و الفت کے ساتھ جڑ اڑتھتوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اور محبت و الفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ اور ہم کلام ہوں گے۔

اسی طرح صحابہ کے مشاجرات اور باہمی اختلافات کو سمجھو کہ اصحاب علیؓ اور اصحاب معاویہؓ ہر دو گروہ متقی اور پرہیزگار تھے اور ہر دو گروہ اہل جنت ہیں اور بہشت میں داخل ہوں گے۔ دنیا میں جو باہمی اختلاف کی وجہ سے رنج و ملال پیش آیا وہ جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی سینوں سے نکال دیا

جائے گا۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ میں کہتا ہوں کہ میں اور طلحہؓ اور زبیرؓ ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ خَلٍّ إِخْوَانًا۔ اس ناچیز کا گمان ہے کہ ان حضرات کا دل دنیا ہی میں صاف ہو چکا تھا۔ جیسا کہ حضرت علیؓ کا قول اس پر دلالت کرتا ہے۔ نہ ان کو وہاں تکلیف پہنچے گی۔ اور نہ وہاں سے نکالے جائیں گے کیوں کہ جنت دارالخلود ہے وہاں ہمیشگی ہے۔ یہاں تک یہ بیان کیا کہ جہنم غا دین کا ٹھکانہ ہے اور جنت متقین کا ٹھکانہ ہے اب آگے گنہگاروں اور خطاکاروں کو تسلی دی جاتی ہے کہ یہ لوگ خدا کی مغفرت اور رحمت سے ناامید نہ ہوں۔ اے نبیؐ میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ تحقیق میں بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہوں کسی گناہگار کو میری رحمت اور مغفرت سے ناامید نہ ہونا چاہیئے اور یہ بھی خبر دے دیجئے کہ تحقیق میرا عذاب بڑا ہی دردناک عذاب ہے اس لیے عذاب سے کسی وقت بے خوف نہ ہونا چاہیئے۔ خوف بھی اسی کا چاہیئے اور امید بھی اسی کی چاہیئے۔

وَنَبَّأَهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝۵۱ اِذْ دَخَلُوْا

اور احوال سنا ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا۔ جب چلے آئے

عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۖ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝۵۲

اس کے گھر میں، اور بولے سلام۔ وہ بولا ہم کو تم سے ڈر آتا ہے۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝۵۳

بولے۔ ڈر مت! ہم تجھ کو خوشی سناتے ہیں ایک ہوشیار لڑکے کی۔

قَالَ اَبَشِّرْهُنِيْ عَلٰی اَنْ مَّسَّنِيَ الْاِكْبَرُ

بولا تم خوشی سناتے ہو مجھ کو جب پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا

فِيْمَ تَبَشِّرُوْنَ ۝۵۴ قَالُوْا بَشِّرْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَلَا تَكُنْ

اب کا ہے پر خوشی سناتے ہو۔ بولے ہم نے تجھ کو خوشی سنائی تحقیق، سو مت ہو تو

مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝۵۵ قَالَ وَمَنْ يَّقْنُطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ

ناامیدوں میں۔ بولا اور کون اس توڑے اپنے رب کی مہر سے؟

إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾

مگر جو راہ بھولے ہیں۔ بولا پھر کیا مہم ہے تمہاری اے اللہ کے بھیجو !

قَالُوا إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ مُجْرِمِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا آلَ لُوطٍ

بولے ہم بھیجے آئے ہیں ایک قوم گنہگار پر۔ مگر لوط کے گھروالے

إِنَّا لَمُنَجِّوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥٩﴾ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا إِنَّهَا

ہم ان کو سچا لیں گے سب کو۔ مگر ایک اس کی عورت ہم نے ٹھہرایا

لِمَنِ الْغَابِرِينَ ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾

وہ ہے رہ جانے والوں میں۔ پھر جب پہنچے لوط کے گھر وہ بھیجے ہوئے۔

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ﴿٦٢﴾ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا

بولا تم لوگ ہو گئے اد پرے۔ بولے نہیں۔ پر ہم لائے ہیں تجھ پاس

فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾ وَآتَيْنَكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾

جس میں وہ جھگڑتے تھے۔ اور ہم لائے ہیں تجھ پاس مقربات اور ہم سچ کہتے ہیں۔

فَاسِرْ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ

سو لے نکل اپنے گھر والوں کو رات رہے سے، اور آپ چل ان کے پیچھے،

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾

اور مڑ کر نہ دیکھے تم میں کوئی، اور چلے جاؤ جہاں تم کو حکم ہے۔

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَهُمْ أَرْسَالٌ مَّقْطُوعٌ

اور نچکا دیا ہم نے اس کو وہ کام، کہ اُن کی جڑ کٹی ہے

مُّصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٦٧﴾

صبح ہوتے۔ اور آئے شہر کے لوگ خوشیاں کرتے۔



قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۖ ۞۶۸ وَاتَّقُوا

بولو، یہ لوگ میرے مہمان ہیں، سو مجھ کو رسوا مت کرو۔ اور ڈرو اللہ

اللَّهُ وَلَا تَخْزُونِ ۖ ۞۶۹ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ

سے اور میری آبرو مت کھوؤ۔ بولے، ہم نے تجھ کو منع نہیں کیا جہان کی

الْعُلَمِيِّينَ ۖ ۞۷۰ قَالَ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ۖ ۞۷۱

حمایت سے۔ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔

لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۖ ۞۷۲ فَأَخَذَتْهُمُ

قسم ہے تیری جان کی! وہ اپنی مستی میں مدهوش ہیں۔ پھر پکڑا ان کو

الصَّبْحَةَ مُشْرِقِينَ ۖ ۞۷۳ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا

چنگھاڑنے سورج نکلنے۔ پھر کر ڈالی ہم نے وہ بستی اوپر تلے اور برساتے

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ۖ ۞۷۴ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

ان پر پتھر کھنگر کے۔ بیشک اس میں پتے ہیں دھیان

لِلْمُتَوَسِّمِينَ ۖ ۞۷۵ وَإِنَّهَا لِبَسْبِيلٍ مُّقِيمٍ ۖ ۞۷۶ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کرنے والوں کو۔ اور وہ بستی ہے سیدھی راہ پر۔ البتہ اس میں نشانی

لَآيَةٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ ۞۷۷

ہے یقین کرنے والوں کو۔

قصۃ ابراہیم علیہ السلام

قال اللہ تعالیٰ۔ وَنَبِّئُهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰہِیْمَ۔۔۔۔۔ الی۔۔۔۔۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ہ
 (اربط، ابتداء سورت میں حق تعالیٰ نے نبوت کا اثبات فرمایا اس کے بعد اپنی وحدانیت اور

خالقیت کے اثبات کے لیے اپنے آثار قدرت کا ذکر فرمایا اور پھر کچھ قیامت کا حال اور سعداء اور اشقیاء کے حال اور مال کو بیان کیا اور اسی سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کیا۔ اب اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قصص ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قہر اور اس کی مہر کو سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کی مہر پیغمبروں پر اور ان کے ماننے والوں پر کس طرح نازل ہوئی اور ان کے دشمنوں پر خدا کا قہر کس طرح نازل ہوا تاکہ اطاعت پر راضی ہوں اور معصیت سے نفور اور بیزار ہوں اس لیے اڈل ابراہیم علیہ السلام کا اور اس کے ساتھ لوط علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔

قصہ ابراہیم علیہ السلام

چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی! اگر وہ میری شان قہر اور مہر میں تردد کریں اور میری رحمت اور عذاب کا انکار کریں تو ان کو ابراہیم کے مہانوں کی خبر دے دیجئے یہ مہان فرشتے تھے خدا نے ان کو ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے اور قوم لوط کو غارت کرنے کے لیے بھیجا تھا ابراہیم علیہ السلام کے حق میں رحمت اور بشارت کے فرشتے تھے اور قوم لوط کے حق میں عذاب اور مصیبت کے فرشتے تھے۔ جب وہ مہان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے سلام کیا۔ ابراہیم علیہ السلام بولے تحقیق ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے ڈر لگنے کی وجہ یہ تھی کہ ان فرشتوں کے ساتھ عذاب تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب ان کی طرف دیکھا تو ان کے چہروں سے قہر اور عذاب کے آثار نظر آئے یا ڈر کی وجہ یہ تھی کہ وہ بے وقت اور بغیر اجازت کے آئے تھے اور جب ان کے سامنے کھانا رکھا تو کھانا نہ کھایا۔ وہ بولے ڈر و مت۔ یہ وقت ڈرنے کا نہیں بلکہ خوشی کا ہے ہم تمہیں ایک علم والے بڑے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے ہیں یہ بشارت اسحاق علیہ السلام کی تھی۔ کما قال تعالیٰ وَبَشِّرْنَاہُ بِإِسْحَاقَ نَبِیًّا مِّنَ الصَّالِحِیْنَ۔ ابراہیم علیہ السلام چونکہ اس وقت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی سارہ بھی بوڑھی ہو گئی تھیں۔ اس لیے انہیں اس بشارت سے تعجب ہوا سو ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ کیا تم مجھ کو ایسے وقت لڑکے کی بشارت دیتے ہو جب کہ مجھ کو بڑھا پا آ لگا۔ پس ایسی حالت میں تم مجھے کس چیز کی بشارت دیتے ہو یہ وقت تو ولادت فرزند کا نہیں۔ فرشتے بولے ہم نے تجھ کو صحیح اور درست اور سچی بشارت دی ہے پس تم اسباب ظاہری پر نظر کر کے ناامیدوں میں سے مت ہو جاؤ کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت سے کیسے لڑکا پیدا ہو گا۔ ابراہیم علیہ السلام بولے۔ اپنے پروردگار کی رحمت سے سوائے گمراہوں کے اور کون ناامید ہوتا ہے یعنی میں خدا سے ناامید نہیں ہوں خدا سے ناامیدی تو گمراہوں کا شیوہ ہے خدا کی قدرت میں مجھے کوئی شبہ نہیں البتہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب میں ہوں۔ کیونکہ عام، عام اسباب ہے بعد ازاں ابراہیم علیہ السلام نے فراست نبوت سے یہ سمجھا کہ

فرشتوں کی یہ جماعت محض بشارت دینے کے لیے نہیں آئی بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی مقصد معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام بولے اے خدا کے فرستادو! بتلاؤ اصل مہم کیا ہے جس کے لیے تم بھیجے گئے ہو فرشتے بولے! ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ان کو تہ و بالا کریں مراد قوم لوط ہے یعنی ہم اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ قوم لوط کو ہلاک کریں مگر لوط علیہ السلام کے گھروالوں کو ان سب کو ہم عذاب سے بچالیں گے۔ اس لیے آپ اپنے بھتیجے لوطؑ کی وجہ سے پریشان نہ ہوں سوائے ان کی بیوی کے اس کے لیے ہم نے بحکم خداوندی یہ ٹھہرا لیا ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے یعنی یہ عورت اپنے باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہوگی جو بستی میں عذاب کے لیے پیچھے رہ جائیں گے۔ لوط علیہ السلام عذاب سے محفوظ رہیں گے اور ان کی بیوی ہلاک ہوگی۔

پس جب وہ فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر لوط علیہ السلام کے گھروالوں کے پاس پہنچے تو جو انان خوبصورت کی شکل میں ان کے گھر میں داخل ہوئے تو لوط علیہ السلام نے کہا تحقیق تم اجنبی لوگ ہو میں تم کو بالکل نہیں پہچانتا اور دل میں ڈر ہے کہ شہر والے بڑے اوباش ہیں معلوم نہیں ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے وہ بولے ہم وہ نہیں کہ جن سے ڈرا جائے بلکہ ہم اللہ کے فرشتے ہیں۔ تیسرے پاس ان کے لیے وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے بارہ میں یہ مجرمین شک کیا کرتے تھے اور ہم آپ کے پاس ایک فیصلہ کن چیز لے کر آئے ہیں۔ جواہل حق اور اہل باطل کے درمیان فیصلہ کر دے گی یعنی فیصلہ کن عذاب لے کر آئے ہیں اور البتہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔ پس آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھروالوں کو اپنے ساتھ لے کر اس بستی سے نکل جائیے اور آپ ان کے پیچھے پیچھے چلیے تاکہ آپ کے گھروالوں میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عزادات میں لشکر کے پیچھے رہتے تھے تاکہ ضعیف اور منقطع کی خبر لیتے رہیں اور اے لوط! تمہارے گھروالوں میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے اور سید چلے جاؤ جدھر جانے کا تمہیں حکم دیا جا رہا ہے یعنی ملک شام کی طرف اور دجی بھیجی ہم نے لوط علیہ السلام کی طرف اس امر کی کہ بوقت صبح ان کی جڑ کاٹ دی جائے گی یعنی بوقت صبح ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا جائے گا خیر یہ بات تو بعد کی ہے اور اس سے پہلے یہ واقعہ پیش آیا کہ جب قوم لوط نے یہ سنا کہ لوطؑ کے گھر مہمان آئے ہیں وہ بہت خوبصورت اور حسین و جمیل نوجوان ہیں تو شہر کے لوگ خوب خوشیاں کرتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آئے لوط علیہ السلام جواب تک ان کو اپنا مہمان سمجھے ہوئے تھے۔ اوباشوں کے اس غول کو دیکھ کر بولے تحقیق یہ لوگ میرے مہمان ہیں پس خدا را مجھ کو فیضیت نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور دنیا کی نظر میں مجھے رسوا نہ کرو۔ وہ بے حیا بولے کہ کیا ہم نے تجھ کو اہل عالم کی حمایت سے منع نہیں کیا تھا؟ یعنی ہم نے تجھ کو کہہ رکھا تھا کہ تو جہان کی حمایت نہ کیا کر مگر تو باز نہیں آتا۔ لوط علیہ السلام نے کہا۔ یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں اگر تم کو نفسانی خواہش ہی پوری کرنی ہے تو ان سے نکاح کر لو مگر یہ بدبخت کہاں سننے والے تھے۔ اے نبی قسم ہے تیری زندگی کی کہ یہ لوگ

اپنے نشہ میں مدہوش تھے شہوت کے نشہ میں اندھے بنے ہوئے تھے۔ لوط علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا تو وہ بحکم خداوندی اپنے خاندان اور اہل ایمان کو لے کر وہاں سے نکل گئے پس ناگاہ سورج نکلنے کے وقت ایک ہولناک آواز نے ان کو آپکڑا پھر اس صبح (ہولناک آواز) کے بعد ہم نے اس بستی کے اوپر کی جانب کو الٹ کر اس کے نیچے کی جانب کر دیا۔ یعنی اس بستی کو زیرِ دُور کر دیا کہ اوپر کا تختہ نیچے کر دیا اور نیچے کا تختہ اوپر کر دیا۔ اور پھر ان پر کنکر کے گرم پتھر برسائے جس سے وہ سب کے سب بالکل تباہ ہو گئے بے شک اس قسم کے عذاب میں جو قوم لوط پر نازل ہوا اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں جو سورت کو دیکھ کر حقیقت کو تاثر لیتے ہیں۔ اور بے شک وہ قوم لوط کی بستیاں آباد سڑک کے سراہ واقع ہیں۔ ہر ایک مسافر اور راہ رواں کے کھنڈرات اور عذاب کے پتھر دلوں کو دیکھتا ہے۔ یہ بستیاں حجاز اور شام کے درمیان عام شاہراہ پر واقع ہیں جو ہمیشہ چلتی ہے اور جدھر سے قافلے گزرتے ہیں اور ان شہروں کے نشانات کو دیکھتے ہیں بے شک اس واقعہ میں اہل ایمان کے لیے قدرت ربانی کی بڑی نشانی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ خداوندِ قادر اور عزیزِ مقتدر کا ان لوگوں سے انتقام تھا جو انبیاء و مرسلین پر ایمان نہیں لائے اور جو لوگ قدرتِ خداوندی کے قائل نہیں وہ اس قسم کے واقعات کو حوادثِ عالم اور فلتاتِ طبیعیہ پر محمول کرتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ مادہ آتشی کے اجتماع سے اور اجزاء کے باہمی رگڑ سے یہ اشتعال پیدا ہو گیا۔ سنگ دل ایسی ہی نادبلیں کیا کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ نفسانیت اور شہوت ہی ایک آتشی مادہ ہے جب وہ دل میں جمع ہو جاتا ہے تو وہ قوم لوط کی طرح آدمی کو سنگ دل بنا دیتا ہے اور جب دل میں نفسانیت اور شہوانیت کا آتشی مادہ جمع ہو جاتا ہے تو اس پر سے حجّارۃً مِّنْ سِجِّیلٍ کی اس پر بارش ہوتی ہے اور اس کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔ اَلْمُهْمَرُ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْقِسْوَةِ وَالْغَفْلَةِ وَالْعِيْلَةِ وَالذَّلَةِ وَالْمُسْكَنَةِ آمین یا رب العالمین۔

وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ۖ فَانْتَقِمْنَا

اور تحقیق تھے بن کے رہنے والے گنہگار۔ سو ہم نے

مِنْهُمْ مَّوَانِهِمْ لِأَيَّامٍ مُّبِينٍ ۖ وَلَقَدْ كَذَّبَ

ان سے بدلا لیا۔ اور یہ دونوں شہراہ پر ہیں نظر آتے۔ اور تحقیق جھٹلایا

أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسِلِينَ ۖ وَإِتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا

حجر والوں نے رسولوں کو اور دیں ہم نے ان کو نشانیاں سورہ

عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ

ان کو ٹلاتے ۔ اور تھے تراشتے پہاڑوں کے گھر

يَوْمًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾ فَأَخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾

خاطر جمع سے ۔ پھر پکڑا ان کو چنگھاڑنے، صبح ہوتے ۔

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾

پھر کام نہ آیا ان کو جو کما تے تھے ۔

قصۃ اصحاب ایکہ واصحاب حجر

قال الله تعالى وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ الی فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۚ (ربط) اوپر کی آیتوں میں قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا ذکر تھا اب اصحاب ایکہ اور اصحاب حجر کے عذاب کا ذکر کرتے ہیں مقصود سب سے تحقیق رسالت ہے کہ جو نبی کو نہ مانے وہ مستحق عذاب ہے۔ ایکہ اس بستی کا نام ہے جہاں شعیب علیہ السلام پہنچ گئے تھے۔ اصل میں یہ شہر مدین کا ایک مقام ہے چونکہ یہاں درخت زیادہ تھے اس لیے اس کو ایکہ فرمایا۔ ایکہ عرب میں درختوں کے بن کو کہتے ہیں اور ”حجر“ اس وادی کو کہتے ہیں جو شام اور عرب کے درمیان واقع ہے اور اصحاب حجر سے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم مراد ہے جو بہت بدکار تھی اور پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتی تھی ان ہی کو صالح علیہ السلام نے ناقہ کا معجزہ دکھایا تھا اس پر بھی عناد سے باز نہ آئے بالآخر ہلاک ہوئے قوم لوط کی ہلاکت کے بعد اب مختصراً ان دو قصوں کو بیان فرماتے ہیں۔

اور تحقیق تھے اصحاب ایکہ یعنی بن دالے لوگ (اس سے شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے) بڑے ہی ظالم جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی سو ہم نے عذاب نازل کر کے ان سے اس تکذیب کا انتقام لے لیا اور بے شک یہ دونوں بستیاں یعنی قوم لوط کی بستی اور قوم شعیب کی بستی دونوں کشادہ اور چلتی سڑک پر واقع ہیں جن کو لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں گذرنے والوں کے لیے عبرت کے نشانات موجود ہیں۔

اور البتہ تکذیب کی حجر والوں نے یعنی قوم ثمود نے رسولوں کی۔ یعنی صالح علیہ السلام کی حجر مدینہ اور شام کے درمیان ایک میدان ہے جہاں قوم

نمود آباد تھی۔ اس قوم نے صرف صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ مگر چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا حقیقت میں سب نبیوں کا جھٹلانا ہے اس لیے فرمایا کہ حجر والوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں۔ جن سے اللہ کی وحدانیت اور حضرت صالح علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوتی تھی۔ منجملہ ان معجزات کے ایک معجزہ ناقہ کا تھا۔ سو وہ لوگ ان نشانوں سے منہ پھیر لیتے تھے۔ یعنی ان کی طرف التفات نہیں کرتے تھے۔ اور یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے درآں حالیکہ وہ اپنے گمان میں بہت عمدہ مکانوں کی وجہ سے مامون اور بے خوف و خطر تھے۔ ان لوگوں کو یہ اندیشہ نہ تھا کہ ہمارے یہ مکان منہدم ہو جائیں گے۔ یا کوئی چوران میں نقب لگا سکے گا۔ مگر یہ نہ سمجھا کہ کوئی قلعہ اور کوئی مکان عذاب الہی سے امن و امان نہیں دے سکتا۔ پس اسی خوابِ خرگوش میں تھے کہ صبح ہوتے ہی عذاب الہی کی ایک سخت اور تند آواز نے آپکڑا۔ اور اس طویل خوابِ غفلت سے ان کو بیدار کر دیا۔ پس عذاب کے دفع کرنے میں کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔ یعنی مال و دولت اور ساز و سامان اور پہاڑوں کے مکان اور عیش و عشرت کے سامان جن پر وہ مغرور تھے کوئی کام نہ آیا سب دھوا رہ گیا اور جب آنکھ کھلی تو متدارک ممکن نہ تھا۔ دیکھتے ہی رہ گئے کہ دم کے دم میں کیا ہو گیا۔ گرفتاری کا دارنٹ اسی طرح جاری ہوتا ہے اور پولیس اخیر رات میں آکر چھاپہ مارتی ہے اور پکڑ کر لے جاتی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا

اور ہم نے بنائے نہیں آسمان و زمین اور جو ان کے بیچ ہے بغیر

بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ ۖ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ

تدبیر - اور قیامت مقرر آتی ہے سو کنارہ پکڑ اچھی طرح

الْجَبِيلِ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلِيقُ الْعَلِيمُ ۝۸۶ وَلَقَدْ

کنارہ - تیرا رب جو ہے وہی ہے بنانیوالا خبردار - اور ہم نے

آتَيْنَكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۝۸۷

دی ہیں تجھ کو سات آیتیں و خلیفہ - اور قرآن بڑے درجے کا۔

لَا تَسُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا

مت پسار اپنی آنکھیں اُن چیزوں پر جو برتنے کو دیں ہم نے ان کو کئی طرح کے لوگوں

مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ

کو، اور نہ غم کھا اُن پر اور جھکا اپنے بازو

لِلْمُؤْمِنِينَ ۸۸ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۸۹ كَمَا

ایمان والوں کے واسطے۔ اور کہہ کر میں وہی ہوں ڈرانے والا کھول کر جیسا ہم

أَنْزَلْنَاهُ عَلَى الْمُقْسِمِينَ ۹۰ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ

نے بھیجا ہے ان بانٹی کرنے والوں پر۔ جنہوں نے کیا ہے قرآن کو

عِضِينَ ۹۱ فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۹۲ عَمَّا كَانُوا

بوٹیاں۔ سو قسم ہے تیرے رب کی کہ ہم کو پوچھنا ہے اُن سب سے جو کام

يَعْمَلُونَ ۹۳ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ

کرتے تھے۔ سو سنا دے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔ اور دھیان نہ کر

الْمُشْرِكِينَ ۹۴ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۹۵ الَّذِينَ

شرک والوں کا۔ ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو۔ جو

يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۹۶

ٹھراتے ہیں اللہ کے ساتھ اور کسی کی بندگی سو آگے معلوم کریں گے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۹۷

اور ہمیں جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۹۸ وَاعْبُدْ

سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدے کرنے والوں میں۔ اور بندگی کر

رَبِّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۹۹

اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین۔



تلقین صبر ایدائے اہل استہزاء و تمسخر

قال الله تعالى وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ اِلَى حَتَّى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝
(ربط) گزشتہ رکوعات میں پہلی امتوں کے معاندین کے حال اور مال کو بیان کیا۔ اب ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو اور صبر کی تلقین فرماتے ہیں کہ آپ اپنے زمانے کے معاندین کی ایذاء اور تمسخر پر صبر کریں اور کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں اور جو لوگ آپ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں ان کی فکر نہ کریں ہم خود ان سے پیٹ لیں گے۔ آپ بے خوف و خطر تبلیغ اور دعوت کو جاری رکھیں اور تسبیح و تحمید اور عبادت میں لگے رہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور ہمیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان کے درمیان چیزوں کو مگر حکمت اور مصلحت کے ساتھ تاکہ ان سے صانع عالم کے وجود اور اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور قدرت پر استدلال کریں اور اس کے احکام کی اطاعت کریں اور ان بستیوں کو دیکھیں جو نافرمانیوں کی وجہ سے تباہ اور برباد ہوئیں۔ اور دنیا ہی میں نافرمانی کے جرم میں پکڑ لیے گئے اور اگر بالفرض ہم کسی مجرم اور نافرمان کو دنیا میں نہ پکڑیں تو تحقیق قیامت ضرور آنے والی ہے وہاں سزا مل جائے گی اور اس کفر و تکذیب کا نتیجہ وہاں ظاہر ہو جائے گا۔ پس آپ ان معاندین سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے اور ان کے حال کو اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیجئے۔ بے شک تیرا پروردگار وہی بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے لہذا آپ ان کے معاملہ کو خدا کے علم اور حکمت اور اس کے ارادہ اور مشیت کے پیرد کو دیجئے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا اور آپ ان کی طرف توجہ نہ کریں بلکہ اس نعمت کی طرف توجہ کریں جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے وہ یہ کہ دی ہے ہم نے آپ کو سورہ فاتحہ کی سات آیتیں جو (ہر نماز) میں دہرائی جاتی ہیں اور سورہ فاتحہ کے ساتھ ہم نے آپ کو قرآن عظیم دیا۔ جس کے ہر حرف کے نیچے علوم الہیہ کا ایک سمندر ہے اور یہ قرآن عظیم جو آپ کو دیا گیا ہے۔ تمام کتب الہیہ اور صحف سماویہ کا خلاصہ اور لب لباب ہے اور سورہ فاتحہ اس تمام قرآن کا اجمال اور خلاصہ ہے۔ پس یہ سورت فاتحہ اور یہ قرآن عظیم۔ وہ دولت عظمیٰ ہے کہ جس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں بیچ ہیں پس آپ خدا کی اس نعمت عظمیٰ پر نظر رکھئے اور اس دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برائے چندے نفع اٹھانے کے لیے دی ہے اَزْدًا جَا مَنَّهُمْ سے انواع و اقسام کے کافر مراد ہیں جیسے یہود اور نصاریٰ اور مشرکین اور صابئین وغیرہم اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے دنیا میں یہود اور نصاریٰ اور دیگر دشمنان خدا اور رسول کو دنیا کی چند روزہ زندگی کا جو سامان دیا ہے اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیے وہ نہایت حقیر اور ذلیل ہے اور قرآن عظیم اور علم اور حکمت کی جو دولت ہم نے آپ کو دی ہے اس کے مقابلہ میں دنیا کی تمام دولتیں بیچ ہیں۔

دنیا، بیچ است و کار دنیا ہمہ بیچ

پیش دریائے قدر حرمت تو نہ محیط فلک جابلے نیست

داری آل سلطنت کہ در نظرت ملک کوئین در حسابے نیست

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں سبع مثانی سے سورۃ فاتحہ مراد ہے اور بعض احادیث مرفوعہ سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور ابن عباسؓ کا ایک قول بھی یہ ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ ہے کہ سبع مثانی سے سبع طوال مراد ہیں۔ یعنی سات لمبی سورتیں مراد ہیں۔ سورۃ بقرہ سے سورۃ اعراف تک چھ سورتیں ہیں اور ساتویں سورت کے بارہ میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۃ انفال اور سورۃ توبہ مل کر ایک سورت ہے اور اسی وجہ سے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اور یہ دونوں سورتوں کا مجموعہ طوال کی ساتویں سورت ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ سبع طوال کی ساتویں سورت سورۃ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ ان سورتوں میں فرائض، حدود اور قصص اور احکام اور امثال عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا فضل کیا کہ یہ ساتوں مثانی آپؐ کو عطا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی پیغمبر کو یہ سورتیں عطا نہیں ہوئیں اور موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے دو سورتیں دی گئیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان میں سے چھ عطا ہوئیں۔ جب انہوں نے الواح تورات کو زمین پر ڈالا تو دو سورتیں اٹھالی گئیں اور باقی چار رہ گئیں۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۵۵ ج ۲)

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ سبع مثانی یعنی یہ سات سورتیں بمنزلہ سبع صحائف کے ہیں یعنی بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں کہ جو دیگر انبیاء کرامؑ پر متفرقاً نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سبع مثانی عطا کیں۔ جو بمنزلہ سات صحیفوں کے ہیں۔ اور ان سات کا مجموعہ سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور نبی کو نہیں دیا گیا۔ اور قرآن عظیم تمام اذہلین اور آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے اور یہ سبع طوال پورے قرآن کا اجمال ہے اور سورۃ فاتحہ سبع طوال کا اجمال اور متن ہے لہذا جن صحابہ کرامؓ سے یہ منقول ہے کہ سبع مثانی سے پورا قرآن مراد ہے یا سات لمبی سورتیں مراد ہیں یا سات آیتوں والی سورت سورۃ فاتحہ مراد ہے سب اقوال اپنی اپنی جگہ پر صحیح اور درست ہیں مثانی کا لفظ اپنے مفہوم عام کے لحاظ سے سورۃ فاتحہ اور سبع طوال اور قرآن عظیم سب کو شامل ہے مگر اس قول میں اشکال یہ ہے کہ یہ سورت کئی ہے اور اس وقت تک سبع طوال کا نزول نہیں ہوا تھا۔ یہ سات لمبی سورتیں مدنی ہیں مدینہ میں جا کر نازل ہوئیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ پورا قرآن مجید بھی مکہ میں نازل نہیں ہوا تھا مگر اس کے نزول کا وعدہ مکہ ہی میں ہو چکا تھا۔ اس لیے سبع مثانی سے سبع طوال مراد لینا باعتبار وعدہ نزول صحیح ہے کیونکہ اللہ کا وعدہ حق اور صدق ہے اور یہ بدنصیب اگر سبع مثانی اور قرآن عظیم جیسی نعمت کو قبول نہ کریں تو آپ ان کی محرومی پر رنجیدہ اور غم گین نہ ہوں یعنی آپ ان کے حال پر رنج و غم نہ کریں اور بجائے ان کے درویشان اسلام یعنی اہل ایمان

کے لیے اپنے بازوئے تواضع و شفقت کو جھکا دیجیئے جنہوں نے قرآن عظیم جیسی دولت کو قبول کیا یہ اہل تواضع و مسکنت کا گروہ ہے یہ گروہ آپ کی شفقت کا مستحق ہے اور جن تکبرین اور مغرورین نے مال و دولت کے نشہ میں قرآن کی دولت سے اعراض کیا آپ ان سے اعراض کیجیئے اور جو آپ سے اعراض کرے آپ اس سے صاف کہہ دیجیئے کہ میں تو صاف ڈرانے والا ہوں۔ ڈرانا میرا کام ہے اور دل میں اتار دینا اور دل کا پھیر دینا اللہ کا کام ہے اور ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ تبلیغ کر دیجیئے اور زیادہ فکر میں نہ پڑیئے اور ہم نے آپ پر یہ قرآن عظیم ایسا ہی نازل کیا جیسا کہ ہم نے گزشتہ زمانہ میں تقسیم کرنے والوں یعنی یہود اور نصاریٰ پر بہ توسط رسل ایسی کتاب نازل کی جسے وہ پڑھا کریں۔ جیسے توریت اور انجیل یہ کتاب ان کا قرآن تھی جس کو وہ پڑھا کرتے تھے جنہوں نے اپنے اس قرآن کے یعنی اپنی اس آسمانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تھے اس طرح سے کہ اپنے قرآن یعنی اپنی کتاب الہی کی بعض باتوں کو مانا اور بعض کو نہ مانا کتاب الہی کے کسی حصہ کو چھپا یا اور کسی حصہ کو ظاہر کیا جیسی مصلحت دیکھی۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔

یہ ہے کہ یہ آیت یعنی کَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى الْمُقْسِمِينَ الہ گزشتہ آیت یعنی وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ سے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن عظیم ہم نے آپ پر اسی طرح اتارا ہے جیسے گزشتہ زمانہ میں یہود اور نصاریٰ پر ہم نے توریت اور انجیل نازل کی اور یہ ہی آسمانی کتاب ان کا قرآن تھی جس کو وہ پڑھا کرتے تھے لہذا آپ پر قرآن عظیم اور وحی کا نازل ہونا کوئی انوکھی بات نہیں جس کا انکار کیا جائے جس طرح پہلے زمانہ میں کتب الہی کا نزول ہوا اور بندوں کو احکام کا مکلف بنایا گیا۔ اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا لہذا نزول قرآن کو مستبعد نہ سمجھو۔ اس تشبیہ سے مقصود استبعاد ہے۔ اور مقسمین کے معنی تقسیم کرنے والے اور بانٹنے والوں کے ہیں اور اس سے یہود اور نصاریٰ اس لیے مراد لیے گئے کہ اہل کتاب نے اپنی کتاب الہی کو تقسیم کر لیا تھا کہ اس کے بعض احکام پر عمل کرتے تھے اور بعض پر نہیں اور آتِ ذِیْنِ جَعَلُوا الْقُلْنَ عَفْیْنَ لَفْظِ الْمُقْسِمِیْنَ کی صفت اور تفسیر ہے اور اس قول پر قرآن سے یہ قرآن مراد نہیں کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ بلکہ معنی لغوی مراد میں یعنی وہ کتاب الہی جس کی قرأت و تلاوت کی جائے اور اس جگہ قرآن سے اہل کتاب کا قرآن مراد ہے یعنی ان کی توریت اور انجیل مراد ہے جس کو وہ پڑھا کرتے تھے اور اہل کتاب نے اپنے قرآن کے یعنی توریت اور انجیل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔

۱۔ اس عبارت میں اشارہ اس طرف ہے کہ آیت کَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى الْمُقْسِمِیْنَ۔ آیت مذکورہ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُلْنَ الْعَظِیْمِ سے متعلق ہے اور تقدیر عبارت اس طرح سے ہے۔ لَقَدْ أُنْزِلْنَا عَلَیْكَ الْقُلْنَ کَمَا أُنْزِلْنَا عَلَى الْمُقْسِمِیْنَ التوراة والانجیل۔ ۱۲

جو حصہ کتاب الہی کا ان کے ہوائے نفس کے مطابق ہوا اس پر ایمان لے آئے اور جو ان کے ہوائے نفس کے خلاف ہوا اس کا کفر اور انکار کیا۔ بڑے ہی نادان تھے کہ جو کتاب ان کی ہدایت کے لیے نازل کی اس میں قبول اور انکار کے اعتبار سے تقسیم جاری رکھی حالانکہ کتاب منزل کا بیق تھا کہ بہ کمال تمام بدون اقتسام کے اس کو قبول کرتے اور اس پر ایمان لاتے۔ اس جگہ اہل کتاب کو بعنوان اقتسام ذکر کرنا ان کی مذمت اور تقیح کے لیے ہے کہ کتاب الہی میں کیوں تقسیم جاری کی اور کفار مکہ کی طرف تعریض ہے کہ گزشتہ اقتسام کی طرح تم بھی جرم اقتسام کے مرتکب ہو رہے ہو لہذا ان کی طرح تم کو بھی عذاب سے ڈرنا چاہیئے ہو سکتا ہے کہ مقتسمین سے تو اہل کتاب ہی مراد ہوں مگر قرآن سے یہی قرآن مراد ہو جو آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور مطلب یہ ہو کہ اہل کتاب نے اس قرآن کو تقسیم کر لیا ہے کہ اس قرآن کا جو مضمون ان کی تحریفات یا ان کی آراء اور اہواء کے موافق پڑ جائے اس کو تو مان لیا جائے اور جو مضمون قرآنی ان کے خلاف ہو اس کو نہ مانا جائے اس طرح اہل کتاب نے قرآن عظیم کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر ڈالا قرآن عظیم کا جو حصہ ان کے توریت اور انجیل کے موافق ہوا اس کو تو حق کہا اور جو ان کی توریت اور انجیل کے خلاف ہوا اس کو باطل کہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ اگر مقتسمین سے اہل کتاب مراد ہوں تو دوسری آیت یعنی الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ میں قرآن کی تفسیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قرآن سے یہ ہی قرآن مراد لیا جائے یا قرآن سے معنی لغوی یعنی ان کی کتاب مقرر مراد لی جائے۔ وَبِكُلِّ وَجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّيٰهَا فَاسْتَبَقُوا الْخَيْرَاتِ اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت یعنی كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ اپنے ما قبل کی قریبی آیت یعنی وَ قُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ سے متعلق ہے۔

قول ثانی

اور مطلب یہ ہے کہ میں نذیر مبین ہوں اے قریش میں تم کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا ہوں اگر تم اس قرآن عظیم پر ایمان نہ لاؤ گے اور گزشتہ مقتسمین کی طرح اس قرآن کے حصے بخرے کر دو گے اور اس کے بعض کو شعرا اور بعض کو سحر اور بعض کو کہا نت اور بعض کو اساطیر الاولین کہو گے تو پھر عجب نہیں کہ تم پر بھی ویسا عذاب نازل ہو جائے جیسا کہ گزشتہ مقتسمین پر نازل ہوا تھا ان کا جرم بھی یہ ہی اقتسام تھا اور تم بھی اسی جرم کے مرتکب ہو اور گزشتہ مقتسمین سے اہل کتاب مراد ہیں جنہوں نے اپنی آسمانی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کیے کہ جو ان کی مرضی کے موافق ہوا اس کو مان لیا اور جو ان کی مرضی کے خلاف ہوا اس کا انکار کر دیا اور انبیاء کرامؑ کی مخالفت و تکذیب کی جس کی سزا میں بندر اور سور بنائے گئے اور ذلت اور مسکنت کی مہر لگی۔ مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا عذاب نازل ہونا مستبعد نہیں۔ پہلے زمانہ میں ہو چکا ہے تو

۱۔ اس سورت میں تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ عَذَابًا كَمَا أَنْزَلْنَاهُ عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ وَ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ الْمَفْعُولُ مَحذُوفٌ وَ هُوَ الْمَشَبَّهٌ دَلَّ عَلَيْهِ الْمَشَبَّهُ بِهِ (تفسیر کبیر)

اے اہل مکہ! تم کو بھی اس سے ڈرنا چاہیئے۔ غرض یہ کہ پہلے قول کی بناء پر کَمَا اَنْزَلْنَا کی تشبیہ سے نزول وحی کے استبعاد کو دفع کرنا تھا۔ اور اس دو سکر قول پر تشبیہ سے مقصود آپ کی تسلی ہے کہ آپ انکار قرآن کو مستبعد نہ سمجھیں۔ قرآن سے پہلے بھی انکار ہو چکا ہے اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ آیت میں مقتسمین سے قسم کھانے والے مراد ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور باہم قسم کھائی کہ انبیاء کو قتل کریں گے اور ان کو ایذا پہنچائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم صالح کے حال سے آگاہ فرمایا۔ تَقَاتِلُوا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَاَهْلَكَ بِآهَمِ بَلْ كَرِهْتُمُوهُم۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم صالح کو اور اس کے گھر والوں کو قتل کر دیں پس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ گزشتہ قوموں نے انبیاء کی مخالفت اور عداوت پر قسمیں کھائی تھیں اور انہوں نے کتب سماویہ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے پس جیسا عذاب ہم نے ان پر اتارا اسی طرح کے عذاب سے یہ نذیر مبین تم کو ڈراتا ہے اور قوم صالح کے مقتسمین پر عذاب کا نزول قطعی اور یقینی ہے اور منصوص قرآنی ہے لہذا اس کو معرض تشبیہ میں ذکر کرنے میں کوئی اشکال نہیں۔ اور بعض علمائے سلف نے مقتسمین سے کفار مکہ مراد لیے ہیں۔ جنہوں نے بطور استہزاء و تمسخر قرآن کی تقسیم کر رکھی ہے۔ جب سورتوں کے نام سنتے تو ہنس کر آپس میں کہتے کہ بقرہ یا مائدہ تو میں لے لوں گا اور نمل اور عنکبوت تو لے لینا یا مکہ کے راستے تقسیم کر لیے تھے کہ راستوں پر مختلف آدمی بٹھا دیئے تھے کہ جو کوئی آتا تو اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی کرتے اور آپ پر ایمان لانے سے اس کو روکتے تھے اور بعض علماء سلف کہتے ہیں کہ مقتسمین سے آپ کے زمانہ کے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں جنہوں نے قرآن کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا کہ جو مضمون قرآنی ان کی تحریفات کے مطابق ہو اس کو مان لیا جائے اور جو اس کے خلاف ہو اس کا انکار کر دیا جائے مگر ان دونوں قولوں میں اشکال یہ ہے کہ یہ آیت اور یہ سورت ملتی ہے اور اس وقت تک نہ کفار قریش پر کوئی عذاب نازل ہوا تھا اور نہ یہود بنی قریظہ اور نہ یہود بنی نضیر پر کوئی مصیبت اور آفت آئی تھی اور کَمَا اَنْزَلْنَا میں کاف حرف تشبیہ ہے اور اَنْزَلْنَا صیغہ ماضی ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان مقتسمین پر گزشتہ زمانہ میں عذاب نازل ہو چکا ہے حالانکہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ پر جو بھی آفت اور مصیبت آئی ہجرت کے بعد آئی ہجرت سے پہلے نہ کفار مکہ پر کوئی عذاب آیا اور نہ یہود پر لہذا انذار میں ایسے عذاب سے تشبیہ دینا جو ابھی تک واقع نہیں ہوا۔ ذوق بلاغت کے خلاف ہے اور ان دو قولوں کو آیت کا شان نزول کہنا بہت مشکل ہے ان دونوں قولوں کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ کفار مکہ اور یہود بنی قریظہ اور بنی نضیر پر اگرچہ اس وقت تک عذاب نازل نہ ہوا تھا مگر چونکہ مستقبل قریب میں اس کا وقوع یقینی تھا اس لیے اس کو لفظ اَنْزَلْنَا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ترجیح راجح

اس آیت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہم نے ناظرین کے سامنے کر دیئے۔ محققین کے نزدیک سب سے راجح قول اول ہے وہ یہ کہ کَمَا أُنْزِلَتْ عَلَى الْمُقْسِمِينَ اِلٰہِ وَلَقَدْ اَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ مراد ہیں اور الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ، مقتسمین کی صفت کا شفعہ ہے یعنی مقتسمین کی تفسیر ہے اور قرآن سے یہی قرآن مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کو سبع مثانی اور قرآن عظیم عطا کیا ہے اور آپ پر یہ کتاب مستطاب نازل کی جیسا کہ آپ سے پہلے ہم نے یہود اور نصاریٰ کو توریت اور انجیل عطا کی تھی مگر اس زمانہ کے اہل کتاب نے قرآن عظیم کی قدر نہ جانی اور اس قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور قرآن کی تقسیم و تحلیل کر ڈالی کہ جو مضمون قرآن کا ان کی تحریفات اور ان کی تیسار کردہ توریت اور انجیل کے مطابق ہوا اس کو حق مان لیا اور جو اس کے خلاف پایا اس کو باطل کہہ دیا۔ ان اہل کتاب نے اپنے جہل اور عناد سے اس طرح قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کر لیا۔ اور یہ معنی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں اور اس معنی کو امام رازیؒ نے تفسیر کبیر ص ۲۹۵ جلد ۵ میں اختیار کیا ہے اور اس آیت میں اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کو مقتسمین (بانٹنے والے) کہا کہ انہوں نے قرآن کو حق اور باطل کی طرف تقسیم کیا اور اس کے بعد الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ، مقتسمین کی صفت ذکر فرمائی کہ یہ مقتسمین وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کیا اور شیخ الاسلام ابوالسعودؒ نے اور علامہ آلوسیؒ نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

اور اس ناچیز کے نزدیک ان اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ یہ آیت تشبیہ یعنی کَمَا أُنْزِلَتْ عَلَى الْمُقْسِمِينَ اپنی قریبی آیت وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ سے متعلق ہے اور مقتسمین سے مشرکین مکہ کے وہ چند شریک اور سرکش لوگ مراد ہیں جو ولید بن مغیرہ کے مشورے سے ایام حج میں مکہ کے راستے آپس میں تقسیم کر لیتے تھے جب حج کا موسم آتا اور لوگ باہر سے آتے تو ہر ایک راستہ پر ایک شخص بٹھلا دیا جاتا کہ

۱۔ قال ابن عباس اهل الکتاب امنوا ببعضه وکفروا ببعضه وکذا لک قال عکرمۃ هم اهل الکتاب وسموا مقتسمین لانهم كانوا مستهزئين فيقول بعضهم هذه السورة لی وهذه السورة لک۔ (تفسیر قرطبی ص ۵۸ ج ۱۰ و تفسیر در مشور ص ۱۰۶ جلد ۴ اور (دیکھو تفسیر روح البیان ص ۲۸۹ جلد ۴) ۲۔ حضرات اہل علم تفسیر ابوالسعود کو دیکھیں نہایت لطیف کلام فرمایا اور اسی کو علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں اختیار کیا ہے واللہ اعلم۔

جو لوگ اس راستے سے آئیں ان سے یہ کہہ دیا کریں کہ ہمارے شہر میں ایک شخص پیدا ہوا ہے اور اپنے کو نبی بتاتا ہے اس کی بات سے تم دھوکہ نہ کھانا وہ مجنون ہے یا جا دوگر ہے یا کاہن وغیرہ وغیرہ ہے اور انہیں چند شریروں نے ازراہ تمسخر و استہزاء سورتوں کے نام سے قرآن کے حقے بخرے کیئے ہوئے تھے کوئی کہتا کہ میں بقرہ لے لوں گا یا مائدہ اور عنکبوت تجھے دے دوں گا۔ یہ مستہزئین (تمسخر کرنے والوں کا ایک گروہ تھا) جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تسلی دی اور یہ کہا کہ اس گروہ کے شر سے آپ کو کفایت کریں گے چنانچہ یہ سب لوگ نہایت ذلت کی موت مرے پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے نبی! آپ حق تعالیٰ کی طرف سے کہہ دیجئے کہ میں تم کو اللہ کے قہر اور عذاب سے کھلم کھلاؤںے والا ہوں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم تم پر ایسا عذاب نازل کریں گے جیسا ہم نے مقتسمین پر اتارا۔ یعنی جس طرح ہم نے مقتسمین (مکہ کے راستے تقسیم کرنے والوں) پر یا قرآن کو سحر اور شعر اور کہانت وغیرہ کی طرف تقسیم کرنے والوں پر اتارا۔ یعنی خاص قسم کی ذلت کی موت سے ان کو ہلاک کیا۔ اسی طرح تم کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (دیکھو فتح الباری ص ۲۸۹ جلد ۸ تفسیر القاری شرح صحیح البخاری بزبان فارسی مصنف شیخ نورالحق دہلوی ص ۴۰۹ جلد ۴ و شیخ زادہ ماشیہ بیضاوی ص ۱۶۲ جلد ۲) اور اس قول کو ہم نے اس لیے اختیار کیا کہ وَقُلْ اِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ قریب ہے اور وَلَقَدْ اَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ ذرا بعید ہے نیز بقرہ نہ مقام ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ کَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی الْمُقْتَسِمِیْنَ میں انزال سے انزال عذاب مراد ہے نہ کہ انزال کتاب نیز حضرت شاہ ولی اللہ نے جو ترجمہ فرمایا وہ بھی اسی قول پر مبنی ہے چنانچہ فرماتے ہیں ”وگوہر آئینہ منہم کفندہ آشکارم فرد خواہیم آورد عذاب را مانند آں چہ فرود آوردہ بودیم بر تقسیم کنندگان آنانکہ ساختند کتاب الہی را پارہ پارہ مترجم گوید یعنی بر اہل کتاب — کہ بر بعض آیات عمل می کردند و بر بعض نہ را — جاننا چاہیے کہ شاہ صاحب کا یہ ترجمہ ہمارے اختیار کردہ قول کا تمام و کمال مزید نہیں البتہ صرف اس بارہ میں مزید ہے کہ کَمَا اَنْزَلْنَا کا تعلق اس کی قریبی آیت یعنی وَقُلْ اِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ سے ہے نہ کہ وَلَقَدْ اَتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِ سے۔ حضرات اہل علم تفسیر بیضاوی اور اس کے حواشی کا مطالعہ فرمائیں ہماری یہ تفصیل انشاء اللہ اہل علم کے لیے مفید اور معین ہوگی۔ واللہ سبحانہ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُهُ اَتَمُّ وَاحْكُم۔

پس قسم ہے تیرے پر دردگاری کہ قیامت کے دن ہم ان سب کے اعمال سے ضرور باز پرس کریں گے۔ اور ان مقتسمین سے بھی یہ سول کریں گے تم نے قرآن عظیم اور صاحب قرآن کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ پس اے نبی! آپ صاف صاف ظاہر کر دیجئے اس بات کو کہ جس کے پہنچانے کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے اور

سہ شاہ عبد القادر فرماتے ہیں کہ کافر سنتے تھے سورتوں کے نام تو آپس میں ٹھٹھے سے بانٹتے کوئی کہتا میں بقرہ لے لوں گا یا مائدہ اور عنکبوت تجھے کو دوں گا۔ (موضح القرآن)

کسی کے استہزاء اور تمسخر کی پرواہ نہ کیجئے اور مشرکین سے منہ موڑ لیجئے یعنی ان کے مفحکہ اور استہزاء سے دلگیر نہ ہو جیئے تحقیق ہم تیری طرف سے تجھے تمسخر کرنے والوں کو کافی اور بس ہیں یعنی تو بے خوف و خطر ہمارا حکم پہنچا ان ٹھٹھا کرنے والوں کے شر سے ہم تجھ کو محفوظ رکھیں گے آپ ان کے انتقام اور بدلہ کی کوئی فکر نہ کیجئے ہم خود ان سے منٹ لیں گے اور یہ بد بخت جو آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہرتے ہیں۔ سو عنقریب جان لیں گے شرک اور استہزاء کا کیا اور کیسا انجام ہے؟ مخلوق کو خالق کے ساتھ شریک ٹھہرانا یہ خدا کے ساتھ استہزاء اور تمسخر ہے یہ مستہزئین جو آپ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے۔ صاحب قوت و جاہت مشرکین کا ایک گروہ تھا یہ لوگ رؤساء قریش میں سے تھے انکے نام یہ ہیں۔ (۱) ولید بن مغیرہ (۲) عاص بن وائل (۳) حارث بن قیس۔ (۴) اسود بن عبد یغوث (۵) اسود بن المطلب۔ جب ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء اور تمسخر میں حد سے تجاوز کیا تو اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ ان کے استہزاء اور تمسخر کی طرف التفات نہ کریں ہم آپ کی طرف سے ان کے لیے کافی اور بس ہیں۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے اور جبریل امینؑ بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ پانچ مستہزئین مسجد حرام میں داخل ہوئے اور آپ کو دیکھ کر ہنسنے اور پھر طواف میں مشغول ہو گئے جبریل امینؑ بولے کہ مجھے حکم ہے کہ ان کے شر سے آپ کو کفایت کروں پس ولید بن مغیرہ ادھر سے گزرا۔ جبریل امینؑ نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد ولید کا ایک تیر ساز پر گزر ہوا جو تیر بنار ہا تھا ولید کی ازار اس میں الجھ گئی اس مغرور نے جھکنے کو عار سمجھا اس لیے وہ تیر اس کی ساق (پنڈلی) میں لگا جس سے خفیہ ساز ختم آیا مگر وہ ایسا پھوٹ نکلا کہ ولید اسی میں مر گیا۔ عاص بن وائل کا ادھر سے گذر ہوا جبریل امینؑ نے اس کے تلوے کی طرف اشارہ کیا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا قد کفیت (آپ کفایت کیئے گئے) یہاں سے نکلنے کے بعد عاص بن وائل کے تلوے میں ایک کانٹا لگا جس سے اس کا پیر پھول گیا اور پھول کر چکی کے پاٹ کی طرح ہو گیا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن المطلب ادھر سے گذرا جبریل امینؑ نے اس کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا اسی وقت نابینا ہو گیا اور مر گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جبریلؑ کے اشارہ کے بعد دیوانہ ہو گیا اور اسی دیوانگی میں اپنا سر ایک درخت سے جا کر مارنے لگا اور اسی میں مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث کا ادھر سے گذر ہوا تو جبریل امینؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو اس کا پیٹ پھول گیا اور استسقاء ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو لو لگی اور تمام بدن اس کا سیاہ ہو گیا۔ جب گھر آیا تو گھر والوں نے اس کو پہچانا بھی نہیں اور اسی حالت میں مر گیا اور حارث بن قیس ادھر سے گذرا تو جبریل امینؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا جس سے اس کا سر پھول گیا۔ اور اس پر اس قدر دم آیا کہ اسی میں مر گیا۔ اس طرح سے اللہ نے اپنے نبی کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے والوں کو ہلاک کیا۔ (دیکھو زاد المسیر ص ۲۲۲ جلد ۴ لابن الجوزی و تفسیر درمنثور ص ۱۰۷ جلد ۴)

تفسیر در فتور میں ان مستہزئین کی ہلاکت کی روایتیں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور یہ سب کے سب ایک ہی رات میں ہلاک ہوئے (فتح الباری ص ۲۹۰ جلد ۸)

نکتہ | بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان استہزاء کرنے والوں میں سے کوئی اپنے سر سے آپ کی طرف اشارہ کرتا ہوگا اور کوئی آنکھ سے اور کوئی اپنے پیٹ سے اور کوئی پیر سے جبرئیلؑ نے مستہزئین کے انہیں اعضا کی طرف اشارہ کیا جس کے اشارہ سے وہ حضور پر نورؐ کا مذاق اڑاتے تھے انہیں اعضا کی طرف اشاروں سے مستہزئین ہلاک کیے گئے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

اب پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشفی کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ اور اے نبی! ہم خوب جانتے ہیں کہ تیسرا سینہ ان کی تسخراًمین باتوں سے تنگ ہوتا ہے۔ جب یہ لوگ شرک کرتے اور قرآن پر ہنسنے اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے تو طبعاً یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوتیں اور ان باتوں سے آپ کا دل گھٹتا، سو اس کا علاج یہ ہے کہ اے نبی! آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح پڑھا کیجیے اور ہو جائیے سجدہ کرنے والوں میں سے تسبیح و تحمید سے اور سجدہ سے سینہ کے سارے غم دور ہو جائیں گے۔ کما قال تعالیٰ وَاسْتَغِيثُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ۔ یعنی نماز پڑھنے والوں میں سے ہو جائیے جس کی ابتداء قیام پر ہوتی ہے اور انتہاء سجود پر ہوتی ہے اور سجود قرب خداوندی کی آخری منزل ہے۔ کما قال تعالیٰ وَانْجِدْ وَاقْتَرِبْ۔ اور رکوع تعظیم خداوندی کی درمیانی منزل ہوتی ہے اور قیام اور سجدہ درمیانی ایک برزخی مقام ہے اور اپنے رب کی عبادت میں گئے رہو یہاں تک کہ تجھ کو موت آجائے یعنی جب تک جیتا رہے اس وقت تک دل و جان سے اپنے پروردگار کی بندگی کرتا رہ جس درجہ آداب عبودیت بجالائے گا اسی درجہ الطاف ربوبیت کا تجھ پر نزول ہوگا۔ جمہور مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ اس جگہ ”یقین“ سے مراد موت ہے کیونکہ موت کا وقوع امر یقینی ہے جس میں کسی کو شک نہیں ابو حیانؒ کہتے ہیں کہ موت کا ایک نام یقین بھی ہے ۱۰۔ اور حدیث اور قرآن میں لفظ یقین بمعنی موت مستعمل ہوا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الدِّينِ حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ اور حدیث میں ہے کہ ایک میت کی نسبت آپ نے یہ ارشاد فرمایا۔ اما هو فقد جاء اليقين اني لا رجوا له الخير اور عارفین نے اس جگہ یقین سے کیفیت قلبیہ مراد لی ہے ۱۱

بہر یقین پر دیائے خیال نماں سراپردہ الآجلال

مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک اپنے رب کی حمد و تسبیح میں اور اس کی عبادت میں گئے رہو اللہ تعالیٰ تمہارے سینہ کی تنگی اور گھٹن کو دور کر کے شرج صدر کی دولت سے تم کو نوازے ذکر الہی اور عبادت کی خاصیت ہی یہ ہے کہ اس سے سینہ کی تنگی زائل ہو جاتی ہے یا مغلوب ہو جاتی ہے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ حکم نہیں دیا کہ میں مال جمع کروں اور تاجروں میں سے ہو جاؤں ہاں خدا نے مجھے یہ حکم دیا کہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کروں اور سجدہ

کرنے والوں میں ہو جاؤں اور اپنے پروردگار کی عبادت کروں یہاں تک کہ مجھ کو موت آجائے۔

(تفسیر قرطبی ص ۶۴ جلد ۱۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَج۔ بروزِ دو شنبہ بتاریخ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ بوقت ۸ بجے دن کے سورۃ حجر کی تفسیر سے فراغت ہوئی، وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمُنَہُ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر سورۃ نحل

یہ سورت بالاتفاق مسکتی ہے اور اس میں ایک سواٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں اس سورت کا نام سورۃ نحل ہے اس وجہ سے کہ اس میں نحل کا ذکر ہے۔ نحل شہد کی مکھی کو کہتے ہیں اور اس سورت کا نام سورۃ نعم بھی ہے اس میں زیادہ تر حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو درحقیقت دلائل توحید میں پیرایہ انعام اور امتنان کا ہے مگر درپردہ ہر نعمت اس کی وحدانیت کی دلیل اور برہان ہے جن سے مقصود ابطالِ بشرک ہے اس سورت کے زیادہ مضامین تو توحید اور ابطالِ شرک کے ہیں اور کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جن میں منکرینِ نبوت کے شبہات کے جوابات دیئے گئے ہیں جیسا کہ وَ اِذَا قِيلَ لَهُمْ مَآذَا اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ میں کافروں کے پہلے شبہ کا جواب دیا گیا۔ اور هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرٌ رَّبِّکَ الْغَیْبِ میں مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور وَ قَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِہِ مِنْ شَیْءٍ الْغَیْبِ میں منکرینِ نبوت کے تیسرے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اور وَ مَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْہِمْ مِنْ مِّنْکَ اَنْ تَاْتِیَہُمْ اَنْبِیَآءٌ اَوْ یَاْتِیَ اَمْرٌ رَّبِّکَ الْغَیْبِ میں منکرینِ نبوت کے چوتھے شبہ کا جواب دیا گیا ہے۔

اس طرح اخیر سورت تک زیادہ تر توحید کے دلائل عقلیہ کا بیان چلا گیا اور گاہ بگاہ نبوت و رسالت اور حقانیت قرآن اور قیامت اور حشر و نشر کے منکرین پر وعید اور تہدید کا بیان چلا گیا اور آخری رکوع میں رسالتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت کے لیے رسالتِ ابراہیمیہ کا ذکر فرمایا اور چونکہ کفار اور مشرکین آل حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذا رسانی پر تلے ہوئے تھے اس لیے اس سورت کو صبر اور تقویٰ کے حکم پر ختم فرمایا۔

آیاتہا ۱۲۸ = ۱۶ = سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ = ۴۰ = رُكُوعَاتُهَا ۱۶

سورۃ نحل مکی ہے اور اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سورۃ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے، جو بخشنے والا ہے بڑا مہربان

اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا

پہنچا حکم اللہ کا، سو اس کی شتابی مت کرو۔ وہ پاک ہے۔ اور اوپر ہے ان

یُشْرَکُوْنَ ① یُنَزِّلُ الْمَلَائِکَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی

کے شریک بتانے سے۔ اُتارتا ہے فرشتے بھیدلے کر اپنے حکم سے جس

مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ اَنْ اَنْذِرُوْا اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا

پر چاہے اپنے بندوں میں، کہ خبر پہنچا دو، کہ کسی کی بندگی نہیں سوا

اَنَا فَاتَّقُوْنَ ②

میرے، سو مجھ سے ڈرو۔

آغاز سورت بو عید و تہدید بر منکرین توحید

قال اللہ تعالیٰ اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ الی لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنَ ہ
یہ سورت چونکہ زیادہ تر دلائل توحید پر مشتمل ہے جس سے مقصود مشرکین کا رد ہے اس لیے اس
سورت کا آغاز وعید و تہدید سے کیا گیا تاکہ مشرکین متوجہ ہو جائیں اور غور سے دلائل توحید کو سنیں۔ کیونکہ
توحید ہی دین کی اصل بنیاد ہے۔ اور اسی پر تمام انبیاء کا اتفاق ہے اور انبیاء نے سب سے پہلے
لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی ہے۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب کو دنیوی اور اخروی
عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اس پر مشرکین یہ کہتے کہ وہ عذاب اور قیامت جس سے آپ ہم کو ڈراتے
رہتے ہیں۔ وہ کہاں ہے اور کب آئے گا۔ اور ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر کبیر ص ۲۹۷ ج ۵)
چنانچہ فرماتے ہیں اللہ کا حکم آچکا ہے کہ دنیا ہی میں کافروں کو سزا ملے گی اور کفر ذلیل و خوار ہوگا۔

اور اسلام سر بلند ہوگا۔ اسلام کا غلبہ اور اس کی عزت اور کفر کی مغلوبی اور ذلت امر یقینی اور امر شدنی ہے اور ان منکرین کی سزا کا وقت قریب آگیا۔ سو اے منکرو! تم اس کی طلب میں جلدی نہ کرو۔ تمہارا فائدہ تاخیر میں ہے تاکہ تم کو مہلت مل جائے۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب موعود کا آنا یقینی ہے اس کا حکم آچکا ہے اپنے وقت پہ آئے گا۔ اور جب آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ لہذا تم کو چاہیے کہ عذاب کے آنے سے پہلے شرک سے توبہ کر لو۔ اللہ پاک برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ عذاب آنے پر تمہارے یہ شرکاء تمہاری کوئی شفاعت نہیں کر سکیں گے رہا یہ امر کہ اللہ نے تم کو براہ راست کفر اور شرک سے کیوں نہ منع کر دیا۔ نبی اور رسول کے واسطے کی کیا ضرورت تھی سو اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ اپنے حکم سے فرشتوں کو وحی اور پیغام دے کر اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے ہر کس و ناکس پر اللہ تعالیٰ کا فرشتہ اللہ کی وحی اور پیغام لے کر نازل نہیں ہوتا۔ اور وحی خداوندی چونکہ حیات روحانی کا سبب ہے اس لیے وحی کو روح سے تعبیر کیا گیا ہے جس طرح روح حیات اور زندگی کا ایک سبب ہے اسی طرح وحی بھی مؤمنوں کے دل کو زندہ کرتی ہے اس لیے وحی کو روح کہا گیا ہے اور وہ پیغام یہ ہے کہ لوگوں کو خبردار کرو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہذا صرف مجھ ہی سے ڈرو میرے سوا کوئی خالق اور رازق نہیں ہے

مرا بندگی کن کہ دارا منم تواز بندگانی و مولی منم
اس آیت میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا۔ ایک توحید کا اور ایک تقویٰ کا، توحید سے قوت نظریہ کی تکمیل ہوتی ہے اور تقویٰ سے قوت عملیہ کی تکمیل ہوتی ہے اور انہی دونوں کی تکمیل سے سعادت دارین حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد آئندہ آیات میں دلائل توحید کا ذکر فرماتے ہیں۔

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَى

بنائے آسمان اور زمین ٹھیک - وہ ادا پر

عَمَّا يَشْرِكُونَ ۳ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ

ہے ان کے شریک بتانے سے۔ بنایا آدمی ایک بوند سے ،

فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ۴ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ

پھر تبھی ہو گیا جھگڑتا بولتا - اور چوپائے بنا دیئے تم کو

فِيهَا دِفْعٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۵ وَلَكُمْ فِيهَا

ان میں جزاؤں ہے اور کتنے فائدے، اور بعضوں کو کھاتے ہو - اور تم کو ان سے

جَمَالَ حِينَ تَرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥ وَتَحِيلُ

ردنق ہے جب شام کو پھیر لاتے ہو اور جب چراتے ہو۔ اور اٹھالے

أَتَقَالِكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بِلِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ ط

چلتے ہیں بوجہ تمہارے ان شہروں تک کہ تم نہ پہنچتے وہاں مگر جان توڑ کر ،

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَّءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑦ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ

بیشک تمہارا رب بڑا شفقت والا مہربان ہے۔ او گھوڑے بنائے اور چھریں

وَالْحَمِيرَ لِيَتَرْكَبوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑧

اور گدھے ، کہ ان پر سوار ہو اور ردنق ۔ اور بناتا ہے جو تم نہیں جانتے ۔

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ط وَلَوْ شَاءَ

اور اللہ پر پہنچتی ہے سیدھی راہ ، اور کوئی راہ کج بھی ہے۔ اور وہ چاہے

لَهْدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ⑨ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

تو راہ دے تم سب کو ۔ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے

مَاءً لَّكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ⑩

پانی ، تمہارا اس سے پینا ہے اور اس سے درخت ہیں جن میں چراتے ہو۔

يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَ

اُگاتا ہے تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور

الْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

انگور اور ہر قسم کے میوے۔ اس میں نشانی

لَايَةٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ⑪ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ

ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں ۔ اور کام لگائے تمہارے رات

وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مَسْخَرَاتٍ

و دن اور سورج اور چاند اور تارے کام میں لگے ہیں

يَأْمُرُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾

اس کے حکم سے۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو بوجھ رکھتے ہیں۔

وَمَا ذَرَأَا لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ

اور جو بکھیرا ہے تمہارے واسطے زمین میں کئی رنگ کا، اس

فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ﴿١٣﴾ وَهُوَ الَّذِي

میں نشانی ہے ان لوگوں کو جو سوچتے ہیں۔ اور وہی ہے جس

سَخَّرَ الْبَحْرَ لِيَتَأْكَلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا

نے کام لگایا دریا کہ کھاؤ اس میں سے گوشت تازہ اور نکالو اس

مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَازِيرَ فِيهِ

سے گہنا جو پہنتے ہو۔ اور دیکھے تو کشتیاں پھاڑتی چلتی اس میں

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٤﴾ وَ

اور اس واسطے کہ تلاش کرو اس کے فضل سے اور شاید احسان مانو۔ اور

أَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا

ڈالے زمین میں بوجھ کہ کبھی جھک پڑے تم کو لے کر اور ندیاں بنائیں

وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥﴾ وَعَلِمَتْ ط وَالنَّجْمِ

اور راہیں شاید تم راہ پاؤ۔ اور بنائے پتے۔ اور تارے سے

هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٦﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ط

راہ پاتے ہیں۔ بھلا جو پیدا کرے، برابر ہے اسکے جو کچھ نہ پیدا کرے

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٤﴾ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا

کیا تم سوچ نہیں کرتے۔ اور اگر گنو نعمتیں اللہ کی نہ

تَحْصُوهَا إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٥﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

پورا کر سکو ان کو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اللہ جانتا ہے

مَا تَسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ

جو چھپاتے ہو اور جو کھولتے ہو۔ اور جن کو پکارتے ہیں

مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾

اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور آپ پیدا ہوتے ہیں۔

أَمْوَاتٌ غَيْرَ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢١﴾

مردے ہیں جن میں جی نہیں اور خبر نہیں رکھتے کب اٹھائے جائیں گے۔

إِلَهُكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ ۖ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

معبود تمہارا معبود ہے اکہلا۔ سو جو یقین نہیں رکھتے پچھلے دن کی زندگی کا

قُلُوبُهُمْ مُّكِرَةٌ ۖ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُونَ ﴿٢٢﴾

اور ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں۔

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ

ٹھیک بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں۔

وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

اور جو جتاتے ہیں۔ بے شک وہ نہیں چاہتا

الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿٢٣﴾

غرور کرنے والوں کو۔

ذکر دلائل توحید

قال اللہ تعالیٰ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ... الی ... إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُشْكِرِينَ (ربط) گزشتہ آیات میں یہ بیان کیا کہ اللہ کی معرفت اور اس کی وحدانیت کا علم سب سے اول اور مقدم اور اہم اور تمام انبیاء کرامؑ اس کی تعلیم دیتے رہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِيَ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ۔ اور توحید کے بعد درجہ تقویٰ کا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے تمام اولین اور آخرین کو وصیت فرمائی وَ لَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ اس لیے اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور کمال قدرت و حکمت کے قسم قسم کے دلائل بیان فرماتے ہیں اور کمال قدرت کی ہر دلیل میں حق جل شانہ کی ایک خاص نعمت کا ذکر ہے جس میں اشارہ اس طرف ہے کہ وہ رب اکرم تھا خالق بھی ہے اور منعم بھی ہے اور باوجود تمہاری نافرمانیوں اور سرکشوں کے تمہارے عذاب اور سزائیں جلدی نہیں کرتا تم کو چاہیے کہ نعمتوں سے منعم کو پہچانو اور اس سے ڈرو اور اس کی نافرمانی سے بچو اور یہ دلائل چند قسم کے ہیں۔

قسم اول زمین و آسمان کے تغیرات اور اس کے عجائب و غرائب سے استدلال فرمایا کہ ان کا ایک خاص اندازہ اور خاص مقدار پر پیدا کرنا حالانکہ اس کے خلاف بھی ممکن تھا۔ یہ اس کی کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے اور چونکہ تمام مخلوقات میں زمین و آسمان سب سے عظیم ہیں اس لیے سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر فرمایا۔

قسم دوم آسمان و زمین کے بعد انسان کی پیدائش اور اس کے احوال سے استدلال فرمایا۔

کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ۔ ایک قطرہ آب سے ایک عجیب و غریب چیز یعنی انسان کا اس طرح پیدا ہونا کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت کے افعال یکساں ہوتے ہیں۔ ان میں تفاوت نہیں ہوتا۔ انسان کی یہ عجیب و غریب پیدائش خدا کے کمال قدرت و حکمت کی دلیل ہے انسان کا مادہ ایک ہے مگر اس کے اعضاء اور اجزاء مختلف ہیں اور ہر ایک کے افعال اور خواص بھی مختلف ہیں۔ کوئی جز سر ہے اور کوئی کان اور آنکھ ہے اور کوئی دل ہے اور کوئی پیٹ ہے وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ فعل مادہ اور طبیعت کا نہیں اس لیے کہ مادہ اور طبیعت بے شعور ہے بلکہ یہ کسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہے اگر بالفرض طبیعت ہی کا فعل ہے تو طبیعت بھی اسی کی پیدا کردہ ہے رحم مادر میں نطفہ قرار پکڑ گیا اور اندر ہی بچہ تیار ہو رہا ہے اور ماں باپ کو خبر بھی نہیں کہ اندر ہی اندر کیا ہو رہا ہے۔ لہذا ماں باپ

کو خالق نہیں کہا جاسکتا۔

قسم سوم | احوال انسانی کے بعد حیوانات کے احوال سے استدلال کیا جو انسان کے کام آتے ہیں، بھیڑ، بکری، اونٹ، گائے۔ پھر کسی کو کیا اور کسی کو کیا پیدا کیا کما قال اللہ تعالیٰ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ۔ اِلٰی قولہ تعالیٰ وَلَوْ سَنَاءُ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔ اور اس ضمن میں حیوانات کے جو فوائد اور منافع بیان فرمائے ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی دلیل ہے اور ہر ایک مستقل نعمت ہے جس کا شکر بندوں پر واجب ہے اس ذیل میں اللہ تعالیٰ نے اولاً حیوانات کے ان منافع کا ذکر فرمایا جس کی انسان کو ضرورت ہے اور انسان کے کھانے کے کام آتے ہیں جیسے، بھیڑ، بکری، اونٹ اور گائے اور اس کے بعد ان چوپایوں کا ذکر کیا جو سواری کے کام آتے ہیں۔

قسم چہارم | جس کو وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ میں ذکر فرمایا اس آیت میں ان چوپایوں کی پیدائش سے استدلال کیا جو انسان کے لیے ضروری اور لابدی تو نہیں مگر سواری اور زیب و زینت اور شان و شوکت کا ذریعہ ہیں۔ جب جنگل جاتے ہیں تو جنگل بھر جاتے ہیں اور جب شام کو گھر واپس آتے ہیں تو گھر میں رونق ہو جاتی ہے اور وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ میں ان سواریوں کی طرف اشارہ فرمادیا کہ جو ہنوز ظہور میں نہیں آئیں بلکہ آئندہ چل کر پیدا ہوں گی۔ جیسے ریل گاڑی اور دھانی جہاز اور موٹر اور ہائیکل یہ سواریاں نزول آیت کے وقت موجود نہ تھیں۔ اور لوگ اس وقت ان چیزوں سے واقف نہ تھے۔

قسم پنجم | عجائب حیوانات کے بعد عجائب نباتات سے اپنی قدرت و حکمت پر استدلال فرمایا۔ کما قال تعالیٰ وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُمْ مِنْهُ أَنْبَاقٌ ذُلُكَ لَا يَبْتَغِي لَكُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔ یہ قسم قسم کے نباتات اس کی قدرت کاملہ کی واضح اور روشن دلیل ہیں جن کی ماہیت اور حقیقت اور ان کی خاصیت اور کیفیت دریافت کرنے سے بڑے بڑے حکماء کی عقلیں عاجز ہیں۔

قسم ششم | احوال نباتات کے بعد اب شمس و قمر و کواکب و سیارات کے احوال سے استدلال کرتے ہیں کہ کوئی نادان یہ نہ سمجھ جائے کہ کھیتوں اور پھلوں کا پکنا شمس و قمر اور کواکب و سیارات کی تاثیر سے ہے کما قال اللہ تعالیٰ وَنَحْنُ لَكُمْ الْيَلْدُ وَالنَّهَارُ۔ اِلٰی۔۔۔ قولہ۔ لَا يَلْبِثُ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے قدرت اور ارادہ سے ہے۔

قسم ہفتم | اس کے بعد اشجار و نباتات کے اختلافِ ألوان سے استدلال فرمایا کہ نباتات کے ألوان (رنگتوں) کا مختلف ہونا طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کے قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے۔

قسم ہشتم (استدلال باحوال کائنات بحریہ) کَمَا قَالَ تَعَالَى . وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ
الْبَحْرَ... الی... وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔ ان آیات میں کائنات بحریہ اور ان
کے احوال سے اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے دریا کو مسخر کیا کہ تم اس سے دریائی
جانوروں کو پکڑتے ہو اور قسیم قسیم کے جواہر اس سے نکالتے ہو اور کشتیوں کے ذریعے اس میں سفر
کرتے ہو۔

قسم نہم (استدلال باحوال کائنات ارضیہ جیسے پہاڑ اور نہریں) کَمَا قَالَ تَعَالَى . وَالْقَلْعِ
الْأَرْضِ رَوَّاسٍ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۔
ابتداء میں زمین جنبش کرتی تھی اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ پیدا کر دیئے جس سے اس کی جنبش اور اضطراب
میں سکون آگیا۔

قسم دہم (استدلال باحوال نجوم فلکیہ) کَمَا قَالَ تَعَالَى وَ بِالْجَمِّ هُمْ يَهْتَدُونَ (فتک عشرہ
کاملہ) اب ان دس دلائل کے بعد مشرکین کی مذمت فرماتے ہیں کہ جب ان دلائل
اور براہین سے یہ واضح ہو گیا کہ ان تمام کائنات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی چیز کے خالق
نہیں تو ان مشرکین کو کیا ہوا کہ خالق اور مخلوق میں فرق نہیں کرتے کیا ان نادانوں کو اتنی عقل نہیں کہ یہ سمجھیں
کہ لائق عبادت وہ ذات پاک بابرکات ہے جو ان عجائب و غرائب کا خالق ہے اور جو چیز کسی شے
کے پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کیسے لائق عبادت ہو سکتی ہے۔

نتیجہ دلائل مذکورہ جب گزشتہ آیات میں وجود باری تعالیٰ پر احوال فلکیہ اور احوال انسانیہ اور احوال
حیوانیہ اور احوال نباتیہ اور عناصر رباعیہ سے استدلال فرمایا تو اخیر میں ان
تمام دلائل کا نتیجہ بیان فرمایا وَ إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۔ اور چونکہ اتباع حق سے تکبر مانع تھا اس لیے
مضمون مذکورہ کو اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ پر ختم فرمایا۔

تفصیل دلائل توحید

قسم اول خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔
اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا جن کو دیکھ کر عقل حیران اور
دنگ رہ جاتی ہے وہ بلند اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ نادان خدا کا شریک ٹھہرتے ہیں۔ خداوند قدیر
نے زمین کو اس عالم کا فرش بنایا اور آسمان کو چھت بنایا عقل ایسے عرش اور فرش بنانے کا تصور بھی نہیں
کر سکتی۔ آسمان کی یہ بے پناہ بلندی اور زمین کی یہ بے پناہ پستی کہ کوئی اس پر دوڑ رہا ہے یا اپنی
سواری کو اس پر دوڑا رہا ہے یا اس پر پیشاب اور پاخانہ کر رہا ہے یا اس پر گڈال چلا رہا ہے اور کھود کر

اس میں نہ خانہ یا کنواں بنا رہا ہے کیا یہ آسمان اور زمین جن کا نہ مبداء معلوم نہ منتہی معلوم خود بخود ہی غیر متناہی اجزاء سے مرکب ہو کر تیار ہو گئے اور ایک عظیم جسم خود بخود بلند ہو کر آسمان بن گیا اور دوسرا جسم خود بخود پست ہو کر زمین بن گیا۔ یا کوئی امر اتفاقی ہے کہ اتفاقی طور پر ایک جسم عظیم بن گیا اور دوسرا جسم زمین بن گیا۔ یا کسی مادہ اور طبیعت کا یا کسی اینتھر کا مقتضی ہے تو کوئی مدعی فلسفہ اور سائنس بتلائے تو سہی کہ وہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء ہے فلسفی کو جب آسمان اور زمین کے مبداء اور منتہا کا پتہ نہ چل سکا تو کہہ دیا کہ آسمان اور زمین قدیم ہیں انبیاء کرامؑ نے خبر دی ہے کہ یہ آسمان اور زمین مخلوق خداوندی ہیں اور قدرتِ قدیمہ کا کرشمہ ہیں۔ زمین و آسمان کا ہر جز اس کی خدائی اور یکتائی کی گواہی دے رہا ہے۔

قسم دوم۔ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا جو ایک بے جس اور بے شعور چیز ہے اور پھر اس کو عقل اور سمجھ دی۔ پس وہ نکلا بڑا جھگڑالو پیدا ہونے کے بعد خدا کی ذات و صفات میں جھگڑنے لگا اور اس کی تکذیب کرنے لگا اور جس نے پیدا کیا اسی میں جھگڑنے لگا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک بے شعور اور بے حس قطرہ آب سے ایسا ہوشیار اور سمجھدار انسان کیسے بن گیا اور یہ خیال نہ کیا کہ ایک نطفہ جو نو ماہ مادر شکم میں رہا اور خون حیض اس کی غذا رہی اور مختلف مراحل اور منازل طے کرنے کے بعد وہ پیدا ہوا اور پھر شیر خواری کی منزل سے جو ان ہوا یہ کس مادہ اور طبیعت کا اقتضاء تھا بلاشبہ یہ کسی قادر حکیم کی تدبیر اور تصویر تھی۔ یہ آیت ابی بن خلف جحشی کے بارہ میں نازل ہوئی جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا یہ شخص آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور کہنے لگا کہ تیرا یہ خیال ہے کہ خدا اس ہڈی کو بوسیدہ ہونے کے بعد زندہ کرے گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مطلب یہ ہے کہ یہ جھگڑالو انسان اس بات پر غور نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو ایک بے حس نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے عقل اور دانائی اور گویائی دی اب یہ ہمارے ساتھ جھگڑتا ہے اور اپنی پیدائش سے دوبارہ پیدا ہونے پر دلیل نہیں پکڑتا۔ بوسیدہ ہڈی سے انسان کا پیدا کرنا نطفہ سے انسان کے پیدا کرنے سے زیادہ عجیب نہیں جو ذات تجھ کو نطفہ سے پیدا کرنے پر قادر ہے وہ تجھ کو بوسیدہ ہڈیوں سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

قسم سوم۔ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ... الخ۔ اِنَّ رَبَّكُمْ لَوَءُفٌ رَّحِيمٌ۔ اور خدا تعالیٰ نے تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان ہے یعنی ان جانوروں کی اون اور بالوں سے ایسی پوشش تیار ہوتی ہے جو تم کو جاڑے سے بچائے جسے جرّاول کہتے ہیں اس کے علاوہ کتنے فائدے ہیں اور بعض کو تم ان میں سے کھاتے ہو یعنی ان کے گوشت اور چربی اور دودھ اور گھی کو کھاتے ہو اور تمہارے لیے ان جانوروں میں رونق اور زینت بھی ہے جب تم ان کو چرا کر شام کے وقت جنگل سے گھر واپس لاتے ہو اس وقت تروتازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں اور ان کے تھن دودھ سے بریزتے ہوتے ہیں اور گھر میں خوب رونق اور پہل پہل ہے اور جب صبح

کے وقت ان کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو اگرچہ اس وقت ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں مگر ان کا چراگاہ میں جانا بھی موجب زینت ہوتا ہے اور یہ جانور تمہارے بوجھ اٹھا کر اس شہر کی طرف لے جاتے ہیں جہاں تم بغیر مشقت کے نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک تمہارا پروردگار شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ اس نے تمہاری راحت کے لیے یہ سامان پیدا کیا جو تمہارے لیے سامان سفر بھی ہے اور سامان زراعت و حراشت بھی ہے اور ان کا دودھ اور گوشت تمہاری اعلیٰ ترین غذا ہے اور ان کا صوف اور بال تمہارا سامان لباس ہے۔

قسم چہارم — وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝
اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے گھوڑوں اور نچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم ان پر سوار ہو اور تمہارے لیے زینت ہوں اور جس طرح وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے اسی طرح وہ ان عجیب و غریب چیزوں کو پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے جیسے انواع و اقسام کے کپڑے مکوڑے یا دریائی جانور یا جو پہاڑوں کے کھڈوں میں ہیں جن کو کسی بشر نے نہیں دیکھا اور نہ سنا۔

نکتہ | اول حق تعالیٰ نے ان حیوانات کے منافع کا ذکر فرمایا جن کی انسان کو کھانے کے لیے ضرورت ہے دوم ان حیوانات کا ذکر کیا جن سے سجائے غذا کے سواری کا فائدہ ہوتا ہے اور پھر آخر میں وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ سے اجمالاً ان حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا جن کی انسان کو ضرورت نہیں ہوتی۔

حمد معترضہ برائے بیان اثر و دلائل مذکورہ

وَعَلَىٰ اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَايِزٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَمَكُمُ اجْمَعِينَ۔
اوپر سے دلائل توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے درمیان میں بطور حمد معترضہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ دلائل مذکورہ صراطِ مستقیم تک پہنچانے والے ہیں۔ اور اللہ ہی پر پہنچتا ہے سیدھا راستہ یعنی دین اسلام جو اس راہ پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔ اور بعضے راستے ٹیڑھے ہیں جو خدا تک نہیں پہنچتے وہ وہ ہیں جو دین اسلام کے سوا ہیں مطلب یہ ہے کہ راہ توحید کے سوا کوئی راستہ ایسا نہیں کہ جس پر چل کر بندہ خدا تک پہنچ سکے۔ اسلام کے سوا جو راستے ہیں جیسے یہودیت اور نصرانیت اور مجوسیت اور نیچریت اور بت پرستی وغیرہ وغیرہ یہ سب راستے ٹیڑھے ہیں ان پر چل کر خدا تک نہیں پہنچا جاسکتا اور بعض کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستہ کا بیان کرنا اللہ کے ذمے ہے کیونکہ وہ طریق ہدایت کو ظاہر کیے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا۔

آگے فرماتے ہیں کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر چلے وہ سب اللہ کی قدرت اور اس کے علم اور مشیت

کے ساتھ ہے اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر کر دیتا اس نے جس کو چاہا ہدایت دی اور جس کو چاہا شہوات کے اور ظلمات کے بیابانوں میں گم گشتہ راہ بنایا اب آگے پھر اپنی نعمتوں کو بیان فرماتے ہیں۔ جو اس کی توحید پر دلالت کرتی ہیں پہلی آیت میں احوال حیوانات سے استدلال تھا اب احوال نباتات سے استدلال فرماتے ہیں۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ... اِلٰی...
اِنْ رَفِیْ ذٰلِكَ لَاٰیةٌ لِّتَقُوْمَ یَتَفَكَّرُوْنَ ۔

احوال نباتات سے استدلال

وہی ہے رب تمہارا جس نے آسمان سے کچھ پانی اتارا۔ تمہارا اسی سے پینا ہے اور اسی سے تمہارے لیے درخت اور گھاس اُگتے ہیں جس میں تم اپنے مولیشی چراتے ہو اسی پانی سے اللہ تمہارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل زمین سے اگاتا ہے بے شک اس میں سوچنے والے لوگوں کے لیے ہماری قدرت اور وحدانیت کی نشانی ہے۔ جو شخص اس میں غور کرے کہ دانہ زمین میں غائب ہوا اور تری سے پھول کو پھٹا اور اس سے سورگیں نمودار ہوئیں اور زمین میں پھیلیں اور اوپر شاخیں نکلیں اور مختلف قسم کے پھل اور پھول نمودار ہوئے جن کی صورتیں اور شکلیں بھی مختلف اور رنگتیں بھی مختلف اور خاصیتیں بھی مختلف اور مزے بھی مختلف حالانکہ زمین اور پانی اور ہوا سب کی ایک ہے اور اسباب و علل بھی سب کے ایک ہیں اور تاثیرات فلکیہ اور تحریکات کوکبیہ کی نسبت بھی سب کے ساتھ ایک ہے جو اس میں غور و فکر کر لے گا وہ سمجھ جائے گا کہ یہ تمام تغیرات اور اختلافات کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضاء نہیں بلکہ کسی قادر حکیم کی کاریگری اور کرشمہ سازی ہے۔

قَسَمٌ شَشْمٌ - وَنَحْنُ لَكُمْ اِلٰی وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالْجُودُ مَسْحَرَاتٌ بَا مُوہ
اِنْ رَفِیْ ذٰلِكَ لَاٰیةٌ لِّتَقُوْمَ یُعْقِلُوْنَ ۔

اور رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کر دیا یعنی ان چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا کہ دن اور رات کی آمد و رفت اور چاند اور سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے کارخانہ عالم چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ کے حکم سے ایسی چال پر چلتے ہیں جو خدا تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دی ہے اور انسان ان سے اوقات اور فصول کو معلوم کرتا ہے۔ پس فلاسفہ اور منجمین کا یہ قول کہ عالم سفلی کا کارخانہ کوکب اور نجوم کی تاثیر اور تصرف سے چل رہا ہے غلط ہے۔ سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے مقہور اور مسخر ہیں۔ سب اس کے بیگاری ہیں جس کام میں لگا دیا اس میں لگے ہوئے ہیں۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے ہماری قدرت و یکتائی کی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و ماہتاب اور کوکب و نجوم سب اجسام ہیں مگر سب مختلف اور متفاوت ہیں۔ حالانکہ من حیث الجسم ہونے کے لحاظ سے سب یکساں ہیں معلوم ہوا کہ یہ تفاوت جسمیت کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ کسی قادر حکیم کے ارادہ اور مشیت سے ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ستارے کسی کے حکم

کے تابع نہیں بذاتِ خود عالمِ سفلی میں مدبر اور متصرف ہیں یہ لوگ بے عقل ہیں۔

شعر ابرو باد و غور شید و فلک در کارند تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نحوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرما نبردار شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

غرض جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی وہ سمجھتا ہے کہ چاند اور سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے ہیں پس جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی خدا تعالیٰ ہے اور چونکہ آثارِ علویہ کی دلالت قدرتِ قاہرہ پر ظاہر و باہر ہے اس لیے اس آیت کو عقل پر ختم فرمایا۔

قسم ہفتم — وَمَا ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذْكُرُونَ

اور مسخر کر دیا اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس نے تمہارے لیے زمین میں پیدا کیا حالانکہ ان کے رنگ مختلف ہیں جتنی چیزیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا کیں انسان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ چیزیں صورت اور شکل اور رنگ اور بو کے اعتبار سے مختلف ہیں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت ظاہر ہوتی ہے اگر کوکب اور نجوم کی تاثیر ہوتی تو سب نباتات ایک رنگ کے ہوتے۔ ان مخلوقات میں اللہ کی قدرت اور الوہیت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں اور غافل نہیں ذرا غفلت کا پردہ اٹھا تو مصنوع کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلا لیا اس لیے اس آیت کو تذکرہ پر ختم فرمایا۔ کیوں کہ ان کی دلالت اس قدر واضح ہے کہ اس میں دقیق نظر و فکر کی حاجت نہیں محض تذکرہ اور یاد دہانی کافی ہے۔

قسم ہشتم — وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لَكُمْ لَئِيَّا تَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا... اِلٰی... وَتَعْلَمُكُمْ تَشْكُرُونَ

حق جل شانہ نے اپنی الوہیت کے ثابت کرنے کے لیے اول اجرامِ سماویہ سے استدلال کیا اور پھر دوسری مرتبہ میں انسان کی پیدائش سے استدلال فرمایا اور تیسری مرتبہ میں عجائبِ حیوانات سے استدلال کیا اور چوتھے مرتبہ میں عجائبِ نباتات سے استدلال کیا اب احوالِ عناصر کے عجائب سے استدلال فرماتے ہیں عناصر میں اول پانی کا ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور وہ وہ ہے جس نے دریا کو تمہارے لیے مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ یعنی مچھلی نکال کر کھاؤ سمندر کا پانی شور ہے مگر مچھلی جو اس سے نکلتی ہے اسکا گوشت شور نہیں یہ بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کی دلیل ہے کہ شور میں سے ایک لذیذ چیز تمہارے کھانے کے لیے نکال دی اور تاکہ تم اس سمندر سے زیور نکالو یعنی موتی اور مرجان نکالو جس کو تم پہنتے ہو یعنی تمہاری عورتیں۔ چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے لیے ہوتی ہے اس لیے حق تعالیٰ نے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی اور دیکھتا ہے نوکشتیوں کو کہ چیرتی چلی جاتی ہیں کشتی کا ایک ہی ہوا سے ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا یہ خدا کی کمال قدرت کی نشانی ہے اور کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لیے ہے تاکہ اس کے فضل سے روزی تلاش کرو۔ یعنی تاکہ تم کشتیوں پر سوار ہو کر تجارت کرو اور فضلِ الہی سے نفع کماؤ اور تاکہ تم اللہ عز و جل کی

شکر گزاری کرو کہ یہ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب اور تمہارا اس طرح سے سفر یہ سب اللہ کی نعمت ہے، جس کا شکر واجب ہے۔

قسم نہم۔ وَالْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ وَعِلْمَتِ -

اب عنصر خاکی سے استدلال فرماتے ہیں اور اسی نے تمہارے لیے زمین میں مضبوط پہاڑ ڈال دیے کہ وہ زمین تم کو لے کر حرکت نہ کرے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین پر پہاڑوں کا بوجھ ڈال دیا اور پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنا دیا تاکہ زمین حرکت نہ کر سکے اس لیے زمین ٹھہر گئی یہ اس کی قدرت کا ملکہ کی دلیل ہے کہ اس نے ایک جسم کو خفیف بنایا اور ایک جسم (پہاڑ) کو ثقیل بنایا اور اللہ نے زمین میں نہریں پیدا کیں جیسے میل اور فرات اور جیحون اور سیحون اور اکثر دریا پہاڑوں سے نکلے ہیں اور پیدا کی زمین میں راہیں اور راستے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ سکو، ان دلائل میں غور کرو کہ شاید تم اپنے منزل مقصود کی راہ پالو اور راستوں کی شناخت کے لیے اللہ نے اور بھی نشانیاں رکھی ہیں جن سے چلنے والے راستہ معلوم کرتے ہیں اگر زمین کی ساری سطح یکساں ہوتی۔ کہیں درخت اور پہاڑ اور یہ نشان نہ ہوتے تو مسافر کو راستہ چلنا اور منزل پر پہنچنا مشکل ہو جاتا۔

قسم دہم۔ رَبِّ الْبَلْخَمِ هُمْ يَهْتَدُونَ -

اور علاوہ ازیں ستاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کر لیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ صرف زمین ہی کی چیزیں راستوں کی علامتیں نہیں بلکہ لق و دق میدانوں میں ستارے بھی راستوں کی علامتیں ہیں کہ قافلے ان کی سیدھ میں چلتے ہیں سمت اور رخ اور راستوں کا پتہ ستاروں کے ذریعے چلتا ہے اگر یہ علامتیں نہ ہوتیں تو بہت مشکل پڑ جاتی۔

تہدید بر اعراض از دلائل واضحہ

یہاں تک توجید کے دلائل بیان فرمائے۔ اب آگے ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہیں جو ان دلائل واضحہ میں ذرا بھی غور نہیں کرتے چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس کیا جو خدا ان اجرام علویہ اور سفلیہ اور حیوانات عجیبہ اور نباتات غریبہ اور مصنوعات عظیمہ کو پیدا کرتا ہے۔ مثل ان بتوں کے ہو سکتا ہے جو کچھ پیدا نہیں کرتے پس کیا تم سوچتے نہیں کہ خالق اور غیر خالق کا برابر ہونا عقلاً محال ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنے لگو تو شمار بھی نہیں کر سکتے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اس کی نعمتیں مبذول ہوتی رہتی ہیں صرف ایک اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لو کہ اس نے تمہیں صحت دی عقل دی سننے کے لیے کان دیے اور بولنے کے لیے زبان دی اور پکڑنے کے لیے ہاتھ دیے اور چلنے کے لیے پیر دیئے اس قسم کی بے شمار نعمتیں تم کو دیں جن کو تم گن نہیں سکتے۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں بند نہیں کیں۔

عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے منعم کی پرستش کرو کہ جس کی نعمتوں کو تم شمار نہیں کر سکتے اور وہ ایسا مہربان ہے کہ باوجود تمہاری تقصیرات کے اپنی نعمتیں تم پر بند نہیں کرتا اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور جو تم زبان سے ظاہر کرتے ہو وہ تمہارے نیک و بد کی تمہیں سزا دے گا وہی عالم الغیب ہے قابل عبادت ہے ظاہر و باطن اس کے نزدیک برابر ہے یہ بت جن کو نہ تمہاری بدی کی خبر ہے اور نہ نیکی کی۔ پوچھنے کے لائق نہیں اور جن حقیر چیزوں کی یہ لوگ خدا کے سوا پرستش کرتے ہیں وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود ہی مخلوق ہیں پس کیسے خالق کے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ تو مردے ہیں زندہ نہیں۔ وہ تو جمادات ہیں نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ حرکت کر سکتے ہیں پس یہ بت معبود کیسے ہو سکتے ہیں۔ معبود کے لیے حیات ازلیہ اور علم محیط چاہیئے اور تمہارے ان معبودین کو اتنی بھی خبر نہیں کہ ان کے عابدین۔ یعنی جو ان کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے یعنی ان کو قیامت کا علم نہیں اور نہ اپنے عابدین کی عبادت کا علم ہے لہذا جسے اپنے عبادت کرنے والے کا حال معلوم نہ ہو وہ معبود ہی کیا ہوا تو ایسوں کو پوجنا کمال بے وقوفی ہے خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ خالق معبود اور عالم الغیب اور محیط کل ہو اور خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے پس ثابت ہوا کہ تمہارا معبود ایک اور یگانہ ہے۔ احد اور صمد ہے اس کے سوا کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا۔ سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل ایک معبود ہونے سے انکار کرتے ہیں اور وہ متکبر ہیں اس لیے انہیں حق کے قبول کرنے سے عار ہے بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، تحقیق اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور حق کو قبول نہ کرنا یہ تکبر ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک غایت درجہ مبغوض ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ متکبرین قیامت کے دن چوٹیوں کی طرح ہوں گے تاکہ لوگ انہیں اپنے قدموں سے پامال کریں مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ان کے اجسام صغیر اور حقیر ہوں گے تاکہ خوب ذلیل ہوں اور آگ میں ان کے اجسام کبیر (بڑے) ہو جائیں گے تاکہ عذاب شدید اور ضرب شدید مدید کے مورد اور محل بن سکیں۔

اور چونکہ حق سے اعراض کا منشاء تکبر تھا اس لیے آیت کو متکبرین کی مذمت پر ختم فرمایا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنْزِلَ رَبُّكُمْ قَالَُوا أَسَاطِيرُ

اور جب کہیئے ان کو کیا اتارا ہے تمہارا رب نے؟ کہیں نقلیں ہیں

الْأَوَّلِينَ ۚ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ

پہلوں کی۔ کہ اٹھا دیں بوجھ اپنے پورے دن

الْقِيَمَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ط

قیامت کے۔ اور کچھ بوجھ ان کے جن کو بہکاتے ہیں بے تحقیق۔

الْأَسَاءَ مَا يَزُرُّونَ ع ۲۵

سُناتے؟ بُرا بوجھ ہے جو اٹھاتے ہیں۔

منکرین نبوت کے معاذنہ سوالات اور ان کے جوابات

۱ ربط، یہاں تک دلائل توحید کا ذکر فرمایا اب آگے مشرکین کے قبائح اور منکرین نبوت کے معاذنہ سوالات کا ذکر کر کے ان کا جواب دیتے ہیں اسی سلسلہ میں حق تعالیٰ نے مشرکین کے پانچ شبہ ذکر فرما کر ان کا جواب دیا اور یہ بھی بتلادیا کہ یہ شبہ کوئی نئے شبہ نہیں پہلی امتوں کے لوگ اسی قسم کے شبہ کر چکے ہیں اور ہلاک اور برباد ہو چکے ہیں ان کی ہلاکت اور بربادی خود ان کے شبہوں کا جواب تھی۔

پہلا شبہ

قال الله تعالى: وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنْزِلَ فِيكُمْ... إلخ... الْأَسَاءَ مَا يَزُرُّونَ
 آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت و رسالت پر قرآن کریم سے استدلال کیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور معجزہ ہے تو جواب میں یہ کہتے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ پچھلے لوگوں کے قصے ہیں اور کہانیاں ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور جب ان مشرکین سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے۔ یعنی کوئی ناواقف شخص بغرض تحقیق ان سے یہ پوچھتا ہے کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز اتاری ہے یا خود ہی آپس میں ازراہ تفسیر ایک دوسرے سے یہ سوال کرتے ہیں کہ بتلاؤ تمہارے پروردگار نے کیا چیز نازل کی ہے تو جواب میں یہ کہتے کہ کچھ بھی نہیں۔ یہ اللہ کا اتارا ہوا کلام کہاں سے آیا یہ تو پچھلے لوگوں کے افسانے اور ان کی کہانیاں ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اُكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں۔ اور اس کی اتاری ہوئی کتاب نہیں پچھلے لوگوں کی بے سند باتیں ہیں۔ نبوت و رسالت اور قیامت اور جنت و جہنم کی باتیں اور پرانے افسانے اس میں نقل کر دیئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس قسم کی باتوں سے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن یہ لوگ

اپنے پورے گناہوں کا بوجھ تو اٹھائیں گے اور کچھ بوجھ ان لوگوں کے گناہوں کے بھی اٹھائیں گے جن کو بے تحقیق یہ گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی یہ متکبرین اور رؤساء کفر اپنے گمراہ اور شرک اور اپنے گناہوں کا تو پورا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور اپنے بوجھ کے علاوہ اپنے پیروؤں کے گناہوں کا بوجھ بھی کچھ اٹھانا پڑے گا۔ پیرو بری نہ ہوں گے ان کو اپنے کفر اور شرک کا علیحدہ عذاب ہوگا اور ان گمراہ کرنے والوں کو گمراہی کا سبب بننے کی وجہ سے بمقدار حصہ سببیت گمراہوں کے عقوبت میں سے بھی کچھ حصہ ملے گا غرض یہ کہ ان ائمۃ الکفر کو اپنے کفر اور شرک کا پورا عذاب ملے گا اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہے ان کے عذاب میں سے بھی ان کو کچھ حصہ ملے گا اس طرح ان کو دُگنا عذاب بھگتنا پڑے گا۔ مگر گمراہوں کے عذاب میں کوئی کمی نہ ہوگی ان کا قصور یہ ہے کہ انہوں نے انبیاء کرامؑ کی پیروی نہ کی۔ اور ان کی بات بے دلیل ہی مان لی۔ اور ان کی جہالت کا عذر قبول نہ ہوگا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ بہت بُرا بوجھ ہے کہ جو قیامت کے دن اپنی بیٹیوں پر اٹھائیں گے گناہوں کے بوجھ سے بڑھ کر کوئی بوجھ نہیں حدیث میں ہے کہ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا۔ جنہوں نے اس کا اتباع کیا اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔ اور جس نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ ہوگا۔ جنہوں نے اس کی پیروی کی ان پیروؤں کے گناہ سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا۔ (رواہ مسلم)

اور آیت **وَلَا تَزِرُ وَازِرَتَا ذُرِّهُمَا خُسْرًا** اس کے منافی نہیں اس لیے کہ مراد اس سے وہ ذر ہے کہ جس میں اس کا کچھ عمل دخل نہ ہوگا اور اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور جو شخص کسی بُرائی یا بھلائی کا سبب بنے گا بقدر سببیت اس کو ثواب و عتاب میں سے حصہ ملے گا۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَى اللَّهُ

دغا بازی کر چکے ہیں ان سے اگلے ، پھر پہنچا اللہ

بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

ان کی چٹائی (عمارت) پر نیو (بنیاد) سے پھر گر پڑی اُن پر

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ

چھت اوپر سے ، اور آیا ان پر عذاب

مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۚ ثُمَّ

جہاں سے خبر نہ رکھتے تھے - پھر

يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ

دن قیامت کے رسوا کریگا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں میرے شریک؟

الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقِقُونَ فِيهِمْ ط قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا

جن پر ضد کرتے تھے ۔ بولیں گے جن کو

الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝۲۷

خبر ملی تھی بے شک رسوائی آج کے دن اور برائی منکروں پر ہے۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقَوْا

جن کی جان لیتے ہیں فرشتے ، اور وہ بُرا کر رہے ہیں اپنے حق میں تب

السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ط بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

اگر کریں گے اطاعت کہ ہم تو کرتے نہ تھے کچھ بُرائی ، کیوں نہیں ، اللہ خوب

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝۲۸ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ

جانتا ہے جو تم کرتے تھے ۔ سو بیٹھو (گھس جاؤ) دروازوں میں دوزخ کے

خُلْدِينَ فِيهَا ط فَلَئِنَّ الْمُتَكَبِّرِينَ ۝۲۹ وَ

رہا کرو اس میں ۔ سو کیا بُرا ٹھکانہ ہے غرور کرنے والوں کا ۔ اور

قِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ ط قَالُوا خَيْرٌ

کہا پر ہیزگاروں کو کیا اتارا تمہارے رب نے ؟ بولے نیک بات

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ط وَلَدَارُ

جنہوں نے بھلائی کی اس دنیا میں ان کو بھلائی ہے اور بچھلا

الْآخِرَةِ خَيْرٌ ط وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝۳۰ جَنَّاتُ

گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا ۔ باغ میں

عَدْنٍ يَدُّ خُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ

رہنے کے ، جن میں وہ جاویں گے بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کو

فِيهَا مَا يَشَاءُونَ كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾

وہاں ہے جو چاہیں ۔ ایسا بدلہ دے گا اللہ پر ہیزگاروں کو ۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ لَا يَقُولُونَ

جن کی جان لیتے ہیں فرشتے ، اور وہ سُتھرے ہیں ان کو کہتے ہیں

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا دُخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾

سلامتی ہے تم پر ، جاؤ بہشت میں ، بدلہ اس کا جو تم کرتے تھے ۔

تہدید معاندین و عید متکبرین

قال الله تعالى - قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ --- الی --- اَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۔

(ربط) ان آیات میں ادل متکبرین کی اس دنیاوی تباہی اور بربادی کا بیان ہے جو پہلے کافروں پر ناگہانی طور پر نازل ہوئی اس کے بعد الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ میں متکبرین کے اخروی عذاب کا بیان ہے یہ سب غرور اور تکبر کا نتیجہ ہے اور مقصود یہ ہے کہ جس طرح اگلے کافر اور متکبر ناگہانی بلاؤں میں مبتلا ہوئے جن کا پہلے سے کہیں دہم و گمان بھی نہ تھا اسی طرح تمہارا بھی یہی حال اور مال ہوگا اور گزشتہ متکبرین کی طرح تم کو بھی غرور اور تکبر کا نتیجہ جھگٹنا پڑے گا۔ اور اس کے بعد وَلِلَّذِينَ اتَّقَوْا الْجَنَّةَ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ کی دینی اور دنیاوی صلاح اور فلاح اور خیر و خوبی اور ان کے دینی اور دنیاوی مدارج اور مراتب کا بیان ہے ۔

چنانچہ فرماتے ہیں ۔ تحقیق ان سے پہلے متکبر بھی لوگوں کو گمراہ کرنے اور حق کو پست کرنے کے لیے عجیب و غریب مکر کر چکے ہیں جو ان کفار مکہ سے پہلے گزرے ہیں جیسے نمرود بن کنعان جو اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ سرکش و ظالم و متکبر بادشاہ تھا اور تمام شاہانِ عالم سے بڑھ کر تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں تھا اس کا مکر یہ تھا کہ اس نے بابل میں ایک بڑا اونچا محل بنوایا تھا جو پانچ ہزار گز بلند تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو فرسخ یعنی چھ میل اونچا منارہ تھا۔ پس آپہنچا اللہ کا حکم ان کی عمارت

کی تباہی اور بربادی کے لیے ان کی بنیادوں کی جانب سے کہ زلزلے نے تمام بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا۔ پھر اُوپر سے ان پر چھت آگری جس سے چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے اور ہلاک ہو گئے جو سامان حفاظت کا کیا تھا وہی فنا اور ہلاکت کا سبب بن گیا اور ایسی جگہ سے ان پر عذاب آیا جہاں سے ان کو وہم اور گمان بھی نہ تھا عمارت کی بنیادیں اس درجہ مستحکم اور مضبوط تھیں کہ خیال بھی نہ تھا کہ جڑ سے اکھڑ جائیں گی۔ چنانچہ نمود نے جو بلند محل تیار کیا تھا اس کا حال یہ ہوا کہ من جانب اللہ ایک دم آندھی چلی۔ جس نے اس محل کو جڑ سے اکھاڑ کر ان پر گرا دیا اور وہ سب بد بخت اس کے نیچے دب کر مر گئے اور بعض کہتے ہیں یہ شخص بخت نصر تھا۔ (تفسیر قرطبی ص ۹۷ ج ۱۰)

امام رازی قدس سرہ فرماتے ہیں فَاتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ آیت کے ظاہری معنی مراد ہوں کہ قدیم زمانہ میں کفار بلند بلند عمارتیں بناتے تھے اور انبیاء کرامؑ کا مقابلہ کرتے تھے خدا تعالیٰ نے ان کو جڑ سے گرا دیا اور اُوپر سے ان پر چھت آ پڑی جس کے نیچے دب کر مر گئے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ کلام بطور تمثیل کے ہے کہ انھوں نے حق کے مقابلہ میں مکر و فریب کی بہت بلند عمارت بنائیں اور مکر و تبلیس کے بڑے اونچے محل تیار کر دیئے مگر جب حکم الہی آپہنچا تو مکر و فریب کی بلند عمارت کی چھت انہی پر گر پڑی اور اس کے نیچے دب کر خود ہی ہلاک ابدی میں گرفتار ہوئے۔ (تفسیر کبیر ص ۳۴۳)

الغرض متکبرین کا یہ انجام تو دنیا میں ہوا۔ پھر اس دنیا کے عذاب کے علاوہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اور رسوا اور خوار کرے گا کیونکہ اس دن پوشیدہ نیتیں ظاہر کی جائیں گی اور منجملہ رسوائیوں کے ایک رسوائی یہ ہوگی کہ اللہ بطور غضب یہ کہے گا کہ بتلاؤ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے بارے میں تم انبیاء کرامؑ اور اہل ایمان سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔ آج وہ تمہارے ساتھ حاضر کیوں نہیں ہوئے جو تمہاری مدد کرتے اور اس ذلت اور مصیبت سے تم کو نکالتے (اس حالت کو دیکھ دیکھ کر) وہ اہل علم جو دنیا میں انہیں نصیحت کیا کرتے تھے اور یہ ان کے وعظ و نصیحت کی طرف ملتفت نہ ہوتے تھے اس وقت بطریق شہادت اہل علم ان سے یہ کہیں گے کہ دیکھ لیا جو ہم کہا کرتے تھے آج کے دن پوری رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ بظاہر اس وقت انبیاء کرامؑ تو خاموش رہیں گے اور ان متکبرین کی بات کا جواب نہ دیں گے البتہ اہل علم جو انبیاء کے وارث تھے کافروں کو سنا کر یہ کہیں گے اِنَّ الْاِنْجِزٰی لَیُّومَ ۙ دنیا میں کافروں کو ذلیل سمجھتے تھے قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائیگا کہ درحقیقت ذلیل وہی ہیں اور کافروں کی ذلت کا ظہور موت کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں کافروں کی موت کی ذلت آمیز حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ ان متکبر کافروں کی فرشتے ایسی حالت میں جان نکالتے ہیں کہ وہ مرتے دم تک کفر اور تکبر پر قائم رہ کر اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے یعنی مرتے دم تک کفر اور شرک میں مبتلا تھے۔ اگر مرنے سے پہلے کفر اور شرک سے باز آجاتے تو ان کو یہ ذلت نہ دیکھنی پڑتی۔ ساری عمر خواب غفلت میں سوتے رہے ہوش ہی نہ آیا۔ جب موت کا فرشتہ سر پر آپہنچا تب آنکھ کھولی۔ پس اس وقت یہ ظالم صلح کا پیغام ڈالیں گے اور مناصبہ اور جھگڑا چھوڑ کر اطاعت کی طرف مائل ہوں گے اور یہ روح

نکلنے سے ذرا پہلے ہو گا اس وقت یہ کہیں گے کہ ہم دنیا میں کوئی برا کام کفر و شرک نہیں کرتے تھے۔ ملک الموت کو دیکھتے ہی غرور تو کا فور ہو جائے گا اور ساری ذل فانی نکل جائے گی مگر قدیمی جھوٹ ابھی باقی رہ جائے گا۔ اور کہہ دیں گے کہ ہم نے کوئی بُرا کام نہیں کیا۔ اور اسی طرح آخرت میں کہیں گے **وَاللّٰهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کیوں نہیں۔ تم دنیا میں ضرور بُرے کام کفر اور شرک کرتے تھے۔ کیا تم جھوٹ بول کر اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے بلاشبہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو یعنی تمہارا یہ انکار تمہیں کچھ مفید نہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کو ذرہ ذرہ کا علم ہے تم قرآن اور رسولؐ اور اہل ایمان کی ہنسی اڑاتے تھے اور توحید کے نام سے چڑتے تھے ہم تم کو تمہارے اعمال کی سزا دیں گے اور سزا یہ ہو گی کہ یہ کہیں گے کہ پس تم دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ تم ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہو۔ پس البتہ کیا ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔ ایمان سے تکبر کرنے والوں کا۔

خلاصہ کلام یہ کہ حق کے مقابلہ میں تکبر کا انجام دنیا و آخرت میں سوائے ذلت و خواری کے کچھ نہیں اور اس تکبر سے وہی تکبر مراد ہے کہ جب کوئی بغرض تحقیق ان سے پوچھتا کہ محمدؐ پر کیا چیز نازل ہوئی تو ازراہ تمسخر یہ کہتے کہ **اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ** کہ پہلے لوگوں کے قصے اور افسانے ہیں یہاں تک تو متکبرین اور ظالمین کا حال بیان ہوا اب آگے اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کا حال اور ان کی عزت و کرامت کو بیان فرماتے ہیں۔ جنہوں نے حق کے مقابلہ میں غرور اور تکبر نہیں کیا۔ غرض یہ کہ پہلی آیت میں اشیاء (بدبختوں) کے حال سے خبر دی۔ اب ان آیات میں سعادت (نیک بختوں) کے حال اور انجام سے خبر دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب قرآن کے بارہ میں ان لوگوں سے پوچھا گیا کہ جو کفر اور شرک سے اور تکبر سے پرہیز کرتے ہیں کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل فرمایا ہے (یعنی وحی قرآنی سے سوال کیا گیا) تو متقین نے جواب دیا کہ ہمارے پروردگار نے بڑی خیر و برکت کی چیز کو نازل فرمایا بخلاف کافروں اور متکبروں کے جب ان سے یہ سوال کیا جاتا تو کہتے کہ یہ اساطیر الاولین ہیں۔

نکتہ متقین کے جواب میں خیراً۔ منصوب آیا ہے اور متکبرین کے جواب (قَالَ سَوْا) **اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ** میں اساطیر مرفوع آیا ہے جو مبتداء محذوف کی خبر ہے اسی ہو **اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِيْنَ**۔ متکبرین نے اس قرآن کے نزول کا انکار کیا اور مرفوعاً ذکر کیا۔ مطلب یہ تھا کہ قرآن منزل من اللہ نہیں بلکہ اس کا اساطیر الاولین ہونا ثابت اور مستمر ہے کیونکہ جملہ اسمیہ دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اور متقین نے جواب (خیراً) منصوب کہا جو فعل محذوف کا مفعول بہ ہے یعنی انزل اللہ **خَيْرًا** یعنی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ رحمت اور خیر و برکت ہے اور بلاشبہ منزل من اللہ ہے حاصل کلام یہ کہ کافروں اور متقینوں کے جواب میں مرفوع اور منصوب ہونے کا فرق اس نکتہ کی بناء پر ہے (تفسیر کبیر ص ۳۱۴)

جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بھلائی دنیا کی بھلائی سے فتح و نصرت اور غلبہ اور خلافت مراد ہے اور آخرت کی بھلائی سے مراد جنت ہے اور دار آخرت کی بھلائی تو بہت سی خوب ہے اور دنیا کی نعمتوں سے کہیں بہتر ہے اور کیا ہی خوب ہے دار اہل تقویٰ کا۔ اور وہ گھر باغاتِ خلد ہیں وہ ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہوں گے نہ وہاں سے کوچ کریں گے اور نہ نکالے جائیں گے۔ اور ان درختوں اور مکانوں کے نیچے دودھ کی اور شہد کی اور شراب کی نہریں جاری ہوں گی۔ اور ان متقیوں کے لیے وہاں ہر وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے اور جنت میں داخل ہونے کے بعد متقیوں کا تقویٰ حد کمال کو پہنچ جائے گا اور رشک و حسد کا شائبہ بھی نہ رہے گا ہر جنتی کو جو مرتبہ حاصل ہو گا وہ دل و جان سے اس پر راضی ہو گا اس لیے کوئی متقی یہ خواہش نہیں کرے گا کہ مجھ کو انبیاء اور صدیقین کا مرتبہ دیا جائے نیز جنت میں جو بھی داخل ہو گا اس سے بے عقلی اور کم فہمی بالکلیہ دور کر دی جائے گی۔ اہل جنت جو خواہش کریں گے وہ پوری کر دی جائے گی۔ مگر یاد رہے جنت میں جانے کے بعد کوئی شخص ایسی خواہش نہ کرے گا جو خلاف عقل ہو اور اپنے مرتبہ اور حیثیت سے زائد ہو۔ جنت میں جو خواہش بھی ہوگی وہ اپنے استحقاق اور مرتبہ سے زائد نہ ہوگی۔ اسی طرح کی جزاء دیتا ہے اللہ تمام متقیوں کو اور ادنیٰ درجہ کا متقی وہ ہے جو کفر اور شرک سے بچے اور اعلیٰ درجہ کا متقی وہ ہے کہ جو تمام معاصی سے بچے۔ جس درجہ کا تقویٰ ہو گا۔ اسی درجہ کی جزاء ملے گی۔ اب آگے متقیوں کی وہ حالت اور صفت بیان کرتے ہیں جو موت کے وقت ان کی ہوتی ہے اور اصل اعتبار موت کے وقت کی حالت کا ہے وہ متقی جن کی فرشتے بحکم الہی رُوح قبض کرتے ہیں اس وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ شرک اور معصیت سے پاک ہوتے ہیں اور ازراہِ اعزاز و اکرام فرشتے یہ کہتے ہیں کہ سلام ہو تم پر اللہ کا اور یہ سلام درحقیقت ایک قسم کی بشارت ہے کہ اس کے بعد تم بالکل صحیح سالم رہو گے۔ اور تم کو کوئی امر مکروہ (ناگوار) نہ پہنچے گا اور سلام کے بعد یہ کہتے ہیں کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ اپنے اعمال خیر کے سبب سے دخولِ جنت کا اصل سبب تو فضل الہی ہے اور یہ اعمال خیر اس کا سبب ظاہری ہیں اور بندہ کے یہ اعمال خیر بھی اس کے فضل اور توفیق سے ہیں۔ مبتدا اور منتہی ہر جگہ فضل الہی ہے اور عمل خیر درمیان میں ایک وسیلہ ہے جو اس کے فضل پر موقوف ہے نیز عمل صالح خواہ کتنا ہی صحیح اور درست کیوں نہ ہو مگر اس کا قبول کرنا حق تعالیٰ کے ذمہ واجب نہیں پس اس عمل صالح کو قبول کرنا بھی اس کا فضل ہے اور پھر اس پر جنت میں داخل کرنا یہ بھی اس کا فضل ہے۔ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ

اب کچھ راہ دیکھتے ہیں مگر یہی کہ آدیں ان پر فرشتے یا پہنچے

أَمْرُ رَبِّكَ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ط

حکم تیرے رب کا ۔ اسی طرح کیا۔ ان سے انگوٹوں نے ، اور

مَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝۳۳

اللہ نے ظلم نہ کیا ان پر، لیکن اپنا بُرا کرتے رہے ۔

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا

پھر پڑے اُن پر ان کے بُرے کام اور اُلٹ پڑا ان پر جو

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝۳۴

ٹھٹھا کرتے تھے ۔

دوسرا شبہ

قال الله تعالى، هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ... إلخ۔۔۔ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ه (رابط) منکرین کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہو کر آپ کی صداقت کی شہادت دے اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ منکرین نبوت اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس موت کے فرشتے آجائیں اور ان کی روحیں قبض کر لیں یعنی یہ لوگ دلائل و براہین سے راہ راست پر آنے والے نہیں بلکہ منتظر ہیں کہ جب قبض روح کے ملائکہ آویں تب یقین کریں گے مگر اس وقت کا یقین سودمند نہیں یا یہ معنی ہیں کہ فرشتوں کی آمد کے منتظر ہیں کہ وہ آکر فیصلہ کریں یعنی سب کے سامنے آکر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی گواہی دیں اور یہ بھی ناممکن اور محال ہے فرشتہ کو اصل صورت میں دیکھنا عام بشری طاقت سے باہر ہے یا اس بات کے منتظر ہیں کہ تیرے پروردگار کا کوئی حکم آجائے کہ ان پر کوئی عذاب نازل ہو اور یکنخت سب ہلاک ہو جائیں اس وقت عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے یا حکم خداوندی سے قیامت کا آنا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ کیا قیامت کے یا موت کے منتظر ہیں کہ اس وقت ایمان لائیں گے تو اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا ایسا ہی مسخرہ پن ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ یعنی اسی طرح کی باتیں پہلے کا فر بھی کرتے تھے بالآخر عذاب سے ہلاک ہوئے اور عذاب سے ہلاک کر کے اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اس لیے کہ اللہ نے ان پر حجت قائم کر دی تھی اور رسول بھیج دیئے تھے اور کتابیں اتار

دی تھیں لیکن وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے کہ پیغمبروں کی تکذیب کرتے تھے یعنی وہ اس کفر اور شرک سے اور تکذیب سے خود اپنی ہلاکت کا باعث بنے پس پہنچیں ان کو برائیاں ان کے اعمال کی یعنی اپنے اعمال کی سزا میں گرفتار ہوئے اور ان کو اسی عذاب نے آکر گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ کہاں کا عذاب اور کہاں کا حساب و کتاب اور کہاں کی قیامت اور کہاں کی دوزخ اور جنت۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ

اور بولے شرک پکڑنے والے ، اگر چاہتا اللہ

مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ

نہ پوجتے ہم اس کے سوا کوئی چیز اور

وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ط

نہ ہمارے باپ ، اور نہ حرام ٹھہرا لیتے ہم اس کے سوا کوئی چیز۔

كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى

اسی طرح کیا ان سے انکوں نے ۔ سو رسولوں

الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝۳۵ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي

پر ذمہ نہیں مگر پہنچا دینا کھول کر ۔ اور ہم نے اٹھائے ہیں

كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا

ہر امت میں رسول ، کہ بندگی کرد اللہ کی اور بچو ہر دنگے

الطَّاغُوتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ

(سرکش) سے سو کسی کو راہ دی اللہ نے اور کسی پر

حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۖ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا

ثابت ہوئی گمراہی ۔ سو پھرد زمین میں تو دیکھو ،

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ

کیسا ہوا آخر جھٹلانے والوں کا ۔ اگر تو بچا دے ان کو

هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا

راہ پر لانے کو سو اللہ راہ نہیں دیتا جس کو بچلاتا (بھٹکاتا) ہے

لَهُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿٣٧﴾

اور کوئی نہیں ان کے مددگار ۔

تیسرا شبہ

قال اللہ تعالیٰ، وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِن دُونِهِ مِن شَيْءٍ... اِلَى... وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝ (ربط) اس آیت میں مشرکین کے تیسرے شبہ کا ذکر ہے جس کو وہ اپنے اعمال شرکیہ و کفریہ کا جواز اور استحسان ثابت کرنے کے لیے پیش کرتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کو ہمارا کفر اور شرک اور ہمارے اعمال شرکیہ مثلاً، بچہ دسانہ وغیرہ ناپسند ہوتے تو ہم کو کرنے ہی کیوں دیتا۔ اگر خدا تعالیٰ کو ہماری یہ باتیں ناپسند ہوتیں تو وہ ہمیں ایسی باتیں کرنے سے روک دیتا اور اگر ہم نہ رکھتے تو ہم کو فوراً سزا دیتا معلوم ہوا کہ خدا ہمارے اس کفر اور شرک سے راضی اور خوش ہے اور بالفاظ دیگر ہم مجبور اور معذور ہیں خدا کے ارادہ اور مشیت کے خلاف نہیں کر سکتے اس آیت میں مشرکین کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں حاصل جواب یہ ہے کہ یہ جہالت کی باتیں ہیں اگلے کا فر بھی اپنے رسولوں کے مقابلہ میں اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے یعنی اپنے آپ کو بالکل مجبور محض بتاتے تھے یہ بالکل غلط ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا۔ بلکہ حق اور باطل کے سمجھنے کے لیے عقل عطا فرمائی اور پھر اس کو عمل کی قدرت بھی دی کہ اپنے اختیار سے خیر شر کر سکے اور ہر گز وہ میں اللہ تعالیٰ نے رہبری اور راہنمائی کے لیے رسول بھیجے جو بالاتفاق شرک اور بت پرستی اور بُرے کاموں سے منع کرتے رہے اور صاف یہ اعلان کرتے رہے کہ یہ کام خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے انبیاء کا کام تبلیغ تھا سوا انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک پہنچا دیا۔ اس کے بعد جس نے انبیاء کا کہنا نہ مانا اس کو سزا ملی اس طرح ان پر اللہ کی حجت پوری ہوئی لہذا تم کو ان عبرتناک سزاؤں سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ اگر کفر اور شرک خدا کو پسند ہوتا تو ان کو یہ عبرتناک سزائیں دے کہ ہلاک نہ کرتا اور خوب سمجھ لو کہ اللہ کو پہلے سے معلوم تھا کہ کون ایمان لائے گا اور کون کفر

کرے گا۔ اتمامِ حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ اپنی مرضیات اور نامرضیات سے تم کو آگاہ کر دیا ہے اور اس حلیم و کریم نے کفر و شرک پر فوراً نہیں پکڑا۔ جب جرم کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو عذاب سے تباہ اور ہلاک کر دیا لہذا تم کو خدا کی مہلت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ یہ بات خدا کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ اور خدا تعالیٰ اس سے راضی اور خوش ہیں۔ مجرم کا اپنے جرم کے جواز اور استحسان ثابت کرنے کے لیے یہ کہنا کہ حکومت نے مجھ کو فوراً کیوں نہیں پکڑا ہر قانون کی نظر میں اس قسم کا عذر دیوانہ کی بڑ ہے۔ قانون دان یہی کہے گا کہ جب حکومت نے یہ قانون بنا دیا اور اس کا اعلان بھی کر دیا کہ فلاں چیز قانوناً ناجرم ہے تو اب اگر حکومت بر بنائے شفقت یا بر بنائے مصلحت کسی مجرم کو فوراً نہ پکڑے اور اس کو کچھ مہلت دے تو حکومت کا کسی مجرم کو فوراً نہ پکڑنا اور اس کو مہلت دینا یہ اس جرم کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا۔

اور چونکہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللعالمین تھے اس لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ اسلام قبول کر لیں اور عذاب الہی سے بچ جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا اِنْ تَحَرَّصْ عَلَىٰ هٰذِهِمْۢ یعنی آپ ان بد بختوں کے ایمان لانے کی حرص اور طمع میں نہ پڑیے کیونکہ جو شخص دیدہ و دانستہ باختیار خود گمراہی کو اختیار کرے اللہ ایسے معاند کو ہدایت اور توفیق سے نہیں نوازتا۔

ان کا عناد اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور مشرکین نے یہ کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کو نہ پوجتے نہ ہم اور نہ ہمارے آباؤ اجداد اور نہ ہم اس کے حکم کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے خدا تعالیٰ تو ہر امر پر قادر ہے کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کو روک نہیں سکتا جو وہ چاہتا ہے اگر خدا ہم سے شرک چھڑانا چاہتا تو ہم کبھی شرک نہ کرتے اور نہ بحیرہ اور سائبہ اور صیلہ کو حرام ٹھیراتے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ان انحال سے ناخوش ہوتا تو ہم کو اس کام کے کرنے کی قدرت ہی نہ دیتا۔

اور زجاجؒ یہ کہتے ہیں کہ مشرکین کا یہ کلام بطور استہزاء اور تمسخر تھا اور اگر بطور اعتقاد ہوتا تو مومن ہو جاتے ان کا مقصود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرنا تھا اور مطلب یہ تھا کہ خدا کو نبی بھیجنے کی کیا ضرورت ہے اگر خدا ہم سے شرک چھڑانا چاہتا تو ہم کبھی شرک نہ کرتے، خواہ تو آتایا نہ آتا اب جب ہم تیرے خیال میں کفر کر رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ خدا کو ہم سے کفر کرانا ہی منظور تھا۔ بعض علماء نے زجاجؒ کے قول کو اختیار کیا اور اس تفسیر پر یہ آیت گزشتہ آیت وَحَاقٌّ بِهٖم مَّا كَانُوا بِہٖ یُشْکِرُوْنَ کے ساتھ غایت درجہ مربوط ہو جائے گی۔ مگر راجح اور صحیح بات وہی ہے جو اوّل مذکور ہوئی کہ اس قول سے مشرکین کا اصلی مقصود اپنے کفر و شرک کا جواز اور استحسان ثابت کرنا تھا نہ کہ استہزاء و تمسخر۔

حق جل شانہ ان کے اس جاہلانہ اور معاندانہ سوال با استدلال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ کوئی ان

کی نئی بات نہیں بلکہ ان سے پہلے جتنے مشرک گذرے ہیں۔ انہوں نے بھی انبیاء کرامؑ کی تکذیب کے لیے اسی قسم کا جیلہ بہانہ اور یہی مہمل شبہ کیا تھا اور اسی طرح انہوں نے بھی رسولوں کا مقابلہ کیا اور ہلاک ہوئے پس اس سے رسولوں کا کیا بکڑ گیا۔ رسولوں پر تو صرف اس قدر فرض ہے کہ صاف صاف حکم اللہ کا پہنچا دیں۔ ماننا نہ ماننا لوگوں کا اختیار ہے۔ انبیاء کا کام تو پہنچا دینا ہے باقی ہدایت دینا یہ اللہ کا کام ہے وہ مالک ہے جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اس کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے بینا بنائے اور جس کو چاہے نابینا بنائے بعثت کا فریضہ صرف دعوت الی الحق ہے باقی سعادت و شقاوت اور ہدایت ضلالت وہ سب اللہ کے اختیار میں ہے اس میں کسی نبی اور ولی کو دخل نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے لے کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین نے بالاتفاق سختی کے ساتھ شرک سے منع کیا اور بتلادیا کہ جو ایمان لائے گا وہ نجات پائے گا اور جو کفر کریگا وہ ہلاک ہوگا اور برباد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیر و شر کرنے کی قدرت دی اور انبیاء کے ذریعے یہ بتلادیا کہ یہ چیز خیر ہے اور یہ چیز شر ہے پھر جس نے شرک کا ارتکاب کیا وہ عذاب الہی سے ہلاک ہوا معلوم ہوا کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے ابتداء میں انبیاء کرامؑ نے آگاہ کیا اور کفر و شرک سے منع کیا اور آخر میں اس کے ارتکاب پر قہر الہی نازل ہوا جس کے آثار اب بھی زمین میں موجود ہیں پس ثابت ہوا کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک قطعاً ناپسندیدہ ہے کفار اور مشرکین کو عبرت ناک سزائیں دینا یہ اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفر اور شرک اللہ کے نزدیک جرم عظیم ہیں پسندیدہ چیز کے سجالانے پر تو عذاب نازل نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں کہ یہ نادانوں کی باتیں ہیں کہ اللہ کو یہ کام بڑا لگتا تو کیوں کرنے دیتا آخر ہر فرقے کے نزدیک بعضے کام بُرے ہیں پھر وہ کیوں ہوتے ہیں (کیا ان کے نزدیک خدا تعالیٰ ان کے روکنے سے عاجز تھا) دنیا میں اعمال اور افعال مختلف ہو رہے ہیں پس کیا یہ مختلف اور متضاد کام اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور سب اس کی مرضی سے ہو رہے ہیں یہاں حق تعالیٰ نے مجمل جواب فرمایا کہ ہمیشہ رسول منع کرتے آئے ہیں جن کی قسمت میں ہدایت تھی انہوں نے ہدایت پائی اور جو خراب ہونا تھا وہ خراب ہوا اللہ کو یہی منظور ہے۔ (انتہی)۔

انسان کو فی الجملہ ایسی قدرت اور ایسا اختیار دے دیا گیا کہ جو خیر و شر دونوں کے کرنے پر قادر ہو اینٹ اور پتھر کی طرح مجبور نہ ہو مگر اس کے علم اذلی میں یہ مقدر ہو چکا ہے کہ بعض ایمان لائیں گے اور بعض کفر پر قائم رہیں گے تمام حجت کے لیے اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا کہ وہ تم کو آگاہ کر دیں کہ کفر اور شرک صریح گمراہی ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ تَبْعَثَ رَسُولًا غرض یہ کہ انبیاء و مرسل کا تبلیغ اور دعوت سے اور پھر کافروں اور مشرکوں پر قہر الہی کے نزول سے یہ واضح ہو گیا کہ کفر و شرک خدا کے نزدیک جرم عظیم ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہر امت میں ایک رسول بھیجا اس صریح حکم کے ساتھ کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور شیطان کے راستے سے یعنی کفر و شرک سے بچو مطلب

یہ ہے کہ توحید کی دعوت کوئی نئی دعوت نہیں قدیم سے یہی تعلیم چلی آرہی ہے سارے پیغمبر یہی کہتے رہے کہ خالص اللہ کی عبادت کرو اور غیر اللہ سے بچو۔ انبیاءؑ نے تو اللہ کا پیغام پہنچا دیا لیکن لوگ مختلف اور متفرق ہو گئے کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا چنانچہ فرماتے ہیں۔

پھر ان اُمم میں سے جن کے پاس گئے کسی کو اللہ نے ہدایت دی کہ اس نے حق قبول کیا اور کسی پر بہ قضاۓ الہی گمراہی ثابت ہوئی یعنی گمراہی اس کو ایسی چھٹی کہ مرتے دم تک اس کا پچھانا نہ چھوڑا جیسا کہ دوسری آیت فریقاً ہدای و فریقاً حق علیہم الضلالۃ ایک گمراہ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور ایک گمراہ پر گمراہی ثابت اور قائم ہوئی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا حکم اور اس کی رضامندی اور شعی ہے اور اس کا ارادہ اور مشیت اور شعی ہے دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اللہ کا حکم تو یہ ہے کہ سب اس کی عبادت کریں اور کفر و شرک سے بچیں اور یہ حکم عام ہے اور سب کے لیے ہے مگر اس کا ارادہ اور مشیت یہ ہے کہ بعض کو ہدایت دے اور بعض کو گمراہ کرے۔

در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است دوزخ کر بسوزد گر بولہب نباشد

اگر وہ سب کی ہدایت چاہتا تو سب ہدایت پر ہو جاتے کما قال تعالیٰ وَ لَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔ یعنی اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہی ہدایت دیتا لیکن اللہ کا یہ ارادہ اور یہ مشیت کہ بعض ایمان لائیں اور بعض کفر کریں۔ یہ اس کی تقدیر ازلی ہے اس کا علم سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں اس نے اپنی تقدیر ازلی کو پوشیدہ رکھا اور اپنے حکم کو پیغمبروں کی زبانی ظاہر فرما دیا اور بندوں کو آگاہ کر دیا کہ سب اس کی عبادت کریں بندوں کو چاہیے کہ اس کے حکم کی تعمیل کریں اور اس کی مشیت اور اس کی تقدیر ازلی میں نہ پڑیں وہ ایک سرمکتوم ہے جس کا سوائے حق تعالیٰ کے کسی کو علم نہیں مشرکین کے اس شبہ کا منشا یہ تھا کہ انہوں نے مشیت خداوندی اور رضائے خداوندی میں فرق نہ کیا اللہ نے جواب میں فرق کی طرف اشارہ فرما دیا۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ بے شک ہر چیز اللہ کی مشیت سے ہے مگر اس کی مشیت اور چیز ہے۔ اور اس کا حکم اور رضامندی اور چیز ہے اللہ ہر کام سے راضی نہیں انبیاء کرامؑ کے ذریعے اس نے اپنے احکام اور مرضیات سے تم کو باخبر کر دیا اور اپنی رضامندی کو تم پر ظاہر کر دیا اور اپنے ارادہ اور مشیت کو تم سے پوشیدہ رکھا۔ پس تم ملک میں پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں اور انبیاء کے جھٹلانے

کا انجام کیا ہوا اگر خدا کے نزدیک کفر و شرک اور انبیاء کی تکذیب پسندیدہ ہوتی تو یہ گزشتہ قومیں اس ذلت اور رسوائی کے ساتھ تباہ نہ ہوتیں اور مشرکین اور مکذبین کا عذاب الہی سے مسلسل اس طرح تباہ و برباد ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ واقعات اتفاقی نہ تھے بلکہ ان کی تکذیب اور کفر کی سزا تھی جو انبیاء کرام کی پیشین گوئی کے بعد پیش آئے جس سے کفار ہلاک ہوئے اور اہل ایمان عذاب سے محفوظ رہے عذاب ایک ہے مگر حکم خداوندی کافروں کو تہ و بالا کر رہا ہے اور مومنین سے کنارہ کشی کر رہا ہے پس کفار اور مشرکین پر اس طرح مسلسل قہر خداوندی کا نزول اس امر کی دلیل ہے کہ کفر اور شرک خدا تعالیٰ کے نزدیک

غایت درجہ مبغوض ہے اور انتہا درجہ کا جرم ہے زمانہ حال کے مشرکین کو چاہیے کہ گزشتہ زمانے کے مشرکین کی عبرتناک سزاؤں کے آثار دیکھ کر عبرت پکڑیں اور خدا کے ارادہ اور مشیت کو بہانہ نہ بنائیں بلکہ شک عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اسی کی مشیت اور ارادہ سے ہو رہا ہے عالم کا کوئی ذرہ بغیر اس کے ارادہ اور مشیت کے حرکت نہیں کر سکتا لیکن کسی چور اور قزاق کو اپنی چوری کے جواز کے لیے یہ کہنا کہ اگر خدا چاہتا تو میں چوری نہ کرتا اس سے اس کے جرم میں مزید اضافہ ہو جائے گا اور چور کا یہ عذر جرم ہلاٹے جرم متصور ہوگا۔

اور چونکہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گمراہی سے غایت درجہ رنج و غم ہوتا تھا اس لیے آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں۔ اے نبی! اگر آپ ان کی ہدایت پر حریص ہیں۔ اور آپ کی دلی تمنا یہ ہے کہ یہ گمراہی سے نکل کر راہ راست پر آجائیں تاکہ دوزخ میں نہ جائیں۔ اس امید سے آپ اپنے دل کو خالی کر دیجیے۔ تحقیق اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جس کو علم ازلی میں گمراہ کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ اللہ کا سابق ارادہ ازلی اور قدیم ہے وہ کسی حادثہ کو روکنے سے رک نہیں سکتا لہذا آپ کی یہ حرص اور طمع ان کی ہدایت کے بارے میں بے فائدہ اور بے نتیجہ ہے ان کا کوئی مددگار نہیں کہ جو ان کو اللہ کی مشیت سے بچا سکے مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ان سرکشوں کی ہدایت منظور نہیں یہ کسی طرح ہدایت نہیں آئیں گے آپ ان کی فکر میں نہ پڑیں اور تنگ دل نہ ہوں۔ ازلی گمراہ کو کون ہدایت پر لا سکتا ہے جس پر اللہ کی گمراہی ثابت ہو چکی ہے اس کی ہدایت کی حرص میں نہ پڑیں۔ شروع آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلادیا کہ اللہ نے ہر امت میں جو رسول بھیجا اس نے اللہ کے تمام بندوں کو ایمان کی دعوت دی اور کفر و شرک سے سب کو منع کیا اب ان اخیر آیات میں یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت کی بناء پر سب بندوں کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرمایا ہدایت اور توفیق اس کا عطیہ ہے۔ اس کو اختیار ہے جس کو چاہے اپنی عطا سے نوازے اور جس کو چاہے نہ نوازے اس کے ذمہ کسی کا قرض نہیں۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِۦ۔

خلاصہ کلام یہ کہ پیغمبروں کے ذمے اللہ تعالیٰ کے احکامات پہنچا دینا ہے سو انبیاء کرام نے یہ بتلادیا کہ تم کو نئی طور پر اس کی بارگاہِ لہیزل و لایزال میں یہ طے ہو چکا ہے کہ سب ایمان نہیں لائیں گے۔ مگر تشریعی طور پر انبیاء کرام کی زبانی یہ بتلادیا کہ حکم خداوندی یہ ہے کہ کفر اور شرک سراسر گمراہی ہے اور ستم قاتل اور ایمان اور اطاعت سراسر ہدایت ہے اور تریاق ہے اور عالم میں جو کچھ بھی ہے اور جو ہو رہا ہے وہ سب اس کے ارادے اور مشیت کے دائرہ سے باہر نہیں۔ ہدایت اور ضلالت اور سعادت و شقاوت ازل میں جاری ہو چکی ہے۔ ان میں تبدیل و تحویل کی گنجائش نہیں۔ عطر اور گلاب (ایمان و اطاعت) تمہارے سامنے ہے اور پاخانہ اور پیشاب (کفر و شرک) بھی تمہارے سامنے ہے اگر کوئی دیوانہ بجائے عرق گلاب کے پیشاب پینے لگے اور دلیل یہ بیان کرے کہ ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے اور میرا ہر کام اللہ کی مشیت

اور ارادہ سے ہے لہذا پیشاب پینا جائز ہے تو یہ دلیل نہیں بلکہ دیوانہ کی بڑ ہے۔
(اطلاع) اسی قسم کی آیت پارہ ہشتم میں گزر چکی ہے وہاں اس کی مفصل تفسیر آچکی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی بیعت کی قسمیں کہ نہ اٹھا دے گا اللہ جو

يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ

کوئی مر جائے۔ کیوں نہیں؟ وعدہ ہو چکا ہے اس پر ثابت، لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ

نہیں جانتے۔ اس واسطے کہ کھول دی اُن پر، جس بات میں جھگڑتے ہیں۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ﴿۳۹﴾

اور تا معلوم کریں منکر کہ وہ جھوٹے تھے۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُنْ

ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم نے اس کو چاہا یہی ہے کہ کہیں اسکو، ہو،

فَيَكُونُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ

تو وہ ہو جاوے۔ اور جنہوں نے گھر چھوڑا اللہ کے واسطے بعد اس کے

مَا ظَلَمُوا لِنُبُوَّةٍ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَلَا جُرْ

کہ ظلم اٹھایا، البتہ ان کو ٹھکانا دیں گے دنیا میں اچھا اور ثواب

الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۱﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا وَ

آخرت کا تو بہت بڑا ہے اگر ان کو معلوم ہوتا۔ جو ثابت رہے اور

عَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۴۲﴾

اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

چوتھا شبہ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْصَارِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَن يَمُوتُ... إلخ.. وَ عَلَىٰ رِبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ہ
(ربط) اس آیت میں بھی کافروں کی ایک جہالت کا بیان ہے کہ وہ لوگ قسمیں کھا کر کہا کرتے
تھے کہ جو مر گیا اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گیا وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتا اور جب انسان دوسری
زندگی کا قائل نہیں ہوتا تو پھر وہ نیکی اور بدی کی پرواہ نہیں کرتا۔ دنیا کی کامیابی اور بہبودی ہی اس کا
مسطح نظر ہوتی ہے جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں، اللہ پناہ میں رکھے آمین۔
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیا کہ قیامت کا آنا برحق ہے اور یہ اللہ
تعالیٰ کا پکا وعدہ ہے حق اور ناحق کے فیصلہ کے لیے اور فرماں برداروں اور نافرمانوں کی جزا اور سزا
کے لیے قیامت کا قائم ہونا اور مردوں کا زندہ ہونا ضروری ہے جس قادر مختار نے پہلی بار تم کو ایک قطرہ
آب سے پیدا کیا اس کے لیے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل نہیں اس کے بعد اپنی قدرت کا ملکہ کو
بیان کیا۔ اِنْصَبَّ قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نَّقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ اس آیت میں اپنا قادر
مطلق ہونا بیان کیا کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں پھر اس کے بعد وَالَّذِينَ هَاجَرُوا
فِي اللّٰهِ اِلٰہِہِمْ مٰہاجرین کی فضیلت اور بشارت کو بیان کیا جنہوں نے خدا کی راہ میں آخرت کے یقین
اور ثواب کی امید پر کفار اور مشرکین کے ہاتھ سے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھائیں بالآخر لاچار اور مجبور ہو کر
وطن چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے کیا ان مہاجرین کی کوششیں رائیگاں جائیں گی۔ ان سب کی جزاء اور انعام ان کو
دارِ آخرت میں ملے گا چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور قسمیں کھائیں ان لوگوں نے اللہ کی سخت قسمیں یعنی انتہائی کوشش اور بڑی مضبوطی اور پورے
زور کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں کہ اللہ نہیں اٹھائے گا اس کو کہ جو مر جائے گا اور قیامت نہیں
آئے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتے ہیں کیوں نہیں وہ اٹھائے گا۔ پکا وعدہ ہو چکا ہے جس کا
ایفاء اس پر لازم ہے تمام پیغمبروں کی زبانی اللہ تعالیٰ نے مرنے کے بعد بندوں کو دوبارہ زندہ کرنے کا
وعدہ کیا ہے لیکن اکثر لوگوں کو اس کا یقین نہیں ہے حق تعالیٰ حسب وعدہ بندوں کو ضرور زندہ کرے گا
تاکہ اللہ ان پر اس امر کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ یعنی قیامت کے قائم ہونے سے ان پر
یہ بات کھل جائے گی کہ خدا کے پیغمبر جو بیان کرتے تھے وہ سب حق تھا قیامت اور جنت اور جہنم سب
حق ہے اور جو ان باتوں کے مخالف تھے وہ سب غلطی پر تھے اور دوسری حکمت قیامت کے قائم ہونے
میں یہ ہے کہ کافر جان لیں کہ ہم انکار قیامت اور تکذیب رسالت میں جھوٹے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ
قیامت کے قائم ہونے میں دو حکمتیں ہیں اول تو یہ کہ حق اور باطل کے بارہ میں جو اختلاف تھا اس کا فیصلہ

ہو جائے اور آنکھوں سے حق اور باطل نظر آ جائے اور دوسری حکمت یہ ہے کہ صدق اور کذب کا فیصلہ ہو جائے اب آگے کافروں کے شبہ کا رد فرماتے ہیں کہ ہم دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز نہیں ہماری قدرت کا تو یہ حال ہے کہ جب ہم کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو جو چیز ہمارے علم میں ہوتی ہے ہم اسے کہتے ہیں ”کن“ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ جس چیز کے پیدا کرنے کا ہم ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لیے فقط ہمارا ارادہ کافی ہوتا ہے ہماری ایجاد کسی مادہ اور مدت پر موقوف نہیں، کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ بعث اموات سے عاجز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح کی قدرت حاصل ہے وہ کسی بات سے عاجز نہیں جب وہ قادر مطلق معدوم سے کہتا ہے ہو جا تو فوراً عدم سے نکل کر وجود میں آ جاتا ہے ایسی ذات کو مردوں کا زندہ کرنا کیا دشوار ہے جب زندہ کرنا چاہے گا فوراً زندہ ہو جائیں گے۔

آنکہ پیش از وجود جاں بخشد ہم تواند کہ بعد ازاں بخشد

چوں در آورد از عدم بوجود چہ عجب باز گر کند موجود

یہاں تک منکرین بعث اور مکذبین قیامت کا ذکر تھا اب آگے ان مؤمنین کا ملین کی فضیلت اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں جن کا آخرت اور قیامت پر یقین کامل ہے اور اس یقین کامل کی بنا پر انہوں نے ہجرت کی اور قسم قسم کی مصیبتوں اور اذیتوں پر صبر کیا اور اللہ پر بھروسہ کیا چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ بعد اس کے کافروں کی طرف سے ان پر ظلم کیا گیا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کو ضرور دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے۔ جہاں احکام اسلام پر عمل کرنے میں کوئی عاراج اور مزاحم نہ ہو۔ اچھا ٹھکانہ دینے سے دنیا میں سلطنت دینا مراد ہے جہاں اسلام غالب ہو اور کفر مغلوب ہو چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمادیا اور اسلام اور مسلمانوں کو کفر اور کافروں پر غلبہ عطا کیا اور جن ظالموں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی سرزمین کا مسلمانوں کو وارث بنایا اور اس کے علاوہ البتہ آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے کاش کافران یقین لیتے کہ خدا تعالیٰ نے مہاجرین سے کیا وعدہ کیا ہے اور یہ مہاجرین وعدہ ہائے خداوندی کے اس لیے مستحق ہیں کہ ان لوگوں نے کفار کے مظالم پر صبر کیا۔ اور مضبوطی کے ساتھ حق پر ثابت قدم رہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ صابرین کو بے حساب اجر عطا فرمائے گا۔ اور یہ لوگ اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو اللہ کریم پر بھروسہ کرے اور مخلوق سے بالکلیہ منقطع ہو جائے اور بالکلیہ خالق کی طرف متوجہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہے اور جس میں صبر اور توکل کی صفات جمع ہو جائیں وہ بلاشبہ انعامات خداوندی کا مستحق ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت وعدہ مہاجرین اولین میں نص صریح ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے لیے وعدہ فرمایا کہ وہ انہیں دنیا میں بھی نیکی اور بھلائی عطا کرے گا اور آخرت میں بھی۔ اور دنیا کی نیکی سے یہی فتح و نصرت اور خلافت و امارت اور اخذِ عنائم مراد ہے بعد ازاں جب ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں حسنہ اور بھلائی عطا فرمائی تو ہم یقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو آخرت

میں بھی اجر عظیم عطا فرمائے گا۔
چنانچہ روایت ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ جب کسی مہاجر کو اس کا حق دیتے تو فرماتے اللہ تمہیں اس میں برکت دے یہ تمہارا وہ حق ہے جس کا اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے اور آخرت میں جو کچھ اس نے تمہارے لیے رکھا ہے وہ اس سے بھی بہتر ہے اور پھر یہ آیت تلاوت کرتے۔ لَنْبُقُ ثَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَا جَزَاءَ الْآخِرَةِ إِلَّا كَثِيرٌ۔ (ازالۃ الخفاء)

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ

اور تجھ سے پہلے بھی ہم نے یہی مرد بھیجے تھے کہ حکم بھیجتے تھے

إِلَيْهِمْ فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا

ان کی طرف پوچھو یاد رکھنے والوں سے اگر تم کو

تَعْلَمُونَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ

معلوم نہیں ۔ بھیجے تھے نشانیاں لے کر اور درق۔ اور تجھ کو اتاری

الذِّكْرُ لَتَبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

ہم نے یہ یادداشت کہ تو کھول لوگوں میں جو اُترا ان کی طرف اور شاید

يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾

وہ دھیان کریں۔

پانچواں شبہ

قال اللہ تعالیٰ۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا.... الی.... وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ
(ربط) اس آیت میں کافروں کے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں جو وہ کہا کرتے تھے کہ پیغمبر بشر نہیں ہوتا بلکہ فرشتہ ہونا چاہیے یہ لوگ رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اس لیے ایسا کہتے تھے حق تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ جتنے پیغمبر ہم نے پہلے بھیجے وہ سب بشر تھے اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کر لو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے فرشتے نازل نہیں کیے،

بلکہ انسانوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا اور ان کی صداقت کے لیے ان کو معجزات عطا کیے چنانچہ فرماتے ہیں، اور نہیں بھیجا ہم نے رسول بنا کر آپ سے پہلے مگر صرف مردوں کو نہ فرشتوں کو اور نہ عورتوں کو وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف مقام نبوت و رسالت مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ کسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے نبی اور رسول نہیں بنایا اور نہ ان کی طرف وحی نبوت و رسالت بھیجی۔ حضرت مریمؑ اور مادرِ موسیٰ علیہ السلام کی طرف جس وحی کا ذکر آیا ہے وہ وحی الہام اور وحی ولایت تھی نہ کہ وحی نبوت و رسالت کیونکہ وحی کا لفظ قرآن کریم میں مختلف معنی میں مستعمل ہوا ہے الہام کے معنی میں بھی آیا ہے جیسا کہ وَاحِی رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ مِّنْ أَسْمَاءٍ سَے وحی الہام مراد ہے۔ اور وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَآئِهِمْ میں اسماء سے دوسو مراد ہے اس لیے کہ وحی کے لغوی معنی القا و خفی کے ہیں جو وحی نبوت اور وحی الہام اور دوسوہ وغیرہ کو شامل ہیں۔ مشرکین کہتے تھے کہ شانِ خداوندی اس سے بالاتر ہے کہ اس کا پیغمبر آدمی ہو اگر خدا کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو فرشتوں کو بھیجتا اس پر خدا تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ عادیۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ وہ فرشتوں کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجتا ہے سابق میں اس نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب آدمی تھے اور سب مرد تھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں کیا استبعاد ہے۔ پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل کتاب سے دریافت کر لو کہ جن میں ہمیشہ پیغمبر آتے رہے وہ تم کو بتا دیں گے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر اس وقت تک جو نبی گزرا وہ مرد تھا فرشتہ نہ تھا اہل کتاب سے پوچھنے کا حکم اس لیے دیا کہ کفار مکہ ان کے علم کے معتقد تھے غرض یہ کہ آپ سے پہلے جس قدر نبی بھیجے گئے وہ سب مردوں میں سے تھے اور کھلے معجزات اور صحیفوں کے ساتھ بھیجے گئے اور اسی طرح اسے نبی ہم نے تیری طرف یہ نصیحت کی کتاب اتاری تاکہ تو تمام لوگوں کے لیے اللہ کے نازل کردہ احکام۔ ادا مردنوا ہی کو صاف اور واضح طور پر بیان کرے اور نیز یہ نصیحت کی کتاب اس لیے اتاری گئی کہ وہ اس میں غور و فکر کرے اور جانیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں اور ہدایت پائیں۔ غور و فکر سے انسان حق کی راہ پاتا ہے اور عناد اور غفلت آدمی کو تباہ اور برباد کر کے چھوڑتی ہے۔

۱) اس آیت کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر عالم پر عالم کی تقلید واجب ہے

فائدہ اولیٰ

اور تقلید کے معنی یہ ہیں کہ غیر عالم کسی عالم سے حکم شرعی دریافت کرے۔

اور بغیر دلیل معلوم کیے اس پر عمل کرے تقلید شخصی میں کسی خاص امام کی ذات کا اتباع مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ ذاتی طور پر سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کا اتباع واجب نہیں۔ غیر عالم، عالم شریعت سے جو مسئلہ پوچھتا ہے اس کا مقصود حکم شرعی کا دریافت کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس کی ذاتی رائے۔ جو شخص کسی کو نبی کی طرح واجب الاتباع سمجھے وہ کافر ہے البتہ بغیر سند اور بغیر دلیل معلوم کیے کسی حدیث کو امام بخاریؒ کے اعتماد پر صحیح مان لینا یہ تقلید فی الروایت ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا علم اور فہم اور ان کے تقویٰ اور ان کی فقاہت اور درایت پر اعتماد کر کے قرآن اور حدیث پر عمل کرنا اور ان کے

فتوے کے مطابق شریعت کا اتباع کرنا یہ تقلید فی الداریت ہے اور غیر عالم کو عالم کا اتباع واجب ہے اور ظلم و جہول ایک انسان کو جس کا علم بھی ناقص اور فہم بھی ناقص اور تقویٰ بھی ناقص اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے سمجھے ہوئے معنی کے مطابق قرآن و حدیث پر عمل کرے اس پر فرض ہے کہ راسخین فی العلم اور مستنبطین کی تقلید کرے ناقص پر کامل کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے۔

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش بانراران گریہ و آشوب باش
اور جو شخص اپنے آپ کو علم اور فہم میں ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کا ہمسر سمجھے اس سے ہمارا خطاب نہیں اور جو اپنی کمتری کا اقرار کرے تو پھر عرض یہ ہے کہ باجماع عقلاء کمتر پر بالاتر کا اتباع واجب ہے معلوم نہیں کہ مدعیان عمل بالحدیث کے نزدیک عقلاء عالم کا یہ اجماع حجت ہے یا نہیں۔ نابالغ پر بالغ کا اتباع عقلاً و شرعاً واجب ہے بغیر ولی کی اجازت کے نابالغ کا کوئی تصرف بیع و شراء اور نکاح وغیرہ معتبر نہیں اسی طرح علم اور فہم کے نابالغوں کا فتویٰ بغیر ائمہ ہدایت۔ ابو حنیفہؒ اور مالکؒ اور شافعیؒ اور احمدؒ کی تصدیق اور ولایت کے معتبر نہیں یہ حضرات باتفاق اہل علم۔ علم اور عقل اور ہدایت کے بالغ تھے۔ اور آج کے مدعیان عمل بالحدیث اگر یہ کہیں کہ ہم بھی علم اور عقل کے بالغ ہیں ہمیں کسی بالغ کی ولایت کی ضرورت نہیں تو ہم عرض کریں گے کہ آپ اپنے علم و عقل کے بلوغ کی علامتیں بیان کیجئے تاکہ آپ کے دعوے کا صدق ظاہر ہو سکے۔ فَاَسْأَلُكُمْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلق تقلید کو فرض فرمایا ہے اور مطلق تقلید کے
فائدہ دوم | دو فرد ہیں ایک تقلید شخصی کہ سب مسائل ضروریہ ایک ہی عالم سے پوچھ کر عمل کرے دوسرے تقلید غیر شخصی وہ یہ کہ جس عالم دین سے چاہے حکم شرعی دریافت کر کے اس پر عمل کرے اور آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے دونوں قسموں کو شامل ہے اور ظاہر ہے کہ مطلق کا وجود خارج میں افراد ہی کے ضمن میں ہوتا ہے لہذا تقلید شخصی بھی مامور بہ کا ایک فرد ہوگی فی حد ذاتہ تقلید کی دونوں قسمیں جواز میں برابر ہیں اور صحابہ کرام و تابعین کے زمانہ میں مسلمان اپنے اپنے شہر کے عالم اور مفتی سے حکم شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرتے تھے اور یہ تقلید شخصی تھی قرأت قرآن بہ سبۃ احراف جائز اور مخیر تھی مگر حضرت عثمانؓ نے باجماع صحابہ کرام قرأت قرآن کو لغت قریش پر مقصور کر دیا اور باقی حروف پر قرأت قرآن کو ممنوع قرار دیا تقلید غیر شخصی فی حد ذاتہ جائز ہے بشرطیکہ مقصود اتباع شریعت ہو اور بشرطیکہ ہوائے نفسانی سے خالی ہو اور اگر مقصود اتباع ہوائے نفس ہو کہ جس امام کا قول اس کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اس کو لے لے تو یہ تلیفیت ہے اور باجماع امت حرام ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کی تصریح کی ہے تقلید غیر شخصی سے دین کھیل تماشہ بن جاتا ہے اور تھوڑا پڑھا لکھا مجتہد بن جاتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اللہ پناہ میں رکھے جس نے علم نہیں پڑھا وہ لامحالہ کسی کی تقلید پر مجبور ہے تو اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید سے امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید بہتر ہے۔

اے مسلمانو! امام ابو حنیفہؒ ستمہ بھری میں گزرے اور صحابہ کرام کو دیکھا اور پھر صحابہ کرام مثلاً حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے شاگردوں سے علم حاصل کیا تو کیا ابو حنیفہؒ اس زمانہ کے علماء اہل حدیث سے بھی گئے گزرے تھے کہ ان کی تقلید تو شرک اور بدعت ہو جائے۔ اور اس زمانہ کے علماء اہل حدیث کی تقلید توحید بن جائے۔ اے مسلمانو! تم اپنے انجام کو سوچ لو۔ (وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ)

أَفَاَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ

سو کیا نڈر ہوئے ہیں جو بڑے داؤ کرتے ہیں کہ دھنسا دے اللہ ان

بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ

کو زمین میں یا پہنچے ان کو عذاب جہاں سے خبر نہ

لَا يَشْعُرُونَ ۝۳۵ أَوْ يَأْخُذْهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا

رکھتے ہوں - یا پکڑ لے ان کو چلتے پھرتے سو وہ

هُمْ بِمُعْجِزَيْنِ ۝۳۶ أَوْ يَأْخُذْهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ فَإِنَّ

نہیں تھکانے والے - یا پکڑ لے ان کو ڈرانے کر (خوف اور دہشت سے)

رَبِّكُمْ لَرَّءَوْفٌ رَّحِيمٌ ۝۳۷

سو تمہارا رب بڑا نرم ہے مہربان -

تہدید اہل مکر با انواع اقسام قہر

قال اللہ تعالیٰ۔ أَفَاَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ -- الی --- فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَّءَوْفٌ رَّحِيمٌ (ربط) اب ان آیتوں میں اول سرکشوں کو جو دین حق کے مقابلہ میں مکر و فریب کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے قسم قسم کے قہر اور عذاب سے ڈراتا دھمکاتا ہے اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) کیا تم کو اطمینان ہو گیا ہے کہ اللہ تم کو زمین میں دھنسا دے اَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ جیسے پہلے بہت سی قوموں پر نازل آیا اور زمین پھٹ گئی اور وہ زمین میں دھنس گئے

جیسے قارون تو کیا تمہارے لیے یہ ممکن نہیں۔

(۲) دوم یہ کہ ان پر ناگہانی طور پر کوئی عذاب آجائے جس کی پہلے سے ان کو خبر نہ ہو کما قال تعالیٰ
أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ۔ جیسے قوم لوط پر ناگہانی طور پر آسمان سے
پتھر برسے۔

(۳) سوم یہ کہ چلنے پھرنے کی حالت میں یا سفر کی حالت میں ان کو پکڑ لے مثلاً دفعتاً کسی ناگہانی بلا یا
ناگہانی بیماری میں مبتلا ہو جائیں۔

(۴) چہارم یہ کہ ان کو بتدریج پکڑے کہ دفعتاً ان پر کوئی بلا نازل نہ ہو بلکہ اس بلا اور آفت سے پہلے اس
کے آثار نمایاں ہو جائیں۔ جن کو دیکھ کر یہ پریشان ہو جائیں جیسے قحط اور بیماری اور پھر ہلاک ہو
جائیں مگر خدا تعالیٰ رُؤُوفٌ رَحِيمٌ ہے پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے۔

ان آیات سے مقصود کافروں کو ان کے ناشائستہ افعال و اعمال پر خوف دلانا ہے اور کمر اور تکبر کرنے
والوں کو اپنے غلبہ اور قہر سے ڈرانا ہے اور عذاب الہی کے ناگہاں آجانے سے انہیں خبردار کرنا ہے اور اپنے
علم کی خبر دینا ہے کہ ایسے گنہگاروں اور مکاروں کو مہلت دے رکھی ہے حالانکہ اس کو یہ قدرت ہے کہ
فی الفور ان کو زمین میں دھنسا دے یا ایسی جگہ سے ان پر عذاب لے آئے۔ جہاں کی ان کو خبر نہیں۔ چنانچہ
فرماتے ہیں کیا یہ لوگ جو دین حق کے باطل کرنے کے لیے بڑی بڑی تدبیریں سوچتے رہتے ہیں اس بات
سے بے خوف اور نڈر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا لے جیسے قارون کو دھنسا یا، یا ایسی جگہ سے ان
پر عذاب آجائے جہاں ان کو وہم و گمان بھی نہ ہو جیسے قوم لوط اور قوم عاد پر ناگہانی عذاب آیا۔ یا چلتے پھرتے
ان کو ناگہانی عذاب میں پکڑ لے مثلاً کھیل تماشہ میں یا عیش و عشرت کی حالت میں ناگہانی طور پر مصیبت آ
جائے پس وہ کسی حالت میں اللہ کے ہاتھ سے چھوٹ کر نکل نہیں سکتے یا وہ نڈر ہیں اس بات سے کہ اللہ
تعالیٰ ان کو خوف میں مبتلا کر کے عذاب میں پکڑ لے یعنی اچانک نہ پکڑے بلکہ علامات عذاب کے ظاہر
کرنے کے بعد ایسی حالت میں پکڑ لے کہ جب لوگ آثار عذاب کو دیکھ کر خوف زدہ ہو رہے ہوں مگر
ندامت اور توبہ کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ ایسی حالت میں ان پر عذاب نازل کرے۔
الغرض اللہ ہر طرح قادر ہے کہ ان کی مکاریوں اور بد اعمالیوں کی سزا میں جس عذاب میں جس طرح
چاہے مبتلا کرے سب ممکن ہے لیکن وہ حلیم و غفور ہے۔ سزا میں جلدی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔
بے شک تیرا پروردگار بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے کہ مہلت دیتا ہے اور باوجود استحقاق عقوبت
کے فوراً انہیں پکڑتا اس نے تمہیں سمجھا دیا اب آگے خود جانو۔

أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَيَّؤْنَ

کیا نہیں دیکھتے؟ جو اللہ نے بنائی ہے کوئی چیز ڈھلتی ہیں

ظَلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ

جہادیں ان کے داہنے سے اور بائیں سے، سجدہ کرتے اللہ کو اور وہ

دُخِرُونَ ﴿۴۸﴾ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي

عاجزی میں ہیں۔ اور اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو

الْأَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ وَهُمْ لَا

زمین میں ہے کوئی جانور اور فرشتے اور وہ

يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِمَّنْ فَوْقَهُمْ وَ

بڑائی نہیں کرتے۔ ڈر رکھتے ہیں اپنے رب کا اوپر سے اور

يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۵۰﴾

کرتے ہیں جو حکم پاتے ہیں۔

تذکیر آثار قدرت و تنبیہ بر غفلت

قال الله تعالى: أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ... إلخ... وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ه (ربط) اب ان آیات میں اپنے آثارِ جبروت اور آثارِ ملکوت کو یاد دلاتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ تمام چیزیں اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہیں اور ہر چیز اسی کے حکم پر گردن جھکاٹے ہوئے ہے اور افسوس ہے کہ تم بنی آدم اور اشرف المخلوقات ہو کر اسکی اطاعت سے انحراف کرتے ہو اور غیروں کی عبادت میں سرگرداں ہو اور خداوند ذوالجلال کے قہر اور عذاب سے بے خوف اور نڈر ہو گئے ہو۔ چنانچہ فرماتے ہیں: کیا نہیں دیکھتے کہ فرک اللہ نے جو چیز پیدا کی ہے کہ اس کا سایہ داہنی جانب سے اور بائیں جانب سے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جھکتا ہے دریاں حالیکہ یہ سب سائے اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہر شے کا سایہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور منقاد ہے اس کے حکم کے بموجب داہنے بائیں اور بائیں سے داہنے کو پھرتا رہتا ہے اور یوں بھی ہر وقت زمین پر پڑا رہتا ہے گویا کہ اللہ کے آگے سر بسجود ہے مقصود یہ ہے کہ کافر کو خدا کو سجدہ نہیں کرتے مگر ان کے سائے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ سایوں کی حالتیں اور حرکتیں بدلتی رہتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ سایوں کا یہ اختلاف اور تغیر و تبدل کوئی امر ذاتی نہیں بلکہ کسی قادر مختار کی قدرت کا کرشمہ

ہے۔ ہر لمحہ بندوں کو اپنی قدرت کے تماشے دکھا رہا ہے تاکہ سمجھیں کہ پتلیاں کس کے اشارہ پر ناز رہی ہیں۔ اور اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے یعنی ہر وہ جانور جو زمین پر حرکت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کے زیرِ حکم ہیں جس کو جس کام کے لیے بنایا ہے وہی کام اس سے سرزد ہوتا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جب تنکوینی طور پر تمام چیزیں اللہ کی مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ حتیٰ کہ سایہ دار چیزوں کا سایہ بھی اسی کے حکم کے مطابق گھٹتا اور بڑھتا ہے اور ڈھلتا اور سمٹتا ہے تو پھر ایسے قدرت والے خدا کو عذاب بھیجنے سے کون سی طاقت روک سکتی ہے ایسے قادر و قادرِ عذاب سے تم کیوں بے خوف ہو گئے اور فرشتے اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ علوی اور نورانی ہیں اور خدا کے مقرب ہیں اور ملائکہ اس کی بندگی سے سرکشی نہیں کرتے اور تکبر سے پاکی یہی تمام محاسن و کمالات کا سرچشمہ ہے بندہ کی بڑائی اسی میں ہے کہ خدا کے سامنے زمین پر اپنا سر رکھ دے اور فرشتے ہر لمحہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کی عظمت و جلال سے جو ان پر قادر و غالب ہے اللہ کی فوقیت سے فوقیت حسیہ اور مکانیہ مراد نہیں بلکہ عظمت و جلال اور غلبہ اور قہر کی فوقیت مراد ہے مطلب یہ ہے کہ جو بلندۂ شان اور عظمت میں تمام مخلوق پر بلند اور برتر ہے اس کی اطاعت کرو کما قال تعالیٰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ۔ وَرَأٰنَا فَوْقَهُمْ قَاهِرٌ وَّنَـۤا فَوْقَ كُلِّ ذٰی عِلْمٍ عَلِیْمٌ۔

ان تمام آیات میں فوقیت حسیہ مراد نہیں بلکہ فوقیت مرتبہ مراد ہے اور فرشتوں کا یہ خوف۔ خوفِ جلال و اعظام ہے نہ کہ خوفِ اجرام۔ اور قرب خداوندی کا دار و مدار اسی خوف پر ہے جس درجہ کا خوف ہو اسی درجہ کا قرب ہوگا اور فرشتے وہی کام کرتے ہیں جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے ان کی جبلت ہی اطاعت و فرمان برداری ہے اس آیت کے پڑھنے والے اور سننے والے پر فقہاء و حنفیہ کے نزدیک سجدہ واجب ہے اور دوسرے اماموں کے نزدیک سنت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس ذات یا برکات کی عظمت و جلال کا یہ حال ہو کہ ہر چیز اس کے سامنے سر بسجود ہو اس کا شریک کہاں ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں ”ہر چیز ٹھیک دوپہر میں کھڑی ہے اس کا سایہ بھی کھڑا ہے جب دن ڈھلا سا یہ جھکا پھر جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ گیا جیسے نماز میں کھڑے سے رکوع رکوع سے سجدہ اسی طرح ہر چیز آپ کھڑی ہے اپنے سائے سے نماز کرتی ہے کسی ملک میں کسی موسم میں داہنی طرف جھکا ہے کہیں بائیں طرف“ (موضح القرآن)



وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ إِنَّمَا هُوَ

اور کہا اللہ نے نہ پکڑو معبود دو ، وہ معبود

إِلَهُ وَاحِدٌ ۚ فَإِذَا كَانَ ۚ فَارْهَبُون ۝۵۱ ۚ وَلَهُ مَا فِي

ایک ہے ۔ سو بھی سے ڈرو ۔ اور اسی کا ہے جو

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا ۚ

کچھ آسمانوں اور زمین میں اور اسی کا انصاف ہے ہمیشہ ،

أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ۝۵۲ ۚ وَمَا يَكُم مِّنْ نِّعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ

سو کیا اللہ کے سوا کسی سے خطرہ رکھتے ہو۔ اور جو تمہارے پاس ہے کوئی نعمت سو

اللَّهُ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ ۚ فَإِلَيْهِ تَجْرُونَ ۝۵۳ ۚ ثُمَّ

اللہ کی طرف سے پھر جب لگتی ہے تم کو سختی تو اسی کی طرف چلا تے ہو ۔ پھر

إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ ۚ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ

جب کھول دے سختی تم سے ، تب ہی ایک فرقہ تم میں ، اپنے رب کے

يُشْرِكُونَ ۝۵۴ ۚ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ ۚ فَتَمْتَعُوا

ساتھ لگتے ہیں شریک بتانے۔ تا مگر ہو جاویں اس چیز سے جو ہم نے دی ،

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۵۵

سو برت لو آخر معلوم کر دو گے ۔

اثبات توحید و ابطال مجوسیت

قال الله تعالى. وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ... إلخ... فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ه
(ربط، گزشتہ آیات میں یہ بتلایا کہ جمیع ماسوا اللہ خواہ وہ عالم اجسام سے ہو یا عالم ارواح سے ہو سب اللہ کے مطیع اور فرماں بردار ہیں اور اس کے آگے تسلیم جھکاٹے ہوئے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں توحید خالص کا حکم دیتے ہیں اور شرک سے منع فرماتے ہیں۔ اور یہ بیان کرتے ہیں کہ سب کے سب اللہ ہی کے مملوک اور عبد مطلق ہیں تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ ہماری ہی دی ہوئی ہے اور تم

یہ جب کوئی مصیبت اور آفت آتی ہے تو تم ہمیں سے فریاد کرتے ہو تو پھر تم غیر اللہ کی کیوں عبادت کرتے ہو مصیبت کے وقت ہم کو پکارنا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ کی محبت اور معرفت انسان کی فطرت میں داخل ہے کہ جب دل سے غفلت کا پردہ اٹھا تو اس کو پکارا ان آیات سے مجوس کا رد مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) دو معبود ہیں۔ ایک نور اور ایک ظلمت (یعنی تاریکی) نور خیر کا خالق ہے جس کو یزدان کہتے ہیں۔ اور ظلمت شر کا خالق ہے جس کو احرمن کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور حکم دیا اللہ نے کہ نہ بناؤ دو معبود کیونکہ اثینیت (دوئیت) الوہیت (معبودیت) کے منافی ہے کیونکہ معبود وہ ہے جو خالق اکمل ہو اور سب سے اعلیٰ اور اکمل ہو اور اس کی ذات و صفات میں کوئی اس کا شریک نہ ہو اور اس کے ماسوا سب اس کے محتاج ہوں اور وہ سب سے بے نیاز ہو اور وہ ایک ہی ہو سکتا ہے کیونکہ اگر ایک کے سوا دوسرا بھی معبود مانا جائے پس وہ اگر اس کے مساوی ہو تو وہ بھی خالق اکمل ہو گا تو ایک مخلوق کے لیے دو خالق ہونا لازم آئے گا۔ نیز جب دوسرا معبود پہلے معبود کے مساوی ہو گا تو دونوں میں کوئی بھی معبود نہ رہے گا اس لیے کہ معبود کے لیے شرط ہے کہ وہ سب سے اعلیٰ اور اکمل ہو اور سب اس کے محتاج ہوں پس جب دوسرا خدا پہلے خدا کے مساوی ہو تو کوئی بھی اعلیٰ اور اکمل نہ رہا اور نہ ایک دوسرے کا محتاج رہے گا۔ اور اگر دوسرا معبود پہلے معبود کے برابر نہ ہوا تو لامحالہ اس سے کمتر ہو گا اور کمتری اور خدائی کا جمع ہونا عقلاً محال ہے اور جب معبود دو نہیں ہو سکتے تو دو سے زیادہ کیونکر ہو سکیں گے اور الہین کے بعد لفظ اثین اس لیے بڑھایا کہ دو معبود ماننے والوں کی حماقت ظاہر ہو کہ دو معبود بنانا سراسر حماقت ہے۔ در جو لوگ ہزاروں اور لاکھوں معبودوں کے قائل ہیں جیسے بھارت کے "ہومان" ان کی حماقت کی کوئی حد نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ معبود نہ بناؤ خوب سمجھ لو کہ وہ تو بس ایک ہی معبود ہے جو ہر کمال میں اعلیٰ اور بالا ہے جس کے سامنے کسی کی کوئی ہستی نہیں الوہیت کے لیے وحدانیت لازمی ہے۔ اثینیت الوہیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ سو اے لوگو! تم مجھ ہی سے ڈرو کیونکہ معبود صرف میں ہی ہوں اور سب کچھ میری قدرت میں ہے اور خدا ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہی تمام کائنات کا مالک ہے اور اس کی اطاعت اور عبادت لازم اور واجب ہے۔ کیونکہ تمام کائنات اسی کی محتاج ہے اور ہر ممکن کیلئے احتیاج لازمی اور دائمی ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی کوئی ممکن واجب الوجود سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پس کیا تم غیر خدا سے ڈرتے ہو جو اپنے وجود کا بھی مالک نہیں یعنی جب تم نے یہ معلوم کر لیا کہ اللہ ایک ہے اور ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو تمہیں اس کے سوا کسی اور شے سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں تمہارے پاس جو بھی دینی اور دنیوی نعمت ہے تو وہ سب خدا کی طرف سے ہے تو تم کو اس کا شکر کرنا چاہیے غرض یہ کہ جو تمہارے نفع اور ضرر کا مالک ہے اسی سے ڈنا چاہیے اور جو تم کو نعمتیں دے رہا ہے اس کا شکر کرنا چاہیے اسی کی ذات قابل رغبت اور اہل رغبت ہے پھر جب کسی وقت تم کو ذرا تکلیف پہنچتی ہے تو تم اس کی طرف التجا کرتے ہو اور اسی

سے زیادہ کرتے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کہ تکلیف کا دور کرنے والا اور راحت کا پہنچانے والا وہی ہے اور پھر جب وہ سختی کو تم سے دور کر دیتا ہے جس کے سبب تم اس سے فریاد کرتے تھے تو فوراً ہی تم میں سے ایک فریق اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے کہتا ہے کہ یہ تکلیف فلاں سبب سے دور ہوئی بجائے شکر کے شرک اور ناشکری میں پڑ جاتا ہے۔ مصیبت پڑے تو اللہ کو پکاریں اور جب مصیبت دور ہو جائے تو اس کے دور ہونے کو دوسروں کی طرف منسوب کریں اور اس شرک میں ان کا کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں اس نعمت کی جو ہم نے ان کو دی ہے پس چند روز دیا میں اللہ کی نعمتوں سے نفع اٹھا لو اور مزے اڑا لو پس عنقریب تم اس کے انجام کو جان لو گے کہ چند روزہ لذتوں اور شہوتوں کے پیچھے آخرت کی دائمی اور غیر متناہی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ط

اور ٹھہراتے ہیں ایسوں کو، جن کی خبر نہیں رکھتے ایک حصہ ہماری دی روزی میں سے۔

تَاللّٰهِ لَتَسْأَلَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿۵۶﴾ وَيَجْعَلُونَ

قسم اللہ کی! تم سے پوچھنا ہے جو جھوٹ باندھتے تھے۔ اور ٹھہراتے ہیں

لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهُ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُونَ ﴿۵۷﴾ وَإِذَا

اللہ کو بیٹیاں، وہ اس لائق نہیں، اور آپ کو جو دل چاہے۔ اور جب

بَشَرًا أَحَدُهُمْ يَأْتِيَنَّ ظِلًّا وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَ

خوشخبری ملے ایسے کسی کو بیٹی کی، سارے دن رہے اس کا منہ سیاہ، اور

هُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۸﴾ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ

جی میں گھٹ رہا۔ چھپتا پھرے لوگوں سے، مارے برائی اس خوشخبری کے جو

بِهِ أَيْمِسُّكَ عَلَىٰ هَوْنٍ أَمْرٍ يُدْسُّهُ فِي التَّرَابِ ط

سُنی۔ اس کو رہنے دے ذلت قبول کر کر، یا اس کو داب دے مٹی میں۔

أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

سنتا ہے؟ بُری چکوٹی کرتے ہیں۔ جو نہیں مانتے پچھلے دن کو،

مَثَلُ السَّوِّءِ وَبِلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ وَهُوَ الْعَزِيزُ

انہیں پر بُری کہاوت ہے، اور اللہ کی کہاوت سب سے اچھی۔ اور وہی ہے زبردست

الْحَكِيمُ ۝۶۰

حکمت والا۔

کفار کے چند ناشائستہ اقوال و افعال کا ذکر

قال اللہ تعالیٰ: وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا... الخ... وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝
(ربط) اثبات توحید کے بعد اب ان آیات میں کفار کے چند ناشائستہ اقوال و افعال کا ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ ان کی جہالت اور حماقت ظاہر ہو اور یہ بتلاتے ہیں کہ ان نادانوں نے نادانی سے دو خدا سے بڑھ کر بکثرت معبود بنائے ہوئے ہیں اور طرح طرح سے اعمالِ شرکیہ میں گرفتار ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔
اور ٹھہرا لیتے ہیں یہ مشرک بتوں کے لیے جن کے معبود ہونے کا ان کو مطلق علم نہیں اور نہ ان کے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی سند اور دلیل موجود ہے ہماری دی ہوئی روزی میں سے ان کے لیے حصہ ٹھہرا لیتے ہیں۔ مشرکین نے اپنی کھیتی اور مویشی اور مالوں میں سے بتوں کے نام کا حصہ مقرر کر رکھا تھا۔ جس کا ذکر سورۃ النعام میں گزر چکا ہے اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ لَا يَعْلَمُونَ کی ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ جن بتوں کو کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ان کو یہ علم ہے کہ ہماری کون عبادت کرتا ہے کیونکہ بت تو پتھر ہیں ہر قسم کے علم و شعور سے عاری ہیں یہ نادان مشرک ان پتھروں کے لیے خدا کی دی ہوئی روزی میں سے حصہ مقرر کرتے ہیں اور ان کو اپنا معبود ٹھہراتے ہیں خدا کی قسم تم سے ضرور اس بات کی بابت باز پرس کی جائے گی۔ جو تم دنیا میں افراء کرتے تھے۔ مشرک جو یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے شریک ہیں یہ ان کا افراء ہے اور خدا کی دی ہوئی روزی میں سے ان کا حصہ مقرر کرنا یہ بھی افراء ہے کفار تو قیامت اور آخرت کے صراحۃً منکر ہیں اور زمانہ حال کے ملحد اور زندیق ظاہر میں تو قیامت اور حشر و نشر پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن درپردہ منکر ہیں۔ یہ گروہ بظاہر مسلمان ہے اور درپردہ کافر ہے۔ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ ملحد اور زندیق منافق کے حکم میں ہے اور ان کا ایک افراء یہ ہے کہ وہ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے اس بہتان سے پاک اور منزہ ہے اس کے نہ بیوی ہے اور نہ بیٹا ہے وہ لَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝



لم یلد لم یولد اور لائق است والد مولود را او خالق است

چونکہ خدائے لم یزل کے لیے بیٹا اور بیٹی کا ہونا عقلاً محال ہے اور خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا امر حماقت اور جہالت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ فقط سبحانہ فرما کر اپنی تنزیہ تقدیس کو ظاہر فرما دیا عجیب نادان ہیں کہ خدا کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں۔ جو ان کی چہیتی اور مرغوب چیز ہے اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کے پیدا ہونے کی) خوشخبری دی جاتی ہے جس کو وہ اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں تو غم کے مارے ان کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور غم و غصہ میں گھٹا ہوا ہوتا ہے۔ مشرکین عرب لڑکی کے پیدا ہونے سے سخت ناخوش ہوتے تھے اور اس غریب کو زندہ درگور کر ڈالتے تھے بایں ہمہ یہ احمق خدا کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے تھے اور اس خبر یعنی تولد دختر کی برائی سے جس کی بشارت اس کو دی گئی ہے قوم سے چھپتا پھرتا ہے عربوں میں جب کسی کی بیوی سچہ جننے کے قریب ہوتی تو بچہ پیدا ہونے تک لوگوں کی نظروں سے غائب رہتا اگر لڑکا پیدا ہوتا تو وہ خوش ہوتا اور ظاہر ہو جاتا اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تو وہ غم کرتا اور کچھ دنوں تک ظاہر نہ ہوتا اور سوچتا کہ اس لڑکی کو کیا کرے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ آیا ذلت گوارا کر کے اپنے پاس رکھے یا اس کو مٹی میں چھپا دے۔ مضر اور خزاں اور تمیم اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے اسلام نے آکر جاہلیت کی اس رسم بد کا خاتمہ کر دیا اور سارے ملک کی بے رحمی کو شفقت و رحم سے بدل دیا آگاہو جاؤ برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کرتے ہیں وہ فیصلہ یہی ہے کہ جس خدائے ان کو پیدا کیا اس کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہیں۔ اور خود لڑکیوں سے کراہت اور نفرت کرتے ہیں اور بیٹیوں کو چاہتے ہیں دوسرے موقع پر خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَلْکُفْرُ وَکَہُ الْاُنْثٰی تِلْکَ اِذَا قَسَمَہُ ضِیْرٰی یعنی تمہارے لیے بیٹے اور خدا کے لیے بیٹیاں یہ تو نا انصافی کی تقسیم ہے عجیب بیوقوف ہیں کہ بیٹا اور بیٹی میں خود فرق کرتے ہیں اور بیٹی سے بیٹا افضل جانتے ہیں اور اپنے لیے بیٹا چاہتے ہیں اور خدا کے لیے بیٹیاں قرار دیتے ہیں جو چیز اپنے لیے معیوب سمجھتے ہیں وہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہیں جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کی صفت بُری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے ناخوش ہوتے ہیں اور ایسے بے رحم اور سنگ دل ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں حالانکہ جو خدا دے سب اچھا ہے نہ لڑکا بُرا ہے اور نہ لڑکی اور اللہ ہی کے لیے ہے صفت اعلیٰ وہ بے نیاز ہے بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں وہ تمام اوصاف حمیدہ کے ساتھ موصوف ہے کسی کے عیب لگانے سے اس کو عیب نہیں لگتا اور وہی زبردست ہے حکمت والا۔ کمال عزت اور کمال حکمت کے ساتھ موصوف ہے کوئی اس کا شریک اور ہمیم نہیں ہو سکتا اور یہ گروہ مشرکین عجیب نادان گروہ ہے کہ اس کے نزدیک شجر اور حجر کا خدا کا شریک ہو جانا اور فرشتوں کا خدا کی دختر ہو جانا تو جائز ہے مگر کسی بشر کا پیغمبر ہونا ان کے نزدیک ناممکن اور محال ہے۔

بریں عقل و دانش ببايد گريست

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ

اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر نہ چھوڑے

عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ ۚ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ

زمین پر ایک چلنے والا لیکن ڈھیل دیتا ہے ان کو ایک وعدہ

مُسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۚ وَلَا

ٹھہرے تک پھر جب پہنچا ان کا وعدہ، نہ دیر کریں گے ایک گھڑی نہ

يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَ

جلدی - اور کرتے ہیں اللہ کا، جو اپنا جی نہ چاہے اور

تَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكِذْبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا

بتاتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ کہ ان کو خوبی ہے آپ ہی۔

جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٦٢﴾

ثابت ہوا کہ ان کو آگ ہے اور وہ بڑھائے جاتے ہیں۔

بیانِ حلمِ خداوندی

قال اللہ تعالیٰ۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ۔۔۔ الی۔۔۔ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ہ
 ربط، گزشتہ آیات میں کفار کے اقوال شنیعہ اور افعال فظیعہ کو بیان کیا اب ان آیات میں
 یہ بتلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بڑے حلیم و کریم ہیں باوجود جرمِ عظیم کے مؤاخذہ اور گرفت میں جلدی نہیں
 کرتے بلکہ حلم سے مجرمین کو مہلت دیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور اللہ کی عزت و رفعت اس کو مقتضی
 ہے کہ ان ظالموں اور گستاخوں کو فوراً عذاب سے ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کا حلم اور حکمت اس کی
 مقتضی ہے کہ ان ظالموں کو کچھ مہلت دی جائے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے ظلم پر پکڑنے لگے یعنی
 ان کے کفر و شرک پر فوراً پکڑنے لگے تو زمین پر کسی جاندار کو جو زمین پر چلتا ہے نہ چھوڑے بلکہ سب

لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالُهُمْ فَهُمْ وِلِيُّهُمْ الْيَوْمَ وَ

ان کے آگے شیطان نے ان کے کام سود ہی رفیق ان کا ہے آج اور

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

ان کو دکھ کی مار ہے۔ اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب

إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَهُدًى

اسی واسطے کہ کھول سنادے ان کو جس میں جھگڑ رہے ہیں اور سو جھانے کو

وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۶۴﴾

اور مہر کو ان لوگوں پر جو مانتے ہیں۔

تسلیہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال الله تعالى- تَا لَلّٰهُ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ... اِلٰى ... لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝
(ربط) اوپر کی آیتوں میں کفار کی جہالتوں کا ذکر تھا جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی
تھی اس لیے ان آیات میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی قوموں کی طرف رسول
بھیجے تھے سو شیطان نے ان لوگوں کو ایسا بہکا یا کہ بُری باتیں ان کی نظروں میں بھلی دکھائی دینے لگیں۔
شیطان ان لوگوں کا رفیق کار بنا رہا بالآخر ان کو جہنم کا راستہ دکھایا یہی حال اس وقت کے گمراہوں اور سرکشوں
کا ہے لہذا اے نبی (کریم) آپ رنجیدہ نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں آپ صرف ان سے احکام الہی بیان کر دیا
کیجئے۔ چاہے وہ مانیں یا نہ مانیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم جس طرح ہم نے آپ کو اس اُمت کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے اسی طرح ہم نے گزشتہ
امتوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے پس شیطان نے ان کے اعمالِ خبیثہ و کفریہ کو ان کی نظر میں آراستہ کر کے
دکھلایا پس وہی شیطان آج اس زمانہ کے کافروں کا دوست بنا ہوا ہے جس طرح یہ شیطان پہلے زمانہ کے
کافروں کو بہکاتا رہا اسی طرح آپ کے زمانہ کے کافروں کا بھی وہی رفیق بنا ہوا ہے اور بُرے اعمال
کو ان کی نظر میں آراستہ کر رہا ہے لہذا جو حشران کا ہوا وہی حشران کا ہوگا۔ یہ تو دنیا میں ہوا وراثت میں
ان سب کے واسطے یعنی شیطان اور اس کے پیروؤں کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں اگرچہ

شیطان کی باتیں لذیذ معلوم ہوتی ہیں لیکن آخرت میں ہزاراں ہزار درد و الم کا باعث ہوں گی۔ در بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ فَهَوَ وَرِيثُهُمُ الْيَوْمَ میں الْيَوْمَ سے یوم قیامت مراد ہے اور دلی سے مراد یار و مددگار ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کا یار و مددگار صرف شیطان ہوگا اور ظاہر ہے شیطان نہ کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کسی کو رہائی دلا سکتا ہے۔ مقصود اس سے توبیخ و ملامت ہے کہ تم نے شیطان کو اپنا رفیق اور دوست بنایا جو قیامت کے دن تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گا وہ جہنم میں جائے گا وہ تو آگے آگے ہوگا اور تم اس کے پیچھے پیچھے ہو گے شیطان کی دوستی ان کو آخرت میں کام نہ دے گی۔ جیسے دنیا میں ان کو کوئی کام نہ آئی مطلب یہ ہے کہ یہ سب شیطان کے پیرو ہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی فکر اور غم میں نہ پڑ بیٹے اور ہم نے نہیں اتاری آپ پر کتاب جس کا نام قرآن ہے مگر صرف اس امر کے لیے کہ ان لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں یعنی توحید کو اور معاد کو اور حلال حرام کو واضح کر دیں۔ اور بتلا دیں کہ توحید اور آخرت اور جزاء اور سزا سب حق ہے اور دنیا بیچ اور فانی ہے یہ تو تنزیل قرآن کا عام فائدہ ہوا اور خاص فائدہ یہ ہے کہ خاص اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہو اللہ کی ہدایت اور رحمت سے نفع اٹھانے والے بھی اہل ایمان ہیں۔

وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا

اور اللہ نے اُتارا آسمان سے پانی ، پھر اس

بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي

سے جلایا زمین کو اس کے مرنے پیچھے ، اس میں

ذَلِكَ لَآيَةٌ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي

بتے ہیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں ۔ اور تم کو چو پایوں

الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةٌ ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ

میں بوجھ کی جگہ ہے ، پلاتے ہیں تم کو اس کے پیٹ کی چیزوں

بَيْنَ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾

میں سے ، گوبر اور لہو کے بیچ میں سے دودھ ستھرا پینا پینے والوں کو ۔

وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ

اور میوؤں سے کھجور کے، اور انگور کے بناتے ہو

مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

اس سے نشہ، اور روزی خاصی - اس میں پتہ ہے ان

لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ

لوگوں کو جو بوجھتے ہیں - اور حکم بھیجا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ

اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

بنالے پہاڑوں میں گھر، اور درختوں میں اور جہاں

يَعْرِشُونَ ﴿٦٩﴾ ثُمَّ كُلِّي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي

چھتریاں ڈالتے ہیں - پھر کھا ہر طرح کے میوؤں سے پھر چل

سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرِجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ

راہوں میں اپنے رب کی صاف - پڑی ہیں نکلتی، ان کے پیٹ میں سے پینے کی

مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۚ إِنَّ فِي

بجیز جس کے کئی رنگ ہیں، اس میں آزار چنگے ہوتے ہیں لوگوں کے۔ اس میں پتہ

ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٧٠﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ

ہے ان لوگوں کو جو دھیان کرتے ہیں - اور اللہ نے تم کو پیدا کیا،

ثُمَّ يَتَوَفَّاكُم ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمرِ

پھر تم کو موت دیتا ہے، اور کوئی تم میں پہنچتا ہے نئی عمر کو

لَكِي لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے - اللہ سب خبر رکھتا ہے



قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي

قدرت والا۔ اور اللہ نے بڑائی دی تم میں ایک کو ایک سے

الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَأْدِي رِزْقِهِمْ عَلَى

روزی کی۔ جن کو بڑائی دی نہیں پہنچاتے اپنی روزی ان کو،

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۚ أَفَبِنِعْمَةِ

جو ان کے ہاتھ کا مال ہیں کہ وہ سب اس میں برابر رہیں۔ کیا اللہ کے

اللَّهِ يَجْحَدُونَ ۝ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ

فضل سے منکر ہیں۔ اور اللہ نے بنادیں تم کو تمہارے قسم سے

أَزْوَاجًا ۖ وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً

عورتیں اور دیے تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے

وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَ

اور کھانے کو دیں تم کو ستھری چیزیں۔ سو کیا جھوٹی باتیں مانتے ہیں اور

بِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ۝ ۴۲ ۚ وَيَعْبُدُونَ مِنْ

اللہ کے فضل کو نہیں مانتے۔ اور پوجتے ہیں اللہ

دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ

کے سوا۔ البسوں کو کہ مختار نہیں ان کی روزی کے آسمان اور

وَالْأَرْضِ شَيْئًا ۚ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۝ ۴۳ ۚ فَلَا تَضْرِبُوا

زمین سے کچھ اور نہ مقدور رکھتے ہیں۔ سو مت بٹھاؤ

لِللَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۴۴

اللہ پر کہاوتیں۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ

اللہ نے بتائی ایک کھاوت، ایک بندہ پرایا مال، نہیں مقدور رکھتا

شَيْءٍ ۖ وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّْا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ

کسی چیز پر، اور ایک جس کو ہم نے روزی دی اپنی طرف سے خاصی روزی سودہ خرچ کرتا

مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوُونَ ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ

ہے اس میں سے چھپے اور کھلے۔ کہیں برابر ہوتے ہیں؟ سب تعریف اللہ کو ہے

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۖ ۝۵۰ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا

پر وہ بہت لوگ نہیں جانتے۔ اور بتائی اللہ نے ایک مثال

رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُوَ

دو مرد ہیں، ایک گونگا کچھ کام نہیں کر سکتا، اور وہ

كُلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّههُ ۖ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۖ هَلْ

بوجھ ہے اپنے صاحب پر، جس طرف اس کو بھیجے کچھ بھلا نہ کرلاوے۔ کہیں

يَسْتَوِي ۖ هُوَ ۖ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ

برابر ہے وہ اور ایک شخص جو حکم کرتا ہے انصاف پر اور ہے

صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ ۝۵۱ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ ۖ

سیدھی راہ پر۔ اور اللہ پاس ہیں بھید آسمان اور زمین کے۔

وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۖ

اور قیامت کا کام ویسا ہے جیسے پلک نگاہ کی یا اس سے قریب۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ ۝۵۲ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ نے تم کو نکالا ماں

بُطُونٌ أُمَّهَتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۖ وَجَعَلَ لَكُمُ

کے پیٹ سے ، تم کچھ نہ جانتے تھے ، اور دیئے تم کو

السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۴۸﴾

کان اور آنکھیں اور دل ، شاید تم احسان مانو ۔

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا

کیا نہیں دیکھتے اڑتے جانور؟ حکم کے باندھے آسمان کی ہوا میں ، کوئی

يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ

نہیں تھام رہا ان کو سوا اللہ کے ۔ اس میں پتے ہیں ان لوگوں کو

يُؤْمِنُونَ ﴿۴۹﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا

جو یقین لاتے ہیں ۔ اور اللہ نے بنادیئے تم کو تمہارے گھر بسنے کی

وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا

جگہ اور بنا دیئے تم کو چوپایوں کی کھال سے ڈیرے جو ہلکے لگتے ہیں تم کو

يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۚ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَ

جس دن سفر میں ہو اور جس دن گھر میں اور ان کی اُون سے اور

أَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۵۰﴾

ببرلوں سے اور بالوں سے کتے اسباب اور برتنے کی چیز ایک وقت تک ۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُمُ

اور اللہ نے بنادیں تم کو اپنی بنائی چیزوں کی چھاویں اور بنادیں

مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَائًا ۖ وَجَعَلَ لَكُم سَرَائِلَ تَقِيَكُمُ

تم کو پہاڑوں میں چھپنے کی جائیں اور بنادیئے تم کو کُرتے جو بچاؤ ہیں

اَحْرَوْ سَرَابِيلَ تَقِيَّكُمُ بِاسْكُمْ كَذٰلِكَ يَتِمُّ نِعْمَتُهُ

گرمی کا اور کڑتے جو بچاؤ ہیں لڑائی کا۔ اسی طرح پورا کرتا ہے اپنا احسان

عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ

تم پر، شاید تم حکم میں آؤ۔ پھر اگر پھر جاویں تو تیرا کام یہی

الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يَنْكُرُونَهَا

ہے کھول کر سنا دینا۔ پہچانتے ہیں اللہ کا احسان، پھر منکر ہو جاتے ہیں

وَكَثُرَهُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿۸۳﴾

اور بہت ان میں ناشکر ہیں۔

رجوع بسو دلائل توحید بتذکیر انعامات خداوند حمید

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ۔۔۔ الی۔۔۔ وَكَثُرَهُمُ الْكٰفِرُونَ ہ
(ربط) اوپر سے یہ پیرایہ انعامات دلائل توحید کا ذکر چلا آ رہا ہے اور پھر اسی طرح سے یہ پیرایہ
انعامات دلائل توحید کو بیان فرماتے ہیں اور یہ دلائل دلائل معاد بھی ہیں اور دلائل قدرت بھی ہیں اور
دلائل ہدایت بھی ہیں اور دلائل رحمت بھی ہیں۔ دور تک اسی طرح سلسلہ کلام چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ
نے قسم قسم کے انعامات کو ذکر فرمایا جو علاوہ نعمت ہونے کے اس کے کمال علم اور کمال قدرت اور
حکمت کے دلائل بھی ہیں۔

(۱) چنانچہ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً سے اپنی قدرت کا بیان شروع فرمایا کہ
آسمان سے پانی برسانا اور خشک زمین کا سرسبز و شاداب کر دینا اور جانوروں کے پیٹ سے دودھ
کا، خون اور گوشت سے پاک صاف نکالنا اور قسم قسم کے پھلوں کا تمہارے لیے پیدا کرنا وغیرہ سب
اللہ کی قدرت کے کرشمے ہیں اور بنی نوع انسان کے لیے عجیب عجیب نعمتیں ہیں۔
(۲) یہاں تک حیوانات میں چرندوں کے منافع اور فوائد کو بیان کیا کہ انسان انکے دودھ سے
فائدہ اٹھاتا ہے اب آگے پرندوں کے منافع کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ
سے بھی اپنی قدرت کی ایک دلیل بیان فرمائی وہ یہ کہ شہد کی مکھیوں کا بالہام خداوندی ایک نہایت

خوبصورت اور پر حکمت گھر بنانا جس کو ایک مہندس بھی نہ بنا سکے اور پھر ان کا مختلف پھلوں کو کھا کر شہد کا نکالنا اور پھر اس شہد کا مختلف الاوان ہونا یعنی کسی شہد کا سپید ہونا اور کسی کا سُرخ ہونا اور کسی کا گلابی ہونا وغیرہ وغیرہ اور پھر مختلف امراض میں اس کا ذریعہ شفا ہونا یہ کسی مادہ اور طبیعت کا اقتضا نہیں بلکہ کسی قادر مختار اور حکیم کردگار کی قدرت و حکمت کا کرشمہ ہے اور پھر آیت وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّكُمُ الْاٰلَہِ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف حالات اور قسم قسم کے تغیرات سے اپنی قدرت کا ملہ کا اظہار فرمایا کہ چند قطروں سے ایک جاندار کا پیدا کرنا اور اس کو مختلف قسم کے حواس اور اعضاء کا عطا کرنا اور پھر اس کو جوان اور بوڑھا بنانا اور قوت کے بعد اس کو ضعف میں مبتلا کرنا یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ کوئی ذات والا صفات ہے کہ جس نے اس انسان کو پیدا کیا اور عدم کے بعد اس کو وجود میں لایا اور مختلف حالات سے گزار کر اس کو موت اور فنا کے گھاٹ اتار دیا پس جس ذات والا صفات کے ہاتھ میں تمہارا وجود اور عدم اور موت اور حیات اور قوت اور ضعف ہے وہی تمہارا مالک اور وہی تمہارا خدا ہے ولادت سے لیکر موت تک عمر کی جو منزلیں اس نے مقرر کر دی انسان ان کو طے کر کے اپنی آخری منزل تک پہنچ جاتا ہے انسان کی قدرت میں یہ نہیں کہ لڑکپن یا جوانی کی منزل میں کچھ زیادہ ٹھہر جائے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

(۳) اور پھر وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ سے بھی انسانی حالات سے اپنی قدرت و حکمت کو ثابت فرمایا مگر دوسرا اعتبار سے یعنی امارت اور غربت فراخی اور تنگدستی کے اعتبار سے لوگوں کا مختلف ہونا یہ بھی اس کی قدرت کی دلیل ہے کسی کو امیر بنانا اور کسی کو فقیر اور کسی کو عاقل اور دانا اور کسی کو جاہل اور بے وقوف۔ اور بے وقوفوں کو خوب رزق دیا اور عقل مندوں اور علم والوں کو بھوک سے مارا تاکہ سمجھ جائیں سمجھنے والے کہ دنیاوی رزق کی کمی اور زیادتی علم اور عقل پر موقوف نہیں یہ سب خدا کی قدرت اور مشیت کا کرشمہ ہے۔

(۴) اور پھر وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا الْاٰلَہِ میں اپنی ایک خاص نعمت کو بیان کیا جو کہ اس کی قدرت و حکمت کی دلیل بھی ہے کہ تمہاری محبت اور الفت اور موانست کے لیے تمہارے لیے عورتیں پیدا کیں اور پھر ان سے تم کو بیٹے اور پوتے عطا کیے اور پاکیزہ روزیاں تم کو دیں پھر ان دلائل مذکورہ کا نتیجہ بیان فرمایا اَفَبَا لِبَاطِلٍ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا انکار کرتے ہو اور باطل چیزوں کی پرستش کرتے ہو جن سے تم کو نہ نفع پہنچ سکتا ہے اور نقصان (۵) اور پھر مومن اور کافر کی دو مثالیں بیان کیں ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا الْاٰلَہِ اور ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ الْاٰلَہِ اور ان دو مثالوں کے بعد پھر دلائل علم، قدرت کو بیان کیا جس کا ذکر پہلے سے چلا آ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آسمان اور زمین کے تمام پوشیدہ چیزوں کا علم ہے یہ تو کمال علم ہوا اور کمال قدرت یہ ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۶) اس کے بعد حق تعالیٰ نے پھر اپنے آثار قدرت اور انسان پر اپنی مرحمت اور مکرمت کے حالات کو بیان کیا تاکہ بندگان اللہ کی نعمت کو پہچانیں اور نعمت سے منعم تک پہنچیں۔

تفصیل

دلائل قدرت و دلائل نعمت برائے اثبات الوہیت وحدانیت

دلیل اول اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس پانی سے زمین کو بعد خشک اور مردہ ہو جانے کے زندہ فرمایا زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی برسا کر اس میں قوت نمو پیدا کی اور اس سے کھیتی اور سبزہ کو اگایا بے شک اس میں یعنی آسمان سے بارش نازل کرنے میں اور پھر بارش سے مردہ زمین کو زندہ کرنے میں ہماری کمال قدرت کی نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو دل کے کانوں سے ہمارے قرآن کی آیتیں سنتے ہیں اور جو لوگ صرف کانوں سے سنتے ہیں اور دل سے متوجہ نہیں ہوتے ان کو آیات قرآنی سے کوئی نفع نہیں ہوتا۔

دلیل دوم اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں عبرت ہے اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو جہالت سے گزر کر علم اور معرفت کے مقام تک پہنچ جاؤ اور خدا کی کمال قدرت کو معلوم کر لو پلاتے ہیں ہم تم کو اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے یعنی ہم ان چوپایوں کے پیٹ میں سے تمہارے لیے غذا پیدا کرتے ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ ان کے پیٹ میں سوائے گوشت اور خون کے کیا ہے ہم اپنی کمال قدرت سے گوشت اور خون کے درمیان سے خالص دودھ نکالتے ہیں جو پینے والوں کے لیے نہایت لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ دودھ گوشت اور خون کے درمیان سے نکلتا ہے مگر بایں ہمہ خالص سفید ہوتا ہے اور خون اور گوشت کے آمیزش سے بالکل پاک و صاف ہوتا ہے اور اس کی بو اور مزہ میں ذرہ برابر خون اور گوشت کا اثر نہیں ہوتا اس سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا ظہور ہوتا ہے کہ دونا پاک اور گندی اور بدبودار چیزوں کے درمیان سے کیسی عمدہ غذا پیدا فرمادی اور مطلب یہ ہے کہ تم خدا کی قدرت اور نعمت میں غور کرو ہم تم کو دودھ جیسی عمدہ غذا پلاتے ہیں جو خون اور گوشت کی نجاست اور کدورت کے شائبہ سے خالص اور

پاک ہوتی ہے اور وہ دودھ آسانی سے حلق سے اُتر جاتا ہے اور لذیذ اور خوش گوار ہے اور ہضم بھی خوب ہوتا ہے غرض یہ کہ جب جانوروں کے شکم میں گھاس وغیرہ پہنچتا ہے تو ہضم اور طبع کے بعد کچھ حصہ گوہر بن جاتا ہے اور کچھ حصہ پیشاب بن جاتا ہے خون تو رگوں میں چلا جاتا ہے اور دودھ تھنوں میں آ جاتا ہے اور ہر چیز اپنے اپنے مخرج سے نکلتی اور دوسری چیز کے ساتھ نہیں ملتی ہے۔ یہ سب خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ شکم حیوان سے جو خون اور گوہر کا منبع ہے اس سے خالص دودھ نکالتا ہے اور اس عمدہ غذا سے تم کو میراب کرتا ہے جس میں نہ خون کی رنگت ہے اور نہ گوہر کی بدبو ہے جیسا کہ ماں کے پستان میں خون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لطیف حکمت سے سرپستان میں ایک چھوٹا سا سوراخ پیدا فرما دیا اور مسامات تنگ کر دیئے اس میں سے دودھ چھن کر اور صاف ہو کر نکلتا ہے جو بچہ کے لیے بہترین لطیف غذا ہے یہ صنعت سوائے خداوند قدیر کے کون کر سکتا ہے پس جس نے تمہارے لیے یہ نعمت پیدا کی اسی کی پرستش کرو۔

دلیل سوم اور منجملہ دلائل قدرت والوہیت یہ ہے کہ تم کھجور اور انگور کے پھلوں سے مست کرنے والی شراب بناتے ہو اور اچھی روزی بناتے ہو جیسے خرمائے خشک اور

کشمش اور کھجور اور انگور کا شیرہ اور برکہ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے جو عقل سلیم رکھتے ہیں خدا کی قدرت کی نشانی ہے آخر یہ چیزیں کس نے بنائیں اور کس نے اس میں یہ شیرینی اور لذت پیدا کی یہ آیت شراب کے حرام ہونے سے پہلے نازل ہوئی مگر اس آیت میں شراب کی حرمت کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ سکرا کو رزقِ حسن (اچھی روزی کے مقابلہ میں ذکر فرمایا) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب اچھی روزی نہیں اور یہی معنی حرام کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر خاص عنایت فرمائی کہ ان کی عقلوں کی حفاظت کے لیے شراب کو حرام کر دیا۔

دلیل چہارم گزشتہ آیت میں حیوانات چرند سے خالص دودھ نکالنے کا بیان فرمایا اب حیوانات پرند میں سے شہد کی مکھی کے منافع بیان فرماتے ہیں اور

الہام کیا تیسگر پروردگار نے شہد کی مکھیوں کی طرف یعنی ان کے دل میں ڈالا کہ تم پہاڑوں میں اور درختوں میں اپنا گھر بناؤ یعنی ایسی بلند اور اونچی جگہ پر اپنا چھتہ بناؤ جہاں ہر ایک کا ہاتھ نہ پہنچے پھر اس کو یہ القاء ہوا کہ تو ہر قسم کے پھلوں میں سے کھا اور ان کو چوس پھر تیسری بات اس کو یہ القاء ہوئی کہ تو اپنے پروردگار کی ان راہوں پر چل جو اس نے تیرے لیے مسخر اور آسان کی ہیں تجھے ان راہوں پر چلنا دشوار نہیں۔ اب آگے اس کا نتیجہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مکھیوں کے پیٹوں سے یعنی مونہوں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے یعنی شہد۔

جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں یعنی سفید اور سرخ اور زرد اور سبز نیز اس شہد میں لوگوں کی مختلف بیماریوں کے لیے شفا ہے۔ بے شک شہد کی مکھی میں قدرت ربانی کی کھلی نشانی ہے اس گروہ کے لیے

جو غور و فکر کرتے ہیں اسی ایک شہد کی مکھی میں خدا تعالیٰ کی قدرت والوہیت کے بہت سے دلائل ہیں بشرطیکہ غور کریں جو شخص شہد کی مکھی کے عجیب و غریب احوال میں ذرا بھی غور کرے گا وہ ایک فاعل مختار اور قادر کردگار کے وجود سے انکار نہیں کر سکتا۔

(۱) شہد کی مکھی سے خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا اظہار ہوتا ہے کسی حقیر و ذلیل مکھی کے کیسی عمدہ اور لذیذ اور صحت بخش چیز خدا نے نکالی۔

(۲) اس کے پھتوں کے خانوں سے بھی حیرت ہوتی ہے ہر ایک خانہ مستس مساوی الاضلاع ہوتا ہے اور آپس میں سب برابر ہوتے ہیں گویا کہ پرکار سے بنائے گئے ہیں یہ بات بدون الہام خداوندی ممکن نہیں۔

(۳) نیز شہد کی مکھیوں پر ایک مکھی ملکہ ہوتی ہے جس کا حکم سب مکھیاں مانتی ہیں۔ اور یہ ملکہ جُستہ اور خلقت میں دوسری مکھیوں سے بڑی ہوتی ہے اور چھتے کی تمام مکھیاں اس کی فرمانبردار ہوتی ہیں پھتوں کے دروازوں پر دربان اور چوکیدار ہوتے ہیں جو اور مکھیوں اور کیڑوں کو اندر نہیں آنے دیتے۔

(۴) قسم قسم کے پھلوں کا رس چوسنے کے لیے دور دور جاتی ہیں اور اپنے مکان اور راستے کو نہیں بھولتی اور ایک چھتے کی مکھیاں دوسرے چھتے پر نہیں جاتیں۔

یہ وہ عجیب و غریب خواص ہیں جن کا حصول بغیر الہام الہی ممکن نہیں پھر اس میں سے شہد نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے اس میں عقلا کو کلام نہیں لیکن بعض طبیب اس میں کلام کرتے ہیں۔ امام فخر الدین رازی تحریر کرتے ہیں کہ خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ شہد میں ہر مرض کے لیے شفاء ہے بلکہ یہ فرمایا کہ اس میں شفاء ہے اس کی صحت میں کوئی شک نہیں امراض بلغیہ کے لیے شہد شفاء ہے اور معجونوں میں کوئی بھی معجون ایسی نہیں جس میں اطباء نے شہد تجویز نہ کیا ہو مگر بعض علماء کا خیال ہے کہ شہد واقع میں ہر مرض کی دوا ہے بعض مواقع میں بعض امراض میں اس کا اثر ظاہر نہ ہونا اس کے شفاء ہونے کے منافی نہیں جو دوا جس مرض کے لیے مخصوص ہے بعض اوقات اس کا اثر بھی اس مرض پر ظاہر نہیں ہوتا۔

حدیث میں ہے، آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے اوپر دد شفاؤں کو لازم پکڑو یعنی شہد اور قرآن، شیخینؒ نے ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میرے بھائی کو دست آتے ہیں۔ حضور پر نورؐ نے فرمایا اس کو شہد پلا اس نے اس کو شہد پلایا پھر آپؐ کے پاس آیا۔ اور عرض کیا کہ میں نے اس کو شہد پلایا مگر اس کے دست اور بڑھ گئے حضور اکرمؐ نے فرمایا پھر پلا، تین مرتبہ اس نے شہد پلایا اور ہر مرتبہ یہی آکر کہا کہ میں نے اس کو شہد پلایا تھا اس کے دست اور بڑھ گئے آپؐ نے اس کو ہر مرتبہ یہی جواب دیا جب چوتھی مرتبہ آیا تو آپؐ نے اس سے پھر یہی فرمایا کہ اس کو پھر شہد پلا اس نے کہا کہ میں نے اس کو پلایا مگر اس کے دست بڑھتے جاتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سبحا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے اس نے اس کو پھر شہد پلایا اور خدا نے اس کو

شفاء دی۔ اشارہ اس طرف تھا کہ اس کو شہد پلائے جا انشاء اللہ اس کو نفع ہو کر رہے گا مگر تیرے بھائی کا پیٹ ایسا ہو گیا ہے کہ اس کو ایک یا دو دفعہ کا شہد پلانا کافی نہ ہو اغرض یہ کہ حدیث قواعد طبیہ کے خلاف نہیں۔ بہت سے اقسام کے اسہال میں خود اطباء نے شہد کو مسہل تجویز کیا ہے۔ ان اطباء کا قول یہ ہے کہ شہد صفراء والوں کے لیے مضر ہے حرارت کو بڑھاتا ہے اور گرم مزاج والوں کو نقصان دیتا ہے اور پیاس لگاتا ہے سو خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ شہد کل مرضوں کی دوا ہے۔ شفاء نکرہ ہے۔ مقام اثبات میں وارد ہوا ہے عموم پر دلالت نہیں کرتا۔ غایت سے غایت ہے کہ شفاء کی تنوین تعظیم کے لیے لی جائے تو اس سے شہد کا شفاء عظیم ہونا مفہوم ہو گا۔ عموم۔ مفہوم نہ ہو گا اور اکثر مرضوں کی دوا شہد کو اطباء بھی بتلاتے ہیں اور یہ سب کے نزدیک مسئلہ ہے کہ اس کا نفع مضرت سے بڑھا ہوا ہے۔ خصوصاً اصحاب بلغم اور شیوخ مرد و زن کے لیے تو مجرب تریاق ہے اور معجونوں کا اس سے خالی نہ ہونا اس کی قدر و منزلت ثابت کرتا ہے کہ اس میں شفاء عظیم ہے۔

نیز اطباء نے شہد کو ”جالی“ یعنی معدہ کا جلا کرنے والا لکھا ہے اور تمام امراض کی اصل معدہ ہے تو جب معدہ صاف ہو گا تو بیماری کیوں کر آئے گی اس لیے حدیث میں آیا ہے کہ علی الصبح ہر روز تین انگلیاں شہد کی چاٹ لیا کرو۔

خلاصہ کلام یہ کہ شہد کی مکھی قدرت خداوندی کا ایک عجیب کرشمہ ہے کہ اگر کسی کے کاٹلے تو بلبل اٹھے یہ تو اس کی سمیت ہوئی اور اس کا شہد تریاق اور شفاء عظیم ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے چرند اور پرند میں اپنے عجائب قدرت کو بیان فرمایا اب خود انسان میں اپنے عجائب قدرت کو بیان فرماتے ہیں۔

دلیل پنجم | اور من جملہ دلائل قدرت کے ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا اور عدم سے وجود میں لایا اور ہر ایک کی عمر کی مدت مقرر کی پھر تم کو مار ڈالے گا اور دوبارہ عدم میں لے جائے گا اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ جو ذلیل اور ناکارہ عمر کی طرف لوٹا دیئے جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے یعنی ایسا بوڑھا پھوس ہو جائے کہ عقل بھی جاتی رہے اور عالم ہونے کے بعد جاہل بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ مارنے اور جلانے پر قادر ہے ویسے ہی وہ عالم سے جاہل بنانے پر بھی قادر ہے پس جس کے ہاتھ میں تمہارا وجود اور عدم اور علم اور جہل ہے اس کی پرستش کرو۔ بڑھا پے میں ہوش و حواس میں تو سب کے ہی فتور آ جاتا ہے مگر جو قرآن خواں ہیں خدا ان کی مدد کرتا ہے۔ وہ ارذل العمر کو نہیں پہنچتا۔ بہر حال انسان کا نطفہ سے پیدا ہونا اور پھر اس کا بوڑھا ہو کر مر جانا مادہ اور طبیعت کا کام نہیں کیونکہ مادہ اور طبیعت تو بے شعور ہیں بلکہ یہ کسی مدبر حکیم کا کام ہے۔

بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے کہ اس کے علم اور قدرت کی کوئی حد نہیں اور نہ اس کے لیے فنا و زوال ہے بندہ کو چاہیے کہ اپنے علم اور قوت پر گھمنڈ نہ کرے بڑھا پے میں نہ علم رہتا ہے نہ قدرت رہتی

ہے۔ اب آئندہ آیت میں انسان کے حالات مختلفہ سے اپنی قدرت پر استدلال فرماتے ہیں خلاصہ یہ کہ انسان کا عدم سے وجود میں آنا اور پھر اس کا نشوونما پانا اور بچپن اور جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کر کے پردۂ عدم میں پہنچ جانا یہ تمام امور نہ اتفاقی ہیں اور نہ طبعی ہیں بلکہ کسی علیم و قدیر کی قدرت کا کرشمہ ہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عمروں کا تفاوت بیان کیا اب آئندہ، ارزاق کا تفاوت بیان کرتے ہیں کہ جس طرح بنی آدم کی عمریں مختلف اور متفاوت ہیں اسی طرح ان کی روزیاں بھی متفاوت ہیں۔

اور من جملہ دلائل قدرت اور الوہیت میں سے ہے کہ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی۔ کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر بنایا کسی

دلیل ششم

کو مالک اور آقا بنایا اور کسی کو ملوک اور غلام بنایا غرضیکہ بنی آدم کو اوصاف متباین اور متفاوت پر پیدا کیا۔ مطلب یہ ہے کہ سب کا رزق اس کے قبضہ قدرت میں ہے وہ بعض کو زیادہ دیتا ہے اور بعض کو کم اور کسی بندہ کے اختیار میں نہیں کہ اس تفاوت کو ختم کر دے اور اس اختلاف اور تفاوت میں اس کی حکمت بالغہ ہے جس کے سمجھنے سے بندوں کی عقلیں قاصر ہیں اور اس کے اسباب کے ادراک سے عاجز اور درماندہ ہیں جس طرح خدا تعالیٰ نے اس ظاہری رزق یعنی مال و دولت میں تفاوت رکھا۔ اسی طرح معنوی رزق یعنی علم و عقل اور فہم اور حسن صورت اور حسن سیرت اور صحت اور مرض اور ضعف اور قوت اور بصارت اور بصیرت میں بھی تفاوت رکھا کسی کو زیادہ عقل دی اور کسی کو کم کسی کو قوی اور جسیم اور ہیكل بنایا اور کسی کو ضعیف اور ناتواں بنایا کسی کو عاقل اور کسی کو نادان کسی کو عالم اور کسی کو جاہل کسی کو حسین اور کسی کو بدشکل بنایا۔ غرض یہ کہ دنیا کا سارا نظام اسی اختلاف اور تفاوت پر مبنی ہے اگر سب یکساں ہو جائیں تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے اور یہ تفاوت اور تقسیم اللہ کی قدرت اور حکمت کا کرشمہ ہے اگر یہ بات علم و عقل اور فہم اور دانش پر موقوف ہوتی تو دنیا میں کوئی بد عقل اور جاہل دولت مند اور مالدار نظر نہ آتا اور کوئی عالم اور عاقل دنیا میں خوار اور نادار نہ ہوتا۔ حالانکہ معاملہ برعکس ہے ظاہری صورت کے لحاظ سے سب انسان یکساں ہیں مگر صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ کارخانہ عالم انہی اختلافات اور تباین و تفاوت پر مبنی ہے اگر سب آدمی سب باتوں میں یکساں ہو جائیں تو کیوں کوئی حاکم ہو اور کوئی محکوم اور کوئی مالدار اور کوئی نادار اور کوئی مالک مکان اور کوئی گریہ دار اور دنیا کا کارخانہ اسی اختلاف سے چل رہا ہے پس جن کو اللہ کی طرف سے رزق میں فضیلت اور وسعت دی گئی اور اللہ نے ان کو سردار اور امیر اور دولت مند بنایا اور ان کے پاس مال و دولت بھی ہے اور ان کے پاس غلام بھی ہیں وہ اپنی روزی اور دولت اپنے غلاموں کو دینے والے نہیں کہ وہ سب آقا اور غلام اس روزی میں برابر ہو جائیں۔ یعنی آقا اور مالدار اس پر راضی نہیں کہ اپنے مال و دولت کو اپنے غلاموں پر اس طرح تقسیم کر دیں کہ غلام اور آقا سب برابر ہو جائیں۔ حالانکہ وہ بھی تمہارے ہم جنس اور مثل اور ہم شکل ہیں۔

اور وہ مال ان کا مخلوق (پیدا کیا ہوا نہیں) پس یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا کی ملوک اور اس کی مخلوق خدا کی خدائی میں شریک ہو جائے۔ عجیب الحق لوگ ہیں کہ اپنے غلاموں کو تو اپنا شریک اور برابر بنانا پسند نہیں کرتے مگر خدا کے غلاموں کو اور اس کے پیدا کیے ہوئے بندوں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہیں مطلب یہ ہے کہ کوئی آقا اس بات پر راضی نہیں کہ اس کا غلام اس کے مساوی اور برابر ہو جائے غلامی اور مساوات جمع نہیں ہو سکتے پس جب کہ دو ہم جنس اور متحد النوع انسانوں کے اندر مالک اور ملوک میں شرکت اور مساوات نہیں تو خالق اور مخلوق کو معبودیت میں کیسے برابر کیا جاسکتا ہے پس جب کہ تمہارے غلام شریک اور برابر نہیں ہو سکتے تو اللہ کے بندے اور اس کے غلام اس کی الوہیت میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب نے ابو موسیٰ اشعرؒ کو جو آپؐ کی طرف سے کوفہ، بصرہ کے گورنر تھے خط لکھا۔

اقم برزقك من الدنيا
فان الرحمان فضل بعض
عباده على بعض فـ الرزق
بلاء مبتلى به كـ لا فيبتلى من
بسط كيف شكره الله واداءه
الحق الذي افترض عليه فيما
رزقه وخوله۔

(رواہ ابن ابی حاتم)

جو حق تعالیٰ نے اس پر اس مال و دولت میں فرض کیا تھا۔ وہ اس کو کیوں کرا داتا ہے۔

(ابن ابی حاتمؒ نے اس روایت کو روایت کیا)

معلوم ہوا کہ بنی آدم میں امیری اور فقری تو نگرہی اور تنگ دستی میں تفاوت من جانب اللہ ہے جس کو اللہ نے مال و دولت دیا اس پر اللہ کا شکر اور مال کا حق ادا کرنا واجب ہے اور جس کو اللہ نے مفلس بنایا اس پر صبر اور قناعت واجب ہے فقیر اور نادار کو یہ تو اجازت ہے کہ صنعت و حرفت یا تجارت یا زراعت کے ذریعہ حلال طریقہ سے جس طرح چاہے دولت حاصل کرے اس پر کوئی تحدید نہیں۔ لیکن کسی نادار کو ازراہ حسد و رقابت کسی مالدار کے مال پر نظر کرنا ناجائز اور حرام ہے جیسے آج کل اشتراکی لوگ مزدوروں کو اکسارہے ہیں کہ تم دولت مندوں اور سرمایہ داروں کی دولت کو لوٹ لو اور مساوات کا دلفریب نعرہ لگا کر جاہلوں کو اس پر آمادہ کر رہے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ رزق میں مساوات عقلاً محال ہے رزق کا تفاوت قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا اور بفرض محال اگر ملک کا مال دولت سب پر برابر تقسیم ہو گیا تو یہ بتلائیں کہ علم اور عقل اور حسن و جمال اور قوت و صفت اور صحت و بیماری

اور موت و حیات میں مساوات کی کیا صورت ہوگی کسی کو ایک چپاتی کھانا مشکل ہے اور کوئی دس نان کھا کر بھی ڈکار نہیں لیتا اگر سب کے سامنے دس دس نان رکھ دیئے گئے تو سب کے معدے کی اشتہاء اور سب کی بھوک کیسے برابر ہوگی مطلب یہ ہے کہ رزق ظاہری اور باطنی سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہا کم دیا اور جس کو چاہا زیادہ دیا کیا یہ لوگ خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ سب نعمتیں اسی کی طرف سے ہیں تو پھر کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا اس کی نعمت سے منکر ہونا ہے جیسا کہ منجمن اور طبعیین خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو کواکب اور نجوم کی طرف اور مادہ اور طبیعت کی طرف منسوب کرتے ہیں بس یہی اللہ کی نعمت سے انکار کرنا ہے۔

دلیل ہفتم اور من جملہ دلائل قدرت و وجوہ نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے لیے بیویاں پیدا کیں اور پھر تمہاری بیویوں سے تمہارے لیے بیٹے اور

پوتے پیدا کیے تاکہ تمہاری نوع اور نسل باقی رہے اور پاکیزہ اور لذیذ چیزوں میں سے تمہیں رزق دیا تاکہ تمہارا وجود شخصی باقی رہ سکے تمہاری راحت و آرام کے لیے بیبیاں پیدا کیں اور خدمت کے لیے اولاد دی کہ تمہاری خدمت کرے اور تمہارے بعد تمہاری نسل باقی رہے اور بقا اور زندگی کے لیے پاکیزہ چیزیں تم کو عطا کیں کیونکہ بقا اور زندگی رزق پر موقوف ہے کیا توحید کے ان دلائل واضحہ کے بعد بھی یہ لوگ بے حقیقت اور بے بنیاد چیز پر اعتقاد اور ایمان رکھتے ہیں باطل سے مراد شرک اور بت پرستی ہے اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں کہ خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ یعنی بتوں کا احسان مانتے ہیں کہ بیماری سے چنگا کیا۔ یا بیٹا دیا یا روزی دی اور یہ سب جھوٹ ہے وہ جو بیچ دینے والا ہے اس کے شکر گزار نہیں اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین سے ذرہ برابر رزق پہنچانے کی مالک نہیں نہ آسمان سے مینہ برسا سکتے ہیں اور نہ زمین سے کوئی چیز اگا سکتے ہیں اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ان کو کچھ اختیار ہے اور نہ قدرت ہے عاجز محض ہیں کسی قسم کی استطاعت نہیں رکھتے پھر کس لیے ان کی پرستش کرتے ہیں پس تم اللہ کے لیے مثالیں نہ گھڑو اس کا نہ کوئی مثل ہے اور نہ کوئی شبیہ اور ثیل ہے۔

شاہ عبد القادر فرماتے ہیں مشرک کہتے ہیں کہ مالک تو اللہ ہی ہے یہ لوگ اس کی سرکار میں مختار ہیں اس واسطے ان کو پوجتے ہیں کہ (بڑی سرکار تک ان کے ذریعہ ہماری رسائی ہو جائے) سو یہ مثال غلط ہے (اللہ پاک پر چسپاں نہیں) اللہ تعالیٰ ہر چیز آپ کرتا ہے کسی کے سپرد نہیں کر رکھا اور اگر صحیح مثال چاہو تو آگے دو مثالیں بیان فرمائیں۔ (موضع القرآن)

مشرکین یہ کہتے تھے کہ خدائے تعالیٰ بادشاہ ہے اور ہم بلا واسطہ بادشاہ تک نہیں پہنچ سکتے لہذا یہ ہمارے لیے وسائل اور ذرائع ہیں ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں گے جس طرح بادشاہ دزیروں کو مختار کار بنا دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مثال غلط ہے اللہ تعالیٰ پر چسپاں نہیں کارخانہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ اس

کے علم اور ارادہ اور مشیت سے ہو رہا ہے۔ سلاطین دنیا کی طرح نہیں کہ وہ اپنے ماتحت حکام کو اختیارات تفویض اور سپرد کر دیتے ہیں کہ تفویض تو ارادہ اور اختیار سے کیا لیکن تفویض کے بعد وہ ماتحت حکام ان اختیارات کے استعمال میں آزاد ہیں بغیر بادشاہ کے علم اور بغیر اس کے ارادہ اور بغیر اس کی اجازت کے بہت سے کام کر گزرتے ہیں جیسے بسا اوقات وزراء کوئی فیصلہ کر گزرتے ہیں اور بادشاہ کو اس فیصلہ کا مطلق علم نہیں ہوتا اور بادشاہ کے ارادہ اور مشیت کو اس فیصلہ کے صادر کرنے میں کوئی دخل نہیں ہوتا سو بارگاہِ خداوندی میں یہ بات ممکن نہیں اس لیے کہ عقلاً یہ محال ہے کہ خدا اپنی قدرت اور اختیار کو کسی کے تفویض کر دے بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے کوئی شئی اس کے دائرہ علم اور ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں۔ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے خواہ بواسطہ اسباب ہو یا بلا واسطہ اسباب ہو وہ سب اس کے علم محیط اور اس کے ارادہ اور مشیت سے وقوع پذیر ہو رہا ہے لہذا ہر کئی اور جزئی میں اسی کو فاعل حقیقی سمجھ کر اسی کو اپنا معبود اور مستعان سمجھو بلا واسطہ سب تمہاری سُناتا ہے اور بغیر کسی کے خبر دیئے ہوئے تمہارا سب حال جانتا ہے بادشاہوں کو وزیر اور پیش کار کی اس لیے ضرورت ہے کہ انہیں پیٹھ پیچھے کی خبر نہیں اور سارے کام خود انجام نہیں دے سکتے۔ اس لیے معین اور مددگار کے محتاج بنے اور خدا تعالیٰ علیم وخبیر اور مالک و قدیر ہے وہ غنی اور بے نیاز ہے اسے کسی وزیر اور مشیر کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے کارخانہ ربوبیت میں کوئی دخیل ہے اور نہ وہاں کسی کا زور ہے لہذا خداوند ذوالجلال کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے معلوم ہوا کہ جو مثال تم نے بیان کی وہ غلط ہے اگر صحیح مثال چاہتے ہو تو ہم تمہارے لیے دو مثالیں بیان کرتے ہیں غور سے ان کو سنو۔

اللہ تعالیٰ نے شرک کے بطلان ظاہر کرنے کے لیے ایک مثال بیان فرمائی فرض کرو کہ

مثال اول

ایک غلام ہے جو دوسرے کا ملوک ہے اور ایسا غلام ہے کہ وہ کسی تصرف پر قادر نہیں کیونکہ بعض غلام ایسے ہوتے ہیں کہ آقا ان کو تصرفات کی اجازت دیدیتا ہے جیسے عبد ماذون اور جیسے مکاتب کہ آقا نے اس کو نوشتہ دے دیا کہ اس قدر روپیہ کما کر دے دے تو آزاد ہے پس ان کو کچھ تصرف کی اجازت ہو۔ پس ایک تو ایسا ہے کہ عبد ملوک ہے کسی تصرف پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور ایک شخص وہ ہے کہ جس کو ہم نے اپنے پاس سے اور اپنے فضل سے عمدہ روزی دی یعنی وسعت اور کثرت سے اس کو ایسا رزق دیا جو لوگوں کی نظروں میں اچھا معلوم ہوتا ہے اور اس کو اس کا مالک اور مختار بنایا پس وہ شخص ہمارے دیئے ہوئے رزق حسن میں سے خیرات کی راہوں میں اور طرح طرح کی نیکیوں میں پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کرتا ہے یعنی جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا کیا یہ دو شخص برابر ہو سکتے ہیں یعنی بے اختیار صاحب اختیار آقا کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تو بت تو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاجز ہیں وہ قادر مطلق کے کیسے شریک ہو سکتے ہیں اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ جب مالک مجازی اور ملوک برابر نہیں ہو سکتے تو مالک حقیقی اور ملوک حقیقی کب برابر ہو سکتے ہیں حالانکہ آقا اور غلام تو نفس خلقت اور صورت بشری میں دونوں مساوی

ہیں۔ مگر بایں ہمہ دونوں برابر نہیں تو اللہ جو کہ قادر مطلق اور مالک مطلق ہے اس میں اور بتوں کے درمیان مساوات کیونکر ہو سکتی ہے جو نہ کسی شئی کے مالک ہیں اور نہ کسی شئی پر قادر ہیں اور دنیا کا کوئی عاقل، قادر اور عاجز کے درمیان مساوات کا قائل نہیں۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ مثال مومن اور کافر کی ہے کافر عبد مملوک ہے جو کسی شے پر قادر نہیں کیونکہ جب وہ اللہ کی عبادت سے اور اس کی توفیق سے محروم ہے اور اپنے مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنے سے محروم ہے تو گویا وہ ایک غلام حقیر و ذلیل ہے اور عاجز ہے جو کسی شے پر قادر نہیں خدا تعالیٰ نے اس کو تصرف سے روک رکھا ہے اور مومن وہ شخص ہے کہ جس کو اللہ نے اپنے پاس سے رزق حسن یعنی حلال روزی دی اور وہ دن رات اللہ کی عبادت میں لگا ہوا ہے اور اپنے مال کو راہِ خدا میں پوشیدہ اور علانیہ طور پر جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے تو یہ دونوں شخص برابر نہیں نہ آزاد اور غلام برابر ہے نہ بخیل اور سخی برابر ہے اور نہ نافرمان (کافر) اور فرمان بردار (مومن) برابر ہے۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو سب کا خالق اور تمام کائنات کا مالک مطلق اور مختار مطلق ہے اور تمام کائنات اسی کی مملوک اور غلام ہے لیکن باوجود اس کے یہ لوگ اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر نادان اور بے عقل ہیں کہ صاف اور واضح بات کو بھی نہیں سمجھتے اور بایں ہمہ بتوں کو مستحق تعریف سمجھتے ہیں۔

اور اگر اس مثال سے ان پر حق واضح نہ ہو تو اللہ نے ان کے لیے ایک دوسری

دوسری مثال

دوسری مثال مثال بیان فرمائی۔ فرض کرو کہ دو شخص ہیں ان میں کا ایک تو گونگا غلام ہے اور بہرا بھی ہے کیونکہ جو پیدائشی گونگا ہوتا ہے وہ بہرا بھی ہوتا ہے کہ کسی بات پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے یعنی وہ کسی کام کا نہیں اور نہ اس سے کسی بھلائی کی توقع ہے۔ وہ آقا اس کو جہاں بھیجے وہاں سے کوئی خیر اور بھلائی لے کر واپس نہ آئے کیا ایسا منحوس غلام اس مبارک شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو عدل و انصاف کا حکم کرتا اور خود سیدھی راہ پر ہے یعنی اس کے ہوش و حواس درست ہیں نہایت عقلمند اور دیانت دار اور نیک کردار ہے جو شخص خود صاحب فہم و فراست نہ ہو وہ دوسروں کو انصاف اور نیکی کی کیسے ہدایت کر سکتا ہے پس جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے اور بہرے بُت خداوند پر در دگار کے کیسے برابر ہو سکتے ہیں اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ کافر اور مومن کی مثال ہے کافر اندھے اور بہرے اور گونگے غلام کی طرح ہے نہ حق کو دیکھتا ہے اور نہ حق کو سنتا ہے اور ناکارہ اور نکمہ ہے آقا کا کوئی کام نہیں کرتا۔ اور مومن قانت سیدھی راہ پر جا رہا ہے اور دوسروں کو بھی اس راہ پر لے جانا چاہتا ہے یہ دونوں شخص کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں ”یعنی خدا کے دو بند سے ایک بہت کمٹا نہ مل سکے اور نہ چل سکے جیسے گونگا غلام۔ دوسرا رسول ہے جو اللہ کی راہ بتا دے ہزاروں کو اور بندگی پر قائم ہے اس کے تابع ہونا بہتر ہے یا اس کے“ (انتہی) حضرت شاہ ولی اللہ قدس اللہ سرہ العزیزہ فرماتے ہیں حاصل ایں دو مثل آنست کہ

آں چہ در عالم تصرف ندارد با خدا برابر نیست چنانچہ مملوک ناتواں با مالک توانا برابر نیست و چنان کہ گنگ بے تمیز با صاحب ہدایت برابر نیست“ (انتہی)

حق تعالیٰ نے ابطال شرک کے لیے دو مثالیں بیان فرمائیں اب مزید دلائل توحید بیان کرتے ہیں۔

دلیل ہشتم۔ کمال علم و کمال قدرت | اور من جملہ دلائل الوہیت کے اس کمال علم اور کمال

قدرت ہے اس لیے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں اللہ ہی کو معلوم ہیں اس سے کوئی شے چھپی ہوئی نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں ہر یہ اس کا کمال علم ہوا۔ اور منجملہ غیب کے قیامت بھی ہے اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں اور نہیں ہے قیامت کا کام مگر ایسا جیسے پلک جھپکنا یا اس سے بھی زیادہ نزدیک مطلب یہ کہ مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں جب اللہ چاہے گا آنا نانا ہو جائے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس کام کا وہ ارادہ کرتا ہے وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے ہو جاتا ہے یہ اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے خلاصہ کلام یہ کہ جس کا علم اور قدرت عالم کے ذرہ ذرہ کو محیط ہو کون اس کا ہمسر ہو سکتا ہے۔

دلیل نہم | اور منجملہ دلائل قدرت و وجوہ نعمت یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے

پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم اس وقت کچھ نہیں جانتے تھے نو ماہ سے ماں کے پیٹ میں مجسوس تھے اور خون و حیض تمہاری غذا تھی ولادت کے بعد تم جیل خانہ سے باہر نکلے اور آنکھ کھولی اور اس عالم کو دیکھا دیکھ کر حیران رہ گئے سمجھ میں کچھ نہ آیا اور بعد ازاں اللہ نے بنادیئے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ آنکھ اور کان سے محسوسات کا ادراک کرو اور دل سے معقولات کا ادراک کرو اور عقل سے خیر و شر اور ہدایت و ضلالت اور حق و باطل کا فرق سمجھو اور غور کرو کہ آنکھ اور کان اور دل کیسی نعمتیں ہیں شاید تم ہمارا احسان مانو اور ہمارے عطا فرمودہ حواس ظاہرہ و باطنہ کو ہماری معرفت اور محبت میں لگاؤ۔ اور اپنے منعم و محسن کا شکر کرو کہ تم کو کیسی تاریک اور گندی جگہ سے نکال کر کہاں پہنچا دیا۔ تمام دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہونے کا ذریعہ آنکھ اور کان اور عقل ہیں اور اگر وہ اپنی رحمت سے تم کو آنکھ اور کان اور عقل نہ دیتا تو ذرا غور کرو کہ پھر تم کیا ہوتے شکر کی حقیقت یہ ہے کہ منعم کی دی ہوئی نعمت کو اس کے حکم کے مطابق استعمال کرو اور اس کی نعمت کو امانت سمجھو معصیت سے بچاؤ۔ نغم کو خلاف حکم صرف کرنا یہ خیانت ہے ہر حال تمہارا اس طرح پیدا ہونا یہ اس کی دلیل ہے کہ تم خود بخود پیدا نہیں ہو گئے بلکہ کسی علیم و قدیر نے تم کو پیدا کیا ہے۔

دلیل دہم | اور من جملہ دلائل قدرت کے خلا میں اڑنے والے پرند بھی ہیں کیا لوگوں نے پرندوں

کی طرف نظر نہیں کی جو بگم خداوندی آسمان کے خلا یعنی ہوا میں معلق ہیں۔ کعب اجاڑ کہتے ہیں کہ پرندہ بلندی میں بارہ میل تک اڑ سکتا ہے اس سے اوپر نہیں جاسکتا اللہ کے سوا ان کو اور کوئی اس خلا میں تھامے ہوئے نہیں بے شک اس تسخیر میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں

جو اللہ کو مانتے ہیں وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ کی قدرت اور وحدانیت کو سمجھ جاتے ہیں اور جو مومن نہیں وہ ان نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پرندوں کو عجیب طور سے پیدا کیا کہ ان کے دو بازو ہیں ان کو پھیلا کر ہوا میں اڑتے ہیں اور ان میں اڑنے کی قوت پیدا کی وہ پتہ پھیلا کر ہوا میں اس طرح اڑتے ہیں جیسے کوئی پانی میں تیرتا ہے اور سوائے اللہ کے کوئی چیز ان کو ہوا میں روکنے اور تھامنے والی نہیں نہ اوپر سے کوئی چیز پکڑے ہوئے ہے اور نہ نیچے سے ان کو کوئی چیز تھامے ہوئے اور سہارا دیتے ہوئے ہے ورنہ ان کے ثقل جسمانی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اوپر سے نیچے گر پڑتے اور ان کا جسم ثقیل ہوائے لطیف کو چیرتے ہوئے اوپر چڑھتا ہے اور اڑتا ہے اور پھر ہوا کو چیرتا ہوا نیچے اترتا ہے اس عجیب و غریب تسخیر میں اللہ کی قدرت اور وحدانیت کی کھلی نشانیاں ہیں غرض یہ کہ پرندوں کا ہوا میں معلق روکنا یہ اس کی قدرت کا کرشمہ ہے شیفتگان اسباب و علل و دلدادگان فلسفہ ان چیزوں کے جو اسباب طبعی بیان کرتے ہیں وہ سب پادہر ہوا ہیں اور انکی کوتاہ نظری اور کج عقلی کی نشانیاں ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

”یعنی ایمان لانے میں بعض اشکے ہیں۔ معاش کی فکر سے سو فرمایا کہ ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ نہیں لایا اسباب کمائی کے۔ آنکھ۔ کان دل اللہ ہی دیتا ہے اڑتے جانور ادھر میں کس کے سہارے رہتے ہیں۔“

(موضح القرآن)

دلیل یازدہم | اور من جملہ دلائل قدرت الوہیت یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے حالت حضر میں تمہارے گھروں میں سے جائے سکونت بنائی جہاں تم آرام کر سکو انسان معاش کے لیے حرکت کرتا ہے اور حرکت کے بعد اس کو سکون کی حاجت ہوتی ہے تو اس نے تمہارے لیے بیوت اور مسکن بنا دیئے اور حالت سفر میں چوپایوں کی کھالوں سے اس نے تمہارے لیے گھر بنا دیئے یعنی خیمے تم ان کو اپنے سفر کے دن اور حالت سفر میں ہلکا پاتے ہو اور بے تکلف اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہو۔ مٹی اور پتھر کے گھروں میں یہ بات حاصل نہیں خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سان سے ہماری آسائش کے لیے ہمیں رہنے کو دو گھر دیئے ایک تو وہ جو مٹی اور پتھر وغیرہ سے بنائے جاتے ہیں اور اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتے دوسرے وہ گھر جنہیں جہاں چاہیں لے جائیں جیسے خیمے جو سفر اور حضر دونوں حال میں آسان اور ہلکے ہیں یہ سب اللہ کا فضل ہے اور احسان ہے اور اللہ نے تمہاری آسائش کے لیے بھیڑوں کے بالوں اور اونٹوں کے بالوں اور بکریوں کے بالوں سے اثاثہ اور سامان منفعت بنایا جس سے تم ایک وقت اور مدت تک نفع اٹھاؤ یعنی ان کے کہنہ ہونے تک یا وقت موت تک اس سامان سے نفع اٹھاؤ۔

دلیل دوازدہم | اور من جملہ دلائل قدرت الوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہاری راحت اور محافظت کی چیزوں کو پیدا کیا چنانچہ تمہارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں

میں سے بعض سے تمہارے لیے سایہ بنا دیا جس سے تم گرمی اور سردی اور برف و باراں وغیرہ کی تکلیف سے بچتے ہو۔ سایہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کے سایہ میں آدمی رہتا ہے جیسے مکان اور دیوار اور درخت وغیرہ اگر وہ اپنی رحمت سے سایہ دار چیزیں نہ پیدا کرتا تو سردی اور گرمی سے حفاظت مشکل ہو جاتی۔

دلیل سیزدہم اور من جملہ دلائل قدرت والوہیت یہ امر ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے پہاڑوں میں چھپ رہنے کو جگہیں بنائی ہیں۔ یعنی غار وغیرہ بنائے جہاں سردی اور گرمی اور بارش اور دشمن اور موذی جانور سے محفوظ رہ سکے اور جس میں گھر بنانے کی استطاعت نہ ہو وہ وہاں پناہ لے سکے یہ سامان حفاظت بھی اسی کی قدرت اور نعمت کا کرشمہ ہے۔

دلیل چہار دہم اور من جملہ دلائل قدرت و وجوہ نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے ایسے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں۔ سراپیل سے مطلق لباس مراد ہے

اور مطلب یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تم کو گرمی سے بچاتا ہے اور سردی سے بھی بچاتا ہے۔ مگر آیت میں ایک شق کو بیان کر دیا تو دوسری شق کو اس پر قیاس کر لیا جائے چونکہ عرب میں گرمی کی شدت تھی اس لیے آیت میں صرف حر کا ذکر فرمایا اور برد کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے مختلف مواضع میں اپنی مختلف نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جگہ گرمی سے حفاظت کا ذکر فرمایا اور کسی جگہ سردی کے سامان حفاظت کا ذکر فرمایا۔

نیز گرمی سے حفاظت اور بچاؤ کا سامان برد و دت ہی کے حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے اس لیے تَقِيْكُمْ الْحَرَّ میں حر کے ذکر پر اکتفاء کیا اور اس طرح نہیں فرمایا کہ تَقِيْكُمْ الْحَرَّ وَالْبُرْدَ، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ایسے کرتے بھی بنائے جو تم کو آپس کی لڑائی کی زد سے بچائیں جیسے زرہیں اور جو ہتھیار جنگ میں بچاؤ کے لیے پہنے جاتے ہیں۔

امتنان براتمام احسان

اب ان دلائل قدرت و وجوہ نعمت کے بیان کے بعد فرماتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم اس منعم حقیقی کے سامنے گردن جھکا دو اور ہر نبیٰ مومن سے زبان شکر بن جاؤ پس اگر یہ ناقدرے اور ناشکرے منعم حقیقی کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے اعراض کریں تو آپ کوئی غم نہ کریں کیونکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ صرف صاف کھول کر اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے ان کے اعراض کا وبال ان کی گردن پر ہے۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو خوب پہچانتے ہیں پھر باوجود اس علم یقینی کے ان نعمتوں کے منکر ہو جاتے ہیں ان میں سے بعض اگرچہ شکر گزار بھی ہیں لیکن ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔ اللہ کے انعامات کو دیکھتے ہیں اور اس کے احسانات کو سمجھتے ہیں اور دل سے

مانتے ہیں مگر عناد اور ضد کی بناء پر ان کا انکار کرتے ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا

اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقے میں ایک بتانے والا پھر

يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۴﴾

حکم نہ ملے منکروں کو اور نہ ان سے توبہ مانگیے۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ

اور جب دیکھیں بے انصاف مار پھر ہلکی نہ ہو

عَنَّهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ

ان سے اور نہ ان کو ڈھیل ملے۔ اور جب دیکھیں شریک

أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا

پکڑنے والے اپنے شریکوں کو، بولیں اے رب یہ ہمارے شریک ہیں

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَالْقَوَا إِلَيْهِمْ

جن کو ہم پکارتے تھے تیرے سوا۔ تب وہ ان پر ڈالیں

الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۶﴾ وَالْقَوَا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ

بات کہ تم جھوٹے ہو۔ اور آہڑیں اللہ کے آگے اس دن

بِالسَّلَامِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۷﴾

عاجز ہو کر، اور بھول جاوے انکو جو جھوٹ باندھتے تھے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ

جو منکر ہوئے ہیں اور روکتے رہے ہیں اللہ کی راہ سے انکو ہم نے بڑھائی

عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾

مار پر مار ، بدلہ اس کا جو شرارت کرتے تھے ۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ

اور جس دن کھڑا کریں گے ہم ہر فرقے میں ایک بتانے والا ان پر انہی

أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ وَ

میں کا اور تجھ کو لادیں بتانے کو ان لوگوں پر ۔ اور

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَ

اتاری ہم نے تجھ پر کتاب بیورا (کھول سنانے والی) ہر چیز کا اور راہ کی سوجھ

رَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾

اور مہر اور خوشخبری محکمہ داروں کو ۔

ذکر قیامت

قال اللہ تعالیٰ - وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ... الی ... وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ہ (ربط) یہاں تک حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا اور یہ فرمایا کہ بہت سے لوگ اللہ کی نعمت کو خوب پہچانتے ہیں۔ پھر اللہ کی نعمت کے منکر بنے ہوئے ہیں اب قیامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اس دن ان کا فردوں کو جنہوں نے دیدہ دانستہ حق تعالیٰ کے انعامات و احسانات کا کفر کیا اور انکار کیا کیا حال اور آل ہوگا اس دن سب کا حساب و کتاب ہوگا اور سب سے باز پرس ہوگی۔ اور سب ذلیل و خوار ہوں گے اور انبیاء کی گواہی سے ان کا جرم ثابت ہوگا۔ گواہی کے بعد کفار اجازت چاہیں گے کہ ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تو یہ درخواست منظور نہ ہوگی اور ان کے فرضی معبود ان کی تکذیب کر دیں گے غرض یہ کہ ان آیات میں کفار کی دار آخرت میں ذلت و رسوائی کا بیان ہے کہ یہ لوگ اس دن ذلیل و خوار ہوں گے اور ان کو عذر کا موقع بھی نہیں ملے گا کیونکہ اتمام حجت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب مبین نازل فرمادی ہے جس میں دین و دنیا کے تمام امور کو بتلادیا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہم کھڑا کریں گے ہر امت میں سے ایک گواہ جو ان منکرینِ نعمت کے انکار کا پردہ چاک کرے گا اور ان کے کفر و شرک پر گواہی دے گا کہ ہم نے ان کو خدا کا حکم پہنچا دیا تھا مگر پھر بھی یہ نہ مانے یہ گواہ انبیاء کرامؑ ہوں گے جو اپنی امت پر ان کے اچھے اور بُرے اعمال پر گواہی دیں گے اور ان کی گواہی پر نہ کوئی جرح کر سکے گا اور نہ قدح جو وہ کہہ دیں گے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔ پھر انبیاء کرامؑ کی شہادت کے بعد ان کافروں کو کچھ بولنے کی اجازت نہ دی جائے اور نہ ان سے کوئی معذرت اور توبہ طلب کی جائے گی۔ یعنی ان کا کوئی عذر مسموع نہ ہوگا اس لیے کہ عذر اور توبہ کا وقت گزر چکا ہے۔ آخرت تو دار الجزاء ہے نہ کہ دار العمل۔ اب وقت سزا کا ہے نہ کہ کسی عمل کا۔ اور جب وہ لوگ جنہوں نے کفر اور شرک اور گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور گواہوں کی گواہی کے بعد ان کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو گیا۔ یہ لوگ جب عذاب دوزخ کو دیکھیں گے اور دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو بللائیں گے اور چلائیں گے اور مالک (دوزخ کے مہتمم) سے تخفیف عذاب کی درخواست کریں گے تو ان سے نہ عذاب میں تخفیف کی جائے گی کہ ان سے عذاب کچھ ہلکا اور کم کر دیا جائے اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔ کہ چند روز کے دفعہ کے بعد عذاب شروع ہو مطلب یہ ہے کہ گواہوں کی گواہی کے بعد عذاب شدید کا فیصلہ ہو چکا ہے اب اس میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا اور جب وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں شرک کیا تھا قیامت کے دن اپنے مقرر کیے ہوئے شریکوں یعنی بتوں اور معبودوں کو دیکھیں گے جنہیں خدا کا شریک کہتے تھے تو بطور اقرار جرم و خطا اپنے اوپر سے الزام اٹھانے کے لیے یہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار یہ ہمارے مقرر کیے ہوئے شریک ہیں جنہیں ہم تیرے سوا معبود کہہ کر اپنی حاجت روائی کے لیے پکارا کرتے تھے انہیں کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے اور انہیں کی وجہ سے ہم مارے گئے۔ ورنہ ہم تو بے قصور ہیں۔ شاید یہ کہنا اس غرض سے ہوگا کہ اس بہانہ سے عذاب میں کچھ کمی واقع ہو جائے یا عذاب تقسیم ہو جائے۔ ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور اپنی خفت اور ندامت دور کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کرتا ہے تو وہ شرکاء ڈر جائیں گے کہ ہم سے باز پرس نہ ہونے لگے۔ اپنی بے تعلقی ظاہر کر کے غرض سے بات انہیں کی طرف ڈال دیں گے اور فوراً ان کے جواب میں کہیں گے بلاشبہ تم جھوٹے ہو اور تمہارا ہم پر گناہ کا حوالہ کرنا اور اپنے جرم کا ہم کو سبب قرار دینا سب جھوٹ ہے ہم نے تم سے کب کہا تھا کہ ہم خدا کے شریک اور تمہارے حاجت روا ہیں تم ہماری پرستش کو تمہاری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ”جو لوگ پوجتے ہیں بزرگوں کو وہ بزرگ بے گناہ ہیں ایک شیطان اپنا وہی نام رکھ کر آپ کو بہوتا ہے اسی سے ان کو کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔“

غرض یہ کہ معبود۔ عابدوں کی تکذیب کریں گے اور اپنی برائت اور بے تعلقی کا اظہار کریں گے تاکہ ہم پر کوئی آفت اور مصیبت نہ آئے۔ انبیاء اور ملائکہ اور شیطاں جن کو مشرکین نے معبود بنایا ہوا تھا۔

وہ تو ان کی تکذیب کر دیں گے اور کہہ دیں گے کہ تم جھوٹے ہو اور بُت اگرچہ دنیا میں نہیں بول سکتے مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو گویائی عطا کر دے گا تاکہ کفار اور مشرکین پشیمان ہوں کہ ہمارے معبود خود ہم کو جھوٹا بتلا رہے ہیں اور جب پیغمبروں اور فرشتوں کی تکذیب سے یہ بدنصیب ذلیل و خوار ہو جائیں گے۔ اور ان پر اللہ کا الزام قائم ہو جائے گا تو دوسری فکر کریں گے اور وہ یہ کہ اللہ کی طرف اطاعت اور فرمانبرداری کو ڈالیں گے یعنی جب اپنے معبودوں کی شفاعت سے ناامید ہو جائیں گے تو اپنے گناہ کا اقرار کر کے حکم الہی کے سامنے گردن ڈال دیں گے مگر اس وقت کی اطاعت اور انقیاد کچھ نفع نہ دے گی۔

ع۔ بچوں کا زردست رفت فریاد چہ سود

اور ان کی ساری افتراء پردازی جاتی رہے گی۔ یعنی دنیا میں جو افتراء کرتے تھے کہ بت ہماری شفاعت اور دستگیری کریں گے۔ وہ سب بیکار ثابت ہوگا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ ان کی تکذیب کریں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ سب جھوٹے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں یہ تو کجبت خود ہی کافر ہوئے اور دوسروں کو بھی خدا کی راہ سے باز رکھا ہم ان پر عنقریب عذاب زیادہ کریں گے ایک عذاب تو ان کے ذاتی کفر کے مقابلہ میں ہوگا اور دوسرا عذاب بمقابلہ ان کے فساد کے ہوگا کہ دوسروں کو اسلام لانے سے روکتے تھے خود بھی طریق حق کو اختیار نہ کیا اور دوسروں کو بھی اس راہ پر چلنے سے روکا اس لیے دوسرے عذاب کے مستحق ہوئے کفر کرنا اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکنا اور مسلمان کو ستانا اور اس کی تحقیر کرنا اور احکام شریعت کے اجراء و تنفیذ میں مزاحمت کرنا یہی سب سے بڑا فساد ہے کفر اور شرک سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں غرض یہ کہ ہر نبی اپنی امت کے اعمال اور احوال پر گواہ ہوں گے۔

اب آئندہ آیت میں مضمون ہذا کی تاکید ہے البتہ اتنی بات زیادہ ہے کہ آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا ذکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جس دن ہر امت میں سے ان پر ایک گواہ کھڑا کریں گے یعنی اس امت کا پیغمبر جو ان پر گواہی دے گا اور وہ گواہ ان ہی میں سے ہوگا یعنی انہی کی قوم میں سے ہوگا تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے اور عذر و معذرت کی گنجائش نہ رہے اس دن کافروں کی مٹی بہت خراب ہوگی۔ اور ہم لائیں گے تجھ کو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں پر یعنی تیری امت پر گواہ کہ تو مؤمنوں کے ایمان کی اور کافروں کے کفر کی گواہی دے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ھُوَ لَآءٍ سے انبیاء سابقین مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن جب امتیں اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گی اور یہ کہیں گی کہ ہم کو اللہ کا پیغام نہیں پہنچا تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیں گے کہ تمام احکام کو صاف صاف اور اچھی طرح پہنچا دیا۔ اور یہ کفار اور منکرین جھوٹے ہیں اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بلکہ افضلیت اور کافروں کی فضیحت ظاہر ہوگی بہر حال قیامت کے دن تمام انبیاء اور ائمہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپ کی سیادت و افضلیت کی دلیل ہے۔ اور علاوہ انہی آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کی سیادت و افضلیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ

ہم نے آپ پر یہ کتاب یعنی قرآن اتارا جس میں دنیا و دین کی سب چیزوں کا بیان ہے یعنی تمام علوم و ہدایت اور اصول دین اس جامع کتاب میں صراحتہ یا اشارتہ اور کنایتہ یا بطور حوالہ اس میں موجود ہیں بعض چیزیں صراحتہ قرآن کریم میں مذکور ہیں اور بعض چیزیں قرآن کریم میں اجمالاً اور اشارتہ مذکور ہیں لیکن ان کی تفصیل و تشریح کو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کے حوالہ کیا مَّا أَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا اور حکم دیا کہ ہمارے نبی کا اتباع کرو وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

اگر سنت نبوی میں کوئی اشتباہ پیش آئے تو علماء ربانین اور را سخیں فی العلم کا جس چیز پر اجماع اور اتفاق ہو جائے اس کا اتباع کر دجیسا کہ امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ میں سبیل المؤمنین سے اہل علم کا اجماع اور اتفاق مراد ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آلِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت کے اتباع کا حکم دیا ہے اور خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ نے ان امور میں جن کا حکم صراحتہ کتاب سنت میں نہ پایا وہاں قیاس اور اجتہاد سے کام لیا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ اسی طرح سے اجماع اور قیاس بھی علوم قرآنیہ سے ہوگا جس طرح حدیث نبویؐ قرآن کریم کی تفسیر ہے اسکا غیر نہیں اسی طرح اجماع صحابہؓ اور قیاس صحابہؓ حدیث نبویؐ کی شرح اور اس کی توضیح ہے اور تلویح ہے اس کا غیر نہیں اس طرح سے تمام چیزوں کا بیان قرآن میں ہے اور یہ جامع کتاب یعنی قرآن خدا کے فرمانبردار بندوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے اور بشارت ہے۔ یعنی یہ کتاب مستطاب سارے عالم کے لیے مشعلِ ہدایت ہے راہِ حق دکھاتی ہے اور فرماں برداروں کے لیے بارانِ رحمت اور جنت کی بشارت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کو ، اور بھلائی کو اور دینے کو ناتے والے

الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ

کے ، اور منع کرتا ہے بے حیائی کو اور نامعقول کام کو اور سرکشی کو

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝۹۰ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ

تم کو سمجھاتا ہے شاید تم یاد رکھو ۔ اور پورا کرو اقرار اللہ کا

إِذَا عٰهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا

جب آپس میں اقرار دو، اور نہ توڑو قسمیں پکی کیے پیچھے اور کرکر

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا ۖ إِنَّ اللَّهَ

اللہ کو اپنا ضامن - اللہ جانتا

يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ

ہے جو کرتے ہو - اور نہ ہو جیسے وہ عورت کہ توڑا

غُرْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۖ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ

اپنا سوت کاتا محنت کیے پیچھے ٹکڑے ٹکڑے کر ٹھہراؤ اپنی قسمیں پیٹھنے

دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ

کا بہانہ ایک دوسرے میں اس واسطے کہ ایک فرقہ ہو کہ زیادہ چڑھ رہا

أُمَّةٍ ۖ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۖ وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ

دوسرے سے، تو یہ اللہ پرکھتا ہے تم کو اس سے۔ اور آگے کھول دے گا اللہ تم

الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

کو قیامت کے دن جس بات میں تم پھوٹ رہے تھے - اللہ چاہتا تو

لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَ

تم سب کو ایک ہی فرقہ کرتا، لیکن بہکاتا ہے جس کو چاہے اور

يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَتَسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۹۳﴾

سو جھاتا ہے جس کو چاہے اور تم سے پوچھ ہونی ہے جو کام تم کرتے تھے۔

وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ

اور نہ ٹھہراؤ اپنی قسمیں رکنے کا بہانہ ایک دوسرے سے کہ ڈگ نہ جائے

بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوْءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ

کسی کا پاؤں جھے پیچھے اور تم چکھو سزا اس پر کہ تم نے روکا

سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۹۳﴾ وَلَا

اللہ کی راہ سے ۔ اور تم کو بڑی مار ہو ، اور نہ

تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ

لو اللہ کے اقرار پر مول تھوڑا ۔ بے شک جو اللہ کے

هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ

ہاں ہے وہی بہتر ہے تم کو اگر تم جانتے ہو ۔ جو تم پاس ہے

يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ ۖ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ

نہر جائے گا اور جو اللہ پاس ہے سو رہتا ہے ، اور ہم بدلے میں دیں گے

صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾

ٹھہرنے والوں کا حق ، بہتر کاموں پر جو کرتے تھے ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ

جس نے کیا نیک کام ، مرد ہو یا عورت اور وہ

مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

یقین پر ہے تو اس کو ہم جلاویں گے اچھی زندگی اور بدلے میں دیں گے

أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۷﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ

ان کو حق ان کا بہتر کاموں پر جو کرتے تھے ۔ سو جب تو پڑھنے

الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾

گے قرآن ، تو پناہ لے اللہ کی شیطان مردود سے ۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ

اس کا زور نہیں چلتا ان پر جو یقین رکھتے ہیں اور اپنے

رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ إِنَّمَا سُلْطَنُهُ عَلَى الَّذِينَ

رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس کا زور انہی پر ہے جو اس کو رفیق

يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾

سمجھتے ہیں، اور جو اس کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

تلقین مکارم اخلاق و محاسن اعمال و آداب

قال الله تعالى: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ... إِلَى... وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ه (ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا تھا کہ یہ قرآن ہر شے کا بیان ہے اور وہ ایک جامع کتاب ہے اور ہدایت اور رحمت ہے اور اہل ایمان کے لیے بشارت ہے اب ان آیات میں بتلاتے ہیں کہ یہ قرآن جو اللہ نے آپ پر نازل کیا ہے وہ تمام مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور اعمال خیر کا حکم دیتا ہے اور تمام برائیوں اور بد اخلاقیوں اور بد اعمالیوں سے منع کرتا ہے اور قوت غضبہ اور قوت شہویہ کی اصلاح کرتا ہے کہ نہ کوئی فحش بات زبان سے نکالو اور نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ قسم کھا کر توڑو اور نہ خدا سے بد عہدی کرو اور ہر وقت یہ خیال رکھو کہ یہ دنیا دار فانی ہے اور قیامت آنے والی ہے۔ جس دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہو گا ایسی کتاب کے کتاب ہدایت اور کتاب رحمت اور کتاب بشارت ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اور ایسی کتاب کی جامعیت اور کاملیت میں کیا تردد ہو سکتا ہے گویا کہ گزشتہ آیت (تَبَيَّنَّا أَنَّا تَكْلِفُ شَيْءًا) کی دلیل اور برہان ہے اور چونکہ یہ آیت اجمالاً تمام عقائد حقہ اور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کے حکم پر اور تمام فواحش اور منکرات اور اعمال بد کی مانعت پر مشتمل ہے تو عجب نہیں کہ شاید اسی جامعیت کے لحاظ سے خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیزؓ نے خطبہ جمعہ کے اخیر میں اس کو درج کرنے کا حکم دیا کہ اس میں تمام اچھی باتوں کا حکم اور تمام بُری باتوں سے مانعت کا حکم اجمالاً مذکور ہے لہذا ایسی کتاب مستطاب پر دوڑ کر ایمان لانا چاہیے۔ بعد ازاں یہ بتلایا کہ ہدایت اور ضلالت سب اس کے قبضہ قدرت میں ہیں جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کرے اور اخیر میں یہ بتلایا کہ شیطان کے پنجہ سے رہائی کا طریقہ یہ ہے کہ شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو اور اللہ پر بھروسہ رکھو چنانچہ فرماتے ہیں۔ تحقیق اللہ تعالیٰ اس کتاب مستطاب (قرآن) میں جو اس نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی ہے اور جس میں ہر شے کا بیان ہے اور جو مسلمانوں کے لیے خاص طور پر ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے خاص طور پر تم کو تین باتوں کا حکم دیتا ہے اول عدل اور انصاف کا یعنی ہلاکم و بیش سب کے حقوق

ادا کرو اور سب چیزوں میں خواہ وہ اعتقاد سے متعلق ہوں اعتدال اور توسط اور میانہ روی کو ملحوظ رکھو ٹھیک افراط اور تفریط کے درمیان چلو۔ ترازو کا کوئی پلہ ادھر ادھر جھکنے نہ پائے اور نہ اٹھنے پائے عدل کے معنی لغت میں توسط کے ہیں یعنی دونوں جانبیں برابر ہیں نہ حد سے بڑھے اور نہ گھٹے اور آیت میں عدل سے اعتدال کے معنی مراد ہیں یعنی اعتقاد اور اقوال اور افعال سب میں درجہ اعتدال پر قائم رہو یعنی ہر ایک چیز کو اس کی حد پر رکھو اور اس سے تجاوز نہ کرو توحید عدل ہے اور شرک ظلم ہے عبادت خالق کا حق ہے نہ کہ مخلوق کا کسی کا حق ادا کرنا یہ عدل ہے اور کسی کا حق دوسرے کو دیدینا یہ ظلم ہے۔

اور ددم یہ کہ اللہ حکم دیتا ہے تم کو احسان اور بھلائی کا یعنی بذات خود لوگوں کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرو مطلب یہ ہے کہ غیر کے مقدمہ میں عدل و انصاف یعنی برابری چاہے اور اپنی طرف سے احسان اور بھلائی چاہے۔ مقام احسان۔ مقام عدل سے ذرا بلند ہے۔ عدل فرض ہے اور احسان نفل ہے۔ کیونکہ احسان ایسے ثواب کو کہتے ہیں جو واجب نہ ہو جیسے صدقہ نفلہ۔ مقدار واجب پر کمیت اور کیفیت کے اعتبار سے زیادتی کا نام احسان ہے اور عبادت میں احسان یہ ہے کہ اللہ کی بندگی اس طرح کرے۔ گویا کہ خدا دیکھ رہا ہے اس طرح کی عبادت اپنے ساتھ بھلائی اور نیکی ہے۔ اور معاملات میں احسان یہ ہے کہ اپنے حقوق اور انتقام سے درگزر کرے اور دوسرے کو اس کے استحقاق سے زیادہ نفع پہنچا دے۔ اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے خویش و اقارب کو دینے کا یعنی صلہ رحمی کیونکہ اقارب کا حق اجانب سے زائد ہے۔ عدل و انصاف تو دوست دشمن سب کے لیے برابر اور یکساں ہے اور احسان اور مروت میں بسا اوقات خصوصیت اور رعایت بھی ملحوظ ہوتی ہے یہ صلہ رحمی اگرچہ عدل میں یا احسان میں داخل ہے لیکن صلہ رحمی اور حق قرابت کا لحاظ اور پاسداری ایک مستقل نیکی اور بھلائی ہے اور عظیم احسان ہے اس خصوصیت کے ساتھ ذٰلِکَ اِیْتٰی ذٰی الْقُرْبٰی کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ قرآن اور حدیث صلہ رحمی سے بھرے پڑے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ لفظ رحم بمعنی قرابت اللہ کے نام پاک رحمن سے مشتق ہے۔ جو رحم (قرابت) کو وصل کرے یعنی ملا دے اللہ اس کو ملا دے اور جو رحم یعنی قرابت کو قطع کرے اللہ اس کو اپنی رحمت سے منقطع کرے یہی وجہ ہے کہ بعض صورتوں میں قریبی حاجتمند رشتہ دار کا نان و نفقہ واجب ہو جاتا ہے اور بعض صلہ رحمی مستحب ہے جیسے رشتہ دار کو ہدیہ اور تحفہ دینا تاکہ باہمی محبت اور الفت قائم رہے بہر حال صلہ رحمی احسان کا فردا کمل ہے اس لیے خاص طور پر اس کو علیحدہ ذکر فرمایا۔ کیونکہ قرابت داروں کی روپیہ پیسہ سے مدد کرنا اور ان کے ساتھ احسان کرنا عظیم عبادت ہے جس میں یہ تین صفتیں۔ عدل۔ اور احسان اور صلہ رحمی جمع ہو گئیں اس کی قوت عقلیہ اور ملکیہ مکمل اور مہذب ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب ہدایت اور شریعت نازل کی اس میں خاص طور پر تین حکم دیے ایک عدل و انصاف کا ددم احسان اور مروت کا۔ سوم صلہ رحمی کا۔ اب آگے ان چیزوں کو

بیان کرتے ہیں جن کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے وہ بھی تین چیزیں ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے تین چیزوں سے۔

(۱) بے حیائی سے یعنی ان بُرے کاموں سے جو شہوانی اور نفسانی قوت کے اشارہ پر کیے جائیں جیسے زنا اور لواطت۔ وغیرہ وغیرہ۔

(۲) اور دوم منع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم کو اس کام سے جو نامعقول اور ناپسندیدہ ہو جس کے کرنے والے کو لوگ بُرا کہیں۔ منکر کے معنی نامعقول اور ناپسندیدہ کے ہیں منکر سے وہ امور مراد ہیں جو شریعت کے نزدیک نامعقول اور ناپسندیدہ ہوں اور قوت غضبیہ اور سبعیہ کے اشارہ سے سرزد ہو رہے ہوں جیسے کسی کو قتل کر دینا یا کسی کا مال غصب کر لینا۔ قوت غضبیہ اور سبعیہ ہی انسان کو ایذا رسانی پر آمادہ کرتی ہے اور یہ امر تمام عقلاء کے نزدیک منکر یعنی ناپسندیدہ ہے۔

(۳) اور سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو ظلم اور تعدی سے یعنی اپنی حد سے تجاوز کر کے دوسروں پر غلبہ اور فوقیت کا خواہاں ہونا جسے تکبر اور تجبر کہتے ہیں۔ انسان میں جو قوت شیطانیہ اور قوت دہمیہ کا مادہ موجود ہے اس سے ظلم و تعدی اور سرکشی نمودار ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تنبیہ فرمادی کہ ان تینوں قوتوں کو یعنی قوت شہویہ قوت غضبیہ اور قوت شیطانیہ کو قابو میں رکھو اور قوت عقلیہ کو ان پر حاکم بناؤ تو تمہاری دنیا اور دین سب درست ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان ادا مرد نواہی کے ذریعے تم کو نصیحت کرتا ہے اسی میں تمہاری دنیا اور آخرت کی صلاح و فلاح ہے۔

اول کی تین باتیں ہر خیر کی اصل ہیں کسی عارف کا قول ہے کہ ملک اور سلطنت کی بقاء اور استقامت کا دار و مدار انہی چھ چیزوں پر ہے عدل کا ثمرہ فتح و نصرت اور احسان کا نتیجہ حسن ثناء اور نیک نامی ہے اور صلہ رحمی کا فائدہ انس اور الفت ہے اور فحشاء کا نتیجہ دین اور دنیا کی تباہی اور بربادی ہے اور منکر (نامعقول اور ناپسندیدہ) امور کا ثمرہ دشمنوں کو مقابلہ کے لیے آمادہ کرنا ہے اور بغی (یعنی ظلم اور زیادتی) کا نتیجہ مقاصد سے محرومی ہے۔

اور اخیر کی تین چیزیں اول کی تین چیزوں کے مقابلہ میں ہیں۔ فحشاء عدل کے مقابلہ میں ہے اور منکر احسان کے مقابلہ میں ہے اور بغی ظلم اور زیادتی اِنْبَائِیْ ذِی الْقُرْبٰی کے مقابلہ میں ہے۔

عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت یہ ہے جو سورہ نحل میں ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ۝۱۶۱ خُرِجَ الْبَخَارِیْ فِی الْاَدَبِ وَالْبِیْهَقِ فِیْ شُعْبِ الْاِیْمَانِ وَالْحَاکِمِ وَصَحِّهِ (روح المعانی ص ۲۰۰ جلد ۱۴)

اور عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ اعظم اور بزرگ ترین آیت، آیت الکرسی اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ اور خیر و شر کے بارہ میں سب سے زیادہ

جامع آیت اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ اور دربارہ تفویض و تسلیم یعنی سب کاموں کو اللہ کو سونپ دینے اور اس پر بھروسہ کرنے کے بارہ میں سب سے بڑھ کر یہ آیت ہے وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ الخ اور گنہگاروں کے لیے سب سے زیادہ امید دلانے والی یہ آیت ہے كُلُّ يَغِيَادِي الْاٰذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ، الخ

عثمان بن مظعونؓ اور اکثم بن صیفیؓ وغیرہ اسی آیت کو سن کر مشرف باسلام ہوئے کہ یہ آیت اعلیٰ ترین مکارم اخلاق کا حکم دیتی ہے اور تمام بے حیائیوں اور برائیوں سے منع کرتی ہے امام سیوطیؒ نے نقل کیا ہے کہ بعض بنو امیہؓ اپنے خطبوں کے اخیر میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غیر مناسب الفاظ سے ذکر کرتے تھے جب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ رجب ۹۹ھ ہجری میں خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اس کو ممنوع قرار دیا اور حکم دیا کہ خطبے کے اخیر میں یہ آیت پڑھی جائے اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ۔ اور سب سے پہلے خود عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس آیت کو خطبہ میں پڑھا۔ بحمدہ تعالیٰ آج بھی یہ سنت حسنہ جاری ہے۔

اور سب سے پہلے خطبہ میں اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتُہٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ۔ الخ خلیفہ مہدی عباسیؒ نے پڑھا۔ بحمدہ اللہ آج تک اس سنت پر بھی عمل جاری ہے۔ (روح البیان ص ۳۶۸، روح المعانی ص ۲۱۱)

ایفاء عہد کی تاکید اور غدار اور بدعہدی کی ممانعت اور تہدید

گزشتہ آیت میں اجمالی طور پر مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کا ذکر تھا اب ان میں سے بعض اہم امور کا خاص طور پر ذکر کرتے ہیں یعنی عہد کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں جس پر تمام دینی اور دنیوی کاموں کا دار و مدار ہے۔

بایوں کہو کہ گزشتہ آیت میں عدل و انصاف کا حکم تھا جس میں ایفاء عہد بھی داخل تھا اور غدار اور بدعہدی مُنکَر اور بغی میں داخل تھی۔

اب آگے خاص طور پر ایفاء عہد کی تاکید اور غدار اور بدعہدی کی ممانعت کا ذکر فرماتے ہیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں عام طور پر ان چیزوں کا اہتمام نہ تھا اور عہد و پیمان کی کوئی پرواہ نہ تھی جدھر قوت و کثرت دیکھی ادھر جھک گئے اور کمزور جماعت کے عہد و پیمان کو پس پشت ڈال دیا جیسا کہ آج کل مغربی اقوام کا شیوہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور تم پورا کرد اللہ کے عہد کو جب عہد کر لو۔ سب سے پہلا عہد جو بندوں نے

خدا کے ساتھ کیا وہ عہد اَلَسْتُ ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر عہد ہیں خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے وہ سب اس حکم میں داخل ہیں اور ان کا ایفاء واجب اور لازم ہے اور مت توڑ د قسموں کو پختہ کرنے کے بعد اللہ کا نام لینے سے قسم پختہ ہو جاتی ہے اور حالانکہ تم عہد کرتے وقت اور قسم کھاتے وقت اللہ کو اپنے اوپر ضامن بنا چکے ہو اس کے بعد اگر تم نے عہد شکنی کی اور قسم کو توڑا تو معلوم ہوا کہ تمہیں اللہ کی پرواہ نہیں تو خوب سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو قیامت کے دن تمہارے ایفاء اور عہد شکنی کی جزاء دے گا۔ اور عہد شکنی کر کے تم اس عورت کی مانند نہ بنو۔ جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد توڑ ڈالا اور بوٹی بوٹی کر کے اس نے نوح ڈالا۔ قریش میں ایک عورت تھی جس کا نام ریطہ تھا وہ بڑی بے وقوف اور احمق تھی۔ صبح سے لے کر دوپہر تک خود بھی سوت کاتی اور اپنی لڑکیوں سے بھی کتواتی۔ جب دوپہر ہو جاتی تو وہ عورت ان کو حکم دیتی کہ جس قدر سوت تم نے کاتا ہے سب توڑ ڈالو۔ ہمیشہ ہی اس کی عادت تھی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ محض تمثیل ہے کسی عورت کی طرف اشارہ نہیں اس سے فقط مثال دینا مقصود ہے کہ عہد کا توڑنا ایسا ہی ہے جیسے سوت کا کات کر اس کو توڑ ڈالنا۔ حق تعالیٰ نے عہد کے توڑنے کو ناگوار کرنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور یہ نصیحت فرمائی ہے کہ جس طرح وہ احمق عورت اپنے ناگے کو توڑ دیتی تھی تم اس کی طرح اپنے عہد کو پختہ کرنے کے بعد نہ توڑو کیلئے تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ اور فریب اور دغل کا ذریعہ اور بہانہ بنانا چاہتے ہو کہ تمہاری قسم سے مطمئن ہو کر دوسرا دھوکہ کھا جائے اور تمہارا یہ قسم توڑنا محض اس بنا پر ہے کہ ایک گروہ مال و دولت اور عددی کثرت میں دوسرے گروہ سے بڑھا ہوا ہے عرب کے لوگ ایک قوم کے ساتھ عہد کر لیتے اور وہ قوم ان کی طرف سے اطمینان کر لیتی۔ پھر جب دوسری قوم کو ان سے مال و دولت اور قوت اور عددی کثرت میں زیادہ دیکھتے تو ان سے عہد کر لیتے اور کمزور قوم کا عہد توڑ دیتے اور جیلے اور بہانے بنا کر ان سے عذر کر دیتے جیسے آج کل مغربی اقوام کا یہی شیوہ بنا ہوا ہے خدا تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اور دفاء عہد کا حکم دیا۔

جزایں نیست کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس حکم سے آزماتا ہے کہ دیکھیں عہد پورا کرتے ہیں یا جس کا پلہ قوت اور کثرت میں جھکا ہوا دیکھا ادھر جھک جاتے ہیں اور بے شک اللہ قیامت کے دن اس چیز کی حقیقت

۱۔ اشارہ اس طرف ہے کہ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ جملہ مستانفہ ہے اور حرف استفہام مقدر ہے امام رازی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ چنانچہ فرماتے ہیں فقولہ تعالیٰ۔ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلَا بَيْنَكُمْ۔ استفہام علی سبیل الانکار۔ والمعنی اَتَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلَا بَيْنَكُمْ۔ بسبب ان تكون امة ازید فی القوۃ والکثرة من امة الاخری۔ (تفسیر کبیر ص ۳۵۹ جلد ۵) اور بعض مفسرین کرام یہ فرماتے ہیں کہ تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ۔ جملہ حالیہ ہے لاکونون کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم عہد توڑ کر اس احمق عورت کے مشابہ نہ بنو۔ در آنحالیکہ تم قسموں کو آپس میں دھوکہ کا ذریعہ بناؤ۔

کو ظاہر کر دے گا۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے تم نے عہد توڑتے وقت یہ خیال کیا کہ جو جماعت زبردست اور کثیر التعداد ہے اس کے ساتھ ملنے میں عزت ہے سو خوب سمجھ لو کہ یہ عزت نہیں بلکہ ذلت ہے اور دنیا و آخرت میں فقیحت اور رسوائی کا ذریعہ ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہاری اس عہد شکنی کی حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔ اور سب کے سامنے تم کو فقیحت کرے گا اور یہ دنیا دار ابتلاء اور دار امتحان ہے اس لیے اس نے تم کو دنیا میں مختلف بنایا ہے کہ تمہارا امتحان کرے اگر وہ چاہتا کہ تم کو ابتلاء اور آزمائش میں نہ ڈالے تو البتہ وہ کر دیتا تم سب کو ایک گروہ کہ سب اسلام پر متفق ہوتے لیکن اس کی حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ باہم رہیں اور ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن بنے رہیں وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ظالم بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور دنیا میں اس کو مظلوم بنا دیتا ہے اسی وجہ سے دنیا میں بعض مومن اور اکثر کافر ہیں اور دونوں امتحان کے میدان میں ہیں۔

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ مُمْتَلِفِينَ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ عِبَادَتِي
نے اس باہمی اختلاف اور باہمی عداوت کے لیے سب کو پیدا کیا مگر جن پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہوا انہوں نے حق سے اختلاف نہیں کیا اور نہ اہل حق کے دشمن بنے۔ بہر حال اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو سب کو ایک دین پر کر دیتا لیکن اس کی مشیت اور حکمت یہ ہے کہ لوگ اس دار ابتلاء (دنیا) میں باہم مختلف رہیں کوئی ہادی اور مہتدی ہو اور کوئی ضال اور مضل ہو کوئی ظالم ہو اور کوئی مظلوم ہو اور کسی کی مجال نہیں کہ کوئی اس کے ارادہ اور مشیت کی علت اور حکمت پوچھ سکے وہ مالک مطلق ہے اس سے کوئی سوال اور باز پرس نہیں ہو سکتی۔ البتہ تم اس کے بندے ہو۔ اس لیے قیامت کے دن تم سے ضرور ان باتوں کی باز پرس ہوگی جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ پھر اس محاسبہ اور مواخذہ کے بعد تم میں سے نیکو کار کو جواز ملے گی اور گنہگار کو سزا ملے گی اور قیامت کے دن جن چیزوں پر باز پرس ہوگی اس میں تمہارا نقض عہد بھی ہوگا اور عہد شکنی پر خاص طور پر محاسبہ اور مواخذہ ہوگا۔

اب آگے پھر اپنے عہد پر قائم رہنے کی تاکید اور بدعہدی پر تہدید فرماتے ہیں۔ اور مت بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں دغا اور دخل اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارا قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا۔ یہ ایک مثل ہے ایسے شخص کی جو سیدھی راہ پر تھا پھر اس کا قدم ڈگمگا گیا مطلب یہ ہے کہ جھوٹی قسموں کو مکرو فریب کا ذریعہ بنا کر راہ راست سے نہ ہٹو۔ استقامت کے بعد طریق ہدایت سے ہٹنا بہت بُرا ہے اور تم چکھو دنیا میں سزا اس بات کی کہ تم نے عہد شکنی کر کے لوگوں کو راہِ خدا سے روکا کیونکہ تمہیں دیکھ کر دوسرے بھی عہد شکنی کریں گے اور غیر مسلم سمجھیں گے کہ جب مسلمان عہد شکن ہیں تو ان کا مذہب بھی عہد شکنی کی تعلیم دیتا ہوگا۔ یا کم از کم ان کے مذہب میں عہد شکنی کی ممانعت نہ ہوگی یہ دیکھ کر غیر مسلم اسلام سے متنفر ہو جائیں گے اور جس کا اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ بھی ہوگا وہ اسلام میں داخل نہ ہوگا اس طرح

تم لوگوں کو راہِ خدا سے روکنے کا ذریعہ بنو گے۔ اور تم کو دنیا میں اس کی برائی چکھنی ہوگی اور آخرت میں تمہارے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔ جو دنیا کے عذاب سے کہیں زیادہ سخت ہوگا۔ اور چونکہ انسان بعض مرتبہ مال و منال اور جاہ و جلال کو دیکھ کر حرص و طمع میں عہد شکنی کرتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں اس کی ممانعت فرماتے ہیں۔

اور اللہ کے عہد کے عوض میں دنیا کا تھوڑا سا مول نہ لو یعنی دنیوی مال و منال کے حصول کی غرض سے عہد شکنی نہ کرو اور اللہ کے نزدیک ساری دنیا ہی متاعِ قلیل ہے بے شک جو اجر و ثواب اللہ کے پاس ہے عہد پورا کرنے کے لیے وہ کہیں بہتر ہے اس مال و متاع سے جو تم کو عہد شکنی پر حاصل ہو اگر ہو تم جانتے۔ خوب سمجھ لو کہ دنیا کا جو عارضی مال و منال ہے وہ بڑ جائے گا اور ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا اور جو اجر و ثواب دارِ آخرت میں اللہ کے پاس تمہارے لیے ذخیرہ ہے وہ باقی رہے گا اس کے لیے فناء اور زوال نہیں باقی کے بدلہ میں فانی کو اختیار کرنا نادانی ہے مگر باقی کی امید پر اس دارِ فانی کے فانی مال و متاع کو ترک کرنے کے لیے صبرِ عظیم چاہیے اور یہ خیال نہ کرو کہ اس صبر کا اجر مشکوک اور موہوم ہوگا۔ بلکہ قطعی اور یقینی ہے ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ ان لوگوں کو جنہوں نے ایفلے عہد اور دیگر احکامِ دین کی بجا آوری میں جو تکلیف اور مصائب پیش آئیں ان پر صبر کیا۔ یعنی باوجود کفار کے جو دستم کے صبر سے کام لیا اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے ہم ضرور ان کو اجر دیں گے اور ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے کہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس دیں گے جو ہر حال میں ان کے عمل سے بہتر ہوگا یا یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے ایسے بہترین عمل یعنی صبر کا اجر دیں گے۔ اور صبر کا اجر بے حساب ہوگا اور صبر کو احسن اعمال اس لیے فرمایا کہ تمام اعمالِ صالحہ کی جڑ اور بنیاد صبر ہے یا یہ معنی ہیں کہ ہم ان کو بہترین اعمال کے اعتبار سے اجر و ثواب دیں گے یعنی ادنیٰ عمل کے مقابلہ میں وہی اجر و ثواب دیں گے جو اعلیٰ اور بہترین عمل کے مقابلہ میں دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے سارے اعمال قبول کریں گے اور کم تر کا ثواب بہتر دیں گے (روح المعانی ص ۲۵۱) یہاں تک ایفاء عہد کی تاکید اور نقض عہد پر تہدید تھی اب آئندہ آیت میں تمام اعمالِ صالحہ کے متعلق ایک عام ضابطہ بیان فرماتے ہیں جس نے نیک عمل کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ صاحبِ ایمان ہو اس لیے کہ بغیر ایمان کے اعمالِ صالحہ مقبول نہیں تو ہم ایسے شخص کو دنیا میں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ یعنی اس کو صلا روزی اور قناعت اور بھلائی کی توفیق دیں گے یہ پاکیزہ زندگی ہے جو شخص کفاف یعنی بقدر کفایت رزق پر قناعت کرے اور حرص و طمع میں نہ پڑے اس کی زندگی پاکیزہ ہے اور جو حرص و طمع میں پڑا اس کی زندگی بڑی گندی ہے اور ہم ان کو ان کے اعمال کا بہترین ثواب دیں گے جو ان کے اعمال سے کہیں بہتر اور برتر ہوگا جیسا کہ طیبہ سے سکون اور اطمینان کی زندگی مراد ہے اور یہ زندگی مطیعین اور صالحین کو حاصل ہوتی ہے۔ حضراتِ انبیاء اور اولیاء کو مصائب اور تکالیف ضرور پیش آتی ہیں رنج و غم بھی لاحق ہوتا ہے لیکن پریشانی نہیں ہوتی۔ جو جیسا کہ طیبہ کے منافی ہو۔ ہر چہ از دوست می رسد نیکو است بلکہ ایلام دوست بہ از انعام دوست کا مضمون ہوتا ہے۔ مصائب پیش نہ آئیں تو صبر کی فضیلت کہاں سے حاصل ہو دوا اگر تلخ

شیطان ان کو انگلیوں پر نہچاتا ہے اور اس کا قابو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں۔ بعض مرتبہ اگرچہ اہل ایمان بھی شیطان کے بہکانے سے گناہ کر بیٹھتے ہیں۔ اور دھوکہ کھا جاتے ہیں مگر اہل ایمان شیطان کو اپنا بدترین دشمن سمجھتے ہیں جب شیطان ان کو بہکاتا ہے تو حتیٰ الوسع اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اگر کسی وقت پٹھنی کھا جاتے ہیں تو کھڑے ہو جاتے ہیں اور توبہ واستغفار کرنے لگتے ہیں کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اَتَقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذٰکُرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ وَاِخْوَانُهُمْ یَمْدُدُوْنَ لَهُمُ الْغٰیۃَ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ۔ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کے زور کے معنی یہ ہیں کہ بے دھڑک گناہ کرتے ہیں اور شرماتے نہیں اور توبہ نہیں کرتے۔

وَ اِذَا بَدَّلْنَا آیَةً مَّكَانَ آیَةٍ ۙ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنْزِلُ

اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری، اور اللہ بہتر جانتا ہے جو اُتارتا ہے

قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مُفْتِرٌۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۱

تو کہتے ہیں تو تو بنالانا ہے یوں نہیں پر ان بہتوں کو خبر نہیں۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِۙ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

تو کہہ، اس کو اُتارا ہے پاک فرشتے نے تیرے رب کی طرف سے تحقیق

لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًی وَّ بُشْرٰی

تا ثابت کرے ایمان والوں کو اور راہ کی سوجھ اور خوشخبری

لِلْمُسْلِمِیْنَ ۝۱۰۲ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا

مسلمانوں کو۔ اور ہم کو معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو

یَعْلَمُهُۥۙ بَشَرٌۭ لِّسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِۙ اَعْجَبٰۤی

تو سکھاتا ہے آدمی۔ جس پر تعریف کرتے ہیں اس کی زبان ہے ادبیری،

وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۰۳ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا

اور یہ زبان عربی صاف۔ جن کو اللہ کی باتیں

يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ

یقین نہیں آتیں ، ان کو اللہ راہ نہیں دیتا ، اور ان کو

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۱۰۴ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا

دُکھ کی مار ہے - جھوٹ بناتے وہ ہیں جن کو

يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۱۰۵ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۱۰۵

یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں -

منکرین نبوت کے چند شبہات اور ان کے جوابات

قال الله تعالى. وَإِذَا بَدَلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ --- الى --- وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ هـ
(ربط) اب یہاں سے منکرین نبوت کے چند شبہات نقل کر کے اس کا جواب دیتے ہیں۔ اصول
دین میں پہلی اصل توحید ہے اور دوسری اصل نبوت ہے دلائل توحید کے بعد نبوت کے متعلق چند
شبہات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآن مجید کا جب کوئی حکم منسوخ ہو جاتا تو کفار کہتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اپنے اصحاب سے مسخرہ پن کرتے ہیں کبھی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور پھر اس سے منع کر دیتے ہیں۔
وَإِذَا بَدَلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ میں اس شبہ کا ذکر فرمایا اور بتلادیا کہ نسخ احکام کے مصالح کو ہم خوب
جانتے ہیں تم نہیں جانتے۔ اللہ کا ہر حکم مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

اور منکرین نبوت دوسرا شبہ یہ کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین اور امم سابقہ
کے حالات کسی سے سُن کر اور سیکھ کر آتے ہیں اور ان سُننی سنائی اور سیکھی سکھائی باتوں کو اللہ کا کلام کہہ
کر لوگوں کے سامنے آکر بیان کر دیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ
إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ۔

اس آیت کریمہ میں ان کے اس شبہ کا یہ جواب دیا کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آپ کسی سے سُن
کر یہ قصے بیان کرتے ہیں تو یہ بتلاؤ کہ ایسی فصیح و بلیغ عبارت آپ نے کیسے بنالی جس کے معارضہ اور مقابلہ
سے تمام بلغاء عرب عاجز و درماندہ ہیں کیا یہ عربی عبارت بھی اسی غلام نے آپ کو سکھائی ہے وہ غلام
تو عجی ہے۔ عربی زبان میں بات بھی نہیں کر سکتا۔ یہ فصاحت و بلاغت تو درکنار اور اگر بالفرض یہ بھی مان
لیا جائے تو تم بھی اس عجی غلام سے قرآن جیسی ایک سورت بنوالاؤ۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور ایک آیت اور حکم منسوخ کر کے دوسری آیت اور دوسرا حکم نازل کرتے ہیں حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے اور جو حکم اس نے پہلے نازل کیا اور جو بعد میں نازل کیا اس کی حکمت اور مصلحت وہی خوب جانتا ہے تو کافر کہتے ہیں کہ بس تو تو مفتری ہے اپنی طرف سے ایک حکم بناتا ہے اور اپنے ساختہ اور پرداختہ کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اللہ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ ایک حکم کو نازل کرے اور پھر اسے منسوخ کر دے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا یہ جواب ارشاد فرمایا کہ اللہ جو حکم نازل کرتا ہے وہ اس کی حکمت اور مصلحت کو خوب سمجھتا ہے جس وقت جو حکم مناسب معلوم ہوتا ہے وہی حکم دیتا ہے اس کی مثال طبیب کا نسخہ بدلنے کی ہے طبیب کا نسخہ نہ پہلا غلط ہے نہ پچھلا۔ طبیب مرض کے حال کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے پس اس پر اعتراض کرنا حماقت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ تو مفتری نہیں بلکہ ان میں کے اکثر جاہل اور نادان ہیں نسخ احکام کی حکمت اور مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو پاک روح یعنی جبرئیل امینؑ تیرے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ لے کر نازل ہوئے اس میں کذب اور افتراء کو ذرہ برابر دخل نہیں۔ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مرتبہٴ اعجاز کو پہنچا ہوا ہے اور معنوی انوار و برکات کے لحاظ سے قلب کو منور اور مطمئن کرتا ہے پروردگار عالم نے یہ کلام بندوں کی تربیت کے لیے نازل فرمایا ہے تاکہ اہل ایمان کو دین پر ثابت قدم رکھے اور ان کی نورانیت اور قوت اور سکینت اور طمانینت میں زیادتی کرے تاکہ ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہ آنے پائے اور سمجھ جائیں کہ ہمارا پروردگار ہمارے احوال سے خبردار ہے۔ اور اطاعت شعاروں کے لیے ہدایت اور بشارت بنے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ ظلمت و تاریکی میں ان کی راہ نمائی کرے اور راہ حق ان کو سمجھا دے اور بتلا دے۔ اور بشارت کا مطلب یہ ہے کہ فرمانبرداروں کو جنت کی خوشخبری دے تاکہ یہ مسلمین، مؤمنین، مخلصین کے درجے کو پہنچ جائیں۔

کافروں کا دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

اور البتہ تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرستہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن تو ان کو ایک آدمی سکھلاتا ہے۔ مکہ میں بلعام نامی ایک نصرانی لوہار تھا اس کی زبان عجی تھی۔ مشرک کہتے تھے کہ محمدؐ کو قرآن بلعام سکھاتا ہے خدا تعالیٰ نے ان کے اس بہتان کا یہ جواب دیا کہ زبان اس شخص کی جس کی طرف وہ قرآن کے سکھانے کو منسوب کرتے ہیں عجی ہے اور غیر فصیح ہے اور یہ قرآن صاف اور فصیح عربی ہے اور ایسا فصیح و بلیغ ہے کہ فصحاء و بلغاء اس کے معارضہ سے عاجز اور درماندہ ہیں پس جو شخص صاف عربی بولنے پر

بھی قادر نہ ہو وہ دوسرے کو ایسا فصیح و بلیغ کلام کیونکر سکھا سکتا ہے۔
 معلوم ہوا کہ یہ قرآن نہ تعلیم بشری ہے اور نہ خود آپ کا ساختہ اور پرداختہ ہے بلکہ وحی ربانی
 اور تنزیل سبحانی ہے ایسے علوم و معارف اور مکارم اخلاق اور محاسن آداب اور ایسی فصاحت و بلاغت
 ایک عجیب لوہار کے پاس کہاں سے آئی بفرض محال اگر یہ فضل و کمال کسی لوہار کے پاس ہوتا تو دنیا اس کے
 قدموں میں گر جاتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نام بھی نہ لیتا بہر حال ایسی مہمل بات سوائے
 کور باطن کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔ عقلاً یہ بات ناممکن ہے کہ ایسا فاضل معلم جس نے آپ کو ایسے عجیب و غریب
 علوم کی تعلیم دی کہ دنیا اس کے نام سے بھی واقف نہ ہو حتیٰ کہ مکہ کے لوگ بھی اس سے واقف نہ ہوں اگر
 آپ نے کسی معلم سے تعلیم پائی ہوتی تو کم از کم حضور پُر نور کے برابر تو تاریخ میں اس کا نام و نشان ملتا۔
 بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اور باوجود دلائل اعجاز کے اس کی تصدیق نہیں کرتے۔
 اللہ ان کو دنیا میں راہ راست نہیں دکھلاتا اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے اور معاذ اللہ یہ لوگ جو
 آپ کو مفتری بتلاتے ہیں آپ مفتری نہیں مفتری اور جھوٹ بنانے والے وہ لوگ ہیں جو دیدہ دانستہ اللہ کی
 آیات کو نہیں مانتے اور حقیقت میں ایسے ہی لوگ جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ اِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ۔
 اور دیدہ دانستہ جھوٹ بولتے ہوئے نہیں جھکتے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۙ اِلَّا مِنْۢ اُكْرِهٖۙ

جو کوئی منکر ہوا اللہ سے یقین لائے پیچھے مگر وہ نہیں جس پر زبردستی

وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِاِلٰہِیْمَانٍۙ وَلٰكِنْۢ مَنْ شَرَّحَ

کی اور اس کا دل برقرار رہے ایمان پر ، لیکن جو کوئی دل کھول کر

بِاِلْکُفْرِۙ صَدْرًاۙ فَعَلٰیہُمْۙ غَضَبٌۢ مِّنَ اللّٰهِۙ وَلَهُمْۙ

منکر ہوا ، سو ان پر غضب ہے اللہ کا ، اور ان کو

عَذَابٌۢ عَظِیْمٌۙ ۝۱۰۶ ذٰلِكَۙ بِاَنَّهُمْۙ اسْتَحَبُّوا الْحٰیۡوۃَ

بُری مار ہے ۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے عزیز رکھی

الدُّنْیَا عَلٰی الْاٰخِرَةِۙ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ

دنیا کی زندگی آخرت سے ، اور اللہ راہ نہیں دیتا منکر لوگوں

الْكَافِرِينَ ۝ اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

کو - وہی ہیں کہ نہر کر دی اللہ نے ان کے دل پر

وَسَمِعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۰۸

اور کانوں پر اور آنکھوں پر - اور وہی ہیں بے ہوش -

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۱۰۹

آپ ہی ثابت ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں -

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا

پھر یوں ہے کہ تیرا رب، ان لوگوں پر کہ وطن چھوڑا ہے بعد اس

فِتْنٰوًا ثُمَّ جِهَدُوْا وَصَبَرُوْا ۚ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

کے کہ بچلائے (آزمائے) گئے پھر لڑتے رہے اور ٹھہرے رہے، تیرا رب ان

بَعْدَهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۱۰

باتوں کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔

حکم مرتد

قال اللہ تعالیٰ - مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۙ ... الی ... لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (ربط) گزشتہ آیت میں ان مجرمین کا ذکر تھا جو شواہد نبوت اور دلائل رسالت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ ان سے بڑھ کر مجرم وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لانے اور تسلیم کرنے کے بعد شیطانی شبہات اور نفسانی وساوس سے متاثر ہو کر حق سے منحرف اور برگشتہ ہو جائیں۔ یعنی ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جائیں۔ ان آیات میں مرتد کے عذاب اور سزا کا بیان ہے مگر اس عذاب سے وہ شخص مستثنیٰ ہے کہ جو بحالت مجبوری اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ کفر محض زبان سے بول دے اور دل اس کا ایمان پر قائم اور مستحکم ہو تو ایسا شخص گنہگار نہ ہوگا۔ صحابہ کرامؓ سے اس قسم کے کچھ واقعات منقول

ہیں۔ بعض نے توجان جانی گوارا کی مگر کلمہ کفر زبان سے نہ نکالا اور عزیمت پر عمل کیا اور بعض نے رخصت پر عمل کیا کہ زبان سے تو کہہ دیا مگر دل سے ایمان پر ثابت قدم رہے۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کی فضیلت بیان کی جنہوں نے کفار کی ایذا رسانی پر صبر کیا۔ اور ایمان پر قائم رہے اور اپنے گھروں کو اللہ کے لیے چھوڑ دیا۔ دنیا پر لات ماری اور آخرت کی راہ لی چنانچہ فرماتے ہیں اور جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا کفر کرے اور کافروں کے مغالطہ دینے سے کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ کسی بشر کی تعلیم ہے یا خود اس کا ساختہ، پرداختہ کلام ہے۔ کوئی شخص مرتد ہو جائے تو وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہے مگر وہ شخص جس پر زبردستی کی گئی اور اس نے بحالت مجبوری محض زبان سے لفظوں میں کافروں کی موافقت کر لی اور دل اس کا ایمان کے ساتھ مطمئن ہے دل کے اندر کوئی تزلزل اور تذبذب نہیں تو ایسے شخص پر مواخذہ نہیں دیکیں جس نے دل کھول کر کفر کیا اور دل سے اس پر راضی ہو گیا۔ تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے یہ بڑا عذاب اور غضب اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیاوی زندگی کو عزیز اور محبوب رکھا اور بسبب اس بات کے اللہ ایسے کفار کو ہدایت اور توفیق نہیں دیتا کہ جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا یہ ارتداد اور کفر پر اقدام اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی اور کفر سے ان کو نہیں بچایا چونکہ یہ لوگ دیدہ دانستہ الٹی راہ پر چلے اس لیے خدا نے ان کو اپنی ہدایت اور توفیق سے — محروم کر دیا بلکہ ایسے ہی لوگوں کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر مہر کر دی کہ نہ حق کو سمجھ سکیں اور نہ سُن سکیں اور نہ دیکھ سکیں ان کے عناد اور سرکشی کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ان کو حق سے اندھا اور بہرا اور احمق بنادیا اور خدا تعالیٰ تو مالک مطلق ہے بیوجہ بھی جس کو چاہے اندھا اور بہرا بنائے اور یہ لوگ تو حق سے بالکل ہی غافل ہیں ان کی غفلت تو انتہا کو پہنچ چکی ہے آخرت کی غفلت سے بڑھ کر کوئی غفلت نہیں۔ لامحالہ یہ لوگ آخرت میں بڑے خسارہ والے ہیں اس لیے کہ عمر عزیز کا سارا سرمایہ دنیا کے بازار میں لٹا دیا اور آخرت کے بازار میں مفلس اور قلاش اور خالی ہاتھ پہنچے اب سوائے حسرت کے کیا ہاتھ آئے گا۔

از شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

قیامت کہ بازار میں نہ ہند	منازل باعمال نیکو دہند
بضاعت بچند آنکہ آری بُری	وگر مفلسی شرمساری بُری
کہ بازار چند آنکہ آگندہ تر	تہیدست رادل پر آگندہ تر
کیسے راکہ حسن عمل بیش تر	بدرگاہ حق منزلت پیش تر

حق تعالیٰ نے ان آیات میں کافروں کے چھ وصف بیان کیے۔

اول - وہ غضب الہی کے مستحق ہوئے۔

دوم - عذاب عظیم کے مستحق ہوئے۔

سوم - حیات دنیاوی کو اخروی حیات کے مقابلہ میں عزیز اور محبوب رکھا۔

یہارم - حرمان از ہدایت خداوندی -

بنجم - دل اور آنکھ اور کان پر مہر لگنا۔

تشم - غفلت میں انتہا درجہ کو پہنچ جانا۔ نعوذ باللہ من ذلک کلمہ -

یہ تو ان غافلین کا حال اور مال ہوا پھر ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو بجائے غضب اور عقوبت کے رضاء اور رحمت کے مورد بنے وہ مہاجرین اولین کا گروہ ہے ان کی بابت ارشاد ہے۔ بے شک تیرا پروردگار ایسے لوگوں کے لیے جنہوں نے کافروں کی ایذاء رسانی اور ستم رانی کے بعد ہجرت کی اور پھر کافروں سے جہاد بھی کیا یعنی فقط ترک وطن پر اکتفا نہیں کیا بلکہ خدا کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل و خوار ہو اور اس راہ میں جو بھی مصائب پیش آئے ان پر صبر کیا اور ان مصائب میں اسلام پر ثابت قدم رہے پائے انتقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا تو بے شک آپ کا پروردگار ایسے اعمالِ فاضلہ ہجرت اور جہاد اور صبر کے بعد ان کے گناہوں کی مغفرت کرنے والا بڑا مہربان ہے ایسے لوگوں کی مغفرت اور رحمت میں کوئی شبہ نہیں۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَ

جس دن آدے گا ہر جی ، جواب سوال کرتا اپنی طرف سے،

تُؤَفِّي كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا

اور پورا ملے گا ہر کسی کو جو اس نے کمایا، اور ان پر

يُظْلَمُونَ ۝۱۱۱

ظلم نہ ہو گا۔

ذکر جزائے آخرت

قال اللہ تعالیٰ - يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا... الی... وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔

(ربط) گزشتہ آیات میں اہل ایمان کے لیے وعدہ اور اہل کفر کے لیے وعید کا ذکر تھا اب اس آیت میں اس وعدہ اور وعید کے ظہور کا وقت بیان کرتے ہیں اصل عذاب اور ثواب تو مرنے کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے مگر اس کا پورا ظہور قیامت کے دن ہو گا یعنی جس دن کہ کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اور ہر ایک

اپنی اپنی فکر میں ہوگا اور ہر نفس اپنی طرف سے مجادلہ کرے گا اور خویش و اقارب کو بھی بھول جائے گا۔ اور اپنی رہائی کے لیے جھوٹے سچے عذر کرے گا لیکن اس کی حجت اور ساری عذر معذرت بے سود ہوگی اور ہر جان کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نہ ثواب میں کمی ہوگی نہ عذاب میں زیادتی ہوگی۔

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً

اور بتائی اللہ نے کہاوت ، ایک بستی تھی چین امن سے

مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

جلی آتی تھی اس کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے ،

فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ

پھر ناشکری کی اللہ کے احسانوں کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے مزہ کہ

الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ

ان کے تن کے کپڑے ہوئے بھوک اور ڈر بدلہ اس کا جو کرتے تھے ۔ اور ان کو

جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ

پہنچ چکا رسول انہی میں کا ، پھر اس کو جھٹلایا پھر پکڑا ان کو

الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١١٣﴾ فَكُلُوا مِنْ مِمَّا رَزَقَكُمُ

عذاب نے اور وہ گنہگار تھے ۔ سو کھاؤ جو روزی دی تم کو

اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ

اللہ نے حلال اور پاک ، اور شکر کرد اللہ کے

اللَّهُ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿١١٤﴾ إِنَّمَا

احسان کا اگر تم اسی کو پوجتے ہو ۔ یہی

حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَيْزِيرِ وَمَا

حرام کیا ہے تم پر مُردہ اور لہو اور سور کا گوشت اور جس

أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ^ج فَمِنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا

پر نام پکارا اللہ کے سوائے کسی کا۔ پھر جو کوئی ناچار ہو جاوے نہ

عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ^{۱۱۵} وَلَا تَقُولُوا لِمَا

زور کرتا ہونہ زیادتی، تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مت کہو اپنی

تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكِذْبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا

زبانوں کے جھوٹ بتانے سے، کہ یہ حلال ہے اور یہ

حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكِذْبَ^ط إِنَّ الَّذِينَ

حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكِذْبَ لَا يَفْلِحُونَ^{۱۱۶} مَتَاعٌ

جھوٹ باندھتے ہیں اللہ پر بھلا نہیں پاتے۔ تھوڑا

قَلِيلٌ^ص وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ^{۱۱۷} وَعَلَى الَّذِينَ

سا برت لیں اور ان کو دُکھ کی مار ہے۔ اور جو لوگ

هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ^ج وَمَا

یہودی ہیں اُن پر ہم نے حرام کیا تھا جو تجھ کو سنا چکے پہلے۔ اور ہم

ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ^{۱۱۸} ثُمَّ

نے ان پر ظلم نہیں کیا، پر اپنے اوپر آپ ظلم کرتے تھے۔ پھر

إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا

یوں ہے کہ تیرا رب اُن لوگوں پر جنہوں نے برائی کی نادانی سے، پھر توبہ

مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا

کی اس کے پیچھے ، اور سنوار پکڑی ، تیرا رب ان باتوں کے پیچھے

لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (۱۱۹)

بخشنے والا مہربان ہے ۔

تہدید یافتہ دنیویہ بر معصیت و کفران نعمت

قال الله تعالى: وَصَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً... لَغَفُورٌ رَحِيمٌ۔
 (ربط گزشتہ آیات میں کفر اور معصیت پر عذاب اخروی کا ذکر تھا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ بعض مرتبہ دنیا میں بھی کفر اور معصیت اور کفران نعمت پر طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ جیسے قحط سالی اور عام بیماری اور بسا اوقات کفر اور کفران نعمت دنیا ہی میں زوال نعمت کا سبب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ مکہ کے لوگ سات سال تک شدید قحط میں رہے یہاں تک کہ مرے ہوئے جانوروں کی ہڈیاں کھانے لگے اور ضعف اور ناطاقتی سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا بالآخر مجبور ہو کر سرداران قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی۔ اور آپ کی دعا سے یہ مصیبت دور ہوئی۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ سے یہ بتلایا کہ کونسی چیزوں کا کھانا حرام ہے کہ ان کے کھانے سے پرہیز ضروری ہے۔
 ۳۔ اور پھر وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا سے یہ بتلایا کہ یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بعض پاکیزہ چیزیں دنیا ہی میں حرام کر دی گئی تھیں لہذا تم کو چاہیے کہ حلال و حرام کے احکام کو پوری طرح ملحوظ رکھو اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال و حرام نہ بناؤ اور غلطی سے اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کر لو۔ اللہ پاک بخش دے گا۔ مطلب یہ ہے کہ حلال کھاؤ۔ اکل حلال سے روح کا مزاج درست رہتا ہے اور حرام سے بچو حرام سے انسان کا دل اور روح فاسد اور خراب ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرو۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے کفران نعمت کے وبال پر متنبہ کرنے کے لیے ایک بستی کی مثال بیان کی کہ وہ بستی امن و امان اور سکون والی تھی۔ اس بستی کے لوگ آسودہ تھے اور ان کو کسی کی لوٹ مار اور غارت گری کا اندیشہ نہ تھا۔ اس بستی میں بسنے والوں کا رزق فراغت اور کثرت کے ساتھ ہر جگہ سے یعنی اطراف و جوانب سے آتا تھا پس اس بستی والوں نے اللہ پاک کی نعمتوں کی ناشکری کی تب اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا یعنی امن اور سکون کی جگہ خوف ہراس آگیا۔ اور رزق کی وسعت اور کثرت کی بجائے بھوک اور قحط نے آپکڑا۔ اللہ نے ان کو خوف اور

بھوک کا مزہ بھی خوب چکھا دیا اور اس بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے پکڑ لیا جیسے کپڑا اپنے پہننے والے کے بدن کو گھیر لیتا ہے۔ سزا میں اس کی جو وہ کرتے تھے یعنی اللہ نے جو ان کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا یہ ان کے اعمال کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کی۔ ضَرْبُ اللَّهِ مَثَلًا تَرْيَةً کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں اول یہ کہ اس سے کوئی معین قریہ مراد ہے یعنی مکہ معظمہ مراد ہے جہاں کے باشندے متواتر سات برس تک قحط میں مبتلا رہے اور اطراف و جوانب سے جو غلہ آتا تھا اس کا آنا بند ہو گیا یہاں تک کہ انہوں نے جلی ہوئی ہڈیوں اور مردار اور کتوں کو کھایا اور وہ پہلا امن و اطمینان جاتا رہا۔ ہر وقت خوف میں رہنے لگے یہ خدا تعالیٰ نے بطور تمثیل اہل مکہ کی حالت بیان فرمائی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ قریہ سے غیر معین بستی مراد ہے کیونکہ وہ نکرہ لایا گیا ہے۔

نکتہ اس آیت یعنی فَاذْذُقْهَا اللَّهُ رَبَّكَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ میں یہ فرمایا کہ اللہ نے اس بستی والوں کو بھوک اور خوف کا لباس چکھایا اور یہ نہیں فرمایا کہ اس کو بھوک اور خوف کا لباس پہنایا حالانکہ لباس تو پہنایا جاتا ہے چکھایا نہیں جاتا وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ آیت درحقیقت دو استعاروں کو متضمن ہے ایک اعتبار سے جوع اور خوف کی حالت مذوقات کے مشابہ ہے کہ جب انسان کسی چیز کو دیکھ کر چکھ لیتا ہے تو اس کا ادراک اور احساس مکمل ہو جاتا ہے دیکھنے اور چھونے سے پورا احساس نہیں ہوتا۔ لہذا آیت میں لفظ اذْذُقْ اس لیے استعمال فرمایا کہ ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا کر بتلادیا کہ بھوک اور خوف ایسی چیز ہے یہ تو دنیا میں ہوا کہ مصیبت کا مزہ چکھایا۔ بھوک اور خوف کا اصل کھانا تو جہنم میں ملے گا۔ کھانے کو زقوم اور پینے کو غلین اور جمیم کھولتا ہوا پانی ملے گا۔ کھانا اور پینا چونکہ انسان کے اندر پہنچتا ہے اور اندر ہی اندر اس کا اثر ظاہر ہوتا رہتا ہے اور لباس ایک ظاہری چیز ہے اس لیے بھوک اور خوف کا باطنی اور اندرونی اثر بیان کرنے کے لیے اذْذُقْ کا استعارہ کیا اور ظاہری اثر بیان کرنے کے لیے لباس کا استعارہ کیا اور بھوک و خوف کے لیے لباس کا استعارہ اس لیے کیا کہ جس طرح لباس آدمی کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اس طرح بھوک اور خوف نے ان کو ہر طرف سے گھیر لیا اور پوری طرح اپنے اندر چھپا لیا اور چونکہ لباس ایک ظاہری شے ہے جو ظاہر میں نظر آتا ہے اسی طرح بھوک اور خوف کا اثر ان کے ظاہر سے دکھلائی دیتا ہے کہ چہرے زرد ہو گئے تھے اور بدن دبلے اور لاغر ہو گئے تھے اور اس ظاہری نعمت کے علاوہ بڑی بھاری نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے ان لوگوں نے اس نعمت عظمیٰ کی بھی ناشکری کی اور وہ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ البتہ تحقیق انہی کے پاس انہی میں سے منجانب اللہ ایک رسول آیا جس کی صداقت اور امانت سے وہ بخوبی واقف تھے پس ان کو جھٹلایا تب ان کو بھوک اور خوف کے عذاب نے آ پکڑا اور آں حالیکہ وہ ظلم پر کمر بستہ تھے پس کبھی قحط میں مبتلا ہوئے اور کبھی قتل اور اسیر ہوئے اور مہاجرین اور انصار جو خدا کے شکر گزار بندے تھے ان کو خوف کے بعد امن دیدیا اور تنگی کے بعد ان کو وسیع الرزق بنا دیا اور روئے زمین پر ان کو حکمران بنایا۔

گزشتہ آیات میں شکر کا حکم اور کفرانِ نعمت کی ممانعت کا ذکر تھا۔ اس لیے آئندہ آیات میں اکلِ حلال کا حکم دیتے ہیں کیونکہ اکلِ حلال ذریعہ شکر ہے چنانچہ فرماتے ہیں پس اے مسلمانو! تم کفر اور شرک اور کفرانِ نعمت سے دور رہو اور اللہ نے جو حلال اور پاک روزی تم کو دی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو۔ شکر سے تم کو اللہ اور زیادہ نعمتیں دے گا اگر تم خالص خدا کا بندہ بننا چاہتے ہو تو اس کے حکموں پر چلو جس چیز کو اُس نے حلال کیا اسکو کھاؤ اور جس چیز کو اُس نے حرام کیا اس سے پرہیز کرو اور اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال اور حرام نہ کرو۔ جزایں نیت کہ حرام کیا ہے اللہ نے تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقربِ غیر اللہ کے نام زد کر دیا گیا ہو اور پھر اسی نیت سے اس کو ذبح کر دیا گیا ہو گو بوقت ذبح اس پر بسم اللہ پڑھی گئی ہو تو یہ جانور حرام ہے۔

اور بعض مفسرین نے مَا أَهْلًا بِہِ لِغَيْرِ اللہ کی تفسیر ذبح کے ساتھ کی ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت کے لوگ ذبح کے وقت بھی غیر اللہ کا نام لیتے تھے اور ان کی نیت اور قصد بھی غیر اللہ کے تقرب کا ہوتا تھا یہ صورت باجماع امت حرام ہے اس کی حرمت میں کسی کو کلام نہیں بلکہ کلام اس میں ہے کہ قرآن کریم میں لفظ اہلال آیا ہے اس کے معنی ذبح کے نہیں بلکہ اس کے معنی آواز بلند کرنے کے ہیں اور اس سے فقط آواز بلند کرنا مراد نہیں کیونکہ محض آواز بلند کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی بلکہ بقصد تقرب کسی کے نام زد کر دینے کے معنی مراد ہیں اور چونکہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام لے کر آواز کے ساتھ ذبح کرتے تھے اس لیے بعض مفسرین نے حسب موقع ذبح کے ساتھ اس کی تفسیر کر دی ورنہ درحقیقت وہ حکم کی قید نہیں اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ جو جانور بقصد تقربِ غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے وہ حرام ہے خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا غیر اللہ کا نام لے، حرمت کی علت دراصل غیر اللہ کے تقرب کی نیت ہے اور یہ نیت ذبح کے وقت بھی موجود ہے جب تک اس نیت سے تو بہ نہ کرے گا حرمت زائل نہ ہوگی۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ نے بندوں پر مردار اور خون اور لحم خنزیر اور مَا أَهْلًا بِہِ لِغَيْرِ اللہ کو حرام کر دیا ہے پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر آسانی کر دی۔ پس جو شخص بھوک اور فاقہ سے لاچار اور بیقرار ہو جائے بشرطیکہ وہ طالبِ لذت نہ ہو اور نہ مقدارِ ضرورت اور حدِ حاجت سے آگے بڑھنے والا ہو اور وہ ان حرام چیزوں سے بقدر حاجت جس سے اس کی جان بچ جائے کچھ کھالے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے بحالتِ اضطرار بقدرِ ضرورت کچھ کھانے سے اس کی حرمت اور خباثت تمہارے لیے مفر نہ ہوگی اور اگر کچھ ہوگی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں درگزر فرمائیں گے۔

حاصل کلام یہ کہ کسی چیز کو حلال و حرام کرنے کا حق اور اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے اور جن چیزوں کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں تم ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ یہ جانور حلال ہے اور یہ جانور حرام ہے۔ جیسا کہ پارہ ہشتم کے شروع میں یعنی وَ جَعَلُوا اللہ میں ان کے یہ جھوٹے دعوے گزر چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس کہنے سے اللہ پر جھوٹ بہنانا باندھو گے۔ یعنی تم نے جو مویشی میں حلال و حرام

ٹھہرا رکھا ہے وہ سب تمہارا جھوٹ ہے اللہ تعالیٰ نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ لہذا تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حلال کیا اور یہ حرام کیا یہ سب اللہ پر جھوٹ اور بہتان ہے۔ مشرکین عرب، سائبہ وغیرہ کو حرام کہتے تھے ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور یہ دنیا کا فائدہ جو ان کو پہنچ رہا ہے۔ بہت تھوڑا اور چند روزہ فائدہ ہے جس کو بقاء نہیں اور چند روزہ دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہو لینا۔ سو یہ فلاح اور کامیابی نہیں اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ غرض یہ کہ گزشتہ آیت (إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ) میں افراط سے منع فرمایا کہ شتر بے مہار نہ بنو اللہ نے جو چیزیں حرام کی ہیں ان سے بچو اور اس آیت (وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ) میں تفریط سے منع کیا اپنی طرف سے حلال چیزوں کو حرام نہ کرو۔ یہاں تک ان چیزوں کا بیان فرمایا کہ جواز راہ شفقت و رحمت شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حرام کی گئیں۔

اب آئندہ آیت میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ بعض چیزیں (پاکیزہ) یہود پر ان کی سرکشی کی وجہ سے بطور سزا ان پر حرام کر دی گئی تھیں وہ تحریم ایک قسم کا تازیانہ تھی اور اسلام میں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور عنایت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کیں جو ہم پہلے سورۃ انعام میں آپ سے بیان کر چکے ہیں وہ چیزیں سورۃ انعام کی آیت (وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرِ) کی تفسیر میں گزر چکی ہیں۔ اور ان چیزوں کی تحریم میں ہم نے یہودیوں پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے یعنی ہم نے جو پاک چیزیں ان پر حرام کیں وہ ان کے ظلم اور تعدی اور ان کی سرکشی کے سبب سے کیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ (فَيُظْلَمُونَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ، الْآيَات، یعنی ہم نے یہودیوں کے ظلم و تعدی کے باعث ان پر وہ پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال کی گئی تھیں جس سے مقصود ان کی اصلاح تھی کہ اپنے جرائم اور قبائح سے تائب ہو جائیں پھر اس ظلم اور تعدی کے بعد بھی گنہگار کو مایوس نہ ہونا چاہیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے، بے شک تیرا پروردگار ان لوگوں کے حق میں جنہوں نے نادانی سے بُرے کام کیے پھر اس کے بعد توبہ کی اور سنو گئے۔ یعنی اپنے اعمال درست کر لیے اور اپنے حال کی اصلاح کر لی بے شک تیرا پروردگار اس توبہ اور اصلاح کے بعد ان کا قصور معاف کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے مقصود اس آیت سے خدا تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی مغفرت اور رحمت کا اظہار ہے۔

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ

اصل ابراہیم تھا راہ ڈالنے والا . حکم بردار

حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا

اللہ کا، ایک طرف کا ہو کر اور نہ تھا شریک والوں میں - حق ماننے والا

لَا نَعِيْهِۦٓ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

اس کے احسانوں کا، اس کو اللہ نے چُن لیا اور چلایا سیدھی راہ پر۔

وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَآِنَّهٗ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ

اور دی دنیا میں ہم نے اس کو خوبی۔ اور وہ آخرت میں اچھے

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ

لوگوں میں ہے۔ پھر حکم بھیجا ہم نے تجھ کو کہ چل دین

اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

ابراہیم پر، جو ایک طرف کا تھا۔ اور نہ تھا شریک والوں میں۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۚ

ہفتہ کا دن جو ٹھہرایا، سو انہیں پر جو اس میں پھوٹ گئے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا

اور تیرا رب حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن، جس بات

كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

میں پھوٹ رہے تھے۔

بیان حقیقت ملت ابراہیمہ برائے غیب اتباع ملت محمدیہ

قال الله تعالى: إِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِلّٰهِ حَنِيفًا... الى... فِيمَا كَانَوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۚ
(ربط) ابتداء سورت سے یہاں تک مشرکین کی شرکیات اور کفریات کا ابطال فرمایا اور توحید کے
دلائل بیان کیے۔ مشرکین عرب چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے ان کی ملت اور شریعت
کے اتباع کو واجب سمجھتے تھے اس لیے ارشاد ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ خدا کے کیسے موعدا اور شکر گزار اور

فرمانبردار بندہ تھے۔ سرتاپا توحید و تفرید میں غرق تھے۔ معاذ اللہ مشرک نہ تھے لہذا مشرکین عرب اور اہل کتاب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے بلکہ اصل ملت ابراہیمیہ کے پیرو اور متبع یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تم اگر اصل دین ابراہیمی پر چلنا چاہو تو آپؐ کا طریقہ اختیار کرو۔ توحید و تفرید میں سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی طریقہ ہے جو ابراہیمؑ عظیم کا تھا اور مشرکین کے سنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے چند اوصاف ذکر فرمائے تاکہ ان کے عقائد شرکیہ اور خیالات فاسدہ کا رد ہو۔

(۱) اُمَّةٌ :- پیشوا تھے اور مقتدائے عالم تھے۔

(۲) قَانِتًا :- خدا تعالیٰ کے حکم بردار اور فرمانبردار بندے تھے۔

(۳) حَنِيفًا :- سب سے مڑ کر ایک خدا کے ہو رہے تھے سوائے جمال حق کے کسی طرف مائل نہ تھے۔

(۴) وَلَمْ يَكُنْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ :- شرک سے پاک اور منزہ تھے خالص موحد تھے بچپن سے

لے کر اخیر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

(۵) شَاكِرًا لِّلنِّعَمِ :- خدا کے شکر گزار بندے تھے سرتاپا شکر تھے۔

(۶) اجْتَبَاهُ :- اللہ کے برگزیدہ بندے تھے خدا نے ان کو اپنے لیے چن لیا تھا۔ غیر اللہ کی ان میں کوئی گنجائش نہ رہی تھی۔

(۷) وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ :- راہ راست پر تھے یعنی اسلام اور دین حق پر تھے۔

(۸) وَآتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً :- اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کی عزت و کرامت عطا کی اور ان

کی سل میں برکت دی اور سارا عالم ان کو خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے۔

۱۹ وَآتَاهُ فِي الْآخِرَةِ لَمَّا صَالِحِينَ :- اور آخرت میں بھی وہ بلاشبہ نیکوں میں سے ہے۔

(۱۰) خاتم الانبیاء کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا۔ یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک فضیلت ہے کہ آنحضرتؐ جیسے شخص کو ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم دیا گیا اور چونکہ یہ فضیلت گزشتہ فضائل سے بڑھ کر ہے اس لیے تفادیت ربی ظاہر کرنے کے لیے لفظ ثَمَّ لایا گیا اور اس طرح فرمایا ثَمَّ اَوْحَيْنَا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ فضیلت تمام فضائل سے بڑھ کر ہے اور ثَمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ سے یہ بتلایا کہ مشرکین عرب کا یہ سمجھنا کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں غلط ہے۔ اصل ملت ابراہیمی پر ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں جن کو یہ حکم دیا گیا ہے ملت ابراہیمی کی پیروی کریں لہذا جو شخص ملت ابراہیمی کی پیروی کا مدعی ہو اس کو چاہیے کہ ملت محمدیہ کا اتباع کرے کیونکہ ملت ابراہیمیہ اور ملت محمدیہ باہم متحد اور متفق ہیں۔

اور اِنَّمَا جَعَلَ السَّبِیْثُ میں یہود کا رد ہے کہ جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتلاتے تھے۔

ملت ابراہیمیہ میں جمعہ کی تعظیم تھی ہفتہ کا دن یہود کے اختلاف کی وجہ سے مقرر ہوا۔ ورنہ ہر نبی

نے جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے جمعہ کی تعظیم ملت ابراہیمی ہے اور ہفتہ کی تعظیم ملت ابراہیمی نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزمان ہیں۔ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ملت کے پیرو ہیں۔ نہ یہودی ہیں نہ نصرانی ہیں اور نہ مشرک ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ بھی موحّد اور خلیف ہیں۔ مشرکین اور اہل کتاب دونوں کا یہ دعویٰ کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں بالکل غلط ہے ملت ابراہیمی کے پیرو یہ مسلمان ہیں جو توحید پر ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

(۱) بے شک ابراہیم ایک کامل امت تھے۔ یعنی وہ ایسے امام اور ہادی اور پیشوا تھے کہ ان کی تنہا ذات میں وہ تمام صفات و کمال جمع تھیں جو متفرق طور پر ایک امت میں جمع ہوں گویا کہ وہ تنہا ایک کامل امت کے قائم مقام تھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

جانا تو یگانہ دے ذات تو ہست مجموعہ آثار کمالات ہمہ !!!

اور بعض کہتے ہیں کہ اس وقت روئے زمین پر سوائے ابراہیم کے کوئی مومن نہ تھا وہ تنہا امت تھے۔ اس لیے ان کو امت کہا گیا۔

(۲) حضرت ابراہیم اللہ کے مطیع اور فرماں بردار تھے یعنی اللہ کے حکموں پر چلنے والے تھے اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال حرام کرنے والے نہ تھے۔

(۳) اور سب کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف ہو گئے تھے سب سے منہ موڑ کر ایک خدا کی طرف منہ کر لیا تھا۔

(۴) اور کبھی بھی مشرکین میں سے نہ ہوئے، بڑے پکے موحّد تھے بچپن سے لے کر آخر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

(۵) اور وہ اللہ کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے روز ازل میں ان کو اپنی نبوت و رسالت و خلت کے لیے چن لیا تھا جس کا ظہور دنیا میں ہوا۔

(۷) اور اللہ نے ان کو سیدھی راہ کی طرف چلایا جس طرف اور جس طرح خدا تعالیٰ ان کو چلاتا تھا اس طرف اور اسی طرح چلتے تھے۔

(۸) اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی۔ یعنی دنیا میں ہم نے ان کو رسالت اور خلت اور صدق گفتار اور ذکر جمیل اور قبول عام دیا کہ کل اہل ادیان ان سے محبت رکھتے ہیں اور یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب ان کو خیر کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور مسلمان اپنی نمازوں میں یہ پڑھتے ہیں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرٰہِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مُّجِیْدٌ

نیز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں یہ خوبی اور بھلائی دی کہ ان کے بیٹے اور پوتے بھی نبی ہوئے،
(۹) اور بے شک ابراہیم علیہ السلام آخرت میں بڑے اچھے لوگوں میں سے ہیں۔ جو درجات عالیہ کے سزاوار ہیں۔

(۱۰) پھر من جملہ فضائل ابراہیمی کے یہ ہے کہ اے نبی کریم ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ ملت ابراہیم کا اتباع کر لیا جو حنیف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔

یہ امر بھی حضرت ابراہیمؑ کے فضائل میں سے ہے کہ خاتم الانبیاء اور سب الاولين والآخرين کو آپ کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اگر ملت ابراہیمی صحیح اور درست نہ ہوتی تو افضل الانبیاء کو اس کے اتباع کا حکم نہ ہوتا۔ آخر کو اول کے ساتھ نسبت اور وابستگی ہوتی ہے۔ توحید خالص اور اسلام یعنی اللہ کے سامنے گردن اطاعت ڈال دینا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالہ اور سپرد کر دینا۔ اس کی ابتداء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام سے ہوئی جس کی وجہ سے ان کو دنیا اور آخرت میں نیکی اور بھلائی ملی۔ اب اسی توحید کامل کی انتہا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی اور جو اصول اور عقائد اور قواعد کلیہ دربارہ حلال و حرام ملت ابراہیمی میں تھے وہ آخری ملت یعنی شریعت محمدیہ میں باقی رکھے گئے درمیان میں یہود اور نصاریٰ کو ان کے حالات کے مناسب بعض مخصوص احکام دیئے گئے آخر میں دعاء ابراہیمی کے مطابق رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے تو ملت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کر دیا تاکہ توحید خالص اور اسلام یعنی خداوند ذوالجلال کی فرماں برداری از سر نو زندہ ہو جائے اور شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے چنانچہ شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں۔ ”یعنی حلال و حرام میں اور دین کی باتوں میں اصل ملت ابراہیمؑ ہے عرب کے لوگ آپ کو حنیف کہتے ہیں اور شرک کرتے ہیں اس کی راہ پر نہیں اللہ نے ابراہیمؑ کو دنیا کی خوبی اور آسودگی اور قبولت سارے جہان میں دی تھی درمیان میں یہود اور نصاریٰ کو موافق ان کے حال کے اور حکم بھی ہوئے آخر پیغمبر بھی اسی ملت پر آئے (انتہی) لہذا اے مشرکین عرب تم کو چاہیے کہ اس برگزیدہ نبی کا اتباع کرو کیونکہ اس نبی کا راستہ وہی ہے جس کے اتباع کا تم دعویٰ کرتے ہو۔“

اں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ افضل الانبیاء اور خاتم النبیین ہیں اور نبوت و رسالت کے تمام فضائل و کمالات کے جامع ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیاء سابقین کے اقتداء کا حکم دیا۔ اُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ اور مطلب یہ تھا کہ دعوت اور تبلیغ میں ان کے طریقے پر چلے اسی طرح ثُمَّ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ اَنْ اَتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ۔ کا مطلب سمجھ کہ اللہ نے آپ کو حکم دیا کہ توحید اور ابطال شرک میں ابراہیمؑ کی ملت کا اتباع کیجیے۔ اور ملت ابراہیمی بھی خدا ہی کی نازل کردہ ہے۔ آپ نبوت و رسالت اور ملت و شریعت میں حضرت ابراہیمؑ کے تابع نہ تھے بلکہ مستقل نبی اور رسول تھے آپ ایسے نہ تھے جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل توریت اور شریعت موسویہ کے تابع تھے حق جل شانہ نے قرآن کریم میں انبیاء سابقین کی شریعتوں کے بعض احکام کا ذکر فرمایا ہے اور توریت و انجیل کے بھی بعض احکام کا قرآن کریم میں

ذکر ہے اور آپ نے ان پر عمل بھی فرمایا ہے لیکن آپ کا یہ عمل اس بناء پر نہ تھا کہ انبیاء بنی اسرائیل کی طرح آپ شریعت موسویہ کے تابع تھے بلکہ بحکم خداوندی اور اتباع دجی الہی تھا براہ راست آپ پر وحی نازل ہوتی تھی اور جبرئیل امین اللہ کا پیغام اور اس کے احکام لے کر آپ پر نازل ہوتے تھے۔ اسی طرح ملت ابراہیمی کا اتباع دجی ربانی اور حکم بزدانی کی بناء پر تھا نہ کہ اس بناء پر کہ آپ مستقل نبی اور مستقل رسول نہ تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تابع تھے آپ تمام انبیاء و مرسلین سے افضل اور اکمل تھے اور بحکم خداوندی انبیاء سابقین کے طریقہ پر چلتے تھے آپ کسی کے تابع نہ تھے بلکہ حکم خداوندی کے تابع تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء کے اتباع اور اقتداء کا حکم اس لیے دیا گیا کہ آپ سب کے بعد مبعوث ہوئے نہ کہ اس وجہ سے کہ آپ دیگر انبیاء سے فضیلت اور رتبہ میں کم تھے آپ تو اللہ کے نزدیک اکرم الاولین والآخرین ہیں اور سب سے اکمل اور افضل ہیں اور فضیلت میں آپ کا حصہ سب سے زیادہ اور شامل ہے۔

تواصل و باقی طفیل تواند
توشاہی و مجموع خیل تواند

ایک اشکال اور اس کے تین جواب

اس مقام پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ ملت ابراہیمیہ اور ملت محمدیہ کیا اصول فروع میں دونوں ملتیں متحد اور متفق ہیں اور دو اعتبار سے یعنی اصول کے اعتبار سے بھی اور فروع کے اعتبار سے بھی باہم ایک دوسرے کا عین ہیں یا فقط اصول دین میں دونوں ملتیں متحد ہیں یعنی توحید اور نبوت اور معاد میں تو متفق ہیں مگر فروع میں مختلف ہیں۔

پس اگر شق اول کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں ملتیں (ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ) اصول و فروع دونوں میں — متفق اور متحد ہیں تو یہ لازم آئے گا کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم مستقل نبی اور صاحب شریعت جدیدہ نہ ہوں بلکہ آپ کی شان انبیاء بنی اسرائیل کی سی ہو کہ جو شریعت موسویہ کی تجدید اور ترویج کے لیے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپ بھی ملت ابراہیمیہ کی تجدید و ترویج کیلئے مبعوث ہوئے تھے اور یہ امر صریح البطلان ہے اور اگر شق ثانی کو اختیار کریں یعنی یہ کہیں کہ دونوں ملتیں اصول دین میں تو متحد ہیں اور فروع میں مختلف ہیں تو ایسی صورت میں یہ اشکال لازم آتا ہے کہ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیا خصوصیت کہ آپ کو ان کی ملت کے اتباع کا حکم دیا گیا۔ اصول دین میں تو انبیاء کرام کی شریعتیں اور ملتیں متحد اور متفق ہیں دین تمام انبیاء کا ایک ہے اور شریعت ہر ایک کی جداگانہ ہے کما قال تعالیٰ

علیٰ یہ اشکال اور جواب اول اور جواب دوم تفسیر عزیزی سے ماخوذ ہیں اور جواب سوم تفسیر کبیر وغیرہ سے ماخوذ ہے۔

(منہ عفا اللہ عنہ)

مَشْرَعٌ لَّكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ اس اعتبار سے تو یہودی اور نصرانی بھی ملت ابراہیمی کے متبع ہیں مسلمانوں کی کیا خصوصیت۔ اس اشکال کے کئی جواب ہیں۔

ہر شریعت میں تین باتیں ہیں۔

جواب اول | اول اصول و عقائد۔ یعنی خدا کی ذات و صفات پر ایمان لانا اور انبیاء اور رسل کو حق سمجھنا اور قیامت کو حق جاننا۔

دوم = قواعد کلیہ۔ جو احکام جزئیہ اور مسائل فرعیہ کا ماخذ ہوتے ہیں اور تمام جزئیات میں انہی کلیات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔

سوم = فروع اور مسائل جزئیہ اور احکام شرعیہ۔

قسم اول کا نام دین ہے جو تمام انبیاء کرام میں مشترک ہے اس میں زمانہ کے اختلاف سے کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اور نہ اس میں نسخ واقع ہوتا ہے اس لیے کہ عقائد اور اصول دین از قبیل خبر ہیں کہ اللہ ایک ہے اور قیامت برحق ہے اور خبر میں عقلاً نسخ جاری نہیں ہو سکتا ورنہ خبر کا کاذب ہونا لازم آئے گا۔ نسخ۔ عقلاً، انشاء یعنی حکم اور امر اور نہی میں جاری ہوتا ہے۔

اور قسم ثانی کا نام ملت ہے یعنی ملت ان اصول اور قواعد کلیہ کا نام ہے جن پر احکام جزئیہ کا دار و مدار ہے۔ اور مجموعہ اعتقادات اور اصول کلیات اور فروع جزئیات کا نام شریعت ہے جو ہر رسول کی جدا اور الگ ہے۔

پس ملت محمدی اور ملت ابراہیمی کا توافق اور اتحاد انہی اصول اور کلیات میں مراد ہے جن پر احکام جزئیہ کی بناء ہے باقی رہی۔ شریعت۔ سو ہماری شریعت سب شریعتوں سے جدا اور الگ ہے اور مستقل ہے۔ اور دونوں ملتوں کے توافق کے معنی یہ ہیں کہ ملت ابراہیمی کے اصول اور قواعد کلیہ شریعت محمدیہ میں تمام و کمال موجود ہیں۔ ان میں کوئی تفاوت نہیں اگر بعض فروع مستخرجہ اور احکام جزئیہ میں بحسب مصلحت زمانہ کچھ فرق آگیا تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں لہذا ہم یہ کہتے ہیں کہ ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ اصول احکام اور قواعد کلیہ میں متفق ہیں اور یہ نہیں کہتے کہ ہماری شریعت اور ہمارا دین دائین بعینہ وہی دین دائین ہے اور وہی شریعت ہے کہ جو ابراہیم علیہ السلام کا تھا اس لیے کہ شریعت اور دین دائین ہیں لحاظ فروع اور جزئیات کا بھی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ شریعت ابراہیمی کے تمام فروع اور جزئیات بعینہ شریعت محمدیہ میں محفوظ نہیں۔ خلاصہ جواب یہ ہے کہ ملت اور شریعت میں فرق ہے اتحاد اور اتفاق باعتبار ملت کے ہے نہ کہ باعتبار شریعت کے۔ ملت (یعنی اصول و احکام اور قواعد کلیہ) کے اعتبار سے دونوں ملتیں (یعنی ملت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ) باہم متوافق اور متحد ہیں اور شریعت کے اعتبار سے دونوں ملتیں جدا جدا ہیں اور علیحدہ علیحدہ ہیں۔

جواب دوم

اور بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ شریعت محمدیہ بعینہ شریعت ابراہیمیہ ہے۔ ان حضرات نے ملت اور شریعت میں فرق نہیں کیا۔ اور یہ کہا ہے کہ دونوں شریعتیں اصول و فروع میں متفق اور متحد ہیں جیسا کہ ظاہر آیات اور احادیث سے مفہوم ہوتا ہے۔ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ۔ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا اور حدیث اتیتکم بالحنیفۃ السمیۃ البیضاء وغیرہ وغیرہ۔

اس قسم کی آیات اور احادیث سے مفہوم یہی ہوتا ہے کہ دونوں ملتیں اور دونوں شریعتیں اصولاً اور فروعاً متفق اور متحد ہیں مثلاً توحید اور بتوں کا توڑنا اور غلتہ اور عقیقہ اور قربانی اور ہدی اور مناسک حج اور خصال فطرت اور غسل جنابت اور اشہر حرم کی تحریم اور ابطال کھانت و نجوم اور ابطال بت پرستی اور رزق و شفا اور موت و حیات کو بلا واسطہ مسبب الاسباب کی طرف سے سمجھنا اور نجوم و کواکب کا معتقد نہ ہونا اور سعادت و نحوست کو من جانب اللہ جاننا اور اصول مکارم اخلاق یعنی صبر و رضاء بقاء اور تسلیم و تقویٰ وغیرہ وغیرہ یہ ملت ابراہیمی کے احکام ہیں جو شریعت محمدیہ میں بعینہ باقی ہیں لیکن خوب سمجھ لو کہ دونوں ملتوں کے متفق ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ملت ابراہیمی کے تمام فروع و اصول ملت محمدیہ میں بتمام و کمال محفوظ ہیں۔ اگرچہ صد ہا بلکہ ہزار ہا اصول و فروع شریعت محمدیہ میں زیادہ ہیں مگر مخالف نہیں بلکہ اسی کی شرح اور بسط اور تنظیم و تکمیل ہے۔ پس ملت ابراہیمی بمنزلہ متن کے ہے اور شریعت محمدیہ بمنزلہ شرح کے ہے اور ہزار ہا زوائد و فوائد پر مشتمل ہے اور مجمع الزوائد اور منبع الفوائد ہے اور اسی معنی کو شرح کو متن کے تابع کہا جاتا ہے کہ متن شرح کے لیے بمنزلہ اساس کے ہوتا ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ کو صاحب مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے اس لیے کہ مشکوٰۃ اگرچہ صد ہا زوائد پر مشتمل ہے مگر اس کی تائیس اور بناء مصابیح السنہ پر ہے اس بناء پر مشکوٰۃ کو مصابیح کے تابع کہا جاتا ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ شریعت محمدیہ۔ ملت ابراہیمیہ کے تمام احکام کو مع احکام زائدہ اپنے اندر لیے ہوئے ہے اور ملت ابراہیمی کے احکام شریعت محمدیہ کے احکام زائدہ کے ساتھ ایسے مخلوط ہو گئے ہیں کہ شدت اختلاط اور کثرت امتزاج کی وجہ سے دونوں ملتوں کے احکام میں تمیز اور فرق نہایت دشوار ہے اور شریعت موسویہ میں نہ تو ملت ابراہیمی کے اصول و قواعد کی رعایت ہے اور نہ وہ ملت ابراہیمی کے تمام احکام کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

پس حضور پُر نورؐ کے مستقل نبی اور صاحب شریعت جدیدہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کی شریعت اگرچہ ملت ابراہیمی کے اصول اور فروع کو حاوی ہے لیکن ہزار ہا زوائد اور فوائد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک جدید شے ہے آپؐ کی شریعت میں ہزار ہا احکام ملت ابراہیمی پر زیادہ کیے گئے ہیں اور انبیاء بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ اور احکام تورات پر کسی حکم کا اضافہ نہیں کیا وہ فقط دین موسوی کے مروج تھے اس لیے وہ مستقل نبی اور رسول نہ تھے بخلاف شریعت محمدیہ کے کہ اس میں ملت ابراہیمی کے احکام پر بے شمار احکام

کا اضافہ ہوا۔

الغرض شریعت محمدیہ میں ملت ابراہیمیہ کے تقریباً تمام اصول اور احکام بعینہ باقی ہیں گویا کہ شریعت محمدیہ شریعت ابراہیمیہ کا احاطہ کیئے ہوئے ہے اور اس کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے مگر امتداد زمانہ کی وجہ سے ملت ابراہیمیہ کے تمام احکام بالکل مندرس ہو چکے تھے۔ صفحہ ہستی پر کہیں ان کا نام و نشان نہ رہا تھا سوائے جدید وحی کے ان کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ پس حق جل شانہ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جدید وحی کے ذریعے سے ملت ابراہیمیہ کے احکام پر مطلع کیا اس لیے آپ صاحب شریعت جدیدہ کہلائے۔ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس شریعت کے احکام جدید ہوں کہ جو اس سے پہلے نازل نہ ہوئے ہوں بلکہ شریعت کے جدید ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس کا نزول جدید ہو اور از سر نو عالم غیب سے اس کی تلقی ہوئی ہو۔ اس وجہ سے حضرت یوشع اور حضرت عزیر علیہما السلام کو صاحب کتاب جدید اور صاحب شریعت جدیدہ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ شریعت موسویہ ان میں موجود اور محفوظ تھی۔ از سر نو عالم غیب سے بذریعہ وحی جدید اس کا نزول نہ ہوا تھا اور توریت ان سے پہلے نازل ہو چکی تھی اور انبیاء بنی اسرائیل پر سولئے احکام تورات کے دو سر احکام بذریعہ وحی جدید نازل نہیں ہوتے تھے سابق وحی کے تابع تھے اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی سابق وحی کے تابع نہ تھے۔ عالم غیب سے ہر روز جدید وحی نازل ہوتی تھی اس لیے آپ صاحب شریعت جدیدہ ہوئے اور خاتم الانبیاء اور ناسخ الادیان ہوئے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ حکومت میں جب کسی کو جدید وزیر اعظم اور مدارالمہام بنایا جاتا ہے تو اس وقت کے مناسب اس کو جدید آئین اور نئے قوانین دیئے جاتے ہیں پس اگر بادشاہ کسی کو وزیر اعظم بنائے اور اس کو یہ حکم دے کہ تم موجودہ آئین اور قانون کو منسوخ سمجھو اور تم سے تیس سال پہلے فلاں وزیر کے زمانہ میں جو دستور ہماری بارگاہ سے عطا ہوا تھا اس کا اتباع کرو اور طریق پر چلو تو اس حکم کے یہ معنی نہیں کہ یہ وزیر مستقل وزیر نہیں پہلے وزیر کا تابع اور ماتحت ہے بلکہ یہ جدید وزیر بلاشبہ مستقل وزیر ہے حکم شاہی کا تابع ہے بلا واسطہ بادشاہ کی طرف سے اس کو یہ حکم ملا۔ سابق وزیر کو جو دستور اور آئین عطا ہوا تھا وہ بھی حکومت کی طرف سے عطا ہوا تھا اب حکومت کی مصلحت یہ ہے کہ موجودہ آئین کو منسوخ کر دیا جائے اور گزشتہ آئین اور دستور کو جاری اور نافذ کیا جائے لہذا یہ جدید وزیر گزشتہ آئین کے اتباع کی وجہ سے سابق وزیر کا تابع نہیں سمجھا جائے گا۔ بلکہ حکم شاہی کے تابع سمجھا جائے گا۔

جواب سوم

ملت ابراہیمیہ کے اتباع سے مراد یہ ہے کہ توحید اور صراط مستقیم اور دین اسلام کی دعوت اور تبلیغ اور کفار سے محابہ اور مناظرہ میں اور کفرکاری سے تبری اور بیزاری میں اور مکارم اخلاق یعنی رضا و تسلیم اور صبر و شکر میں اپنے جدا جدا ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ اختیار کیجئے کہ نرمی کے ساتھ لوگوں کو صراط مستقیم کی دعوت دیجئے اور ابراہیم علیہ السلام کی طرح دلائل اور براہین قاطعہ سے کفر اور شرک اور نجوم اور کہانت کا ابطال فرمائیے اور شعائر اسلام جیسے استقبال کعبہ اور جمعہ کی تعظیم اور ختنہ اور قربانی اور مناسک حج کو صحیح طریقہ سے جاری فرمائیے اور ملت ابراہیمیہ میں جن مشرکانہ رسوم

کی آمیزش ہوگئی ان سے ملت ابراہیمی کو پاک و صاف کر دیجئے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دعاء ابراہیمی کی اجابت کا ثمرہ ہے بناء کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔

ابوالعالیہؒ سے منقول ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب آیا کہ اے ابراہیمؑ تیری دعا قبول ہوئی۔ اس شان کا نبی آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اس وجہ سے حدیث میں آیا ہے۔ انا دعوة ابی ابراہیم، یعنی میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں۔ اس لیے نبی آخر الزمانؐ کو ابراہیم خلیلؑ کی ملت کے اتباع کا حکم آیا جس کی دعا سے یہ نبی آخر الزمانؐ ظاہر و مبعوث ہوا یہاں تک تو مشرکین عرب کا رد ہوا جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا متبع بتلاتے تھے اب آگے یہود کا رد ہے کہ جو یہ کہتے تھے کہ شریعت محمدؐ یہ میں تو عبادت کے لیے جمعہ کا دن اختیار کیا گیا اور ملت ابراہیمؑ میں تو ہفتہ کا دن تھا۔ پس ملت ابراہیمؑ کی پیروی کہاں رہی جس کے آپ مدعی ہیں ابراہیم علیہ السلام کے دین میں ہفتہ کی تعظیم خاص تھی وہ آپ نے ترک کر دی۔ اس کی جگہ جمعہ مقرر کر لیا اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ محض غلط ہے ابراہیمؑ ہفتہ کی تعظیم نہیں فرماتے تھے۔ جزایں نیست کہ ہفتہ کی تعظیم اور اس دن شکار کی تحریم صرف ان لوگوں پر لازم کر دی گئی تھی جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا یعنی اصل ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا حکم نہ تھا اور نہ اس امت میں ہے البتہ درمیان میں جن لوگوں نے یعنی یہودیوں نے اس بارہ میں بحث کی اور حکم خداوندی اور ارشاد پیغمبری سے اختلاف کیا اور بجائے جمعہ کے ہفتہ کا دن منتخب کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اچھا اس دن کی تعظیم کیا کرو اور بطور آزمائش ساتھ ساتھ یہ حکم بھی دے دیا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کیا کرو یہ حکم بھی کسی نے نہ مانا۔ بالآخر نہ ماننے والے دنیا میں بندر اور سور بنائے گئے باقی آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یوم سبت کی تعظیم کا حکم حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں نہ تھا حضرت ابراہیمؑ کے ایک زمانہ دراز کے بعد فقط یہود پر ہوا۔ احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو جمعہ کے دن مجتمع ہو کر عبادت کرنے کا حکم دیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی یہود کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا تھا مگر انہوں نے نہ مانا۔ اور کہا کہ ہم تو ہفتہ کے دن کی تعظیم کریں گے کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ مخلوق کے پیدا کرنے سے فارغ ہوا تھا اس لیے اس دن کو ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے فارغ کریں گے اللہ تعالیٰ نے ان پر اس دن کی تعظیم فرض کر دی اور جس روز کو کہ انہوں نے اپنے لیے پسند کیا اسی پر ان کو چھوڑ دیا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو انہوں نے بھی اپنی امت کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا انہوں نے ان کا حکم نہ مانا اور یہ کہا کہ تخلیق عالم کی ابتداء یکشنبہ سے ہوئی ہے اس لیے ہم اتوار کے دن کو تعظیم کا دن بنائیں گے خدا تعالیٰ نے ان پر اسی دن کی تعظیم فرض کر دی۔ غرض یہ کہ یہود و نصاریٰ نے جو چیز اپنے لیے پسند کی اللہ نے وہی چیز ان پر لازم

اور مقرر کر دی پھر جب نبی آخر الزمان مبعوث ہوئے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کو جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا۔ سب نے اس کو بخوشی منظور کر لیا۔ اور کچھ اختلاف نہ کیا بہر حال ہر نبی نے جمعہ کے دن جمع ہو کر اللہ کی عبادت کی مگر ان کی امتوں نے اختلاف کر کے دوسرا دن بدل لیا اللہ کریم نے ہر فرقہ پر وہی لازم کر دیا جو دن اس نے اپنی رائے سے اختیار کیا۔ مطلب یہ ہے ملت ابراہیمی میں ہفتہ کا دن مقرر نہ ہوا تھا۔ یہ دن تو ایک مدت دراز کے بعد ان یہود پر مقرر ہوا جنہوں نے اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ارشاد سے اختلاف کر کے یہ دن اپنے لئے منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اچھا یہی دن سہی اور ان پر سختی کر دی گئی کہ اس دن ان پر مچھلی کا شکار حرام کر دیا گیا۔ پھر جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور آخری فیصلہ آخرت میں ہوگا اور بے شک تیرا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں یہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ اس دن معلوم ہو جائے گا کہ کون غلطی پر تھا اور کون راستی پر جب ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا و سزا ملے گی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر تھا لہذا لوگوں کو چاہیئے کہ نبی کے حکم سے اختلاف نہ کریں۔

اب آئندہ آیات میں اپنے نبی کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو راہ حق کی دعوت دیں اور نیک طریقہ سے ان کو ہدایت کریں۔

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ

بلا اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور نصیحت کر کر

الْحُسْنَىٰ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ

بھلی طرح، اور الزام دے ان کو جس طرح بہتر ہو۔ تیرا رب

هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ

بہتر جانتا ہے، جو بھولا اس کی راہ سے اور وہی بہتر

بِالْمُهْتَدِينَ ۚ ۝۱۲۵ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ

جانے جو راہ پر ہیں۔ اور اگر بدلہ دو، تو بدلہ دو اس قدر جتنی تم کو

مَا عَوْقَبْتُمْ بِهِ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ

تکلیف پہنچی، اور اگر صبر کرو تو یہ بہتر ہے

لِلصَّابِرِينَ ۝۱۲۶ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَ

صبر والوں کو - اور تو صبر کر اور تجھ سے صبر ہو سکے اللہ ہی کی مدد سے

لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا

اور ان پر غم نہ کھا ، اور مت خفا رہ ان کے فریب

يَمْكُرُونَ ۝۱۲۷ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا

سے - اللہ ساتھ ہے ان کے جو پرہیزگار ہیں۔

وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝۱۲۸

اور جو نیکی کرتے ہیں -

آداب دعوت و تبلیغ

قال الله تعالى: اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ.... الى... وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ه (ربط) گزشتہ آیت میں ملت ابراہیمی کے اتباع کا حکم تھا اور اسلام اور صراط مستقیم کی دعوت ملت ابراہیمی کا مقصود اصل اور اولیٰ تھا۔ اب ان آیات میں دعوت اسلام اور تبلیغ کے آداب بتلاتے ہیں کہ وعظ و نصیحت اور تبلیغ و دعوت میں کن امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے یعنی حکمت اور موعظت اور مجادلہ حسنہ کو ملحوظ رکھیں اور اگر کفار کی طرف سے کوئی اذیت اور تکلیف پہنچے تو اگرچہ انتقام جائز ہے لیکن اگر صبر اور تقویٰ سے کام لیں تو بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے متقین اور محسنین سے اپنی معیت خاصہ کا وعدہ فرمایا ہے اور صبر اور تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص اور خدا پرستی بھی فلاح اور کامیابی کی کنجی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

لے نبی دعوت دے اور بلا تو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف علم و حکمت کی باتوں کے ساتھ۔ یعنی محکم دلائل کے ساتھ۔ جیسے ابراہیمؑ نے محکم دلائل سے شمس و قمر اور کواکب کی الوہیت کو باطل کیا اور خدا کی توحید کی دعوت دی اور عدہ نصیحت کے ساتھ یعنی نرمی اور دلسوزی کے ساتھ ان کو حق کی دعوت دوجس سے مقصود ان کی خیر خواہی ہو نہ کہ فیضیت۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو نصیحت کی یَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا الى آخر ہا یہ سب عدہ نصیحت بھی تھی اور علم و حکمت کی باتیں بھی تھیں اور اگر بحث و مباحثہ آپڑے تو نہایت عدہ طریقہ کے ساتھ ان سے مناظرہ کر دے۔

یعنی ان پر ایسے طریقے سے حجت اور الزام قائم کرو جس میں خستہ و سرخسنت نہ ہو جس سے وہ دشمنی پر آمادہ ہو جائیں جیسے ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے جواب میں کہا فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ نمرود اس حجت الزامیہ کو سن کر مبہوت ہو گیا۔ پس اگر آپ نے ایسا کر لیا تو دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا ہو گیا اب آپ اس فکر میں نہ پڑئیے کہ کس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا بے شک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اس کو جو اس کی راہ سے بہکا اور دعوت سراپا حکمت اور حسن موعظت اور حسن مجاہدلت کے باوجود باطل سے حق کی طرف نہ آیا اور وہی خوب جانتا ہے ان کو جو ہدایت قبول کرنے والے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزاء و سزا دے گا۔ تیرا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے اور اگر دعوت و تبلیغ کی راہ میں تم کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں تو تم اپنا بدلہ لینے پر بھی قادر ہو تو اگر بدلہ لینا چاہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو۔ جتنا کہ تم ان کی طرف سے ستائے گئے ہو اور عدل و انصاف کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بمقدار ظلم بدلہ لے لو مگر زیادتی نہ کرو یہ رخصت اور اجازت ہے اور اگر تم صبر کرو تو صبر کرنا صابروں کے حق میں بہتر ہے۔ یہ درجہ عزیمت کا ہے کہ جو تمہیں ستائے اس کا تصور معاف کر دو اور اگر اس پر تمہارا دل آمادہ نہ ہو تو اتنا ہی بدلہ لے لو اپنی طرف سے زیادتی نہ کرو اس سے بڑھ کر حسن اخلاق کی تعلیم نہیں ہو سکتی اگر برابر برابر بدلہ لے لیا تو یہ عدل و انصاف ہو اور اگر معاف کر دیا تو یہ احسان ہو گا اور صبر اگرچہ اردوں کے حق میں واجب اور لازم نہیں۔ مگر اے نبی! آپ پر صبر لازم ہے۔

آپ ضرور صبر کیجئے اور آپ کا صبر خاص خدا کی تائید اور توفیق سے ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) تسلی رکھیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس صبر میں کوئی دشواری نہ ہوگی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں اور غمگین نہ ہوں اور نہ ان کے مکرو فریب سے تنگ دل ہوں۔ یہ لوگ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صفت تقویٰ اور صفت احسان کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

اور اللہ کا وعدہ ہے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ اپنی خاص الخاص رحمت اور عنایت سے ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو پرہیزگار ہیں اور مخلص نیکو کار ہیں جس درجہ کا تقویٰ اور احسان یعنی اخلاص ہو گا اسی درجہ کی معیت اور اعانت غیبی اس کے ساتھ ہوگی تقویٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے کے ہیں اور احسان کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی اطاعت اور بندگی اس طرح کرے گویا وہ خدا جل شانہ کو دیکھ رہا ہے اور معیت سے معیت خاصہ مراد ہے یعنی نصرت و حمایت و تائید و تقویت، کما قال اللہ تعالیٰ لَا تَخَافَا زَيْنَىٰ مَعَكُمْ أَسْمَحُ وَ أَرَىٰ۔ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ ان آیات میں معیت سے معیت خاصہ مراد ہے اور حق جل شانہ کے اس ارشاد وَ هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ میں معیت سے مراد معیت عامہ ہے۔ یعنی احاطہ علی مراد ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ

۱۳۸۹ء ہجری سورۃ نحل کے تفسیر سے فراغت ہوئے۔
فللّٰہ الحمد اولاً و آخراً ۰

اللّٰہم اجعلنا من عبادک المخلصین و اولیاءک المتقین
المحسنین و حزبک المفلحین - آمین یا رب العلمین - - - - -
وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہم سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ
و اصحابہ اجمعین - وعلینا معهم یا رحمہم الراحمین ۰



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تفسير سورة الانشاء يعنى سورة بنى اسرائيل

سورۃ بنی اسرائیل جس کو سورۃ اسمراء بھی کہتے ہیں مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں چونکہ اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے اس لیے یہ سورت بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی اور چونکہ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمراء اور معراج کا بیان ہے اس لیے اس سورت کا ایک نام سورۃ الاسراء بھی ہے جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے مگر دو آیتیں ایک وَإِنْ كَادُۤا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْاَدْنٰی لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذَا لَیَلِبُثُوۡتَ خِلْفَکَ اِلَّا قَلِیۡلاً..... الی..... وَاَجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلٰطٰنًا نَّصِیۡرًا اور دوسری آیت وَاِذْ قُلْنَا لَکَ اِنۡ رَبَّکَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ :-

(ربط) گزشتہ سورت میں زیادہ تر دلائل توحید کا بیان تھا اور اس سورت میں زیادہ تر دلائل نبوت اور احکام شریعت کا بیان ہے نیز گزشتہ سورت کے آخر میں اہل بدعت کی تعدی اور زیادتی کا ذکر تھا اور اس سورت کے آغاز میں بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور پھر ان کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے تاکہ اہل مکہ سن کر ہوشیار ہو جائیں اور اپنا انجام سوچ لیں اہل مکہ بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوتے ہیں جس طرح فرعون نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا اور اس کا انجام یہ ہوا کہ فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل ان کے مکانات اور محلات کے وارث ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث اور مالک بنائے گا۔

آيَاتُهَا ۱۱۱ = سُورَةُ بَنِي إِسْرَءِيلَ نِكِيَّةٌ : ۵۰ رُكُوعَاتُهَا ۱۲

سورۃ بنی اسرائیل مکی ہے اور اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مشرودع اللہ کے نام سے جو بڑا ہر بان نہایت رحم والا ۔

سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ۖ لَيْلًا مِّنَ الْمُسْجِدِ

پاک ذات ہے، جو لے گیا اپنے بندے کو مانی رات ادب والی

الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ

مسجد سے پیرلی مسجد تک، جس میں ہم نے خوبیاں رکھی ہیں

لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①

کہ دکھادیں اس کو کچھ اپنی قدرت کے نمونے وہی ہے سُننا دیکھنا

ذکر کرامت اسراء معراج بہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

قال الله تعالى سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ ۖ... الى... إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۖ
گزشتہ سورت کے ختم پر صبر کی فضیلت بیان فرمائی کما قال تعالى وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُمْ خَيْرٌ
لِّلصَّابِرِينَ اور اہل صبر اور اہل تقویٰ کے لیے اپنی معیت اور قرب کا وعدہ فرمایا کما قال تعالى
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ يُحْسِنُونَ اس لیے اب اس سورت کا آغاز واقعہ معراج
کے بیان سے فرمایا کہ جو مکہ میں دس سالہ ہو شر با مصائب پر صبر جمیل کے بعد پیش آیا گویا مسلسل دس
سال کے صبر کے بعد حق تعالیٰ نے ایسی عزت و کرامت و رفعت و بلندی عطا فرمائی جس نے دس سالہ
مصیبتوں اور ذلتوں کو عزتوں اور راحتوں سے بدل دیا۔

دانہ پست افتد زبردستش کنند : خوشہ چوں سر بر کشد پستش کنند

حق جل شانہ نے آپ کو اسراء اور معراج کی کرامت اور عزت سے سرفراز کیا اور ایک رات میں
تمام آسمانوں کی سیر کرائی اور آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ اور صبر جمیل پر
جس معیت سرایا فیرو برکت کا وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کر دیا اور اپنے قرب خاص سے آپ کو نوازا کما قال
تعالى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ ۖ مَا أَوْحَىٰ ۖ اور اس
خارق عادت واقعہ کو آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل بنایا اور مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرانے میں
اہل مکہ کو تنبیہ کر دیا کہ اب عنقریب مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی تولیت اور امامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اور آپ کے اصحاب و احباب کی طرف منتقل ہونے والی ہے اور عنقریب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم
کو بنی القبلتین کا لقب ملنے والا ہے اور یہ سب اس وعدہ معیت کا اظہار ہے جس کا اِنَّ اللَّهَ
مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ يُحْسِنُونَ میں خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ اپنے عباد
متقین اور محسنین کو اپنی معیت خاصہ سے سرفراز فرمائے گا۔

اور چونکہ ایک رات میں عروج و نزول اور سیر مملکت خداوند کریم کی قدرت و مرحمت کا عجیب کرشمہ تھا اسلئے اسکو تسبیح اور تنزیہ سے شروع

کیا گیا تاکہ کوئی علی اور زندقہ اس سیر سلوات کو قدرت خداوندی سے خارج نہ سمجھے اور چونکہ کفار نے اس واقعہ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا اسلئے منکرین اور مخالفین کی تہدید کیلئے قوم نوح کے قصہ کی طرف اشارہ فرمایا اور بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کا قصہ ذکر فرمایا کہ جس طرح خداوند قدیر نے پہلے معاندین کو سزا دی اسی طرح وہ اب بھی معاندین کو سزا دینے پر قادر ہے چنانچہ فرماتے ہیں

پاک اور بے عیب ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک حصہ میں مسجد حرام سے یعنی خانہ کعبہ سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک لے گیا ایسی مسجد جس کے گرد اگر دہم نے دینی اور دنیوی برکتیں رکھی ہیں دینی برکت یہ ہے کہ وہ سرزمین انبیاء کرام کا مولد و مسکن اور ان کا مدفن ہے جس پر یل و ہمار اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی اور فرشتوں کا نزول ہوتا تھا اور دنیوی برکت یہ ہے کہ وہ زمین چشموں اور نہروں اور میوؤں اور درختوں سے مالا مال ہے تو ہم اپنے خاص بندے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ لے گئے تاکہ ہم اس کو اپنی قدرت کی بعض نشانیاں دکھائیں کہ تھوڑی ہی دیر میں مکہ معظمہ سے براق پر سوار ہو کر ملک شام پہنچ گئے اور مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی اور انکی امامت فرمائی پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کی اور بیت معمر اور مدرۃ المنتہی پہنچے بلکہ اس سے بھی اوپر تاکہ اس آسمانی سیر سے آپ کی کرامت اور علوم مرتبت ظاہر ہو اور لوگوں کے سامنے آپ کی نبوت و رسالت واضح طور پر ثابت ہو جائے بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی وہ اپنے نبی کے پاکیزہ اقوال کو سنتا ہے اور اس کے پسندیدہ افعال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق اس کا اکرام ہوتا ہے اور فرش سے لے کر عرش تک اس کو اپنے عجائب ملکوت کا مشاہدہ کراتا ہے یا یہ معنی ہیں کہ اللہ اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا ہے اور ان کے افعال دیکھتا ہے ان کے مطابق ان کو جزاء و سزا دے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ کی ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ کا خاص برگزیدہ اور مقرب بندہ اللہ کی نشانیوں کو اللہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اللہ کے کان سے سنتا ہے جیسا کہ بخاری کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے مقرب بندہ کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے (آخر الحدیث) اس حدیث کو امام بخاری نے جامع صحیح کی کتاب الرقاق باب التواضع میں ذکر کیا ہے معاذ اللہ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ خدا بندہ کا عین بن جاتا ہے بلکہ اس سے مقام قرب اور مقام فنا کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ مقام قرب میں اس منزل پر پہنچ جاتا ہے کہ بظاہر اگرچہ وہ اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور اپنے کان سے سن رہا ہے مگر درپردہ تائید غیبی کا فرما ہوتی ہے کما قال تعالیٰ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ فَاَلَمْ تَقْلُوْهُمْ وَلَکِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ اسی طرح آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے کان سے وہ سنا جو اللہ نے سنایا اور آنکھ سے وہ دیکھا جو اللہ نے دکھایا

بچوں درمکتب بے نشانی رسید چہ گویم کہ آں جاچہ دید و شنید

ورق در نوشتند و گم شد سبق : شنیدن بحق بود و دیدن بحق
حق جل شانہ نے اس آیت میں واقعہ معراج کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان فرمایا اس
ف (۱۱) سے زیادہ وضاحت سورۃ نجم میں ہے اور احادیث میں اس کی پوری تفصیل ہے حق تعالیٰ
نے جہاں جس قدر بیان کرنا مناسب جانا اسی قدر بیان کر دیا اختصار مزید بیان کی نفی نہیں کرتا۔

بیت المقدس کو مسجد اقصیٰ اس لیے کہتے ہیں کہ اقصیٰ کے معنی دور تر کے ہیں اور مسجد
ف (۱۲) بیت المقدس خانہ کعبہ سے بہت دور ہے۔ اور زمانہ نزول وحی میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ
کے سواروئے زمین پر اور کوئی مسجد نہ تھی اور روئے زمین پر اس وقت مسجد اقصیٰ سے زیادہ کوئی
مسجد دور نہ تھی۔

علماء کی اصطلاح میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کو اسراء کہتے ہیں اور مسجد اقصیٰ سے
ف (۱۳) لے کر ساتوں آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات دونوں
سفروں کے مجموعہ پر لفظ اسراء یا لفظ معراج کا بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے اسراء رات کے چلنے کو کہتے ہیں لیلاً
کا لفظ اس کے بعد صرف اس لیے لایا گیا کہ پوری رات اس سفر میں صرف نہ ہوئی بلکہ اس کا ایک قلیل
حصہ صرف ہوا۔

اسراء اور معراج سے مقصود حق تعالیٰ کا یہ تھا کہ اپنے برگزیدہ بندہ کو اپنے عجائب قدرت
ف (۱۴) دکھائے اگرچہ یہ عالم بھی عجیب ہے مگر عالم ملکوت کے کرشمے وہم و گمان سے بالا اور
برتر ہیں آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کی اور بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں جیسا کہ سورۃ نجم کی آیات سے ظاہر
ہے لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ۔

خدا تعالیٰ نے اس واقعہ کو لفظ سبحان سے شروع کیا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہر قسم
ف (۱۵) کے عجیب اور نقص اور عجز سے پاک ہے اس کو ایک رات میں اپنے بندہ کا مکہ سے
بیت المقدس لے جانا کچھ مشکل نہیں جو لوگ اس کو مستبعد سمجھتے ہیں وہ خدا کو عجز اور نقص کا عجیب لگاتے ہیں
اور خدا تعالیٰ ہر عجیب سے منزہ اور پاک ہے۔

صحابہ اور تابعین اور علماء ربانین کے اتفاق سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پر نور کو یہ
ف (۱۶) معراج بحالت بیداری روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتی اور یہ واقعہ اس قدر احادیث
کثیرہ و صحیحہ و صریحہ سے ثابت ہے کہ جنکا انکار ممکن ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی تاویل ممکن ہے اس
درجہ کثیر ہیں کہ حد تو اترو کو پہنچی ہیں جن کا انکار ناممکن ہے اور اس درجہ صریح اور واضح ہیں کہ ان میں ذرہ برابر
تاویل کی گنجائش نہیں متواترات کا انکار کفر ہے اور نصوص حکمت میں تاویل الحاد اور زندقہ ہے اسی وجہ
سے ہر زمانہ میں اہل اسلام کا اس پر اجماع رہا ہے اور یہی ان کا عقیدہ رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کو معراج جہانی ہوتی اور آپ بیداری کی حالت میں بحسبہ العنصری آسمانوں پر تشریف لے گئے

سلف اور خلف اور جمہور فقہاء و محدثین و متکلمین اور صوفیائے کرام اور اولیائے عظام سب کا یہی قول ہے اور حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کی طرف جو یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ وہ معراج کو بحالت منام (نیند) ایک عجیب و غریب خواب مانتے تھے صحیح نہیں جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

ظاہر قرآن سے یہی مفہوم اور معلوم ہوتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم اس جسد عنصری کے ساتھ بحالت بیداری آسمانوں پر تشریف لے گئے کیونکہ خدا تعالیٰ یہ فرماتے ہیں۔

(۱۷)

(۱) ”پاک ہے وہ ذات جس نے میری اپنی عبادت (بندہ) کو آیت میں لفظ عباد واقع ہے جس کا ترجمہ بندہ ہے جو مجموعہ روح و جسد کا نام ہے اس کا اطلاق صرف روح پر صحیح نہیں قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یہ لفظ آیا ہے ہر جگہ اس سے مراد روح مع الجسد ہے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں اَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا اِذَا صَلَّىٰ یعنی کیا تو نے ابو جہل کو بھی دیکھا ہے جو اس خاص بندہ کو جب وہ نماز پڑھتا ہے نماز پڑھنے سے روکتا ہے ظاہر ہے کہ اس آیت میں عباد سے مراد روح مع الجسد ہے نہ کہ صرف روح کیونکہ ابو جہل صرف روح کو نماز پڑھنے سے نہیں روکتا تھا نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ كَمَا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوًا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا یعنی جب اللہ کا بندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے تو قرآن سننے کے لیے اس پر ٹوٹے پڑتے ہیں ظاہر ہے کہ صرف حضرت کی روح نماز پڑھنے کے لیے کھڑی نہیں ہوتی تھی نیز خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ جَدُّكَ ذِكْرًا اس آیت میں بھی عباد سے مراد زکریا علیہ السلام کی روح اور جسد دونوں ہی ہیں غرض یہ کہ اس قسم کی مثالیں قرآن کریم میں کثیر ہیں عباد سے مراد روح مع الجسد ہے نیز حق جل شانہ نے اس واقعہ کے بیان کو تسبیح و تنزیہ سے شروع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ تسبیح امر عظیم اور امر عجیب کے وقت ہوتی ہے خواب جیسے معمولی واقعہ کے لیے ایسا عظیم لفظ کبھی استعمال نہیں ہوتا کیونکہ خواب کوئی ایسی بڑی بات نہیں جس کے لیے تسبیح کا لفظ استعمال کیا جائے۔

(۲) نیز اَسْرٰی بِعَبْدٍ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ بحالت بیداری اپنے بندہ کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور اگر آیت کے یہ معنی لیے جائیں کہ خدا تعالیٰ اپنے بندہ کو بحالت خواب یا محض روحانی طور پر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا تو پھر اَسْرٰی بِعَبْدٍ کی کِسْفًا میں یہ معنی لینے ممکن ہوں گے کہ اے موسیٰ! میرے بندوں (بنی اسرائیل) کو خواب میں یا محض روحانی طور پر لے کر مصر سے نکل جاؤ اور حضرت لوط علیہ السلام کے قصہ میں ہے فَاسْرِ بِاهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ اس آیت میں لوط علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ رات کے حصہ میں اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے چلے جاؤ اور ظاہر ہے کہ بیداری میں لے جانا مراد ہے خواب میں لے جانا کسی کے نزدیک بھی مراد نہیں۔

(۳) نیز اِلْتَمَسَتْ مِنْ اٰیَاتِنَا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسرار سے مقصود آیات قدرت کا مشاہدہ کرنا تھا کہ بحالت بیداری اس چشم سر سے عجائب قدرت کو دیکھیں روحانی طور پر یا بحالت خواب

دکھانا مراد نہیں بلکہ جسمانی طور پر دکھلانا مراد ہے اور سورۃ نجم میں مَا ذَاغَ الْبَصَرُ کا لفظ آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشاہدہ بصری تھا نیز سورۃ نجم میں حق تعالیٰ نے اس واقعہ کو آیات کبریٰ اور معجزات عظمیٰ میں سے قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب نہ آیات کبریٰ ہے اور نہ معجزات عظمیٰ ہے۔

(۴) نیز بتواتر منقول ہے کہ جب آپؐ نے واقعہ اسراء و معراج کو لوگوں کے سامنے بیان کیا تو کافروں نے اس کو محال جانا اور آپؐ کی تکذیب کی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپؐ خواب کے مدعی نہ تھے اگر آپؐ خواب کے مدعی ہوتے تو کافروں کے جھٹلانے کے کوئی معنی نہ تھے خواب میں ہر ایک انسان عجائبات دیکھ سکتا ہے کیا عرب کے کافر ایسے بے وقوف اور نادان تھے جو یہ کہتے تھے کہ خواب میں بیت المقدس اور آسمانوں پر جانا محال ہے۔

(۵) نیز احادیث میں ہے کہ مشرکین نے اس واقعہ کو سن کر آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کی اور آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق اڑایا اور تالیاں بجاتیں، بیت المقدس کی علامات دریافت کیں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس آپؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے کر دیا آپؐ نے اس کو دیکھ کر ان کی باتوں کا جواب دیا اگر یہ واقعہ کوئی خواب یا کشف ہوتا تو مشرکین آپؐ سے بیت المقدس کی علامتیں نہ پوچھتے خواب بیان کرنے والے سے نہ کوئی علامت پوچھتا ہے اور نہ مذاق اڑاتا ہے ایسے موقع پر کسی کا تالیاں بجانا اپنی کامیابی اور اور مخالف کی ذلت کی علامت ہے اور کامیابی وہ اپنی اسمیں سمجھتے تھے کہ آپؐ کا جھوٹ ثابت کر دیں اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب یہ واقعہ بیداری کا ہو اور امتحان کے وقت میں جانب اللہ بیت المقدس کا سامنے کر دینا اس امر کی دلیل ہے کہ صرف اتنا واقعہ کشفی ہے باقی پورا واقعہ بیداری کا ہے۔

(۶) نیز اگر واقعہ اسراء و معراج کوئی خواب ہوتا تو حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار نہ ہوتا خواب میں تو ابو جہل اور ابو لہب بھی ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس جا کر واپس آ سکتا ہے۔

(۷) نیز مستدرک حاکم میں باسناد صحیح اور امام بیہقیؒ کی دلائل النبوة میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ جس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس جا کر واپس آئے تو صبح کو لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور ان سے جا کر کہا کہ تمہیں کچھ اپنے رفیق اور دوست کی بھی خبر ہے آپؐ کا دوست یہ کہتا ہے کہ آج رات اسے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ابوبکرؓ نے کہا کیا واقعی آپؐ نے یہ بات کہی ہے لوگوں نے کہا ہاں کہی ہے ابوبکرؓ نے کہا کہ ہاں میں تو بیت المقدس سے بھی دور کی تصدیق کرتا ہوں۔ آپؐ صبح شام جو آسمانوں کی خبریں بیان کرتے ہیں (جو بیت المقدس سے بھی دور ہیں اور بعید از عقل بھی ہیں) ان کی تصدیق کرتا ہوں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اسی تصدیق کی وجہ سے ان کا نام صدیق رکھا گیا اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو کفار بھی اس کی تصدیق کر دیتے کہ خواب میں اکثر دور دور کے شہروں کی سیر کر ہی لیا کرتے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر ص ۲۱ جلد ۳ و تفسیر درمنثور ص ۵۵ جلد ۴ و خلاص کبریٰ ص ۱۷۶ جلد ۱)

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ سننے والے نے اس واقعہ کو بیداری کا واقعہ سمجھا اسی بناء پر بعضے لوگ مرتد ہو گئے اور ابو جہل اور قریش نے اس واقعہ کو محال سمجھ کر آپ کا مذاق اڑایا اور اسی کی تصدیق پر ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملقب بصدیق ہوئے اور یہ سب باتیں اسی صورت میں ممکن ہیں جب کہ آپ کا دعویٰ معراج جسمانی بحالت بیداری ہو خواب میں مکہ سے بیت المقدس جانا اور صبح کو مکہ واپس آجانا کسی عاقل کے نزدیک بھی محال اور ناممکن نہیں نہی تو بنی ایسا خواب تو کافر بھی دیکھ سکتا ہے اور خواب سن کر بے اعتقاد اور مرتد ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور محض خواب کی تصدیق پر صدیق کا لقب ملنے کی بھی کوئی وجہ نہیں پس معلوم ہوا کہ جس معراج کی ابو جہل اور کفار نے تکذیب کی اور جس کی ابو بکر صدیقؓ نے تصدیق کی تھی وہ جسمانی ہی تھا لہذا اب جو معراج جسمانی کا انکار کرے وہ خود سمجھ لے کہ وہ کس گروہ سے ہے اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی معراج جسمانی کی قائل ہیں لہذا کسی کا یہ کہنا کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہیں کس طرح درست اور صحیح ہو سکتا ہے۔

نیز عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں حضرات اس بات کے قائل تھے کہ واقعہ معراج بلاشبہ جسمانی تھا اور بحالت بیداری تھا مگر ان دونوں حضرات کا اس بارہ میں اختلاف تھا کہ شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیدار الہی سے مشرف ہوتے کہ نہیں عبداللہ بن عباسؓ شب معراج میں رؤیت باری تعالیٰ کے قائل تھے کہ حضور پُر نورؐ نے اس شب میں اپنے رب اکرم کو پچشم سر دیکھا اور عبداللہ بن مسعودؓ اس کے منکر تھے اور ابن مسعودؓ کی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی شب معراج میں رؤیت باری کی منکر تھیں معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعودؓ کی طرح عائشہ صدیقہؓ بھی معراج جسمانی کی قائل تھیں صرف رؤیت کی منکر تھیں۔ حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا دیگر صحابہ کرامؓ سے اختلاف معراج کی جسمانی اور بحالت بیداری ہونے میں نہ تھا بلکہ اختلاف صرف اس بات میں تھا کہ حضور پُر نورؐ اس سیر ملکوتی میں پچشم سر دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یا نہیں اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو اختلاف کی کوئی وجہ نہیں اس لیے کہ بحالت خواب حق تعالیٰ کا دیدار بالا جماع جائز ہے معراج جسمانی ہونے کے بارہ میں صحابہ کرامؓ کا کوئی اختلاف نہیں بالفرض اگر کوئی اختلاف ہوتا تو وہ اختلاف کسی پر مخفی نہ رہتا سب کو معلوم ہوتا جن مسائل میں صحابہ کرامؓ کا ایک دوسرے سے مناظرہ یا کوئی مباحثہ ہوا جیسے سماع موتی اور متعہ الحج وغیرہ میں تو وہ ضرور منقول ہوتا اسی طرح اگر مسئلہ معراج کے متعلق صحابہ و تابعین میں کوئی اختلاف ہوتا تو ضرور منقول ہوتا اور یہ ناممکن تھا کہ اگر صحابہ میں سے کوئی معراج جسمانی کا منکر ہوتا تو دوسرے صحابہ کرامؓ جو معراج جسمانی کے قائل تھے وہ ان سے مناظرہ نہ کرتے غرض یہ کہ حضرت عائشہؓ کی طرف یہ نسبت کرنا کہ وہ معراج جسمانی کی قائل نہ تھیں بالکل غلط ہے جو لوگ معراج کو روحانی یا خواب قرار دیتے ہیں اور معراج کے منکر ہیں وہ اپنے اس باطل دعوے کی تائید میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نام لیتے ہیں اور بطور استدلال یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ یہ فرمایا کرتی تھیں مَا فَقَدْتُ جَسَدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنَّ اللَّهَ اسْرَىٰ بِي وَوَحَّصَ

یعنی شب معراج میں میرے پاس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم غائب نہیں ہوا لیکن اللہ نے آپ کی روح کو میری کرائی۔

جواب | یہ حدیث محدثین کے نزدیک ثابت نہیں اس حدیث کی سند میں انقطاع ہے اور راوی مجہول ہے اور ابن وجہ نے تنویر میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے کسی نے صحیح حدیث کو رد کرنے کے لیے اس کو وضع کیا ہے۔

(زر قانی شرح مواہب ص ۴ جلد ۶)۔

علاوہ ازیں اس روایت کا صحیح ہونا نہایت دشوار ہے کیونکہ واقعہ معراج بالاجماع ہجرت سے تین سال یا پانچ سال پہلے کا ہے اس وقت اگر عائشہ صدیقہؓ پیدا بھی ہو چکی تھیں تو سن شور کو نہ پہنچی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں نہ آئی تھیں جو واقعہ ان سے پہلے گزر چکا ہے اس کی نسبت وہ کیسے فرما سکتی ہیں کہ آپ کا جسم موجود تھا یا غائب تھا لہذا ان کا یہ کہنا کہ میں نے نبی کریمؐ کے جسم کو اپنے پاس سے مفقود اور غائب نہیں پایا کیسے صحیح ہو سکتا ہے خاص کر جب حضرت عائشہ صدیقہؓ خود یہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب واقعہ معراج بیان کیا تو کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور ابو بکرؓ کو بوجہ تصدیق کے صدیق کا لقب ملا اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک یہ معراج جسمانی نہ ہوتی تو اس بات کی تصریح فرمادیتیں کہ ارتداد اور استبعاد کی کیا ضرورت ہے یہ واقعہ تو خواب کا ہے یا روحانی واقعہ ہے کفار نے غلط سمجھ کر خواہ مخواہ آپ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اڑایا حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث جس میں کفار کی تکذیب اور لوگوں کا مرتد ہونا اور تصدیق کی وجہ سے ابو بکر صدیقؓ کو صدیق کا لقب مذکور ہونا یہ حدیث مرفوع اور صحیح ہے اور ما فقد تجسدہ والی روایت موقوف اور غیر صحیح ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ شب معراج میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا روایت بصری سے انکار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معراج جسمانی کی قائل تھیں ورنہ خواب میں دیدار خداوندی کے انکار کی کوئی وجہ نہیں منافی اور روحانی روایت کا انکار غیر معقول ہے اس لیے کہ روایت باری تعالیٰ خواب میں یا روحانی طور پر عقلاً و نقلاً جائز ہے معاذ اللہ کیا حضرت عائشہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خواب میں بھی دیدار خداوندی اور روایت باری تعالیٰ کو جائز نہیں سمجھتی تھیں اور اگر بضرر حال حضرت عائشہؓ کے اس قول کو صحیح بھی مان لیا جائے تو چونکہ یہ قول بے شمار احادیث صحیحہ اور صریحہ کے خلاف ہے اس لیے قابل قبول

لہ علامہ زر قانیؒ فرماتے ہیں حدیثها هذا ليس بالثابت عنها لما فيه من العلة القادحة وفي سنده من الانقطاع وراي مجہول وقال ابن وجہ في التنوير انه حديث موضوع عليها وقال في معراجہ الصغير قال امام الشافعية ابو العباس بن سريج هذا حديث لا يصح وانما وضع رد الحديث الصحيح (زر قانی شرح مواہب ص ۴ جلد ۶)

نہ ہوگا (شرح شفاء قاضی عیاض للعلامة القاری ص ۴۱۳)

نیز احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ جب فرشتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسرار و معراج کے لیے لینے آئے تو آپ اس وقت ام ہانیؓ کے گھر میں تھے فرشتے آپ کو ام ہانیؓ کے گھر سے مسجد حرام میں لے گئے اور وہاں جا کر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا اور براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے معجم طرانی میں ام ہانیؓ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔

قالت بات رسول الله صلى
الله عليه وسلم ليلة اسرى
به في بيتي فقد تئمت الليل فامتنع
مني النوم مخافة ان يكون
عرض لله بعض قریش فقال
رسول الله صلى الله عليه وسلم
ان جبريل اتاني فاخذ بيدي فاخترني
الى آخر الحديث :-
(خصائص كبرى للسيوطي ص ۱۷۷)

ام ہانیؓ کہتی ہیں کہ شب معراج میں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے درمیان
شب کے میں نے آپ کو دیکھا تو آپ گھر
میں موجود نہ تھے میری نیند اڑ گئی اور ڈر یہ ہوا
کہ آپ باہر تشریف لے گئے ہیں مبادا قریش
میں کا کوئی دشمن آپ کے پیچھے نہ لگ گیا ہو
(جب صبح ہوئی اور آپ گھر تشریف لائے
اور آپ سے میں نے اپنی پریشانی بیان کی)
تو آپ نے مجھ سے اسرار اور معراج کا واقعہ
بیان کیا تب میرے دل کو تسلی ہوئی۔

(دیکھو خصائص کبریٰ ص ۱۷۷، جلد اول تفسیر و منشور ص ۴۸ جلد ۲)

ام ہانیؓ کی روایت کا یہ لفظ فقد تئمت من اللیل یعنی اس رات میں نے آپ کو گھر سے غائب
پایا ام ہانیؓ کا یہ لفظ عائشہ صدیقہؓ کی روایت کے لفظ ما فقد تجسد رسول الله صلی اللہ علیہ
وسلم کے صریح معارض اور مخالف ہے لہذا بوقت تعارض ترجیح ام ہانیؓ کی روایت کو ہوگی اس لیے
کہ معراج کا آغاز ام ہانیؓ کے گھر سے ہوا اور واپسی بھی ام ہانیؓ کے گھر ہوئی اور حضرت عائشہؓ اس وقت کم سن تھیں اور بعض اقوال کی بنا پر واقعہ
اسرار و معراج حضرت عائشہ صدیقہؓ رضی اللہ عنہا کی ولادت سے پہلے کا ہے اس لیے اگر بالفرض عائشہ صدیقہؓ کی روایت صحیح بھی ہو تو ام ہانیؓ
کی روایت کے مقابلہ میں اسکو ترجیح نہیں ہو سکتی ہے اس لیے کہ ام ہانیؓ خود اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں اور عائشہ صدیقہؓ واقعہ معراج
کے وقت آپ کے نکاح میں نہ تھیں نیز حضرت عائشہؓ سے خود ایک روایت ام ہانیؓ کی روایت کے موافق
آتی ہے جس میں اس بات کی تصریح ہے کہ اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے غائب تھے
چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ابن سعد اور ابن عساکر نے حدیث معراج کو عبد اللہ بن عمرؓ اور
ام سلمہؓ اور عائشہ صدیقہؓ اور ام ہانیؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کی ہے اور اس طویل اور مفصل حدیث
میں یہ لفظ آیا ہے۔

فقد النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة فتفرقت بنو

عبد المطلب يطلبونه و يلمسونه، وخرج العباس حتى بلغ ذا طوى فجعل يصرخ
يا محمد يا محمد فلجاك رسول الله صلى الله عليه وسلم لبيك لبيك فقال
ابن اخي اعيت قومك منذ الليلة فأين كنت قال اتيت من بيت المقدس قال
في ليلتك قال نعم قال اصابك خير قال ما اصابني الا خير

(تفسیر درمنثور ص ۱۴۹ ج ۴)

یعنی اس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے گم اور غائب ہوئے اور یہ نہ معلوم
ہو سکا کہ رات کے وقت آپ کہاں چلے گئے اسلئے بنی عبد المطلب آپ کی تلاش میں نکلے اور حضرت
عباسؓ بھی آپ کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ جب وادی طوی میں پہنچے تو حضرت عباسؓ زور زور سے
یا محمد یا محمد کہہ کر آواز دینے لگے اسی حالت میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب
میں آواز آئی لبتیک لبتیک میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں حضرت عباسؓ نے کہا اے بھتیجے تم نے اس
رات گھر والوں کو پریشان کیا اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھکا دیا آپ نے فرمایا میں بیت المقدس سے
واپس آ رہا ہوں کہا اسی رات میں آپ نے کہا ہاں، پوچھا خیر تو ہے آپ نے فرمایا ہاں خیر ہے۔

اس حدیث پر نظر ڈالیے کہ دیگر صحابہ کرام کی طرح حضرت عائشہؓ بھی واقعہ معراج کی روایت فرما رہی
ہیں اور اس روایت میں ام ہانیؓ وغیرہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں کہ دونوں متفقہ طور پر یہ روایت کرتی
ہیں کہ اس شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک گھر سے غائب اور مفقود تھا لہذا حضرت
عائشہؓ کی طرف منسوب کردہ روایت، ما فقد تجسد رسول الله صلى الله عليه وسلم
کیسے صحیح ہو سکتی ہے علاوہ اس کے کہ وہ روایت ام ہانیؓ کی روایت اور دیگر صحابہ کرام کی روایت کے مخالف
اور معارض ہے خود حضرت عائشہؓ کی بھی ایک روایت کے صریح معارض اور مخالف ہے معلوم ہوا کہ اس
قول کی نسبت ام المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کی طرف کسی طرح صحیح نہیں اس بارہ میں سب سے زیادہ مؤثق
ام ہانیؓ کی روایت ہے کہ جن کے گھر سے اس سفر کا آغاز ہوا اور ام ہانیؓ کے گھر واپسی ہوئی۔

شبے رخ تافتہ زیں دار فانی :: نجلوت در سرائے ام ہانیؓ
رسیدش جبریل از بیت معمور :: براق برق سیر آورد از دور
قوی پشت دگراں سیر و سبک خیز :: براندن دور ہیں وقت شدن تیز
اور یہی ہقی اور طرانی اور بزار کی روایت میں ہے صبح کے وقت ابوبکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا طلبتک یا رسول الله البادية في مكانك يا رسول
الله میں نے گزشتہ شب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تلاش کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کے
مکان میں نہ پایا

(مشرح شفاء للعلامة القاری ص ۱۱۷)

اور ایک روایت میں لفظ ہیں یا رسول اللہ، این کنت یا رسول اللہ فقد طلبتک ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آج رات آپ کہاں تھے جہاں جہاں گمان اور خیال کیا جاسکتا تھا وہاں سب جگہ آپ کو تلاش کر لیا مگر آپ کو نہ پایا آپ نے فرمایا رات جبریلؑ ایٹن آئے تھے اور براق پر سوار کر کے مجھے بیت المقدس لے گئے تھے الی آخرہ
(دیکھو خصائص کبریٰ سیوطی ص ۱۵۹ جلد ۱)

صدیق اکبرؓ کی یہ روایت اس امر کی روشن دلیل تھی کہ آپ کا یہ اسراء جہانی تھا اور بحالت بیداری تھا اور امام طبرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت عائشہؓ کی طرح حضرت معاویہؓ کا قول نقل کیا اور پھر اس کو رد کیا کہ یہ قول صحیح نہیں اسلئے کہ دلائل واضحہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے بے شمار روایتوں میں بتواتر یہ امر منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر مکہ سے بیت المقدس گئے اور ظاہر ہے کہ سواری پر جسم ہی سوار ہوتا ہے نہ کہ رُوح اور یہ کہنا کہ براق پر سوار ہونا بھی خواب ہی میں تھا صریح آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ کے خلاف ہے اور صحابہ و تابعین کی تصریحات کے بالکل برعکس ہے لہذا یہ قول کسی طرح قابل قبول نہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری ص ۱۴ جلد ۱۵)

اور کیا مشرکین مکہ کا اس واقعہ کو سن کر مذاق اڑانا اور تعجب سے سر پر ہاتھ رکھنا اور تالیاں بجانا اور بیت المقدس کی علامتیں پوچھنا کیا یہ سب خواب ہی میں تھا یا روحانی طور پر تھا مقصود اسی واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو ثابت کرنا تھا اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ یہ واقعہ بحالت بیداری اسی جسم عنصری کے ساتھ مانا جائے ورنہ محض روحانی عروج یا خواب، نبوت و رسالت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

معراج جہانی کے بعض منکرین نے اسی سورت کی اس آیت
ایک شبہ اور اس کا ازالہ
یعنی وَمَا جَعَلْنَا الْوَيْلَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِلَّا فِتْنَةً
لِّلنَّاسِ سے استدلال کیا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا تھا چونکہ یہ آیت اسی سورت کی ہے اس لیے اس شبہ کا لفظی جواب انشاء اللہ اسی آیت کی تفسیر میں آجائے گا مختصر یہ کہ اس آیت میں رویا سے معراج کا خواب مراد نہیں بلکہ واقعہ حدیبیہ کے متعلق حضور پُر نورؐ نے جو خواب دیکھا تھا وہ مراد ہے اور اگر بالفرض والتقدیر اس سے معراج ہی کا واقعہ مراد لیا جائے تو صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آیت میں رویا سے مراد رؤیت چشم ہے خواب میں دیکھنا مراد نہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں جو دیکھا وہ پنجم سر دیکھا وہ خواب نہ تھا۔

خلاصہ کلام: یہ کہ معراج جہانی بحالت بیداری، دلائل قطعیہ اور احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ سے ثابت ہے اسراء کا جتنا حصہ قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار تو صریح کفر ہے اور احادیث متواترہ کا

انکار بھی کفر ہے اور اجماعی امور کا انکار قریب بکفر ہے اور غیر ثابت شدہ اقوال کی آڑ لے کر نصوص صریحہ اور واضحہ میں تاویل کرنا یہ الحاد اور زندقہ ہے ایسا شخص ظاہر میں مسلمان ہے اور در پردہ کافر ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ ملحد اور زندیق منافق کے حکم میں ہے۔

(۸) ام ہانی رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث میں ہے کہ جب حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے واپسی پر ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سفر بیت المقدس کا واقعہ بیان کر کے یہ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے اس رات دیکھا ہے وہ قولش سے بیان کر دوں ام ہانی کہنتی ہیں کہ میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا خدا کے لیے آپ یہ کیا کرتے ہیں وہ لوگ تو پہلے ہی سے آپ کی تکذیب کرتے ہیں مجھے خوف ہے کہ یہ واقعہ سن کر آپ پر حملہ نہ کر بیٹھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جھٹکا دے کر دامن چھڑا لیا اور مجمع میں جا کر سارا واقعہ بیان کیا پس اگر یہ واقعہ خواب کا ہوتا تو ام ہانی اس کے بیان نہ کرنے پر اس قدر اصرار نہ کرتیں۔

(۹) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ لوگ سن کر اس واقعہ کی تکذیب کریں گے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں کیونکہ خواب میں اکثر عجیب و غریب واقعات دیکھے جاتے ہیں مگر کسی کو یہ فکر نہیں ہوتا کہ لوگ سن کر اس کی تکذیب کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اس کے کہ واقعہ معراج سے شاداں اور فرجاں ہوتے بیان کرنے سے پہلے ہی رنجیدہ اور غمگین تھے اس وجہ سے کہ کفار اس واقعہ کو خلاف عقل سمجھ کر میری تکذیب کریں گے اور میرا مذاق اڑائیں گے۔ بظاہر باوجود اس رنجیدگی اور پریشانی کے آپ نے یہ واقعہ سب کے سامنے اس لیے بیان کیا کہ آپ اس واقعہ کے بیان کرنے پر من جانب اللہ مامور تھے دلی کو اپنی کرامت کا چھپانا جائز ہے مگر بنی پر اپنے معجزہ اور کرامت کا اظہار فرض ہے تاکہ اس کی نبوت و رسالت ثابت ہو۔

اس وقت ہم منکرین معراج کا ایک اعتراض نقل کر کے جواب دینا چاہتے ہیں تاکہ قارئین **فائدہ** کرام ملاحظہ اور زنداقہ کے دام تزویر میں آکر اسلام کے ایک متفق علیہ مسئلہ کا انکار نہ کریں۔

اعتراض ایک رات میں مکہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے سبع سموات کا سفر طے کرنا اور صبح سے پہلے مکہ واپس آجانا عقلاً محال ہے۔

جواب ایک رات میں اتنا طویل سفر طے کر لینا عقلاً کوئی محال نہیں سرعت حرکت کی کوئی حد معین نہیں ہوائی جہازوں کی پرواز سامنے ہے اور نہ معلوم آئندہ کس حد تک ترقی کر جائے قرآن کریم میں ہے کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر تھی تخت سلیمانی کو وقت قلیل میں ایک ہینہ کی مسافت پر پہنچا دیتی تھی **عَذُّوْهَا شَهْرٌ وَوَرَّاحُهَا شَهْرٌ** قرآن کریم سے ثابت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص جس کو خدا تعالیٰ نے کتاب کا علم عطا فرمایا تھا ایک ایک

جھکنے میں بلیقے کا تخت یمن سے لاکر شام میں سلیمان علیہ السلام کے سامنے رکھ دیا۔
 قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ اَنَا اَرْسِلُكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّزُوْدَكَ الْيَتَمٰۤتُ طَرَفُكَ
 فَلَمَّا رَاَهُ مُسْتَقِرًّا اَعِنْدَهُ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا زندہ آسمان سے اتارا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے اور علیٰ ہذا حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور نزول من السماء قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ و تابعین سے ثابت
 ہے اور چودہ سو سال سے تمام علماء ربانین کا یہی عقیدہ چلا آرہا ہے معلوم ہوا کہ جسم عنصری کا آسمان پر جانا
 عقلاً و نقلاً بالاتفاق ممکن بلکہ واقع ہے اور اس زمانہ میں ہوائی جہازوں کی برق رفتاری سب کے سامنے
 ہے پس جب کہ اس زمانہ میں خدا کی مخلوق کو یہ قدرت ہے کہ صد ہا اور ہزار ہا میل فی گھنٹہ کی رفتار کی
 سواری ایجاد کر کے تو کیا خداوند عالم کو یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے کسی برگزیدہ کے لیے براق جیسی برق رفتاری
 پیدا کر دے کہ جو اس کو چند گھنٹہ میں بیت المقدس کا سفر طے کر دے معاذ اللہ کیا خدائی قدرت یورپ
 کے کارخانوں کی قدرت سے بھی کم ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی جسم عنصری کے ساتھ آسمان
 پر عروج اور پھر اس جسم عنصری کے ساتھ نزل ممکن ہے اسی طرح سمجھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء اور اخیر زمانہ میں
 نزول من السماء بھی ممکن ہے اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عروج اور یہ نزول جسمانی تھا اسی طرح حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام کا عروج الی السماء بھی جسمانی تھا اور قیامت کے قریب ان کا نزول من السماء بھی جسمانی ہوگا اور
 یہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے لہذا قادیان کے کسی دھقان کا یہ کہنا کہ کسی جسم عنصری کا زندہ آسمان پر
 جانا اور زندہ آسمان سے اترنا محال ہے اہل عقل کے نزدیک مجنونانہ ہذیان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا

معراج آسمانی اور مرزائے آنجہانی

معراج کا مسئلہ اسلام میں ایک عظیم الشان مسئلہ ہے جو آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت
 ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم ترین معجزات اور آپ کے دلائل نبوت اور براہین رسالت
 سے ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے اور امت محمدیہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسرار و معراج کی عزت
 و کرامت سوائے ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی نبی کو یہ فضیلت حاصل نہیں مگر مرزائے قادیان
 اپنی خود غرضی کی وجہ سے اس معجزہ سے انکار کرتا ہے اور طرح طرح سے معراج جسمانی کے ماننے سے پہلو
 تہی کرتا ہے مرزائے قادیان کو ڈر یہ ہے کہ اگر معراج جسمانی ثابت ہو جائے تو عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان
 پر جانا ثابت ہو جائے گا اور پھر جب انکا رفع الی السماء ثابت ہو جائے گا تو ان کا نزول من السماء
 یعنی آسمان سے اترنا بھی ثابت ہو جائے گا کیونکہ رفع جسمانی اور نزول جسمانی دونوں ہم شکل ہیں اس لیے
 مرزائے قادیان کبھی تو معراج جسمانی کا انکار کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک جسم عنصری کا آسمان پر

جانا عقلاً و نقلاً محال ہے کوئی زندہ شخص آسمان پر جا ہی نہیں سکتا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج بیداری کا واقعہ نہ تھا بلکہ ایک خواب تھا اور کبھی کہتا ہے کہ واقعہ معراج ایک کشف تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شب معراج میں مکہ سے باہر نہیں گئے بستر پر ہی لیٹے لیٹے بیت المقدس وغیرہ کا کشف ہو گیا چنانچہ مرزا ازالۃ الادہام ص ۴۷ میں لکھتا ہے کہ ”یہ معراج اس جسم کشف کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اجلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مولف خود صاحب تجربہ ہے“ (انتہی)۔

ناظرین کرام اس عبارت کو غور سے پڑھ لیں اس میں اولاً تو معراج جسمانی کا انکار کیا اور ثانیاً اس کو ایک قسم کا کشف بنایا اور ثالثاً سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری بلکہ برتری کا دعویٰ کیا کہ واقعہ معراج اگر حضور پُر نورؐ کو عمر میں ایک مرتبہ پیش آیا تو قادیان کے اس دہقان کو اس کا تجربہ ہے کہ بارہا اس کو اس قسم کا کشف ہو چکا ہے مرزا کے نزدیک اگر یہ واقعہ خواب کی حالت میں ہوا تھا یا اعلیٰ درجہ کا کشف تھا تو جو واقعات احادیث صحیحہ اور صریحہ سے ثابت ہیں وہ سب کے سب کیا خواب تھے یا سب کشف و مکاشفہ تھے واقعہ معراج سن کر مشرکین مکہ کا تعجب سے سروں پر ہاتھ رکھ لینا اور تالیاں بجانا اور بیت المقدس کی علامتیں دریافت کرنا وغیرہ وغیرہ کیا یہ سب باتیں کشف اور خواب کی آزمائش کے لیے تھیں یا واقعہ بیداری سمجھ کر یہ باتیں کی جا رہی تھیں معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ معراج جسمانی کا تھا نہ کہ روحانی اور منافی اور کشفی کا تھا اس لیے کہ روحانی یا منامی یا کشفی چیز کا کون انکار کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس پر اعتراض کر سکتا ہے اور نہ اس کے جواب کی کوئی حاجت ہوتی ہے نیز کیا اس قسم کا کشف مرزا صاحب کے علاوہ کسی اور کو بھی ہو سکتا ہے یا صرف مرزا صاحب کے ساتھ مخصوص ہے۔

مرزا ازالۃ الادہام میں لکھتا ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفع جسمی کے بارہ میں کہ وہ جسم سمیت شب معراج آسمان کی طرف اٹھائے گئے تھے تقریباً تمام صحابہ کا یہی اعتقاد تھا لیکن پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بات کو تسلیم نہیں کرتیں اور کہتی ہیں کہ روایت صالحہ تھی (انتہی)۔

اس تحریر سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ تقریباً کل صحابہ معراج جسمانی کے قائل تھے دوسرے یہ کہ عائشہ صدیقہؓ اس کی منکر تھیں اول امر کے متعلق یہ گزارش ہے کہ کتب رجال وغیرہ سے یہ ثابت ہے کہ صحابہ کرام ایک لاکھ سے زیادہ تھے اور یہ تمام صحابہ معراج جسمانی کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ امر کسی ادنیٰ مسلمان پر مخفی نہیں کہ جس بات پر ایک لاکھ اعتقاد رکھتے ہوں اس کے موافق اعتقاد رکھنا مسلمان پر فرض ہے اور آیت شریفہ وَیَتَّبِعْ غِبْرُ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ سے ان لوگوں کے لیے وعید ثابت ہے کہ جو مؤمنین اولین کے طریقہ سے انحراف کریں رہا امر دوم کہ عائشہ صدیقہؓ معراج جسمانی کی منکر تھیں سو وہ بالکل غلط ہے جیسا کہ تفصیل کے ساتھ پہلے گزر چکا ہے اور یہ بتلا چکے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی طرف ما فقد جسمہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت منسوب کی جاتی ہے وہ قطعاً موضوع ہے اور اگر بالفرض یہ روایت

صحیح بھی ہو تو صرف ایک صحابی کا قول ہزار ہا صحابہ کرام کے اجماع کے مقابلہ میں کیسے حجت ہو سکتا ہے اجماع صحابہ کے بعد کسی ایک ایسے غیر صحیح اور غیر ثابت قول سے استدلال کرنا جو مجمل اور موزوں ہو الحاد اور زندقہ ہے۔ بہر حال مرزائے قادیان واقعہ معراج کو محض ایک مکاشفہ کہتے ہیں کہ گھر میں بیٹھے ہی بیٹھے بیت المقدس اور آسمانوں اور مدینۃ المنتہی کشف سے دیکھ رہے تھے یہ انکار کا ایک نرالا طریقہ ہے کہ لفظ تو معراج کا باقی رہے مگر معنی اس کے بالکل بدل دیئے جائیں مرزا ازالۃ الادہام کے صفحہ نمبر ۴۸ میں لکھتا ہے۔

تبصر معراج اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا بلکہ وہ اعلیٰ درجہ کا کشف تھا میں اس کا نام خواب ہرگز نہیں رکھتا اور نہ کشف کے ادنیٰ درجوں میں اس کو سمجھتا ہوں بلکہ یہ کشف کا بزرگ ترین مقام ہے جو درحقیقت بیداری بلکہ اس کشف بیداری سے یہ حالت زیادہ اصفیٰ اور اعلیٰ ہوتی ہے اور اس قسم کے کشفوں میں مولف خود صاحب تجربہ ہے۔

سبحان اللہ میلہ قادیان کی اس جسارت اور وقاحت کو تو دیکھیے کہ اپنے لیے اعلیٰ درجوں کے کشفوں کے تجربہ کا دعویٰ کرتا ہے حالانکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہر کس و نا کس اس قسم کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے بھی گھر بیٹھے بیٹھے کشفی طور پر بیت المقدس اور سبع سموات کی سیر کر لی ہے کشف تو ایک قسم کی معنوی چیز ہے جو دوسرے کو محسوس نہیں ہوتی اور نہ اس کو نظر آتی ہے البتہ آثار اور علامت سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے مگر مرزا صاحب پر جب نظر ڈالتے ہیں تو آثار تکذیب ہی کے نظر آتے ہیں اس لیے کہ مرزا صاحب کی بہت سی پیشین گوئیاں جھوٹی نکلیں اور ظاہر ہے کہ پیشین گوئیوں کا دار و مدار کشف پر ہے اور علماء کرام نے مرزا کی پیشین گوئیوں کے جھوٹ اور غلط ہونے کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

قصۃ اسراء و معراج

بمناسبت مقام، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجمالی طور پر قصۃ اسراء و معراج نہایت اختصار کے ساتھ ہدیہ ناظرین کو دیا جائے تاکہ اجمالی طور پر ازاول تا آخر قصہ کی ترتیب و قوسی معلوم ہو جائے باقی تفصیل کے لیے کتب سیرت دیکھیں اور بقدر ضرورت اس ناچیز نے اپنی تالیف سیرۃ المصطفیٰ حصہ اول میں واقعہ معراج کو مع اسرار و حکم لکھ دیا وہاں دیکھ لیا جائے فاقول وبالله التوفیق۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہجرت سے ایک سال پہلے یا دو سال یا پانچ سال پہلے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بعد نماز عشاء ام ہانی کے مکان میں سو رہے تھے کہ جبریل امین فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ آپ کے پاس آئے اور ام ہانی کے مکان سے مسجد حرام میں لے گئے وہاں سینہ مبارک چاک کیا اور قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے دھو کر اپنے مقام پر رکھ دیا اور پھر آپ کو براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے راستہ میں کچھ واقعات پیش آئے جن کا ذکر کتب سیرت میں ہے تھوڑی

دیر میں آپ بیت المقدس پہنچ گئے آپ براق سے اترے جبریل امینؑ نے براق کو ایک حلقہ میں باندھ دیا مسجد اقصیٰ میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام آپ کے انتظار میں جمع تھے اور آسمان سے کچھ فرشتے بھی نازل ہوئے تھے اور سب صفت تھے جبریل امینؑ نے حضور پر نورؐ کو امامت کے لیے آگے بڑھایا آپ نے ان سب کی امامت فرمائی (زرقانی ص ۸۰ جلد ۶) اور انبیاء کرام اور ملائکہ حاضرین نے آپ کی اقتداء کی پھر آپ کے لیے ایک معراج (سیڑھی) لائی گئی ابن سعدؒ کی روایت میں ہے کہ یہ معراج (سیڑھی) جنت الفردوس سے لائی گئی (زرقانی ص ۵۵) پھر اس معراج (سیڑھی) کے ذریعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل امینؑ دونوں آسمان پر پہنچے اور آسمان کا دروازہ کھلایا اور آسمان پر عروج اسی معراج (سیڑھی) کے ذریعہ ہوا اور براق کو بیت المقدس میں چھوڑ گئے پہلے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر دوسرے آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی جہاں ان کے ساتھ ان کے خالہ زاد بھائی حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی تھے پھر تیسرے آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چوتھے آسمان میں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر پانچویں آسمان میں حضرت ہارون علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر چھٹے آسمان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی پھر ساتویں آسمان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی بعد ازاں آپ بیت معمر میں داخل ہوئے جو قبلہ ملائکہ ہے اور ستر ہزار فرشتے روزانہ اس کا طواف کرتے ہیں اور پھر قیامت تک عود نہیں کرتے اور یہ بیت معمر جس میں آپ نے نماز پڑھی ساتویں آسمان میں ایک مسجد ہے جو عرش کے نیچے ہے اور خانہ کعبہ کی محاذات میں ہے بالفرض اگر بیت معمر اپنی جگہ سے گرے تو خانہ کعبہ پر آکر گرے اس کا حکم وہی ہے جو خانہ کعبہ کا ہے (زرقانی ص ۸۰ جلد ۶) پھر جبریل امینؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے سدرۃ المنتہیٰ ایک درخت ہے جس کو انوار خداوندی ڈھانپے ہوئے ہیں۔ اور ہر طرف سے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں یہ مقام اوپر سے اترنے والوں اور نیچے سے چڑھنے والوں کا منتہیٰ ہے کراما کا تبین کا بھی منتہیٰ ہے کراما کا تبین اس سے اوپر نہیں جاتے اور یہی مقام جبریل امینؑ کا مستقر اور ٹھکانا ہے اسی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امینؑ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا چھ تنو پر تھے (زرقانی ص ۷۶ جلد ۶) اور سدرۃ المنتہیٰ ہی کے قریب آپ نے جنت کا مشاہدہ فرمایا اور آپ جنت میں داخل ہوئے اور وہاں کی سیر کی وہاں دیکھا کہ گنبد موتی کے ہیں اور مٹی مشک کی ہے حق جل شانہ کے اس ارشاد وَلَقَدْ رَآهُ خَوَّلَهُ أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ اُسے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہے اور اسی مقام میں آپ نے نہر کوثر کو دیکھا جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا ہے (زرقانی ص ۷۵ جلد ۶) اور وہ چار نہریں جن کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے فِيهَا أَنْهَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ

مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى۔ یہ چاروں نہریں سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نکلتی ہیں آپ نے اس مقام پر ان کا معائنہ فرمایا (زرقانی ص ۹، جلد ۶) بعد ازاں آپ کو جہنم دکھلائی گئی جس میں آپ نے اللہ کے قہر اور غضب کا مشاہدہ کیا پھر بند کردی گئی بعد ازاں آپ کے لیے ایک سبز رُف (بھولایا تخت) لایا گیا آپ اس پر بیٹھے اور جبریل امینؑ نے آپ کو اس فرشتہ کے سپرد کیا جو رُف کے ساتھ آیا تھا آپ نے جبریل امینؑ سے ساتھ چلنے کی درخواست کی جبریل امینؑ نے کہا مجھے آگے جانے کی قدرت نہیں اگر ایک قدم بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک مقام معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی آیات دکھلانے کے لیے بلایا ہے (دیکھو زرقانی ص ۹، جلد ۶) پس آپ نے جبریل امینؑ کو الوداع کہا اور رُف میں بیٹھ کر اس کے فرشتے کے ہمراہ روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ ایک مستوی (بلند جگہ) پر جہاں آپ صریف الاقلام سنتے تھے یعنی ان قلموں کی کتابت کی آواز سنتے جو احکام الہیہ اور تقادیر ربانیہ کی کتابت کر رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی رُف پر جا رہے تھے حضور پُر نورؐ فرماتے ہیں کہ اسی اثنار میں یکایک ایک نورانی ابر نمودار ہوا جس نے مجھے اپنے اندر لے لیا اور میں تنہا رہ گیا اور وہ فرشتہ جو رُف کے ساتھ تھا وہ پیچھے رہ گیا اور اس اثنار میں فرشتوں کی جو آوازیں سنائی دیتی تھیں وہ سب منقطع ہو گئیں اس طرح میں بارگاہِ قدس اور مقامِ قرب میں عرش کے قریب پہنچا کما قال تعالیٰ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ اور مقامِ دنو اور تدلی میں یعنی مقامِ قرب میں حق تعالیٰ نے مجھ سے کلام فرمایا اور پچاس نمازیں مجھ پر فرض کیں بعد ازاں میں بارگاہِ خداوندی سے واپس ہوا واپسی میں موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پھر بارگاہِ خداوندی میں واپس گیا اور تخفیف کی درخواست کی جو منظور ہوئی اس طرح یہ دس معراجیں ہوتیں سات معراجیں تو سات آسمانوں تک ہوتیں اور آٹھویں معراج سدرۃ المنتہیٰ تک ہوتی اور نویں معراج مقامِ صریف الاقلام تک ہوتی اور دسویں معراج مقامِ دئی فتدلی تک ہوتی یعنی مقامِ قرب تک ہوتی جہاں آپ لقاءِ خداوندی اور کلامِ خداوندی سے مشرف ہوئے بعد ازاں آسمانوں سے بیت المقدس واپسی ہوئی اور حسب سابق آپ براق پر سوار ہو کر صبح سے پہلے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور صبح کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھی اور صبح کی نماز کے بعد قریش کو اپنے سفر بیت المقدس اور عروجِ آسمانی کی خبر دی کسی نے مانا اور کسی نے نہ مانا

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ

اور دی ہم نے موسیٰ کو کتاب، اور وہ سوجھ دی بنی اسرائیل کو

أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا ۖ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا

کہ نہ حوالہ کرو میرے سوا کسی پر کام ۖ تم جو اولاد ہو اُن کی

مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝۳

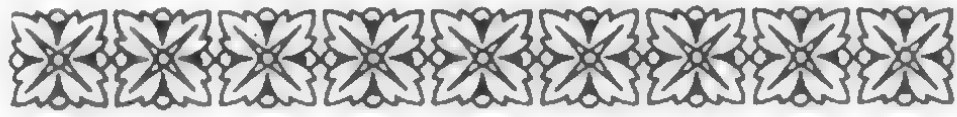
جن کو لایا ہم نے نوح کے ساتھ، وہ تھا بندہ حق ماننے والا

ذکر کرامت حضرت موسیٰ علیہ السلام بظائے تورات و شرف تکلم مناجات

قال اللہ تعالیٰ وَاَتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ اِلٰی إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا (ربط) اوپر کی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اسراء اور مشرف معراج کا ذکر تھا اب اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک شرف اور عزت اور کرامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر بلا کر ان سے کلام کیا اور بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے ان کو توریت دی جس میں یہ تاکید حکم تھا کہ اے فرزندان قوم نوح جن کو ہم نے کشتی میں سوار کیا تھا کہ تم خدا کے سوا کسی کو اپنا کارساز اور حاجت روا نہ بنانا مگر بنی اسرائیل گو سالہ پرستی اور مشرک میں پڑ کر ہلاک ہوئے غرض یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر جانا اور کلام خداوندی سے مشرف ہونا یہ موسیٰ علیہ السلام کی معراج تھی معراج محمدی کے ساتھ معراج موسیٰ کا ذکر نہایت لطیف ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح آپ سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اولوا الحزم صاحب کتاب اور صاحب معجزات خدا تعالیٰ کے عظیم رسول تھے اسی طرح آپ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہادی اور رسول برحق ہیں اور توریت کی طرح حق تعالیٰ نے آپ کو ہدایت عالم کے لیے قرآن جیسی عظیم کتاب عطا کی جو توحید اور مبداء اور معاد اور مکالم اخلاق کی تعلیم میں بے مثال ہے اور جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے من وراء الحجاب اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اسی طرح آپ نے بھی لیلة المعراج میں بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہوئے اور جس طرح موسیٰؑ کی نبوت کے منکرین کا انجام خراب ہوا اسی طرح آپ کی نبوت اور معجزہ معراج کے منکرین کا انجام خراب ہوا۔

اور چونکہ شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کی امت دن رات میں پچاس نمازوں کا تحمل نہ کر سکے گی اس لیے آپ پروردگار کی طرف لوٹ جاتیے اور تخفیف کا سوال کیجیے اس لیے حق تعالیٰ نے اسراء اور معراج کے ذکر کے بعد خاص طور پر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار سے آپ بار بار بارگاہ خداوندی میں گئے اور تخفیف کی درخواست کی اور منظور ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اس کتاب کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت بنایا اور ان کو حکم دیا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بناؤ کہ اپنے امور کو اس کے حوالہ اور سپرد کر دو بلکہ اللہ کے سپرد کرو کیونکہ غیر اللہ کو اپنا دکیل بنانا ایک قسم کا کفر اور کفرانِ نعمت ہے اور تم لوگ ان لوگوں کی ذریت ہو جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور سب خدا کے فکر گزار بندے تھے لہذا تم کو چاہیے

کہ شکر گزاری اور کفر سے بیزاری میں اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلو چنا چھ فرماتے ہیں۔
 اے نسل ان لوگوں کی جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا ان کی اتباع کی برکت
 سے ہم نے تم کو نجات دی اور ان کے ساتھ تم کو کشتی میں سوار کیا پس تم اپنے باپ کے مشابہ بنو اور ان
 کے طریقہ پر چلو بے شک نوح علیہ السلام خدا کے بڑے شکر گزار بندے تھے جب کھانا کھاتے یا پانی پیتے یا کپڑا
 پہنتے تو الحمد للہ کہتے اس لیے خدا تعالیٰ نے ان کا نام عبداً الشکور رکھا عبودیت اور بندگی کا اصل دار و مدار
 شکر گزاری پر ہے شکر گزاری سے ہدایت اور توفیق ملتی ہے اور ناشکر اور ناقدر محروم رہتا ہے۔



وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ

اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں

لَتُفْسِدَنَ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ

کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو بار، اور پڑھ جاؤ گے

عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا

بُری طرح پڑھنا : پھر جب آیا پہلا وعدہ اٹھائے ہم نے

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ

تم پر ایک بندے اپنے سخت لڑائی والے

فَجَاسُوا خِلَالِ الدِّيَارِ ۖ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ

پھر پھیل پڑے شہروں کے بیچ - اور وہ وعدہ ہونا ہی تھا پھر

رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ

ہم نے پھیری تمہاری باری اُن پر، اور زور دیا تم کو مال سے

وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۖ ۝ إِنَّ أَحْسَنَ

اور بیٹوں سے اور اس سے زیادہ کردی تمہاری بھیڑ : اگر بھلائی کی تم نے

أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ

تو بھلا کیا اپنا ، اور اگر برائی کی تو آپ کو پھر جب پہنچا

وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ أَوْجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ

وعدہ پہنچلی بار کا کہ وہ لوگ اداس کریں تمہارے منہ اور پیٹھیں (رگھیں) مسجد میں

كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ⑤

جیسے پیٹھے (رگھے) پہلی بار ، اور خراب کریں جس جگہ غالب ہوں پوری خرابی

عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عَدُنَا

آیا ہے رب تمہارا اس پر کہ تم کو رحم کرے اور اگر پھر وہی کر دے تو ہم

جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ⑥

پھر وہی کریں گے اور کیل ہے ہم نے دوزخ منکروں کا بندی خانہ

ذکر انجام مخالفت و معصیت برائے ترہیب عبرت

قال الله تعالى وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ... إلخ... وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا (ربط) گزشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا کہ ان کی ہدایت کیلئے توریت نازل کی مگر وہ بجائے رشد و ہدایت کے فتنہ و فساد میں جا گرے جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ دنیا ہی میں طرح طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا ہوئے اب ان آیات میں احکام خداوندی کی مخالفت کرنے والوں کے بُرے انجام کو بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں کہ جو شخص اللہ سے باغی ہو جاتا ہے اللہ دنیا ہی میں اس کے دشمن کو اس پر مسلط کر دیتا ہے ان آیات میں اجمالاً دو واقعوں کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے دو مرتبہ سرکشی کی اور دونوں مرتبہ سخت قتل اور غارت اور ذلت اور مصیبت میں مبتلا ہوئے چنانچہ فرماتے ہیں اور ہم نے کتاب توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں فیصلہ کر دیا اور بنی اسرائیل کو اس سے آگاہ کر دیا کہ تم سرزمین شام میں دو مرتبہ ضرور فتنہ اور فساد برپا کرو گے کہ حدود شریعت سے باہر نکل جاؤ گے اور اعلانیہ احکام توریت کی خلاف ورزی کرو گے اور بڑا اودھم مچاؤ گے اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاؤ گے خوب سمجھ لو کہ دونوں مرتبہ تم سخت سزا میں مبتلا ہو جاؤ گے لَتَقْسِدُتْ فِيهِ حُتُوتُ اللَّهِ

کے ضائع کرنے کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہم نے توریت میں یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشین گوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل ملک میں دو مرتبہ فتنہ اور فساد برپا کریں گے اور ظلم و ستم کا شہوہ اختیار کریں گے تو پھر ہر مرتبہ ان کو خدا تعالیٰ کی طرف سے دردناک سزا کا مزہ چکھنا پڑے گا جس کا ذکر آگے آتا ہے پھر جب ان دو وعدوں میں سے پہلے وعدہ کا وقت آئے گا تو ہم تمہاری سزا اور سرکوبی کے لیے اپنے لیے بندے کھڑے کریں گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے سو وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر تم کو قتل کریں گے اور گھر گھر تلاش کر کے تم کو گرفتار کریں گے اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد نصر باہلی اور اس کا لشکر ہے جنہوں نے بنی اسرائیل کو تہس نہس کر دیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے جالوت مراد ہے جو بعد میں داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک ہوا

نکتہ عِبَادُ اللَّهِ (ہمارے بندے) یہ اضافت تشریف و تکریم کے لیے نہیں اور یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ ہمارے خاص بندے ہوں گے بلکہ یہ اضافت تخلیق و تکوین ہے

اور مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کے خاص ظالم بندے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اسی لیے پیدا کیا ہے یعنی مغزورین اور متکبرین پر مسلط کرنے کے لیے پیدا کیا اور ان ظالم بندوں سے سخت نصر اور اس کا لشکر مراد ہے اور یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا سو وہ پورا ہوا پھر جب تم نادم اور ناتائب ہو کر اپنی شرارتوں سے باز آ جاؤ گے تو پھر تم کو ہم ان پر غلبہ دے دیں گے تم غالب ہو گے وہ مغلوب ہوں گے اور قسم قسم کے مالوں سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں بڑا جتنے والا کر دیں گے اور تمہاری ذلت بدل بہ عزت ہو جائے گی اور تمہاری قلت بدل بہ کثرت ہو جائے گی اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ فتح و نصرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ خلافت میں پورا ہوا یا کسی اور بادشاہ کے زمانے میں پورا ہوا واللہ اعلم بہر حال اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو دوبارہ سلطنت اور شوکت عطا کی جب تک اللہ کی اطاعت اور شریعت کے متابعت پر قائم رہے سلطنت اور اقتدار قائم رہا۔ اہل دولت کو چاہیے کہ مال و دولت اور شان و شوکت پر مغرور نہ ہوں یہ دنیا آئی اور فانی ہے اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کو دیکھ کر خدا کے فہر اور انتقام کو نہ سھو لیے نہ معلوم خدا تعالیٰ کس وقت پکڑے اور بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار نہ کرے آج کل بیت المقدس اور بلاد عربیہ اور ہندوستان میں جو مسلمان کفار کے ہاتھ سے ذلیل و خوار ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر کھلم کھلا احکام شریعت کی خلاف ورزی پر اتر آتے ہیں اللہم! حفظنا من ذلک آمین

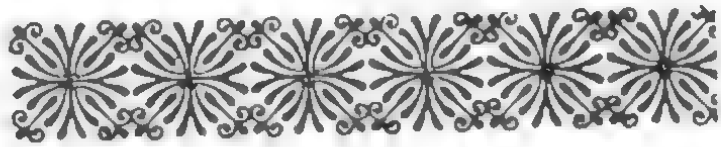
اور اس کتاب میں بطور نصیحت یہ بھی لکھا ہے کہ اگر تم پہلے واقعہ سے سبق لے کر آئندہ نیکی کرو گے تو اپنے ہی نفع کیلئے نیکی کرو گے اس بھلائی کا فائدہ تمہیں ہی پہنچے گا اور اگر برائی کرو گے تو اس کا وبال بھی تمہاری جانوں کیلئے ہوگا

ملہ یہ ترجمہ جاسؤا کا ہے جو جو جس سے مشتق ہے جس کے اصل معنی وہی ہیں جس کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے اور یہ معنی ابن جریر نے بیان کئے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہمارا نہ کوئی نفع ہے اور نہ کوئی ضرر جیسا کرو گے ویسا بھرو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آگے اس کا بیان ہے کہ جو خدا سے باغی اور طاغی ہوئے اللہ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور پھر اس ظالم نے ان کو خوب ذلیل و خوار کیا جزاءً وفاقاً وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ: پھر جب دوسرے وعدہ کا وقت آئے گا یعنی جب تم دوبارہ فتنہ برپا کرو گے اور شریعت عیسویہ کا خلاف کرو گے اور پہلی مرتبہ کی سزا بھلا کر سرکشی کرو گے اور اس طرح دوسری بار سزا کی ميعاد آجائے گی تو حسب سابق پھر دوبارہ ہم تم پر اپنے ظالم بندوں کو مسلط کریں گے تاکہ وہ تم کو مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیں اور تاکہ دوبارہ مسجد بیت المقدس میں گھس آئیں جیسا پہلی دفعہ گھس آئے تھے اور تاکہ جس چیز پر ان کا قابو چلے اس کو تھس تھس اور نیست و نابود کر دیں پورا نیست و نابود کرنا یعنی تھس تھس کرنے میں کسر نہ چھوڑیں پہلی بار بنی اسرائیل نے شریعت موسویہ کی مخالفت کی اللہ کریم نے ان پر سخت نصر کو مسلط کر دیا جس نے مسجد اقصیٰ کو خراب کیا اور توریت کو جلایا اور ہزاراں ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا اور ہزاراں ہزار کو لونڈی اور غلام بنایا یہ پہلی سختی اور سزا تھی یہ اللہ کا پہلا وعدہ تھا جو پورا ہوا دوسری بار سزا اور دوسری سختی تھی جو حسب وعدہ ان کو پہنچی یہ اللہ کا دوسرا وعدہ یسعی علیہ السلام کو قتل کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا عزم کیا اور طرح طرح کی شرارتیں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی سزا دی کہ طیطوس رومی کو کھڑا کیا جس نے بنی اسرائیل کو تباہ اور برباد کیا اور مسجد اقصیٰ کو خراب اور ویران کیا یہ دوسری بار سزا اور دوسری سختی تھی جو حسب وعدہ ان کو پہنچی یہ اللہ کا دوسرا وعدہ تھا جو پورا ہوا اور حق تعالیٰ نے اس کتاب میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ ان دو عقوبتوں اور ان دو سختیوں کے بعد بار دیگر تم پر رحم کرنا چاہتا ہے وہ یہ کہ اس دوسری عقوبت اور ذلت کے بعد جب شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور آئے تو اس وقت تم کوئی شرارت نہ کرنا بلکہ شریعت محمدیہ کا اتباع کرنا امید ہے کہ عنقریب تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے یعنی اس کتاب میں یہ بھی بتلادیا تھا کہ اگر اس دوسری سختی اور دوسری مصیبت کے بعد بزمانہ اسلام اپنی شرارتوں سے توبہ کر لو تو امید ہے کہ اللہ تم پر رحم فرماوے اور پھر تمہیں عزت اور نعمت دے اور ذلت اور مصیبت سے تم کو محفوظ رکھے عسیٰ کے معنی امید کے ہیں اور امید سے وعدہ مراد ہے اور اگر تم پھر تیسری بار شرارت کی طرف لوٹے تو ہم پھر تیسری بار سختی اور سزا کی طرف لوٹیں گے مطلب یہ ہے کہ گذشتہ دو عقوبتوں کے بعد اگر تیسری بار پھر تم نے سر اٹھایا تو ہم پھر تیسری بار دہی کام کریں گے جو ہم سے پہلے دوسرے مرتبہ کر چکے ہیں چنانچہ بنی اسرائیل نے تیسری بار حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پھر شرارتیں کیں آپ کی تکذیب کی اور آپ کے خلاف سازشیں کیں اور حسب سابق کفر اور غرور کی طرف عود کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعمت اور صفت توریت اور انجیل میں مذکور تھی اس کو چھپایا اور آپ کے قتل کے درپے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پھر تیسری بار ان کی عقوبت کی طرف عود فرمایا جس کی سزا میں وہ قتل اور جلا وطنی کے عقوبت میں مبتلا ہوئے بنو قریظہ کو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا اور بنو نضیر کو جلا وطن کیا اور باقیوں پر جز یہ لگایا اس طرح اللہ کا یہ تیسرا وعدہ بھی پورا ہوا

یہ سزا تو ان کو دنیا میں ملی اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے دائمی جیل خانہ بنایا ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

حق جل شانہ نے ان آیات میں دو واقعوں کی طرف اشارہ فرمایا جن کا تعین بہت مشکل ہے کتب توارخ میں بنی اسرائیل کی تباہی اور بربادی کے بہت سے واقعات مذکور ہیں اس لیے تعین مشکل ہے، ہم نے اپنی اس تفسیر میں امام رازی قدس الشہرہ کی پیروی کی اور جو قول ان کے نزدیک مختار تھا اسی کو اختیار کیا کہ پہلے وعدہ میں عباداً لَنَا اُوْنِیْ بِاَیِّ شَیْءٍ سے سخت نصراور اس کا شکر مراد ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابو سعود نے اور علامہ آلوسی نے اختیار کیا ہے بہر حال مقصود یہ ہے کہ مال و دولت اور حکومت و سلطنت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن لوگ جب اللہ کی نعمت کو اس کی معصیت کا ذریعہ بنالیں اور کھلم کھلا اس کی نافرمانی اور سرکشی اور ستم رانی پر اُتر آئیں تو اللہ تعالیٰ کبھی انتقام بھی لے لیتے ہیں اور ظلم و ستم کی پاداش میں ظالموں پر ظالموں ہی کو مسلط کر دیتے ہیں ظلم کی سزا ظلم ہے ظالم کو ظالم کے ہاتھ سے پڑتا ہے اِن کَذٰلِکَ نُوْنِیْ بِعَصٰی الظٰلِمِیْنَ بَعْضًا بِبَعْضٍ کَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ -



اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ

یہ قرآن بتاتا ہے وہ راہ جو سب سے سیدھی ہے

وَابَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ

اور خوش سناتا ہے ان کو جو یقین لائے اور کیں نیکیاں کہ

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ۙ وَّ اَنَّ

اُن کو ہے ثواب بڑا اور یہ کہ

الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا

جو نہیں مانتے پچھلا دن اُن کے لیے رکھی ہم نے دکھ

اَلِیْمًا ۙ

کی مار



ذکر فضیلت قرآن کریم

قال الله تعالى اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ... اِلَى... لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (ربط) گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب ہدایت کا ذکر تھا اور اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر دینی اور دنیوی مصیبتیں آئیں اب اس آیت میں قرآن مجید کا ذکر فرماتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے لوگوں کو چاہیے کہ اس کی مخالفت سے ڈریں کہ بنی اسرائیل کی طرح ان پر مصیبتیں نازل نہ ہوں اور قرآن مجید توریت سے بڑھ کر کتاب ہدایت ہے اس لیے کہ توریت کی ہدایت، ہدایت خاصہ تھی بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی اور قرآن کی ہدایت، ہدایت عامہ ہے تمام عالم کے لیے قیامت تک کے لیے ہدایت ہے لہذا اس کی مخالفت سے ڈرنا چاہیے اور قرآن کریم میں جا بجا توریت اور قرآن کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تورات عطا ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوہ فاران پر غار حرا میں قرآن عطا ہوا توریت بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے نازل ہوئی اور قرآن کریم اول بنی اسرائیل اور تمام عالم کی ہدایت کے لیے نازل ہوا اور اس آیت میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ یہ قرآن توریت سے کہیں بلند اور برتر ہے اس لیے کہ اس آیت میں قرآن کے دو وصف ذکر فرمائے۔

(۱) اول یہ کہ لوگوں کو ایسے راہ راست کی ہدایت کرتا ہے کہ جو تمام راستوں میں سب سے زیادہ سیدھا ہے اور خدا تک پہنچانے کا سب سے زیادہ قریب راستہ ہے دوسرے یہ کہ اہل ہدایت کو بشارت دیتا ہے اور اہل ضلالت کو ڈراتا ہے لہذا لوگوں کو چاہیے کہ اس پر عمل کریں اور بنی اسرائیل سے عبرت پکڑیں کہ جو لوگ اس کتاب ہدایت پر عمل نہ کریں گے وہ بنی اسرائیل کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے تحقیق یہ قرآن اس طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ ٹھیک اور درست ہے مراد اس سے ملت اسلام ہے جو صراط مستقیم ہے اور خدا تک پہنچنے کا سب سے قریب راستہ ہے اور تمام دینی اور دنیاوی امور میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے انسان کی سعادت اور نحوست کی کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی کہ جو قرآن نے نہ بتلا دی ہو اب اس سے بڑھ کر اور کون سا طریقہ درست ہوگا اور خوش خبری سناتا ہے مومنوں کو جو اس پر ایمان لائے اور دل سے اس کو مانتے ہیں اور اسی راہ پر چلتے ہیں یعنی اعمال صالحہ کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں بڑا اجر ہے اور بشارت دیتا ہے بد بختوں کو یعنی ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ہم نے

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا

اور ہم نے بنائے رات اور دن دو نمونے پھر مٹا دیا

آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً

رات کا نمونہ ۱ اور بنا دیا دن کا نمونہ دیکھنے کو ، کہ

لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ

تلاش کرو فضل اپنے رب کا اور معلوم کرو گنتی برسوں کی

وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝۱۲

اور حساب اور سب چیز سنائی ہم نے کھول کر

ذکر اعمالِ دنیویہ

قال اللہ تعالیٰ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ اِلٰی فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا

(ربط) گزشتہ آیات میں انسان پر اخروی نعمتوں کا ذکر تھا کہ ان کی ہدایت کے لیے کتب الہیہ کو نازل کیا اور انبیاء کو مبعوث کیا اب ان آیات میں دنیوی نعمتوں کا ذکر فرماتے ہیں رات اور دن کا پیدا کرنا انسان کے لیے آسائش کا باعث ہے ہر ایک سے جدا جدا فوائد حاصل ہوتے ہیں اور قسم قسم کے یہ فوائد خدا تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور اس کی قدرت کے کرشمے بھی ہیں اور اس کی الوہیت اور وحدانیت کے دلائل بھی ہیں اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان کا کبھی ہدایت کی طرف اور کبھی ضلالت کی طرف منتقل ہونا ایسا ہے جیسا کہ یہ عالم کبھی نور کی طرف منتقل ہوتا ہے اور کبھی ظلمت کی طرف اور اشارہ اس طرف بھی ہے کہ انسان جلد بازی نہ کرے لیل و نہار سے عبرت پکڑے زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا کبھی راحت ہے اور کبھی مصیبت چنانچہ فرماتے ہیں ۔

اور ہم نے رات کو اور دن کو اپنی قدرت کی دو نشانیاں بنایا یہ دونوں اللہ کی قدرت کی دلیل ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ہر ایک دوسرے کے پیچھے لگا چلا آ رہا ہے آخر یہ پھر کسے چلایا اور دین و دنیا کی مصلحتیں ان دونوں سے وابستہ ہیں اول تو لیل و نہار کا بنانا ہی خدا کی قدرت کی نشانی ہے پھر قدرت کی دوسری نشانی یہ ہے کہ ہم نے رات کی نشانی کو یعنی چاند کو مدھم اور دھندلا بنایا اور دن کی روشنی یعنی سورج کو ہم نے درخشاں اور روشن بنایا چاند رات کی نشانی ہے اور سورج دن کی ہے اگر چاند اور سورج نہ ہوتے

تو دن رات یکساں ہوتے اور ایک دوسرے کی شناخت نہ ہو سکتی
اور بعض علماء تفسیر یہ کہتے ہیں کہ آیت اللیل اور آیت النہار سے چاند اور سورج مراد نہیں بلکہ خود رات اور دن
مراد ہے اور آیت اللیل اور آیت النہار کی اضافت بیان یہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنی قدرت کے
دو نمونے بنائے قدرت کی ایک نشانی یعنی رات مٹی ہوئی ہے یعنی اندھیری اور بے نور ہے جس میں
کوئی چیز نظر نہیں آتی اور قدرت کی دوسری نشانی یعنی دن وہ روشن ہے سب چیزیں اس میں بے تکلف
دکھائی دیتی ہیں تاکہ تم دن کی روشنی میں اپنے پروردگار کا فضل یعنی روزی تلاش کرو تاکہ تم دن رات کی آمدورفت
اور اختلاف الوان اور اختلاف مقدار اور اختلاف مبداء و منتہی سے برسوں کا شمار اور دیگر امور کا حساب
کتاب معلوم کرو اگر دن رات نہ ہوتے تو اوقات کا حساب ناممکن ہو جاتا نہ ساعات نہ دن نہ مہینے نہ سال
اور لوگوں کے تمام کام درہم برہم ہو جاتے یہ دونوں یعنی لیل و نہار اللہ کی قدرت کی دلیل ہیں خود بخود موجود نہیں
ہو گئے ان دونوں کا ایک خاص صفت اور خاص کیفیت اور خاص مقدار اور خاص کمیت کے ساتھ موجود ہونا
ایک خاص طریقے پر یکے بعد دیگرے ان کی آمدورفت اس امر کی دلیل ہے کہ یہ کسی عزیز حکیم کی تقدیر اور صانع
علیم کی صنعت اور کاریگری ہے لیل و نہار کی یہ آمدورفت اور ان کی یہ صفت اور یہ کیفیت نہ کوئی امر عقلی
ہے اور نہ امر طبعی ہے اور نہ امر اتفاقی ہے معلوم ہوا کہ کسی ایسے قادر حکیم کی کاریگری ہے جو ہماری نظروں
سے پوشیدہ ہے اور خود چاند اور سورج بھی خدائے قدیر کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کھول
کر بیان کر دیا ہے اور بندوں پر حجت پوری کر دی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں ”یعنی گھبرانے سے فائدہ نہیں ہر چیز کا وقت اور اندازہ مقرر ہے
جیسے رات اور دن کسی کے گھبرانے سے اور دعا سے رات کم نہیں ہو جاتی اپنے وقت پر آپ صبح
ہوتی ہے اور دونوں نمونے اس کی قدرت کے ہیں“ انتہی کلام،

رات دن گردش میں ہیں ہفت آسمان : ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھرائیں کیا
عطاء بن سائب سے روایت ہے کہ شام کا ایک قاضی (یا والی) فاروق اعظمؓ کی
حکایت خدمت میں آیا اور کہا اے امیر المؤمنین میں نے ایک ہولناک خواب دیکھا ہے
وہ یہ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ شمس و قمر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں اور نصف نجوم ایک طرف
ہیں اور نصف نجوم دوسری طرف ہیں۔

فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ اس لڑائی میں تم کس کے ساتھ تھے۔
میں قمر کے ساتھ تھا۔

فاروق اعظمؓ نے یہ آیت تلاوت کی وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحْوُودًا آيَةً
الَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً اور اس قاضی یا والی سے کہا کہ آپ جابیتے ہم نے آپ
کو معزول کیا آپ عہدہ قضا وغیرہ کا کوئی کام نہیں کر سکتے تم نے آیت مبصرہ (شمس) کو چھوڑ کر آیت مخمورہ

(چاند) کا ساتھ دیا (ازالۃ الخفاء) ان کا نام عابس بن سعد تھا جو حضرت عمرؓ کی طرف سے کسی علاقہ کے والی یا قاضی تھے حضرت عمرؓ نے ان کو اس لیے معزول کیا کہ انہوں نے آیت مبصرہ (شمس) کے ہوتے ہوئے آیت محوہ (چاند) کا کیوں ساتھ دیا حضرت عمرؓ کی شہادت کے عرصہ دراز کے بعد جنگ صفین کا واقعہ پیش آیا تو عابس بن سعد جنگ صفین میں حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھے اور اس لڑائی میں مارے گئے۔
(روض الانف ص ۷۰، جلد ۱)

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَبِيرَهُ فِي عُنُقِهِ ط

اور جو آدمی ہے ، لگا دی ہے ہم نے اس کی بڑی قسمت اُسکی

وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ

گردن سے اور نکال دکھادیں گے اس کو قیامت کے دن لکھا کہ پاویگا اس کو

مَنْشُورًا ۱۳ اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ

کھلا پڑھ لے لکھا اپنا تو ہی بس ہے آج کے دن

عَلَيْكَ حَسِيبًا ۱۴ مِّنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا

اپنا حساب لینے والا جو کوئی راہ پر آیا تو آیا

يَهْتَدَىٰ لِنَفْسِهِ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ

اپنے ہی واسطے اور جو کوئی بہکا رہا تو بہکا رہا اپنے ہی

عَلَيْهَا ط وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ط وَمَا كُنَّا

بُرے کو اور کسی پر نہیں پڑتا بوجھ دوسرے کا اور ہم بلا نہیں

مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۱۵ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ

ڈالتے جب تک نہ بھیجیں کوئی رسول اور جب ہم نے چاہا کہ

نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ

کھپا دیں کوئی بستی حکم بھیجا اس کے عیش کرنے والوں کو، پھر انہوں نے بے حکمی کی

عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝۱۶ وَكَمْ أَهْلَكْنَا

اس میں، تب ثابت ہوئی اُن پر بات، تب اُکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر اور کتنی کچھا دیں ہم نے

مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۝ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبٍ

سنگتیں نوح سے نیچے اور بس ہے تیرا رب اپنے

عِبَادِهِ خَيْرًا بَصِيرًا ۝۱۷ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ

بندوں کے گناہ جاتا دیکھتا جو کوئی چاہتا ہو پہلا گھر، شتاب دے

عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ

چلیں ہم اس کو اسی میں جتنا چاہیں جس کو چاہیں پھر ٹھہرایا ہے ہم نے

جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مِنْ مَّوْمًا مَدَّ حُورًا ۝۱۸ وَمَنْ أَرَادَ

اس کے واسطے دوزخ پہنچے گا (پہنچے گا) اس میں بُرا سکر دھکیلا جا کر اور جس نے چاہا

الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ

پچھلا گھر اور دوزخ کی اس کے واسطے جو کوئی اس کی دوڑ ہے اور وہ یقین پر ہے سوا یسوں

كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ۝۱۹ كَلَّا نَبْدُ هَؤُلَاءِ وَ

کی دوڑ نیک لگی ہے ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں ان کو

هَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۝ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ

اور اُن کو، تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے

مَحْظُورًا ۝۲۰ أَنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۝

نہیں گھیری دیکھ! کیونکر بڑھایا، ہم نے ایک کو ایک سے اور

وَلِلْآخِرَةِ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ ۝ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝۲۱ لَا

پچھلے گھر میں تو اور بڑے درجے ہیں اور بڑی بڑائی :: نہ



تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُورًا ۚ

ٹھہرا اللہ کے ساتھ دوسرا حاکم، پھر بیٹھ رہے گا تو اولاد ہنا پا کر، بے کس ہو کر

بیان سعادت و شقاوت و ہدایت و ضلالت و طالبین دنیا و طالبین آخرت

قال الله تعالى وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَبْعَهُ فِي عُنُقِهِ..... إلخ..... فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُورًا ۚ (ربط) گزشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ بیل و نہار اسکی قدرت کا کرشمہ ہیں اب اس آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ اسی طرح سمجھ لو کہ سعادت و شقاوت اور ہدایت و ضلالت سب اسی کی قدرت کے کرشمے ہیں جس طرح ظاہری نور اور ظلمت اس کے اختیار میں ہے اسی طرح باطنی نور اور ظلمت بھی اسی کے اختیار میں ہے اور سب مقدر ہو چکی ہیں جن کا ظہور قیامت کے دن ہو گا پھر یہ بتلایا کہ جنہوں نے انبیاء و رسل کا مقابلہ کیا وہ ہلاک اور برباد ہوئے لہذا لوگوں کو چاہیے کہ ان بستیوں کو دیکھ کر جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا عبرت پکڑیں۔

بعد ازاں یہ بتلایا کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت پھر اس تمام مضمون کو لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخَذُورًا پر ختم فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ذلت و خواری کا سرچشمہ کفر ہے جس نے خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ ذلیل و خوار ہوا چنانچہ فرماتے ہیں اور ہر آدمی خواہ وہ مومن ہو یا کافر اس کی قسمت اس کی گردن میں لٹکا دی ہے اور چمٹا دی ہے قسمت کا لکھا ہوا ٹلتا نہیں آدمی جہاں جاتا ہے وہیں قسمت اور تقدیر ساتھ ہوتی ہے۔

”طائر“ اصل میں پرندہ کو کہتے ہیں اور محاورہ عرب میں طائر کا لفظ بطور استعارہ سخت اور نصیبہ کیلئے استعمال ہوتا ہے اور اسی محاورہ کے مطابق آیت میں قسمت کے معنی مراد ہیں گویا کہ قسمت ایک پرندہ ہے جو آشیانہ ازل سے اڑ کر اس پر آ بیٹھا ہے اور اس کی گردن میں کسی مضبوط تار سے باندھ دیا گیا ہے انسان جب تک پردہ عدم میں رہا سخت اس کا منتظر رہا پس جب انسان نے اپنا سر عدم سے باہر نکالا تو یہ پرندہ سخت اڑ کر اس کی گردن سے چمٹ گیا زندگی میں اور قبر میں اس کے گلے میں چمٹا اور لٹکا رہے گا حتیٰ کہ جب قبر سے اُٹھے گا تو یہ طوق اسکی گردن میں ہو گا دنیا کا طریقہ ہے کہ جس کی گردن میں جو چیز باندھ دی جاتی ہے وہ اس شخص کیلئے لازم و ملزوم بن جاتی ہے جیسے کہتے ہیں کہ قرض کا طوق میری گردن میں ہے اسی طرح سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے جو چیز مقدر کر دی ہے وہ اس کو اڑ کر پہنچے گی عرب کا طریقہ یہ تھا کہ کسی کام کا نیک و بد انجام معلوم کرنے کے لیے پرندہ اڑاتے اگر دائیں جانب سے اڑتا تو سمجھتے کہ خیر ہے اور اگر بائیں جانب سے اڑتا

تو سمجھتے تھے اسی طرح سمجھو کہ بندہ کی قسمت یعنی سعادت اور شقاوت اور مبارک اور شوم منزلہ ایک پرندہ کے ہے جو اسکی گردن میں ڈال دیئے گئے ہیں انسان اس سے تجاوز نہیں کر سکتا بظاہر یہی وجہ ہے کہ انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں ایک دایئیں جانب جو نیکیاں لکھتا ہے اور ایک بائیں جانب جو برائیاں لکھتا ہے وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ اور قیامت کے دن مومن کا نامہ اعمال دایئیں ہاتھ میں اور کافر کا بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور پھر قیامت کے دن اسی قسمت کو جو دنیا میں لکھے کا ہار تھی ہر انسان کے لیے ایک کتاب بنا کر نکالیں گے یعنی اس لکھے کے ہار کو نامہ اعمال کی شکل میں ظاہر کریں گے تاکہ انسان اپنی قسمت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے اور ہر انسان اس لکھی ہوئی کتاب کو اپنے ہاتھ میں کھلا ہوا اپنے سامنے دیکھے گا یہ کھلی ہوئی کتاب اس کا اعمال نامہ ہوگی جس میں اس کے تمام نیک و بد اعمال مندرج ہوں گے اور یہ اسکی وہی قسمت ہوگی جو ابتداء ولادت سے اسکی گردن میں لٹکا دی گئی تھی اور اس سے کہا جائے گا کہ لے اپنے اعمال نامہ کو خود پڑھ لے ہر شخص اپنے اعمال نامہ کو خود پڑھ لے گا خواہ وہ دنیا میں پڑھا لکھا تھا یا نہیں تھا اور کہا جائے گا کہ آج اپنا حساب لینے کے لیے تو خود آپ ہی کافی ہے تو خود دیکھ لے کہ اس میں کیا لکھا ہے اور خود ہی فیصلہ کر لے کہ تو کس جزاء کا مستحق ہے اللہ نے تجھ پر حجت پوری کر دی آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہوگا تمام عمر کے اعمال اس میں درج ہیں دیکھ لے اور پڑھ لے يُنَبِّئُكَ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ اس وقت ہر ایک کو اپنے اعمال کا حسن و قبح آنکھوں سے نظر آجائے گا لہذا جو کوئی راہ ہدایت پر آتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لیے آتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے تو وہ اپنی ہی تباہی اور بربادی پر گمراہ ہوتا ہے یعنی جو نیک عمل کرے گا اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا جو گناہ کا کام کرے گا اس کا ضرر اسی کو پہنچے گا کسی کا عمل دوسرے کے لیے نفع اور نقصان کا باعث نہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ کا قانون یہ ہے کہ کوئی گنہ گار نفس جو گناہوں کے بوجھ سے بوجھل ہو وہ دوسرے گنہ گار نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ مغیرہ کافروں سے کہتا تھا کہ تم میری متابعت کرو میں تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھا لوں گا۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس دن ہر شخص اپنا ہی بوجھ اٹھائے گا کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جزاء سزا کے متعلق ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم کسی امت کو عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم ان کی ہدایت کیلئے کسی رسول کو نہیں بھیج دیتے کہ وہ اس قوم کو سیدھی راہ دکھلا دے خواہ بلا واسطہ یا بواسطہ اپنے نائبین کے یعنی علماء اور مبلغین کے واسطے سے ان کو اللہ کے احکام پہنچ جائیں اور ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔

جب تک مخلوق کو اللہ کے احکام نہ پہنچ جائیں اس وقت تک ہم ان کو سزا نہیں دیتے مطلب یہ ہے کہ اتمام حجت سے پہلے کوئی عذاب نازل نہیں کرتے البتہ دعوت اور تبلیغ کے بعد جب معصیت اور فسق و فجور اور غفلت حد سے گزر جاتے تب اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کرتا ہے اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ دنیا میں کسی قوم کو پاکیزہ زندگی عطا کریں اور آخرت میں اسکو عزت اور عروج کا مقام

عطا کریں تو انکے دلوں میں اطاعت اور فرمانبرداری اور رسولوں کی پیروی کا داعیہ ڈال دیتے ہیں اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس بستی کے دولت مندوں اور عیش پرستوں کو جو نفس امارہ کے اشاروں پر چلتے ہیں تگوبنی اور تقدیری طور پر فسق و فجور کا حکم دیتے ہیں یعنی انکے دلوں میں فسق و فجور کا الہام اور القاء کرتے ہیں کما قال تعالیٰ **فَالْهَمُّهَا فُجُورٌ هَا وَتَقْوَاهَا پھر وہ دل کھول کر فسق و فجور کرتے ہیں** یعنی شریعت کی حدود اور قیود کو توڑ ڈالتے ہیں اور نفس امارہ کے اشاروں پر دوڑنے لگتے ہیں اس طرح انکی طبیعت میں جو فسق و فجور کا مادہ پوشیدہ تھا وہ کھل جاتا ہے اور انکا باطنی خبث اندر سے نکل کر باہر آجاتا ہے پس جب انکے جرم کا پیمانہ لبریز ہو جاتا ہے تو ان پر اللہ کی حجت قائم اور ثابت ہو جاتی ہے اور فرد جرم ان پر عائد ہو جاتی ہے اور شقاوت ازلیہ جو آب تک مستور تھی وہ ظاہر اور نمایاں ہو جاتی ہے تو پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اسکی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے ہیں خوب اچھی طرح تہ و بالا کرنا کہ تباہی اور بربادی میں کوئی کسر باقی نہ رہے مطلب یہ ہے کہ آیت **هَذَا لِيَعْنِي إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً** میں ارادہ سے ارادہ ازلیہ مراد ہے اور **أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا** میں امر سے حکم تگوبنی اور تقدیری مراد ہے بے شک اللہ تعالیٰ تشریعی طور پر کسی کو فحشاء اور منکر کا حکم نہیں دیتے مگر تگوبنی اور تقدیری طور پر سعادت اور شقاوت، ہدایت اور ضلالت سب اس کے حکم سے ہے کوئی خیر اور شر اسکی تقدیر و تگوبن اور اس کے ارادہ اور مشیت سے باہر نہیں اور بعض علماء تفسیر بلکہ بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ مطلب آیت کا اس طرح ہے کہ جب ہم کسی بستی کو کفر اور معصیت کی وجہ سے ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہلاکت سے پہلے وہاں کے دولت مندوں کو پیغمبروں کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں پھر جب وہ لوگ پیغمبروں کا حکم نہیں مانتے اور کھلم کھلا فسق و فجور پر اتر آتے ہیں تو پھر ہم اس پوری بستی کو دیران کر ڈالتے ہیں اور اسی قانون کے مطابق ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد کتنی ہی قومیں اور امتیں ہلاک کر دیں مطلب یہ ہے کہ پچھلے لوگ پیغمبروں کی نافرمانی کے بدولت عذاب کا سزہ چکھ چکے ہیں منکرین اور مکذبین کو چاہیے کہ ان سے عبرت لیں اور اسے نبی تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے اور ظاہر و باطن کو دیکھنے والا ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون طالب دنیا ہو اور کون طالب آخرت ہے۔ سب کے دل اسکی نظروں کے سامنے ہیں کسی کی نیّت اور دل کا حال اس سے پوشیدہ نہیں اس لیے اب آئندہ آیت میں طالبان دنیا اور طالبان آخرت کا حال اور مال ذکر فرماتے ہیں کہ کس کے دل میں دنیا کی طلب ہے اور کس کے دل میں آخرت کی طلب ہے۔

ذکر طالبان دنیا و طالبان آخرت

جو شخص ایسا خیس اور پست ہمت ہو جائے کہ اس دنیا سے فانی کی عیش و عشرت ہی اسکی مراد اور تمنائیں جائے اور اپنی ہمت کو اس دارِ عاجلہ (دنیا) پر مقصور کر دے اور آخرت کو اعتقاداً یا عملاً پس پشت

ڈال دے تو ہم اسکو دارعاجلہ (دنیا) ہی میں جلد ہی اسکی مراد میں سے کچھ دیدیں گے جتنا چاہیں گے اور یہ سب کیلئے نہیں بلکہ جس کے لیے چاہیں گے اسکو دیں گے یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر عاشق دنیا کو اسکی تمنا اور آرزو کے مطابق مل جائے بلکہ جسکو ہم اپنی مرضی کے مطابق دینا چاہیں گے اور جس قدر چاہیں گے اور جس کے لیے چاہیں گے اتنی ہی مقدار ہم اسکو دنیا میں دیدیں گے کوئی طالب دنیا اس خیال میں نہ رہے کہ جو مانگے گا وہ اسکو مل جائے گا خوب سمجھ لے کہ دنیا کا عاشق بن جانے سے کچھ زیادہ نہیں ملے گا بلکہ اسی قدر ملے گا جس قدر اللہ تعالیٰ نے اسکے نصیب میں لکھ دیا ہے اسکو اتنا ہی ملے گا نہ کم نہ زیادہ غرض یہ کہ طالب دنیا کو دنیا میں ہم حسب مشیت کچھ دے دیتے ہیں پھر ہم نے آخرت میں اسکے لیے دوزخ کو قرار گاہ بنا دیا ہے داخل ہوگا وہ اس میں در آنحالیکہ وہ بد حال اور راندہ رحمت ہوگا مذموماً کا مطلب یہ ہے کہ ذلت اور خواری کے ساتھ بُری باتیں سُن کر اور بے آبرو ہو کر دوزخ میں داخل ہوگا اور مدح و ثناء کے معنی یہ ہیں کہ راندہ در گاہ خداوندی ہوگا یعنی اسکی رحمت سے نکلا ہوا اور دور افتادہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ طالب دنیا کو ہم دنیا ہی میں کچھ دیدیں گے مگر اتنا ہی دیں گے جتنا ہم چاہیں گے اور اسی کو دیں گے جس کو ہم دینا چاہیں گے جتنا ہم نے اسکے لیے مقدر کر دیا ہے اتنا ہی اسکو مل جائے گا اس سے زیادہ نہیں مل سکتا پھر اسکے بعد وہ آخرت میں اللہ کی رحمت سے دور رہے گا اور اسکا ٹھکانا دوزخ ہوگا اس نے آخرت کو طلب ہی نہ کیا تھا اس لیے وہ آخرت کے درجات سے تو بالکل محروم رہے گا اور دنیا میں بھی اس کو پوری مراد حاصل نہ ہوگی بلکہ کچھ دیدیا جائے گا اور جو شخص علم و ہمت سے آخرت کا طلب گار بن جائے رہتا تو دنیا میں ہے مگر منزل مقصود آخرت کو بنائے ہوئے ہے اور دن رات آخرت ہی کے لیے دوڑ رہا ہے جیسا کہ چاہیے دوڑنا یعنی جیسا آخرت کے لائق اور مناسب ہے اور جیسا کہ اس کا حق ہے اور جو اعمال بہشت میں لے جانے کا ذریعہ ہیں انکی دھن میں لگا ہوا ہے بشرطیکہ وہ شخص مؤمن بھی ہو یعنی بشرطیکہ وہ شخص اللہ اور اسکے رسول پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھتا ہو یہ قید اسلئے لگائی کہ بغیر ایمان اور اسلام کے کوئی عبادت اور کوئی عمل مقبول نہیں تو ایسے بلند ہمت لوگوں کی سعی اور دوڑ اللہ کے یہاں مشکور ہوگی یعنی مقبول اور کار آمد ہوگی اور اس پر انعام ملے گا غرض یہ کہ قبول اعمال کی تین شرطیں ہیں، اول یہ کہ نیت صحیح ہو جیسا کہ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔

دوئم۔ یہ کہ وہ عمل صحیح ہو یعنی قواعد شریعت کے مطابق ہو جیسا کہ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا سے معلوم ہوتا ہے اس لیے جو مجاہدہ اور ریاضت شریعت کے خلاف ہو وہ آخرت کا راستہ نہیں جیسے جوگیوں کی ریاضتیں کہ کوئی دن رات گنگا میں رہتا ہے اور کوئی کھانا پینا چھوڑ کر اپنے جسم کو سکھا لیتا ہے اس قسم کی ریاضتیں آخرت کا راستہ نہیں۔

سوئم۔ یہ کہ اس کا عقیدہ صحیح ہو جیسا کہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ اس پر دلالت کرتا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ طالب دنیا کی کامیابی حق تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے

فائدہ اور طالب آخرت کی کامیابی حتمی اور قطعی وعدہ ہے لہذا عقل کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کی

فکر کرے اور دنیا کی فکر میں زیادہ نہ پڑے۔ یہاں تک طالب دنیا اور آخرت کا ذکر کیا اب آگے اپنی عطا عام کا ذکر فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ہم ہر ایک کی خواہ وہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت اسکی سعی اور جدوجہد میں اور جس ہم و غم میں وہ مبتلا رہے بمقتضائے حکمت و مشیت اسکی مدد کرتے ہیں ان لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں جو طالب دنیا ہیں اور ان لوگوں کی بھی مدد کرتے ہیں جو طالب آخرت ہیں تیرے پروردگار کی عطا اور بخشش سے ہر ایک کو مدد دیتے ہیں اور اس تلاش اور سعی کے مناسب اور مطابق سامان ہتیا کر دیتے ہیں ہر ایک کی سعی اور جدوجہد کے مناسب اسکو مدد دیتے ہیں کسی کو ناامید نہیں کرتے۔

طالب دنیا کو بقدر کفایت اور طالب آخرت کو بمقدار ہمت دیتے ہیں جو طالب جس چیز کا مستحق ہے سعادت یا شقاوت سے وہ اسکو دے دی جاتی ہے اور بمقتضائے حکمت جو اسکے لیے مقدر ہے وہ اسکو مل جاتا ہے بہر حال ہم کسی کو محروم نہیں رکھتے بلکہ سب کی مدد کرتے ہیں اور تیرے پروردگار کی عطا اور بخشش خواہ وہ عطا دنیوی ہو یا اخروی کسی سے روکی ہوئی اور باز رکھی ہوئی نہیں نہ تو من سے نہ کافر سے بلکہ جس کے لیے بمقتضائے مشیت و حکمت جو عطا مقدر ہے وہ اسکو ضرور ملتی ہے اور اس عطا سے تیرے پروردگار کا مقصود تربیت ہے کبھی بندہ کو اسکی منشاء و رغبت کے مطابق وسعت اور فراخی عطا کرتے ہیں تاکہ مال و دولت کو آخرت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذریعہ بنا سکے اور حسب منشاء اس سے متمتع اور مستفید ہو سکے اور کبھی اس پر دنیا کو تنگ کرتے ہیں تاکہ وہ اس دنیا سے غدارہ اور مکارہ کے شر اور فتنہ سے محفوظ رہے اور دنیا کے کھیل اور تماشا میں لگ کر آخرت سے غافل نہ ہو جائے اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عطا رب سے قسمت اور تقدیر خداوندی مراد ہے یعنی جو خیر اور شر اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لیے مقدر اور مقسوم فرمایا ہے وہ اسکو مل جاتا ہے جو مرید عاجل یعنی طالب دنیا ہے اسکی معاصی سے امداد کرتے ہیں کہ معصیت کا سامان اسکے لیے ہتیا ہو جاتا ہے اور مرید آخرت یعنی طالب آخرت کی طاعت کے ذریعے مدد کرتے ہیں کہ سامان طاعت اسکے لیے میسر ہو جاتا ہے (البحر المحیط ص ۲۱ جلد ۶)

شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقوم وہی ہے جو حق تعالیٰ کے اس قول قَالَمْ يَكُنْ لَهُ جُودٌ رَهَا وَتَقْوَاهَا کا مضمون ہے (دیکھو روح المعانی ص ۴۹ جلد ۱۵)

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آیت ہذا میں امداد سے دنیوی رزق مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت اس دار دنیا میں عطا دنیوی سے حسب حکمت و مصلحت ہر دو فریق کی امداد کرتے ہیں اور سب کو روزی دیتے ہیں خواہ تو من ہو یا کافر دنیوی رزق سے سب کو حصہ ملتا ہے مگر عطا اخروی، وہ تو من کے ساتھ مخصوص ہے عطا دنیوی کسی فریق کے ساتھ مخصوص نہیں اس میں سب شریک ہیں مرنے کے بعد ہر ایک کا حال مختلف ہوگا۔

خواجہ حسن بھڑی اور قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں رزق سب کو دیتا ہے نیک ہو یا بد کفر اور عصیان کی وجہ سے رزق دنیوی کا دروازہ بند نہیں کرتا سب اللہ کے بندے ہیں سب کو رزق

دیا جاتا ہے تاکہ سب پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے اور عذر کی گنجائش باقی نہ رہے۔ چنانچہ آپ نظر اٹھا کر دیکھیے کہ ہم نے اس عطاء دنیوی میں بعض کو بعض پر کیسے فضیلت اور فوقیت دی ہے مال و دولت میں اور عزت و وجاہت میں اور حسن صورت اور حسن سیرت میں مختلف بنایا بعض کو فقیر بنایا بعض کو امیر اور بادشاہ کیا کسی کو تندرست اور توانا بنایا اور بعض کو بیمار اور لاچار بنایا کسی کو عقل مند اور ہنرمند بنایا اور کسی کو نادان اور دیوانہ بنایا اور بعض کو خوبصورت اور بعض کو بدصورت بنایا وغیرہ وغیرہ۔ اور کسی کو مومن اور کسی کو کافر بنایا۔ لوگوں کو چاہیے کہ عطاء الہی کو نظرِ عبرت سے دیکھیں کہ اللہ نے دنیوی امور میں ہر کم کس قدر تفاوت رکھا ہے اور البتہ دارِ آخرت جو مقبولانِ خداوندی کے لیے مخصوص ہے طبقات اور درجات اور مراتب کے اعتبار سے دارِ دنیا سے بہت بڑا ہے اور فضیلت اور برتری کے لحاظ سے بھی بہت بڑا ہے یعنی دارِ آخرت کا تفاوت دارِ دنیا کے تفاوت سے کہیں بڑھ کر ہے یا یہ معنی ہیں کہ بزرگی اور بڑائی دینے میں آخرت - دنیا سے بہت بڑی ہے جو نسبت دنیا اور آخرت کے مابین ہے وہ ہی نسبت ان کے درجات اور تفاضل میں ہے لہذا آخرت کے درجات اور فضائل میں کوشش کرنی چاہیے دنیا آخرت کے مقابلہ میں بیچ ہے۔

اس آیت میں سعی کے مشکور ہونے کیلئے ایمان کو شرط قرار دیا اور ایمان کے اجزاء میں سب سے اعظم اور اشرف جزء توحید اور کفر اور شرک سے تبری اور بیزاری ہے اس لیے سلسلہ کلام کو توحید پر ختم فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے انسان مت بنا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو کو ہمیدہ مذمت اور ملامت سننے کے لیے بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائے گا یعنی شرک کرنے کا نتیجہ دنیا میں یہ ہوگا کہ ہر عاقل و دانا تجھ کو مذموم اور ملزم ٹھہرائے گا کہ تو نے ایسی ظاہر البطلان چیز (شرک) کو کیسے اختیار کیا اور جو چیز کسی نفع اور ضرر کی مالک نہیں اس کو کیسے معبود ٹھہرایا اور آخرت میں جب کہ سخت مصیبت کا سامنا ہوگا اس وقت تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا غرض یہ کہ کفر اور شرک کا نتیجہ اور انجام سوائے برائی اور بدنامی اور ذلت و خواری اور بے کسی اور کمپرسی کے کچھ نہیں کرے سے پہلے انجام کو سوچ لو۔

لطائف و معارف

(۱) وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا: یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک ہم رسول نہ بھیج لیں یعنی اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک وہ احکام خداوندی سے باخبر نہ ہو جائے اور اللہ کی حجت اس پر قائم نہ ہو جائے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اسکی طرف رسول بھیجو اور وہ بندوں کو احکام خداوندی سے مطلع کرے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ رسول خود ہر ایک کے پاس جا کر اللہ کا پیغام پہنچائے بلکہ یہ کافی ہے کہ وہ خود بیان کرے یا اسکی طرف سے کوئی عالم یا مبلغ اللہ کا پیغام پہنچا

دے بہر حال اسکی رسالت اور شریعت کا علم ہو جانا کافی ہے خواہ وہ کسی طریقے سے ہو جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، رسالت عامہ ہے تمام عالم کے لیے ہے صحابہ کرام و تابعین اور علماء امت کے ذریعے سے مشرق اور مغرب میں آپ کی دعوت پہنچ چکی ہے اس لیے سب پر ایمان لانا فرض ہے۔

(۲) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت (یعنی وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا) سے معلوم ہوتا ہے جو شخص بعثت سے پہلے مر گیا یا اسکو نبوت کی دعوت نہیں پہنچی وہ عند اللہ معذور ہے اس پر عذاب نہ ہوگا اگرچہ وہ شرک کی حالت میں مرا ہو کیونکہ احکام خداوندی کی معرفت بدون شریعت کے ناممکن ہے اور احکام الہی کی معرفت کے لیے عقل انسانی کافی نہیں بغیر بعثت کے حجت تام نہیں اس لیے جس کو دعوت نہیں پہنچی وہ معذور ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید خداوندی اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ جو معمولی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کما قال تعالیٰ قَالَتْ دُسُّهُمُ اِنِّی اللّٰہُ شَکُّکُمْ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس لیے انکار خداوندی اور شرک میں کوئی معذور نہ ہوگا اگرچہ اسکو نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو ادنیٰ عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عمارت بغیر معمار کے ممکن نہیں اور کتابت بغیر کاتب کے ممکن نہیں تو زمین سے لے کر آسمان تک یہ تمام عمارت بغیر کسی بنانے والے کے کیسے کھڑی ہو گئی جیسے کسی اعرابی نے کہا تھا کہ ”بینگنی اونٹ پر دلالت کرتی ہے اور نشان قدم رفتار پر دلالت کرتا ہے تو کیا یہ برج والا آسمان اور گرد و غبار والی زمین کسی صانع خبیر پر دلالت نہیں کرے گی“ اور علیٰ هذا توحید بھی امر بدیہی ہے اور شرک ایسی ظاہر البطلان چیز ہے جس میں کسی عاقل کو شک نہیں ہر شخص یہ محسوس کرنے لگا ہے کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کے لیے یہ چیز سخت ذلت اور رسوائی کا باعث ہے کہ وہ کسی عاجز مخلوق کے سامنے سر جھکائے اس لیے قرآن کریم میں آیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنۡ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ تحقیق اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتے اور جو گناہ شرک سے کم درجہ کا ہے وہ جس کے لیے چاہیں معاف کر دیں معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا میں عدم عذاب کا حکم معاصی کے ساتھ مخصوص ہے کہ قبل بعثت ارتکاب معاصی پر عذاب نہ ہوگا اور کفر و شرک چونکہ امر بدیہی ہے عقل و فطرت سے بھی معلوم ہو سکتا ہے اس لیے انکار خداوندی اور شرک پر ہر حال میں مواخذہ ہوگا۔ غرض یہ کہ وجود باری تعالیٰ اور توحید کا مسئلہ ایسا واضح اور روشن ہے کہ عقل اور فطرت کی رہنمائی بھی اس کے لیے کافی ہے اور انبیاء کرامؑ نے دلائل اور براہین سے اسکی مزید تشریح اور توضیح کر دی کہ انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ اور علماء امت نے اپنی تقریروں اور تحریروں سے دلائل عقلیہ اور فطریہ کے ذریعہ وجود باری تعالیٰ اور توحید باری تعالیٰ کا مسئلہ روز روشن کی طرح واضح کر دیا اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا دیا لہذا اب کسی منکر خدا اور کسی مشرک کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

(۳) اصحاب فترۃ | یعنی جو لوگ زمانہ فترت میں مر گئے اور ان کو رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور اطفال مشرکین یعنی جو لڑکے چھوٹی عمر میں گزر گئے ان کے ماں باپ کفار تھے اور احمق اور بے عقل اور مجنون جو جنون اور بے عقلی کی حالت میں مر گئے۔

ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ جنت میں جائیں گے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ جہنم میں جائیں گے اور بعض علماء نے انکے بارے میں توقف کیا ہے یعنی یہ لوگ اللہ کی زیر مشیت ہیں ان کے بارے میں کوئی حکم کل نہیں لگایا جاسکتا ہے قول فیصل اس بارے میں یہ ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا امتحان ہوگا اور من جانب اللہ ان کے پاس ایک فرشتہ آئے گا اور کہے گا کہ اللہ کا حکم یہ ہے کہ دوزخ کی آگ میں داخل ہو جاؤ پس جو حکم خداوندی کی اطاعت کرے گا آگ اس کے حق میں برد اور سلام بن جائے گی اور جو انکار کرے گا اس کو گھسیٹ کر آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ حاصل کلام یہ کہ قیامت کے دن ان لوگوں کا اس طرح امتحان لیا جائے گا جو اطاعت کرے گا وہ بہشت میں داخل کر دیا جائے گا جو نافرمانی کرے گا وہ ذلت و خواری کے ساتھ داخل نار ہوگا امتحان سے مقصود یہ ہوگا کہ اندرون طبیعت جو اطاعت اور معصیت کا مادہ پوشیدہ اور مستور ہے وہ ظاہر ہو جائے۔ اور اندرونی فرمانبرداری اور نافرمانی جب ظاہر ہو جائے تب اس کے مطابق جزا و سزا ان پر جاری کی جائے محض صلاحیت اور استعداد پر جزا اور سزا مرتب نہیں ہوتی جب تک کہ عملی طور پر ان پر حجت نہ قائم ہو جائے اس امتحان کے بعد اندرونی اطاعت اور معصیت عملی طور پر سامنے آجائے گا اور علم ازلی میں جو سعادت اور شقاوت مفرد اور مضمحل تھی وہ ظاہر اور منکشف ہو جائے گی اور اس اطاعت اور معصیت سے ان پر حجت قائم ہو جائے گی اور اسکے مطابق جزا اور سزا مرتب ہو جائے گی۔

امام ابو الحسن اشعریؒ نے اسی کو اہل سنت والجماعت کا قول قرار دیا ہے اور اسی کو امام بیہقیؒ نے کتاب الاعتقاد میں اختیار کیا اور اسی کے دلائل و براہین سے نصرت اور تقویت فرمائی اور اسی کو قول منصور قرار دیا۔ حضرات اہل علم اگر اس مسئلہ کی مزید تفصیل چاہیں تو اس ناچیز کا حاشیہ بخاری مسلمی بہ تحفۃ القاری ملاحظہ فرمائیں جس میں صحیح بخاری کی کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

(۴) وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَوْمًا مَّا تَرْفَعُهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے دل میں فسق و فجور کا داعیہ ڈال دیتے ہیں کہ وہ دل کھول کر فسق و فجور کریں تب عذاب الہی نازل ہوتا ہے لہذا دولت مندوں کو چاہیے کہ وہ خود اپنا امتحان کر لیں انکی دولت و ثروت اگر ان کو اللہ کی اطاعت کی طرف لے جا رہی ہے تو اللہ کا شکر کریں کہ اللہ نے اس دولت کو آخرت کا ذریعہ بنایا اور اگر وہ دولت و ثروت

ان کو فق و فخر اور بدکاریوں پر آمادہ کر رہی ہے تو سمجھ لیں کہ اللہ نے ہمارے تباہ اور برباد کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔

(۵) اہل عمل کی تین قسمیں | (۱) اول، یہ کہ اس عمل سے اس کا مقصود فقط دنیوی منفعت ہو۔
(۲) دوم، یہ کہ اس عمل سے اس کا مقصود فقط آخرت کی منفعت ہو اس آیت میں یعنی مَنْ كَانَتْ يُؤَيِّدُ الْعَاجِلَةَ اور مَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ میں اللہ تعالیٰ نے ان دو قسموں کا حکم بیان کیا۔

(قسم سوم) یہ ہے کہ اس عمل سے دنیا اور آخرت دونوں ہی مقصود ہیں تو اسکی پھر تین قسمیں ہیں (۱) پہلی قسم (یہ ہے کہ طلب آخرت غالب اور راجح ہو اور طلب دنیا مغلوب اور مرجوح ہو) (دوسری قسم) اس کا عکس ہے وہ یہ کہ طلب دنیا غالب اور راجح اور طلب آخرت مغلوب اور مرجوح ہو (تیسری قسم) یہ ہے کہ دونوں طلبیں اور دونوں خواہشیں برابر ہوں پہلی قسم یعنی جہاں طلب آخرت راجح اور غالب ہو جمہور علماء کا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ ایسا عمل مقبول نہیں اس لیے کہ جس عمل میں غیر اللہ کی نیت شریک ہو گئی وہ عمل اللہ کے نزدیک مردود ہے اگرچہ نیت آخرت کی غالب ہو کیونکہ غیر اللہ کی نیت شامل ہو جانے سے وہ شرک ہو گیا جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے۔ اَنَا اغْنِي الشُّرَكَاءَ عَنِ الشُّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اشْرَكَ فِيهِ غَيْرِي تَرْكُهُ وَشُرْكُهُ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں تمام سا جھیوں سے بڑھ کر بے پرواہ اور بے نیاز ہوں لہذا جس کسی نے کوئی ایسا کام کیا جس میں میرے ساتھ کسی دوسرے کو شریک کر لیا تو میں اسکو اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دیتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ جو عمل خالص اللہ کے لیے کرے گا وہ تو مقبول ہوگا اور ایسا عمل کہ جو درخداؤں کا مجموعہ ہو تو وہ قابل قبول نہیں اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جس عمل میں طلب آخرت کی راجح ہو تو وہ عمل بقدر نیت مقبول ہو جائے گا اور چونکہ طلب آخرت کی غالب ہے اس لیے وہ عمل بالکلیہ باطل اور مردود نہ ہوگا اگرچہ طلب دنیا کی آمیزش کی وجہ سے ناقص اور مکدر ہو جائے گا۔

اور دوسری قسم (یعنی طلب دنیا غالب اور راجح ہو) ایسا عمل بالاجماع مردود ہے (اور تیسری قسم) یعنی جس میں طلب دنیا اور طلب آخرت دونوں برابر ہوں وہ بھی باتفاق علماء مقبول نہیں یہاں ایک اور قسم باقی رہ گئی اور وہ یہ کہ اس کی کوئی نیت ہی نہ ہو نہ دنیا کی اور نہ آخرت کی سو اس کا یہ عمل اگر شرعاً جائز ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس صورت میں نیت تو کچھ ہے نہیں صرف عمل ہے لہذا دیکھ لیا جائے کہ شریعت میں اس عمل کا کیا حکم ہے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ

اور چکا دیا تیرے رب نے کہ نہ پوجو اسکے سوا، اور ماں باپ سے

إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ

بھلائی کبھی پہنچ جاوے تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک یا

كِلَهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا

دونوں، تو نہ کہہ اُن کو، ہوں اور نہ جھڑک ان کو، اور کہہ ان کو

قَوْلًا كَرِيمًا ۝۲۳ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ

بات ادب کی اور جھکا اُن کے آگے کندھے عاجزی کر کر پیار

الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ۝۲۴

سے اور کہہ اے رب! اُن پر رحم کر، جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نَفُوسِكُمْ ۖ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے جی میں ہے جو تم نیک ہو گے،

فَإِنَّهُ كَانَ لِلَّهِ وَأَيُّهَا غَفُورًا ۝۲۵ وَأَتِ الْقُرْبَىٰ

تو وہ رجوع لانے والوں کو بخشتا ہے اور دے ناتے والے کو

حَقَّهُ ۖ وَالْيَسِيرِينَ ۖ وَالْبَنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ

اس کا حق، اور محتاج کو اور مسافر کو اور مت اڑا

تَبْذِيرًا ۝۲۶ إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ

بکھیر کر بے شک اڑانے والے، بھائی ہیں شیطانوں کے

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝۲۷ وَإِمَّا تَعْرِضَنَّ

اور شیطان ہے اپنے رب کا ناشکر اور اگر کبھی توافل کرے

عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ

تو اُن کی طرف سے، تلاش میں ہربانی کی اپنے رب کی طرف سے جس کی توقع رکھتا ہے تو کہہ

لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۝۲۸ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً

ان کو بات نرمی کی اور نہ رکھ اپنا ہاتھ بندھا اپنی گردن

إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا

کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو رزق کھولنا، پھر تو بیٹھ رہے الزام

مَحْسُورًا ۝۲۹ إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَ

کھایا ہارا تیرا رب کشادہ کرتا ہے روزی، جس کو چاہے اور

يَقْدِرُ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝۳۰ وَلَا تَقْتُلُوا

کستا ہے وہی ہے اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا اور نہ مار ڈالو

أَوْلَادَكُمْ خَشِيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۖ إِنَّ

اپنی اولاد کو ڈر سے مفلسی کے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بے شک

قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيرًا ۝۳۱ وَلَا تَقْرَبُوا الزَّانِيَ إِنَّهُ

ان کا مارنا بڑی چوک ہے اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے، وہ

كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا ۝۳۲ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ

ہے بے حیائی اور بُری راہ ہے اور نہ مارو جان

الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا

جو منع کی اللہ نے، مگر حق پر اور جو مارا گیا ظلم سے

فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطَانًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ إِنَّهُ

تو ہم نے دیا اسکے وارث کو زور، سواب ہاتھ نہ چھوڑ دے خون پر اسکو

كَانَ مَنصُورًا ۝۳۳ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا

مدد ہونی ہے اور پاس نہ جاؤ یتیم کے مال کے، مگر

بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا

جس طرح بہتر ہو ، جب تک وہ پہنچے اپنی جوانی کو اور پورا کر دو

بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۖ (۳۳) وَأَوْفُوا الْكَيْلَ

اقرار کو بے شک اقرار کی پوچھ ہے اور پورا بھر دو ماپ

إِذَا كَلِمْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ

جب ماپ دینے لگو اور تولو سیدھی ترازو سے یہ بہتر ہے

وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۖ (۳۵) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ

اور اچھا اس کا انجام اور نہ پیچھے پڑ ، جس بات کی خبر نہیں

عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ

تجھ کو بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس

كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۖ (۳۶) وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا

سے پوچھ ہے اور نہ چل زمین پر اتراتا تو بھاڑ نہ

إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۖ (۳۷)

ڈالے گا زمین کو ، اور نہ پہنچے گا پہاڑوں تک لمبا ہو کر

كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۖ (۳۸)

یہ جتنی باتیں ہیں ، ان میں سے ہر چیز ہے برے رب کی بیزاری

تفصیل اعمال آخرت و احکام ہدایت

قال الله تعالى: وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَٰهَآ... اِنِّی... كُلُّ ذَٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا (در ربط گزشتہ آیات میں آخرت کی سعی اور اس کی جدوجہد کا بیان تھا کہ جو آخرت کے لیے سعی کرے گا ہم سے

آخرت کی نعمتیں عطا کریں گے اب ان آیات میں ان اعمال کی تفصیل فرماتے ہیں کہ جن کے ذریعہ انسان آخرت کی نعمتیں حاصل کر سکے اور ان احکام کو بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ انسان ہدایت حاصل کر سکے اور آخرت کی سعی اور جدوجہد کا ذریعہ یہ اعمال ہیں اور ان احکامات کو توحید ہی سے شروع کیا اور توحید ہی پر ختم کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمام گناہوں میں شرک بڑے درجہ کا گناہ ہے اور درمیان میں زیادہ تر ان احکام کو بیان فرمایا کہ جو شعائر اسلام میں سے ہیں اور تمام ادیان اور شرائع میں مُسلم ہیں اور سب کے سب مُحکم ہیں قابل نسخ نہیں اشارہ اس طرف ہے کہ اگر واقعہ میں تم آخرت کے طالب ہو اور اس کے لیے سعی ہو تو ان اعمال کو بجالاؤ ان اعمال کے بجالانے سے وَسْعَى لَهَا مَسْعٰیہَا کے مصداق بن سکو گے۔

قدم باید اندر طریقت نہ دم کہ اصلے ندارد دے بے قدم
اور گزشتہ آیات مثلاً اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ اور مثلاً مِّنْ اٰیٰتِہِ
فَاِنَّمَا یَهْدِیْ لِنَفْسِہِ میں جس ہدایت کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان اہم احکام ہدایت کو بیان کرتے ہیں جن پر عمل کرنے سے انسان کو ہدایت حاصل ہوتی ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے تورات کی ساری اخلاقی تعلیم ان پندرہ آیتوں میں درج کر دی ہے اور وہ پندرہ آیات اس رکوع سے شروع ہوتی ہیں۔

حکم اول توحید

اور حکم دیا تیرے پروردگار نے تمام بندوں کو کہ سوائے اس معبود برحق کے اور کسی کو نہ پوجو اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے عبادت نام ہے غایت تعظیم کا اور غایت تعظیم کا مستحق وہی ہے کہ جو غایت درجہ کا منعم اور محسن ہو اور وہ اس کے سوا کوئی نہیں۔

حکم دوم، اکرام و احترام والدین

اور حکم دیا اللہ تعالیٰ نے کہ ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور عبادت کے بعد والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا۔ ان دونوں حکموں میں مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے وجود کا سبب حقیقی ہے اس لیے اول اس کا حکم دیا اور والدین انسان کے وجود کا سبب

مجازی اور ظاہری ہیں اس لیے والدین کے ساتھ احسان کا حکم بعد میں دیا نیز والدین کی شفقت رحمت خداوندی کا ایک نمونہ ہے والدین کی شفقت ہر وقت موجزن

رہتی ہے کہ ہر طرح کی بھلائی اولاد کو پہنچا دیں اور ہر طرح کی برائی کو اولاد سے دور رکھیں اور والدین سے جس خیر اور بھلائی کا اولاد کو پہنچانا ممکن ہوتا ہے وہ اس سے دریغ نہیں کرتے اور سوائے جذبہ شفقت و محبت اور کوئی ان کی غرض نہیں ہوتی اس وجہ سے انعام اور احسان میں خدا کے بعد والدین کا درجہ ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں ماں باپ کے شکر کو اپنے شکر کے ساتھ واجب اور لازم گردانا اِنَّ اِمْرًا لِّدٰنِکَ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ۔

پھر چونکہ حق جل شانہ علیم وخبیر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ والدین بڑھاپے کے وقت اولاد پر گراں ہو جاتے ہیں لہذا بطور اہتمام حکم دیتے ہیں اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے اور تیرے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں اور ضعف اور عجز سے ان کی وہ حالت ہو جاتے جو بچپن میں تیری تھی اور ایسی حالت میں کوئی ایسی بات ظاہر ہو جو طبعاً تم کو ناگوار ہو تو ایسی حالت میں بھی انکے ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنا اور ان کے سامنے اُف بھی نہ کرنا یعنی تھوٹ اور چوٹ نہ کرنا یعنی زبان سے کوئی ایسا لفظ نہ نکالنا جو ان کے کانوں کو ناگوار گزرے اور کسی بات پر خواہ وہ تیرے لیے کیسی بھی خلاف طبع ہو ان کو نہ جھڑکنا۔ اظہار ناگواری میں زجر کا درجہ اُف کہنے سے بڑھا ہوا ہے اُف کہنا اظہار ناگواری کی ابتداء ہے اور زجر یعنی جھڑکنا اور ڈانٹنا یہ اسکی انتہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ نہ ان کی بات سے ملول ہو اور نہ ان کی بات کو رد کرو اور ان کے سامنے نرمی اور ادب سے بات کرو جس سے انکی تعظیم و تکریم اور ادب مترشح ہوتا ہو اور ازراہ شفقت و تواضع نہ ازراہ سیاست و مصلحت اور انکے سامنے بازو تے ذلت کو پست کر دو یعنی ان سے بکمال تواضع و انکسار کے ساتھ برتاؤ کرو جَنَاحَ الْمَذَلِّ کے معنی ذلت کے بازو ہیں حالانکہ ذلت کے بازو نہیں ہوتے تو یہ کلام بطور استعارہ ہے کہ جس طرح پرندہ اپنے بچے کی تربیت کے وقت اپنے بازو پست کر کے اسکو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے اسی طرح تم کو چاہیے کہ ایسی ہی تربیت اور شفقت کا معاملہ اپنے والدین کے ساتھ کرو اور ان کے لیے اس طرح دعا کرو کہ اے پروردگار ان دونوں پر ایسا خاص رحم فرما جیسا کہ انھوں نے مجھے بچپن میں پالا اور کمال شفقت و رحمت سے میری پرورش کی جب کہ میں بالکل عاجز اور لاچار تھا۔

والدین اگر مسلمان ہوں تو انکے حق میں دعائے رحمت کے معنی ظاہر ہیں اور اگر کافر ہیں اور زندہ ہیں تو انکے حق میں دعائے رحمت کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ انکو ایمان اور اسلام کی ہدایت نصیب فرما کافر کے حق میں ہدایت سے بڑھ کر کوئی رحمت نہیں اور اگر والدین بحالت کفر مر چکے ہوں تو ان کیلئے دعائے مغفرت و رحمت جائز نہیں کما قال تعالیٰ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَکَُوْکُلُوْا اُولٰٓئِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا بَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحَابُ الْجَحِیْمِ اس

آیت کی تفسیر سورۃ توبہ کے اخیر میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے غرض یہ کہ حق جل شانہ نے اس آیت میں اول والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا اور پھر اس کے بعد پانچ باتوں کا حکم دیا۔

(اول) لَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ : ان کے سامنے اُف مت کرو۔

(دوم) وَلَا تَنْهَرْهُمَا : ان کو جھڑکو مت اور انکے سامنے آواز بلند نہ کرو۔

(سوم) وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا : ان کے سامنے ادب سے بات کرو۔

(چہارم) وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الْحُمْرَةِ : یعنی کمال تواضع اور کمال شفقت کے ساتھ ان سے برتاؤ کرو۔

(پنجم) وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا : یعنی انکے لیے دعائے مغفرت و رحمت کرو۔

مطلب یہ ہے کہ خالی ادب اور تواضع اور شفقت پر اکتفاء نہ کرو کیونکہ یہ سب چیزیں فانی ہیں بلکہ دعا کرو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت باقیہ اور دائمہ سے ان کی دستگیری کرے اور رحمت آخرت کی دعا مسلمان والدین کے لیے مخصوص ہے یہاں تک والدین کی ظاہری توقیر اور احترام کے متعلق احکام بیان فرماتے اب اگلی آیت میں باطنی ادب یعنی دل سے ادب اور احترام کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ والدین کے سامنے فقط ظاہر میں ذلت کا بازو پست کر دینا اور انکے سامنے اُف نہ کرنا یہ کافی نہیں بلکہ دل سے ان کا ادب کرنا اور باطنی طور پر انکی اطاعت اور فرماں برداری اور انکے ساتھ احسان کا قصد کرنا بھی ضروری ہے حتیٰ کہ دل میں انکی نافرمانی کا خیال بھی نہ آنے پائے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ والدین کے متعلق تمہارے دلوں میں کیا بات پوشیدہ ہے ممکن ہے کہ ظاہر میں تم نے ادب و احترام کو ملحوظ رکھا ہو لیکن دل میں کوئی گرائی اور ناگواری مضمر ہو سو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر تم فی الواقع نیک و نیکو ہو گے یعنی دل سے ان کے مطیع اور فرماں بردار اور خدمت گزار ہو گے اور بتقاضائے بشریت ان کا پورا حق خدمت ادا نہ ہو سکے گا اور اس پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو گے تو بے شک خدا کی طرف رجوع کرنے والوں کی تقصیر کو بخشے والا ہے بھول چوک یا عدم استطاعت کی بناء پر جو کمی اور کوتاہی انکی خدمت میں واقع ہوگی اس کو وہ معاف فرما دے گا آؤ اب کی تفسیر میں کئی قول ہیں جامع قول یہ ہے کہ جو شخص کثرت کے ساتھ بار بار بات بات میں شرمندہ ہو کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہو وہ اذاب ہے۔

ایک فلسفیانہ وسوسہ اور اس کا جواب

وسوسہ یہ ہے کہ اگرچہ والدین اولاد کے وجود کا سبب ظاہری ہیں لیکن اس میں انکی نفسانی خواہش کو بھی دخل

لے یہ فلسفیانہ وسوسہ اور اس کا جواب تفسیر سراج نمبر ص ۲۴۱ جلد ۲ اور تفسیر روح المعانی میں مذکور ہے اور ہماری یہ تمام تقریر اس سے ماخوذ ہے (واللہ اعلم)

ہے جس سے ایک فرزند تولد ہوا اور پیدا ہو کر عالم آفات میں آپہنچا اور طرح طرح کی مشقتوں اور مصیبتوں میں آپہنچا تو والدین کا اولاد پر کیا احسان ہوا جس کا شکر واجب ہو اور اس احسان کے صلہ میں انکی اطاعت اور خدمت فرض ہو حتیٰ کہ ایک فلسفی اپنے باپ کو مارا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اسی نے مجھ کو عالم کون فساد میں داخل کیا اور اسی نے مجھ کو موت کا نشانہ بنایا اور فقر و فاقہ اور طرح طرح کے امراض و آلام کے دہانہ پر لا کر مجھے کھڑا کر دیا۔

اسی قسم کا ایک فلسفی ابو العلاء گزرا ہے اس سے پوچھا گیا کہ ہم تیری قبر پر کیا لکھیں تو اس نے کہا کہ میری قبر پر یہ شعر لکھ دینا۔

هَذَا جَنَاهُ ابْنِي عَلِيٍّ وَمَا جَنَيْتُ عَلَيَّ أَحَدٍ

یہ اس کے باپ کا اس پر ظلم ہے اور میں نے کسی پر ظلم نہیں کیا یعنی میں نے کوئی نکاح نہیں کیا اور کوئی بچہ نہیں جنوایا بلکہ سب کو پردہ عدم میں رہنے دیا تاکہ میری وجہ سے پردہ عدم سے نکل کر اس دار فانی کے آفات اور مصائب میں مبتلا نہ ہو پردہ عدم میں رہنے کی وجہ سے اگرچہ اس دنیا کے عیش و آرام سے متمتع نہ ہوا تو اس دنیا کی آفات اور مصیبتوں سے محفوظ رہا۔

اسی طرح اسکندر سے پوچھا گیا کہ تجھ پر تیرے والد کا حق زیادہ ہے یا تیرے استاد کا اسکندر نے جواب دیا کہ استاد کا حق زیادہ ہے اس نے میری تعلیم و تربیت میں طرح طرح کی سختیاں برداشت کر کے مجھے علم کی روشنی میں داخل کیا اور رہا والد تو اس کو اپنے لیے لذت جماع کی خواہش تھی اس طرح اس نے مجھ کو عالم کون و فساد میں لانکالا۔

اس فلسفیانہ طویل تقریر سے آپا تزیویر کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اول امر میں والدین کا مقصود لذت نفسانی کی تحصیل ہو مگر جب بچہ پیدا ہو گیا تو اس وقت سے لے کر آخر تک دیکھو کہ ماں باپ نے اس فرزند دلبند کے ساتھ کیا معاملہ کیا اسکو اپنا نعمت جگر جانا اور اسکی ولادت پر خوشیاں منائیں اور اسکی تربیت میں طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور اسکی تعلیم و تادیب میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا اور ضروریات زندگی میں اسکو اپنے سے مقدم رکھا اور اپنے اوپر تنگی برداشت کر کے دل و جان سے اس کے مصارف زندگی اور مصارف تعلیم پورے کیے اور اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا طرح طرح

علیٰ ابو العلاء معری کے ان دو شعروں کا مضمون ہے جو اس نے نکاح نہ کرنے کے بارے میں کہے تھے وہ دو شعر یہ ہیں۔

وترکت فیہم نعمۃ الدم التی !! سبقت وصدت عن نعیم العاجل
ولواہم ولدوا لنا لولا شدة !! ترمی بہم فی موبقات الآجل

(روح المعانی ص ۵۷ جلد ۱۵)

کی خوبیاں اور بھلائیاں جو اس کو پہنچا سکتے تھے وہ اس کو پہنچا ڈالیں اور جس بلا اور آفت کو اس سے ہٹا سکتے ہوں وہ اس سے دور کر دیں اور دن رات اس کو شش میں لگے رہے کہ اس مولود کو ہم سے ہزار درجہ بڑھ کر نعمتیں اور عزتیں اور راحتیں مل جائیں اور اس راہ میں جو مشقتیں پیش آئیں وہ والدین نے اپنے اوپر اٹھائیں یہاں تک کہ وہ سن بلوغ کو پہنچا اور جوان ہو گیا کیا اس والہانہ شفقت و محبت اور بے غرضانہ تربیت سراپا رحمت کا کوئی معمولی سا شمعہ یا ادنیٰ سا نمونہ سوائے والدین کے کسی اور جگہ بھی دکھلایا جاسکتا ہے دیکھنا تو درکنار ایسی محبت اور شفقت کے تصور سے عقل بھی قاصر ہے۔

(دیکھو تفسیر سراج منیر ص ۲۴۱ جلد ۲ و روح المعانی ص ۵۷ جلد ۱۵)

ایسی بے مثال شفقت و تربیت کا کہ جو ابتدائے ولادت سے لے کر بیس سال تک مسلسل جاری رہی ہو احسان مند نہ ہونا اور والدین کے اس حق تربیت کا منکر ہونا انسان کا بلکہ حیوان کا بھی کام نہیں حیوان بھی اس مادہ کا احترام کرتا ہے جس سے وہ پیدا ہوا ہے بہر حال جس میں ذرا بھی عقل ہے وہ والدین کے حق کا انکار نہیں کر سکتا حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے والدین بوڑھے ہو کر اس حد کو پہنچ گئے ہیں جس طرح والدین نے بچپن میں میری غور و پرداخت کی تھی ویسی ہی میں انکی غور و پرداخت اور خبر گیری اور خدمت گزاری کر رہا ہوں تو کیا میں نے انکا حق ادا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کیونکہ وہ دونوں تیری غور و پرداخت کرتے تھے تو انکی تمنا اور آرزو یہ ہوتی تھی کہ تو زندہ رہے اور تو انکے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ سر جائیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ عالم، عالم اسباب ہے جس میں اللہ نے اپنی قدرت اور مشیت سے ایک شئی کو ایک شئی کا سبب بنایا۔ نسل انسانی اور حیوانی کے بقا کا ذریعہ اور سبب اس نفسانی خواہش کو بنایا ہے اگر یہ نفسانی خواہش درمیان میں نہ ہوتی تو نسل انسانی اور حیوانی کا وجود نہ ہوتا۔

دنیا کی تمام لذائذ طیبات اور مرغوبات اور مطعومات اور مشروبات بلاشبہ حق جل شانہ کی نعمتیں ہیں حالانکہ ان میں طبیعت کی رغبت اور نفس کی شہوت اور لذت ساتھ ساتھ ہے اور اس طبعی رغبت کی آمیزش کی وجہ سے انکے نعمت ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس طبعی رغبت کی وجہ سے نفرت کی لذت دو بالا ہو جاتی ہے اور جس ہاتھ سے یہ نعمتیں کسی کو میسر آجاتی ہیں تو وہ شخص اس ہاتھ کا ممنون اور احسان مند ہوتا ہے اور فرط محبت سے اس ہاتھ کو بوسہ دیتا ہے اور جس ماں نے اسکو نوہمینہ اپنے پیٹ میں رکھا اور دو برس تک دودھ پلایا اور تین چار سال تک ماں باپ اسکو ازراہ شفقت و محبت اور بطور لذت و مسرت گود میں اٹھائے پھر ے اور راتوں اُسکے لیتے جاگے اور اسکی راحت کے لیے طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتے رہے اور یہاں تک کہ جوان ہو گیا اب یہ نادان کہتا ہے کہ ماں باپ کا مجھ پر کوئی احسان نہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

ساہبا بر تو بگذرد کہ گزر
نکنی سوئے تربت پدرت
تو بجائے پدر چہ کردی خیر
تاہماں چشم داری از پسر

حکم سوم، اداء حقوق دیگر اہل حقوق

گزشتہ آیت میں والدین کے ساتھ احسان کا حکم دیا اب اس آیت میں تمام اہل قرابت اور عام اہل حاجت کے ساتھ احسان کا حکم دیتے ہیں اور قرابت دار اور رشتہ دار کو حسب قرابت اس کا حق ادا کر اور محتاج مسافر کو بھی دے ماں باپ کا حق چونکہ تمام رشتہ داروں سے بڑھا ہوا ہے اس لیے اول خدا تعالیٰ نے اس کی تاکید کی اس کے بعد دوسرے رشتہ داروں اور محتاج اور مسافروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ رشتہ داروں کا حق یہ ہے کہ ان کے ساتھ رشتہ اور محبت قائم رکھے اور خوش حالی اور افلاس دونوں حالتوں میں اس کے ساتھ حسن معاشرت اور الفت برتنے اگر انہیں مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مدد کرے اور اگر وہ تنگ دست ہوں تو ان پر خرچ کرے اور محتاج اور مسافروں کو خیرات دے اور اگر محتاج اور مسافر رشتہ دار بھی ہو تو اسکے دینے میں دہرا ثواب ہے۔

حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت یعنی وَاحِدَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقًّا نازل ہوئی تو اس وقت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل امینؑ سے پوچھا کہ میرے قریب کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے جبریلؑ نے جواب دیا کہ قریب تمہارے فاطمہؑ ہے اور حق اس کا فدک ہے فدک اسکو دے دو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت فاطمہؑ کو فدک دے دیا۔

یہ روایت سراسر موضوع اور ساختہ پرداختہ شیعہ ہے اور خلاف عقل و نقل ہے اس لیے کہ اس روایت کا حاصل تو یہ ہے کہ آیت ذالقربی سے فقط حضرت فاطمہؑ مراد ہیں اور حقہ سے فدک مراد ہے اور یہ بالکل غلط ہے الفاظ قرآنی کو ان معنی سے کوئی مس اور مساس نہیں لفظ ذالقربی ایک لفظ عام اور امر کلی ہے جس کے معنی قرابت والے کے ہیں جو حضور پر نورؐ کے تمام قرابت داروں کو شامل ہے لہذا اس لفظ عام یعنی ذالقربی کو فقط حضرت فاطمہؑ میں منحصر کر دینا کیسے صحیح ہوگا حضور پر نورؐ کے قرابت دار کچھ ایک دو نہ تھے بلکہ ہزاروں تھے اور صاحبزادی بھی فقط ایک نہ تھی بلکہ حضرت فاطمہؑ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت زینبؑ اور حضرت رقیہؑ اور حضرت ام کلثومؑ یہ تین صاحبزادیاں اور انھیں جو قرابت میں حضرت فاطمہؑ کے برابر تھیں اور کچھ کم نہ تھیں حق جل شانہ کے ارشاد یَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِحُزْوَانِكَ وَبَنَاتِكَ وَرِثَتِكَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِبُونَ عَلَيْكَ رِمْتٌ جَلَدِيْنَهُمْ سے صاف ظاہر ہے کہ بنی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی متعدد صاحبزادیاں تھیں اور ایسا ہی کافی کلینی کی روایت بھی ہے جو صاف اور واضح ہے کہ آنحضرتؐ

کی متعدد بیٹیاں تھیں تو کیا معاذ اللہ بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب قرابتداروں کو محروم کر کے سب کا حق حضرت فاطمہؓ کو دیدیا اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ صا جزادیاں نزول آیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور وفات مدینہ میں ہوئی۔ اور علی سبیل الفرض والتسلیم حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ اور حضرات حسنینؓ اور حضرت جعفرؓ تو موجود تھے گویا کہ ایک حضرت فاطمہؓ کا حق تو دیدیا جائے اور باقی سب قرابتداروں کا حق تلف کر دیا جائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ مسکینوں اور مسافروں کے واسطے بھی کوئی چیز وقف کر دیتے تاکہ پوری آیت پر عمل ہو جاتا نیز یہ کہنا کہ حقہ سے فدک مراد ہے یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ آیت سورہ اسراء کی ہے جو بالاتفاق مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا فدک تو ہجرت کے ساتویں برس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضے میں آیا تھا اور علیؓ ہذا سورہ روم کی ایک آیت جس میں ذالقرنیٰ کا لفظ آیا ہے وہ بھی مکی ہے نیز اگر یہی مراد ہوتے تو مختصر کلام یہ تھا کہ ات فاطمة فداک فرما دیتے اس تطویل کی کیا حاجت تھی نیز لفظ حق کا استعمال جب مناسب ہے کہ جب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بیع یا ہبہ کے ذریعے حضرت فاطمہؓ کی ملکیت فدک ثابت ہو جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے دینے میں معاذ اللہ کچھ تفسیر ہوئی تو پھر یہ کہنا مناسب ہو تا کہ فاطمہؓ کو ان کا حق دیدو کیونکہ اگر کوئی چیز دبا لیتا ہے تو اس کو کہنا کرتے ہیں کہ فلا نے کا حق دیدو۔

نیز اگر شیعوں کے نزدیک ذالقرنیٰ کے لفظ سے حضرت فاطمہ الزہراءؓ ہی مراد ہوتی تھیں تو اس بناء پر آیت وَاَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ :- میں ذی القربیٰ سے حضرت فاطمہؓ ہی مراد ہوں گی جس کا مطلب یہ نکلے گا کہ مال غنیمت کا خمس صرف فاطمہؓ کے لیے ہے باقی حضرت فاطمہؓ کے علاوہ دیگر بنی ہاشم کو دینا اور لینا جائز نہیں اہل تشیع نے یہ سمجھا کہ اس آیت میں خطاب فقط نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو ہے خاص حضرت فاطمہؓ کو حق فدک دینے کے بارے میں بطور قبالہ آسمان سے نازل ہوئی ہے۔

اور یہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں اس کے ماقبل اور مابعد میں تمام خطابات امت کو ہیں اور امت کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ تم ان احکام کو بجالانا کیونکہ شروع آیت وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِلَٰهًا اور رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ اور لَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ وَاِغْزِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ جمع کی ہیں اور باقی رہا اِمَّا يَنْبَغُ عِنْدَكَ الْكِبَرُ اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا اِفٍّ یہ خطاب بھی اگرچہ لفظ مفرد ہے مگر اس سے بھی مراد امت ہی کا ہر فرد ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماں باپ تو بچپن ہی میں گزر گئے تھے لہذا یہ حکم کہ ماں باپ کے سامنے اف نہ کرنا اور ان کے ادب کو ملحوظ رکھنا درحقیقت امتوں کو سنانے کے لیے ہے آپ کے لیے نہیں۔

اور علیٰ ہذا وَلَا تُبْذِرْ تَبْذِيرًا کا حکم بھی تمام امت کے لیے ہے اسی طرح سمجھو کہ وَاصِلَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّہ میں بھی خطاب ہر شخص کو ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ قرابتداروں کا حق ادا کرے اور

صلہ رحمی سے دریغ نہ کرے اور علیٰ ہذا القیاس سورۃ روم میں اَوَّلَکُمْ یَوَدُّ اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطَ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ کے بعد قَاتِ ذَٰلِکُمْ بِیْ حَقِّکَ سے بھی صلہ رحمی کی ترغیب مقصود ہے کہ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے تم اگر اہل قرابت کے ساتھ سلوک اور احسان کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے رزق میں وسعت دے گا اس آیت میں بھی گو مخاطب خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں لیکن فی الحقیقت خطاب عام ہے غرض یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں شیعوں نے جوہرہ فدک کی یہ روایت نقل کی ہے وہ سراسر دروغ بے فروغ ہے دشمنانِ دین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا طلبی کی تہمت لگانے کے لیے گھڑی ہے کہ اپنی بیٹی کو دینے کے لیے جبریل علیہ السلام کا حوالہ دے دیا تاکہ اس سبب پر کوئی اعتراض نہ کرے استغفر اللہ ولّا حول ولا قوۃ الا باللہ

حکم چہارم ممانعت از اسراف

اور اپنی دولت کو ناحق اور بے جا نہ اڑا بے شک اپنے مال کو بیجا اڑانے والے شیطان کے بھائی ہیں اس لیے کہ اسراف فعل شیطانی ہے پس جس نے اسراف اور فضول خرچی کی وہ شیطان کے بھائیوں میں سے ہو گیا اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکر ہے مال و دولت اللہ کی نعمت ہے راہِ حق میں اس کو خرچ کرنا یہ اس کا شکر ہے اور ناحق خرچ کرنا یہ اسکی ناشکری ہے۔

حکم پنجم تلطف در جواب سائل

اور اگر تجھ سے اقرباء اور احباب سوال کریں اور اس وقت تیرے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اور تو اپنے پروردگار کے فضل و رحمت کے انتظار میں جس کے ملنے کی تجھے امید ہو اور مجبوری کی وجہ سے تو ان غریبوں سے تغافل برتے تو ایسی حالت میں ان کے ساتھ نرمی اور حسن اخلاق سے بات کر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس کوئی سائل آکر سوال کرتا ہے اور اس وقت اسکے پاس کچھ دینے کو نہیں ہوتا مگر اسے کہیں سے مال آنے کی امید ہوتی ہے ایسی صورت میں خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ نرمی سے انکو جواب دو کہ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں پھر آنا۔

حکم ششم، اقتصاد و اعتدال و انفاق مال

اور مال خرچ کرنے میں اعتدال کو ملحوظ رکھو نہ تو اپنے ہاتھ کو گردن سے بندھا ہوا رکھ یعنی نہ تو غایت

بخل کی وجہ سے بالکل ہاتھ روک لو گیا کہ ہاتھ گردن سے بندھا ہوا ہے کسی کو کچھ دینے کے لیے کھلتا ہی نہیں اور نہ ہاتھ کو پورا ہی کھول دو کہ جوشش میں آکر سب کچھ دے ڈالو اور آئندہ کچھ ہوش نہ رہے پھر تو خالی ہاتھ گھر میں بیٹھا رہ جائے ملامت کیا ہوا در ماندہ اور محتاج یعنی اگر بخل کی وجہ سے ہاتھ کو بالکل بند کر لیا تو "ملوم" ہو گا سب لوگ تجھے ملامت کریں گے اور تیری بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے اور اگر ہاتھ کو کشادہ کر دیا تو محسوز یعنی در ماندہ اور عاجز ہو کر بیٹھ جائے گا۔ "حسیر"، اصل میں اس چوپایہ کو کہتے ہیں کہ جو چلنے سے عاجز ہو کر بیٹھ رہا ہو اسی طرح جس نے اپنا کل مال خرچ کر ڈالا وہ بھی اسی سواری کے مشابہ ہے جو تھک کر بیٹھ رہا منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا حدیث میں ہے کہ جو خرچ میں درمیانی چال چلے گا وہ کبھی مفلس نہ ہو گا بے شک تیرا پروردگار کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگی کرتا ہے جس پر چاہے اس میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں مطلب یہ ہے کہ قبض اور بسط اللہ ہی کو زیبا ہے اسکے خزانے خالی نہیں ہوتے رہے بندے سوائے حکم کے مطابق میانہ روی واجب ہے بے شک اللہ اپنے بندوں کے باطن سے باخبر ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا ہے وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس بندہ کو چاہتا ہے تو انگر بنادیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے اللہ کو معلوم ہے کہ کون امیری کے لائق ہے اور کون فقری کے لائق ہے تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں لہذا تم کو جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اسکی تعمیل کرو۔

حضرت شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں یعنی محتاج کو دیکھ کر بے تاب نہ ہو جاؤ اس کی حاجت تیرے ذمہ نہیں اللہ کے ذمے ہے" انتہی کلاماً۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ روکنے سے تم غنی اور دوسرا فقیر نہ ہو جائے گا اور تمہاری سخاوت سے تم فقیر اور دوسرا غنی نہیں بن جائے گا امیر بنانا اور غریب بنانا سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تمہارا کام میانہ روی ہے اللہ تعالیٰ نے تم کو جو حکم دیا وہی تمہارے حق میں بہتر ہے تم اللہ کے حکم پر چلو اور اپنی فکر کرو اور اپنے انجام کو سوچو۔

حکم ہفتم، ممانعت از قتل اولاد

اور اے مشرک! افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو موت قتل کرو، تم ہی تو ان کو روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی رزق دینے والے ہیں نہ کہ تم۔ پھر تم اس فکر میں کیوں پڑے بے شک اولاد کا قتل کرنا بہر حال بہت بڑا گناہ ہے عرب کے مشرک اپنی لڑکیوں کو فقر کے خوف سے زندہ دفن کر دیتے تھے بعض عار کی وجہ سے اور بعض اس خیال سے کہ انہیں کھانے کو کہاں سے آئے گا اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ روزی رسان اللہ تعالیٰ ہے تم یہ بے رحمی کا کام نہ کرو۔

حکم ہشتم، ممانعت از زنا

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ بے شک وہ بڑی بے حیائی ہے جس کی قباحت اور شناعة بالکل ظاہر ہے اور بہت بری راہ ہے زنا سے حسب و نسب گڑبڑ ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کی عداوتیں اور لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور یہ سب راستے زنا سے نکلے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یعنی اگر یہ راہ نکلی تو ایک شخص دوسرے کی عورت پر نظر کرے تو کوئی دوسرا اس کی عورت پر نگاہ کرے گا "انتہی غرض یہ ہے کہ زنا بہت بری راہ ہے خواہش پرستوں کی راہ ہے اللہ نے یہ حکم دیا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ مطلب یہ ہے کہ کسی اجنبی عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھو اجنبی عورت کو بدون عذر شرعی کے دیکھنا زنا کے قریب جانا ہے زنا سے حسب و نسب خلط ملط ہو جاتے ہیں یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لڑکا کس کا ہے پھر یہ کہ زنا سے جو اولاد ہوتی ہے اسکی پرورش کا کوئی کفیل نہیں ہوتا زنا سے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں رہتا جس طرح حیوان جس مادہ سے چاہتا ہے اپنی خواہش پوری کر لیتا ہے اس طرح زنا کار بھی جس عورت سے چاہتا ہے اپنی مستی نکال لیتا ہے جس طرح جانور کو نکاح کی ضرورت نہیں اسی طرح زانی کو بھی نکاح کی ضرورت نہیں اور شیعوں کا متعہ بھی زنا کی ایک قسم ہے جیسا کہ سورہ نساء کی تفسیر میں اس کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔

حکم نہم، ممانعت از قتل ناحق

اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے محترم بنایا ہے مگر حق کے ساتھ اور قتل حق کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ قاتل کو قتل کی سزا میں بطور قصاص قتل کیا جائے دوسرے یہ کہ زانی محسن کو زنا کی سزا میں قتل کیا جائے تیسرے مرتد کو ارتداد کی سزا میں قتل کیا جائے یعنی جو دین اسلام سے مرتد ہو جاتے وہ بھی واجب القتل ہے ان تین صورتوں کے سوا مسلمان کا قتل کرنا حرام ہے اور جو شخص ظلم سے ناحق مارا جائے تو اس کے وارث کو ہم نے قاتل پر غلبہ دیا ہے یعنی ولی مقتول کو اختیار ہے کہ چاہے قاتل سے قصاص لے لے یا دیت لے لے یا معاف کر دے لیکن اس وارث کو چاہیے کہ قتل میں زیادتی نہ کرے یعنی صرف قاتل ہی کو قتل کرے ایک کے بدلے میں دو کو قتل نہ کرے اور نہ مثلاً کرے اور نہ غیر قاتل کو قتل کرے بے شک اس ولی مقتول کی ہماری طرف سے مدد ہوتی ہے مظلوم کی حق تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور حکام حکومت کو بھی حکم ہے کہ اسکی مدد کریں جہاں تک ممکن ہو مظلوم کا حق دلائیں

رشوت اور سفارش سے کسی مظلوم کے دعوے کو خارج نہ کریں۔

حکم دہم، ممانعت از تصرف نافع در مال یتیم

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ مگر اس طریقہ سے جو بہتر اور یتیم کے لیے مفید اور نافع ہو یعنی اصلاح اور حفاظت کو ملحوظ رکھو فرد برد کی نیت سے اس کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتے اس وقت اس کا مال اسکے حوالے کر دو۔

حکم یازدہم، ایفاءئے عہد

اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کی بابت قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ عہد پورا کیا تھا یا توڑ ڈالا تھا سب سے پہلے عہد عہدِ اَلْسُنْت ہے اور اس کے بعد ایمان ہے کہ وہ بھی ایک قسم کا عہد ہے کہ اللہ کے اوامر کو بجا لاؤں گا اور منہیات کو ترک کر دوں گا اور نذر بھی ایک قسم کا عہد ہے اور مخلوق سے جو عہد کیا ہے اسے بھی پورا کرو بشرطیکہ وہ عہد شریعت کے مطابق ہو اور کسی معصیت پر وہ عہد نہ کیا ہو غرض یہ کہ لفظ عہد عام ہے خالق سے ہو یا مخلوق سے اس کا ایفاء واجب ہے۔

حکم دوازدہم، ایفاءئے کیل

اور جب دوسرے کے لیے ماپو تو پورا ماپو۔ مطلب یہ ہے کہ ناپ میں کمی نہ کرو اپنے لیے کم ماپنے میں کوئی حرج نہیں۔

حکم سیزدہم ایفاءئے وزن

اور جب دوسرے کے لیے وزن کرو تو سیدھی ترازو سے تو جس میں کچی اور جھکاؤ نہ ہو یعنی پورا تولو یہی حکم یعنی پوری ناپ تول تمہارے لیے بہتر ہے خیانت میں برکت نہیں اور دنیا و آخرت میں انجام کے اعتبار سے نہایت عمدہ ہے اور بہت خوب ہے پورا تولنا اور پورا ناپنا دنیا ہی میں نیک نامی کا ذریعہ ہے۔

حکم پہاڑ دم عدم جواز عمل بر امرنا معلوم

یعنی جب تک کوئی بات پوری طرح معلوم نہ ہو جائے اس پر حکم لگانا جائز نہیں وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا اور جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ یعنی جس بات کی تجھے تحقیق اور خبر نہیں اس کے پیچھے نہ لگ بغیر سنے اور بغیر دیکھے اور بغیر سوچے سمجھے کوئی حکم نہ لگاؤ بے شک آنکھ، کان اور دل قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہو گی بندہ سے بھی ان اعضاء کے متعلق سوال ہو گا اور خود ان اعضاء سے بھی پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا سنا اور کیوں سنا اور کیا دیکھا اور کیوں دیکھا اور دل سے پوچھیں گے کہ تو نے کیا جانا اور کیوں جانا مطلب یہ ہے کہ جس بات کی تحقیق نہ ہو اس کے متعلق دعویٰ کر کے یوں نہ کہے کہ یوں ہے اور بے تحقیق گواہی نہ دے۔

حکم پانزدہم، ممانعت از رفتار تکبر و تجتر

اور مت چل تو زمین پر اتراتا ہوا اور اگر مٹا ہوا یعنی ایسی چال مت چل جس سے بڑائی اور فخر معلوم ہو بلکہ نرم رفتار چلیے جس سے تواضع معلوم ہو تحقیق تو اپنی اس مغرورانہ رفتار سے زمین کو ہرگز نہیں پھاڑ سکتا کہ سوراخ کر کے اسکی انتہا کو پہنچ جائے اور بلندی اور لمبائی میں ہرگز پہاڑوں کو نہیں پہنچ سکے گا مطلب یہ ہے کہ اس مغرورانہ رفتار سے سوائے حماقت کے کوئی فائدہ نہیں ایڑی کے بل چلنے سے تو زمین کو نہیں پھاڑ سکتا اور پنجوں کے بل چلنے سے پہاڑوں کی بلندی کو نہیں پہنچ سکتا تمہارا یہ تکبر نہ زمین برداشت کر سکتی ہے اور نہ پہاڑ برداشت کرتے ہیں پھر کیوں اکڑ کر چلتے ہو یہ سب ممنوعات ہیں جن سے ممانعت کی گئی ہے ان میں سے ہر ایک بڑی بات ہے تیرے پروردگار کے نزدیک اور نہایت ناپسندیدہ ہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا ذکر فرمایا وہ پچیس ہیں جن میں سے بعض مامورات ہیں اور بعض ممنوعات و مہنیات ہیں یعنی بعض امور وہ ہیں جن کی بجا آوری کا اللہ نے حکم دیا اور بعض امور وہ ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے ممانعت فرمائی مناسب معلوم ہونا ہے کہ اختصار کے ساتھ ان سب کو شمار کر دیا جائے تاکہ سمجھنے اور یاد رکھنے میں آسانی ہو۔

(اول) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ (دوم) خالص اللہ کی عبادت کرو (سوم) غیر اللہ کی عبادت نہ کرو۔ (چہارم) والدین کے ساتھ احسان کرو (پنجم) والدین کے سامنے اُف نہ کرو (ششم) انکو نہ جھڑکو اور نہ ان کے سامنے آواز بلند کرو۔ (ہفتم) ان سے ادب بات کرو جس سے انکی تعظیم و تکریم نکلتی ہو۔

(ہشتم) ان کے سامنے تواضع اور عاجزی سے پیش آؤ۔ (نہم) ان کے لیے دعائے رحمت و مغفرت کرو (دہم) قرابتداروں کے حقوق ادا کرو (یازدہم) مسکین کا حق ادا کرو (دوازدہم) ابن السبیل کا حق ادا کرو۔ (سبزدہم) اسراف اور فضول خرچی سے بچو (چہاردہم) اہل حاجت اگر تم سے کچھ درخواست کریں تو جواب میں قَوْلًا مَّيْسُورًا یعنی نرم بات کہو۔ یعنی زبان سے کوئی سخت بات نہ نکالو جو ان کی دل آزاری کا سبب بنے (پانزدہم) اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھ لو یعنی بخیل نہ بن جاؤ (شازدہم) ہاتھ کو ایسا کشادہ نہ کرو کہ جوش میں آکر سب کچھ دے ڈالو اور پھر پچھتاؤ۔ (ہفتدہم) تنگ دستی کے خوف سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ (ہشتدہم) زنا اور بدکاری کے قریب بھی نہ جاؤ۔ (نوزدہم) کسی بے گناہ کو نہ قتل کرو (بستم) قتل اور قصاص میں حد سے تجاوز نہ کرو (بست و یکم) مال یتیم ناحق مت کھاؤ۔ (بست و دوم) عہد کو پورا کرو (بست و سوم) ناپ تول کو پورا کرو۔ (بست و چہارم) اس چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہیں (بست و پنجم) زمین پر اترتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے نہ چلو۔

ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۖ وَلَا

یہ ہے کچھ ایک جو وحی کیا تیرے رب نے تیری طرف عقل کے کاموں سے اور نہ

تَجَعَّلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَنْتَ لَفِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا

ٹھہرا۔ اللہ کے سوا اور کی بندگی، پھر پڑے تو دوزخ میں، اولاد نہ کھایا

مَدْحُوْرًا ۝۳۹ اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاَتَّخَذَ مِنْ

دھکیلا: کیا تم کو چن کر دیتے تمہارے رب نے بیٹے اور آپ بیٹے

اَلْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۖ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝۴۰

فرشتے بیٹیاں تم کہتے ہو بڑی بات

خاتمہ کلام برتناکد احکام و توحید خداوند نام

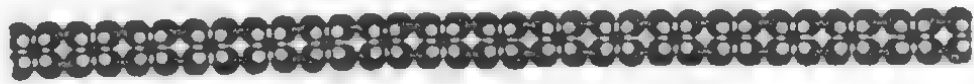
ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ... اِنَّ... اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝

یہ احکام مذکورہ خواہ ادا کر لو یا نہ کر لو اس منجملہ اس حکمت کے ہیں جو تیرے پروردگار نے تیری طرف وحی

کی ہے یعنی اوپر کی آیات میں جو پُر مغز نصیحتیں اور ہدایتیں کی گئیں وہ من جملہ ان علم و حکمت کی باتوں کے ہیں جن کو عقل سلیم قبول کرتی ہے اور یہ تمام باتیں دیگر ادیان اور مل میں چلی آتی ہیں ان میں نسخ ممکن نہیں انکی رعایت واجب ہے اس لیے کہ یہ تمام امور بلاشبہ مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں سراپا حکمت ہیں ان میں نسخ کی گنجائش نہیں اور چونکہ ان احکام میں دین و دنیا کی ساری خوبیاں موجود ہیں اس لیے ان کا خاتمہ بھی توحید ہی کے حکم پر کیا جاتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ ٹھہرا پس اس شرک کی وجہ سے تجھ کو دوزخ میں ڈالا جائے۔ در آنحالیکہ تو ملامت کیا ہوا ہو اور تو اور خود تیرا نفس ہی تجھ کو ملامت کرے گا اور تو راندہ رحمت خداوندی ہوگا پھر آئندہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر عتاب فرمایا جو یہ کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں پس کیا تمہارے پروردگار نے تمہیں بیٹوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور خود اس نے اپنے لیے فرشتوں سے بیٹیاں بنالی ہیں اے مشرکین ذرا غور تو کر دے شک تم بڑی بھاری بات کہتے ہو خدا تعالیٰ تو اولاد سے پاک ہے بیٹا اور بیٹی ہونا تو جسم مرکب ذی اجزاء کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جسمیت اور ترکیب سے پاک اور منزه ہے پھر تمہاری ایک حماقت یہ ہے کہ تم خدا پر اپنے کو فضیلت دیتے ہو اور اپنے لیے بیٹے ٹھہراتے ہو اور بیٹیاں جن سے تم نفرت اور کراہت کرتے ہو انکو خدا کی طرف نسبت کرتے ہو۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو بیان کر کے تاکید اور اہتمام کے لیے یہ فرما دیا کہ یہ احکام بالا حکمت کی باتیں ہیں انکی بجا آوری میں کوتاہی نہ کرنا اور ان احکام حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حکم سے اور شرک کی ممانعت سے شروع فرمایا اور اسی پر ختم فرمایا جس سے مقصود یہ ہے کہ یہی حکم اول ہے اور یہی حکم آخر ہے بغیر اس کے کوئی عمل قبول نہیں جہاں تک ممکن ہو کلمہ توحید کو اپنا اور دیناؤ تاکہ تمہاری زندگی کا خاتمہ اسی پر ہو حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ الواحِ تورات جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھیں ان میں یہ تمام احکام حکمت مذکور تھے جن کا فاتحہ (آغاز) لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ہے ہوا اور ان کا خاتمہ بھی لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ہے ہوا۔

(السراج المنیر ص ۲۵۱ جلد ۲)



وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَكَّرُوا

اور پھر پھر سمجھایا ہم نے اس قرآن میں تادہ سوچیں

وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝ قُلْ لَّوْكَانَ

اور ان کو زیادہ ہوتا ہے وہی بدکنا کہہ اگر ہوتے

مَعَهُ إِلَهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَابَتَغَوْا

اس کے ساتھ اور حاکم ، جیسا یہ بتاتے ہیں ، تو نکالتے تخت

إِلَى ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۚ (۴۲) سُبْحَنَهُ

کے صاحب کی طرف راہ وہ پاک ہے

وَتَعْلَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۚ (۴۳) تُسَبِّحُ لَهُ

اوپر ہے ان کی باتوں سے بہت دور اس کو ستھرائی بولتے

السَّمَوَاتِ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۖ وَإِنْ

ہیں آسمان ساتوں اور زمین ، اور جو کوئی ان میں ہے اور

مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ

کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اسکی ، لیکن تم نہیں سمجھتے اُن کا

تُسَبِّحُهُمْ ۖ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۚ (۴۴) وَإِذَا

پڑھنا بے شک وہ ہے تحمل والا بخشتا اور جب

قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا

تو پڑھتا ہے قرآن ، کر دیتے ہیں ہم بیچ میں تیرے ، اور ان لوگوں کے جو نہیں

يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۚ (۴۵) وَجَعَلْنَا

مانتے پچھلا گھر ، ایک پردہ ڈھانکا اور رکھے ہیں

عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ

اُن کے دلوں پر اوٹ ، کہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ

وَقَرَأَ ۖ وَإِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَوَّا

اور جب مذکور کرتا ہے تو قرآن میں اپنے رب کا اکیلا کر کر،

عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿۴۶﴾ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ

بھاگتے ہیں اپنی پیٹھ پر بدک کر ہم خوب جانتے ہیں جیسا وہ سنتے ہیں

بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ إِذْ يَقُولُ

جس وقت کان رکھتے ہیں تیری طرف، اور جب وہ مشورہ کرتے ہیں، جب کہتے ہیں

الظَّالِمُونَ إِنَّ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْكُورًا ﴿۴۷﴾ اُنْظُرْ

بے انصاف، جس کے کہے پر چلتے ہو نہیں وہ مگر ایک مرد جادو مارا دیکھ !

كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ

کیسی بٹھاتے ہیں تجھ پر کہاوتیں، اور بھکتے ہیں، سو راہ نہیں

سَبِيلًا ﴿۴۸﴾

پا سکتے

تاکیدِ توحید و بیانِ حالِ مُنکرینِ نبوت

قال اللہ تعالیٰ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا... اِلٰی فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ (رابطہ) گزشتہ آیات میں سب سے اہم اور اعظم حکم توحید کا تھا اب ان آیات میں اسکی تاکید اور تائید کے لیے ابطالِ شرک پر ایک دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں بعد ازاں ان مشرکینِ نبوت کا حال بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اس درجہ سنگ دل ہو چکے ہیں کہ جب قرآن میں توحید کے مضامین سنتے ہیں تو انکی وحشت اور نفرت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اس قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تذکر کے لیے نازل کیا تھا مگر یہ نادان بوجہ عدم تدبیر کے تنفر اور تمسخر کی حد میں داخل ہو گئے ہیں یہ ضد اور عناد کی انتہا ہے چنانچہ فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں علم و حکمت کی اور موعظت و نصیحت کی باتوں کو پھیر پھیر کر طرح طرح سے بیان کیا تاکہ نصیحت پکڑیں اور علم و حکمت کی باتوں کا مقتضا تو یہ ہے کہ وہ ایک ہی دفعہ سن کر اس قرآن کے عاشق اور دلدادہ ہو جاتے لیکن افسوس انکی عقل پر کہ باوجود اسکے نہیں زیادہ کرتا یہ قرآن ان کے حق میں مگر نفرت کو بجائے اس کے کہ نصیحت قبول کرتے مگر اور زیادہ بدکنے لگے اور وحشت کھا کر بھاگنے

لگے خوب سمجھ لو کہ جس کو علم و حکمت کی باتوں سے وحشت اور نفرت ہوتی ہو یہی اس کی کمال حماقت کی دلیل ہے آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جو الوہیت میں اس کے شریک ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ دوسرے معبود اگر کچھ قدرت رکھتے تو ضرور مالک عرش کی طرف یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھائی کی راہ ڈھونڈتے اور اس کے ساتھ لڑائی کر کے اس کو مغلوب کر دیتے اور اس کا ملک چھین لیتے اور اس کی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے جیسا کہ عموماً دنیا کے بادشاہوں کا طریقہ ہے کہ کسی کا محکوم اور ماتحت رہنا یا کسی کا ہم پلہ ہونا پسند نہیں کرتے مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کے سوا اور بھی معبود ہوتے تو وہ ضرور مالک عرش سے یعنی اللہ تعالیٰ سے جدال و قتال کرتے جیسا کہ دنیا کے بادشاہوں میں ہوا کرتا ہے اور جدال و قتال کی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی غالب ہوتا اور کوئی مغلوب اور مغلوبیت شان الوہیت کے بالکل منافی ہے اور مغلوب اور عاجز کو معبود بنانا پرلے درجے کی حماقت ہے پس جو مغلوب ہوتا وہ خدا نہ ہوتا بلکہ جو غالب ہوتا وہی خدا ہوتا پھر توحید ہو جاتی اور اگر بالفرض مقابلہ میں سب برابر رہتے تو کوئی بھی خدا نہ رہتا اس لیے کہ خدائے برحق وہ ہے کہ جو بے مثل اور یکتا اور باہمتا ہو اور کوئی اس کا مثل اور ہمسر اور برابر نہ ہو کیونکہ مماثلت یعنی برابری اور ہمسری ایک قسم کا عیب ہے اور خدا کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر عیب سے پاک ہو اس آیت میں برہان تمانع کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آیت لَوْ كَانَتْ فِيلِمَا إِلَهَاتِ الْفَلَسْطَينَا کی تفسیر میں آئے گی یعنی اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور چند خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جاتے یعنی یہ نظام عالم درہم برہم ہو جاتا پس جب نہ کوئی مقابلہ ہے اور نہ کوئی منازعت ہے اور نہ کوئی برابری اور ہمسری ہے تو معلوم ہوا کہ وہ خداوند بالا و پست ایک ہی ہے وہ ذات والا صفات پاک اور منزہ ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک اور اس کا ہمسر اور اس کا مقابل ہو اور وہ بلند اور برتر ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے بارہ میں کہتے ہیں بہت زیادہ بلندی اور برتری جہاں وہم و خیال کی بھی رسائی نہیں اس کی بارگاہ عالی میں منازعت اور مقابلہ کا تصور بھی ممکن نہیں اب آگے فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اللہ ہی کی تسبیح و تقدیس کرتی ہے سات آسمان اور زمین اور جو کوئی فرشتہ اور جن اور انس ان میں ہے سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور انہی پر کیا انحصار ہے کوئی شے بھی ایسی نہیں کہ جو خدا کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو یعنی ہر چیز سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ پڑھتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں وہ عالم ہی دوسرا ہے تم تو صرف اس جہان کی چیزوں کی تسبیح کو سنتے ہو اور سمجھتے ہو جو تمہاری بولی میں ہوں اللہ تعالیٰ نے نباتات اور جمادات میں بھی ایک قسم کا علم اور شعور رکھا ہے جس کے ادراک سے ہماری عقلیں قاصر ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ کی خبر کے مطابق اس پر ایمان لانا چاہیے اور اس کے علم کو اللہ کے سپرد کرنا چاہیے پہاڑوں کا اور پرندوں کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنا قرآن کریم میں مذکور ہے کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَ سَخَّرَ نَا مَعْ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحُونَ وَ الطَّيْرُ ۝

اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے اور ابوذرؓ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اپنی مٹھی مبارک میں لے لیں مجلس میں ان کی تسبیح سنی گئی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز ہوتی ہے اور پھر ایسے ہی حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھوں میں سنی گئی حاضرین مجلس کا سنگریزوں کی تسبیح کو اپنے کانوں سے سننا بطور خرق عادت تھا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتبار سے معجزہ تھا اور ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ کے اعتبار سے کرامت تھی اور کرامت میں عموم نہیں ہوتا ایسے خوارق کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر ظاہر فرماتا ہے۔

تسبیح نباتات و جمادات کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لکڑی اور شاخ جب تک درخت پر رہے اس وقت تک تسبیح کرتی ہے اور شاخیں اور پتے درخت سے علیحدہ ہونے کے بعد تسبیح نہیں کرتے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر چیز خواہ جاندار ہو یا بے جان اسکی تسبیح کرتی ہے جیسا کہ ستون حنّانہ کی روایت مشہور اور متواتر ہے اور تمام صحاح میں مذکور ہے اور آیات اور احادیث کے عموم سے بھی قول راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جمادات اور نباتات بولتے ہیں اور زبانِ قال اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو عام طور سنانی نہیں دیتی مگر کبھی بطور خرق عادت اور بطریق کرامت سنی بھی گئی ہے جیسا کہ گزرا اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اپنی اپنی زبان میں اسکی تسبیح بیان کرتی ہے جو اسکی زبان کو نہیں سمجھتا وہ اس کی تسبیح کو کیا سمجھے۔

بذکرشس ہرچہ بینی درخروش است وے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلیل برگلش تسبیح خوان است کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبانست
اور جو بے خبر ہے وہ ان آیات اور احادیث میں تاویل کرتا ہے۔

ہوں نثار دجان تو قندیلہا بہرینش کردہ تاویلہا۔

بے شک خدا تعالیٰ بڑا بردبار اور آمرزگار ہے گستاخانہ کلمات پر فوراً نہیں پکڑتا اور توبہ کرنے والے کو معاف کر دیتا ہے۔

ہیں مشو مغرور بر علم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا
یہاں تک تو مشرکین کی توجید اور قرآن سے نفرت اور وحشت کو بیان فرمایا اب آئندہ آیت میں بھی ان کی نفرت اور ان کے استہزاء اور عیب جوئی کو بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی جب آپ بغرض دعوت و تبلیغ ان کے سامنے قرآن پڑھتے ہیں تو ہم تیرے درمیان جو اس عالم دنیا کے علاوہ عالم آخرت کو نہیں مانتے ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں کہ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں یا کہتے ہیں وہ ان کے دلوں تک نہیں پہنچتا اور وہ حجاب (پردہ) حق اور ہدایت کے لیے سائر بھی ہے اور مستور بھی ہے یعنی ایسا پوشیدہ ہے کہ وہ کسی کو بھی نظر نہیں آتا وہ عجیب پردہ ہے کہ کافروں اور ان کی ہدایت کے درمیان حائل ہے اور وہ ایسا پوشیدہ ہے کہ عام نظریں اسکو دیکھ نہیں سکتیں۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن تو آفتاب کی طرح روشن ہے لیکن ان لوگوں کی آنکھوں پر عناد کا پردہ پڑا ہوا ہے اور پردہ کے علاوہ یہ لوگ اندر سے حق سے آنکھیں بھی بند کیتے ہوتے ہیں اور گمراہی کی اندھیری کوٹھڑی میں دروازے بند کیے بیٹھے ہوتے ہیں تو آفتاب ہدایت کی روشنی انکو کس طرح پہنچے۔ اگر ان لوگوں کو آخرت کا یقین ہوتا اور انجام کی فکر ہوتی تو دیکھنے کی کوشش کرتے ان لوگوں کی دنیا کے لیے تو آنکھیں کھلی ہوتی ہیں اور آخرت سے بند کیتے بیٹھے ہیں اور منجانب اللہ یہ پردہ انکی نفرت اور وحشت کی منزل ہے یعنی انکے تنفر اور تمسخر کی سزائیں انکے اور ہدایت کے درمیان ڈال دیا گیا تاکہ ہدایت ان کے دلوں تک نہ پہنچ سکے اور بعض مفسرین نے اس آیت کی دوسری تفسیر کی ہے وہ یہ کہ اسے نبیؐ جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو بعض کافر آپ کی قرأت سن کر آپ کو ستانے اور مارنے کے لیے آپ کے پاس جاتے ہیں تو حق تعالیٰ آپ کے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیتا ہے اور وہ آپ کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ جب سورۃ تَبَّتْ یَدَا اِبْنِ لَہٰی نازل ہوتی تو ابولہب کی بیوی ایک پتھر لے کر حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے کے ارادہ سے آتی اس وقت ابوبکرؓ آپ کے پاس موجود تھے اس نے ہر چند ادھر ادھر دیکھا مگر آنحضرتؐ اس کو نظر نہ آئے ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ یہ سردار آتی ہے اور پتھر اس کے ہاتھ میں ہے ایسا نہ ہو کہ آپ کو دیکھے اور یہ پتھر آپ کے مارے آپ نے فرمایا یہ مجھے نہیں دیکھے گی۔ میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ حائل ہو گیا ہے پس یہ آیت ان خاص کافروں کے لیے نازل ہوئی جو آنحضرتؐ کا قرآن سن کر آپ کو ستانے آپ کے پاس جاتے تھے مگر وہ آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے اللہ تعالیٰ آپ کو انکی نظروں سے پوشیدہ رکھتا۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت تو خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہوگی اور آئندہ آنے والی آیت یعنی وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ اَكِنَّةً ۚ تَمَام کافروں کے حق میں ہوگی اور پہلے قول کی بناء پر آنے والی آیت گذشتہ آیت کی تفسیر ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے ان کافروں کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ قرآن کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں بڑی گراں ہار ڈاٹ لگا رکھی ہے کہ وہ حق کو نہ سن سکیں کیونکہ الفاظ قرآنی اگر کسی طرح کان میں پہنچ جائیں تو اس بات کا امکان ہے کہ انکے الفاظ کے معنی انکے دلوں میں پہنچ جائیں اور منشاء خداوندی یہ ہے کہ یہ مسخرے نور ہدایت سے فیض یاب نہ ہوں اس لیے آنکھوں اور دلوں پر پردے ڈال دیتے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دی اور یہ اس کے مستحق ہیں کیونکہ انکی وحشت و نفرت کا یہ حال ہے کہ جب آپ قرآن میں صرف اپنے یکتا پروردگار کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی وحدانیت کے دلائل اور براہین بیان کرتے ہیں مثلاً لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں یا آیات توحید پڑھتے ہیں تو نفرت سے پشت پھیر کر بھاگ جاتے ہیں یعنی قرآن کو سن کر وحشیانہ طریق سے بھاگتے ہیں کہ کہیں کوئی بات کان میں نہ پڑ جائے خدا وحدہ لا شریک کے ذکر سے بدکتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں ہاں اگر کسی طرح سے ان کے بنوں کا تذکرہ آجائے تو بہت خوش ہوتے ہیں کما قال اللہ تعالیٰ وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَهُ اشْمَازَتْ

قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ
ہم خوب جانتے ہیں کہ جس غرض اور جس نیت سے وہ قرآن سنتے ہیں جب وہ تیری طرف کان لگاتے ہیں
یعنی ہمیں معلوم ہے کہ اگر کسی وقت یہ لوگ آپ کا قرآن سنتے ہیں تو بغرض استہزاء و عیب جوئی سنتے
ہیں تاکہ اس میں کوئی عیب نکال سکیں اور ہم خوب جانتے ہیں اس وقت کو جب کہ یہ لوگ آپ کے
بارہ میں اور قرآن کے بارہ میں سرگوشی کرتے ہیں یعنی باہم مشورہ کرتے ہیں کہ کس طرح لوگوں کے دلوں میں
قرآن کے اعتقاد اور میلان کو دور کریں جب یہ ظالم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہمیں پیروی کرتے ہو تم مگر
ایسے شخص کی جس پر جادو کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اسکی عقل زائل ہو گئی ہے یعنی کافر مسلمانوں کو حفوظ
پُر نور سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ کہتے تھے کہ تم ایسے شخص کے تابع دار بن گئے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا
ہے اور جادو سے اسکی عقل مغلوب ہو گئی ہے اس لیے یہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے دیکھ لیجئے کہ
ان گمراہوں نے تیرے لیے کیسی کہاوتیں بنائیں اور تجھ پر کیسی پھبتیاں اڑائیں کسی نے ساحر کہا کسی
نے شاعر۔ کسی نے کاہن اور کسی نے مجنون جس وقت جو منہ میں آیا بک دیا پس ان بے سروپا باتوں
کے کہنے سے خود گمراہ ہوتے کہ علم و حکمت اور نصیحت اور موعظت کی باتوں کو سحر اور جنون بتلانے لگے
حالانکہ جو علوم و معارف آپ کی زبان فیض ترجمان سے نکل رہے ہیں اور جن کو یہ اپنے کانوں سے سن
رہے ہیں یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جو کچھ بول رہے ہیں وہ اللہ کی تعلیم
اور القاری سے بول رہے ہیں مگر چونکہ ان لوگوں کا عناد حد سے گزر چکا ہے اس لیے یہ لوگ اب راہِ راست
کو نہیں پاسکتے جب تک خدا اور عناد کی پٹی آنکھوں پر بندھی رہے گی اس وقت تک راہِ راست کا نظر
آنا ممکن نہیں۔

وَقَالُوا عِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا إِنَّا

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہو گئے ہڈیاں اور چوراء کیا ہم

لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿۴۹﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً

پھر اُٹھیں گے نئے بن کر تو کہہ، تم ہو جاؤ پتھر،

أَوْ حَدِيدًا ﴿۵۰﴾ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ

یا لوہا یا کوئی خلقت جو مشکل لگے تمہارے جی میں

فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُّعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ

پھر اب کہیں گے، کون اُٹھے گا ہم کو؟ کہہ جس نے بنایا تم کو پہلی بار

مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى

پھر اب شکاوں گے تیری طرف اپنے سر اور کہیں گے کب ہے

هُوَ طَقْلٌ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ۝۵۱ يَوْمَ رِيدَ عَوْكُمْ

وہ تو کہہ شاید نزدیک ہی ہو گا جس دن تم کو پکارے گا

فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا

پھر چلے آؤ گے سر ہستے اسکو اور اٹکو گے (گمان کرو گے) کہ دیر نہیں لگی تم کو مگر

قَلِيلًا ۝۵۲

تھوڑی

اثبات معاد

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا.... اِلٰی.... اِنَّ لِّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيلًا (ربط) گزشتہ آیات میں الہیات اور نبوات کے متعلق کلام فرمایا اب ان آیات میں منکرین قیامت کا ایک شبہ نقل کر کے اسکا جواب دیتے ہیں منکرین قیامت یہ کہا کرتے تھے کہ جب آدمی مر جائے گا اور گوشت پوست اس کا گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر وہ کیسے زندہ ہوگا اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے یہ دیا کہ یہ نوبت آسان ہے جس خدا نے تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اس خدا کو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

مرنے کے بعد تمہارے اجزاء خواہ ہوا میں اڑ جائیں یا آگ میں جل جائیں یا مٹی میں مل جائیں اللہ تعالیٰ کے خزانہ علم اور احاطہ قدرت سے باہر نہیں جاسکتے جس قادر مطلق نے پہلی مرتبہ تمہارے بدن کے اجزاء منفرد کو جمع کر کے یعنی لطف سے تمہارا پتلا تیار کیا وہ دوبارہ ان اجزاء منفرد کو جمع کر کے تمہارا پتلا تیار کرنے پر قادر ہے۔

قطرہ کو درہوا شد یا کہ ریخت ۛ از خزینہ قدرت تو کے گریخت اور جب وہ اس دلیل قطعی سے لا جواب ہوتے ہیں تو سر ہلا کر پوچھتے ہیں مَتَى هُوَ اچھا پھر وہ قیامت کب آئے گی اس کا جواب یوں دیا گیا کہ عنقریب آنے والی ہے مگر اس کے آنے کا وقت نہیں

بتایا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اور جس طرح یہ لوگ قرآن اور نبی سے نفور اور بیزار ہیں اور اس کا تمسخر کرتے ہیں اسی طرح یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں اور بطور استہزاء و تمسخر یہ کہتے ہیں کہ بھلا جب ہم مرنے کے بعد ہڈیاں اور چوڑا چوڑا ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے دوبارہ زندہ کیے جائیں گے مطلب یہ ہے کہ اس منکر کا یہ کہنا کہ مرنے پیچھے زندہ ہو گا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص مسحور ہے اس پر کسی نے جادو کر دیا ہے جس سے اسکی عقل جاتی رہی اسے بنی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ہڈیوں کی دوبارہ زندگی کو بعید از عقل سمجھتے ہو اچھا تم سختی میں پتھر اور قوت اور وزن میں لوہا بن جاؤ جن میں حیات کے قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں یا کوئی اور مخلوق ہو جاؤ جو تم کو ہاتھ کے دبانے سے بڑی معلوم ہو تب بھی تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے مطلب یہ ہے کہ تم ہڈیوں کو دوبارہ جوڑنے اور زندہ کرنے کو بعید از عقل سمجھتے ہو حالانکہ وہ ایک عرصہ دراز تک محل حیات رہ چکی ہیں پس اگر بالفرض تم پتھر یا لوہا وغیرہ جن کو دنیا میں روح اور حیات سے تعلق نہیں اگر ہو سکتے ہو تو ہو جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ تم کو دوبارہ زندہ کرے گا جس خدا نے پہلی بار ہڈیوں میں حیات پیدا کی اسے ان میں دوبارہ حیات پیدا کرنا کیا مشکل ہے تم جو چاہو ہو جاؤ ضرور دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے پس قریب ہے کہ یہ سن کر وہ یہ کہیں گے کہ مرنے کے بعد ہم کو دوبارہ کون پیدا کرے گا آپ جواب میں کہہ دیجئے وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا وہ تمہارے دوبارہ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوا اس کی قدرت کاملہ جیسے پہلے تھی ویسی ہی اب بھی ہے اور تمہاری فطرت اور قابلیت اور صلاحیت بھی ویسی جیسے پہلے تھی اللہ کی قدرت کے اعتبار سے گوشت اور پوست اور لوہا اور پتھر اور ماضی اور حال اور استقبال سب برابر ہیں پس اس پر یہ لوگ استہزاء اور تمسخر سے تیری طرف اپنے سرمٹکائیں گے اور سر ہلا ہلا کر کہیں گے کہ اچھا یہ بتائیے کہ یہ دوبارہ زندہ ہونا کب ہو گا آپ کہہ دیجئے کہ شاید وہ قریب ہی ہو اس کو دور نہ سمجھو دنیا بھی چند روزہ ہے اور تمہاری زندگی بھی چند روزہ ہے جب انسان مر گیا تو اس کی قیامت تو آگئی اور اس نے اپنی قیامت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی خوب سمجھ لو کہ جو چیز آنے والی ہے وہ قریب ہے پہلے ہی سے اسکی فکر کر لو اور یہ واقعہ اس روز ہو گا جس دن اللہ تعالیٰ تم کو تمہاری قبروں میں سے زندہ کر کے نکالے گا اور میدانِ حشر کی طرف تم کو پکارے گا اور بلائے گا تو تم اس آواز کو سنتے ہی اضطرابی طور پر خدا کی حمد و ثناء کرتے ہوئے میدانِ حشر میں جمع ہو جاؤ گے کسی کو سرتابی کی مجال نہ ہوگی اور جس چیز کو اس وقت محال بتا رہے ہو اس وقت اس کا آنکھوں سے مشاہدہ کر لو گے۔

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ لوگ قبروں سے سبحانک اللہم و بحمدک کہتے ہوئے نکلیں گے مگر کافر کو اس حمد و ثناء سے کوئی فائدہ نہ ہو گا اس لیے اس کا یہ کہنا اضطرابی طور پر جزا و قہراً ہو گا اور گمان کرو گے کہ ہم نہیں ٹھہرے دنیا میں یا قبر میں مگر بہت تھوڑا اور حیران اور پریشان

ہو کر باہم گفتگو کریں گے کہ ہم دنیا میں کس قدر ٹھہرے یُقَسِّمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ
مجرمین قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم ایک ساعت سے زیادہ نہیں ٹھہرے پس عقلمند کو چاہیئے کہ اس
تھوڑی سی زندگی کو اس دائمی زندگی کے لیے صرف کرے تاکہ اس دن حسرت اور ندامت کی ذلت
میں مبتلا نہ ہو۔

بدنیا توانی کہ عقبی خری
کسے گوئے دولت زد دنیا سپرد
بخرجان من ورنہ حسرت بری
کہ باخود نصیبے بہ عقبی سپرد



وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ط

اور کہہ دے میرے بندوں کو، بات دہی کہیں جو بہتر ہو

إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ط إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ

شیطان جھڑ پواتا ہے آپس میں شیطان ہے انسان

لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۝۵۳ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ط إِنَّ

کابے شک دشمن صریح تمہارا رب بہتر جانتا ہے تم کو اگر

يَشَاءُ يَرْحَمَكُمُ أَوْ إِنْ يَشَاءُ يُعَذِّبْكُمْ ط وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

چاہے تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تم کو مار (سزا) دے اور تجھ کو نہیں بھیجا

عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۝۵۴ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ

ہم نے اُن پر ذمہ لینے والا اور تیرا رب بہتر جانتا ہے جو کوئی ہے آسمانوں میں

وَالْأَرْضِ ط وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ

اور زمین میں اور ہم نے زیادہ کیا ہے بعضے نبیوں کو بعضوں سے

وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۝۵۵ قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ

اور دی ہم نے داؤد کو زبور کہہ، پکارو جن کو سمجھتے ہو

مِّنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا

سوا اسکے، سو نہیں اختیار رکھتے کہ تکلیف کھول دیں تم سے، نہ

تَحْوِيلًا ۵۶) أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ

بدل دیں وہ لوگ جن کو یہ پکارتے ہیں، ڈھونڈتے ہیں اپنے

رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ إِلَيْهِمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَ

رب تک وسیلہ، کہ کون بندہ بہت نزدیک ہے اور امید رکھتے ہیں اسکی ہر کی اور

يَخَافُونَ عَذَابَهُ ط إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۵۷

ڈرتے ہیں اسکی مار سے بے شک تیرے رب کی مار ڈرنے کی چیز ہے

وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ

اور کوئی بستی نہیں، جس کو ہم نہ کھاویں گے قیامت سے پہلے

أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ط كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ

یا آفت ڈالیں گے اس پر سخت آفت یہ ہے کتاب میں

مَسْطُورًا ۵۸) وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ

لکھا گیا اور ہم نے اس سے موقوف کیں نشانیاں بھیجی کہ

كَذَّبَ بِهَا الْآوَلُونَ ط وَأَتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

انگو نے ان کو جھٹلایا اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سو جھانے کو

فَظَلَمُوا بِهَا ط وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۵۹) وَإِذْ

پھر اس کا حق نہ مانا اور نشانیاں جو ہم بھیجتے ہیں سو ڈرانے کو اور جب

قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ط وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا

کہہ دیا ہم نے تجھ سے، کہ تیرے ب نے گھیر لیا لوگوں کو اور وہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا

الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ

ہم نے ، سو جانچنے کو لوگوں کے ، اور وہ درخت جس پر پھٹکار ہے

فِي الْقُرْآنِ وَنُحَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا

قرآن میں اور ہم ان کو ڈراتے ہیں ، تو ان کو زیادہ ہوتی ہے

كَبِيرًا ۝۶۰

بڑی شرارت

تلقین حسن خطاب با اہل کتاب و جوابات از شبہات مشرکین

قال اللہ تعالیٰ وَقُلْ لِّلْعِبَادِیْ یَقُولُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ..... اِلٰی طُغْيَانًا کَبِیْرًا (ربط) توحید اور قیامت کی حقانیت پر دلائل قائم کر کے مسلمانوں کو تعلیم فرماتے ہیں کہ مخالفین سے جب بحث کی نوبت آئے تو الفاظ نرم ہونے چاہئیں کیونکہ سختی سے بسا اوقات سب و شتم کی نوبت آجاتی ہے اور شیطان باہمی نفرت اور عداوت کا ذریعہ بن جاتا ہے اور مخالف ضد پر اتر آتا ہے ایسی حالت میں دعوت و تبلیغ بے سود ہو جاتی ہے بعد ازاں مشرکین کے چند شبہات کے جوابات دیئے جو نہایت نرم ہیں اور باوجود نرم ہونے کے نہایت محکم ہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی! میرے بندوں یعنی مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ کافروں سے بات چیت کریں تو وہ بات کہیں جو بہت اچھی ہو کفار اگر سخت کلامی کریں تو ان کا جواب نرمی سے دو بے شک شیطان سخت بات زبان سے نکال کر لوگوں میں فساد ڈلوادیتا ہے تو اندیشہ ہے کہ سختی کا جواب سختی سے دینے میں جھگڑا بڑھ جائے گا بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ہرگز اسکی بھلائی نہیں چاہتا حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں مشروع مشروع میں مسلمان کافروں کو لعن طعن کیا کرتے تھے لہذا فتنہ اور فساد بڑھتا تھا اور عداوت کی بیخ مضبوط ہوتی تھی اور یہ اسلام کی ترقی میں حرج پیدا کرتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی چونکہ یہ آیت سورہ بنی اسرائیل کی ہے جو مکہ میں نازل ہوئی اس لیے بلحاظ وقت نزول اس آیت میں عبادی سے خصوصیت کے ساتھ ہاجرین اولین مراد ہیں جو کفار قریش سے مجادلہ اور محاصہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے لفظ عباد کو یامہ کی طرف مضاف کر کے عبادی فرمایا یعنی میرے خاص بندے اس میں لطف و کرم خاص ہے ہاجرین اولین کے ساتھ جس کے وہ مورد بنائے گئے وہو المقصود حضرت شاہ ولی اللہ کے کلام کا ترجمہ

(ختم ہوا) (ازالۃ الخفا)

پس اسے میرے خاص بندو! تمہیں کافروں کی دعوت اور نصیحت میں شدت و خشونت یعنی سختی کی ضرورت نہیں اس لیے کہ تمہارا پروردگار تم کو خوب جانتا ہے ہر ایک کی صلاحیت اور استعداد کو اور ہر ایک کے انجام کو خوب جانتا ہے اور اپنی مخلوق کا مختار ہے جو چاہے کرے وہ اگر چاہے تو تم پر رحم کرے اور بغیر ناصح کی شدت اور خشونت ہی کے ہدایت دیدے یا اگر چاہے تو تم کو عذاب دے کہ باوجود ناصح کی شدت اور خشونت کے اسکو ہدایت نہ دے اور عذاب دنیاوی یا اخروی سے لے ہلاک کرے مطلب یہ ہے کہ مشیت خداوندی تم سے پوشیدہ اور مستور ہے اور آپ کو اور کسی کو اس کا انجام معلوم نہیں اور ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں خدا جس کو چاہے گمراہ کرے عذاب دے اور جس کو چاہے ہدایت دے اور اسے نبی! ہم نے تجھ کو ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا، ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے جو آپ کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو آپ کی نافرمانی کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا آپ کا کام یہ ہے کہ ملاطفت اور نرمی سے انکو تبلیغ اور دعوت اور نصیحت کرتے رہتے اور آپ ان پر نگہبان نہیں لہذا سختی اور درشتی بے کار ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مذاکرہ میں حق والا جھنجھلا نے لگتا ہے اور دوسرا صریح حق کو نہیں مانتا سو فرما دیا کہ تم ان کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں اللہ بہتر جانتا ہے جس کو چاہے وہ سمجھا دے (موضع القرآن)

یعنی پیغمبر کا کام یہ ہے کہ اللہ کا پیغام پہنچا دے پھر جو کوئی مانے تو اس کا بھلا ہے اور جو نہ مانے اس کا بُرا ہے سختی کرنی بے سود ہے لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ دعوت اور نصیحت میں نرمی اور حسن اخلاق کو ملحوظ رکھیں اور کسی کو دوزخی اور جہنمی نہ کہیں کیونکہ خاتمہ کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ایمان پر ہو گا کہ کفر پر۔

اب آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے ہر ایک کا حال اور مال جانتا ہے اور جو بات جس کے حق میں مصلحت ہے یا مفسدہ ہے سب جانتا ہے اس لیے لوگوں کو اخلاق اور اعمال اور مال و منال اور حسن و جمال کے اعتبار سے مختلف بنایا اور اس اختلاف اور تفاوت کو باہمی تمایز کا ذریعہ بنایا وہ اپنے علم اور حکمت کے مطابق جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت و رسالت کے لیے منتخب کرتا ہے۔ اور بعض کو بعض پر فضیلت دیتا ہے اور البتہ تحقیق ہم نے اپنے اسی علم کے موافق بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر فضیلت دی جس کے لیے جو فضیلت چاہی وہ اسکو عنایت کی ابراہیم علیہ السلام کو خلعت اور موسیٰ علیہ السلام کو مکالمات عطا کی اور عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتی اور ابراہیم اکہ و ابرص جیسے معجزات عطا کیے اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی جو حکمت اور فصل خطاب پر مشتمل تھی اور یہ عطار زبور ان کی فضیلت کا ذریعہ بنی حالانکہ داؤد

علیہ السلام سب بھائیوں میں پست قد اور لوگوں کی نظروں میں حقیر و فقیر تھے مگر اللہ نے انکو یہ فضیلت بخشی کہ نبوت و رسالت بھی عطا کی اور اس کے ساتھ بادشاہت بھی عطا کی تاکہ سلطنت نبوت و رسالت کا معین و مددگار اور خدمت گزار ہو غرض یہ کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینا یہ حق تعالیٰ کی سنت قدیم ہے کوئی بدعت نہیں حق تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ پس اگر ہم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و رسالت عطا کی اور آپ کو جملہ انبیاء پر فضیلت دی اور ان پر قرآن عظیم اتارا تو اس میں استبعاد اور انکار کی کون سی بات ہے اس آیت میں قریش کے تعجب کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ سارے عرب میں خدا کو رسول بنانے کے لیے ابو طالب کا یتیم ہی پسند آیا اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ بزرگی کا دار و مدار مال و دولت پر نہیں بلکہ خدا داد فضائل و شمائل پر ہے جیسا کہ انجیل میں ہے کہ جس پتھر کو معماروں نے خراب جان کر پھینک دیا وہی محل کا کنگرہ اور میرا ہوا۔

اور زبور کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ اس سے آپ کی اور آپ کی امت کی فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح داؤد علیہ السلام نبوت و رسالت کے ساتھ صاحب سلطنت عظیم بھی تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کی نبوت و رسالت کے ساتھ سلطنت عظیم بھی عطا فرمائے گا اور داؤد علیہ السلام کی طرح آپ بھی صاحب جہاد ہوں گے جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق حدیث میں آیا ہے کات لا یضر اذا لاتی یعنی داؤد علیہ السلام جہاد میں کبھی پیچھے نہ ہٹتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبوت اور بادشاہت کو ایک کبل میں جمع کرے گا اور پھر آپ کے بعد خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سرزمین شام و فارس کے وارث اور حکمران ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم میں اسکی خبر دی گئی وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔

چنانچہ بہ وعدہ خداوندی صحابہ کرام زمین ایران و شام کے وارث ہوئے اور ابوبکر و عمر کی خلافت اور بادشاہت سیدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت اور بادشاہت کا نمونہ بنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اگرچہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی طرح نبی نہ تھے لیکن بلاشبہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بادشاہ تھے۔ داؤد علیہ السلام کی گدڑی میں نبوت اور خلافت جمع تھی اور ابوبکر و عمر کے کبل میں ولایت اور خلافت جمع تھی اور جس کبل میں ولایت اور بادشاہت دونوں جمع ہو جائیں تو اسی کا نام خلافت راشدہ ہے اور جو فرماں روا فضائل و شمائل میں نبی کا نمونہ اور ہمرنگ ہو تو وہ خلیفہ راشد ہے۔

اے وصف تو در کتاب موسیٰ ۴ : اے وصف وے در زبور داؤد
مقصود توئی نہ آفرینش : باقی بہ طفیل تست موجود
مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام جن کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کے فضائل و شمائل سے عزت بخشی وہ سب اللہ کے عبادت گزار بندے تھے تم کو چاہیے کہ انکے نقش قدم پر چلو اور ان کو خدا کا برگزیدہ بندہ

جانو نہ کہ معبود اس لیے آئندہ آیات میں پھر توحید کا مضمون ذکر فرماتے ہیں۔

مجموع بسوئے ابطال شرک

مشرکین دلائل توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کرتے اور کہتے کہ وہ یہ کر سکتے ہیں اور یہ کر سکتے ہیں حتیٰ تعالیٰ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اے بنی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود قرار دیتے ہو جیسے ملائکہ اور جنات ذرا انکو اپنی کسی تکلیف کو دور کرنے کے لیے پکارو تو وہی دیکھیں تو وہ تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں پس خوب سمجھ لو کہ وہ تم سے کسی تکلیف کے دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ اس میں کسی تغیر و تبدل کا اختیار رکھتے ہیں کہ تم سے بلا کو ٹال کر کسی دوسرے پر ڈال سکیں پس جن کو اتنی بھی قدرت نہیں تو پھر کیوں تم انکو معبود ٹھہراتے ہو اس آیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ اہل مکہ جس قحط شدید میں تم اس وقت مبتلا ہو تمہارے یہ معبود اس کو دور نہیں کر سکتے اور معبود برحق وہ ہے کہ جو ایصال منفعت اور دفع مضرت پر اور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنے پر قادر ہو اور جن کو تم معبود سمجھتے ہو وہ اس بات پر قادر نہیں معلوم ہوا کہ وہ معبود برحق نہیں آئندہ آیات میں یہ بتلائے ہیں کہ جن کو تم معبود سمجھتے ہو وہ خود خدا کے عبادت گزار بندے ہیں اور اسکی رحمت کے امیدوار ہیں اسکے قہر سے ڈرنے والے ہیں پھر کہاں سے خدا ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ گروہ ملائکہ و جنات جن کو مشرکین معبود اور مستعان سمجھ کر اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہیں انکا حال خود یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار تک پہنچنے کا وسیلہ اور ذریعہ ڈھونڈھتے ہیں جیسے عیسے و غزیر علیہم السلام اور ملائکہ کرام سب اللہ کی اطاعت اور عبادت میں مشغول ہیں اور اسی فکر میں ہیں کہ ان میں سے کون خدا کے زیادہ نزدیک ہے تر اور مقرب بنتا ہے یعنی جن ہستیوں کو تم معبود سمجھ کر پکارتے ہو وہ طاعت

عَلَيْهِ قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى أَيْتُهُمْ أَقْرَبُ قَوْلَانِ ذَكَرَهُمَا الزَّجَاجُ أَحَدُهُمَا اذْ يَكُونُ اِيَهُمْ مَرْفُوعًا بِالْاِبْتِدَاءِ وَخَبْرُهُ اقْرَبُ وَيَكُونُ الْمَعْنَى يَطْلُبُونَ الْوَسِيلَةَ اِلَى رَبِّهِمْ يَنْظُرُونَ اِيَهُمْ اقْرَبُ اِلَيْهِ فَيَتَوَسَّلُونَ اِلَى اللّٰهِ بِهِ (وَالثَّانِي) اذْ يَكُونُ اِيَهُمْ اقْرَبُ بِدَلَالَةِ مَنْ الْوَاوِي وَيَتَتَخَوْنَ فَيَكُونُ الْمَعْنَى يَبْتَغِي اِيَهُمْ اقْرَبُ الْوَسِيلَةَ اِلَى اللّٰهِ اِيْ يَقْرُبُ اِلَيْهِ بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ اَنْتَهَى كَلَامُهُ (زَادَ الْمَسِيرُ صِيغَةً).

نہ (۲) والثانی کوئی ایک استفہامیۃ وہی مبتداء والجملة محل نصب یبتغون وضمن معنی یحرمون فكانت قبل یحرمون ایہم یكون اقرب الى الله ذالك بالطاعة وازدياد الخبر والصلاح۔

(روح المعانی ص ۹۲ جلد ۱۵)

اور عبادت کے ذریعہ سے بیش از بیش خدا کا تقرب حاصل کرنے کی طمع اور حرص میں لگے ہوئے ہیں اور جیسے کوئی متابعت میں ایک دوسرے سے سبقت چاہتا ہے اسی طرح یہ حضرات عبادات اور طاعات کو وسیلہ بناتے ہیں کہ قرب مزید حاصل ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ امید رکھتے ہیں اس کی رحمت کی اور ڈرتے ہیں اس کے عذاب سے پس جب ان کا یہ حال ہے تو وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں کیا معبود کی یہی شان ہے کہ کسی کے قرب حاصل کرنے کی تلاش میں لگا رہے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہو اور اس کے قہر سے لرزاں و ترساں رہے معلوم ہوا کہ وہ کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں پھر معبود کیسے ہوتے اور اے نبی! ملائکہ اور جنات کا عذاب خداوندی سے ڈرنا بے جا نہیں بیشک تیرے پروردگار کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے اس آیت میں مشرکین کی اس بات کا جواب دیا گیا جو یہ کہتے تھے کہ ہم بتوں کی عبادت صرف اسیلئے کرتے ہیں کہ وہ اللہ سے ہماری سفارش کریں اور دنیاوی مصائب سے ہم کو محفوظ رکھیں اس کا جواب دیا کہ محض غلط ہے وہ ہرگز تمہاری مصیبت کو دفع نہیں کر سکتے۔

علامہ زنجیزیؒ اور قاضی بیضاویؒ اور امام رازیؒ نے ان آیات کی یہی تفسیر فرمائی جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی اور بعض مفسرین نے آیت مذکورہ یعنی اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَسْتَعِثُّوْنَ اِلٰى رَبِّهِمْ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَوْفٰى کی دوسری طرح تفسیر فرمائی وہ یہ کہ یہ کفار جن بزرگان دین اور مقبولان خداوندی کو اپنا حاجت روا سمجھ کر پکارتے ہیں اور خود اللہ کی جناب میں اللہ کے مقرب ترین بندہ کا وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں اور اس تلاش میں ہیں کہ کون سا بندہ خدا کے زیادہ قریب ہے تاکہ اس کا وسیلہ پکڑیں یعنی اس کے اقتدار اور اتباع کو اور اس کی دعا کو حصول قرب خداوندی کا وسیلہ اور ذریعہ بنائیں۔

(دیکھو تفسیر روح المعانی ص ۹۲ جلد ۱۵)

حضرت شاہ عبدالقادر قدس اللہ سرہ کا میلان اسی معنی کی طرف ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں یعنی جن کو کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اللہ کی جناب میں وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ جو بندہ بہت نزدیک ہو اسی کا وسیلہ پکڑیں اور وہ وسیلہ سب کا پیغمبر ہے آخرت میں انہی کی شفاعت ہوگی۔

(موضع القرآن)

اور بلاشبہ بارگاہ خداوندی میں حصول قرب کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ بغیر آپ کے اتباع کے نجات نہیں۔

خلاف پیغمبر کے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

عَلَمْ وَجَّزَ الْخَوْفِ وَالزَّجَاجِ اِنْ يَكُوْنُ اِيْهِمْ اَقْرَبُ مَبْتَدَاً وَخَبْرًا وَالْجَمَلَةُ فِيْ مَحَلِّ نَصَبٍ بَيْنَظَرُوْنَ اِيْ يَفْكُرُوْنَ وَالْمَعْنٰى يَنْظُرُوْنَ اِيْهِمَا اَقْرَبُ فَيَتَوَسَّلُوْنَ بِهِ وَكَانَ الْمُرَادُ يَتَوَسَّلُوْنَ بِدَعَايِهِ وَالَا فِى التَّوَسُّلِ بِالذَّوَاتِ مَا فِىْهِ .

(روح المعانی ص ۹۲ جلد ۱۵ ذرُوح البیان ص ۷۲ جلد ۵-)

اور قیامت کے دن تمام اولین اور آخرین آپ کا وسیلہ پکڑیں گے اور آپ کی شفاعت کے وسیلہ سے اہل حق کو انتظار کی تکلیف سے رہائی ہوگی۔

یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں یہ دو قول ہیں جن کو امام نحو زجاجؒ نے ذکر کیا اور دونوں قول ہم نے تشریح کے ساتھ ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں تفصیل کیلئے روح المعانی کی مراجعت کریں امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں پہلے قول کو اختیار کیا حضرات اہل علم تفسیر کشاف اور تفسیر کبیر کی مراجعت فرمائیں۔

ترہیب کفار از قہر خداوند قہار

گزشتہ آیت میں اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا: میں اس بات کا ذکر تھا کہ عذاب خداوندی اسی بات کے لائق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اب آگے اس عذاب کے وقوع کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ ضرور آکر رہے گا چنانچہ فرماتے ہیں اور کفار کی کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم قیامت سے پہلے ہلاک اور برباد نہ کریں یا قیامت سے پہلے اے کسی سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں یہ بات لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے ضرور ظاہر ہو کر رہے گی خدا تعالیٰ کا یہ حتمی اور اٹل فیصلہ ہے جو ٹل نہیں سکتا ہے۔

فرمانشی معجزات کے اظہار سے انکار

کفار مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتے تھے کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعی بنی ہیں تو آپ ہمارے لئے کوہ صفا کو سونے اور چاندی کا بنادیں اور کہتے کہ پہلے پیغمبروں جیسے معجزات دکھائیے جیسا کہ حق تعالیٰ نے دوسری جگہ ان کا قول نقل کیا ہے۔ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ: یعنی عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ناقہ صالح علیہ السلام وغیرہ اس قسم کا معجزہ آپ کیوں نہیں دکھاتے انکے اس بے ہودہ سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اور ہم کو اس قسم کے خاص فرمانشی معجزات کے بھیجئے میں کوئی شے مانع نہیں مگر صرف یہ امر مانع ہے کہ پہلے لوگ بھی اس قسم کے فرمانشی معجزات دیتے جانے کے بعد ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور انکی اور انکی طبیعتیں ملتی جلتی ہیں تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ: انکی طرح یہ بھی تکذیب کریں گے اور انکی طرح مستحق ہلاکت ہوں گے اور یہ ہمیں ابھی منظور نہیں اور نمونہ کے طور پر ایک قصہ بھی سن لو کہ ہم نے قوم ثمود کو انکی فرمانشی کے مطابق اونٹنی دی جو کھلا اور روشن معجزہ تھی جسے دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں صاف

اور روشن نشانی تھی جس میں سحر کا شائبہ اور داہمہ بھی نہ تھا اس لائق تھی کہ اس کی بصارت سے بصیرت حاصل کرتے اور ناقہ اور ثمود

کی مثال اس لئے دی کہ قوم ثمود کے کھنڈرات بلاد عرب سے قریب تھے اور ان کی ہلاکت اور عذاب کے نشانات کو اہل عرب دیکھتے تھے پس انہوں نے اس پر ظلم کیا یعنی اسکو نہ مانا اور ذبح کر ڈالا اور اس ظلم و ستم کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے پس اگر ہم اہل مکہ کو انکی فرمائش کے مطابق معجزہ عطا کر دیں تو یہ بھی ویسے ہی ضدی اور عنادی ہیں معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اسکی سزا میں ہلاک ہوں گے مگر ہم کو ان کا ہلاک کرنا منظور نہیں ہماری بارگاہ میں یہ طے ہو چکا ہے کہ یہ امت پہلی امتوں کی طرح ہلاک نہ ہوگی آئندہ چل کر خود ان میں سے بعضے کامل مسلمان ہوں گے اور خدا کی راہ میں جہاد کریں گے اور انکی اولاد بھی مسلمان ہوگی جو اس دین کی مدد کرے گی اس آخری امت کے متعلق اللہ کا ارادہ نہیں کہ پہلی امتوں کی طرح اس امت کو بالکلیہ تباہ کر دیا جائے بلکہ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ یہ امت محمدیہ قیامت تک باقی رہے اور اس امت کو ہمت ملنا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور برکت ہے اور ہم جو نشانیاں بھیجتے ہیں وہ صرف ڈرنے کے لئے بھیجتے ہیں کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور خدا کی نافرمانی اور خدا کے عذاب سے ڈرجائیں اور کچھ سوچیں سمجھیں پھر اگر معجزہ ظاہر ہونے کے بعد وہ کفر پر قائم رہیں تو نیست و نابود ہو جائیں جیسے قوم عاد اور قوم ثمود کے ساتھ ہوا کہ اول ڈرانے کے لئے انکو کچھ نشانیاں دکھلا دی گئیں پھر بھی جب ایمان نہ لائے تو نیست و نابود کر دیئے گئے لیکن اس آخری امت کے حق میں حکمت الہیہ یہ ہے کہ اس امت کو پہلی امتوں کی طرح تباہ اور برباد نہ کیا جائے گا اس لئے فرمائشی نشانات کا بھیجنا موقوف کیا گیا۔ جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ پہلی آیت میں یعنی وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّوَسِّلَ بِالْاٰیٰتِ: میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے وہی مخصوص اور معہود معجزات مراد ہیں جن کا مشرکین آپ سے سوال کرتے تھے ہیں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے فرمائشی معجزات کے ظاہر کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم کو اہل مکہ کا ہلاک کرنا منظور نہیں اس لیے انکی فرمائشیں اور خواہشیں پوری نہیں کی جائیں گی اس بارہ میں مفسرین کا کوئی اختلاف نہیں اور دوسری آیت وَمَا نُوَسِّلُ بِالْاٰیٰتِ: میں مفسرین کا ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ اس آیت میں بھی وہی آیات مخصوصہ مراد ہیں جنکا مشرکین مکہ سوال کرتے تھے اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس دوسری آیت وَمَا نُوَسِّلُ بِالْاٰیٰتِ میں مطلق نشانیاں مراد ہیں خواہ فرمائشی جیسے زلزلہ اور طاعون اور طوفان اور چاند اور سورج کا گھٹنا ہونا وغیرہ اور مطلب یہ کہ ہم لوگوں کے ڈرانے کیلئے نشانیاں بھیجتے ہیں اور طرح طرح سے اپنی قدرت کے نشان ظاہر کرتے ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور اللہ کے قہر سے ڈریں پس اگر ڈریں تو نجات پا جائیں ورنہ پھر دو صورتیں ہوں گی ایک یہ کہ وہ آیات اور نشانات ان کی فرمائش کے مطابق ظاہر کیے گئے تھے تو دنیا ہی میں عذاب استیصال میں مبتلا ہو کر سب ہلاک ہو جاتے ہیں اور اگر وہ نشانات و آیات آیات مقترحات نہ ہوں یعنی انکے فرمائشی نشان نہ ہوں تو پھر ایمان نہ لانے کی صورت میں انکو اس زندگی میں ہمت مل جاتی ہے اور عذاب آخرت میں ماخوذ ہوتے ہیں۔

یہ کہ اگر آیت وَمَا نُوَسِّلُ بِالْاٰیٰتِ اَلَا تَخَوِّفُ اِیْنَ آیات مقترحات یعنی فرمائشی نشان مراد ہوں تو تخویف سے عذاب استیصال سے ڈرانا مراد ہوگا کہ جس سے بالکلیہ تباہی

خلاصہ کلام

اور بربادی ہو جائے اور اگر آیات سے آیات غیر مقررہ یعنی غیر فرمائی ہوئی جیسے زلزلہ اور طوفان تو پھر تحریف سے عذاب آخرت سے ڈرنا مراد ہوگا۔

(سراج منیر ص ۲۵۵ - روح المعانی ص ۲۷ - روح البیان ص ۱۷۷)

یہاں تک مشرکین کی جرأت اور طعن کو بیان کیا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو ہماری فرمائش کے مطابق معجزات لائیے جو ہم نے آپ سے مانگے ہیں اور اس طعن کا جواب دے دیا گیا اب آئندہ آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی فرماتے ہیں کہ آپ ان کے معاندانہ سوالات اور ظالمانہ ظلم و ستم سے رنجیدہ نہ ہوں اور اے نبی آپ اس وقت کو یاد کریں کہ جب ہم نے آپ سے یہ کہہ دیا تھا کہ تیرا پروردگار سب لوگوں کو اپنے احاطہ اور گھیرے میں لیے ہوئے ہے سب اسکے قبضہ قدرت میں ہے اللہ تیرا حافظ اور نگہبان ہے یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لہذا تو ان سے نہ ڈرا اور انکی پرواہ نہ کر اور تبلیغ و رسالت کا کام کیے جا اللہ تیرا حافظ و ناصر اور معین و مددگار ہے چنانچہ اب تک باوجود سخت عداوت کے کوئی کافر تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکا یہ غیبی حفاظت تیری تصدیق نبوت کے لیے کافی ہے کسی فرمائش معجزہ کی ضرورت نہیں اور یہ کافر تو صد ہا معجزات دیکھ چکے ہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ باوجود ان کی شدید مخالفت کے اور باوجود آپ کی بے سروسامانی کے آپ کو ایذا پہنچانے پر قادر نہیں اگر اللہ تیرا مددگار نہ ہوتا تو تو ان میں ایک دن بھی نہ رہ سکتا اور بلحاظ اپنی قوت و شوکت اور اسباب ظاہری کے وہ ضرور اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتے۔

یہ کہ آپ انکی ایذا اور طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کو قوت و نصرت دے گا اور یہ سب ذلیل و خوار اور مقتول و مقہور ہوں گے کما قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰهُ يَعْصِلُكَ مِنَ النَّاسِ - سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْثَ الدُّبُورُ: چنانچہ آپ شبائش مکہ سے بیت المقدس پہنچے اور صبح کو صبح سالم پھر مکہ واپس آگئے یہ واقعہ بھی حفاظت غیبی کا ایک کرشمہ تھا اور لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش تھا جیسا کہ آئندہ آیت میں ذکر فرماتے ہیں

اور نہیں بنایا ہم نے اس دکھاوے اور نظارہ کو جو ہم نے تجھ کو شب معراج میں دکھلایا مگر لوگوں کی آزمائش اور امتحان کے لیے یعنی شب معراج میں ہم نے آپ کو آیات قدرت کا نظارہ اور مشاہدہ کرایا جن کا لَبْرُؤِيَّةٌ مِنْ اَيْتِنَا میں ذکر ہے اور جن عجائب ملکوت کو ہم نے آپ کو بحالت بیداری اسی چشم سر کے ساتھ دکھلایا وہ آپ کے لیے کرامت عظیمہ ہے مگر اور لوگوں کے لیے فتنہ یعنی آزمائش اور امتحان تھی کہ دیکھیں کون مانتا ہے اور کون نہیں مانتا۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت میں رؤیا (دکھاوے) سے شب معراج میں آیات کبریٰ کا بحالت بیداری اس چشم سر کے ساتھ دکھاوا اور نظارہ مراد ہے خواب کا دکھاوا مراد نہیں جیسا کہ شروع سورت میں دلائل اور براہین سے اس بات کو واضح کیا جا چکا ہے کہ مشاہدہ معراج از اول تا آخر اسی جسم اطہر کے ساتھ بحالت بیداری تھا معاذ اللہ خواب نہ تھا جو لوگ معراج جسمانی کے منکر اور اسکو خواب قرار دیتے ہیں انکی گمراہی کا

باعث یہ آیت بھی ہوتی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ رُویا واقع ہوا ہے جس کے معنی خواب کے ہیں مگر یہ انکی گمراہی ہے صحیح بخاری میں صراحۃً عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ وہ اس آیت کی تفسیر اس طرح فرماتے ہیں کہ آیت میں رُویا سے رُویا عین مراد ہے یعنی دکھاوے سے بحالت بیداری آنکھ کا دکھاوا مراد ہے جو شب معراج میں آپؐ کو دکھایا گیا خواب کا دکھاوا مراد نہیں اور لفظ رُویا لغت عرب میں خواب کے لیے مخصوص نہیں بلکہ جس طرح یہ لفظ خواب کے دیکھنے کے لیے آتا ہے اسی طرح عالم بیداری میں دیکھنے کے لیے آتا ہے اور یہی تفسیر لفظ رُویا کی سعید بن جبیر ابراہیم نخعی، حسن بصری، مسروق، قتادہ، مجاہد عکرمہ، ابن جریر، عبد الرحمن بن زید وغیرہ اکابر تابعین رحمہم اللہ نے کی ہے (دیکھو تفسیر قرطبی و تفسیر ابن کثیر)

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ لغت کے اعتبار سے رؤیت اور رُویا میں کوئی فرق نہیں دونوں کے معنی دیکھنے کے ہیں کہا جاتا ہے راۃ، یعنی رؤیتہ و رُویا یعنی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ رُویا رؤیت دونوں آنکھ کے دیکھنے میں مستعمل ہوتے ہیں (دیکھو تفسیر کبیر ص ۴۲۵ جلد ۵)

قال ابن الانباری المختار فی هذه الرؤیة
ان تكون نقطة ولا فرق بین ان یقول
القال رأیت فلانا رؤیتہ ورأیتہ رؤیا الا
ان الرؤیة یقل استعمالها فی المنام والرؤیا
یکثر استعمالها فی المنام ویجوز کل واحد
منهما فی المعنیین۔

امام ابن انباریؒ فرماتے ہیں کہ مختار اور صحیح قول یہی ہے کہ رُویا سے بحالت بیداری دیکھنا مراد ہے اس لیے کہ کلام عرب میں راۃ رؤیتہ اور راۃ رؤیا دونوں کے معنی یہ ہیں کہ میں نے فلاں کو دیکھا راۃ کے بعد رؤیت کا لفظ کہو یا رُویا کا لفظ کہو دونوں میں کوئی فرق نہیں صرف فرق اتنا ہے کہ رؤیت کا استعمال

(زاد المسیر لابن الجوزی ص ۵۳ جلد ۵)

خواب کے دیکھنے میں کم ہے اور رُویا کا استعمال خواب کے دیکھنے میں زیادہ ہوتا ہے۔

حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ رُویا کا استعمال بحالت بیداری دیکھنے میں بھی آتا ہے جیسا کہ مشنہی کا قول ہے ع و رؤیاک اعلیٰ فی العیون من المغضی، (فتح الباری ص ۳۰۲ جلد ۸ کتاب التفسیر)۔

واقعہ معراج بلاشبہ مشاہدہ بیداری تھا مگر زیادہ تر اس کا تعلق دوسرے عالم سے تھا جیسے خواب کا تعلق دوسرے عالم سے ہوتا ہے تو عجب نہیں کہ اس مناسبت سے اس مشاہدہ عینی اور نظارہ بیداری کو لفظ رُویا سے تعبیر کیا گیا ہو واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم:

علاوہ ازیں کہ واقعہ معراج اگر خواب ہو تو پھر وہ لوگوں کے لیے کسی طرح فتنہ اور آزمائش نہیں ہو سکتا دنیا

نکتہ

مخبرہ اخراج البخاری عن عکرمہ عن ابن عباسؓ ما جعلنا الرؤیا التي أريناك إلا فتنة للناس قال ھی رؤیا عین اربہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسری بہ وزادہ سعید بن منصور عن سفیان فی آخر الحدیث رؤیا منام (فتح الباری ص ۳۰۱ جلد ۸ کتاب التفسیر)

میں کوئی بے وقوف سے بے وقوف بھی ایسا نہیں جو خواب کو جھٹلائے البتہ ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کا دعویٰ ضرور فتنہ اور ذریعہ آزمائش ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے بیان کیا کہ میں اس شب میں بیت المقدس دیکھ کر آیا ہوں تو لوگوں نے اسکو مستبعد اور محال جان کر اس کو نہ مانا اور آپ کو جھٹلایا اور مومنین اور مخلصین نے اسکی تصدیق کی پس اللہ تعالیٰ نے اس معراج جسمانی اور اسی شب کے نظارہ ہائے بیداری کو لوگوں کی آزمائش اور امتحان کا ذریعہ بنایا اگر خواب کا واقعہ ہونا تو کوئی تکذیب نہ کرتا خواب میں تو ابو جہل اور ابو لہب بھی بیت المقدس ہو کر آسکتے ہیں اس رؤیت کو اللہ تعالیٰ نے فتنہ (آزمائش) قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ خواب کا واقعہ تو فتنہ (آزمائش) نہیں ہو سکتا ہے فتنہ اور آزمائش تو کوئی عجیب و غریب چیز ہی ہو سکتی ہے بحالت خواب آسمانوں کی سیر نہ کوئی معجزہ ہے اور نہ کوئی عجیب و غریب چیز ہے جسے فتنہ کہا جاسکے کافر کو بھی خواب میں آسمانوں کی سیر حاصل ہو سکتی ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس آیت کو واقعہ معراج سے کوئی تعلق نہیں۔

اس آیت میں رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے سال دیکھا تھا کہ آپ مع اصحابؓ کے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور آپ نے اور آپ کے اصحابؓ نے عمرہ کیا اس خواب کے بعد آپ عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تو مشرکین مکہ نے آپ کو روکا اور آپ ان سے صلح کر کے بغیر عمرہ کے مدینہ واپس آگئے۔ منافقین نے طعن کیا کہ یہ خواب تو سچا نہ ہوا اور بتقاضائے بشریت بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہی خطرے گزرے اور یہ خواب لوگوں کے حق میں موجب فتنہ اور امتحان بن گیا اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ جو خواب اللہ نے آپ کو دکھلایا وہ حق ہے اس خواب کی تعبیر آئندہ سال ظاہر ہوگی۔ خواب مطلق تھا اس میں کسی وقت کی تعیین نہ تھی۔ اس خواب میں مسجد حرام میں داخل ہونے کا وقت نہیں بتلایا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے شوق میں اسی سال ارادہ فرمایا مگر مشیت ایزدی میں اس سال اس خواب کا پورا ہونا مقدر نہ تھا بلکہ اگلے سال پر موقوف تھا چنانچہ اگلے سال اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی اور آپ نے مع اصحاب کے بغایت اطمینان عمرہ ادا فرمایا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ آیت کی یہ تاویل اور تفسیر ضعیف ہے کیونکہ یہ سورت مکی ہے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور حدیبیہ کے خواب کا واقعہ مدینہ منورہ کا ہے

(تفسیر قرطبی ص ۲۸۲ جلد ۲)

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس رؤیا سے وہ خواب مراد ہے جو آپ نے بدر میں جانے سے پہلے دیکھا کہ مسلمان اور کافروں میں لڑائی ہوئی اور کفار مغلوب ہوئے جب کافروں نے یہ خواب سنا تو انہوں نے اسکی ہنسی اڑائی اور خواب قہقہے لگاتے۔

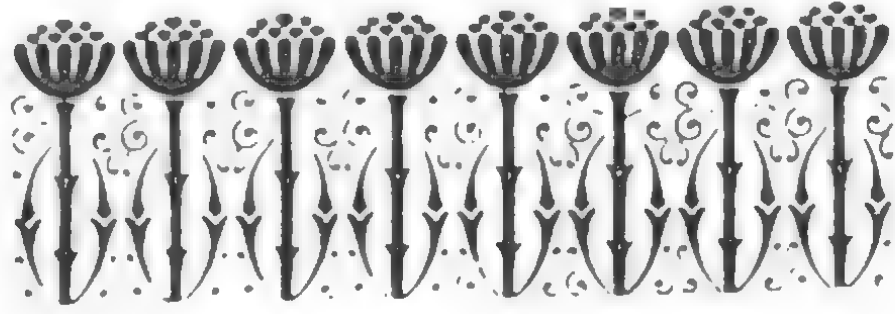
لہذا ممکن ہے کہ آیت میں لفظ رویا سے ان میں سے کسی خواب کی طرف اشارہ ہو پس اس آیت سے اس امر پر استدلال کرنا کہ واقعہ معراج خواب تھا کسی طرح صحیح نہیں اسکا منشاء بجز الحاد اور زندقہ کے کچھ نہیں احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ واقعہ معراج اول تا آخر بحالت بیداری اسی جسم اطہر کے ساتھ تھا۔

اور علیٰ ہذا ہم نے اس ملعون درخت کو بھی لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ بنایا جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے وہ درخت زقوم کا ہے جب یہ آیت اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقْوَمِ طَعَامٌ الْاٰخِرِ نازل ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْ اَصْلِ الْجَحِيْمِ یعنی زقوم کا درخت جہنم کی جڑ میں نکلتا ہے تو ابوجہل بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو تم کو ایسی آگ سے ڈراتا ہے جو پتھر تک جلا دیتی ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ اس آگ میں ایک درخت اگتا ہے حالانکہ تم جلتے ہو کہ آگ درخت کو جلا دیتی ہے یہ محمد کی گھڑت نہیں تو اور کیا ہے مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے اس شجرہ ملعونہ یعنی زقوم کو آگ میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ لوگوں کے لیے فتنہ اور آزمائش کا ذریعہ بنے اور اہل ایمان نے صدق دل سے اسکی تصدیق کی اور اس کا یقین کیا کہ اللہ کی قدرت کی کوئی حد نہایت نہیں وہ جہاں چاہے درخت پیدا کر سکتا ہے اور ظالموں کے لیے یہ درخت فتنہ بن گیا ان ظالموں نے قادر مطلق کی قدرت کا اندازہ نہ کیا وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرٍ ہاں اس لیے ظالموں نے اس کو خلاف نیچر سمجھ کر اسکا انکار کر دیا اِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِّلظٰلِمِيْنَ کا مطلب یہ ہے اور اس درخت کے ملعون ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کھانے والے ملعون ہوں گے یہ درخت جہنم میں ملعونین یعنی کفار اور مشرکین کی غذا ہوگا۔ اصل ملعون اس کے کھانے والے ہوں گے اور اس درخت کو مجازاً ملعون کہہ دیا گیا بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عرب میں ہر مضر اور مکروہ طعام کو ملعون کہتے ہیں رہا کافروں کا یہ اعتراض کہ آگ میں ہر اور مسر بسز درخت کیونکر اُگ سکتا ہے یہ انکی جہالت اور حماقت کی دلیل ہے نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ قادر مطلق ہے آگ کا درخت کو نہ جلانا اور اس درخت کا آگ سے پرورش پانا عقلاً محال نہیں بلا دترک میں ایک جانور ”سمندل“ ہوتا ہے اسکی کھال کی ٹوپیاں اور رومال بنتے ہیں جب یہ رومال میلے ہو جاتے ہیں تو آگ میں ڈال دیتے جاتے ہیں آگ انکے میل کو جلا کر انہیں نکھار دیتی ہے اور ان میں اثر نہیں کرتی شتر مرغ آگ کے انگارے کے انگارے نکل جاتا ہے اور اس سے اسکو کچھ نقصان نہیں ہوتا نیز ہرے درخت سے آگ نکلتی ہے اور وہ آگ اس درخت کو نہیں جلاتی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے تمہارے فائدہ کے لیے مسز درخت سے آگ نکالی تاکہ تم آگ سے فائدہ اٹھاؤ مگر جو آگ اس مسز درخت سے نکلتی ہے اس سے وہ مسز درخت نہیں جلتا۔

پس ان نادانوں نے یہ نہ سوچا کہ جو خدا درخت میں آگ ودیعت رکھ سکتا ہے وہ آگ میں درخت

کو اگا بھی سکتا ہے آگ کا کیرا ہمیشہ آگ ہی میں رہتا ہے مگر آگ اس کو نہیں جلاتی۔
اس زلزلے میں بہترے درخت ایسے معلوم اور منکشف ہوتے ہیں جو بجاتے پانی کے آگ سے
نشوونما پاتے ہیں۔

اور ان آیات مذکورہ اور نشاناتِ مسطورہ کے علاوہ بھی ہم انکو طرح طرح سے عذاب الہی سے
ڈراتے ہیں سو وہ ڈرانا انکے حق میں سوائے سختِ تمرد اور سرکشی کے کسی بات کو زیادہ نہیں کرتا ایسے ملعون
ہیں کہ شجرہ ملعونہ سے نہیں ڈرتے جتنا انہیں عذاب سے ڈراؤ اتنا ہی اور زیادہ تمرد اور سرکشی
اختیار کرتے ہیں۔



وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا

اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو، سجدہ کرو آدم کو تو سجدہ میں گر پڑے

إِلَّا ابْلِيسَ ط قَالَ أَسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۝۶۱

مگر ابلیس۔ بولا کیا میں سجدہ کروں ایک شخص کو جو تو نے بنایا مٹی کا

قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ

کہنے لگا، بھلا دیکھ تو! یہ جس کو تو نے مجھ سے بڑھایا، اگر تو مجھ کو ڈھیل

إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۝۶۲

دے قیامت کے دن تک، تو اسکی اولاد کو ڈھانسیں دے لوں مگر تھوڑے سے

قَالَ أَذْهَبُ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ

فرمایا جا، پھر جو کوئی تیرے ساتھ ہوا ان میں سے، سو دوزخ ہے تم سب کی سزا،

جَزَاءٌ مَوْفُورًا ۝۶۳ وَاسْتَغْفِرُ مَنْ اسْتَطَعَتْ مِنْهُمْ

پورا بدلا۔ اور گھرا لے ان میں جس کو گھرا سکے اپنی

بَصَوْتِكَ وَاجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَ

آواز سے ، اور پیکار لا ان پر اپنے سوار اور پیادے ، اور

شَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا

ساجھا کر ان سے مال اور اولاد میں ، اور وعدے دے انکو اور

يَعِدُهُمْ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۚ (۶۳) إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ

کچھ نہیں وعدہ دیتا انکو شیطان، مگر دغا بازی ، وہ جو میرے بندے ہیں ان پر

لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۚ (۶۵)

نہیں تیری حکومت - اور تیرا رب بس ہے کام بنانے والا

ذکر عداوت شیطان با بنی نوع انسان

قال الله تعالى وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدْوا لِلْآدَمِ... إلخ..... وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا
(ربط) گزشتہ آیات میں کافروں کی سرکشی اور عناد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انکی مخالفت اور
عداوت کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں حضرت آدمؑ اور شیطان کا قصہ ذکر فرماتے ہیں جس سے مقصود
یہ ہے کہ شیطان تمہارا قدیمی دشمن ہے تم اس کے بہکاتے میں نہ آنا اور اس کے بہکانے سے ہمارے
بنی کی مخالفت نہ کرنا شیطان کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈالتا ہے
تاکہ لوگ اللہ کے حکم سے برگشتہ ہو جائیں آدم علیہ السلام کا مفصل قصہ اور اس کی تفسیر سورہ بقرہ اور سورہ
اعراف میں گزر چکی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور وہ وقت قابل یاد ہے کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تاکہ خلیفہ خداوندی کی فضیلت اور برتری سب پر
عیاں ہو جائے تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدہ نہ کیا اور جب حق تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہ کیا تو ڈھٹائی سے بولا کہ میں اس شخص کو
سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے اس پر حق تعالیٰ نے اس پر لعنت کی اور اسکو اپنی بارگاہِ قرب کے نکال دیا اس پر ابلیس دوبارہ بولا مجھے
بتلا تو سہی یہی وہ خاکی پتلہ ہے جس کو تو نے مجھ پر فضیلت اور بزرگی دی ہے حالانکہ وہ خاک ہے اور
میں آگ سے ہوں خیر اگر میں اس کی وجہ سے مردود ہوا ہوں تو آپ اگر میری درخواست کے مطابق
روز قیامت تک مجھے ہمت دیدیں اور میری موت میں تاخیر کر دیں تو میں بھی سولے تیرے تھوڑے

خاص بندوں کے اولادِ آدم کی جڑ کاٹ کر پھینک دوں گا یعنی اولادِ آدم کو اغوا کر کے بہشت سے انکی جڑ اکھاڑ دوں گا مگر تھوڑے آدمیوں کو تیری عصمت اور حفاظت کی وجہ سے گمراہ نہ کر سکوں گا یعنی انبیاء اور اولیاء جو شیطان کے دائرے میں نہیں آتے فرمایا اچھا جا اور راہ لے جو تیرے سے ہو سکے وہ کر پس جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا اور تیرے پیچھے چلے گا تو بے شک تم سب کی سزا دوزخ ہے پوری جزاء یعنی جا ہم کو تیری کوئی پرواہ نہیں ہم تجھ کو اور تیرے تابعین کو سب کو جہنم میں ڈال دیں گے اور ان میں سے جس کو اپنی آواز سے بچلا سکے اسکو بچلا یعنی جس طرح تو اللہ کی معصیت کی طرف بلا سکتا ہے بلا دنیا میں جو آواز اور پکار اللہ کی نافرمانی کی طرف دی جاتی ہے وہ درحقیقت شیطان کی آواز ہوتی ہے جیسے راگ اور باج کی آواز۔ اور کھینچ لا اور چڑھا لا ان پر اپنے سوار اور پیادے یعنی انکے بہکانے میں اپنی پوری قوت صرف کر ڈال اور جتنا زور تجھ سے لگایا جاسکے لگا لے اور مالوں اولادوں میں انکا شریک ہو جا۔ جو مال و اولاد معصیت کا باعث بنے اس میں شیطان ان کا شریک ہے اور علیٰ ہذا جو عمل خالص اللہ کے لیے نہ ہو اس میں بھی نفس اور شیطان شریک ہے زجاج کہتے ہیں کہ سوار اور پیادوں کے چڑھا لانے کا مطلب یہ ہے کہ جتنی تیری قدرت ہو اتنے مکائد اور مکر و فریب کے جال اور وسائل جمع کر لے اور ان کو غواہیت اور ضلالت پر آمادہ کر لے اور حسبِ مقدور ان میں اپنا تصرف کر یہ امر تہدید کے لیے ہے جیسے کہا کرتے ہیں کہ اچھا جو تجھ سے بن سکے کر گزر عنقریب اس کا انجام تجھ کو معلوم ہو جائے گا (انتہی) یعنی جیسا کرے گا ویسا بھرے گا اور تیرا جو چاہے اولادِ آدم سے جھوٹے وعدے کر کے جہنم اور جنت کچھ نہیں شیطان جب کسی کو معصیت کی طرف بلاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ جنت و دوزخ حشر و نشر سب غلط ہے جو کچھ بھی ہے دنیا کی زندگی ہے کیوں اپنی لذت و سرور کو چھوڑتا ہے اور عبادت میں پڑ کر کیوں مشقت کرتا ہے یہ مراد ہے "شیطان کے وعدے دینے سے" اور نہیں وعدہ دیتا شیطان لوگوں کو مگر دھوکہ اور فریب کا یعنی شیطان کے سب وعدے دھوکہ اور فریب ہیں باطل اور خطا کو حق اور ثواب کی صورت میں دکھلاتا ہے جس سے بہت سے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں اب اگلی آیت میں پھر شیطان کو خطاب فرماتے ہیں کہ اے شیطان تحقیق میرے خالص بندوں پر جن کو مجھ سے خالص تعلق ہے کہ تیرا کوئی زور نہیں وہ بندے انبیاء اور اولیاء ہیں۔ شیطان کو ان کے اغواء پر قدرت نہیں ان پر شیطان کا قابو نہیں چلتا اور اے نبیؐ تیرا پروردگار اپنے خاص بندوں کو کافی کارساز ہے وہ اپنے خاص بندوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے شیطان کا فتنہ بہت سخت ہے اور انسان ضعیف اور ناتواں ہے بدون اللہ کی عصمت اور حفاظت کے معصیت سے نہیں بچ سکتا اور بدون اللہ کی اعانت اور قوت کے طاعت نہیں کر سکتا ولا حول ولا قوة الا باللہ العلیٰ العظیم اور خاتمہ پر یہ فرمانا و کفیٰ بِرَبِّکَ وَکَیْلًا اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو بندہ خدا پر توکل اور بھروسہ کرے شیطان اس کا کچھ

نہیں بگاڑ سکتا۔



رَبُّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ فِي

تمہارا رب وہ ہے ، جو ہانکتا ہے تمہارے واسطے کشتی دریا

الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ

میں ، کہ تلاش کرو اس کا فضل وہ ہے تم پر

بِكُمْ رَحِيمًا ۞ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

مہربان اور جب تم پر تکلیف پڑے

فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا يَأْتِهِ فَلَمَّا نَجَّكُمْ

دریا میں ، بھولتے ہو جن کو پکارتے تھے اسکے سوا پھر جب بچالیا تمکو

إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۞

جنگل کی طرف ، ٹلا گئے۔ اور ہے انسان بڑا ناشکر ۞

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْشِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ

سو کیا نڈر ہوئے ہو؟ کہ دھنسا دے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے

عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۞ أَمْ أَمِنْتُمْ

تم پر آندھی، پھر نہ پاؤ اپنا کوئی کام بنانے والا یا نڈر ہوئے ہو

أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

کہ پھر لے جاوے تم کو اس میں دوسری بار پھر بھیجے تم پر

قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيَغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ

ایک جھوکا باؤ کا پھر ڈبا دے تم کو بدلہ اس ناشکری کا پھر

لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝۶۹ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا

نہ پاؤ تمہاری طرف سے ہم پر اسکا دعویٰ کرنے والا: اور ہم نے عزت دی ہے

بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ

آدم کی اولاد کو اور سواری دی انکو جنگل اور دریا میں اور روزی دی

مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

ہم نے انکو ستھری چیزوں سے اور زیادہ کیا انکو اپنے بنائے ہوئے بہت شخصوں

تَفْضِيلًا ۝۷۰

پر بڑھتی دے کر

رجوع بسوئے توحید

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى رَبِّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ... اِلٰی... وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا (ربط) اب پھر توحید کی طرف رجوع کرتے ہیں اور توحید کے دلائل بیان فرماتے ہیں نیز گزشتہ رکوع میں شیطان کا یہ قول نقل کیا تھا قَالَ اَرَاَيْتَ لَكَ هَذَا الَّذِي كُوِّمَتْ عَلَيَّ: اس لیے ان آیات میں بنی آدم کی کرامت اور فضیلت کو بیان فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ شیطان برا اور بھروسہ کس طرح اغواء کرتا ہے اور بنی آدم کی تکریم اور تفضیل کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ منعم حقیقی کا شکر گزار بندہ بنے اور کسی کو اسکے ساتھ شریک نہ کرے چنانچہ فرماتے ہیں۔

تمہارا پروردگار وہ ہے جو تمہارے نفع کے لیے سمندر میں کشتیاں ہنکاتا ہے تاکہ تم ان پر سوار ہو کر دوسرے شہر میں پہنچ کر روزی تلاش کرو بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے کہ جو حاجت تم کو اپنے شہر میں میسر نہ ہو سکے اس کے حاصل کرنے کے لیے دوسرے شہر میں جانے کا سامان مہیا کر دیا اور اس خدا سے پروردگار کی معرفت تمہاری فطرت اور جبلت میں مرکوز ہے دلیل اسکی یہ ہے کہ جب تم کو دریا میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے مثلاً طوفان اور باد و باران کی وجہ سے کشتی کے ڈوب جانے کا خوف ہوتا ہے تو اس وقت سوائے خدا کے جن جن کو تم پکارتے اور پوجتے ہو سب غائب ہو جاتے ہیں اس وقت سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں پکار کرتے اور سمجھتے ہو کہ سوائے خدا کے

کوئی نجات نہیں دے سکتا پس انسان بحالتِ مجبوری جس ذات کو اپنا سہارا سمجھ کر پکارے اصل خدا وہی ہے پھر وہ خدا جب تمہاری دعا قبول کر کے تمہیں خشکی کی طرف صحیح سالم بچا لاتا ہے اور سمندر کی موجوں اور اس کے تلاطم سے نجات دیتا ہے تو پھر تم خدا سے برحق سے منہ موڑ لیتے ہو اور بتوں کو پوجنے لگتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکر ہے کہ جب مصیبت آتی ہے تو خدا کو پکارتا ہے اور جب وہ نجات دے دیتا ہے تو اس سے منہ موڑ لیتا ہے اور بہت جلد اسکے احسان کو بھول جاتا ہے تو کیا تم نجات پانے کے بعد اس بات سے مطمئن اور بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو جنگل کی طرف لے جا کر زمین میں دھنسا دے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تم سمندر میں غرق ہونے سے بچ گئے تو مطمئن نہ ہونا چاہیے جس طرح ہم سمندر میں غرق کرنے پر قادر ہیں اسی طرح خشکی میں زمین میں دھنسانے پر قادر ہیں تمام جہات، کیا خشکی اور کیا تری سب ہمارے قبضہ قدرت میں ہے اور ہمارے نزدیک برادر و بحر سب یکساں ہیں سمندر میں غرق کا خوف ہے تو خشکی میں خسف کا خوف چاہیے خسف بھی غرق ہی ہے سمندر میں آدمی پانی میں ڈوبتا ہے اور خشکی میں مٹی میں یا تم اس بات سے مطمئن ہو گئے کہ تم پر پتھر برسائے والی ہوا بھیجے جس میں سے پتھر برسے لگیں اور قوم عاد کی طرح تم کو سنگسار کر دے پھر تم کوئی اپنا کام بنانے والا نہ پاؤ جو تم کو خسف سے اور پتھروں سے بچا سکے یا تم اس بات کی طرف سے مطمئن ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو پھر اسی سمندر میں لوٹا کر لے جائے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں پھر اسی دریا کا سفر ڈال دے اور حسب سابق اسی کشتی اور جہاز میں سوار ہو کر دوبارہ سفر کرو اور پھر وہ تم پر ایسی سخت اور تند ہوا بھیجے جو کشتی کو توڑ ڈالے پھر تم کو اسی دریا میں ڈال دے اور ڈوبو دے بسبب اسکے کہ تم نے خدا کی ناشکری کی پہلی مرتبہ تو نجات مل گئی تھی دوسری دفعہ کفر اور بد عہدی کی وجہ سے غرق کر دیتے گئے پھر اس غرق پر ہم سے کوئی مواخذہ کرنے والا نہ پاؤ گے کہ جو ہم سے باز پرس کر سکے یا کوئی ہمارا پیچھا کر سکے اب آئندہ آیت میں انسان پر بعض انعامات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ انسان جانے کہ میرا پروردگار وہی ہے جس نے مجھ کو یہ عزتیں اور کرامتیں بخشی ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اور بے شک ہم نے اولادِ آدم کو عزت اور کرامت بخشی اور تمام مخلوقات پر اس کو بزرگی دی انسان کی دوسری مخلوقات پر کرامت اور عزت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو عقل اور فہم اور فراست اور نطق اور گویائی عطا کی اور لکھنا پڑھنا سکھایا زبان اور قلم سے اظہارِ مافی الضمیر کی قدرت عطا کی اور اس کا قدمعدل اور سیدھا بنایا اور بہتر سے بہتر صورت اس کو عطا کی۔ جس میں کمالِ حُسن پایا جاتا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ۔ وفي الحديث خلق الله آدم على صورته: آدمی ہاتھوں سے کھانا کھاتا ہے اور دوسرے حیوانات منہ سے زمین پر سے غذا اٹھا کر کھاتے ہیں مردوں کو داڑھی دی اور عورتوں کو گیسو دیتے۔

ہر گلے راز نگ و بولتے دیگر ست

اور انسان کو معاش اور معاد کے بارے میں حسن تدبیر عطا کی اور منافع اور مضار کے ادراک کے لیے حواس ظاہرہ اور باطنہ عطا کیے وغیرہ اور منجملہ کرامت اور عزت یہ ہے کہ ہم نے اولادِ آدم کو خشکی میں ہویا یوں پر سوار کیا اور سمندر میں کشتیوں پر سوار کیا مطلب یہ ہے کہ براور بحر میں سفر کا سامان اس کے لیے مہیا کیا انسان سوار ہو کر چلتا ہے اور سواری کسی سواری پر سوار ہو کر نہیں چلتی اور پاکیزہ چیزوں میں سے ہم نے اس کو روزی دی دنیا کی مزیدار چیزیں اسکے کھانے میں آتی ہیں بخلاف دیگر مخلوقات کے کہ وہ ان لذیذ چیزوں سے محروم ہیں اور ہم نے اولادِ آدم کے اکرام و انعام میں فقط مذکورہ بالا کرامتوں اور نعمتوں پر اقتصار نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت اور فوقیت دی اور اس کو وہ فضائل اور شمائل عطا کیے جس سے بیشتر مخلوق خالی ہے لہذا حق تعالیٰ کی اس تکریم اور تفضیل کا اور انعام و اکرام کا حق یہ ہے کہ اپنے منعم حقیقی کا دل و جان سے شکر کریں اور ناشکری سے دور رہیں اور عبودیت اور عبادت سے اور اطاعت سے اس خداداد کرامت و فضیلت کی حفاظت کریں اور ابلیس لعین جو تمہارے باپ آدمؑ کے کرامت اور فضیلت کا منکر ہے اور جس نے اَرَوَيْتَ لَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ کہہ کر تمہارے باپ کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تمہارے باپ کی فضیلت اور کرامت کے انکار کرنے کی وجہ سے بارگاہ خداوندی سے مطرود اور مردود ہوا وہ تمہارا قدیمی دشمن ہے ہر وقت تمہاری تاک میں ہے کہ باپ کی وجہ سے تم کو جو عزت و کرامت اور فضیلت و فوقیت ملی ہے اس کو خاک میں ملا دے اس سے چوکنار ہنا اور اس کے ہمکارتے میں آکر اپنے منعم حقیقی کو نہ بھول جانا۔

لطائف و معارف

- (۱) حق تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کو لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ میں اولادِ آدم کی عزت و کرامت کا ذکر فرمایا سو جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو عزت اور کرامت عطا فرمائی وہ دو قسموں کی ہے ایک کرامت جسمانی جو تمام انسانوں کو حاصل ہے جس میں مؤمن کا فرسب شریک ہیں کرامت جسمانی یہ ہے۔
- (۲) کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا خمیر تیار کیا اور خود دست قدرت سے اس کو بنایا۔
- (۳) اور احسن تقویم میں اس کو پیدا کیا تمام کائنات میں سب سے زیادہ خوبصورت اس کو بنایا۔
- (۴) اور معتدل القامت اس کو بنایا (۵) پکڑنے اور کھانے کیلئے انگلیاں بنائیں (۶) اور چلنے کو پیر بنائیں (۷) اور مردوں کو داڑھی اور عورتوں کو گیسوؤں سے زینت بخشی (۸) اور عقل اور تہذیب دی (۹) اور بولنے کیلئے زبان عطا کی (۱۰) اور قلم سے اس کو لکھنا سکھایا (۱۱) اور اسباب معیشت میں اس کی رہنمائی کی (۱۲) اور طرح طرح کے صنائع اور بدائع کا اس کو ابھار کیا۔

(۱) کرامت روحانی | دوسری قسم کی کرامت کرامت روحانی ہے وہ دو قسموں پر منقسم ہے (۱) ایک کرامت عامہ اور دوسری کرامت خاصہ، کرامت عامہ میں مؤمن

اور کافر سب شریک ہوتے ہیں روحانی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پتلہ خاکی میں ایک روح پھونکی جو ایک روحانی چیز ہے اور جنس ملائکہ سے ہے۔

(۲) اور پھر اولاد آدم کو حضرت آدمؑ کی پشت سے نکالا اور اَلْکُتُبُ بَرِّکُمْ کے خطاب سے انکو عزت و کرامت بخشی جس کے جواب میں سب — (مومن اور کافر) نے بلیٰ کہا اور سب سے عہدِ ربوبیت لیا۔ (۳) اور پھر تمام اولاد آدم کو اسی فطرت یعنی عہدِ الست پر پیدا کیا۔ (۴) اور پھر اس عہدِ الست کو یاد دلانے کے لیے دنیا میں رسول بھیجے اور صحائف نازل کیے اور سب کو آگاہ کر دیا کہ اگر اپنی اصلی فطرت اور عہدِ الست پر چلو گے تو قیامت کے بعد جنت میں اپنے باپ سے یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے جا کر ملو گے اور اگر عہدِ الست سے انحراف کیا اور اپنے باپ کے دشمن ابلیس کے کہنے پر چلے تو ابلیس کے ساتھ جہنم میں جاؤ گے۔

اور روحانی کرامت کی دوسری قسم کرامتِ خاصہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو یعنی انبیاء اور

کرامتِ روحانیہ کا خاصہ

اولیاء اور عبادِ مومنین کو مکرم و سرفراز فرمایا انبیاء کرام کو نبوت و رسالت کی کرامت سے عزت بخشی اور اولیاء کو نور و ولایت اور نور معرفت سے شرف بخشا اور اہل ایمان کو ایمان اور اسلام اور صراطِ مستقیم کی ہدایت سے کرامت بخشی کہ صراطِ مستقیم پر چل کر اپنے رب اکرم تک پہنچ جائیں اور اَلْکُتُبُ بَرِّکُمْ کے جواب میں بلیٰ کہہ کر جو عہدِ ربوبیت کر کے آئے تھے اسکو پورا کر کے اپنے رب کے سامنے سرخروئی کے ساتھ حاضر ہو جائیں۔

کرامت اس صفت کو کہتے ہیں کہ جو کسی کی ذات

(۲) کرامت اور فضیلت میں فرق

فضل اس زیادتی کو کہتے ہیں کہ جو دوسرے کے لحاظ سے اس میں زیادہ ہو پس انسان باعتبار اپنی ماہیت اور حقیقت کے تمام مخلوقات سے اکرم اور افضل اور اشراف ہے جیسے عقل اور فہم و فراست اور حسن صورت یہ کرامت اور عزت سوائے انسان کے کسی مخلوق کو حاصل نہیں اور باعتبار اخلاق کاملہ اور اعمال فاضلہ کے بہت سی مخلوق سے افضل ہے مطلب یہ ہے کہ انسان امورِ خلقیہ اور طبعیہ اور ذاتیہ کے اعتبار سے سب مخلوق سے زیادہ مکرم اور محترم ہے اور باعتبار امورِ اکتسابیہ کے جن کو انسان خدا داد عقل اور حواس سے حاصل کرتا ہے جیسے علوم حقہ اور عقائد صحیحہ اور اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ اس اعتبار سے انسان اکثر مخلوقات سے افضل اور برتر ہے کرامت کا دار و مدار چونکہ امورِ خلقیہ اور طبعیہ پر ہے جن میں انسان کے عمل اور کسب و اکتساب کو دخل نہیں اس لیے تکریم و کرامت میں مومن اور کافر سب شریک ہیں اور تفضیل کا دار و مدار فضائلِ کسبیہ پر ہے اس لیے تفضیل اہل ہدایت کے لیے مخصوص ہے اور اکتا علوم حقہ اور اعمال صالحہ اور طاعات و قربات سے فرق مراتب قائم ہوتا ہے۔

یہ تمام کلام امام رازی قدس اللہ سرہ کے کلام کی تفصیل ہے حضرات اہل علم اصل تفسیر کبیر ص ۴۳۳ جلد ۵ کی مراجعت کریں۔

(۳) شروع آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوقات پر کرامت اور عزت بخشی اور اخیر آیت میں یہ فرمایا وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا یعنی ہم نے بہت سی مخلوقات سے انسان کو فضیلت دی اور یہ نہیں فرمایا کہ کل مخلوقات پر اس کو فضیلت دی اور لفظ کثیر کو بھل رکھا اسکی کوئی تعیین نہیں فرمائی اس لیے علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ انسان کو سوائے ملائکہ (فرشتوں) کے سب پر فضیلت ہے اور یہ قول ابن عباسؓ سے مروی ہے اور زجاجؒ نے اسی کو اختیار کیا اور معتزلہ نے اس آیت کو اس بات کی دلیل قرار دیا کہ ملائکہ انبیاء کرام سے افضل ہیں جمہور معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اس آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ بنی آدم اکثر مخلوقات سے تو افضل ہیں مگر ایک قلیل مخلوق ایسی ہے کہ بنی آدم ان سے افضل نہیں وہ قلیل مخلوق فرشتوں کی ہے کہ وہ تمام بنی آدم سے افضل ہیں۔

علماء اہل سنت اشاعرہ اور ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ خاص بشر یعنی انبیاء و مرسلین خواص ملائکہ و عوام ملائکہ سب سے افضل ہیں یعنی انبیاء و مرسلین۔ جبرائیل و میکائیل اور ملائکہ مقربین وغیرہم سب سے افضل اور برتر ہیں اور عام ملائکہ عام بشر سے افضل ہیں یعنی باقی تمام فرشتے تمام آدمیوں سے افضل ہیں اور علماء اہل سنت سے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ اولیاء اور اقیاء جیسے صدیقؑ اور فاروقؑ اور محدث من اللہ عام ملائکہ سے افضل ہیں اختلاف اور دلائل کی تفصیل کے لیے کتاب اصول الدین للشیخ الامام صدر اسلام بزدوی ص ۲۰۲ دیکھیں اور مسامرہ شرح مسامرہ ص ۲۱۲ للشیخ کمال الدین ابن ابی اور شرح میار للشیخ قطلوبغا ص ۲۱۲ مطبوعہ مصر دیکھیں۔

علماء اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ معتزلہ کا اس آیت یعنی وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا سے تفضیل ملائکہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں کہ ایک جنس کا دوسری جنس سے افضل ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ پہلی جنس کا ہر فرد دوسری جنس کے ہر فرد سے افضل اور بہتر ہے جنس مرد جنس عورت سے بہتر ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر مرد ہر عورت سے بہتر ہے سب کو معلوم ہے کہ حضرت خواتین اور مریمؑ، عائشہ صدیقہؓ اور خدیجہ الکبریٰؓ سے اور عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ الزہراءؓ بہت سے مردوں سے بہتر ہیں مجموعی طور پر اگر جنس ملائکہ جنس بشر سے ————— افضل ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنس ملائکہ کا ہر فرد یعنی ہر فرشتہ ہر فرد حتیٰ کہ انبیاء و مرسلین سے بھی افضل ہو خصوصاً جب کہ دلائل قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر تاج خلافت رکھا اور انکو مسجود ملائکہ بنایا اور فرشتوں سے بڑھ کر انکو علم عطا کیا جیسا کہ وَعَلَّمْ أَدَمَ الْأَسْمَاءَ سے واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی افضلیت کی ایک وجہ انکی علمی عظمت و فضیلت اور برتری تھی اور انیس

کا یہ کہنا کہ انا خیر منہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین اور نیز اسکا کہنا اے یتک هذا الذی کرمک علی وغیرہ وغیرہ یہ سب اس امر کی دلیل ہے کہ ابلیس نے سجدہ کے حکم کو آدم علیہ السلام کی افضلیت کی دلیل سمجھا ورنہ اگر یہ حکم انکی افضلیت کی دلیل نہ ہوتا تو ابلیس سجدہ کرنے سے انکار نہ کرتا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو یہ حکم دینا کہ آدم کو سجدہ کرو اس سے مقصود حضرت آدم کی افضلیت کا اظہار کرنا تھا کہ آدم تم سب سے افضل ہیں اہل سنت کی طرف سے معتزلہ کا جواب دراصل قاضی بیضاوی نے دیا ہے اور شارحین نے اسکی تفصیل کر دی ہے اس ناچیز نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب تفسیر بیضاوی اور اسکے حواشی اور مشرح سے ماخوذ ہے۔

حضرات اہل علم حاشیہ شہاب خفاجی علی تفسیر بیضاوی ص ۴۹ جلد ۶ دیکھیں نیز حاشیہ تنویری علی البیضاوی ص ۲۷۲ جلد ۴ بھی ضرور دیکھیں اس میں بھی اس مضمون کی تشریح اور تفصیل کی ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی نے بھی تفسیر جلالین میں یہی جواب دیا اسکی تشریح کے لیے حاشیہ جمل اور حاشیہ صاوی دیکھیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ معتزلہ کے نزدیک ملائکہ، انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں اور جمہور اہل سنت اشعریہ اور ماتریدیہ کے نزدیک انبیاء اور مرسلین تمام ملائکہ سموات و ارضین سے افضل ہیں اور رسل ملائکہ (بانتشار رسل بشر) باقی تمام فرشتوں سے افضل ہیں اور تمام اولیاء اور اقیامہ بشر سے بھی افضل ہیں ہر حال جمہور اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ عام ملائکہ عام اولیاء بشر سے افضل ہیں رہے بنی آدم کے فساد و فجارت وہ حکم میں حیوانات اور بہائم کے ہیں۔

اور بعض اشاعرہ و ماتریدیہ اس طرف گئے ہیں کہ انبیاء کرام کے علاوہ اولیاء اور اقیامہ اور ائمہ دین اور علماء ربانیتین عام فرشتوں سے افضل ہیں اور عام فرشتوں سے وہ فرشتے مراد ہیں جو رسل ملائکہ کے علاوہ ہیں اور امام ابو حنیفہؒ ابتدا میں تفضیل ملائکہ علی البشر کے قائل تھے بعد میں اس سے رجوع کیا اور تفضیل انبیاء علی الملائکہ کے قائل ہوئے اور اس بارہ میں امام ابو حنیفہؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کے باہمی تفاضل اور مفاضلہ میں توقف کیا جائے اس لیے کہ اس بارہ میں دلائل متعارض ہیں لہذا احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ سکوت کیا جائے۔

(دیکھو مشرح عقیدہ طحاوی ص ۲۳۸ ص ۲۴۰ اور نیز اس مشرح شرح عقائد نسفی ص ۶۰۲)

۱۔ اصل عبارت اس طرح ہے۔

ظاهر الآیۃ يدل علی تفضیل الملک علی البشر وهو مخالف للمشهور من مذهب اهل السنۃ
فدفعه المصنف بان تفضیل جنس علی جنس آخر لا یقتضی تفضیل کل فرد منہ علی کل فرد من
الآخر فلا ینافی ذالک تفضیل بعض افراد البشر علی کل الملک او علی بعضہ علی مذہبین فی المسئلۃ الخ

(کنزانی حاشیہ الشہاب علی تفسیر بیضاوی ص ۴۹)

امام ابو منصور ماتریدیؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس بارہ میں سکوت کیا جائے ہمیں حقیقت حال کا علم نہیں اور نہ ہمیں اسکی ضرورت ہے اس لیے بہتر ہے کہ اسکو اللہ تعالیٰ کے حوالے اور سپرد کیا جائے (دیکھو حاشیہ خیالی بر بشرح عقائد ص ۲۸۰ جلد ۲)

بقدر ضرورت اس مسئلہ کو لکھ دیا گیا مزید تفصیل کی نہ ہمت ہے اور نہ عام ناظرین کو اسکی ضرورت ہے حضرات اہل علم اگر مزید تفصیل چاہیں تو بشرح عقیدہ طحاویہ ص ۲۲۵ تا ص ۲۲۵ اور بشرح عقیدہ سفارینیہ از ص ۳۸۰ تا صفحہ نمبر ۳۹۹ دیکھیں۔

معذرت

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِيَ

جس دن ہم بلا دیں گے ہر فرقے کو، ساتھ ان کے سردار کے سوجس کو ملا

كِتَبَهُ بِيَمِينِهِ فَاُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ

اس کا لکھا اس کے داہنے میں سو پڑھتے ہیں اپنا لکھا اور ظلم نہ ہوگا ان پر

فَتَبْلَا ۝۴۱ وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ اَعْمٰی فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ

ایک تارگے کا اور جو کوئی رہا اس جہان میں اندھا سو پکھلے جہان میں اندھا ہے

اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِيلًا ۝۴۲

اور زیادہ دور پڑا راہ سے

بیان فرق مراتب در روز قیامت

قال الله تعالى يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ اِلَى وَاَضَلُّ سَبِيلًا

۱۔ قال الامام ابو منصور الماتریدی فی تفسیر قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي اٰدَمَ اِمَامَ الْكَلَامِ فی تفصیل البشر علی الملائکۃ والملائکۃ علی البشر فانا لا نتکلم فیہ لانا لا نعلم ذالک ولیس لنا الی معرفتہ حاجۃ فنکل الامر فیہ الی اللہ تعالیٰ وذلک مثل الکلام بین الانبیاء والرسل واتقیاء الحق و بین الملائکۃ وتفضیل هؤلاء علی هؤلاء فنقوض ذلک الی اللہ تعالیٰ رانہی کلامہ

(حاشیہ خیالی بر بشرح عقائد ص ۲۸۰ جلد ۲ مطبوعہ مصر)

(ربط) گزشتہ آیات میں انسان کے دنیوی حالات بیان فرماتے اب اسکے بعد کچھ اخروی حالات بیان کرتے ہیں جہاں فرق مراتب کا ظہور ہوگا کہ نیک لوگوں کے ناہاتے اعمال داہنے ہاتھ میں دیتے جائیں گے اور بدوں کے بائیں ہاتھ میں اور انسان کی حقیقی تکریم و تفضیل اس دن ظاہر ہوگی۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس دن کو جب ہم ہر فرقہ کو اسکے پیشوا سمیت بلائیں گے یعنی ہر امت اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ بلائی جائے گی اور جو نبی کو نہیں مانتے وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بلائے جائیں گے جن کو وہ اپنا مقتدا اور پیشوا مانتے تھے اسکے بعد تمام آدمیوں کے اعمال نامے ان کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے پس جس کا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اور یہ اہل ایمان ہوں گے سو یہ لوگ خوشی سے اپنے اعمال نامے کو بار بار پڑھیں گے اور دوسروں سے یہی کہیں گے کہ میرے اعمال نامے کو دیکھو ہاؤم اقرءوا کتابکم اور ان پر ایک تاگے کے برابر ظلم نہ کیا جائے گا یعنی ایمان اور اعمال صالحہ کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی بلکہ زیادہ ہی ملے گا اور جو شخص اس دنیا میں راہ خدا سے اندھا رہا وہ آخرت میں بھی جنت کی طرف سے اندھا رہے گا یعنی نجات کی راہ نہ دیکھے گا اور بلکہ بہ نسبت دنیا کے زیادہ گم گشتہ راہ ہوگا کیونکہ دنیا میں بینا ہونا ممکن تھا کہ راہ حق اس کو نظر آجاتی اور صراط مستقیم پر چل پڑتا اور آخرت میں تو بینائی کی استعداد ہی — زائل ہوگئی اور وقت ہاتھ سے نکل گیا۔

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ

اور وہ تو لگے تھے کہ تجھ کو بھلا دیں (بھیر دیں) اس چیز سے جو وحی بھیجی ہم نے تیری طرف

عَلَيْنَا غَيْرَةً ۚ وَإِذَا لَا تَخَذُوكَ خَلِيلًا ۚ ۴۳ وَلَوْلَا أَنْ

ناباندھ لاوے تو اسکے سوا اور تب پکڑتے تجھ کو دوست اور اگر یہ نہ ہوتا کہ

تَبَتَّنَا لَقَدْ كِدْتَ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۚ ۴۴ إِذَا

ہم نے تجھ کو ٹھہرا رکھا تو تو لگ ہی جاتا بھکنے انکی طرف تھوڑا سا تب

لَا ذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا

مقرر چکھاتے ہم تجھ کو دونا مزہ زندگی میں اور دونا مرنے میں بھر نہ پاتا

تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ۚ ۴۵ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ

تو اپنے واسطے ہم پر مدد کرنے والا اور وہ تو لگے تھے گھرانے تجھ کو اس

مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذْ لَا يَلْبَثُونَ خِلْفَكَ

زمین سے کہ نکال دیں تجھ کو یہاں سے اور تب نہ ٹھہریں گے تیرے پیچھے

إِلَّا قَلِيلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا

مگر تھوڑا ۝ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا، جو تجھ سے پہلے بھیجے ہم نے

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۝

اور نہ پادے گا تو ہمارے دستور میں تفاوت

ذکر عداوت کفار باسیدالابرار در امور دینیہ و دنیویہ

و وعدہ عصمت و حفاظت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَاتُكْفُرُوا وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْدِينَ... وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْدِينَ... وَلَئِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْدِينَ...
 (ربط) گزشتہ آیات میں کفار کی تکذیب کا بیان تھا کہ وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اب ان آیتوں میں انکی عداوت کا بیان ہے کہ وہ دین میں بھی آپ کے دشمن تھے آپ کو اپنی خواہشوں پر مجبور کرنا چاہتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی مذمت نہ کریں یا اس پر قدرے سکوت کریں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا اور دنیا میں بھی آپ کے دشمن تھے اور آپ کو مکہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر خیریت ہوئی کہ وہ نکالنے پر قادر نہ ہوئے اللہ نے آپ کو وہاں سے ہجرت کرنے اور نکل جانے کا حکم دیا اور خدا نے دشمنوں کی آنکھیں ایسی خیرہ کر دیں کہ آپ انکے سامنے سے گزر کر صحیح سالم نکل کر راہی مدینہ ہوئے غرض یہ کہ ان آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر فرمایا اور آپ کو تسلی دی کہ آپ گھبراہیں نہیں دین اور دنیا میں ہم آپ کے محافظ اور نگہبان ہیں یہ دشمن آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یہ کافر قریب ہیں اس بات کے کہ آپ کو فریب اور دھوکہ دے کر آپ کو اس چیز سے بچلا دیں جو ہم نے قیری طرف وحی کی ہے یعنی یہ لوگ اس کوشش میں ہیں کہ آپ کو فریب دے کر فتنہ کی طرف مائل کریں تاکہ آپ اس وحی کے سوا دوسری بات ہم پر اقرار کریں کیونکہ انکی خواہش پر چلنا اور انکی درخواست پر عمل کرنا در پردہ اللہ پر افتراء ہے اور ایسی حالت

ہیں وہ تجھ کو ضرور اپنا دوست، ولی بنا لیتے مگر اللہ کے فضل عظیم نے تجھ کو ان کی طرف التفات کرنے سے محفوظ رکھا اور اگر ہم تجھ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا تو انکی ہدایت کی حرص و طمع میں کچھ تھوڑا سا انکی طرف جھک جاتا مگر خدا تعالیٰ کی تثبیت و تائید سے آپ انکی طرف کچھ جھکنے کے قریب بھی نہیں ہوتے ”رکون“ کے معنی لغت میں میلان قلیل کے ہیں اور کلمہ لَوْلَا انتقام کے بیان کے لیے آتا ہے یعنی اگر اسراؤل نہ ہوتا تو امردوم ہوتا لیکن اسراؤل کے وجود سے امردوم وجود میں نہیں آیا لہذا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے نبی اگر اللہ تعالیٰ کی تثبیت آپ کے ساتھ نہ ہوتی تو آپ انکی جانب جھکنے کے قریب ہو جاتے۔

لیکن اللہ کی تثبیت ازلی آپ کے ساتھ تھی اس لیے آپ کچھ بھی انکی طرف جھکنے کے قریب بھی نہ ہوتے یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال کی صریح دلیل ہے کہ تثبیت غیبی نے آپ کی حفاظت کی کہ آپ اس فتنہ کے قریب بھی نہیں گئے اگر بالفرض والتقدیر ایسا ہوتا یعنی آپ انکی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو ہم آپ کو دہرا عذاب زندگی میں اور دھرا عذاب مرنے کے بعد چکھاتے ”جن کا مرتبہ ہوا انکی مشکل بھی سوا ہے کیونکہ تیرا مرتبہ سب سے عالی ہے اس لیے تیری تھوڑی خطا بھی بہت ہے جیسا کہ ازواج مطہرات کا مرتبہ بہت بلند ہے انکے بارے میں یہ آیا ہے یَنْسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُمُ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ۔ پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے یعنی اگر آپ انکی طرف کچھ بھی جھک جاتے تو ہمارے عذاب سے آپ کو کوئی بچا نہ سکتا۔

امام ثعلبی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا تَكُنْ لِیْ نَفْسٍ طَرَفَةً عِیْتَ اے اللہ پلک کے جھپکنے کی مقدار بھی مجھے میرے نفس کے سپرد نہ کیجئے آمین،

الہی بر رہ خود دار مارا دے بالفی مامگذار مارا
اس آیت میں کفار کی طرف سے پیش آنے والے فتنہ کا ذکر تھا کہ اللہ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا اب آئندہ آیت میں کفار کی عداوت اور انکی طرف سے پیش آنے والی جسمانی مصرت سے حفاظت کا ذکر فرماتے ہیں۔

اور اے نبی وہ کفار قریب ہی آگے تھے کہ تجھ کو ستا سنا کر زمین مکہ سے دل برداشتہ کر دیں تاکہ تجھ کو اس زمین سے نکال دیں اور اگر ایسا ہوتا تو وہ خود بھی تیرے بعد چند روز سے زیادہ وہاں نہ رہنے پاتے۔ مگر اللہ نے آپ کو مکہ سے نکالنا چاہتے تھے مگر وہ نہ نکال سکے بلکہ خود آپ نے اللہ کے حکم سے مکہ سے ہجرت کی اور جیسا کہ اس آیت میں فرمایا ویسا ہی ہوا جن مشرکوں نے آپ کو مکہ سے نکالا وہ ہجرت کے ایک سال بعد مکہ میں نہ رہنے پاتے بلکہ غزوہ بدر میں

فی النار والسقر: ہوتے ہماری یہی روش ان رسولوں میں رہی جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا جب کسی امت نے اپنے رسول کو نکالا تو اسکے بعد وہ امت بھی وہاں نہ رہی بلکہ ہلاک ہوئی اور اے بنی آپ ہماری روش میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے یعنی یہ اللہ کی قدیم سنت ہے کہ جب کسی قوم نے بنی کو بستی میں نہیں رہنے دیا تو وہ بستی والے بھی وہاں نہ رہے۔



اقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ

کھڑی رکھ نماز سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے

اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ

تیم ، اور قرآن پڑھنا فجر کا بے شک قرآن پڑھنا فجر کا

كَانَ مَشْهُودًا ۝۴۸ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً

ہوتا ہے رو برد اور کچھ رات جاگتا رہ اس میں یہ پڑھتی (نافلہ)

لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝۴۹ وَقُلْ

ہے تجھ کو، شاید کھڑا کرے تجھ کو تیرا رب تعریف کے مقام میں اور کہہ

رَبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ

اے رب! پیٹھا (داخل کر) مجھ کو سچا پیٹھانا (داخل کرنا) اور نکال مجھ کو سچا

صِدْقٍ ۖ وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۵۰

نکالنا اور بنا دے مجھ کو اپنے پاس سے ایک حکومت کی مدد

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

اور کہہ ، آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ بے شک جھوٹ ہے نکل بھاگے

زَهُوْقًا ۝۵۱ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ

والا اور ہم اُتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ چنگے ہوں اور ہر

لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۝۸۲ وَإِذَا

ایمان والوں کو اور گنہگاروں کو بھی بڑھتا ہے نقصان اور جب ہم

أَنعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بَاجَانِيهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ

آرام بھیجیں انسان پر ، ٹلا جاوے اور ہٹاوے اپنا بازو اور جب لگے

الشَّرُّ كَانَ يُوسَىٰ ۝۸۳ قُلْ كُلُّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ

اسکو برائی رہ جاوے اس ٹوٹا۔ تو کہہ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر سو تیرا رب

أَعْلَمُ بِمَن هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا ۝۸۴

بہتر جانتا ہے ، کون خوب سوجھا ہے راہ

حکم بہ مشغولی عبادت رب معبود و بشارت مقام محمود و تلقین

دعاء ہجرت اشارہ بسوئے قیام آسمانی بادشاہت و سلطنت

قال اللہ تعالیٰ اَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوکِ الشَّمْسِ ... الی ... اَهْدَىٰ سَبِيلًا
(ربط) گزشتہ آیات میں کفار کی عداوت کا ذکر تھا اور اس بات کا ذکر تھا کہ کفار آپ کو مکہ سے
نکا لنا چاہتے ہیں اب ان آیات میں آپ کو یہ حکم دیتے ہیں کہ آپ اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے
ان دشمنوں کی طرف التفات نہ کیجیے اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہے۔

تمام عبادتوں میں سب سے اعلیٰ اور اشرف عبادت نماز ہے اس لیے اولاً فرض نمازوں کی
تاکید فرمائی اور آخر میں نماز تہجد کا تاکد عوام کے لیے نہیں بلکہ خواص کے لیے ہے بعد ازاں آپ کو مقام
محمود کی بشارت دی عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا : جو بظاہر اس تہجد کی برکت
میں سے ہے کہ عنقریب آپ کو اللہ تعالیٰ شافع حشر بنا کر مقام محمود میں کھڑا کر دے گا مقام محمود
سے مراد مقام شفاعت ہے جو عزت و کرامت کا اعلیٰ ترین مقام ہے جو بنی آدم میں سوائے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کو نصیب نہیں شروع سورت میں اسرار اور معراج کی عزت و کرامت

کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں مقام محمود کی عزت و کرامت کا ذکر فرمایا اور چونکہ مشرکین مکہ آپ کو مکہ سے نکالنے کے درپے تھے اس لیے من جانب اللہ آپ کو ہجرت کی دعا تلقین ہوئی وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کی ترقی کا زینہ بنایا اور جس آسمانی بادشاہت و سلطنت کا خدا تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا، ہجرت کو اس کا پیش خیمہ بنایا اس لیے آپ کو ہجرت کی دعا کا حکم ہوا اور وَاَجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا: میں اسی بادشاہی و سلطنت کی طرف اشارہ ہے اور قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ میں اسلام کے ظہور اور غلبہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ اور یہ قرآن جو نسخہ یکمیاں اور شفاء اور رحمت ہے اس کا پورا استعمال اس وقت شروع ہوگا کہ جب بدر میں کفر کے سر پر اسلام کی ضرب کاری لگے گی اور کفر کے غرور کا نشہ کافور ہوگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بخیر و عافیت آپ کو مدینہ منورہ پہنچا دیا اور ہجرت کے بعد اسلام کی شان و شوکت یوں فیوضاً زائد ہونے لگی اور حق غالب ہوا اور باطل مضحل ہوا مکہ فتح ہو گیا اور نجد اور یمن کا تمام علاقہ اور حجاز کا علاقہ اسلام کے زیر نیگیں آگیا اور شاہانہ طریقہ سے اللہ کے احکام جاری ہونے لگے اور اہل اسلام اس نسخہ یکمیاں (قرآن کریم) کے استعمال سے ایسے شفا یاب اور تندرست ہوئے کہ قیصر و کسریٰ کا آپریشن کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور جن ظالموں نے مال و دولت کے نشہ میں اس نسخہ یکمیاں کے استعمال سے گریز کیا وہ کفر اور شرک کے زہریلے مادہ سے ہلاک ہو گئے اور وَلَدًا اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَارَ بَاجًا نبیہ میں اشارہ اس طرف فرمایا کہ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ کسی انسان پر انعام فرمائیں تو انسان کو چاہیے کہ اپنے منعم سے مانوس ہو نعمتوں میں مست ہو کر منعم سے متوجش نہ ہو۔

چنانچہ فرماتے ہیں قائم کر اے نبی! نماز کو زوال آفتاب کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی کے چھا جانے تک اس میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء جیسا کہ حدیث سے اس اجمال کی تفصیل ہو گئی اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک وُلُوكَ شَمْسٍ سے زوال آفتاب مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ آفتاب ڈھلنے کے بعد رات کا کچھ حصہ گزر جانے تک کہ جب رات کی تاریکی افق پر چھا جائے نمازیں ادا کریں اور بعض صحابہ و تابعین یہ کہتے ہیں کہ دُلُوكَ شَمْسٍ سے غروب آفتاب کے معنی مراد ہیں اس سے مغرب کی نماز مراد ہے اور غسق اللیل یعنی جب رات کی سیاہی افق پر پھیل جاتے اس وقت عشاء کی نماز پڑھو اور لازم کر لو قرآن کا پڑھنا فجر کی نماز میں اشارہ اس

طرف ہے کہ فجر کی نماز میں قرآن زیادہ پڑھا جائے اور بہ نسبت اور نمازوں کے فجر کی نماز میں قرأت قرآن زیادہ طویل ہونی چاہیے بے شک فجر کی قرأت یعنی نماز فجر محل حضور ملائکہ ہے اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں پس جو فرشتے شب کو تم میں رہے وہ عروج کرتے ہیں پس اللہ عزوجل ان سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا وہ کہتے ہیں کہ جب ہم انکے پاس گئے تھے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم نے انکو چھوڑا تب بھی نماز پڑھ رہے تھے اور چونکہ نماز صبح کا وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہے اس لیے نماز فجر کا حکم الگ بیان کیا پھر اسی کے متصل نماز تہجد کو بیان کیا جو شب کے اخیر میں پڑھی جاتی ہے اور خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا خطاب فرمایا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بنی رات کے کچھ حصہ میں قرآن کے ساتھ شب خیزی کرو یعنی رات کا کچھ حصہ تہجد کے لیے مخصوص کر دو تہجد، مجود سے مشتق ہے معنی ترک خواب کے ہیں یعنی رات کے کچھ حصہ میں خواب سے بیدار ہو کر نماز میں قرآن پڑھا کر وہ یہ نماز تہجد کا حکم خاص تیرے لیے زیادہ ہے نماز پنجگانہ کے علاوہ خاص آپ کے لیے یہ حکم زیادہ ہے کہ آپ ضرور تہجد پڑھا کریں اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ آپ کو سب سے زیادہ بلند مقام عطا کریں گے لہذا آپ امید رکھیے کہ تیرا پروردگار تجھ کو ایک پسندیدہ مقام میں کھڑا کرے گا مقام محمود کے معنی مقام عزت کے ہیں۔

احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے کہ آیت میں مقام محمود سے مقام شفاعت مراد ہے اور اسکو محمود اس لیے کہتے ہیں کہ اس مقام میں کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی عجیب و غریب حمد و ثناء کریں گے کہ جو کسی بشر کے دل پر نہیں گذری ہوگی اور پھر اس مقام میں تمام ائم اور اقوام عالم کے لیے شفاعت کریں گے تو تمام اولین اور آخرین آپ کی تعریف کریں گے جس کی مفصل کیفیت احادیث میں مذکور ہے۔

آیت میں لفظ عسیٰ امید دلانے کے لیے ہے اور درحقیقت وہ بشارت اور وعدہ ہے

نکتہ | کیونکہ کریم کا امید دلانے کے بعد محروم کرنا یہ موجب عار ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ وہ امید دلانے کے بعد پھر نہ دے۔

تہجد ابتداء اسلام میں سب پر فرض تھا بعد میں امت سے اسکی فرضیت منسوخ ہو گئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دو قول ہیں ایک قول تو یہ ہے کہ تہجد آپ کے حق میں خاص طور پر فرض رہا اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ پر فرض نہ رہا تھا اس لیے نافلة تک کے دو معنی بیان کیے گئے ایک یہ کہ تہجد خاص آپ کے لیے فرض زائد ہے دوم

یہ کہ تہجد خاص آپ کے لیے فضیلت زائدہ اور زیادتی مرتبہ کا موجب ہے۔

تلقین دعا، ہجرت و بشارت قیام حکومت

وَقُلْ رَبِّ ادْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ .. اِلَى رَاۤى الْبَاطِلَ كَاۡتَ زَهُوْقًا
گزشتہ آیت میں ————— مقام محمود یعنی مقام شفاعت کے وعدہ اور بشارت کا ذکر تھا جو آخرت سے متعلق ہے اب اس آیت میں دارِ کفر سے دارِ امان کی طرف ہجرت کی دعا تلقین فرماتے ہیں اور ایک دنیوی بشارت دیتے ہیں کہ ہجرت کے بعد اسلام کی شان یوں اُفیوفا بلند ہوگی اور عنقریب مکہ مکرمہ فتح ہوگا اور جزیرۃ العرب پر اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہو جائے گی حتیٰ ظاہر ہوگا اور باطل مٹ جائے گا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے بنیٰ آپ کفار مکہ کی عداوت سے پریشان نہ ہوں آپ تو یہ دعا مانگیں کہ اے میرے پروردگار داخل کر مجھ کو مقام صدق میں سچا داخل کرنا اور نکال مجھ کو دشمنوں کے نرغے سے سچا اور اچھا نکالنا یعنی مکہ سے اچھی طرح نکال اور اچھی طرح عزت کے ساتھ مدینہ میں داخل کر اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ عطا کر جو دین کے بارے میں میرا معین و مددگار ہو مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں میری اعانت اور امداد کر کہ یہاں سے نکلے وقت اور دوسری جگہ داخل ہونے کے وقت بھی یعنی اس شہر سے مجھ کو آبرو کے ساتھ نکال اور کسی جگہ مجھ کو آبرو سے ٹھہرا دے اور ایسی حکومت اور ایسی سلطنت عطا فرما جو تیرے دین میں مدد دینے والی ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی مکہ سے اس خیر و خوبی اور خوش اسلوبی اور عزت و آبرو کے ساتھ آپ کو نکالا کہ دشمن دیکھتے ہی رہ گئے اور پھر نہایت عزت و آبرو کے ساتھ آپ کو مدینہ پہنچایا جہاں سے حق کا بول بالا ہوا اور مدینہ کے لوگ آپ کے انصار اور یار و مددگار بنے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور اسلام کی حکومت اور سلطنت قائم ہوئی اور دعا و اجعل لی مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا کا ظہور ہوا۔

اور اے بنیٰ! جب مکہ فتح ہو جائے اور اللہ کی فتح اور نصرت اور من جانب اللہ سلطان نصیرا کو آپ دیکھ لیں تو اس وقت یہ کہنا آگیا حق اور صدق یعنی دین اسلام اور نابود ہوا دین باطل یعنی کفر اور شرک سر زمین عرب سے دم دبا کر بھاگ نکلا اور بے شک وہ تو تھا ہی مٹنے والا باطل کو اگرچہ کسی وقت میں دولت و صولت حاصل ہو جائے تو وہ چند روزہ ہے جیسے کوڑا کرکٹ بظاہر اگرچہ پانی کے اوپر نظر آتے تو اس کا اعتبار نہیں وہ عارضی ہے جامع ترمذی میں ادخلنی اور اخرجنی کی تفسیر ہجرت کے ساتھ آئی ہے اور قُلْ جَاءَ الْحَقُّ سے فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فتح مکہ کے دن جب آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو تین سو ساٹھ بُت اس کے اندر

رکھے ہوئے تھے ہر قوم کا الگ بت تھا آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے بتوں کو کوچہ دیتے جاتے تھے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا۔ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ (حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی والی چیز ہے) اور آئندہ نہ باطل ابتداءً پیدا ہوگا اور نہ لوٹے گا۔

آپ یہ پڑھتے جاتے تھے اور بت منہ کے بل اوندھا ہونا جاتا تھا حق جل شانہ نے باطل کی مغلوبی اور سرنگونی لوگوں کو پچشم سر مشاہدہ کرادی اور غلبہ حق کی جو پیش گوئی کی تھی اسکا نظارہ کرادیا حضرت عائشہ صدیقہؓ سے آیت کریمہ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مَخْرَجَ صِدْقٍ کی تفسیر میں منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ معظمہ سے نکال کر باعزاز واکرام مدینہ طیبہ پہنچایا نیز قتادہؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حدود اور احکام شریعت بدون قوت اور سلطنت اور امارت محفوظ نہیں رہ سکتے تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی۔

حکومت اور امارت اعزاز الہی ہے جو اس نے بندوں کو عطا کیا ہے اور اگر حکومت اور امارت نہ ہوتی تو بعض لوگ بعض کو تباہ و برباد کر دیتے اور قوی ضعیف کو ہلاک کر دیتا حسن بصریؒ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ملک فارس اور روم کافروں سے چھین کر تم کو دیں گے ان دعاؤں کی تلقین سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و بشارت دینا ہے کہ آپ کفار و فجار کی ستم رانیوں سے گھبراتیں نہیں یہ باطل کا چند روزہ غلط ہے بالآخر دین حق غالب و سر بلند ہو کر رہے گا اور کفر ذلیل و خوار و سرنگوں ہوگا اور اے کافرو! تمہاری تدبیریں کار آمد نہ ہوں گی لہذا اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو کفر و عناد کو چھوڑ دو اور طبیب روحانی یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو نسخہ شفاء یعنی (قرآن کریم) تمہارے لیے لے کر آئے ہیں اس کا استعمال کرو اور دیکھو کہ ہم نازل کرتے ہیں قرآن مجید سے وہ چیز کہ جو امراض باطنی کے لیے شفاء ہے جس سے دل کے شکوک و شبہات دور ہوتے ہیں اس کے ماننے والوں کے لیے اور پھر اس کا استعمال کرنے والوں کے لیے رحمت ہے کہ اس نسخہ شفاء کو پیتے ہی چنگے ہو گئے اور دلوں کی

مملہ اشارہ اس طرف ہے کہ من القرآن کا من بیان ہے ماہو شفاء کا بیان مقدم ہے اہتمام کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ میں طویل تھا اس لیے بیان کو مبین پر مقدم کر دیا گیا اور مطلب یہ ہے کہ سارا ہی قرآن شفاء ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ من تبعیض کے لیے ہے اور تبعیض کا یہ مطلب نہیں کہ بعض قرآن شفاء ہے اور بعض شفاء نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن کا نزول تدریجاً ہو رہا ہے لہذا جس قدر حصہ نازل ہوا وہ بلاشبہ شفاء ہے اس اعتبار سے من بیانہ اور من تبعیضیہ کا مال ایک ہو جائے گا باعتبار معنی کے دونوں میں کوئی فرق نہ رہے گا (دیکھو حاشیہ تنوی علی التفسیر البیضاوی ص ۸۱)

ساری بیماریاں دور ہو گئیں اور سارے شک و شبہ مٹ گئے اور نہیں زیادتی کرتا یہ قرآن ان ظالموں کے حق میں سوائے خسارہ اور نقصان کے کسی اور چیز کو چونکہ تمرد اور عناد میں مبتلا ہیں اس لیے قرآن سن کر جوش عداوت میں آجاتے ہیں اور استہزاء اور تمسخر پراثر آتے ہیں لہذا بجائے رحمت کے لعنت اور بجائے شفاء کے مرض پیدا ہوتا ہے **فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا**۔

اب آئندہ آیت میں اس خسارہ کا سبب بیان کرتے ہیں کہ انسان مال و منال اور جاہ و جلال کی محبت میں غرق ہے تکبر اور قسادت قلبی کی بیماری میں مبتلا ہے اور منعم حقیقی سے بے تعلق ہو گیا ہے اس لیے کوئی دوا اسکے حق میں کارگر نہیں ہوتی چنانچہ فرماتے ہیں۔

اور یہ قرآن جو شفاء اور رحمت کا سبب تھا وہ مرض اور خسارہ کا سبب کیسے بنا اسکی وجہ یہ ہے کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں یعنی صحت اور مال دیتے ہیں تاکہ وہ ہماری دی ہوئی نعمت کو ہمارے قرب اور رضا کا ذریعہ بنائے تو وہ بجائے قریب ہونے کے ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور اپنا پہلو ہم سے دور کر لیتا ہے یعنی نعمت ملنے کے بعد منعم حقیقی سے پہلو تہی اور کنارہ کشی اختیار کرتا ہے یہ کنایہ تکبر سے ہے اور جب اسکو کوئی تکلیف اور سختی پہنچتی ہے یعنی زمانہ کے حوادث اور مصائب میں سے کوئی چیز اسکو لاحق ہوتی ہے تو وہ بالکل مایوس (ناامید) ہو جاتا ہے کہ اب اسکو کوئی خیر اور بھلائی نہیں ملے گی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر آدمی کو نعمت اور دولت ملتی ہے تو وہ اس پر مغرور ہو کر منعم حقیقی کو یعنی خدا تعالیٰ کو بالکل بھول جاتا ہے اور اگر دنیا سے محروم ہوا تو اس پر غم اور افسوس چھا جاتا ہے اور خدا کی رحمت سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے پس جو دنیا کا ایسا شیدائی اور فداقی ہو گیا وہ قرآن کی نعمت اور رحمت کو کیا جانے اور کیا سمجھے ان بندگان شکم کے حق میں قرآن جیسے نسخہ شفاء کے اسرار و حکم عبث ہیں آپ کہہ دیجیے کہ یہ قرآن گو تمہارے نزدیک عبث ہو مگر ہمارے نزدیک عبث نہیں ازلی سعادت اور شقاوت کے ظہور کا ذریعہ ہے اس لیے کہ ہر ایک اپنی طبیعت اور فطرت اور روحانی مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے شکر کرنے والا اور کفر کرنے والا جو بھی عمل کرتا ہے وہ عمل اسکی روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہم نے اپنی حکمت سے مخلوق کو مختلف الانواع بنایا کسی کی فطرت میں نیکی و ولایت رکھی اور کسی کی فطرت میں برائی رکھی ہر ایک اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے پس قرآن کے ماننے نہ ماننے سے انسان کی اس پوشیدہ استعداد اور صلاحیت کا ظہور ہو جاتا ہے اس سے اگر اعمال خیر کا صدور ہوا تو دنیا نے سمجھ لیا کہ یہ نیک جبلت ہے اور اگر اس سے اعمال شر کا صدور ہوا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ شخص بدجبلت ہے باقی تمہارا پروردگار پہلے ہی سے خوب جانتا ہے کہ ان دونوں فریق میں سے کون زیادہ ٹھیک راہ پر جا رہا ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہمیں تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے یہ قرآن ہم نے تم پر الزام

جنت کے لیے نازل کیا ہے جیسا عمل کرو گے اسکے مطابق تم کو جزا دے گا قال اللہ تعالیٰ وَقُلْ
لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عَامِلُونَ وَانْتَظِرُوا اِنَّا مُنْتَظِرُونَ
پس جب معلوم ہو گیا کہ خیر و شر کا مبداء اور نشار انسان میں اسکی روح اور اسکی فطرت اور جبلت
ہے جسم سے روح کے مطابق اعمال سرزد ہوتے ہیں اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق
سوال کا ذکر کرتے ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ

اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو تو کہہ روح ہے میرے رب

رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝۸۵ وَلَئِنْ

کے حکم سے اور تم کو خبر دی ہے تھوڑی سی اور اگر ہم

شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ

چاہیں لے جاویں جو چیز تم کو وحی بھیجی، پھر تو نہ پاوے اسکے

بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا ۝۸۶ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۖ إِنَّ فَضْلَهُ

لا دینے کو ہم پر کوئی ذمہ لینے والا مگر ہر بانی سے تیرے رب کی اسکی بخشش تجھ پر

كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ۝۸۷

بڑی ہے

ظالموں کے ایک معاندانہ سوال کا جواب

قال اللہ تعالیٰ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ... اِنِّیْ ... اِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا
(ربط) گزشتہ آیت وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا میں جن ظالموں کی عداوت کا ذکر فرمایا یہ ظالم
قرآن عظیم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر طرح طرح کی نکتہ چینی کرتے تھے ازاں جملہ یہ ہے کہ
ایک بار قریش نے باہم فیصلہ اور مشورہ کیا کہ یہود اہل علم اور اہل کتاب ہیں ان سے دریافت کر کے
کوئی بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی پوچھنی ہے کہ جس کا جواب آپ سے نہ بن سکے چنانچہ

قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لئے کچھ لوگوں کو مدینہ بھیجا انہوں نے مشرکین سے کہلا بھیجا کہ وہ آپ سے تین باتیں پوچھیں ۔

(۱) روح کی بابت سوال کرو۔

(۲) اصحاب کہف کا حال دریافت کرو کہ وہ کون تھے اور کیوں غائب ہو گئے ۔

(۳) ذوالقرنین کا حال پوچھو کہ وہ کون تھا اور کہاں گیا اور اس نے کیا کیا ؟

اور یہود نے کہلا بھیجا کہ آپ سے تین باتیں پوچھیں پس اگر آپ ان سب باتوں کا جواب دیں یا ان میں سے کسی کا بھی جواب نہ دیں تو آپ نبی نہیں اور اگر آپ ان سب باتوں کا جواب دیں اور تیسری بات (روح کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں کیونکہ روح کی کیفیت کسی آسمانی کتاب میں مذکور نہیں اور توریت میں ہے کہ روح کی حقیقت سولتے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں پس اگر آپ روح کی حقیقت نہ بیان کریں تو سمجھ لو کہ آپ نبی ہیں ۔

چنانچہ ان لوگوں نے مکہ واپس آکر آپ سے یہ سوالات کیے ایک سوال روح کا کیا کہ وہ کیا ہے اس سوال کا جواب تو اس آیت میں مذکور ہے اور باقی دونوں سوالوں کے جواب دوسرے مقام پر مذکور ہیں۔ آیت کا یہ شان نزول مذکورہ سطور بالا ابن عباسؓ سے منقول ہے اور یہی قرین قیاس ہے کیونکہ یہ تمام سورت مکی ہے اور مکہ ہی میں اتری اور بخاری کی بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال یہود نے مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کے لئے کیا اس قول کی بناء پر یہ آیت مدنی ہوگی اسی وجہ سے اس آیت کے مکی اور مدنی ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مکرر ہو پہلی بار قریش کے سوال پر آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور پھر جب یہود نے مدینہ میں آپ سے روح کے متعلق سوال کیا تو یہ آیت دوبارہ مدینہ میں یہود کے سوال پر نازل ہوئی۔

رابطہ دیگر گزشتہ آیت میں بطور تہدید مشرکین کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا تھا قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عِندَ رَبِّهِ شَاكِلًا اے نبی کریم! آپ ان ظالموں سے بطور تہدید کہہ دیجئے کہ ہر ایک شخص خواہ وہ سچا ہو یا شقی اپنی فطرت اور جبلت کے مطابق عمل کرتا ہے جو اسکی جوہر روح کے ہم شکل ہوتا ہے ہر شخص کا عمل اور ہر جسم کا ہر فعل اسکی روح اور اس کے روحانی مزاج اور طبیعت کے مشاغل اور مماثل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کو تمہاری سعادت اور شقاوت کا پہلے ہی سے علم ہے قرآن کریم کو تم پر اتمام حجت کے لیے اور تمہاری روح میں جو صلاحیت اور استعداد پوشیدہ ہے اس کے اظہار کے لیے نازل کیا ہے کہ جس نے قرآن کی ہدایت کو قبول کیا اور اس نسخہ شفا کو استعمال کیا معلوم ہوا کہ اسکی روح سچا ہے اور جس نے اس نسخہ شفا سے منہ موڑا وہ شقی ہے اللہ نے جس فطرت اور جبلت پر تم کو پیدا کیا ہے وہ پہلے ہی تم سے خوب آگاہ ہے تم اگر اپنی سعادت و شقاوت کو جاننا چاہتے ہو تو اس کا معیار یہ نسخہ شفا اور نسخہ ہدایت ہے اور خوب سمجھ

لو کہ یہ قرآن کی کیا سعادت ہے اس لیے آئندہ آیت میں روح کے متعلق سوال کا ذکر فرماتے ہیں۔

اے نبی! یہ لوگ آپ سے استمنا روح انسانی کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ اسکی حقیقت اور کنہ کیا ہے جس سے انسان کی ذلیلت متعلق ہے سو آپ انکے جواب میں کہہ دیجئے کہ تمہارے لیے اجمالی طور پر اتنا جان لینا کافی ہے کہ روح ایک خاص چیز ہے کہ جو میرے پروردگار کے حکم سے پیدا ہوتی ہے جب اسکے حکم سے بدن میں جان ڈالی جاتی ہے تو بدن جی اٹھتا ہے اور جب اسکے حکم سے نکال لی جاتی ہے تو مر جاتا ہے اور باقی اسکی مفصل حقیقت اور اصل کنہ اور ماہیت کی معرفت کا تو خیال بھی نہ کرنا اس لیے کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے صرف چند چیزوں کی چند صفات اور چند کیفیات کا تھوڑا سا علم بقدر ضرورت اور بطور عاریت چند روز کے لیے تم کو دیا گیا ہے اور اکثر چیزوں کا علم تم سے مخفی رکھا گیا ہے جہاں نہ تمہارے حواس ظاہرہ کی رسائی ہے اور نہ حواس باطنہ کی پس روح کو بھی اسی کثیر یعنی ان ہی بے شمار چیزوں میں داخل کر لو جن کا تم کو بالکل علم نہیں تمہارا مبلغ علم صرف اتنا ہے کہ تم حق تعالیٰ کے عطا کردہ حواس سے کچھ شدہ بدھ حاصل کر لیتے ہو باقی اصل حقیقت اور کنہ تمہیں کسی چیز کی بھی معلوم نہیں صرف چند مادی چیزوں کے صفات اور چند کیفیات کا تم کو کچھ علم حاصل ہوا ہے جس پر فلاسفہ اور سائنس دان اترارہے ہیں فَرَحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ :

اور یہ نہیں سمجھتے کہ یہ تھوڑا بہت علم جو ان کو ملا ہے وہ بطور عاریت ہے جس طرح انسان کا نفس وجود اسکا ذاتی نہیں بلکہ من جانب اللہ لباس عاریت ہے اسی طرح انسان کا علم اور ادراک بھی اسکا ذاتی نہیں بلکہ وجود کی طرح چند روزہ عاریت ہے اور تنبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھول چوک ساتھ لگا دی ہے تاکہ یہ نادان انسان اپنے آپ کو اس علم و ادراک کا مالک نہ سمجھے ۔

حضرت امام قرطبی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ روح کے علم کو انسان سے پوشیدہ رکھا کہ انسان کو اپنا عاجز اور قاصر ہونا معلوم ہو جائے کہ میں اس درجہ قاصر ہوں کہ اپنی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکتا اور اپنی روح کو بھی نہیں جان سکا جس سے میری زندگی ہے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو خداوند دو جہاں کو کیسے سمجھ سکتا ہے ۔

(تفسیر قرطبی ص ۴۲۲ جلد ۱۰)

حق تعالیٰ نے انسان کو قلیل علم اور معرفت سے سرفراز فرمایا مگر اس کو خود اپنی حقیقت کی معرفت سے محروم کر دیا ۔

خلاصہ کلام یہ کہ روح عالم امر کی ایک خاص چیز ہے جو تمہاری عقل اور ادراک سے بالا ہے تم کو جو علم دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے اس علم قلیل کے ذریعہ سے تم دنیا کی چند چیزوں کو کچھ سمجھ لیتے ہو عالم آخرت اور عالم غیب کی چیزوں کو کیا جانو اور کیا سمجھو یَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ

غَافِلُونَ تمہارے علم کا حال تو یہ ہے کہ تم پانی اور خاک کی حقیقت سے بھی واقف نہیں تم روح اور جان کو کیا جانو روح کے متعلق خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ نے جتنا بتلا دیا اتنا جان سکتے ہو اس سے زائد کچھ نہیں جان سکتے۔

نہ ہر جاتے مرکب تو ان ناختم : کہ جاہا سپر باید انداختن
انسان اپنی عقل اور فکر سے فقط اشیاء کے وجود کو معلوم کر سکتا ہے خواہ وہ اشیاء محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر انکی کنہ اور اصل حقیقت کو نہیں جان سکتا کہ آگ اور پانی موجود ہے مگر انکی اصل حقیقت نہیں بتلا سکتا کہ وہ کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اسکے کچھ اوصاف بتلا دے گا اور اگر وہ شے مرکب ہوئی تو اسکے کچھ اجزاء کی تشریح کر دے گا اور اپنا اندازہ اور تخمینہ بتلا دے گا مگر ان اجزاء کی پوری حقیقت اور اصل ماہیت اور انکی پوری کمیّت اور پوری کیفیت نہیں بیان کر سکے گا انسان صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ پانی میں آکسیجن اور ہائیڈروجن ہے مگر جب اس سے یہ پوچھو کہ آکسیجن اور ہائیڈروجن کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے تو نہیں بتلا سکے گا فلاسفہ جدید و قدیم جو سماعت اور بصارت اور فہم و فراست اور جہالت و حماقت کے وجود کے بلا اختلاف قائل ہیں مگر سماعت اور بصارت کی حقیقت اور کیفیت کے بیان کرنے میں حیران و سرگردان ہیں اور فہم و فراست اور جہالت اور حماقت کی حقیقت بتلانے سے عاجز اور درماندہ ہیں آج تک کوئی بڑے سے بڑا حکیم اور فلسفی اور کوئی بڑے سے بڑا سائنس دان یہ نہیں بتلا سکتا کہ فہم و فراست اور جہالت و حماقت کی اصل حقیقت اور اسکی کنہ اور ماہیت کیا ہے پس جب کہ انسان ان چیزوں کی حقیقت نہیں بتا سکتا کہ جو روزمرہ اسکے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی رہتی ہیں تو اسی طرح یہ بھی سمجھو کہ انسان اپنی عقل سے روح کے وجود کو تو معلوم کر سکتا ہے مگر اسکی حقیقت کو معلوم نہیں کر سکتا اور کسی شے کے وجود کا محض اس لیے انکار کر دینا کہ ہمیں اسکی حقیقت معلوم نہیں ہوتی یا ہم نے اپنی آنکھوں سے اسکا مشاہدہ نہیں کیا کھلی ہوئی بے عقلی اور نادانی ہے ابتداء آفرینش عالم سے لے کر اب تک عالم کے کل عقلا نے مجموعی طور پر جن چیزوں کو جانا ہے وہ محدود ہیں اور نہایت محدود ہیں اور جن چیزوں کو نہیں جانا اور نہیں پہچانا وہ غیر محدود اور لامتناہی ہیں اور محدود کو غیر محدود سے وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے اس لیے کہ سمندر خواہ کتنا ہی وسیع ہو مگر بہر حال محدود اور متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا علم غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادرؒ موضح القرآن میں فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آزمانے کو ہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے کھول کر نہ بتایا کیونکہ ان میں سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا آگے بھی پیغمبروں نے خلق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں اتنا جاننا کافی ہے اور بس ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آپڑی اور وہ جی اٹھا جب نکل گئی وہ مر گیا (انتہی)

صرف اتنی بات تو قطعی اور یقینی ہے کہ روح ایک چیز ہے کہ جو بدن میں آگئی تو بدن زندہ ہو گیا

اور جب بدن سے نکل گئی تو مردہ ہو گیا اس کے سوا سب باتیں ظنی ہیں غرض یہ کہ روح ایک حقیقت نورانیہ اور واقعہ ہے مگر محسوس نہیں اور اس کے غیر محسوس ہونے سے اس کا عدم لازم نہیں آتا ایتھر وغیرہ بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو حواس سے محسوس نہیں ہوتیں مگر انکے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا اسی طرح روح بلاشبہ ایک حقیقت واقعہ ہے اگرچہ وہ ہم کو محسوس نہیں اسکا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کسی بندہ کو اللہ نے اسکا پورا علم نہیں دیا اور آیت کے ختم پر یہ فرمانا کہ تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے یہ خطاب تمام مخلوق کو ہے۔

اس آیت میں تمام عالم کے علم کو جو قلیل فرمایا وہ بہ نسبت علم الہی کے فرمایا کہ
فائدہ جلیلہ بمقابلہ علم الہی بہت ہی قلیل ہے اور دوسری آیت میں جو کتاب اور حکمت کے علم کو خیر کثیر فرمایا وہ بندوں کے اعتبار سے فرمایا کہ بہ نسبت متاع دنیا علم حکمت خیر کثیر ہے کتاب و حکمت کا علم اگرچہ قلیل ہو مگر وہ بھی خیر کثیر ہے اس آیت میں کثیر خیر کی صفت ہے نہ کہ علم کی لہذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

آیت کا آغاز سوال سے فرمایا اشارہ اس طرف ہے کہ یہ لوگ ازراہ تعنت و عناد غیر
نکتہ ضروری مسائل میں آپ سے جھگڑتے ہیں اور نسخہ شفاء (قرآن کریم) جو روح ہدایت ہے اس سے حیات اور زندگی حاصل نہیں کرتے۔

اقوال حکماء و علماء در بارہ روح

روح انسانی کی ماہیت میں عقلاء کے درمیان اختلاف ہے کیونکہ آدمی جب مرجاتا ہے تو اس میں سے سوائے خون کے کوئی چیز کم نہیں ہوتی اور بعض کا قول یہ ہے کہ وہ سانس کا نام ہے کیونکہ سانس کے رک جانے سے آدمی مرجاتا ہے اور اطباء یہ کہتے ہیں کہ خون کے بخارات لطیفہ کا نام روح ہے اور یورپ کے فلاسفہ کا یہ قول ہے کہ روح ایک لطیف بھاپ اور اسٹیم کا نام ہے جس سے جسم کی تمام کلیں چلتی رہتی ہیں جب یہ بھاپ بننا بند ہو جاتی ہے تو آدمی مرجاتا ہے۔

اور حضرات متکلمین اور اولیاء و عارفین یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جسم نورانی اور لطیف کا نام ہے جو تمام بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے عرق گلاب گلاب کے پتوں میں اور جیسے پانی درخت کی رگوں میں جب تک اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے باقی رہتا ہے اس وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور جب اس جسم لطیف کا تعلق بدن سے منقطع ہو جائے تو اس کا نام موت ہے امام الحرمینؒ اور امام رازیؒ کے نزدیک یہی مختار ہے۔

پس یہ روح انسان ایک جسم لطیف اور دومی ہے اور عالم امر کی ایک چیز ہے جو ساعت اور

مقدار سے بری ہے اور روح حیوانی ایک بخار لطیف کا نام ہے جو اس روح انسانی کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ جسم نورانی لطیف، صورت ظاہرہ اور اعضاء ظاہری میں جسم ظاہری کثیف کا شریک ہے جسم لطیف اپنے اعضاء کے ذریعہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور جب اس جسم لطیف نورانی کا اس جسم ظاہری اور حسی سے تعلق منقطع ہو جاتا ہے تو یہ جسم نورانی عالم ملکوت کی طرف چلا جاتا ہے جہاں سے آیا تھا وہیں واپس ہو جاتا ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک روح حیوانی اور ایک روح انسانی، روح حیوانی اس بخار لطیف کا نام ہے جو اخلط الاربعہ خون اور بلغم اور صفراء اور سودا سے پیدا ہونا ہے اور ان چاروں کی چار اصلیں ہیں آگ، پانی، خاک، ہوا اور علم طب میں اسی روح سے بحث ہوتی ہے کیونکہ مزاج اور طبیعت کا اعتدال اسی سے وابستہ ہے گرمی اور سردی اور خشکی اور تراری کی کمی زیادتی کی وجہ سے مزاج میں تغیر آتا ہے اور یہ روح حیوانی عالم سفلی سے ہے اور جنس حیوانی سے ہے جس کی حقیقت ایک ہوائے لطیف اور بخار لطیف ہے اور روح انسانی وہ ایک نورانی اور لطیف شے ہے جو اس عالم سفلی سے نہیں بلکہ عالم علوی سے ہے اور فرشتوں کی جنس سے ہے اور یہ عالم اس کے لیے ایک مسافر خانہ ہے اور روح حیوانی اس کے لیے بمنزلہ سواری کے ہے اور یہ روح انسانی عالم آخرت سے سفر کر کے اس عالم دنیا میں اس لیے آتی ہے تاکہ یہاں آکر تجارت کرے اور ہدایت حاصل کرے اور آخرت کیلئے توشہ لے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَاِمَّا يَنْتَحِبُكُمْ مِّنْهَا فَاِذْ هُمْ يَنْتَحِبُونَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

خلاصہ کلام یہ کہ جس قدر علم تم کو دیا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے روح کی حقیقت اور ماہیت کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں اور پھر وہ قلیل علم جو ہم نے تم کو عطا کیا ہے اس کے متعلق ہم کو اختیار ہے کہ جب چاہیں تو وہ قلیل علم بھی تم سے واپس لے لیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے ہمارے رسول! ہم نے جس قدر علم آپ کو دیا وہ ہمارا فضل اور احسان ہے اگر ہم چاہیں تو وہ علم بھی واپس لے لیں جو ہم نے بدرجہ وحی آپ کو عطا کیا ہے یعنی جو قرآن ہم نے آپ پر وحی کیا ہے سو ہم اس پر قادر ہیں کہ اس کو آپ کے سینے سے ایسا محو کر دیں کہ آپ کو اس کا ایک حرف بھی یاد نہ رہے اور لوگوں کے سینوں سے بھی قرآن نکال دیں اور کاغذوں سے مٹا دیں جو خدا سینہ میں علم پہنچا سکتا ہے وہی خدا سینہ سے اس علم کو نکال بھی سکتا ہے جس طرح دینا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اس کے اختیار میں ہے تو آپ ہمارے لے جانے کے بعد اس کے واپس لانے کے لیے کوئی کار ساز نہ پائیں گے کہ کوئی دوبارہ اس قرآن کو سینوں میں اور مصاحف میں واپس لے آئے مگر تیرے پروردگار نے اپنی مہربانی سے اس علم کو تیرے پاس باقی رکھا اور اپنے عطا کیے ہوئے علم کو تجھ سے واپس نہیں لیا یعنی اگر ہم چاہتے تو اس قرآن کو واپس لے جاتے مگر مقتضائے فضل و کرم ایسا نہیں کرتے یا یہ معنی ہیں مگر یہ کہ اللہ تجھ پر

رحم کرے اور سلب اور محو کرنے کے بعد وہ علم دوبارہ آپ کو واپس کر دے اور بذریعہ وحی جدید کے وہ علم پھر آپ کو دوبارہ عطا کر دے معلوم ہوا کہ علم کی عطا اور پھر اسکی بقا یہ سب اللہ کے فضل اور اسکی رحمت سے ہے بے شک اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے کہ اس کے فضل سے یہ قرآن آپ پر نازل ہوا اور اسی نے اپنے فضل سے اس قرآن کو آپ کے سینہ میں باقی رکھا منجانب اللہ اس قرآن عظیم کا آنا یہ بھی اس کا فضل ہے اور آپ کے سینہ میں بلا کم و کاست محفوظ رہنا یہ بھی اس کا فضل ہے۔ ان آیات میں خطاب اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن مقصود لوگوں کو سنانا ہے کہ اے لوگو اس قرآن کو اللہ کی نعمت جانو اور اس پر عمل کرو اور اس نعمت کی ناقدری نہ کرو ورنہ خوب سمجھ لو کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اس نعمت کو تم سے واپس لے لیں چنانچہ جب دنیا میں گمراہی عام ہو جاتے تو ہم اس قرآن کو اٹھا لیں گے اور قیامت قائم کر دیں گے۔

لطائف و معارف بہلی معرفت

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں اس ظاہری جسم اور اس مادی بدن کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے جس کا نام رُوح ہے جو اللہ کے حکم سے فائض ہوتی ہے جس سے ہم زندہ ہیں اور وہ ہم کو نظر نہیں آتی۔ دنیا میں عقلاء کا ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ رُوح فقط ایک لطیف بھاپ کا نام ہے کہ جس کے زور سے ذی رُوح بدن کی تمام کلیں چل رہی ہیں جب یہ بھاپ ختم ہو جاتی ہے تو تمام کلیں بند ہو جاتی ہیں اور سب کام بگڑ جاتا ہے اسی کا نام موت ہے مرنے کے بعد پھر کوئی شے باقی نہیں رہتی اسی وجہ سے یورپ کے دھری لوگ اور مادی لوگ مرنے کے بعد کسی حساب و کتاب کے قائل نہیں اس لیے کہ مرنے کے بعد کوئی شے باقی ہی نہیں رہتی تو ثواب و عذاب کس پر ہوگا مگر یہ خیال غلط ہے اور اب یورپ میں بھی فلاسفہ کا ایک گروہ پیدا ہو گیا ہے جو اس غلطی کا اقرار کرتا ہے۔

(۱) تمام ادیان اور مذاہب اس پر متفق ہیں کہ انسان کے اندر جسم کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جس کو رُوح اور جان اور اوان کے لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں بچپن سے لے کر بڑھاپے تک جسم میں ہزاروں بلکہ لاکھوں تغیرات پیش آتے ہیں مگر وہ چیز جس کی وجہ سے یہ شخص بعینہ وہی شخص کہلاتا ہے جو پہلے تھا اس میں کوئی تغیر نہیں آتا طبی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہے کہ سات برس کے بعد جسم کے اجزاء اور ذرات ختم ہو جاتے ہیں اور نئے اجزاء اور ذرات پیدا ہو جاتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ جسم اور یہ بھاپ اور یہ لطیف بخاران میں سے کوئی چیز رُوح نہیں بلکہ رُوح حقیقی وہ چیز ہے کہ جو ابتداء پیدائش سے لے کر اخیر عمر تک یکساں رہتی ہے جس کو انسان انا اور میں سے تعبیر کرتا ہے اور یہ امر بدیہی ہے اور اہم ترین علم عقلاء کا

اتفاق ہے اور ظاہر ہے کہ عقلاء عالم کا اتفاق اور اجماع خود ایک مستقل دلیل ہے لہذا جو شخص روح کے وجود کا منکر ہے وہ عقلاء عالم و اجماع کا منکر ہے عقلاء عالم اگرچہ اب تک روح کی حقیقت اور کیفیت کے بتلانے سے قاصر رہے لیکن کسی شے کی حقیقت اور کیفیت کا جاننا اور چیز ہے دنیا کی ہزاروں بلکہ لاکھوں چیزیں ایسی نکلیں گی کہ دنیا انکی حقیقت اور کیفیت کے جاننے سے عاجز اور قاصر ہے مگر اصل شے کی قائل ہے۔ لہذا اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح وجود باری تعالیٰ کا اقرار ایک امر فطری ہے اسی طرح روح کے وجود کا اقرار بھی ایک امر فطری ہے۔

(۲) نیز چالیس سال کے بعد آدمی کے تمام اعضاء میں نقصان اور انحطاط شروع ہو جاتا ہے مگر عقلی قوت بڑھ جاتی ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس شے کے ساتھ قوت عقلی قائم ہے وہ کوئی جسمانی شے نہیں۔ (۳) نیز خواب کی حالت میں تمام جسمانی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں قوت سامعہ اور قوت باصرہ اور قوت شامہ وغیرہ وغیرہ یہ تمام قوتیں نیند کی حالت میں بے کار ہو جاتی ہیں لیکن نیند کی حالت میں روحانی قوتوں میں اور اضافہ ہو جاتا ہے خواب میں انسان کو عجیب و غریب انکشافات ہوتے ہیں اور دوسرے عالم کی چیزوں پر مطلع ہوتا ہے پس جو چیز ان جسمانی قوتوں کے معطل ہو جانے کے بعد قوی اور تیز ہو جاتی ہے اور دوسرے عالم کی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے وہی روح ہے۔

(۴) نیز انسان بسا اوقات اپنے اعضاء کو اپنی طرف مضاف کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ میرا سر اور میرا دماغ اور میرا بدن اور میرا پیر وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ انسان کی حقیقت ان اعضاء کے سوا ہے اس لیے کہ مضاف الیہ مضاف کے سوا ہوتا ہے بسا اوقات انسان یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا پس اگر اس لفظ میں، کا مصداق بھی اعضاء اور جوارح ہوتے تو لازم آتا کہ ہاتھ اور پیر کٹ جانے کے بعد انسان انسان نہ رہے معلوم ہوا کہ اس لفظ میں، کا مصداق اس جسم ظاہری کے علاوہ کوئی اور شے ہے اور وہی روح ہے۔

(۵) نیز انسان بسا اوقات کسی کام میں ایسا منہمک ہوتا ہے کہ اس وقت وہ اپنے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء سے بالکل غافل ہو جاتا ہے لیکن اس حالت میں وہ اپنی حقیقت سے غافل نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ اس حالت میں یہ کہتا ہے کہ میں نے یہ کیا اور یہ دیکھا اور یہ سنا تو معلوم ہوا کہ آدمی کی حقیقت ان اعضاء اور جوارح کے سوا کوئی اور چیز ہے اور وہی روح ہے۔

(۶) انسان کے شعور و ادراک اور کمال کی کوئی حد نہیں اور جسم اور عالم جسمانی سب محدود ہے معلوم ہوا کہ اس غیر محدود شعور کا تعلق کسی جسمانی چیز سے نہیں اس لیے کہ اگر ادراک اور شعور کا تعلق اس جسم سے محسوس ہوتا تو بقدر اس کے طول اور عرض اور عمق کے ہوتا یہ غیر محدود علوم اور ادراکات اس محدود جسم میں کیسے سما گتے۔

(۷) جو شخص بھی جسم پر غور کرے گا اس پر یہ بات بالبداہت منکشف ہو جائے گی کہ جسم میں جو

چیز بھی ہے وہ کسی دوسری چیز کے لیے آلہ اور وسیلہ ہے خود مقصود نہیں پس جو چیز ان آلات کو استعمال کرنے والی ہو وہ جسم کے علاوہ کوئی اور شے ہے انسان کے تمام اعضاء ظاہرہ بمنزلہ آئینہ کے ہیں اور دیکھنے والا کوئی اور ہے۔

(۸) نیز ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بسا اوقات خالص امور معنویہ اور عقلیہ کا ادراک کرتا ہے جیسے اجتماع نقیضین اور ارتفاع نقیضین اور اس ادراک میں وہ حواس ظاہرہ کا مطلق محتاج نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ جسم انسانی میں کوئی شے ایسی ضرور ہے جو اس ظاہری جسم کے علاوہ ہے۔

(۹) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُزَكُّونَ: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے بعد شہید زندہ ہے اسکو مردہ کہنا جائز نہیں حالانکہ جسم مردہ ہے معلوم ہوا کہ یہ جسم ظاہری انسان کی حقیقت نہیں۔

(۱۰) آیت قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ انسان مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جاتا ہے اور جنت اور جہنم پر پیش کیا جاتا ہے حالانکہ ان تمام حالات میں جسم انسانی مردہ ہوتا ہے معلوم ہوا کہ انسان اس جسم کے علاوہ کوئی دوسری حقیقت ہے۔

بعض جاہل مدعیان فلسفہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو مردہ کے منہ سے کوئی شے نکلتی ہوئی نہیں دیکھتے روح اگر کوئی چیز ہوتی تو نکلتے ہوتے ہم کو دکھائی دیتی اور محسوس ہوتی۔

اس کا یہ ہے کہ روح کا محسوس نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہو سکتا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ لطافت کی وجہ سے محسوس نہ ہوتی ہو جیسے ہوا اور ایتھر جس کے علماء طبعیات بھی قائل ہیں اور فرشتہ بھی اللہ کی ایک لطیف اور نورانی مخلوق ہے اللہ نے اس کو قوت اور طاقت دی ہے کہ وہ جسم انسانی میں سے اس لطیف چیز (یعنی روح) کو خدا داد قوت سے نکال لے۔

خلاصہ کلام یہ کہ روح اس جسم کا نام نہیں بلکہ اس کے علاوہ ایک اور حقیقت ہے جو اس جسم میں مستور اور مخفی ہے اور اس جسم ظاہری کیلئے مدبر اور حاکم ہے اور یہ جسم اس کے لیے بمنزلہ سواہی کے ہے پس اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ میری حقیقت محض یہ ظاہری جسم ہی ہے تو اسکی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی گدھے پر سوار ہو کر یہ سمجھے کہ میری حقیقت صرف یہی گدھا ہے جس پر میں سوار ہوں سوا اسکا علاج کسی کے پاس نہیں۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ روح ایک جسم لطیف اور صاف و شفاف کا نام ہے جو بدن میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح کوتلہ میں آگ اور سبز شاخ میں پانی سرایت کیے ہوئے ہوتا ہے۔

اور براہ بن عازب کی ایک حدیث میں ہے جو مسند احمد اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ ملائکہ الموت اچھے لوگوں کی روح کو جنت کے کپڑوں میں لپیٹ کر آسمان پر لے جاتے ہیں اور بُرے لوگوں کی روح کو ٹاٹ کے کفن میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں اس قسم کی بے شمار احادیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے اور نورانی ہے کیونکہ کپڑوں میں لپیٹنا یہ شانِ جسم سے ہے۔

امام رازی قدس اللہ سرہ نے تفسیر کبیر ص ۴۵۱ جلد ۵ میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہی قول قوی ہے اور کتب الہیہ کے بہت زیادہ قریب اور مطابق ہے اور یہی حضرات مکملین کا قول ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف نورانی اور علوی ہے اور زندہ ہے اور متحرک بالارادہ ہے اور اسکی حقیقت اس جسم محسوس سے بالکل مختلف ہے یہ جسم کثیف آب و گل سے مرکب ہے اور تغیر و تبدل کی آماج گاہ ہے اور وہ جسم لطیف نورانی جو اس جسم کثیف کے اندر مستور ہے وہ کون و فساد اور تغیر و تبدل سے پاک ہے اور یہ جسم نورانی اس جسم محسوس میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جیسے بسز شاخ میں پانی اور کوئلہ میں آگ سرایت کیے ہوئے ہے اور تیل زیتون میں سرایت کیے ہوئے ہے اس جسم نورانی کا اس جسم کثیف کے ساتھ تعلق موجب حیات ہے اور اس سے علیحدگی اور بے تعلق موجب موت ہے اور اسی قول کو علامہ آلوسیؒ نے اختیار کیا اور فرمایا کہ یہی قول صحیح ہے اور اسی پر کتاب اور سنت اور اجماع صحابہ اور ادرہ عقلیہ اور فطریہ دلالت کرتے ہیں۔

(دیکھو روح المعانی ص ۴۴ جلد ۱۵)

اور حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں اس قول کو صحیح اور صواب بتلایا ہے کتاب الروح حقیقت میں عجیب کتاب ہے جس سے روح تازہ ہو جاتی ہے کہ روح ایک جسم لطیف نورانی کا نام ہے حضرات مکملین اور محدثین کا یہی مذہب ہے اور اکثر حکماء قدیم کے نزدیک روح جو ہر مجرد ہے اور حکماء کے نزدیک روح ایک عرض ہے۔

دوسری معرفت

روح اللہ کی مخلوق اور حادث ہے اس لیے کہ روح مربوط ہے اور جو مربوط ہے وہ مخلوق اور حادث ہے اور اسی پر تمام انبیاء و مرسلین کا اجماع ہے کہ روح مخلوق اور حادث ہے فلاسفہ میں سے افلاطون اس طرف گیلے ہے کہ روح قدیم ہے۔

تیسری معرفت

ارواح اپنی صفات اور کمالات کے اعتبار سے مختلف المراتب ہیں ایسے کہ رب اعلیٰ کی تربیت کے درجات مختلف ہیں اور قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي میں رب کی باتے متکلم کی طرف اضافت اس طرف مشیر ہے کہ روح نبوی رب اکرم کی تربیت کا مظہر اتم اور موجد اعظم ہے اور عجب نہیں کہ عرش اور سدرۃ المنتہیٰ تک سیر کرانے میں اشارہ اس طرف ہو کہ روح نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کمالات نبوت و رسالت کا سدرۃ المنتہیٰ ہے اس عروج حسی سے عروج معنوی کی طرف اشارہ ہو واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

بہر تھی معرفت

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح کے کمالات ذاتی نہیں بلکہ رب کریم کا عطیہ ہیں اور وہ کمالات محدود ہیں چنانچہ وَمَا أُوتِيتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا اس پر صراحت دلالت کرتا ہے کہ علم اللہ کا عطیہ ہے اور جو علم تم کو دیا گیا ہے وہ نہایت ہی قلیل اور محدود ہے اس لیے کہ لفظ قلیل کا مادہ بھی قلت پر دلالت کرتا ہے اور قلیل کی تنوین بھی تقلیل کے لیے ہے بندہ کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو جائے مگر اس کا علم اس کے جہل سے کبھی نہیں بڑھ سکتا اس لیے کہ انسان کا علم محدود اور تنہا ہی ہے اور جہل غیر محدود اور غیر تنہا ہی بالفعل ہے جن چیزوں کو انسان نہیں جانتا انکی کوئی حد اور شمار نہیں معلوم ہوا کہ انسان کا جہل اور اسکی لاعلمی غیر محدود اور غیر تنہا ہی ہے اور پھر انسان کو جن چند چیزوں کا علم ہوتا ہے وہ بھی فقط ان چیزوں کے چند ظاہری احوال اور چند صفات اور چند کیفیات کا علم ہوتا ہے مفصل حقیقت اور ماہیت کا اور پوری صفات اور تمام کیفیات کا وہاں بھی علم نہیں ہوتا بلکہ انسان جس چیز کے علم کا مدعی ہوتا ہے اس ایک چیز کے علم میں بھی اس کا جہل اس کے علم پر غالب رہتا ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ علم اور ادراک کا معدن اور مخزن دل اور دماغ ہے جو حق تعالیٰ کے قبضہ قدرت اور دست تصرف میں ہے جس کو چاہے عقل دے اور جتنی چاہے اتنی ہی دے اور جس کو چاہے عقل سے بالکل محروم کر دے جس طرح عقل اور ادراک اور شعور کا دینا اس کے اختیار میں ہے اسی طرح چھیننا بھی اس کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہے فرزاں بنادے اور جس کو چاہے دیوانہ بنادے بہر حال انسان کا ادراک اور شعور محدود ہے وہ کسی ایک شے کا بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔

پانچویں معرفت

لفظ خلق اور لفظ امر کی تشریح اور ان کا باہمی فرق

قرآن کریم میں لفظ خلق اور لفظ امر بکثرت مستعمل ہوئے ہیں اور سورہ اعراف کی اس آیت اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ میں دونوں لفظوں کو یکجا لایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق اور امر دونوں ایک دوسرے

لفظ خلق اور لفظ امر کا باہمی اصلی فرق ”حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی تفسیر سے ماخوذ ہے اور اس پر جو اضافہ ہے وہ اس ناچیز کی طرف سے ہے (واللہ اعلم)

سے جدا اور علیحدہ ہیں کیونکہ امر کو خلق کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے اور عطف بھی مغایرت کو چاہتا ہے رہا یہ امر کہ خلق اور امر میں کیا فرق ہے؟ سو آیت کے سیاق و سباق میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلق کے معنی پیدا کرنے کے ہیں اور امر کے معنی حکم اور فرمانروائی کے ہیں یعنی جو چیز اسکی قدرت اور مشیت سے جس کام اور جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے اسکے حکم سے اس کام اور اس غرض کے لیے اسکا جاری ہو جانا یہ امر ہے مثلاً کسی مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اور اس کی کل اور پرزوں کو ایک خاص انداز پر بنانا یہ ایک مرحلہ ہے اور اسکے بعد دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ مشین فٹ ہو جانے کے بعد اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑا جائے تاکہ مشین چالو ہو جائے اور اپنی اپنی ساخت کے مطابق تمام کل پرزے حرکت میں آجائیں۔

اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں طرح طرح کی مشینیں بنائیں جس کو وہ خلق کہتے ہیں اور پھر ہر مشین کا چھوٹا اور بڑا پرزہ ایک خاص انداز کے مطابق بنایا جس کو تقدیر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا۔ اور پھر اس مشین کے تمام کل — اور پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جس کو حق تعالیٰ نے تصویر اور تصویر کے لفظ سے تعبیر فرمایا خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُمْ وَلَقَحْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحٍ۔ اور پھر اس میں بجلی کا کرنٹ چھوڑ کر یعنی روح پھونک کر اسکو جاری اور چالو کیا جس کو حق تعالیٰ نے نفخ روح سے تعبیر کیا فَاِذَا سَوَّيْتُمْ وَلَقَحْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحٍ — پس جب کرنٹ چھوڑا جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق چلنے لگتی ہے اور کام کرنے لگتی ہے غرض یہ کہ کسی مشین کو بنانا یہ ”خلق“ ہے اور جس کام کے لیے وہ مشین بنائی گئی اس کے لیے اسکو چالو کرنے کا نام ”امر“ ہے۔

جب تک امر الہی کی بجلی نہ چھوڑی جائے اس وقت تک دنیا کی کوئی مشین چالو نہیں ہو سکتی خدا کی طرف سے امر اور حکم ہوا کہ چل فوراً چلنے لگی اِنَّمَا اَمْرُهُ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَقُوْلَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ جب اللہ کا حکم ہو جاتا ہے تو ہر مشین اپنی اپنی ساخت اور بناوٹ کے موافق حرکت کرنے لگتی ہے خلاصہ یہ کہ جسم انسانی بمنزلہ قمقمہ کے ہے اور روح اس برقی رو کی مانند ہے کہ جو قمقموں کے اندر دنی تاروں کو روشن اور منور کرتی ہے اور قمقمہ میں بجلی کے کرنٹ چھوڑ دینے کا نام نفخ روح ہے جب تک برقی رو کا تعلق قمقموں کے تاروں سے باقی رہے گا اس وقت تک تمام قمقمے روشن رہیں گے اور جب اس برقی رو کا تعلق ان تاروں سے منقطع ہو جائے گا تو معاً روشنی معدوم ہو جائے گی۔

اسی طرح جب تک روح کا تعلق بدن سے ہے گا تو تمام قوای اور اعضاء حس و حرکت میں رہیں گے اور جب روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ منقطع ہو جائے گا تو بدن کی حس و حرکت یکلخت ختم ہو جائے گی اول الذکر حالت کا نام حیات ہے اور دوسری حالت کا نام موت ہے۔

اور اگر روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوا بلکہ من وجہ باقی ہے تو یہ خواب اور نیند کی حالت ہے نیند کی حالت میں انسان کے ظاہری حواس معطل ہو جاتے ہیں مگر بعض طبعی افعال بدستور

باقی رہتے ہیں مثلاً تنفس اور دوران خون اور ہضم طعام اور کرو میں بدلنا وغیرہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن سے روح کا تعلق بالکلیہ منقطع نہیں ہوا بلکہ ایک طرح کا بھول الکیف علاقہ بدن کے ساتھ قائم ہے بخلاف موت کے اس میں تمام حواس اور تمام قوتیں یکسخت بے کار اور ختم ہو جاتی ہیں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے ۔ اَللّٰهُ يَكْتُمُ فِي الْاَنْفُسِ حَيْثُ مَوْتُهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِسْ اٰیٰتِ سَے صراحتہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم اور روح دو الگ الگ چیزیں ہیں نیز یہ کہ روح جسم سے جدا ہونے کے بعد اپنے جسم کو بھولتی نہیں دوبارہ اپنے ہی جسم میں واپس آتی ہے نیز یہ کہ روح بعض مرتبہ خواب میں سا لہا کسی شہر میں مقیم رہتی ہے اور یہاں جسم سے صرف چند گھنٹے جدا رہتی ہے بلکہ بعض مرتبہ چند منٹ ہی گزرتے ہیں کہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کے لیل و نہار اس عالم کے لیل و نہار سے مختلف ہیں ۔

بہشتی معرفت

جس طرح انسانی اجسام باہم متمیز ہیں اور ہر ایک کی ایک خاص صورت اور ایک خاص شکل ہے اسی طرح ارواح انسانی باہم متمیز ہیں اور ہر روح کی خاص صورت اور خاص شکل ہے جو اس جسم کثیف کے ہم شکل اور ہم صورت ہیں روح کی شکل بعینہ وہی ہے جو انسان کی ہے جس طرح جسم کے آنکھ اور ناک اور کان اور ہاتھ اور پیر ہیں اسی طرح روح کے بھی آنکھ اور ناک اور ہاتھ اور پیر ہیں اصل انسان تو روح ہے اور یہ ظاہری جسم روح کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے جسمانی ہاتھ روحانی ہاتھوں کے لیے بمنزلہ آستین کے ہیں اور ٹانگیں بمنزلہ پاجام کے ہیں اور منہ بمنزلہ ٹوپی کے ہے اور چہرہ بمنزلہ نقاب کے ہے وقس علیٰ ہذا ۔

ساتویں معرفت

مرنے کے بعد اگرچہ روح بدن سے علیحدہ ہو گئی مگر روح کا اس مادی جسم کے ساتھ ایک قسم کا تعلق باقی رہتا ہے جس کی حقیقت اور کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں جس طرح بیند کی حالت میں روح کو اس جسم کے ساتھ ایک تعلق ضرور رہتا ہے مگر اس کی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے عقل قاصر ہے اسی طرح سمجھو کہ مرنے کے بعد بھی روح کو جسم میت کے ساتھ ایک قسم کا تعلق باقی رہتا ہے مگر اسکی حقیقت اور کیفیت کے ادراک سے عقل قاصر ہے اور اسی تعلق کا نام حیات ہے جسکی بناء پر مردہ منکر نکیر کے سوال کا جواب دیتا ہے جس قسم کا — اور جس درجہ کا تعلق ہے اسی قسم کی

اور اسی درجہ کی حیات ہے اسی تعلق کی بنا پر مردہ قبر پر گزرنے والے اور سلام کرنے والے کے سلام کو سنتا ہے اور جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا وہ اس وقت بھی اسکو پہچانتا ہے۔

اور قرآن اور حدیث نے عالم برزخ کے متعلق جو خبر دی ہے وہ سب حق اور صدق ہے کیونکہ انبیاء کرامؑ نے کبھی بھی ایسے امر کی خبر نہیں دی جو عقلاً محال اور ناممکن ہو عالم آخرت کے متعلق جو خبر دی ہے یا تو وہ خود انکی چشم دید ہے یا جن فرشتوں نے ان کو خبر دی ہے انکی چشم دید ہے اور تمام عقلاء کے نزدیک یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جو شے عقلاً ممکن ہو اور کوئی مخبر صادق اسکے وجود اور وقوع کی خبر دے تو عقلاً اس خبر کو قبول کرنا اور تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے خود مشاہدہ اور معاینہ تو دلیل ہے ہی اور کسی مخبر صادق کا اپنے مشاہدہ کی خبر دنیا یہ بھی تمام عقلاء کے نزدیک دلیل اور حجت ہے اور کسی کا کسی چیز کو نہ دیکھنا یہ کسی عاقل کے نزدیک بھی اس شے کے عدم کی دلیل نہیں بینا کا مشاہدہ نابینا پر حجت ہے اور نابینا کا نہ دیکھنا بینا پر حجت نہیں۔

فلاسفہ عالم آخرت کے بارہ میں نابینا ہیں اور حضرات انبیاء کرامؑ بینا ہیں عالم آخرت کے متعلق حضرات انبیاء کرامؑ جو کچھ مشاہدہ بیان کریں وہ عقلاً قابل قبول ہوگا کیونکہ انبیاء کرامؑ سرتاپا صدق ہیں اور انکے قول اور فعل میں ذرہ برابر بھی کذب کا امکان نہیں اور عالم آخرت کے نابیناؤں یعنی فلاسفہ پر اُولیٰ الْاَبْصَارِ کا مشاہدہ حجت ہوگا۔

آٹھویں معرفت

روح نظر کیوں نہیں آتی

روح ایک حقیقت واقعہ ہے مگر لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی شے مخفی اور پوشیدہ ہوتی ہے اور ہم اسکو محسوس نہیں کر سکتے مگر اسکے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ایسی شے کے وجود کا انکار نہیں کیا جاسکتا دیکھو ایتھر کہ جس کا حواس سے ادراک نہیں ہو سکتا مگر اسکے وجود کا انکار بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ روشنی کا دار و مدار ایتھر پر ہے ایتھر ایک قسم کی گیس ہے جو تمام خلا میں پھیلی ہوئی ہے اور وہ بذاتہ ساکن ہے جب تک کوئی دوسرا جسم اسکو حرکت نہ دے وہ حرکت میں نہیں آتا جس طرح ہوا کسی آواز کو بذریعہ تموج کے کان تک پہنچاتی ہے اسی طرح ایتھر روشنی کو تموج کے ذریعے قوسِ باصرہ تک پہنچاتا ہے غرض یہ کہ دنیا میں بے شمار چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے احساس سے ہمارے حواس قاصر ہیں مگر لامحالہ انکے وجود کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔

نویں معرفت

روح اور نفس میں فرق

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ روح اور نفس دونوں ایک ہی شے ہیں یعنی روح اور نفس ایک ہی شے کے دو نام ہیں یا دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں ہر ایک کی حقیقت اور ماہیت جدا ہے بعض علماء کے نزدیک نفس اور روح ایک ہی شے ہیں مگر علماء محققین کے نزدیک روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں روح انسان کو آخرت کی طرف بلاتی ہے اور نفس دنیا کی طرف بلاتا اور کھینچتا ہے نفس کو سوائے کھانے اور پہننے کے اور کچھ معلوم نہیں نفس، لذات اور شہوات کے اعتبار سے کتا ہے اور غیظ و غضب کے اعتبار سے درندہ ہے اور مکر و فریب کے اعتبار سے شیطان کا حقیقی بھائی معلوم ہوتا ہے (واللہ اعلم) استاد ابوالقاسم قشیری قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیرہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں دونوں مشترک ہیں جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں دونوں شریک ہیں فرق صرف یہ ہے کہ ملائکہ نورانی ہیں نور سے پیدا ہوئے ہیں اور شیطان ناری ہیں نار سے پیدا ہوئے ہیں۔

حافظ ابن عبد البرؒ نے تمہید شرح موطائیں اس بارہ میں ایک حدیث نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

ات الله خلق آدم جعل فيه نفسا وروحا فمن الروح عفافه وفهمه وحلمه وسخاءه ووفاءه ومن النفس شهوته وطيشه وسفهه وغضبه ونحو هذا كذا في الروض الانف شرح مبرقہ ابن ہشام ص ۱۰۱ جلد ۱

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں نفس اور روح کو ودیعت رکھا پس عفت اور فہم اور حلم اور سخاوت اور وفا اس قسم کے پاکیزہ اخلاق اور صفات روح سے نکلتے ہیں اور شہوت اور طیش اور سفاہت اور غیظ و غضب وغیرہ اس قسم کے تمام اخلاق رذیلہ نفس سے ظاہر ہوتے ہیں (روض الانف)

یہ حدیث اس بات پر صاف طور پر دلالت کرتی ہے کہ آدم کی فطرت میں یہ دو متضاد چیزیں پیوست کر دی گئی ہیں ایک روح جو جنس ملائکہ سے ہے اور ایک نفس جو جنس شیاطین سے ہے بلکہ بقول بعض اولیاء نفس شیطان کا بڑواں بھائی ہے جس طرح قرآن حکیم نے شیطان کو انسان کا دشمن بتایا ہے اسی طرح حدیث میں نفس کو سب سے بڑا دشمن بتایا ہے جیسا کہ ایک ضعیف الاسناد حدیث میں ہے اعدی عدوک نفسک النبی بین جنیلک :- اے انسان تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے

درمیان واقع ہے اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ نفس انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے شیطان تو اَعُوذُ بِاللّٰہِ پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے مگر نفس اَعُوذُ بِاللّٰہِ پڑھنے سے بھی نہیں بھاگتا نیز شیطان جب انسان کو گمراہ کرتا ہے تو نفس کے واسطے سے گمراہ کرتا ہے شیطان اپنے کام میں نفس کا محتاج ہے اور نفس گمراہ کرنے میں شیطان کا محتاج نہیں اس لیے آپ نے نفس کو بڑا دشمن قرار دیا۔
حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ فرماتے ہیں۔

نفس و شیطان زد کریم راہ من رحمت باشد شفاعت خواہ من
شیخ فرید الدینؒ نے نفس کو شیطان سے پہلے ذکر کیا کہ اغوار میں نفس شیطان کا محتاج نہیں شیطان کو گمراہ کرنے والا اس کا نفس ہے کسی شیطان نے شیطان کو گمراہ نہیں کیا بہر حال نفس انسان کا دشمن ہے اور روح انسان کی دشمن نہیں اس لیے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح اور نفس دو الگ الگ چیزیں ہیں نیز احادیث میں جہاد کی بکثرت ترغیب مذکور ہے اور ایک حدیث میں جہاد نفس کو جہاد اکبر فرمایا کیونکہ نفس قریبی دشمن ہے اور دار الحرب کے کافر دور کے دشمن ہیں اور حق تعالیٰ کا حکم یہ ہے یَاٰیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوْا الَّذِیْنَ یَدُوْنٰکُمْ مِّنَ الْکُفَّارِ وَیُجَادُوْا فِیْکُمْ غِلَظَۃً۔ یعنی اے مسلمانو! قریبی کافروں سے جہاد و قتال کرو اس لیے اس قریبی دشمن (نفس) سے جہاد کرنا جہاد اکبر ہوا بہر حال قرآن اور حدیث میں نفس سے جہاد کا حکم آیا ہے روح سے جہاد کا حکم نہیں آیا اور قرآن اور حدیث نے تمام اخلاق ذمیمہ کی جڑ ہوائے نفس کو قرار دیا ہے کہ نفس انسان کو لذات اور شہوات کی طرف دعوت دیتا ہے حق تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی پرواہ نہیں کرتا لہذا معلوم ہوا کہ نفس اور روح دو الگ الگ چیزیں ہیں روح جنس ملائکہ سے ہے اور نفس جنس شیطان سے ہے روح نورانی اور روحانی ہے اور نفس ناری ہے جس میں کچھ آمیزش (طین) کا رے اور مٹی کی بھی ہے اور یہ انسان جو ایک پتلہ خاکی ہے عجیب معجون مرکب ہے کہ مادہ روحانی اور مادہ شیطانی کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ کبھی خیر کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی شر کی طرف عقل جس کا محل قلب ہے کما قال تعالیٰ لَکُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِہَا۔ یا بقول بعض — کہ عقل کا محل دماغ ہے وہ روح کی معین اور مددگار ہے اور نفس شیطان کا مددگار بلکہ اس کا نمائندہ اور اس کا قائم مقام ہے عقل ایک جوہر نورانی ہے اور نفس ایک جوہر ظلمانی ہے گوتے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند کس نیمداں در نمی آید سواراں را چہ شد

دوسری بات جو حدیث اَعْدٰی عَدُوْکَ نَفْسِکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنَبَیْکَ سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ نفس کا مقام دو پہلوؤں کے درمیان ہوتا ہے اس سے بھی روح کا نفس سے مغایر ہونا ثابت ہوا اس لیے کہ روح سر سے پیر تک تمام اعضاء بدن میں جاری و ساری ہے پہلو کے ساتھ مخصوص نہیں بہر حال نفس اند روح الگ الگ حقیقتیں ہیں البتہ کتاب و سنت میں نفس کا اطلاق روح پر بھی آیا ہے اس لیے دونوں کے ایک ہونے کا اشتباہ ہو گیا۔

دسویں معرفت

عارفین کا قول ہے کہ روح انسانی نر اور مرد ہے اور بمنزلہ شوہر کے ہے اور نفس حیوانی مادہ اور موت ہے اور بمنزلہ زوجہ کے ہے اور دونوں میں اللہ تعالیٰ نے باہمی محبت ڈال دی۔ دونوں کا باہم نکاح ہو گیا پھر دونوں کے باہمی تعلق سے اولاد پیدا ہونے لگی اور وہ اولاد اعمال ہیں جو روح اور نفس کے امتزاج سے متولد ہیں اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَبْتَلِيْهِ: حدیث میں ہے کہ اگر مرد کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو اولاد نر پیدا ہوتی ہے اور اگر عورت کا نطفہ غالب اور سابق ہوا تو لڑکی پیدا ہوتی ہے۔

اسی طرح سمجھو کہ اگر نفس اور روح کے مخالفت اور معاشرت میں غلبہ روح کا ہوا تو اعمال صالحہ کا تولد ہوگا اور اگر غلبہ نفس کا ہوا تو اعمال سیئہ کا تولد ہوگا اور تمام ایتم لغت اور ایتم نحو کے نزدیک لفظ نفس موت سماعی ہے نفس کے لیے جو فعل یا ضمیر لائی جائے گی وہ فعل موت کا ہوگا اور ضمیر بھی موت کی ہوگی اور حدیث میں ہے کہ عورتیں جو مشورہ دیں اسکی مخالفت میں خیر و برکت ہے لہذا مرد مومن کو چاہیے کہ نفس کے مشوروں پر نہ چلے روح کے مشوروں پر چلے فتلاک عشرة کاملہ دریں مشہد زگو یاتی مزن دم سخن را ختم کن واللہ اعلم۔

قُلْ لِّیْنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاتُوْا بِمِثْلِ

کہہ، اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا

هٰذَا الْقُرْاٰنَ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ

قرآن، نہ لاویں گے ایسا، اور پڑے مدد کریں ایک کی

ظَهِيْرًا ۝۸۸ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ

ایک ۝ اور ہم نے پھیر پھیر سمجھائی لوگوں کو اس قرآن میں ہر کہادت

کُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ اِلَّا کُفُوْرًا ۝۸۹

سو نہیں رہتے بہت لوگ بن ناشکری کیے۔

(اطلاع) روح اور نفس کے فرق پر میں نے سیرۃ المصطفیٰ حصہ اول میں بھی کچھ لکھ دیا ہے اسکو بھی دیکھ لیا جائے (واللہ اعلم بالصواب)

اعجاز قرآن و اثبات رسالت محمدیہ

قال اللہ تعالیٰ قُلْ لِّیْنِ اجْتَمَعَتِ الْاُنْسُ وَالْجِنُّ ... الی ... اِلَّا کُفُوًا .
 (ربط) گزشتہ آیات میں یہ بتلایا تھا کہ قرآن نسخہ شفاء ہے مگر یہ معاندین بجاتے اس کے کہ اس نسخہ شفاء سے متمتع ہوں تعنت اور عناد پر اترے ہوئے ہیں اور خدا کی رحمت کی قدر نہیں کرتے اب آگے قرآن کا اعجاز بیان فرماتے ہیں جو آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جیسی معجز کتاب کا آپ پر نازل ہونا یہ اللہ کا آپ پر فضل کبیر ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ یہ قرآن میری نبوت کی حجت کبریٰ اور مجھ پر اسکے فضل و رحمت کی آیت عظمیٰ ہے اگر انسان اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لاویں تب بھی اس جیسا نہ بنا سکیں گے اگرچہ ان میں سے ایک دوسرے کا مددگار اور پشت پناہ بھی ہو جائے انسان انسان کے کلام کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر خدا کے کلام کا کوئی مقابلہ اور برابری نہیں کر سکتا بعض مشرکوں نے یہ کہا تھا لَوْ نَشَاءُ قُلْنَا مِثْلَ هَذَا یعنی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس قرآن کے مثل کہہ سکتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی لیکن سوال یہ ہے کہ آپ نے یہ چاہا کیوں نہیں تم سب مل کر اس کے مثل بنانا چاہو تو نہ بنا سکو گے تم بے چارے کیا چیز ہو اور البتہ تحقیق ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں قسم قسم کی مثالیں بیان کیں مگر اکثر آدمیوں نے سوائے ناشکری اور ناپاسی کے اور کسی بات کو قبول نہ کیا معلوم ہوا کہ انکی فطرت اور جبلت اور روحانی مزاج فاسد تھا کفر اور عناد میں ایسے طریقہ کو اختیار کیا جو ان کی روح کے ہم شکل تھا کما قال تعالیٰ قُلْ كُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَکَلَتِهٖ : ہر شخص اپنی جبلت کے موافق عمل کرتا ہے ۔



وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا

اور بولے ، ہم نہ مانیں گے تیرا کہا ، جب تک تو

مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوعًا ۙ اَوْ تَكُوْنُ لَكَ

نہ بہا نکالے ہمارے واسطے زمین سے ایک چشمہ یا ہو جاوے تیرے واسطے

جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِیْلِ وَّعِنَبٍ فَتُفَجَّرَ الْاَنْهَارُ

ایک باغ کھجور اور انگور کا ، پھر بہا لے تو اسکے پیچ نہریں

خَلَّاهَا تَفْجِيرًا ۙ ۹۱ أَوْ تَسْقُطُ السَّمَاءُ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

چلا کر یا گراوے آسمان ہم پر جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے

كِسْفًا أَوْ تَأْتِي يَا اللَّهُ وَالْمَلَائِكَةُ قَبِيلًا ۙ ۹۲ أَوْ يَكُونُ

ٹکڑے، یا لے آئے اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن یا ہو جادے

لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ ط وَلَن

تجھ کو ایک گھر شہری، یا چڑھ جادے تو آسمان میں اور ہم

نُؤْمِنُ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ ط قُلْ

یقین نہ کریں گے تیرا چڑھنا جب تک نہ اتار لاوے ہم پر ایک لکھا جو ہم پڑھ لیں تو کہہ

سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۙ ۹۳ وَمَا مَنَعُ

سبحان اللہ! میں کون ہوں مگر ایک آدمی ہو بھیجا ہوا اور لوگوں کو

النَّاسَ أَن يُّؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا

انکاد نہیں ہوا اس سے کہ یقین لاویں جت بھیجی انکو راہ کی سوجھ مگر یہی کہہنے لگے

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۙ ۹۴ قُلْ لَّوْكَانَ فِي الْأَرْضِ

کیا اللہ نے بھیجا آدمی پیغام لے کر؟ کہہ اگر ہوتے زمین میں

مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَنْزِلُنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ

فرشتے، پھرتے بستے، تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے

مَلَكًا رَسُولًا ۙ ۹۵ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ط

کوئی فرشتہ پیغام لے کر کہہ اللہ بس ہے حق ثابت کرنے والا میرے تمہارے بیچ

إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۙ ۹۶ وَمَنْ يُّهْدِ اللَّهُ

وہ ہے اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا اور جسکو سوچا وے اللہ

فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ

وہی ہے سوچھا اور جسکو بھٹکاوے پھر تو نہ پاوے انکے کوئی رفیق

مِنْ دُونِهِ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ

اس کے سوا اور اٹھاویں گے ہم انکو دن قیامت کے اوندھے منہ پر

عَمِيًّا وَبِكُمَا وَصَّيَا مَا وَهَبَهُمْ جَهَنَّمَ كُلَّمَا خَبَتْ

اندھے اور گونگے اور بہرے ٹھکانا ان کا دوزخ ہے جب لگے گی بجھنے

زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ۙ ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

اور دینگے ان پر بھڑکا یہ اُن کی سزا ہے! اس واسطے کہ منکر ہوتے ہماری آیتوں سے

وَقَالُوا آءِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا ؕ إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا

اور بولے، کیا جب ہو گئے ہڈیاں اور چھوڑا؟ کیا ہم کو اٹھانا ہے نئے بنا

جَدِيدًا ۙ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کر؟ کیا نہیں دیکھ چکے جس اللہ نے بنائے آسمان و

وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ

زمین، سکتا ہے ایسوں کو بنانا اور ٹھہرایا ہے انکا

أَجَلًا ۗ لَا رَيْبَ فِيهِ ۖ فَآبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ۙ قُلْ

ایک وعدہ بے شبہ سونہیں رہتے بے انصاف بن ناشکری کہتے کہ

لَوْ أَنَّكُمْ تَسْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ

اگر تمہارے ہاتھ میں ہوتے میرے رب کی ہر کے خزانے، تو مقرر موند رکھتے

خَشِيَةً إِلَّا نَفَاقًا ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ۙ

اس ڈر سے کہ خفیہ ہو جاویں اور ہے انسان دل کا تنگ



معاندین کے سوالات اور ان کے جوابات

قال اللہ تعالیٰ وَقَالُوا لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ... اِنِّیْ..... وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا
 (ربط) گزشتہ آیت میں قرآن کے اعجاز کا ذکر تھا جب مشرکین جواب سے عاجز اور لاچار ہو گئے تو انہوں
 نے ازراہ عناد آپ سے بے شمار بے سرو پا فرمائشیں شروع کیں اور کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو یہ نشانات
 دکھلائیے جن کا آئندہ آیت میں ذکر ہے ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ان آیات میں کفار کے
 ان شبہات کا جواب دیا گیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے متعلق تھے چنانچہ فرماتے ہیں۔
 اور یہ لوگ باوجودیکہ قرآن کا اعجاز ان پر ظاہر ہو گیا اور آپ کی نبوت و رسالت اس سے ثابت
 ہو گئی پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لاتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

(۱) یہاں تک کہ تو ہمارے لیے مکہ کی زمین سے چشمہ جاری کر دے جس سے تمام اہل مکہ سیراب ہوں۔
 (۲) یا خاص تیرے لیے کھجوروں یا انگوروں کا کوئی باغ ہو پھر تو ان کے درمیان میں نہریں جاری کر دے
 اور اس قسم کا باغ تیری سرداری اور برتری کا نشان ہو۔

(۳) یا ہم پر کوئی بلا نازل کر جیسا کہ تو کہا کرتا ہے اور ہم کو ڈراتا رہتا ہے کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے ٹکڑے
 کر کے گرا دے جس سے تیرے نہ ماننے والے مرجائیں۔

(۴) یا اے اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے کہ ہم اپنی آنکھوں سے سب کو دیکھ لیں اور ہمارے
 سامنے یہ شہادت دیں کہ یہ خدا کا رسول ہے۔

(۵) یا تیرے پاس سونے کا گھر ہو جس سے دنیا میں تیری کوئی شان ظاہر ہو۔

(۶) اور یا تو آسمان میں چڑھ جائے اور ہم تجھے چڑھتا ہوا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں

(۷) اور پھر ہم تیرے چڑھنے پر بھی تیری نبوت پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ تو ہم پر

ایک کتاب اتار کر لاتے جس کو ہم آپ پڑھ لیں اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ یہ ہمارا رسول ہے تم

اس کا اتباع کرو اگر تم ہماری ان باتوں کو پورا کر دو گے تو ہم تم کو سچا مان لیں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کی یہاں تیرا جڑا

مرتبہ ہے اور تم اسکے ایلچی ہو اس نے تم کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ ان سب خرافات کے جواب

میں کہہ دیجیے کہ یہ فرمائشیں اس شخص سے ہو سکتی ہیں جو اپنے لیے کمال قدرت کا مدعی ہو میرا پروردگار

پاک ہے اس سے کہ اسکی قدرت کاملہ میں کوئی اسکا شریک ہو بشر میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اس قسم

کے نشانات دکھلا سکے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر — جس کو خدا نے تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا

ہے مجھ کو اسی قدر قدرت حاصل ہے جو ایک بشر کو دی گئی ہے مگر میں اللہ کا رسول اور اسکا فرستادہ

ہوں اس کا پیغام اور اسکے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا گیا ہوں ایسی باتیں کرنے کی مجھ میں قدرت

نہیں جیسے پہلے رسول گزرے ہیں ایسا ہی ہیں بھی رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں پیغمبروں کو مناسب حال معجزات عطا کیے اور ان معجزات کا ظہور اللہ کی قدرت اور مشیت سے تھا رسولوں کے اختیار اور مشیت سے نہ تھا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسول بنا کر بھیجا اور میری تصدیق کے لیے بہت سے معجزات دیئے جو تمہارے ان فرماتنی معجزات سے ہرگز کم نہیں مثلاً شق القمر اور انگلیوں سے پانی کا جاری ہو جانا وغیرہ وغیرہ اس قسم کے معجزات آپ سے ظاہر ہوئے کہ جو آپ کی صداقت ثابت کرنے کے لیے کافی اور ثبوتی تھے اور مشرکین کے اس قول سے کہ ہم تیرے آسمان پر چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے الیٰ آخرہ ان کا عناد اور ہٹ دھرمی صاف ظاہر ہے اور ضدی اور سبکی آدمی کا منہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔

جواب استعجاب کفار بر رسالت بشر

اب آگے کافروں کے اس استعجاب کو ذکر کر کے اس کا رد فرماتے ہیں کافروں کا استعجاب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بشر کو ہی رسول بنا کر بھیجا ملائکہ کو رسول کیوں نہیں بنایا چنانچہ فرماتے ہیں۔
 اور جب لوگوں کے پاس ہدایت یعنی قرآن آگئی تو انکو ایمان لانے سے سوائے اس بات کے اور کسی امر نے نہیں روکا کہ انہوں نے کہا کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے یعنی لوگوں کے پاس قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے متعلق سوائے اسکے اور کوئی عذر نہیں ہے کہ وہ بشر کے رسول ہونے کو مستبعد جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ محمد بشر ہیں اور بشر رسول نہیں ہو سکتا اگر اللہ رسول بھیجنا چاہتا تو اسکے یہاں فرشتوں کی کیا کمی تھی یہ لوگ بشریت کو رسالت کے منافی سمجھتے تھے حالانکہ پہلے جتنے بھی بنی گزرے وہ سب کے سب بشر ہی تھے ان میں سے کوئی فرشتہ نہ تھا اے بنیٰ! آپ ان کے جواب میں کہہ دیجیے اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے کہ اس میں اطمینان سے چلتے پھرتے تو پھر ہم انکے مناسب ضرور آسمان سے کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیج دیتے جو انہی کی جنس سے ہوتا کیونکہ تعلیم و تلقین کے لیے مناسبت اور باہمی جنسیت شرط ہے مگر چونکہ زمین پر آدمی رہتے ہیں تو آدمی ہی رسول ہونا چاہیے۔

جواب اخیر مشتمل بر وعید سعیر

اور اگر باوجود دلائل ظاہرہ اور آیات باہرہ کے یہ ظالم آپ سے کہیں کہ آپ کی نبوت و رسالت کا گواہ کون ہے تو آپ جواب میں کہہ دیجیے کہ میرے نبی اور رسول ہونے پر میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی ہے گواہ اللہ کی گواہی یہ ہے کہ اس نے میری زبان سے علم و حکمت کے چشمے جاری کر دیئے اور قسم قسم کے معجزات اور نشانات

میرے ہاتھ سے تم کو دکھلا دیتے یہی اللہ کی گواہی ہے بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے ان کو دیکھنے والا ہے وہ صادق کو بھی جانتا ہے اور کاذب کو بھی اور سعادت اور شقاوت اور ہدایت اور ضلالت سب اسکے ہاتھ میں ہے جس کو اللہ ہدایت یعنی توفیق دے وہی ہدایت پانے والا ہے یعنی جس کے دل میں اللہ ہدایت ڈال دے وہی ہدایت پانے والا ہے پھر کسی کو قدرت نہیں کہ اسے گمراہ کر سکے اور جس کو وہ گمراہ کرے تو تو اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار نہ پاتے گا جو اسے راہ ہدایت پر لے جا سکے اس سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کی قیمت میں اللہ نے ہدایت لکھ دی ہے وہ ضرور ہدایت پائیں گے اور جن کو وہ ازل میں گمراہ ٹھہرا چکا ہے ان کا حق اور ہدایت کی طرف آنا محال ہے پس ایسی صورت میں آپ کافروں کے اعراض سے رنجیدہ اور ملول نہ ہوں قیامت کے دن سب کے اعمال کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا اور قیامت کے دن ہم ان گمراہوں کو ان کے منہ کے بل اندھا اور گونگا اور بہرا بنا کر اٹھائیں گے یہ سزا ان کو اس لیے دی جائے گی کہ وہ دنیا میں لٹے چلے تھے اور حق کے دیکھنے سے اندھے اور کہنے سے گونگے اور سننے سے بہرے بنے ہوئے تھے ابتداء حشر کے وقت انکی یہی حالت ہوگی تاکہ ان کی ذلت اور رسوائی سب پر ظاہر ہو بعد میں یہ حالت نہ رہے گی اس لیے کہ دوسری آیات اور احادیث سے ان کا دیکھنا اور بولنا اور سننا ثابت ہے ان گمراہوں کا ٹھکانا جہنم ہے جب وہ آگ بجھنے لگے گی تو ہم اسکو اور بھڑکا دیں گے یہ ان کی سزا ہے اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا اور کہا کہ جب ہم مرے پیچھے ہڈیاں اور بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم نئی پیدائش سے اٹھائے جائیں گے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انکا یہ خیال بالکل غلط ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس خدا نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ یقیناً ان کے مثل پیدا کرنے پر بھی قادر ہے لیکن اللہ نے اس دوبارہ پیدا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ شک نہیں جس طرح اس دنیاوی حیات کے لیے ایک وقت مقرر ہے اسی طرح دوبارہ زندگی کے لیے بھی وقت مقرر ہے اس پر بھی ظالموں نے سوائے ناشکری کے اور بات کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ عذاب ضرور آکر رہے گا لیکن اسکی ایک مدت مقرر ہے اور آدمی جب مر گیا تو اسکی قیامت آگئی۔

ادھر کی آیتوں میں اللہ کے فضل اور رحمت کا ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے جس کو چاہے سرفراز فرمائے اور اس نے اپنے فضل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اِنَّ فَضْلَكَ كَاَنَّ عَلَيْنَكَ كَبِيرًا اس کے بعد مخالفین کے تعنت آمیز سوالات کا ذکر فرمایا جن میں ایک سوال یہ تھا کہ کافر یہ کہتے ہیں کہ ایمان جب لائیں گے جب زمین میں چشمے اور نہریں جاری ہو جائیں تاکہ زراعت سے اموال کثیرہ جمع ہو جائیں اور کھجور اور انگور کے باغات پیدا ہو جائیں اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر

بالفرض تم اللہ کی رحمت پر قابض اور متصرف ہو جاؤ تو تم اپنی طبعی تنگ دلی اور جبلی بخل کی وجہ سے ختم ہو جانے کے خوف سے اپنا ہاتھ روک لو گے لہذا تمہاری یہ فرمائش پوری نہ ہوگی اور خزانہ رحمت اور وسائل رزق و معیشت تمہارے اختیار میں نہیں دیتے جائیں گے اللہ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی حکمت اور مصلحت سے جس پر چاہے رزق کو وسیع کرے اور جس پر چاہے تنگ کرے اور جس کو چاہے اپنے فضل سے اور رحمت سے نبوت اور قرآن عظیم عطا کرے اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہے چنانچہ فرماتے ہیں (اے نبی)

آپ ان ظالموں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم میرے پروردگار کے خزانہائے رحمت کے مالک اور متصرف بن جاؤ تو البتہ اس وقت بھی تم اپنے ہاتھ خرچ کرنے سے روک لو گے اس درے کہ یہ خزانے خرچ ہو کر ختم ہو جائیں اور تم محتاج ہو جاؤ اور انسان بڑا تنگ دل ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم بے شمار خزانوں کے بھی مالک ہو جاؤ تو تب بھی تم اس بخل اور دنارت پر رہو گے لہذا تم ایسی باتوں کا کیوں سوال کرتے ہو تم اس قابل نہیں تم جیسوں کو دینے سے کیا فائدہ (تفسیر کبیر ص ۱۳۷)

اس آیت کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ آیت خاص مشرکوں کے حق میں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عام ہے اور مقصود انسان کا من حیث انسان ہونے کے اعتبار سے — حال بتلانا ہے کہ وہ طبعی طور پر بخیل ہے مگر جس کو اللہ تعالیٰ توفیق اور ہدایت دے کما قال تعالیٰ وَ مَنْ يَتَّقْ شَخْخَ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ اور جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ (تفسیر قرطبی ص ۳۵ جلد ۱۰)

یہ تمام کلام منکرین کے تہدید میں تھا اب آگے پھر منکرین نبوت کے تہدید کے لئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں۔

~~~~~

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَسَّكَّ بَنِي

اور ہم نے دیں موسیٰ کو نو (۱۰) نشانیاں صاف پھر بلوچہ بنی

إِسْرَآءِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ

اسرائیل سے، جب آیا وہ انکے پاس، تو کہا اسکو فرعون نے، میری اٹکل میں

يَمُوسَىٰ مَسْحُورًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا أَنزَلَ

موسیٰ تجھ پر جادو ہوا بولا تو جان چکا ہے کہ یہ چیزیں کسی نے نہیں



هَؤُلَاءِ إِيَّا رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِصَاحِبِهِ

اتاریں، مگر آسمان و زمین کے صاحب نے سوچ جانے کو

وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يُفْرِعُونَ مَثْبُورًا ۝۱۰۲ فَارَادَ

اور میری اٹکل میں فرعون! تو کھپا چاہتا ہے پھر چاہا

أَنْ يَسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْأَرْضِ فَأَخْرَقْنَاهُ

کہ ان کو چین نہ دے اس زمین میں، پھر ڈبا دیا ہم نے

وَمَنْ مَّعَهُ جَمِيعًا ۝۱۰۳ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَءِيلَ

اسکو اور اسکے ساتھ والوں کو سارے اور کہا ہم نے اس کے پیچھے بنی اسرائیل کو

اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ

سو تم زمین میں پھر جب آوے گا وعدہ آخرت کا، لے آویں گے ہم تم

لِفَيْفَا ۝۱۰۴ وَيَا حَقَّ أَنْزَلْنَاهُ وَيَا حَقَّ نَزَّلَ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ

کو سمیٹ کر اور سچ کے ساتھ اتارا ہم نے یہ قرآن اور سچ کے ساتھ اترا اور تجھ کو جو بھیجا ہم نے

إِلَّا مَبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝۱۰۵ وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى

سو خوشی اور ڈر سناتا اور پڑھنے کا وظیفہ کیا ہم نے اسکو بانٹ کر کہ پڑھے

النَّاسِ عَلَى مَكْثٍ ۖ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝۱۰۶ قُلْ أُمِنُوبِهِ

تو اسکو لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر اور اسکو ہم نے اتارتے اتارا کہ تم اس کو مانو یا

أَوْ لَا تُوْمِنُوا ۖ إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا

نہ مانو جن کو علم ملا ہے اس کے آگے سے جب

يَتْلَى عَلَيْهِمْ يُخَرُّونَ لِلْآذِقَانِ سُجَّدًا ۝۱۰۷ وَيَقُولُونَ

ان کے پاس اسکو پڑھتے گرتے ہیں ٹھوڑیوں پر سجدے میں اور کہتے ہیں

سُبْحَنَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ﴿١٠٨﴾ وَيَخِرُّونَ

ہاک ہے ہمارا رب بے شک ہمارے رب کا وعدہ البتہ ہونا ہے اور گرتے ہیں

لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿١٠٩﴾ السجدة

ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور زیادہ ہوتی ہے انکو عاجزی

## ذکر معجزات موسویہ برائے تحقیق رسالت محمدیہ

قال الله تعالى وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ... إلخ... وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (ربط) گزشتہ آیات میں مخالفین کے معاندانہ سوالات کا ذکر تھا اب ان آیات میں معجزات موسویہ یعنی ان نشانیوں کو ذکر کرتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لیے عطا کی تھیں مگر باوجود اسکے وہ ایمان نہیں لاتے اور بالآخر ہلاک ہوئے اور غرق ہوتے اسی طرح تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات طلب کرتے ہو اور تمہارا حال یہ ہے کہ اگر تمہاری سفارش کے مطابق وہ معجزات ظاہر کر بھی دیئے جائیں تب بھی تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر دو گے۔

جس طرح وہ متکبر اور جبار (فرعون) خدا تعالیٰ کے درویش نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کر سکا اسی طرح سمجھ لو کہ تم ہمارے کملی والے نبی کا مقابلہ نہ کر سکو گے یہ رسول بھی موسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور بنی اسرائیل کے بھائیوں (یعنی بنی اسماعیل) میں سے مبعوث ہوا ہے اس کا عصا قرآن سے سب کفروں کو نگل جائے گا اور ڈکار بھی نہ لے گا تم اپنے انجام کو سوچ لو موسیٰ علیہ السلام کوئی فرشتہ نہ تھے بلکہ ظاہر صورت کے لحاظ سے ایک بے سر و سامان بشر تھے مگر درپردہ فرشتہ سے بڑھ کر تھے اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بشری اور ظاہری فقری اور درویشی سے دھوکہ نہ کھاؤ اس لباس بشری میں خداوند ذوالجلال کی پیغمبری مستور ہے کوئی فرعون اور ہامان اسکا مقابلہ نہیں کر سکتا اور جس طرح فرعون اور فرعونوں کے غرق کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور اس بنی آخر الزمان کے اصحاب اول سرزمین عرب کے وارث ہوں گے اور پھر سرزمین شام کے وارث ہوں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے غرض یہ کہ اس تمام کلام سے اثبات رسالت مقصود ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو (۹) روشن نشانیاں دیں جو انکی نبوت و رسالت کی

روشن دلیلیں تھیں جن کا ذکر نویں پارہ کے چھٹے رکوع میں گذر چکا ہے اور اگر تم کو کچھ شک ہو تو بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس یہ معجزات لے کر آئے جن کا ان لوگوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور پھر ان کے بعد وہ معجزات تم تک بطریق تواتر پہنچے جس میں شک اور شبہ کی گنجائش نہیں اس لیے کہ تواتر بھی بمنزلہ مشاہدہ کے ہے آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھ لیجئے وہ آپ کے قول کی تصدیق کریں گے اور وہ نو معجزے تمہارے ان فریادہ معجزات کے برابر یا اس سے بڑھ کر تھے ہم اب بھی اس قسم کے معجزات عطا کرنے پر قادر ہیں مگر اس وقت ہماری مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ فی الوقت اس قسم کے معجزات کا ظاہر کرنا سودمند نہیں۔

(تفسیر کبیر ص ۶۳)

آیت مذکورہ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ میں علماء تفسیر کے دو قول ہیں۔  
یہ ہے کہ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ سے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے مراد ہیں وہ نو بیّنات یہ ہیں۔

### قول اول

(۱) عصا اور (۲) ید بیضا اور (۳) قبطیوں پر قحط شدید اور (۴) طوفان باران اور (۵) جراد یعنی مڈیاں اور (۶) قمل یعنی چھڑیاں اور (۷) صفادع یعنی یینڈک اور (۸) دم یعنی خون اور (۹) نقص ثمرات یعنی پھلوں کی کمی۔

یہ نو آیات بینات اور مفضلات ہیں اور آیات واضحات ہیں جن کا فرعونوں نے مشاہدہ کیا مگر ان ظالموں پر ان آیات واضحات نے کچھ اثر نہ کیا اسی طرح اگر ہم ان لوگوں کے سوالات پورے کر دیں کہ چشمے اور نہریں جاری کر دیں تو یہ ظالم بھی فرعونوں کی طرح ایمان لانے والے نہیں جیسے فرعون نے باوجود مشاہدہ آیات بینات موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اِنِّیْ لَمَّا ظَنَنْتُکَ یٰمُوسٰی مَسْحُوْرًا اے موسیٰ میں تم کو جادو گر گمان کرتا ہوں اسی طرح یہ ظالم ان معجزات کے ظاہر ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو گر بتلائیں گے لیکن قوم فرعون کو تو ان آیات بینات پر ایمان نہ لانے کے بعد غرق کر دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ آپ کی قوم کو ہلاک کرنے کا نہیں اس لیے ان کے یہ سوالات پورے نہیں کیئے اور موسیٰ علیہ السلام کو ان نو نشانیوں کے سوا اور بھی نشانیاں عطا ہوئیں مثلاً (۱) دریا کا شق ہونا ————— (۲) عصا کے پتھر پر مارنے سے پتھر سے پانی نکل آنا۔

(۳) پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہو جانا۔ (۴) بنی اسرائیل پر من و سلویٰ نازل ہونا۔

۱۔ ان نو نشانیوں میں سے سات کی تعیین پر تو سب کا اتفاق ہے اور دو میں اختلاف ہے جن سات کی تعیین پر اتفاق ہے وہ یہ ہیں (۱) عصا (۲) ید بیضا (۳) طوفان (۴) جراد (۵) قمل (۶) صفادع (۷) دم اور جن کی تعیین میں اختلاف ہے وہ بعض کے نزدیک (۱) قحط اور (۲) حجر ہیں اور بعض کے نزدیک (۱) قحط اور (۲) کمی پیداوار (واللہ اعلم)



(۵) بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کرنا وغیرہ ذالک یہ نشانیاں موسیٰ علیہ السلام کو بلا مصر سے نکلنے کے بعد عطا ہوئی تھیں لیکن اس جگہ انہیں نو نشانوں کا ذکر ہے جن کا مشاہدہ فرعون لعین نے کیا تھا اور قوم فرعون نے مصر میں ان کو دیکھا تھا اس لیے یہی آیات ان پر حجت تھیں جن کی ازراہ عناد انہوں نے مخالفت کی اور تباہ و برباد ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے نو معجزات مراد ہیں جو سورۃ اعراف میں مذکور ہیں آیت کی تفسیر میں یہ پہلا قول ہوا اب دوسرا قول سنئے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تسع آیات بینات سے آیات احکام مراد ہیں یعنی **قول دوم** | نو آیات سے تورات کے نو احکام مراد ہیں جیسا کہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے دو عالموں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تسع آیات کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں۔

(۱) خدا تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (۲) چوری مت کرو (۳) زنا مت کرو (۴) ناحق خون مت کرو (۵) سود مت کھاؤ (۶) جادو مت کرو (۷) کسی بے گناہ کو مت پکڑو (۸) کسی غنیف عورت پر تہمت نہ لگاؤ (۹) جہاد سے مت بھاگو۔

یہ نو احکام تو عام ہیں یعنی سب کے لیے ہیں اور ایک حکم اے یہود خاص تمہارے لیے ہے کہ سبت یعنی شنبہ کے دن حدود الہی سے تجاوز نہ کرنا یہود نے سن کر آپ کی تصدیق کی اور ان دونوں یہودیوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں آپ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم میرا اتباع کیوں نہیں کرتے انہوں نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی تھی کہ آئندہ بنو مت ہمیشہ انھی کے خاندان میں رہے (یہ ان کا داؤد علیہ السلام پر اقرار تھا) اور یہ کہا کہ ہم اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم آپ کا اتباع کریں گے تو یہودی ہم کو قتل کر ڈالیں گے۔ محققین کے نزدیک راجح پہلا قول ہے کہ تسع آیات سے نو معجزات مراد ہیں اور وہ کلمات جو حدیث میں مذکور ہوتے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ احکام اور وصایا تے تو ریت ہیں ان میں سے فرعون پر کوئی چیز حجت نہیں لفظ بصائر بھی اسی معنی پر ہی چسپاں ہوتا ہے یعنی یہ میرے معجزات ایسی چیز ہیں جنکو دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں اور ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کے علاوہ تورات کے ان نو احکام کو بھی بیان کیا ہو مگر راوی نے احکام کا تو ذکر کر دیا اور معجزات کو حذف کر دیا واللہ اعلم۔

اور آیات قرآنیہ میں تسع آیات بینات سے وہ نشانیاں مراد ہیں کہ جو بطور دلائل و حجج فرعونوں کو دکھلائے گئے تاکہ ان پر حجت قائم ہو حافظ ابن کثیر کا خیال یہ ہے کہ اسی روایت میں راوی کو اشتباہ ہوا کہ اس نے کلمات عشر کی جگہ تسع آیات کو ذکر کر دیا بہر حال سیاق و سباق کا مقتضی یہ ہے کہ تسع آیات

بینات سے وہ معجزات مراد لیے جاتیں جو فرعونیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو اور فرعونیوں کو ان آیات بینات سے ڈرایا تو فرعون نے ازراہ تکبر و غرور موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا کہ اے موسیٰ میں بلاشبہ تجھ کو جادو کا مارا ہوا خیال کرتا ہوں جس کی وجہ سے تو مجنوں الحواس ہو گیا ہے اور ایسی بہکی ہوئی باتیں کرتا ہے جب فرعون نے ان آیات بینات کو باوجود واضح ہونے کے نہ مانا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا البتہ تحقیق تو ضرور جان چکا ہے اور دل سے مان چکا ہے کہ ان نشانیوں کو سوائے آسمانوں اور زمینوں کے پروردگار کے اور کسی نے نہیں اتارا مگر تو خدا اور عناد سے انکار کرتا ہے اور یہ ایسے نشانات ہیں کہ جن کو سوائے پروردگار عالم کے کوئی اتار ہی نہیں سکتا پروردگار ہی نے ان نشانیوں کو اتارا ہے درآں حالیکہ وہ سامان بصیرت ہیں کہ جن کو دیکھنے سے چشم بصیرت روشن ہو جاتی ہے اور دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اور حق نظر آنے لگتا ہے اور انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ خدائی کوشش ہے کوئی جادو نہیں مگر خدا اور عناد کی پٹی بصارت اور بصیرت سب کو معطل کر ڈالتی ہے چنانچہ فرعون اور اس کی قوم ان بصائر اور عبرت کے دیکھنے کے باوجود ایسی اندھی بنی کہ بنی اسرائیل کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کیا پس فرعون نے یہ ارادہ کر لیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم کے سرزمین مصر سے قدم اکھاڑ دے کہ بنی اسرائیل اس سرزمین میں رہنے نہ پائیں جب اس نے چاہا تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو دریائے قلزم میں غرق کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات دی اور اسکے غرق کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جاؤ اسی سرزمین میں بسو جہاں سے وہ تم کو نکالنا چاہتا تھا اسی طرح اللہ کو قدرت ہے کہ مشرکین مکہ کو تباہ کر کے مسلمانوں کو انکی سرزمین کا وارث بنائے اور اسی میں ان کو بسائے اسی آیت میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے اور جو لفظ اس آیت میں فرعون کے متعلق لایا گیا ہے فَادَاكَ اَنْ يَسْتَفِزَّهُمْ مِنَ الْاَرْضِ — بعینہ اسی قسم کا لفظ اسی سورت میں تین رکوع قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزر چکا ہے وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْكَ مِنَ الْاَرْضِ لَيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا يَعْنِي اہل مکہ آپ کو اس سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں اور اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ غفریب آپ کو اس سرزمین کا وارث بنائے جس سے مشرکین مکہ آپ کو نکالنا چاہتے ہیں۔

بہر حال فرعون اور فرعونیوں کا غرق اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات کا ذکر دما بجا تو اس دنیا میں ہوا پھر جب آخرت کا وعدہ آپہنچے گا تو ہم سب کو گڈ مڈ یعنی خلط ملط میدانِ حشر میں لا موجود کریں گے مومن اور کافر اور نیک اور بد سب گڈ مڈ اور مخلوط ہوں گے اور سب کو جمع کر کے فیصلہ کر دیا جائے گا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت کو حق کے ساتھ اتارا اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ پر حق کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے ساتھ آپ پر نازل ہوا از اول تا آخر شیاطین سے محفوظ ہے، از اول تا آخر حق ہی حق ہے اور صدق ہی صدق ہے جس طرح خدا کے پاس سے

چلا تھا اسی طرح محفوظ و محروس ہلاکم و کاست آپ کے پاس پہنچ گیا غیر کلام اس سے مخلوط نہیں ہوا اور جس طرح ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا کہ لوگوں کو اللہ کے احکام پہنچا دیں مگر ہدایت انکے اختیار میں نہ تھی اسی طرح ہم نے آپ کو فقط بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ایمان پر ثواب اور نجات کی بشارت دیدینا اور کفر و معصیت پر عذاب سے ڈرانا یہ آپ کا کام ہے باقی کسی کو ہدایت دینا وہ سب ہمارے اختیار میں ہے لہذا آپ کسی کے کفر اور معصیت سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہوں اور علاوہ ازیں کہ ہم نے اس قرآن کو حق اور صدق کے ساتھ نازل کیا ہے بمقتضائے رحمت ہم نے اس میں ایک رعایت یہ بھی رکھی ہے کہ ہم نے اس قرآن کو ٹکڑے کر کے اتارا ہے تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ سکیں اور لوگوں کو اسکے یاد کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو اور ہم نے اس کو حسب حالات و واقعات تدریجاً اتارا ہے تاکہ واقعہ سامنے ہونے سے حقیقت خوب واضح ہو جائے اور آیت اور حکم کا مصداق نظروں کے سامنے آجائے اور ہر آیت اور ہر حکم کا محل اور موقع خوب اچھی طرح دل نشین ہو جائے تاکہ آیت کو بے موقع استعمال کرنے کی گنجائش باقی نہ رہے نیز اگر تمام احکام دفعۃً نازل ہو جاتے تو گھبرا جاتے یہ اللہ کا کلام ہے اور اسکے احکام ہیں جس کو خدا نے بندوں کی مصلحت سے ٹھوڑا ٹھوڑا اتارا ہے اس تدریجی نزول میں تمہاری مصلحت ملحوظ ہے لہذا تم کو چاہیے کہ اس کتاب پر ایمان لاؤ تاکہ تم کو فائدہ ہو ورنہ خدا تعالیٰ بے نیاز ہے اسے کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں اے بنی آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ — خدا کے یہاں سب برابر ہے تحقیق جن لوگوں کو قرآن کے نزول سے پہلے علم دیا گیا یعنی حق شناس اور نیک دل علماء اہل کتاب ان کا یہ حال ہے کہ جب قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کلام خداوندی کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر جاتے ہیں کیونکہ جب انسان پر کسی کی عظمت و ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے تو اکثر وہ زمین پر اوندھا گر جاتا ہے اور اذقات پر گرنایہ کنایہ ہے غلبہ خوف اور جذبہ شوق سے اور مطالب یہ ہے کہ غلبہ شوق کی بناء پر اسکی تعظیم کے بجالانے میں جلدی کرتے ہیں حتیٰ کہ سجدہ میں گر جاتے ہیں اور سجدہ کی حالت میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار وعدہ خلافی سے پاک ہے یہ ناممکن ہے کہ اس نے جو اپنی پہلی کتابوں میں وعدہ کیا ہے وہ پورا نہ کرے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہونا ہی ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی توریت کتاب استثناء میں یہ وعدہ کیا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں تیرے بھائیوں (یعنی حضرت اسماعیل) میں سے ایک بنی اٹھاؤں گا اور اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالوں گا اس بشارت اور وعدہ کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب بشار النبین میں لکھ دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

اس آیت میں ان حق شناس اور طالب حق علماء اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے انکو توریت اور انجیل کا علم دیا گیا تھا جیسے زید بن عمرو بن نفیلؓ اور سلمان فارسیؓ اور ابوذر غفاریؓ وغیرہم یہ لوگ انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی خبروں کی وجہ سے



بنی آخر الزمان اور قرآن کے منتظر تھے وہ اس قرآن کو سن کر خوش ہوتے اور سجدہ شکر کرتے اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کے عیب سے پاک ہے کتب سماویہ و مقدسہ میں جو اس نے بنی آخر الزمان کے مبعوث کرنے اور قرآن کے نازل کرنے کا وعدہ فرمایا وہ تو ضرور پورا ہونا ہی تھا خدا تعالیٰ نے کتب سابقہ میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا فرما دیا قرآن کو سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ اس وعدہ کا ایفاء ہے اور ایمان لے آئے اور قرآن سننے کے وقت ان پر ایسی رقت اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر جاتے ہیں جو اس بات کی علامت ہے کہ قرآن کی موعظت انکے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہے اور یہ قرآن کا سننا بارگاہ خداوندی میں انکی فروتنی اور عاجزی کو اور زیادہ کرتا ہے یعنی وہ بڑے نرم دل ہیں قرآن سن کر ان پر عجیب رقت طاری ہو جاتی ہے یہ حال تو اہل علم کا ہے اور جاہل اور نادان اس قرآن کا مذاق اڑاتے ہیں۔



قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا

کہہ اللہ کو پکارو یا رحمن کو جو کہہ کر

تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ وَلَا تَجْهَرُوا

پکارو گے سو اسی کے ہیں سب نام خاصے اور تو نہ پکار

بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُتْ بِهِمَا وَابْتَغِ بَيْنَ

اپنی نماز میں نہ چپکے بڑھ اور ڈھونڈے اس کے

ذَلِكَ سَبِيلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي

بچہ میں راہ اور کہہ سراہیے اللہ کو جس نے

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ

نہیں رکھی اولاد، نہ کوئی اسکا سا جھی سلطنت میں

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا وَكِبْرَهُ تَكْبِيرًا ۝

نہ کوئی اس کا مددگار دُنیا کے وقت پر اور اسکی بڑائی کر بڑا جان کر



## خاتمہ سورت بر توحید و تمجید

قال اللہ تعالیٰ قل اذعوا للہ او اذعوا للرحمن... اے..... و کبرۃ تکبیراً  
(ربط) سورت کا آغاز اللہ کی تسبیح و تنزیہ سے ہوا اب سورت کا اختتام اللہ کی توحید اور اسکی تمجید اور اسکی تکبیر و تمجید پر ہو رہا ہے جو غایت درجہ لطیف ہے ابتداء کی طرح اخیر میں بھی اللہ تعالیٰ کا تمام نقائص عجز اور ذلت سے مبرا اور منزہ ہونا بیان فرمایا اور چونکہ گزشتہ آیت میں سجود اور خشوع کا ذکر تھا اس لیے اسکی مناسبت سے ان آیات میں یہ دعا یعنی خدا تعالیٰ کو پکارنے کا ذکر فرماتے ہیں واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ کہتے تھے یا اللہ یا رحمن تو اس پر مشرکین نے طعن کیا کہ ہم کو تو دو خدا کی پرستش سے منع کرتے ہیں اور خود دو خداؤں کو پکارتے ہیں اس پر آیت نازل ہوئی۔

اے نبی! کہہ دیجئے کہ خواہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر پکارو تو سب اچھے نام اسی کے ہیں جس نام سے چاہو اس کو پکارو ناموں کے متعدد ہونے سے مسمی متعدد نہیں ہو جاتا اسماء اور صفت کی تعداد سے ذات کا تعدد لازم نہیں آتا جو توحید کے منافی ہو عنوان کے بدلنے سے معنوں نہیں بدلتا اچھے نام وہ ہیں جو اللہ کی تنزیہ و تقدیس اور اسکی تمجید و تمجید اور اسکی تعظیم و تکریم پر مشتمل ہوں اور اس کے جلال اور کمال پر دلالت کریں اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں ترمذی کی روایت میں اللہ تعالیٰ کے جن اسمائے حسنی کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں۔

اللہ الذی لا الہ الا هو الرحمن الرحیم، الملک، القدوس، السلام، المؤمن، المہیمن، العزیز، الجبار، المتکبر، الخالق، الباری، المصور، الغفار، القہار، الوہاب، الرزاق، الفتاح، العلیم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السميع، البصیر، المحکم، العدل، اللطیف، الخبیر، الحلیم، العظیم، الغفور، الشکور، العلی، الکبیر، الحفیظ، المقتدر، الجلیل، الکریم، الرقیب، المجیب، الواسع، الحکیم، الودود، المجید، الباعث، الشہید، الحق، الوکیل، القوی، المتین، الولی، الحمید، المحصی، المبدی، المعید، المحی، الممیت، الحی، القیوم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدم، المؤخر، الاول، الآخر، الظاہر، الباطن، الوالی، المتعالی، البر، التواب، المنعم، العفو، الرؤف، مالک الملک، ذوالجلال والاکرام، المقسط، الجامع، الغنی، المغنی، الضار، النافع، النور، الہادی، البدیع، الباقي، الوارث، الرشید، الصبور، الستار اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں جن کی تعداد لفظ اللہ کے سوا ننانوے ہے اس کے

علاوہ اللہ کے اور نام بھی منقول ہیں جو درحقیقت انہی ننانوے ناموں میں مندرج ہیں۔  
اب دعا کے بعد صلاۃ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کیوں کہ دعا کی طرح نماز کی روح بھی خشوع ہے اور رکوع و سجود نماز کا رکن ہے دعا کے لیے رکوع اور سجود لازم نہیں اور اسے نبیؐ اپنی نماز کی قرأت میں آواز کو بہت بلند نہ کرو اور نہ بہت آہستہ کرو اور ان دونوں حالتوں کے درمیان متوسط راہ اختیار کرو یعنی نماز میں نہ تو قرأت کو اتنی بلند آواز سے کرو کہ مشرکین سن کر قرآن کو اور قرآن کے اتارنے والے کو اور اس کے لانے والے کو گالیاں دیں اور نہ اتنا آہستہ پڑھو کہ آپ کے اصحاب بھی نہ سن سکیں درمیانی راہ اختیار کرو۔ یہ مضمون حدیث میں آیا ہے معلوم ہوا کہ امام کا کام سنانے کا ہے اور مقتدی کا کام سننے کا ہے نہ کہ پڑھنے کا اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دعا کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی دعا نہ بہت بلند آواز سے مانگ اور نہ بالکل چپکے ہی چپکے، بہر حال مقصود یہ ہے کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے تو درمیانی حالت میں رہے نہ آواز بہت بلند ہو اور نہ بہت پست۔

شرعیات نے نماز کے جہر اور اخفاء کے متعلق بھی احکام بتلا دیئے اور دعا کے متعلق بھی بتلا دیئے اور یہ بھی بتلا دیا کہ نماز میں احوال مختلف ہیں کہیں جہر ہے اور کہیں اسرار ہے اور دعائیں یہ بتلا دیا کہ دعائیں اخفاء اور اسرار افضل ہے اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً۔

اب نماز اور دعا کے بعد اللہ کی تجید و تجمید اور اس کی تنزیہ و تقدیس کو ذکر کر کے سورت کو ختم فرماتے ہیں تاکہ اللہ کی کمال قدرت و عظمت ظاہر اور اہل شرک کی جہالت کا رد ہو اور کہہ دیجئے کہ کمال تعریف ہے اللہ کو جو اولاد نہیں رکھتا کیونکہ صاحب اولاد کسی نہ کسی درجہ میں اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج کمال حمد کا مستحق نہیں اس لفظ میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین کا رد ہو گیا یہود حضرت عزیرؑ کو اور نصاریٰ حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا بتاتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتاتے تھے۔  
و اور نہ کوئی سلطنت میں شریک ہے کیونکہ شرکت نقص اور عیب ہے اور جس میں نقص اور عیب ہو وہ مستحق حمد نہیں۔

و اور نہ کمزوری کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اگر وہ کمزور ہوتا تو کمال حمد کا مستحق نہ ہوتا کیونکہ جو دوسرے کی امداد کا محتاج ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں نیز جو کمزور ہو گا وہ کمال انعام پر قادر نہ ہو گا اور جو کمال انعام پر قادر نہ ہو وہ کمال حمد کا مستحق نہیں۔

و اور اسکی بکریائی اور حمد اور بڑائی کو بیان کر خوب بیان کرنا۔ دل و جان سے یہ عقیدہ رکھ کہ اس سے بڑا کوئی نہیں اور وہ تمام عیوب و نقائص سے پاک اور منزہ ہے اور تمام صفات کمال کے ساتھ وہم و خیال سے بڑھ کر موصوف ہے لہذا وہی تمام حماد کا مستحق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو اپنی تجید و تجمید پر ختم فرمایا اور تنزیہ کے لیے مدد کی تمام صورتوں کی نفی فرمادی اس لیے کہ کسی سے مدد لینے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اپنے چھوٹے سے مدد لے



جیسے باپ اولاد سے مدد لے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَخْزُ وَلَکَ اِیْنَ اِسْ صَوْرَتِ کِی نفی فرمادی دوسری صورت یہ ہے کہ اپنے مساوی سے مدد لے جیسے ایک شریک دوسرے سے مدد لے وَلَمْ یَكُنْ لَکَ شَرِیْکٌ فِی الْمُلْکِ مِیْنَ اِسْ صَوْرَتِ کِی نفی فرمادی تیسری صورت یہ ہے کہ کمزوری کی وجہ سے اپنے بڑے سے مدد لے وَلَمْ یَكُنْ لَکَ وَلِیٌّ مِّنَ الدُّنْیَا مِیْنَ اِسْ صَوْرَتِ کِی نفی کر دی ان تین جملوں میں یہود اور نصاریٰ اور مشرکین سب کا رد ہو گیا پھر اپنی کبریائی پر سورت کو ختم فرمایا لہٰذا سب سے بلند اور برتر ہے۔  
الحمد للہ آج بروز چہار شنبہ ۲۹ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ ہجری کو غروب شمس سے پہلے اس سورت کی تفسیر سے فراغت ہوئی۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

آیَاتُهَا ۱۱۰ : سُورَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ : ۶۹ : رُكُوعَاتُهَا ۱۲

سورۃ کہف مکی ہے اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا

## تفسیر سورۃ کہف

یہ سورت مکی ہے اس میں ایک سو دس آیتیں اور بارہ رکوع ہیں اس سورت کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے سورۃ کہف کی اول دس آیتیں یاد کر لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ ہو گیا۔ اخرجہ احمد و مسلم و ابوداؤد و الترمذی و النسائی و غیرہم۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھ لی وہ آٹھ دن تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا چونکہ اس سورت میں اصحاب کہف کا قصہ بیان ہوا اس لیے یہ سورت ”سورت الکہف“ کے نام سے مشہور ہوئی۔

## رابط اور مناسبت

گزشتہ سورت (سورۃ الاسراء) کا آغاز تسبیح سے ہوا اور اختتام تحمید پر ہوا اُقلِ الحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَخْذَ وَلَکَ الْخَم: اور قرآن اور حدیث میں تسبیح اور تحمید ایک دوسرے کے ساتھ مقرون ہیں۔ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ اور: سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ الْعَظِیْمِ اس لیے اس سورت کا آغاز تحمید سے ہوا جو گزشتہ سورت کی ابتداء اور آغاز کے ساتھ تو مناسب ہے اور گزشتہ سورت کے خاتمہ کا عین ہے۔

نیز وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوحِ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ کفار نے آپ کے آزمانے کے لیے تین سوال کیے تھے ایک روح کے متعلق دوسرا اصحاب کہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے متعلق پہلے سوال کا جواب گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے اور دوسرے اور تیسرے سوال کا جواب یعنی اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ اس سورت میں ذکر کیا جاتا ہے اور چونکہ اس سوال سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت میں قدح کرنا تھا اس لیے سورت کے شروع میں نزول قرآن کا ذکر فرمایا کیونکہ قرآن عظیم آپ کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے اس لیے اس سورت کے شروع میں اول آپ کی نبوت و رسالت کی دلیل اور برہان کو ذکر کیا اور اس کے بعد اصحاب کہف کا قصہ منکرین نبوت کے شبہ کے جواب میں ذکر فرمایا۔

اور علاوہ جواب کفار کے، اصحاب کہف کے قصہ سے اثبات بعث و حشر و نشر بھی مقصود تھا اس لیے اصحاب کہف کے قصہ کے بعد دنیا کا فنا و زوال اور قیامت و آخرت کا حال بیان فرمایا جو دور تک چلا گیا اور اس کی مناسبت سے اور بھی مضامین کا بیان ہوا اور جس طرح پہلے سوال یعنی روح کے متعلق سوال کے جواب کے بعد یہ فرمایا وَمَا أُوتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کہ تم کو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے اسی طرح یہاں دوسرے سوال کے جواب کے بعد یعنی اصحاب کہف کے قصہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ بندہ کو جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے کسی کو اللہ نے کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی دوسرا علم دیا پیغمبر خواہ کتنا ہی اولو العزم کیوں نہ ہو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم سے واقف ہو گویا کہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ وَمَا أُوتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کی ایک دلیل ہے پھر آخر سورت میں تیسرے سوال کے جواب میں ذوالقرنین کا قصہ ذکر فرمایا اور جس طرح اصحاب کہف کے قصہ کے بعد دنیا کے فنا و زوال اور قیامت اور عالم آخرت کا ذکر فرمایا تھا اسی طرح ذوالقرنین کے واقعہ کے بعد قیامت اور عالم آخرت کا ذکر فرمایا اور مضمون توحید و رسالت پر سورت کو ختم فرمایا۔

(یا یوں کہو) کہ پہلی سورت میں مقام نبوت کے علاوہ عروج کا اور اس کی عزت و رفعت کا اور

معجزات نبوت کا اور نبی کی آیات بینات کا بیان تھا اور اس سورت میں مقام ولایت کا اور اولیاء اللہ کی کرامتوں کا اور عزلت اور گوشہ نشینی اور فقیری اور درویشی کا بیان ہے۔

اس سلسلہ میں حق جل شانہ نے اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ یہ چند باہمت جوان تھے کہ جو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچنے کے لیے اپنے دین کو بے کر بھاگے اور ایک غار میں جا کر چھپے جیسا کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان میں ایک باب یہ منعقد فرمایا ہے باب من الدین الفوار من الفتن جس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دین کو کفر اور شرک کے فتنہ سے بچانے کے لیے بھاگ کر کسی پہاڑ اور غار میں جا چھپنا یہ بھی ایمان کا ایک عظیم شعبہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ فِیْضًا اِلَیَّ اللّٰہِ اور دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت بھی اسی فرار من الفتن کا ایک فرد ہے اور جس طرح گزشتہ سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کی ایذا رسانی کے وقت یہ دعا بتلائی گئی وَ قُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مَخْرَجَ صِدْقٍ: اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے نکلنا خروج صدق ہوا اور مدینہ میں داخل ہونا دخول صدق ہوا اسی طرح اصحاب کہف کا اپنے شہر سے نکلنا جہاں کفر اور شرک کا فتنہ بپا تھا یہ خروج صدق ہوا پھر شہر سے نکل کر کہف (غار) میں عزلت گزیں اور گوشہ نشین ہو جانا یہ دخول صدق ہوا اور اس خلوت و عزلت کی برکت سے خداوند ذوالجلال کی رحمت و کرامت کے مورد بنے کما قال تعالیٰ حَکَیْمَةً عَنْهُمْ وَاِذْ اَخْتَرْنَا لَتْؤُهُمْ وَّمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ فَاَوْا اِلَیَّ الْکَلْفِ یَنْشُرْکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِیْ وَیُلَیِّیْ کُمْ مِّنْ اَمْرِکُمْ مَّرْفَقًا۔ خدا تعالیٰ کی محبت میں اس جگہ کو چھوڑ دینا کہ جہاں خدا کی معصیت جاری ہو اور کسی غار اور پہاڑ میں جا کر چھپ جانا کہ خدا کا دشمن (کافر) نظر ہی نہ آئے یہ خود ایک عظیم عبادت ہے۔

باجہان باش دائم ہم نشین      تالوانی روئے اعدارا میں

صحیح بخاری میں ہے وَ کَانَ یَخْلُو الْغَارَ حَرًّا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے غار حرا میں خلوت و عزلت فرماتے تھے اشارہ اس طرف ہے کہ خلوت اور عزلت ایسی عظیم چیز ہے کہ مبادی نبوت میں سے ہے جیسا کہ اخلاص نیت اور رویائے صالحہ مبادی نبوت میں سے ہے اسی طرح سمجھو کہ سورہ اسراء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اور آپ کے عروج اور سیر سموات اور علو اور رفعت کا بیان تھا اب سورہ الکہف میں غار اور پہاڑ کی خلوت اور عزلت کا بیان ہے جو شان ولایت ہے اور پھر اس کرامت کا بیان ہے جو اس عزلت گزینی اور گوشہ نشینی پر اصحاب کہف کو عطا ہوئی اور پھر اس سورت کو ذوالقرنین کے قصہ پر ختم فرمایا جو سلطنت اور ولایت اور فقیری اور امیری دونوں کا جامع تھا اور اس شعر کا مصداق تھا۔

بود شاہے در زمان پیش زیں  
ملک دنیا بودش ہم ملک دیں



**فائدہ** جب نبوت اور بادشاہت ایک کبیل میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت الہیہ ہے اور ایسا بادشاہ جو نبی بھی ہو وہ خلیفۃ الہی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام یہ دونوں خلیفۃ الہی تھے کہ نبوت اور بادشاہت دونوں کے جامع تھے اور جب ولایت اور بادشاہت اور امیری اور فقیری کسی ایک کبیل اور گڈری میں جمع ہو جائیں تو اس کا نام خلافت راشدہ ہے جیسے ابو بکر اور عمر اور عثمان اور علی رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین تھے بادشاہ اور ولایت دونوں کے جامع تھے اور خاتم الانبیاء کے جانشین تھے امیر سلطنت بھی تھے اور شیخ طریقت بھی تھے۔

## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ وَلَمْ يَجْعَلْ

سرہیئے اللہ کو، جس نے اُناری اپنے بندے پر کتاب، اور نہ رکھی اس میں

لَهُ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهُ

کچھ کجی ۝ ٹھیک اتاری تاڈر سناوے ایک سخت آفت کا اسکی طرف سے

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ

اور خوشخبری دے یقین لانے والوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ اُنکو اچھا

أَجْرًا حَسَنًا ۝ مَا كَثُرِينَ فِيهِ أَبَدًا ۝ وَيُنْذِرَ الَّذِينَ

نیگ ہے جس میں رہا کریں ہمیشہ اور ڈر سناویں اُن کو

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا

جو کہتے ہیں اللہ رکھتا ہے اولاد کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی نہ اُنکے

لَا بَأْسَ بِهِمْ ط كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ط إِنَّ

باپ دادوں کو کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب

يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ۝ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ عَلَىٰ اثَارِهِمْ

جھوٹ ہے جو کہتے ہیں سو کہیں تو گھونٹ ڈالے گا اپنی جان انکے پیچھے

إِن لَّمْ يُوْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا ۝ إِنَّا جَعَلْنَا مَا

اگر وہ نہ مانیں گے اس بات کو پچھتا پچھتا کر ہم نے بنایا ہے جو

عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۝

کچھ زمین پر ہے اس کی رونق تا جانچیں لوگوں کو کون ان میں اچھا کام کرتا ہے

وَأِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ۝

اور ہم کو کرنا ہے جو کچھ اُس پر ہے میدان چھانٹ کر

## آغاز سورہ تجمید برانزال کتاب ہدایت برائے اثبات توحید و رسالت

### و ذکر فتا و زوال دنیا برائے تذکیر آخرت

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنزَلَ عَلَىٰ عَبْدِهِ الْكِتَابَ ... إِلَى ... صَعِيدًا جُرُزًا (رابطہ) گزشتہ سورت کی طرح اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور دنیا کے فنا و زوال اور اس کی حقارت اور آخرت کی جزام و سزا کو بیان فرمایا اور تین قہے بیان فرمائے جن سے بھی مقصود اثبات توحید و رسالت اور اثبات قیامت ہے اور گزشتہ سورت کو حمد پر ختم فرمایا اور اس سورت کو توحید و حمد سے شروع فرمایا اور مسئلہ نبوت سے اسکی ابتداء فرمائی اور اپنی سب سے بڑی نعمت کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ کتاب ہدایت نازل فرمائی جو تمہارے لیے سامان ہدایت ہے اور نبی کے لیے دلیل نبوت اور برہان رسالت پھر اس قرآن کو نازل کرنے کی حکمت بیان فرمائی اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت مجسم تھے اس لیے آپ کو کفار کے ایمان نہ لانے سے رنج ہوتا تھا اس لیے فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسِكَ سے آپ کی تسلی فرمائی اور اہل دنیا اور اہل غفلت کو تنبیہ فرمائی کہ یہ دنیا اور اس کی نعمتیں چند روزہ ہیں ان میں بڑا کڑا عذاب ہے اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ صَعِيدًا جُرُزًا اور اس کا

عیش و آرام چند روزہ ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں سب حمد و ثناء اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے خاص بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب قرآن کریم اتاری اور ذرہ برابر اس میں کسی قسم کی کجی نہ رکھی نہ لفظوں کے اعتبار سے اس میں کوئی خلل ہے اور نہ معانی کے اعتبار سے اس میں کوئی کمی ہے یہ کتاب تو اللہ تعالیٰ نے طاہر و باطن کی کجی دور کرنے کے لیے نازل کی اس کتاب میں کوئی بھی عیب اور کجی نہیں اور جو اس میں عیب نکالے سو وہ اسکی عقل کا فتور اور قصور ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو ٹھیک اتارا راستی اور استقامت کے ساتھ موصوف ہے خود راست اور درست ہے اور دوسروں کو راہ راست پر لے جانے والی ہے ایسی کتاب میں تو کجی کا امکان ہی نہیں اور اس آیت میں خدا تعالیٰ نے قرآن شریف کے نازل کرنے پر اپنی حمد فرمائی کیونکہ نزل قرآن اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت اور اسکی عبادت کا طریقہ معلوم ہوتا ہے اور فوز عظیم اور سعادت دارین کا ذریعہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی برہان عظیم ہے اور اس کتاب کو اس لیے نازل کیا تاکہ وہ کتاب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب سے ڈرائے جو من جانب اللہ کج طبیعت والوں پر نازل ہوگا اور تاکہ خوشخبری دے۔ اہل ایمان کو جو اعمال صالحہ کرتے۔ یعنی جن لوگوں نے اعمال صالحہ سے اپنی باطنی کجی کو دور کر لیا اور صراط مستقیم اور راہ راست پر چل پڑے ایسے لوگوں کو یہ کتاب بشارت دے کہ ان کے لیے آخرت میں نیک بدلہ ہے یعنی جنت ہے جو دار کرامت اور دار نعمت ہے جس میں یہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کبھی اس سے منتقل نہ ہوں گے اور تاکہ کافروں میں سے بالخصوص ان لوگوں کو ڈرائے کہ جنہوں نے قصور عقل اور کج راہی کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے یہ کہنے والے یہود و نصاریٰ ہیں اور خدا کے لیے اولاد تجویز کرنا یہ کج طبعی اور قصور عقل کی دلیل ہے اس بات کا ان کو کچھ بھی علم نہیں اور نہ انکے باپ دادا کو اسکی خبر ہے اس قسم کی نامعقول باتیں انکی کج طبعی کی دلیل ہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شان قدوسیّت اور سبوحیت سے بالکل بے خبر ہیں بڑی بھاری بات ہے جو انکے منہ سے نکلتی ہے یعنی نہایت نامعقول اور نازیبا بات ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ نرا جھوٹ کہتے ہیں۔ خدا کے لیے اولاد بتلانا ایسا جھوٹ ہے کہ قریب ہے کہ آسمان اور زمین پھٹ جائیں اور پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تَکَادُ السَّمُوتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا أَتْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَكِنْ أُولَادُ تَوَالِكِ هُوَ سَكْتِ ہے کہ جو جسم ہو اور اجزاء لا تتجزی سے مرکب ہو اور اپنے ترکیب اور ترتیب دینے والے کا محتاج ہو اور خدا تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک اور منزہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کج فہموں اور کج راہوں کی اس قسم کی باتیں سن کر رنج ہوتا تھا تو آپ کی تسلی کے لیے فرماتے



ہیں پس شاید آپ انکے پیچھے اپنی جان ہلاک کر دیں اگر وہ اس بات پر یعنی قرآن پر ایمان نہ لائیں تو اندیشہ ہے کہ آپ غم یا حسرت کی وجہ سے اپنی جان نہ دیدیں۔

مطلب یہ ہے کہ اتنا غم نہ کیجئے کیوں کہ یہ دنیا، دار ابتلا اور دار امتحان ہے ایک عجائب گھر ہے طرح طرح کی زینتوں سے مزین ہے کوئی کدھر جا رہا ہے اور کوئی کدھر اس لیے کہ تحقیق جو چیز بھی اس زمین پر ہے خواہ وہ نباتات ہوں یا جمادات یا انسان اور حیوانات ہوں اسکو ہم نے اہل زمین کے لیے آرائش اور زینت بنایا ہے تاکہ اہل زمین کو آزمائیں کہ ان میں سے ازراہ عمل کون شخص بہتر ہے یعنی اس عالم آرائش و زیبائش کے پیدا کرنے سے ہمارا مقصود آزمائش ہے اور ظاہر ہے کہ امتحان میں سب کامیاب نہ ہوں گے لہذا آپ اس فکر میں نہ پڑیئے کہ سب ہی کامیاب ہو جائیں عاقل وہ ہے کہ جو خدا سے غافل نہ ہو اور اس کی اطاعت میں کاہل نہ ہو اور بے شک یہ دنیا زینت کا گھر ہے لیکن اس زینت اور امتحانی آرائش کے بعد تحقیق ہم ان تمام چیزوں کو جو اس زمین پر ہیں ایک روز چٹیل میدان بنانے والے ہیں کہ اس روز زمین کی تمام ہی زینت جاتی رہے گی تو اس ناپائیدار زینت پر فریفتہ ہونا کج طبعی اور فتور عقل کی دلیل ہے۔

جہاں از رنگ و بوساز داسیرت      •      ولے نزدیک ارباب بصیرت  
نہ رنگ دکشش را اعتبار یست      •      نہ بوئے دلفریبش را مدار یست  
اللہم اجعلنا من الزاہدین فی الدنیا الراغبین فی الآخرۃ المنقطعین الیك  
امین یا رب العالمین

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ

کہ تو خیال رکھتا ہے کہ غار اور کھوہ والے ہماری قدرتوں میں

أَيُّنَا حَجَبًا ⑨ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا

اجنبھا تھے      •      جب جا بیٹھے وہ جوان اس کھوہ میں پھر بوئے

رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا

اے رب دے ہم کو اپنے پاس سے ہر اور بنا ہمارے کام کا

رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ

بناؤ      پھر تھپک دیئے ہم نے اُن کے کان اس کھوہ میں کئی برس

عَدَدًا ۱۱ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ

گنتی کے پھر ہم نے اُن کو اُٹھایا کہ معلوم کریں دو فرقوں میں کس نے یاد رکھی ہے

لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ۱۲

جتنی مدت وہ رہے

## ذکر اجمالی قصہ اصحاب کہف

قال اللہ تعالیٰ اَمْرَحِیْتُ اَنْتَ اَصْحٰبِ الْکَہْفِ وَالرَّقِیْمِ... اِلٰی.... لِمَا لَبِثُوا اَمَدًا (ربط) اوپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا ذکر تھا اب اصحاب کہف کا قصہ بیان کرتے ہیں جو آپ کی نبوت و رسالت کی بھی دلیل ہے اور قیامت کی بھی دلیل ہے چونکہ قریش نے یہود کے سکھلانے سے آپ کی آزمائش کے لیے آپ سے تین سوال کیے تھے ایک رُوح کے متعلق جس کا جواب پہلی سورت میں گزر چکا ہے اب دوسرے سوال کے جواب میں اصحاب کہف کا قصہ ذکر کرتے ہیں کہ صد ہا سال کے ماقبل کے واقعات کا صحیح علم بدون اللہ کے وحی کے ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ آپ نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ نہ کسی سے سنا اور نہ کسی کتاب میں دیکھا اور نہ پڑھا یہ آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

اور اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کی دلیل اس اعتبار سے ہے کہ جو خدا صد ہا سال سلانے کے بعد بیدار کر سکتا ہے وہ صد ہا اور ہزار ہا سال کی موت کے بعد زندہ بھی کر سکتا ہے کیونکہ النوم اخوالموت نیند اور خواب موت کا بھائی ہے دونوں بھائیوں کا حکم یکساں ہے حق جل شانہ نے اصحاب کہف کے قصہ کو اَوَّلًا اَجْمَالًا اور پھر تفصیلاً ذکر فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں اے گمان کرنے والے کیا تو یہ گمان کرتا ہے کہ اصحاب کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی عجیب چیز تھے کیونکہ یہود نے جب قریش مکہ کو اصحاب کہف کا قصہ پوچھنے کی تلقین کی تو انکی زبان سے یہ لفظ نکلا تھا فَاِنَّہٗ کَانَ لَہُمْ اَمْرٌ عَجِیْبٌ (یعنی ان کا قصہ عجیب ہے) تو ان کے اس قول سے معلوم ہوا کہ وہ اس قصہ کو بہت ہی عجیب خیال کرتے تھے اور اسی خیال سے اسکو سوال کیلئے منتخب کیا اس لیے ارشاد فرماتے ہیں کہ کیا کسی کا گمان ہے کہ یہ قصہ عجیب ہے بے شک عجیب ہے مگر ہماری آیات قدرت کے سامنے کوئی چیز عجیب نہیں آسمان اور زمین اور چاند اور سورج کی پیدائش کے عجائبات اصحاب کہف کے حال سے کہیں زیادہ عجیب ہیں اور غار ثور میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور آپ کے یار غار ابوبکرؓ کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کو اندھا بنا دینا کہ غار ثور کے منہ پر کھڑے ہو کر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکیں یہ اصحاب کہف کے قصہ سے کم عجیب نہیں اور اگر نزول سکینت و معیتِ خداوندی کی نعمت اور ملائکہ کی حراست اور حفاظت پر نظر کیجئے تو غار ثور کا واقعہ اصحاب کہف کے واقعہ سے ہت زیادہ عجیب ہے۔

**اصحاب کہف و رقیم** | کہف اس وسیع غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ کے اندر ہو اور رقیم کے معنی لکھی ہوئی چیز کے ہیں لوگوں نے اصحاب کہف کے نام اور ان کا قصہ ایک پتھر یا رانگ کی تختی پر کندہ کر کے اس غار کے منہ پر نصب کر دیا تھا اس وجہ سے انکو اصحاب کہف و رقیم کہتے ہیں۔

اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں غار میں ہونے کی وجہ سے اصحاب کہف کہلاتے ہیں اور چونکہ ان کے نام اور قصہ کی تختی لکھ کر وہاں لگا دی تھی اس لیے اصحاب رقیم کہلاتے ہیں بہر صورت اصحاب کہف اور اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں اور فی الحقیقت دونوں ایک ہیں اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ اصحاب رقیم اور اصحاب کہف دو علیحدہ علیحدہ جماعتیں ہیں اور رقیم کے معنی پہاڑ کی کھوہ کے ہیں اور قرآن کریم میں اصحاب کہف کا قصہ تو ذکر کیا گیا مگر اصحاب رقیم کا قصہ قرآن مجید میں ذکر نہیں کیا گیا محض عجیب ہونے کے لحاظ سے اصحاب کہف کے تذکرہ میں اس کا بھی ذکر کر دیا گیا اور فی الحقیقت اصحاب رقیم (کھوہ والے) سے وہ تین اشخاص مراد ہیں جو بارش سے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے اور اوپر سے ایک پتھر آ پڑا تھا جس نے غار کا منہ بند کر دیا تھا اس وقت ہر شخص نے اپنی عمر کے نیک اور مقبول ترین عمل کا واسطہ دیکر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی جس سے بتدریج غار کا منہ کھل گیا امام بخاریؒ نے اصحاب کہف کا ترجمہ منعقد کرنے کے بعد حدیث الغار کے عنوان سے ایک مستقل باب منعقد فرمایا اور اس کے ذیل میں بنی اسرائیل کے ان تین شخصوں کا قصہ ذکر فرمایا جو غار میں بند ہو گئے تھے اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان ہو گیا کہ اصحاب رقیم دوسری جماعت ہے اور راجح اور صحیح قول یہی ہے کہ رقیم کے معنی کھوہ کے نہیں بلکہ رقیم کے معنی کتاب مرقوم کے ہیں جیسا کہ قرآن مجید سے منقول ہے کہ رقیم سے وہ لوح مراد ہے جس پر اصحاب کہف کے نام اور ان کے نسب اور ان کا دین اور مذہب مرقوم تھا اور اسی کو ابن جریرؒ اور ابن کثیرؒ نے اختیار کیا کہ صحیح یہ ہے کہ اصحاب کہف اور اصحاب رقیم دونوں ایک ہی ہیں اور دوسرے قول کی بناء پر دو علیحدہ علیحدہ قصے ہیں :-

(دیکھو زاد المسیر لابن الجوزی ص ۱۰۸ جلد ۵)



اب ان آیات میں حق جل شانہ اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرماتے ہیں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے مجمل اور مختصر ذکر فرمایا پھر ضروری تفصیل فرمائی۔

چنانچہ فرماتے ہیں یاد کرو اس وقت کہ جب ان نوجوانوں نے دنیا کی زینت اور آرائش سے منہ موڑ لیا اور کفر اور شرک کے فتنہ سے بھاگ کر ایک غار میں جا کر پناہ لی اور اپنے عالی شان مکانوں کو چھوڑ کر غار کو اپنا ماؤمی اور بلجا بنایا کیونکہ یہ جوان سب شاہی خاندان کے تھے بڑے دولت مند تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے چونکہ عزیز واقارب کا فرق تھے اور بادشاہ وقت بت پرست ظالم تھا لوگوں کو کفر و شرک پر مجبور کرتا تھا اس لیے یہ چند جوانان ہمت اور مردانِ آخرت اپنے دین اور ایمان کو لے کر شہر سے بھاگے اور شہر کے قریب پہاڑ کے ایک غار میں جا چھپے کہا جاتا ہے کہ اس پہاڑ کا نام بنجلوس تھا اور اس غار کا نام جیرون تھا واللہ اعلم۔

پس جب غار پر پہنچے تو دعا کی اور یہ کہا اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے کامیابی اور راہِ ہادی فرمایا کہ ہمارا انجام نیک ہو ورحمت سے مراد حق اور ہدایت پر استقامت اور دشمنوں سے امن اور حفاظت ہے۔ سو ہم نے انکی دعا قبول کی اور اسکا سامان یہ کیا کہ اس غار میں گنتی کے چند سالوں تک ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا یعنی غار میں انکو ایسی گہری نیند سلایا کہ گویا کہ ان کے کانوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں کہ کوئی آواز انکے کانوں تک نہ پہنچ سکے مطلب یہ ہے کہ ہم نے انکو تمام زحمتوں اور پریشانیوں سے بے خوف و خطر آرام سے سلا دیا اور ہم نے ان پر ایسی نیند غالب کر دی کہ برسوں تک بے فکر سوتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے گنتی کے سال ان تین سو برسوں کو اسیلئے فرمایا کہ حق تعالیٰ کے یہاں تو ایک دن ہزار سال کا ہے وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ : اس اعتبار سے تو وہ گویا چند گھنٹے سوتے اور چند گھنٹے سونا کوئی عجیب بات نہیں نہ نادان کیوں تعجب کرتے ہیں حق تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کے ظاہر کرنے کیلئے رَسُوْلًا عَزَّوَجَلَّ کا لفظ استعمال فرمایا پھر ان گنتی کے سالوں کے بعد ہم نے انکو نیند سے اٹھایا جیسے موت کے سالہا سال بعد لوگوں کو قیامت میں اٹھا دیں گے تاکہ ہم دیکھ لیں اور دکھلا دیں کہ اس قصہ میں دو فریقوں میں سے کون سے فریق نے انکے غار میں رہنے کی مدت کو خوب یاد رکھا ہے اور کس کا شمار بہت صحیح ہے جب وہ جاگے تو آپس میں گفتگو ہوئی کہ کس قدر سوتے کسی نے کہا کہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ اور کسی نے کہا کہ تمہارا پروردگار

۱۔ اس ترجمہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ اُحْصٰی فعل ماضی کا صغہ ہے اور بعض نے اُحْصٰی کو اُفْعِلُ التَّفْصِيْلُ قرار دیا ہے تو اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ کون سا فریق اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔

ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے قالُوا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَيْسْتُمْ اُنْهٰی کا قول ٹھیک تھا کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم طویل مدت سوئے یہ کلام اجمالی طور پر صحیح ہے اگرچہ اس میں مدت کا تعین نہیں یہاں تک اللہ تعالیٰ نے انکے حال کو اجمالی طور پر بیان فرمایا اور آئندہ آیات میں اسکی ضروری تفصیل فرمائی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ آیات کی تفسیر سے پہلے اصحاب کہف کے قصہ کی کچھ تفصیل کر دی جائے تاکہ ناظرین کو آیات کے سمجھنے میں سہولت ہو۔

## اصحاب کہف کا قصہ

محمد بن اسحاق<sup>۱</sup> اور دوسرے اہل سیر نے نقل کیا ہے کہ ملک روم میں دقیا نوس نامی ایک بت پرست بادشاہ تھا جو بڑا ظالم اور جبار تھا اپنی رعایا کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اور زبردستی ان سے بتوں کو سجدہ کراتا تھا جس شخص کی نسبت سُنتا کہ وہ توحید پر قائم ہے اور بت پرستی سے متنفر ہے اسکو پکڑوا بلاتا اور بت کے آگے سجدہ کرنے یا قتل ہو جانے کے درمیان اسکو اختیار دیتا جو بت کو سجدہ کرتا وہ نجات پاتا اور جو انکار کرتا اسکو سنگسار کرتا اور عبرت ناک سزا دیتا جہاں جہاں اسکی حکومت تھی سب جگہ یہی آفت برپا تھی روم کے شہروں میں ایک شہر افسوس تھا جس کو عرب ططوس کہتے ہیں وہاں چند نوجوان تھے جو شاہی خاندان سے تھے ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر قائم تھے اور دین مسیحی کے پیرو تھے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد خواب سے بیدار ہوتے ہیں۔

(دیکھو روح البیان ص ۲۲۱ جلد ۵)

امام طبری<sup>۲</sup> فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد گزرے ہیں اور انکا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے ابن کثیر<sup>۳</sup> نے اسی قول کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے۔

اس ظالم بادشاہ کو جب ان نوجوانوں کا حال معلوم ہوا تو اپنے پیادے بھیج کر انکو پکڑوا بلوا لیا اور کہا کہ تم میرے معبودوں کو کیوں نہیں پوجتے اور انکے لیے قربانی کیوں نہیں کرتے — تم کو چاہیے کہ عقیدہ توحید سے باز آ جاؤ ورنہ میں تم کو قتل کر دوں گا اس کے جواب میں مکسلینا نے جو ان میں سب سے بڑا تھا کہا کہ ہمارا معبود وہ ہے جس کی عظمت اور جلال سے آسمان و زمین یں ہم اسکے سوا کسی کو نہیں پوجیں گے تجھ سے جو ہو سکتا ہے کہ گزر اس کے بعد دوسرے ساتھیوں نے بھی یہی کہا اس ظالم نے جب انکا یہ قول سنا تو انکے کپڑے اور سونے چاندی کا جو زیور وہ پہنے ہوتے تھے سب اتروا لیے اور کہا کہ جس سزا کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے وہ

میں تم کو ضرور دوں گا مگر میں تمہاری نوعمری کا خیال کر کے تم کو ہمت دیتا ہوں تاکہ تم اپنے معاملے میں غور و فکر کر لو اچھا اب تم جاؤ اگر تم نے عقل سے کام لیا تو بہتر ورنہ تمہاری سزا قتل ہے یہ کہہ کر وہ ظالم کام سے دوسرے شہر میں چلا گیا جب یہ نوجوان اس سے جدا ہوئے تو آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ سب اپنے اپنے باپ کے گھر سے کافی مقدار میں خرچ لے لیں پھر اس میں سے کچھ خیرات کریں اور باقی کو بطور توشہ اپنے ساتھ رکھیں اور شہر کے قریب جو پہاڑ ہے اس کے غار میں جا کر چھپ جائیں اور وہیں رہ کر اپنے خدا وحدہ لا شریک لا کی عبادت کرتے رہیں چنانچہ وہ سب اس رات پر متفق ہو گئے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنے باپ کے گھر سے خرچ لیا کچھ اس میں سے خیرات کیا اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر غار کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں سے ایک چرواہا اور چرواہے کا کتا بھی انکے پیچھے پیچھے ہو لیا ہر چند اسکو دفع کیا لیکن وہ دفع نہ ہوا اور اس نے اُن کا پیچھا نہ چھوڑا خدائے تعالیٰ نے اس کتے کو بولنے کی قوت دی تو بولا کہ تم مجھ سے نہ ڈرو میں خدا کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں میں تمہاری حفاظت اور پاسبانی کروں گا جب پہاڑ کے پاس پہنچے تو وہ چرواہا بولا کہ میں اس پہاڑ کے ایک غار کو جانتا ہوں کہ ہم اس میں پناہ لے سکتے ہیں متفق ہو کر سب اس غار کی طرف روانہ ہوئے اور غار میں پہنچ کر نماز اور تسبیح اور تحمید میں مشغول ہو گئے ان میں سے ایک کا نام تمیلینا تھا اس کے پاس سب نے اپنا خرچ جمع کر دیا وہ رات کو چھپ کر اور بھیس بدل کر شہر میں جاتا اور انکے لیے کھانا لاتا اور شہر کی خبریں ان تک پہنچاتا جب دقیانوس اپنے کام سے فارغ ہو کر پھر شہر افسوس (ططوس) واپس آیا تو اس نے ان سات جوانوں کی تفتیش کا حکم دیا تمیلینا کو جب یہ معلوم ہوا کہ سرکاری طور پر ہماری تلاش ہو رہی ہے اور ہمارے اعزاء و اقارب کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ ہمارا پتہ بتلائیں تو تمیلینا یہ معلوم کر کے تھوڑا کھانا اپنے ساتھ لے کر روتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا اور بتلایا کہ وہ ظالم پھر شہر میں آگیا ہے اور اس نے ہماری تلاش کا حکم دیا ہے یہ سنتے ہی سب گھبرا کر سجدہ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ اس ظالم کے فتنے سے ہم کو پناہ دے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے دعا سے فارغ ہو کر وہ آپس میں باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کو تسلی دینے لگے اللہ تعالیٰ نے دفعۃً ان سب پر نیند طاری کر دی اور سب پڑ کر سو گئے اور کتا غار کے منہ پر اپنی باہیں پسار کر پڑ گیا۔

اگلے روز دقیانوس نے انکو تلاش کیا مگر کہیں ان کا پتہ نہ چلا شہر کے سرداروں سے پوچھا اور کہا کہ مجھ کو ان نوجوانوں کے لاپتہ ہونے کا بڑا رنج ہے اگر وہ توبہ کر لیتے اور میرے معبودوں کو پوجنے لگتے تو میں انکو معاف کر دیتا سرداروں نے کہا کہ حضور نے حد درجہ ہربانی کی کہ ان سرکشوں پر رحم فرمایا اور ان کو ہمت دی وہ چاہتے تو اس مدت میں توبہ کر لیتے مگر انہوں نے توبہ



نہ کی بڑے ہی سرکش اور نافرمان ہیں بادشاہ یہ سن کر اور غضب ناک ہوا اور ان کے باپوں کو پکڑوا بلایا اور پوچھا کہ بتلاؤ کہ تمہارے وہ سرکش بیٹے جنہوں نے میرے حکم کو نہیں مانا کہاں گئے انہوں نے کہا حضور واقعی سرکش ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کہاں روپوش ہو گئے ہیں باقی ہم نے حضور کی کوئی نافرمانی نہیں کی انکے جرم میں ہم کو قتل نہ کیجیے بادشاہ نے یہ سن کر انکو تو چھوڑ دیا اور جوانوں کی تلاش میں پڑ گیا۔ بادشاہ کو بڑی تحقیق و تفتیش کے بعد کسی ذریعے سے یہ معلوم ہوا کہ وہ نوجوان شہر کے قریبی پہاڑ کے کسی غار میں جا چھپے ہیں بادشاہ کو یہ علم ان جوانوں کے باپوں کے ذریعے سے ہوا کہ انہوں نے بادشاہ کے ڈر سے بتلا دیا کہ وہ غار میں جا چھپے ہیں یا کسی اور ذریعے سے علم ہوا واللہ اعلم۔

غرض یہ کہ بادشاہ نے ان کے باپوں کو تو چھوڑ دیا اور اگلے روز خود قیانوس ارکانِ دولت کو ساتھ لے کر انکی تلاش میں نکلا اور اس غار کے منہ تک پہنچ گیا مگر اس پر کچھ ایسا رعب اور دہشت طاری ہوئی کہ بادشاہ اور اسکے ہمراہیوں میں سے کوئی اندر داخل نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کو اس ظالم سے مخفی رکھا جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے یار غار کو جب وہ غار میں چھپے تھے کافروں سے پوشیدہ رکھا اور محفوظ رکھا اور انکی نظروں کو ایسا خیرہ کر دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کو نہ دیکھ سکے حالانکہ وہ غار ثور کے کنارے پر تھے ذرا بھی اگر اپنے قدموں پر نظر کرتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کو دیکھ لیتے۔

دقیانوس کو جب ان کا کچھ پتہ نہ چلا تو خدا تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اس غار کے منہ کو بند کرادیا جائے تاکہ بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر اسی کے اندر مرجائیں اور یہی غار جس میں انہوں نے پناہ لی ہے وہی انکی قبر بن جائے۔

(تفسیر علہ درمنثور ص ۲۱۵ جلد ۴)

دقیانوس کا یہ خیال تھا کہ وہ اندر جاگ رہے ہیں اور جو کچھ انکے ساتھ کیا جا رہا ہے اس کا انکو علم ہے مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اندر بیٹھی نیند سو رہے ہیں اور وہ کروٹیں بدل رہے ہیں اور ان کا کتا غار کے دروازے پر اپنی باہیں پسارے پڑا ہے دقیانوس کے حاشیہ نشینوں میں دو شخص تھے جو درپردہ مسلمان تھے اور اپنے ایمان کو چھپاتے ہوئے تھے ان میں سے ایک کا نام بیدروس اور دوسرے کا نام رونا س تھا انہوں نے رائگ کی دو تختیوں پر ان نوجوانوں کے نام اور نسب اور مفصل واقعہ لکھ کر یا کندہ کر کر ایک تانبے کے تابوت میں رکھا

ملہ فخر ج الملک باصحابہ یبتعونہم حتی وجدوہم قد دخلوا الکھف فلما اراد الرجل منهم ان یدخل اربع فلم یطوق احد منهم ان یدخلہ فقال لکھ قائل الست قلت لو قدرت علیہم قتلتہم قال بلی قال فابن علیہم باحب الکھف ودعہم یموتوا جوعا وعطشا ففعل الخ (تفسیر درمنثور ص ۲۱۵ ج ۴)

اور پھر اس تابوت کو غار میں رکھ دیا شاید اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے کسی مومن قوم کو ان جوانوں کے حال پر مطلع کرے۔  
حافظ عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جب باوجود تلاش کے اصحاب کہف کا پتہ نہ چلا تو بادشاہ ہی نے حکم دیا کہ ان سب کے نام رانگ کی ایک سختی پر لکھ کر خزانہ میں محفوظ کر دیئے جائیں۔  
(دیکھو فتح الباری ص ۳۶۶ جلد ۶ باب قولہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ) غرض یہ کہ وہ ساتوں جوان غار میں جا کر چھپ گئے اور کسی کو ان کا پتہ نہ چلا اللہ تعالیٰ نے ان جوانوں کو ایسا سلایا کہ مسلسل تین سو سال تک سوتے رہے اس زمانہ میں دنیا نوس بھی مر گیا اور اس کا قرن بھی گزر گیا اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے بہت سے بادشاہ ہوئے اور دنیا سے رخصت ہوئے مگر اصحاب کہف تین سو نو برس تک راحت و آرام سے اسی غار میں پڑے سوتے رہے جب ان کی بیداری کا وقت قریب آیا تو من جانب اللہ ایک ایسا بادشاہ آیا کہ جو عابد و موحد بھی تھا اور عادل بھی تھا اور بتوں کو توڑتا تھا اس کے دور حکومت میں اصحاب کہف تین سو سال کی طویل نیند سے بیدار ہوئے یہ فرماں روا نہایت نیک بخت اور خدا پرست تھا اور اس کا نام بیدروس تھا اڑسٹھ سال اس نے سلطنت کی اس کے زمانہ میں قیامت کے بارے میں بڑا اختلاف ہو رہا تھا بعض تو بالکل ہی قیامت اور حشر و نشر کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جینا نہیں اور بعض کہتے تھے کہ قیامت حق ہے مگر روحانی ہے جسمانی نہیں یعنی حشر صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا مرنے کے بعد زمین جسم کو کھا جاتی ہے فقط روح باقی رہ جاتی ہے اس لیے فقط روح کا بعث ہوگا اور بعض کہتے تھے کہ روحانی اور جسمانی دونوں ہوگا کہ حسب سابق روحوں اور جسموں دونوں ہی کا حشر ہوگا۔

بادشاہ حق پرست اور نیک دل تھا لوگوں کا یہ اختلاف اس پر بڑا گراں تھا جب اس نے اہل باطل کو یہ کہتے سنا کہ زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں اور اگر حشر ہوگا تو صرف روحوں کا ہوگا جسموں کا نہیں ہوگا تو اس کو رنج ہوا کہ اہل باطل اہل حق پر غالب آنے کی کوشش کر رہے ہیں بادشاہ نے لوگوں کو نصیحت بھی کی مگر لوگوں نے اس کی نصیحت کو قبول نہ کیا۔

جب بیدروس نے یہ دیکھا تو اپنے گھر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا اور دن رات اللہ کے سامنے رونے اور گڑگڑانے لگا اور یہ دعا کرنے لگا کہ اے پروردگار تو ان لوگوں کے اختلاف کو دیکھ رہا ہے تو غیب سے ایسی نشانی بھیج کہ جس سے حق کا حق اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے اللہ تعالیٰ نے اسکی دعا قبول کی اور اس شہر کے ایک شخص اولیاس نانی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ کوہ بنجلوس کے غار پر جو عمارت ہے اسکو گر کر اپنی بکریوں کے لیے ایک باڑہ بنائے آخر مز دوروں کو لے کر اس عمارت کے پتھر اکھاڑنے شروع کیئے جب غار کے منہ پر کے تمام پتھر اکھڑ چکے اور اس کا منہ کھل گیا تو حق تعالیٰ نے ان جوانوں کو سیدار کر کے اس میں بٹھا دیا غار والے جب بیدار ہوئے تو انکو یہ معلوم ہوا کہ ہم معمولی نیند سے بیدار ہوئے ہیں اور سمجھے کہ شاید ایک دن یا آدھے دن مصروف خواب

رہے حالانکہ اس عرصہ دراز میں ملک کی کایا پلٹ چکی تھی نہ وہ حکومت رہی تھی نہ وہ بادشاہ رہا خواب سے بیدار ہوتے ہی نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے جب نماز سے فارغ ہوئے تو بھوک محسوس ہوئی تمیلینا سے کہا کہ شہر میں جاؤ وہاں سے کھانا مول لے کر آؤ اور دقیا نوس اور اہل شہر کا حال معلوم کر کے آؤ تمیلینا نے کہا کہ کل شہر میں تمہاری تلاش ہوئی ہے اور بادشاہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تم کو پکڑوا کر تم سے بتوں کو سجدہ کرائے یا تم کو قتل کر دے مکسبینا نے ان سے کہا بھائیو! تم کو معلوم ہے کہ ایک روز تم ضرور اپنے پروردگار سے ملنے والے ہو یہ دشمن خدا جب تم کو بلاتے تو ہرگز ہرگز کفر نہ کرنا پھر تمیلینا سے کہا کہ تو شہر جا اور معلوم کر کہ ہمارے بارے میں دقیا نوس کی کیا رائے ہے اور چپکے چپکے جا کہ کسی کو خبر نہ ہو اور کھانا لے کر جلد ہمارے پاس واپس آجا ہم بھوکے ہیں تمیلینا نے اپنے کپڑے اتارے اور مزدوروں جیسے میلے کچیلے کپڑے پہنے اور بھیس بدل کر دقیا نوس کے سکے کے روپے اپنے ساتھ لے کر شہر کو چلا جب غار کے منہ پر پہنچا تو وہاں اکھڑے ہوئے پتھر دیکھے انکو دیکھ کر سخت متعجب ہوا مگر اس کی پرواہ نہ کی اور سیدھا شہر کو چلا گیا چونکہ دل پر دقیا نوس کا خوف سوار تھا یہ معلوم نہ تھا کہ دقیا نوس کو مرے ہوئے تین سو برس گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کتنی سلطنتیں بدل چکی ہیں چھپتا چھپتا اور ڈرتا ڈرتا شہر میں داخل ہوا دیکھا کہ شہر کا رنگ بدلا ہوا ہے جا بجا اہل ایمان نظر پڑے یہ منظر دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ شاید یہ وہ شہر نہیں ہے اسی طرح حیران و ششدر گھومتا رہا بالآخر ایک جوان سے پوچھا کہ اے جوان اس شہر کا کیا نام ہے اس نے کہا افسوس (طروس) یہ سن کر تمیلینا کو اور بھی حیرانی ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے بالآخر پھرنا پھرنا نانبائیوں کی دکان کی طرف گیا اور کھانا خریدنے کے لیے روپیہ نکالا اور دکاندار سے کہا کہ مجھ کو اس روپیہ کا کھانا دید و دکاندار نے جب اس روپیہ کو اور اسکی ضرب کو دیکھا تو سخت متعجب ہوا اور کہنے لگا کہ یہ سکہ تو اس وقت کا نہیں اور اپنے پاس والوں کو دکھایا اور بولا کہ یہ سکہ تو دقیا نوسی سکہ ہے، (جیسے آج کل کا محاورہ ہے کہ جو چیز پرانی ہوتی ہے) اس کو دقیا نوسی کہتے ہیں وہ غالباً اسی واقعہ سے ماخوذ ہے اس دقیا نوسی سکہ کو دیکھ کر لوگ تعجب میں پڑ گئے اور آپس میں یہ کہنے لگے کہ شاید اس شخص کو پرانے وقتوں کا زمین میں گڑا ہوا خزانہ مل گیا ہے اور یہ شخص اپنا راز کسی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتا لوگوں نے اس سے پوچھا کہ بیچ بتاؤ کہ یہ روپیہ تم کو کہاں سے ملا ہے شاید تم کو اگلے زمانہ کا کوئی خزانہ یا دفتینہ مل گیا ہے تمیلینا نے جب ان لوگوں کی یہ باتیں سنیں تو خوف کے مارے کانپنے لگا اور خیال کیا کہ شاید ان لوگوں نے پہچان لیا ہے اور اب یہ لوگ مجھ کو اپنے بادشاہ دقیا نوس کے پاس لیجائیں گے تمام شہر میں اس کا چرچا ہو گیا ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ اس شخص کو پرانے زمانے کا خزانہ مل گیا ہے اہل شہر اسکے ارد گرد جمع ہو گئے اسکو دیکھتے اور یہ کہتے کہ بخدا یہ جوان اس شہر کا باشندہ نہیں مگر اس کو دل میں یقین تھا کہ اس کا باپ اور اسکے بھائی اسی شہر کے ہیں وہ خبر سن کر ضرور چھڑانے آئیں گے لیکن کوئی نہ آیا اہل شہر تمیلینا کو شہر کے دو بڑے افسروں کے پاس لے گئے جو بڑے نیک بخت تھے



ایک کا نام آریوس اور دوسرے کا نام طنطیوس تھا بڑے سوال و جواب کے بعد وہ دونوں افسر بولے کہ اس شخص کو بادشاہ کے پاس لے چلو تمیلخا کو یہ گمان ہوا کہ اب مجھ کو اس ظالم دقیانوس کے پاس لے جائیں گے دانتیں بائیں دیکھتا تھا اور روتا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ظالم بادشاہ مرجکا ہے جسے مرے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں تب تمیلخا کو ہوش آیا اور اس کا رونا موقوف ہوا اس وقت اس نے بتایا کہ ہم چند جوان دقیانوس کے ڈر سے غار میں جا چھپے تھے وہاں جا کر ہم سو گئے آج ہم کھانا لینے آتے ہیں اور میں نے کوئی خزانہ نہیں پایا یہ روپیہ میرے باپ کا دیا ہوا ہے اس پر اسی شہر کا نقش ہے اور یہ سکہ اسی شہر میں ڈھلا ہے اور اپنے ساتھیوں کے نام بتلائے اور کہا کہ اگر آپ کو میری بات میں شک ہے تو وہ غار قریب ہے آپ دونوں حاکم میرے ساتھ چلیں اور جا کر خود تصدیق کر لیں اس گفتگو کے بعد آریوس اور طنطیوس اور اہل شہر غار کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اصحاب کہف کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

ادھر تو یہ معاملہ گزرا اور ادھر اصحاب کہف پریشان تھے کہ تمیلخا کو کھانا لانے میں دیر ہو گئی ہے خدا نخواستہ کہیں پکڑا تو نہیں گیا یہ خیال کر کے نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور نماز سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کو صیت کرنے لگے یہ باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں آریوس اور اس کے ساتھی غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے تمیلخا ان سے آگے غار میں داخل ہوا اور سارا حال ان سے بیان کیا اس وقت انکو یہ معلوم ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین سو نو برس سوتے رہے اور صرف اس لیے جگائے گئے ہیں کہ لوگوں کے لیے قیامت کی نشانی اور حشر جسمانی کا نمونہ بنیں اور انکے اس قدر طویل مدت تک پڑے سوتے رہنے اور پھر جاگ اٹھنے سے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قیامت اور حشر جسمانی بلاشبہ حق ہے غرض یہ کہ غار میں اول تمیلخا داخل ہوا اس کے پیچھے آریوس داخل ہوا جب وہ پہنچا تو اس نے وہاں تانبے کا ایک تابوت دیکھا جس پر چاندی کی مہر لگی ہوئی تھی دروازے پر کھڑے ہو کر رؤس شہر کی ایک جماعت کو بلایا اور سب کے سامنے اس تابوت کو کھولنے کا حکم دیا اس میں رانگ کی دو تختیاں نکلیں جن پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

”مکسلینا، تمسلینا، تمیلخا، مرطونس، کشطونس، بیرونس، و تیمونس لطبیوس، قابوس، والکلب اسمہ قطیر۔ یہ چند نوجوان تھے جو اپنے بادشاہ دقیانوس سے اس خوف کی بناء پر کہ کہیں وہ انکو دین سے نہ بچلا دے بھاگ کر اس غار میں جا چھپے جب بادشاہ کو ان کے غار میں چھپنے کی خبر ملی تو اس نے پتھر دلوں سے اس غار کا منہ بند کر دیا ہم نے ان کا کل حال اور قصہ لکھ دیا ہے تاکہ بعد کے لوگوں میں جو کوئی اس غار پر اطلاع پائے انکا حال معلوم کرے۔“

جب یہ لوح پڑھی گئی تو اس میں تمیلخا کا نام نکلا اس وقت تمیلخا نے کہا کہ میں تمیلخا ہوں اور باقی میرے ساتھی ہیں جب آریوس اور اسکے ساتھیوں نے اس تحریر کو پڑھا تو حقیقت حال ان پر منکشف ہوئی اور بڑا تعجب ہوا کہ عجیب ماجرا ہے تین سو سال کے بعد بیدار ہوئے اللہ کا شکر کیا اور اسکی حمد و ثناء کی

کہ اس نے قیامت کے دن مردوں کے زندہ ہونے کا نمونہ دکھلایا پھر آریوس نے اپنے نیک بخت، نیک سیرت اور خوش بخت بادشاہ کے پاس قاصد بھیجا جس کا نام بیدروس تھا کہ جلد آئے تاکہ آپ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی دیکھ لیں آپ کے دور حکومت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے حشر کا ایک نمونہ ظاہر کیا تاکہ لوگوں کو نور اور ضیاء حاصل ہو اور وہ حشر جسمانی کی تصدیق کریں وہ نشانی یہ ہے کہ اللہ نے چند جوانوں کو تین سو برس تک سلایا اور پھر انکو صحیح سالم جگایا اور اٹھایا اسی طرح قیامت کے دن روح اور بدن اٹھائے جائیں گے اللہ نے اپنی قدرت کی ایک نشانی دکھلا دی تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ معاد جسمانی حق ہے۔

شاہ بیدروس یہ خبر سنتے ہی شاداں و فرحاں وہاں پہنچا اور غار میں داخل ہو کر جوانوں کو دیکھا تو بکمال مسرت و سجدہ میں گر پڑا پھر اس نے معاف کیا اصحاب کہف زمین پر بیٹھے اللہ کی تسبیح و تہجد کر رہے تھے ملاقات کے بعد اصحاب کہف نے شاہ بیدروس سے کہا کہ ہم تم کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں اللہ تیری اور تیرے ملک کی حفاظت کرے اور جن و انس کے شر سے تجھ کو پناہ میں رکھے تم پر اللہ کا سلام ہو یہ کہہ کر بادشاہ کو رخصت کیا اور جا کر اپنی خواب گاہوں پر لیٹ گئے اور وہیں اللہ نے انکو وفات دی بادشاہ نے انکو کپڑے اڑھائے اور حکم دیا کہ ان سے ہر ایک کو سونے کے تابوت میں رکھ دیا جائے رات کو جب سویا تو خواب میں آئے اور کہا ہم سونے کے نہیں ہم سٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور مٹی ہی میں مل جائیں گے جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہم کو غار کے اندر مٹی پر رہنے دیا جائے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ہم کو اٹھائے تب بادشاہ نے انکو ساج رسال کے تابوت میں رکھوا دیا اور جب وہ لوگ وہاں سے نکلے تو دہشت کے مارے دوبارہ پھر اس مقام میں داخل نہ ہو سکے اور غار کے منہ پر بادشاہ نے ایک مسجد بنوا دی یہ اصحاب کہف کا واقعہ قیامت کا نمونہ ہے اور اس سے یقین ہوتا ہے کہ بے شک قیامت حق ہے جس خدا نے اصحاب کہف کو تین سو سال تک خواب کی حالت میں صحیح سالم پڑے رہنے کے بعد جگایا اسے مردوں کا زندہ کرنا کیا مشکل ہے ۹۔

اصحاب کہف کے قصہ کی یہ تفصیل جو ہم نے ہدیہ ناظرین کی ہے تفسیر سراج منیر ص ۳۹۳ جلد ۲ میں مذکور ہے اور ابتدائی قصہ کے اجزاء تفسیر قرطبی ص ۳۵۷ جلد ۱۰ سے لیے گئے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر کتب سیرت سے بھی کچھ اجزاء اس میں شامل کر دیئے ہیں تاکہ پورا قصہ بیک نظر نارئین کے سامنے آجائے۔

آخر میں شاہ بیدروس کا واقعہ نقل کیا اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ نیک بخت بادشاہ غار میں داخل ہوا اور اصحاب کہف سے ملا اور وہ زندہ تھے اور اصحاب کہف نے اس کے لیے دعا کی لیکن بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف بادشاہ کے غار میں داخل ہونے سے پہلے ہی وفات پا گئے اور بادشاہ نے انکو غار میں مردہ پایا زندگی کی حالت میں انکو نہیں دیکھ سکا اور ان سے مل سکا۔

(دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۱۵ جلد ۲)

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور ارکان دولت جب غار کے دروازے پر پہنچے تو تمیلینا نے کہا کہ آپ حضرات ذرا یہیں ٹھہریں پہلے میں اندر جاتا ہوں کہ اندر جا کر اپنے اصحاب کو خبر دوں تاکہ وہ اس ناگہانی آمد کو دیکھ کر گھبرا نہ جائیں چنانچہ اول تمیلینا غار میں داخل ہوا اس کے بعد علماء کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ تمیلینا کے اندر داخل ہو جانے کے بعد بادشاہ اور ارکان دولت سب ششدر اور حیران رہ گئے اور ان کو پتہ نہ چلا کہ تمیلینا کہاں گیا کیونکہ وہ غار بہت وسیع تھا اور سب پر ایسا رعب اور ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کوئی بھی اندر داخل نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ نے انکے حال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا (اور دوسرا قول) یہ ہے کہ بادشاہ اور ارکان دولت غار میں داخل ہوئے اصحاب کہف سے ملے ان کو سلام کیا اور ان سے معاف کیا پھر اصحاب کہف نے اس مسلمان بادشاہ کو دعا دیکر رخصت کیا اور اپنی خواب گاہوں کی طرف لوٹ گئے اور اللہ نے انکو وفات دی۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۷۷، جلد ۳)

بادشاہ مع ارکان دولت ان سے مل کر غار سے باہر آیا اور غار کا منہ بند کرادیا حافظ عسقلانیؒ نے فتح الباری ص ۳۶، جلد ۲ میں جو روایت نقل کی ہے وہ پہلے قول کی تائید کرتی ہے وہ روایت یہ ہے قاجتمع الناس فرفعوه الى الملك فساله فقال علي باللوح وكات قد سمع به فسمي اصحابه فعرفهم من اللوح فكبر الناس وانطلقوا الى الكهف وسبق الفتى لعدا يخاقوا من الجيوش فلما دخل عليهم على الله على الملك ومن معه المكات فلم يدرا اين ذهب الفتى فاتفقوا عليهم على ان يبنيوا عليهم مسجدا فجعلوا يستغفرون لهم منهم (کذا فی فتح الباری ص ۳۶) باب قول اللہ تعالیٰ اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَصْحَابُ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ مِنْ كِتَابِ الْاَنْبِیَاءِ

(ترجمہ) جب تمیلینا بازار میں کھانا لینے گیا تو اس کو اور اس کے سکہ کو دیکھ کر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور پکڑ کر اسکو بادشاہ کے پاس لے گئے بادشاہ نے اس سے حقیقت حال دریافت کی اس نے اپنا اور اپنے ساتھیوں کا نام بتایا بادشاہ نے یہ خبر پہلے بھی سنی تھی بادشاہ نے خزانہ سے وہ لوح رصاصی منگائی جس پر اصحاب کہف کے نام کندہ تھے وہ تختی خزانہ شاہی میں محفوظ تھی تمیلینا نے جو نام

علم تفسیر درمنثور کی ایک روایت سے بھی اس قول کی تائید ہوتی اس روایت میں یہ ہے کہ جب بادشاہ اور ارکان دولت غار پر پہنچے تو تمیلینا نے کہا کہ اول میں غار میں داخل ہوتا ہوں تم میرے بعد داخل ہونا چنانچہ تمیلینا اول غار کے اندر چلا گیا اسکے داخل ہونے کے بعد لوگوں کو پتہ نہ چلا کہ تمیلینا کہاں گیا اور لوگوں پر ایسا خوف اور رعب طاری ہوا کہ کسی نے اندر داخل ہونے کی ہمت نہ کی اور پھر سب کا مشورہ یہ ہوا کہ اس غار کے قریب بطور یادگار ایک مسجد تعمیر کرادی جائے (دیکھو تفسیر درمنثور ص ۲۱۴ جلد ۴)



بتائے وہ اس تختی کے مطابق تھے یہ سُن کر اور یہ دیکھ کر بادشاہ نے پہچان لیا اور جان لیا کہ یہ جوان جو کہہ رہا ہے وہ سب حق اور صدق ہے سب نے اللہ اکبر کہا بعد ازاں بادشاہ اور لوگ غار کی طرف چلے جب غار پر پہنچے تو اس جوان نے کہا کہ ذرا ٹھہرو! میں پہلے اندر جا کر اپنے ساتھیوں کو خبر کر دوں کہ وہ ایکبارگی اس لشکر کو دیکھ کر ڈر نہ جائیں چنانچہ تیلخا اول غار میں داخل ہوا اور اندر چلا گیا بعد میں بادشاہ کو اور اسکے رفقاء کو پتہ نہ چلا کہ وہ جوان کہاں چلا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس مکان کو ان پر مخفی اور پوشیدہ کر دیا مجبور ہو کر واپس آئے اُس کے بعد سب کی متفقہ رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار ایک مسجد بنوادی جائے اور پھر سب اصحاب کہف کے لیے دعا اور استغفار کر کے واپس ہوئے۔

اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اصحاب کہف سے مل کر واپس ہوا اور اصحاب کہف اسی غار میں اپنی جگہوں پر لیٹ گئے اور بدستور ان پر نیند طاری ہو گئی اب وہ قیامت کے دن جاگیں گے جیسا کہ عنقریب امام قرطبیؒ کے کلام سے اس کی تفصیل معلوم ہوگی۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ

ہم سنا دیں تجھ کو ان کا احوال تحقیق وہ کئی جوان ہیں کہ یقین لاتے

وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ۱۳ وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا

اپنے رب پر اور زیادہ دی ہم نے انکو سوجھ اور گرہ دی اُن کے دل پر جب کھڑے ہوئے

فَقَالُوا رَبَّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَسْجُدَ لِمَنْ دُونِهِ

پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان و زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے

دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذْ شَطَطًا ۱۴ هُوَ أَعْوَجُ قَوْمًا

سوا کسی کو ٹھا کر تو کہی ہم نے بات عقل سے دور یہ ہماری قوم ہے

اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهَةً ط لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطٰنٍ

پکڑے ہیں انہوں نے اُس کے سوا اور بلوجنے کیوں نہیں لاتے؟ انکے واسطے کوئی سند

بَيِّنٌ ط فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۱۵ وَإِذْ

کھلی پھر اُس سے گنہگار کون؟ جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ اور جب

اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهُ فَأَوَّا إِلَى الْكَهْفِ

تم نے کنارہ پکڑا اُن سے اور جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سوا، اب جا بیٹھو اُس کھوہ میں

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ

پھیلادے تم پر رب تمہارا کچھ اپنی ہر اور بنادے تم کو تمہارے کام کا

مَرْفَقًا ۱۶ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ

آرام اور تو دیکھے دھوپ جب نکلتی ہے بچ جاتی انکی کھوہ سے

ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ

دائیں کو اور جب ڈوبتی ہے کترا جاتی ہے ان سے باتیں کو اور

هُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ط مَنْ يَّهْدِ

وہ میدان میں ہیں اسکے، ہے یہ قدرتوں سے اللہ کی جگو راہ دے

اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا

اللہ وہی آدے راہ پر اور جس کو بچلا دے (بھٹکادے) پھر تو نہ پاوے اسکا کوئی رفیق

مُرْشِدًا ۱۷

راہ پر لانے والا

## تَفْصِيلُ قِصَّةِ أَصْحَابِ كَهْفٍ

قال الله تعالى نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ..... اِلَى..... فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا  
رابطہ گزشتہ آیات میں اصحاب کہف کا قصہ مجمل ذکر فرمایا اب اس قصہ کی کچھ تفصیل فرماتے ہیں  
تاکہ اہل صبر و استقامت اور ہر وہاں منزل آخرت کیلئے مشعل ہدایت بنے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اے نبی ہم آپ کے سامنے انکی صحیح صحیح خبر بیان کرتے ہیں جو عین واقعہ کے مطابق ہے یہ  
اس لئے فرمایا کہ یہ قصہ لوگوں میں مختلف طور پر مشہور تھا جن میں بعض جھوٹی اور غلط روایتیں بھی شامل

تھیں اس لیے فرمایا کہ جتنا قصہ ہم نے قرآن میں بیان کر دیا وہ بالکل حق اور صدق ہے تحقیق وہ اصحاب چند نوجوان تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لاتے تھے حالانکہ ان کی قوم شرک اور بت پرستی میں مبتلا تھی سب بزدل تھے اور یہ جوان مرد اور جوان ہمت تھے کہ اپنے محلوں کو چھوڑ کر کج عزلت اور گوشہ خلوت میں اعتکاف کرنے کیلئے جا رہے تھے اور ایمان لانے کے بعد ہم نے انکی ہدایت میں اور زیادتی کر دی کہ ان کو صبر اور استقامت کی صفت عنایت کی — کہ دین اور ایمان کے مقابلے میں جان کی پرواہ نہ کی اور ہم نے انکے دلوں پر صبر اور استقلال کی گرہ لگا دی یعنی ہم نے ان کے دلوں کو صبر اور استقامت کی رسی کے ساتھ ایسا باندھ دیا کہ ثابت قدم ہو گئے اور ان کو کوئی تزلزل پیش نہیں آیا اور خدا کی راہ میں انہوں نے کسی مصیبت کی پرواہ نہ کی جب وہ دقیانوس ظالم و جابر کے سامنے کھڑے ہوتے جو انکو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا۔ پس اس ظالم و جابر بادشاہ کے روبرو یہ کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے ہم اسکے سوا ہرگز کسی معبود کو نہیں پکاریں گے کیونکہ اگر خدا نخواستہ ہم ایسی بات کہیں تو وہ بلاشبہ بے جا اور خلاف عقل ہوگی یہ بے عقل لوگ ہماری قوم کے لوگ ہیں جنہوں نے خدائے برحق کے سوا چند معبود بنالئے ہیں جو سراسر باطل ہیں انکے معبود ہونے پر کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے جیسے موحیدین توحید پر روشن دلائل پیش کرتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اپنے ہاتھ کے ترشے ہوتے بتوں کو معبود اور خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے ڈرا دھمکا کر لوگوں کو بت پرستی پر مجبور کر رہے ہیں بت پرستی کی طرف بلا رہے ہیں دلیل کوئی نہیں پس جب انکے پاس شرک کی کوئی دلیل نہیں تو ایسے شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر ہمتان باندھے کیوں کہ بے دلیل اللہ کا شریک ٹھہرانا اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اس حالت کو دیکھ کر باہم مشورہ کیا اور طے پایا کہ یہ ظالم لوگ ہیں اللہ پر ہمتان باندھنے والے ہیں ایسے ظالموں سے عقلاً و نقلاً کنارہ کشی چاہیے کیونکہ کافروں سے اپنے دین کو صحیح سالم لے کر بھاگ جانے ہی میں سلامتی ہے لہذا کسی غار میں جا کر چھپ جانا چاہیے تاکہ کافر کی صورت بھی نظر نہ پڑے اور ہمہ تن اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہیں اور پھر بعض نے بعض کو مخاطب کر کے کہا جب تم بحمد خدا ان سے اور ان کے معبودوں سے علیحدہ اور کنارہ کش ہو جاؤ تو غار کی طرف اپنا ٹھکانا ڈھونڈو اور دشمنان خدا سے بھاگ کر ایک غار میں جا بیٹھو جہاں کسی کافر کی رسائی نہ ہو سکے اور غار کی خلوت و عزلت کی مشقت اور رحمت سے نہ ڈرو تمہارا پروردگار تم پر اپنی رحمت کو پھیلا دے گا جو تمہیں اپنے اندر چھپالے گی اور تمہارے کام میں آسانی پیش کر دے گا اور تمہارے فائدہ کی صورت رکال دے گا اور خدا کے لیے خلوت و عزلت کی راحت اور لذت ساری مشقتوں پر پانی پھیر دے گی چنانچہ یہ نوجوان اسی عزم اور ہمت کے ساتھ غار میں داخل ہوئے اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے وہاں جا کر بیٹھ گئے جہاں جا کر انکو ایسی نیند آئی کہ تین سو سال تک آنکھ نہ کھلی بادشاہ اور ارکان دولت ان کی تلاش میں آئے جب تلاشی



میں ناکام ہوتے تو ان کے غار کے منہ پر ایک مستحکم دیوار چُن دی جس سے اس غار کا منہ بند ہو گیا تاکہ وہ لوگ باہر نہ نکل سکیں اور اندر ہی اندر مرجائیں اور جس امید پر وہ غار میں داخل ہوئے اللہ نے ان کے ساتھ ان کی امید اور گمان کے موافق معاملہ فرمایا اور خدا کی رحمتیں اور کرامتیں ان پر مبذول ہونے لگیں اور من جملہ ان ہر بانیوں اور آسانیوں کے جو ان پر مبذول ہوئیں ایک رحمت ان پر یہ مبذول ہوئی کہ اسے دیکھنے والے جب تو اس غار کو دیکھے تو اس حال میں دیکھے گا کہ سورج جس وقت طلوع کرتا ہے تو انکے غار کے داہنی جانب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں جانب کو کُتر جاتا ہے اور وہ اس غار کی ایک وسیع جگہ میں ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے جہاں انکو خوشگوار ہوا تو پہنچتی تھی مگر دھوپ انکو کسی وقت نہیں پہنچتی تھی خدا کی رحمت سے تمام دن ان پر سایا رہتا حالانکہ وہ وسیع اور کشادہ جگہ میں تھے جہاں تمام دن دھوپ رہ سکتی ہے مگر اللہ نے اپنی رحمت اور عنایت سے انکو دھوپ سے محفوظ رکھا بقدر ضرورت ہوا اور روشنی تو پہنچتی رہی مگر دھوپ نہیں پہنچی یہ ان پر اللہ کی رحمت اور عنایت اور کرامت تھی جیسا کہ فرماتے ہیں۔

یہ بات اللہ کی قدرت اور رحمت کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں کی خلاف اسباب ظاہری اس طرح حفاظت فرماتا ہے اس لیے وسیع اور کشادہ مکان میں طلوع آفتاب اور غروب آفتاب اور استواء کے وقت دھوپ کا نہ آنا ایک عجیب بات ہے کیونکہ مکان جب وسیع اور کشادہ ہے تو ازراہ عادت وہاں ضرور آفتاب پہنچنا چاہیے مگر باوجود اسکے نہیں پہنچتا تو یہ آیات الہیہ میں سے ہے اور اسکی قدرت اور اختیار کے دلائل میں سے ہے معجزات اور کرامات کے اظہار سے اللہ تعالیٰ کا مقصود صاحب معجزہ و کرامت کا اعزاز و اکرام اور بندوں کی سعادت و شقاوت کا اظہار ہے جو سعید ہیں وہ ان واقعات کی تصدیق کر کے ہدایت پاتے ہیں اور جو شقی ہیں وہ اس قسم کے خوارق عادات کو خارج از عقل اور بعید از قیاس سمجھ کر انکار کر کے گمراہ ہوتے ہیں جیسا کہ فرماتے ہیں جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی رفیق راہ دکھلانے والا نہ پائیں گے وہ برابر اپنی ضد پر قائم رہے گا کہ فرق عادت کوئی چیز نہیں۔

علامہ اہل سنت والجماعت نے قصہ اصحاب کہف سے کرامات اولیاء کے حق ہونے پر استدلال کیا ہے اور یہ استدلال ظاہر ہے جس میں کوئی تکلف نہیں کیونکہ اس قصہ کے صریح لفظوں میں اصحاب کہف کی کئی کرامتوں کا ذکر ہے تین سو نو برس تک بغیر کھائے پیئے سوتے رہنا اور وسیع غار میں ہر وقت ان کا سایہ میں رہنا اور کسی وقت دھوپ کا نہ آنا اور آفتاب کا طلوع اور غروب کے وقت ان سے کُتر جانا اور بھوک اور پیاس کی تکلیف سے محفوظ رہنا اور بغیر کھائے پیئے اتنی دراز مدت تک زندہ رہنا اور بغیر بیداری کے انکا بیماری سے محفوظ رہنا اور بالکل تندرست رہنا یہ سب

اللہ کی رحمتیں اور عنایتیں اور خداداد کرامتیں اور کراماتِ اولیاء کے صحیح اور درست ہونے پر آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ شاہد ہیں ازاں جملہ قصہ مریم علیہا السلام ہے جو محض خدا کی عنایت سے بے موسم میوہ پاتی تھیں جیسا کہ سورۃ آل عمران میں گزرا کَلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَوِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَ حَاذِرِهَا قَالًا يَمْشِي يَمْشِي كَيْفَ هُوَ قَالَ نَحْنُ نَعْبُدُ اللَّهَ تَعَالَى وَهَؤُلَاءِ نَحْنُ الْفٰسِقُونَ اِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ اَنْثٰى فَلْيَحْمِلْهَا مِنْ فَطْرِهَا وَكَانَ عَصًا يَدُورُ فَاِذَا رَءٰى سَآءَ مَا يَحْكُمُ قَالَ اِنَّكَ كَتٰبٌ سَدِيقٌ اِنْ يَّكُنْ مِنْكُمْ اَنْثٰى فَلْيَحْمِلْهَا مِنْ فَطْرِهَا وَكَانَ عَصًا يَدُورُ

نے حضرت مریم علیہا السلام کے قدموں کے نیچے ایک نہر جاری کر دی اور کھجور کا خشک درخت تروتازہ کر دیا جس سے تازہ کھجوریں گرنے لگیں حالانکہ حضرت مریمؑ بنی نہ تھیں بلکہ ولیہ اور صدیقہ تھیں۔

اور از انجملہ قصہ آصف بن برخیاؑ ہے جس نے پلک جھپکنے میں ایک دور دراز مسافت سے بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے لا کر حاضر کر دیا۔

ازاں جملہ حدیث ابی ہریرہؓ ہے جس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین بچوں نے بحالت شیرخوارگی اپنے گہوارہ میں کلام کیا عیسیٰ علیہ السلام اور ایک وہ طفل جو زمانہ جریج میں تھا۔ جریج بنی اسرائیل میں ایک عابد و زاہد تھا ایک بدکار عورت کا جب ناجائز بچہ پیدا ہوا تو اس نے جریج پر تہمت لگائی کہ یہ اس کے لطف سے پیدا ہوا ہے جریج نے نماز پڑھی اور دعا کی اور لڑکے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اے لڑکے بتا تیرا باپ کون ہے لڑکے نے کہا فلاں چروایا بنی اسرائیل نے جب لڑکے سے یہ کلام سنا تو سخت نادم ہوئے اور تہمت سے تائب ہوئے۔

اور ایک وہ بچہ جس کو اسکی ماں گود میں لیتے ہوئے دودھ پلا رہی تھی اتفاق سے ایک خوبصورت جوان سوار اسکے پیچھے سے گزرا عورت نے اسکو دیکھ کر دعا کی کہ اے اللہ میرے بچے کو اس جیسا کر بچہ بولا اے اللہ اس جیسا نہ کرنا پھر اس کے پاس ایک عورت گزری جس کی نسبت لوگ کہتے تھے کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا اور اس پر حد جاری کی گئی اسکو دیکھ کر بچے کی ماں نے کہا خدایا میرے بچے کو ایسا نہ کرنا بچے نے کہا کہ خدایا مجھے ایسا ہی کرنا یہ سُن کر ماں کو غصہ آیا اور بچے کو کچھ سخت الفاظ کہے بچہ بولا وہ خوبصورت مرد بڑا ظالم تھا میں نے نہیں چاہا کہ میں اس کے مثل بنوں اور عورت جس کو لوگ کہتے ہیں کہ اس نے چوری کی اور زنا کیا وہ سب غلط ہے اس عورت نے نہ زنا کیا اور نہ چوری کی یہ لوگوں کا اس پر اتہام ہے وہ تو یہ کہتی رہتی ہے ”حَسْبِيَ اللّٰهُ“ مجھے اللہ کافی ہے پس میں نے چاہا کہ اس کے مثل بنوں یعنی اسکی طرح صابر و شاکر رہوں کہ مصیبت اور بلا پر صبر کروں اور خدا تعالیٰ کی کفایت اور حمایت پر نظر رکھوں معاذ اللہ اس بچے کا یہ مقصود نہ تھا کہ میں اس عورت کی طرح تہمت اور مصیبت اور بلا میں مبتلا ہوں بلکہ اس کا مقصود یہ تھا کہ اگر من جانب اللہ کوئی ابتلا پیش آئے تو صابر و شاکر رہوں۔

اس کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن سے کرامات اولیاء کا حق ہونا ثابت ہے اس لیے تمام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ کرامات الاولیاء یعنی اولیاء اللہ کی کرامتیں حق ہیں۔

وَتَحْسِبُهُمْ اَيْقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقِلْتُمْ

اور تو جانے وہ جاگتے ہیں اور وہ سوتے ہیں اور کروٹ دلاتے

ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۚ وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ

بیں ہم انکو داہنے اور بائیں اور کتا اُن کا پیر رہا ہے

بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَ

اپنی بائیں چوکھٹ پر اگر تو جھانک دیکھے اُن کو تو پیٹھ دے کر بھاگے اُن سے اور

لَمِلْتُمْ مِنْهُمْ رُجْبًا ۝۱۸ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوْا

بھرجادے تجھ میں انکی دہشت اور اسی طرح اُن کو جگا دیا ہم نے کہ آپس میں لگے

بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا

پوچھنے ایک بولا ان میں کتنی دیر ٹھہرے تم بولے ہم ٹھہرے ایک دن

اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوْا

یا دن سے کم بولے تمہارا رب بہتر جانے جتنی دیر رہے ہو اب بھیجو

اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهِ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى

اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ لے کر اپنا اس شہر کو پھر دیکھے کون سا ستھرا

طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ ۚ وَلَا يُشْعِرَنَّ

کھانا، سولا دے تم کو اس میں سے کھانا اور نرمی سے جاوے اور جتنا نہ دے

بِكُمْ اَحَدًا ۝۱۹ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ

تمہاری خبر کسی کو وہ لوگ اگر خبر پاویں تمہاری، پتھر اڑے سے ماریں تم کو یا



يُعِيدُكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلَحُوا إِذَا أَبَدًا ۝۲۰ وَكَذَلِكَ

الٹا پھیریں تم کو اپنے دین میں اور تب بھلا نہ ہو تمہارا کبھی : اور اسی طرح

أَعِزَّنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ

خبر کھول دی ہم نے انکی تالوگ جانیں کہ وعدہ اللہ کا ٹھیک ہے اور وہ

السَّاعَةِ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ

کھڑی آئی، اس میں دھوکا نہیں جب جھگڑ رہے تھے اپنی بات پر

فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُيُوتًا رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ط قَالَ الَّذِينَ

پھر کہنے لگے بناؤ ان پر ایک عمارت ان کا رب بہتر جانے انکو بولے جن کا کام

غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ۝۲۱

زبر تھا، ہم بنا دیں گے اُن کے مکان پر عبادت خانہ

## بقیہ قصہ مذکورہ

قال الله تعالى وَتَحْسَبُهُمْ آيَاتُنَا قُرْآنًا لِّئَلَّا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝۲۱  
اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انکی حیات کی حفاظت کا ایک سامان یہ کیا کہ اسے دیکھنے والے  
اگر تو ان کو دیکھے تو ان کو جاگتا ہوا خیال کرے حالانکہ وہ سو رہے ہیں خواب میں غرق ہیں اور اس  
نیند کی حالت میں ہم انکی گردنیں بدلتے رہتے ہیں کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف تاکہ زمین ان  
کے جسموں کو نہ کھا جائے اور ان کا کتا غار کی دہلیز پر اپنی دونوں بانہیں پسارے پڑا ہے ابن کثیر  
نے ذکر کیا ہے کہ یہ کتا ان میں سے کسی کے شکار کا تھا اور اس کتنے کا نام قطمیر تھا کہتے ہیں کہ وہ کتا بہشت  
میں جاتے گا۔

مگر اصحاب کہف روزے چند : پتے نیکاں گرفت مردم شد!  
یہ تو غار کے اندر ان کی زندگی کی حفاظت کی کیفیت کا بیان ہوا۔ اور باہر کے دشمنوں سے  
انکی حفاظت کا یہ سامان کیا کہ اس غار میں رعب اور جلال اور ہیبت کی یہ کیفیت پیدا کر دی کہ اسے

دیکھنے والے اگر تو انکو جھانک کر دیکھے تو تو اٹھے پاؤں ان سے پشت پھر کر بھاگے اور ان کے رعب اور ہیبت سے تو بھر دیا جاتے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک ہیبت اور دہشت ڈال دی کہ کوئی انکو قریب نہیں جاسکتا اور نہ کوئی انکو چھو سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس جگہ میں یہ دہشت اور ہیبت اس لیے رکھ دی کہ لوگ اس جگہ کو تماشا نہ بنالیں اور انکے آرام میں خلل نہ ہوں اپنی قدرت سے انکی درباری کیلئے دروازہ پر ایک کتا بٹھلا دیا جو ان کی طرح وہ بھی صدیوں تک سوتا رہا اور کروٹوں کا بدلنا زمین سے حفاظت کے لیے تھا اور یہ خداداد رعب و جلال دشمنوں سے حفاظت کے لیے تھا کہ کوئی دشمن اندر نہ جاسکے بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر ہرہ اور ہریدار ہوتا ہے جو اجنبی آدمی کو اندر جانے سے روکتا ہے یہاں اللہ تعالیٰ نے غیبی طور پر ہیبت اور جلال کا ہرہ قائم کر دیا کہ کسی شخص کو اندر جانے کی ہمت ہی نہ ہو اور ظاہری طور پر غار کے منہ پر ایک کتا بھی بٹھلا دیا تاکہ اجنبی آدمی کو آنے جانے سے روک دے اور جس طرح ہم نے اپنی قدرت سے انکو طویل مدت تک صحیح سالم سلایا اور ہر موذی سے انکی حفاظت کی اسی طرح ہم نے سینکڑوں برس کے بعد انکو صحیح سالم نیند سے اٹھایا اور خواب سے انکو جگایا کہ باوجود اتنا طویل عرصہ گزرنے کے ان کے جسم میں کوئی تغیر آیا اور نہ ان کے کپڑے پرانے ہوتے جس طرح کمال قدرت کے ساتھ انکو سلایا تھا اسی طرح کمال قدرت سے انکو جگایا تاکہ اس طویل خواب سے بیدار ہو کر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں جس سے اخیر میں ان پر خدا کی قدرت اور اسکی رحمت و عنایت اور اسکی عطا کردہ کرامت منکشف ہو کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور عنایت ایسی ہوتی ہے کہ مشاہدہ سے انکے ایقان اور عرفان میں زیادتی ہو اور خدا کی اس نعمت کا شکر کریں۔

چنانچہ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت سوتے رہے قرآن سے ان کو یہ معلوم ہوا اور یہ محسوس ہوا کہ ہم عادت سے زیادہ سوتے ہیں اس لیے یہ سوال کیا انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم سوتے رہے پھر کچھ قرآن اور آثار سے ظاہر ہوا کہ ہم طویل مدت تک سوتے رہے تو بولے کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے جتنی مدت تم سوتے رہے خیر اب اس بات کو چھوڑو اس بیکار گفتگو سے کیا فائدہ اپنے کام کی بات کر دیں تم تو اپنے میں سے ایک آدمی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پس وہ شخص وہاں جا کر دیکھے کہ کس دکاندار کے پاس پاکیزہ اور حلال کھانا ہے پھر اس سے وہ پاکیزہ اور حلال کھانا خرید کر تمہارے پاس لاتے۔ پاکیزہ اور ستھرے کھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ کھانا حلال اور طیب ہو بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا نہ ہو کیونکہ بازار میں اکثر بتوں کے نام کا ذبیحہ بکتا تھا اس لیے خریدنے سے پہلے تحقیق کر لینا کہ یہ کھانا بتوں کے نام پر تو ذبح کیا ہوا نہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ کسی مسلمان سے غضب کیا ہوا نہ ہو اور آنے اور جانے اور کام کرنے میں لطافت اور ہوشیاری اور نرمی اور آہستگی کو ملحوظ رکھے اور شہر والوں میں سے کسی کو اپنی بابت شعور اور احساس بھی نہ ہونے دے کہ یہ کون شخص ہے

یعنی کوئی ایسی بات نہ کرے جس سے اہل شہر ہمارے حال سے آگاہ ہو جائیں کیونکہ اس میں ذرا شک نہیں کہ اگر وہ تم پر مطلع ہو جائیں تو وہ تم کو سنگسار کر دیں گے یا جبراً تم کو اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے اور اگر خدا نخواستہ ایسا ہوا تو تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے اور کفر کی وجہ سے دائمی عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ جبر اور اکراہ کی حالت میں اگرچہ زبان سے کلمہ کفر کہہ لینا جائز ہے لیکن بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ ابتداء میں جان بچانے کے لیے بادلِ نخواستہ زبان سے کفر کا کلمہ کہہ لیتا ہے مگر جب دن رات کافروں کے ڈر سے کفر کے اقوال و اعمال کرنے پڑتے ہیں تو رفتہ رفتہ دل سے کفر کی کراہت اور نفرت کم ہوتی جاتی ہے بالآخر دل کفر پر جم جاتا ہے۔

چنانچہ واقعات اس کے شاہد ہیں کہ ابتداء میں کوئی مسلمان کافروں کے دباؤ سے ان میں شامل ہو گیا اور دنیاوی مصالح اور منافع کے پیش نظر انکے ساتھ ہو گیا بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ انھی جیسا ہو گیا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ اِیْمَانًا لَا یَسْتَدُ: اور اگر بالفرض یہ شخص محض ظاہر کافروں کے ساتھ رہا اور دل سے ان سے متنفر رہا اور بیزار رہا تو اس طرح سے یہ شخص تو دنیا سے ایمان سلامت لے گیا لیکن آنے والی نسل تو انکے ظاہر کا اتباع کرے گی اور ظاہراً و باطناً ملت کفر میں داخل ہو جائے گی جیسا کہ آج کل بھارت میں فتنہ برپا ہے اللہ پناہ میں رکھے۔ اور جس طرح ہم نے اپنی کمال قدرت سے انکو سلا یا اور انکو جگایا اسی طرح ہم نے لوگوں کو انکے حال پر مطلع فرمایا تاکہ لوگ اس واقعہ سے جان لیں اور یقین کر لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ بعث اور حشر و نشر کے بارہ میں بالکل صحیح اور درست ہے اس لیے کہ اتنے عرصہ دراز تک ان کا سونا اور جاگنا مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے سے بڑی مشابہت رکھتا ہے اور یقین کے ساتھ جان لیں کہ قیامت کے قائم ہونے میں ذرا شک نہیں وہ ضرور ہونے والی ہے اور ہر شخص اپنے اس جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا اس زمانہ کے لوگوں کو قیامت کے بارہ میں شک پیدا ہو گیا تھا کوئی اس کا انکار کرتا اور کوئی اس کا اقرار کرتا اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ بیداری کو قیامت کی ایک نشانی بنایا کہ جو لوگ حشر کے منکر ہیں وہ جان لیں کہ جو خدا اصحاب کہف کی توفی اور قبض ارواح یعنی جان نکالنے کے بعد نیند کی حالت میں نہیں سوتے (۳۰۹) برس تک انکے بدن کو زندہ بلا تغیر کے قائم اور محفوظ رکھنے اور دوبارہ انکے نفوس اور ارواح کو ان کے ابدان میں واپس کرنے پر قادر ہے وہی خدا ہزاراں ہزار سال کے بعد مردوں کی جان واپس کرنے پر اور دوبارہ ان میں روح ڈالنے اور زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

پیش قدرت کا رہا دشوار نیست عجز را با قدرت حق کار نیست

خلاصہ کلام یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو اصحاب کہف کے اس حال سے اطلاع دی جب وہ آپس میں اپنے دین کے بارہ میں جھگڑ رہے تھے کہ قیامت ہوگی یا نہیں بعض اس کو



ثابت کرتے تھے اور بعض اس کے منکر تھے کہ اعادہ معدوم کا کیوں کر ہوگا پس اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو ظاہر کر کے منکرین قیامت پر حجت قائم کر دی اور یہ ظاہر کر دیا کہ قیامت قائم ہوگی اور حشر روح اور جسم دونوں ہی کا ہوگا خلاصہ کلام یہ کہ تنازع سے حشر و نشر اور قیامت کے بارہ میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں اِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ میں نزاع سے غار کے بارہ میں نزاع اور اختلاف مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب اصحاب کہف کا حال ظاہر ہو گیا تو لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں بطور یادگار کوئی عمارت بنا دینی چاہیے اور جو اہل ایمان تھے اور غالب تھے وہ یہ کہتے تھے اس جگہ کوئی عبادت خانہ بنا دینا چاہیے جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے پس جب اہل کہف کا حال ظاہر ہو گیا تو لوگ کہنے لگے کہ ان کے غار پر کوئی عمارت بنو اور اس عمارت سے مقصود یا تو یہ تھا کہ غار کا منہ بند ہو جائے اور انکی لاشیں محفوظ ہو جائیں یا بطور نشانی انکی یادگار قائم کرنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ لوگ اصحاب کہف کے احوال کے بارہ میں گفتگو کرتے رہے پھر جب کوئی تحقیقی بات معلوم نہ ہوئی تو تھک کر یہ کہا کہ ان کا پروردگار ہی انکے صحیح حال کو خوب جانتے والا ہے غرض یہ کہ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ بالآخر جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے یعنی بیدروس اور اس کے اصحاب تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم تو انکے پاس ایک مسجد بنائیں گے یعنی ایک عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ خدا سے وحدہ لا شریک لہ کے عبادت گزار بندے تھے معبود نہ تھے یوحہ تھے مشرک نہ تھے اور انکی عبادت کے مناسب بھی یہی ہے کہ انکی یادگار میں مسجد یعنی عبادت خانہ بنا دیا جائے قبروں کو سجدہ گاہ بنانا ناجائز اور حرام ہے اور قبروں کے قریب مسجد بنانا جائز ہے معاذ اللہ مسجد بنانے سے یہ غرض نہ تھی کہ لوگ انکی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کریں بلکہ غرض یہ تھی کہ صالحین کے قرب و جوار میں ایک عبادت خانہ بنا دیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرح عبادت کیا کریں اور وہاں نمازیں پڑھا کریں اور ان کے قرب سے برکت حاصل کریں اور جس طرح اہل کہف بعث و نشر اور قیامت کے قائل تھے اسی طرح لوگوں کو چاہیے کہ مسجد میں حاضر ہو کر اللہ کی عبادت کریں اور آخرت کی تیاری کریں اہل کہف کے ظاہر ہونے پر مؤمنین غالب ہوئے جو حشر و نشر اور قیامت کے قائل تھے اس لیے انکی رائے یہ ہوئی کہ انکی یاد میں مسجد بنا دی جائے جو آخرت کا بازار ہے عبادت گزار بندوں کی یادگار میں انکے قریب مسجد بنا دینا مناسب ہے جس میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی رہے۔

## ذکر قول دیگر در تفسیر آیت مذکورہ

اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ میں نزاع دربارہ حشر و نشر

مراد نہیں بلکہ اصحاب کہف کی موت اور حیات کے بارہ میں نزاع مُراد ہے  
امر ہم کی ضمیر اصحاب کہف کی طرف راجع ہے اور مطلب یہ ہے  
کہ جب لوگ اصحاب کہف کے حال پر مطلع ہو گئے اور اصحاب  
کہف اپنے غار میں اپنی جگہ پر چلے گئے تو لوگوں میں اختلاف ہوا کہ اصحاب کہف وفات پا گئے یا  
حسب سابق دوبارہ سو گئے کسی نے کہا سو گئے اور کسی نے کہا وفات پا گئے اور اس بارہ میں گفتگو  
کرتے رہے جب حقیقت حال منکشف نہ ہوئی تو تھک کر کہہ دیا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ کہ خدا ہی کو ان کا  
صحیح حال معلوم ہے لہذا آیت میں تنازعہ سے یہ اختلاف مراد ہے کہ وہ غار میں جا کر دوبارہ سو  
گئے یا وفات پا گئے پھر اس نزاع سے فارغ ہوئے تو اس فکر میں پڑے کہ انکی کوئی یادگار قائم کی جائے۔  
امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس بیداری کے بعد اصحاب کہف کے بارہ میں اختلاف ہے بعض کہتے  
ہیں کہ وہ وفات پا گئے اور مر کر فنا ہو گئے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ سو گئے اور ہنوز خواب  
استراحت میں ہیں اور انکے اجسام محفوظ ہیں قیامت کے نزدیک جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام  
آسمان سے نازل ہوں گے اس وقت وہ بیدار ہوں گے اور غار سے نکلیں گے اور عیسیٰ علیہ  
السلام کے ساتھ حج کریں گے اور امام ہمدانی کے مددگار بنیں گے جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں  
آیا ہے اور پھر قیامت سے پہلے انکی موت آئے گی۔

(دیکھو تفسیر قرطبی ص ۳۸۸ جلد ۱۰)

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث تفسیر ابن مردویہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے  
واللہ اعلم۔ (دیکھو فتح الباری ص ۳۶۵/جلد ۶)

بہر حال کسی حدیث سے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اصحاب کہف اس واقعہ کے بعد زندہ رہے یا انتقال کر گئے اور  
انتقال کب ہوا اور اگر زندہ رہے تو کب تک رہے اور کب تک رہیں گے واللہ اعلم نیز یہ امر  
محض اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اصحاب کہف کس نبی کی شریعت کے متبع تھے بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰ  
علیہ السلام کے پیرو تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں واللہ اعلم۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب بادشاہ کو اصحاب کہف کا حال معلوم ہوا تو ارکان دولت کو ساتھ لے کر  
غار پر پہنچا پہلے وہ شخص غار کے اندر گھسا جو کھانا لے کر آیا تھا مگر پھر اندر سے باہر واپس  
نہ آیا بادشاہ نے بہت کوشش کی کہ اندر جا کر تلاش کرے مگر قضا و قدر نے راستہ بھلا  
دیا اور کوئی اندر نہ جا سکا اور بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ مع ساتھیوں کے اندر داخل ہوا اور غار  
والوں سے جا کر ملا اور انکو گلے لگایا اور باہر آنے کے بعد اس غار کا منہ بند کرادیا اور بطور  
یادگار وہاں ایک مسجد تعمیر کرا دی۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ

اب یہ بھی کہیں گے وہ تین ہیں چوتھا ان کا کُتّا اور یہ بھی کہیں گے

خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجَمًا بِالْغَيْبِ ج

وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کُتّا بن دیکھے نشانہ پتھر چلانا

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ

اور یہ بھی کہیں گے، وہ سات ہیں اور آٹھواں اُن کا کُتّا تو کہہ

رَبِّي أَعْلَمُ بَعْدَتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ كَقَفْ

میرا رب بہتر جانے اُن کی گنتی اُن کی خبر نہیں رکھتے مگر تھوڑے لوگ

فَلَا تُسَارِفِيهِمْ إِلَّا مَرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ

سو تو مت جھگڑ ان کی بات میں مگر سرسری جھگڑا اور مت تحقیق کر ان کا احوال

مِّنْهُمْ أَحَدًا ۚ ۲۲ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَايٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ

اُن میں کسی سے اور نہ کہیو کسی کام کو کہ میں کروں گا

غَدًا ۚ ۲۳ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَاذْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ

کل مگر یہ کہ اللہ چاہے اور یاد کرے اپنے رب کو جب بھول جاوے

وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنَّ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا

اور کہہ امید ہے کہ میرا رب مجھ کو سبھاوے اس سے نزدیک راہ

رَشَدًا ۚ ۲۴ وَكَبِشُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَ

نیکی کی اور مدت گزری ان پر پنی کھوہ میں تین سو برس اور

أَزْدَادُوا تِسْعًا ۚ ۲۵ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۚ لَهُ غَيْبُ

اوپر سے نو تو بہ اللہ خوب جانتا ہے جتنی مدت وہ رہے



السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِنْ

اسی پاس ہیں چھپے بھید آسمان اور زمین کے، عجب دیکھتا سنتا ہے کوئی نہیں بندوں پر

دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يَشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝ (۲۶)

اسکے سوا مختار اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو

## ذکر اختلاف اہل کتاب بارہ شمار اصحاب کہف

قال اللہ تعالیٰ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَابِعُهُمْ.... اِلٰی... وَلَا يَشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا  
گزشتہ آیات میں لوگوں کے نزاع اور اختلاف کا ذکر فرمایا اب ان آیات میں لوگوں کے  
دوسرے نزاع کو بیان کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ اہل کتاب جو علم کے مدعی ہیں اور بطور امتحان آپ  
سے سوال کرتے ہیں وہ خود اصحاب کہف کی تعداد کے بارہ میں مختلف ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

عنقریب اہل کتاب یہ قصہ سن کر انکی تعداد کے بیان کرنے میں اختلاف کریں گے بعض تو یہ کہیں  
گے کہ وہ تین آدمی تھے اور چوتھا ان کا کتا تھا اور بعض یہ کہیں گے کہ وہ پانچ آدمی تھے چھٹا ان کا کتا تھا  
اور یہ دونوں گروہ بے تحقیق باتیں کر رہے ہیں جیسے غائبانہ چیز پر بے دیکھے پتھر پھینکنا بے کار ہے  
اسی طرح یہ دونوں قول اٹکل پچکو اور ناقابل اعتبار ہیں اٹکل کے تیر چلار ہے ہیں اور بعض یہ کہتے ہیں  
کہ وہ سات آدمی تھے آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اے نبی آپ ان اختلاف کرنے والوں سے کہہ دیجئے  
کہ میرا پروردگار ان کی شمار کو خوب جانتا ہے کہ ان اقوال میں سے کون سا قول صحیح ہے یا سب غلط  
ہیں ان کی شمار کو بہت تھوڑے آدمی جانتے ہیں کیونکہ ان کی تعین سے کوئی امر شرعی متعلق نہ  
تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آیت میں اس اختلاف کے متعلق کوئی صریح فیصلہ نہیں فرمایا مگر آیت  
سے بطور اشارہ یہ مفہوم ہوتا ہے کہ من وجہ تیسرا قول قدرے صحیح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے  
اس تیسرے قول کو نقل کر کے اس کا رد نہیں فرمایا بلکہ اس پر سکوت فرمایا عبد اللہ بن عباس رضی  
سے منقول ہے کہ وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بھی ان بعض میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے  
مستثنیٰ فرمایا۔

پس اگر یہ لوگ اپنے اختلاف سے باز نہ آئیں تو آپ ان کے بارہ میں اہل کتاب سے بحث  
نہ کیجئے مگر سرسری طور اس لیے کہ اول تو تعین عدد پر کوئی دلیل نہیں اور اگر بالفرض معلوم بھی ہو جائے  
تو کوئی معتد بہ فائدہ بھی نہیں اور ان کے متعلق اہل کتاب میں سے کچھ پوچھئے بھی نہیں جس قدر

ضروری تھا وہ آپ کو ہم نے بتلا دیا اور غیر ضروری امر کی تحقیق میں پڑنا بے کار ہے بے کار چیزوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔

## شان نزول

مشرکین مکہ نے یہود کے سکھانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف کا قصہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ میں کل اس کا جواب دوں گا اور انشاء اللہ کہنا بھول گئے آپ کا خیال تھا کہ جبریل وحی لے کر آئیں گے نزول وحی کے بعد میں انکو بتلا دوں گا جبریل ایٹن پندرہ دن تک نہ آئے آپ بہت غمگین ہوئے تب یہ مفصل قصہ نازل ہوا اور اخیر میں یہ آیت اتری آپ جب کبھی کسی سے کوئی وعدہ کیا کریں تو انشاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا انکو سوا مشکل ہے

اتنی سی بھول پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آتی چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی آپ کسی کام کے متعلق ہرگز نہ کہا کیجئے کہ میں اس کام کو کل کروں گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اگر خدا نے چاہا تو کروں گا بغیر اسکی مشیت کے کچھ نہیں کر سکتا اس لیے کہ بندہ اپنے ارادہ اور اختیار میں مستقل نہیں بندہ کا اختیار اور بندہ کی قدرت، اللہ کی قدرت اور مشیت اور اختیار کے تحت ہے نہ اس کے برابر ہے نہ اس کے اوپر ہے نیز بندہ کو خبر نہیں کہ کل آئندہ کیا ہوگا معلوم نہیں کہ کل تک زندہ بھی رہے گا اور اگر زندہ بھی ہو تو معلوم نہیں کہ اس کام کو بھی کر سکے یا نہیں اس لیے ضروری ہے کہ انشاء اللہ کہے اور جب انشاء اللہ کہنا بھول جاؤ تو جب یاد آتے خواہ ایک سال کے بعد تو انشاء اللہ کہہ کر اپنے پروردگار کو یاد کر لیا کرو تا کہ گزشتہ غفلت اور بھول چوک کی تلافی ہو جائے اور یہ مطلب نہیں کہ اگر طلاق دینے کے ایک سال بعد بھی انشاء اللہ کہو گے تو طلاق واقع نہ ہوگی اس لیے کہ اس حکم سے عقود اور معاملات کا مسئلہ بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اللہ کے نام کی برکت اور اسکی مشیت پر نظر رکھنے کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔

## مقام اصحاب کہف

اصحاب کہف کا مقام متعین کرنے کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے متعدد اقوال نقل کیے ہیں بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ غار بلاد روم کے کسی پہاڑ کے اندر واقع ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بلاد موصل میں نینوی کے قریب اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایلہ کے قریب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بلقار کے شہروں میں کسی جگہ ہے حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس غار کا پتہ نہیں بتلایا کہ وہ کس ملک اور کس زمین اور کس شہر میں ہے کیونکہ اس سے ہمارا کوئی دینی اور دنیوی فائدہ متعلق نہیں شاید اس کے اخفا میں اللہ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہو اگر اس کے بتلانے میں ہماری کوئی دینی یا دنیوی مصلحت اور منفعت ہوتی تو اللہ اور اس کا رسول ہم کو ضرور

خبر دیتے کہ وہ غار کہاں و فتح ہے پس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس غار کی صفت اور حالت کی تو خبر دے  
دن مگر اس کے مقام اور مکان کی خبر نہیں دی لہذا ہمیں اس کے درپے نہ ہونا چاہیئے اور بعض مفسرین  
نے تکلف کیا اور اس بارہ میں کچھ اقوال ذکر کیے جیسا کہ ابھی گزرے وہ سب تکلف ہیں واللہ اعلم۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر ص ۵، جلد ۳)

امام رازی فرماتے ہیں کہ صحیح ہے کہ اصحاب کہف کا مقام اور انکی جگہ معلوم نہیں کہ کہاں واقع ہے اسلئے کہ یہ بات عقل  
سے تو معلوم نہیں ہو سکتی کہ فلاں شخص کا مقام فلاں جگہ پر ہے اور اسکا مشاہدہ اور معائنہ بھی ممکن نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ  
نے فرما دیا ہے کہ اس غار پر بجانب اللہ ایک رعب اور جلال ایسا ہے کہ ہیبت کے مارے کوئی اس غار کے اندر داخل نہیں ہو  
سکتا حق تعالیٰ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ  
فِرَارًا وَاَنْتَ مَلِيَّتْ مِنْهُمْ رُجْبًا اگر آپ ان کو جھانک کر دیکھیں تو ہیبت کے مارے پشت پھیر  
کر بھاگیں اور انکی طرف سے خوف اور دہشت سے بھر جائیں پس جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام  
ہیبت اور جلال کی وجہ سے اس غار میں داخل نہیں ہو سکے تو اور کس کی مجال ہے کہ وہ اس غار میں داخل  
ہو سکے لہذا جو شخص یہ کہے کہ میں یا فلاں شخص اصحاب کہف کو غار میں دیکھ کر آیا ہوں تو یہی اس بات  
کی دلیل ہے کہ یہ غار وہ غار نہیں جسکی حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی کیونکہ جب اس غار میں جھانکنا  
ممکن نہیں تو داخل ہونا کیسے ممکن ہوگا غرض یہ کہ عقل اور مشاہدہ سے اس غار کا معلوم کرنا ناممکن ہے اور  
حق تعالیٰ نے اس غار کے مقام اور مکان کا کوئی پتہ نہیں دیا لہذا ثابت ہوا کہ اصحاب کہف کے مقام  
اور مکان کے علم کی کوئی راہ نہیں نہ عقل سے اور نہ مشاہدہ سے اس بارہ میں کوئی نص قرآنی اور ارشاد  
نبوی موجود نہیں جس سے اس غار کا مقام معلوم ہو سکے تو اس کے علم کو اللہ کے حوالہ کرنا چاہیئے  
واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۲۹۲ جلد ۵-۱۰)

اور آپ کہہ دیجئے کہ اے قریش! تم اصحاب کہف کے قصہ سے تعجب نہ کرو مجھے خدا تعالیٰ  
سے امید ہے کہ وہ میری اس امر کی طرف راہنمائی کرے جو رشد اور صواب کے اعتبار سے اصحاب کہف

۱۔ امام رازی مقام غار کے بارہ میں مختلف اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ثم قال القفال والذي عندنا لا يعرف ذلك الموضع موضع اصحاب  
الكهف او موضع آخر والذي اخبرنا الله عنه وجب القطع به ولا عبرة  
بقول اهل الروم ان ذلك الموضع هو موضع اصحاب الكهف واقول العلم  
بذلك الزمان وبذلك المكان ليس للعقل فيه مجال وانما يستفاد ذلك  
من نص وذلك مفقود فثبت انه لا سبيل اليه اهـ (تفسير کبیر ص ۲۹۲ ج ۵)



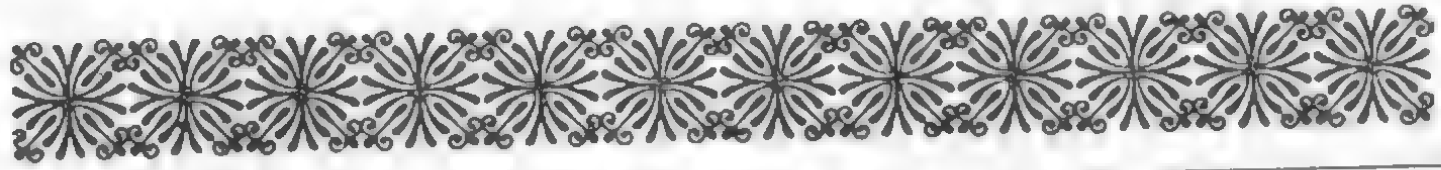
کے قصہ سے بھی زیادہ عجیب و غریب ہو اور میری نبوت کی قریب ترین دلیل ہو چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ امید سے بڑھ کر اصحاب کہف کے قصہ سے زیادہ واضح دلائل نبوت اور براہین رسالت آپ کو عطا کیے کیونکہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ جس کا انہوں نے سوال کیا تھا وہ اس اعتبار سے آپ کی نبوت کی دلیل تھا کہ وہ غیب کی خبروں میں سے ایک خبر تھی اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے قصہ سے بڑھ کر اور بہت سی غیبی خبریں جن کا زمانہ اصحاب کہف سے بھی زیادہ قدیم ہے وہ اور آیتہ ہونے والی باتیں آپ کو بذریعہ وحی بتلائیں اور آپ نے ان غیبی خبروں کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جو اصحاب کہف کے قصہ سے کہیں بڑھ کر ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب قریش کو اصحاب کہف کا قصہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان مشرکوں سے یہ کہو کہ میری نبوت کا ثبوت کچھ اس قصہ پر منحصر نہیں مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ اس سے بڑھ کر مجھ کو نبوت کا ثبوت عطا کرے گا تم نے یہ قصہ میرے امتحان کے لیے پوچھا تھا کہ اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو اس قصہ کو بیان کر دیں گے ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اگر یہ لوگ اس کے علاوہ کسی اور شے کا آپ سے سوال کریں گے جو آپ کو معلوم نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس سے بڑھ کر آپ کو بتلا دے گا آیت کی یہ تفسیر زجاج سے منقول ہے یا یہ معنی ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیحت فرمائی کہ اگلی بات کی بابت بغیر انشاء اللہ کہے وعدہ نہ کیا کریں اور اگر کسی وقت بھول جائیں تو جب یاد آئے انشاء اللہ کہہ لیا کریں اور فرمایا کہ آپ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا درجہ اس سے بھی زیادہ کرے یعنی آپ کبھی نہ بھولیں اور آئندہ کبھی بھولنے کا موقع نہ آئے۔

(ماخوذ از موضح القرآن)

یا یہ معنی ہیں کہ جب کسی چیز کو بھول جایا کرو تو اللہ کو یاد کر لیا کرو اور یہ کہہ لیا کرو عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنَا رَبُّنَا إِلَىٰ خَوْفٍ مِنْ هَذَا یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بھولی ہوئی چیز کے بدلہ میں اس سے زیادہ بہتر اور نافع چیز عطا فرمائیں اور عجب نہیں کہ یہ نسیان ہی میرے حق میں بہتر ہو کما قال تعالیٰ أَوْ نَسِيَهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا : علامہ زحشری فرماتے ہیں کہ یہ معنی ظاہری سیاق کے زیادہ مطابق معلوم ہوتے ہیں۔

پھر اس تنبیہ کے بعد اصحاب کہف کے متعلق ایک بات بیان کر کے قصہ کو ختم فرماتے ہیں اور یہ لوگ جو آپ سے اصحاب کہف کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے تو آپ ان کے جواب میں یہ کہہ دیجیے کہ اصحاب کہف اپنی غار میں تین سو برس رہے اور ان تین سو برس کے علاوہ نو برس اور زیادہ ہیں اس کے بعد وہ خواب سے جگاتے وراٹھاتے گئے اور آپ کہہ دیجیے کہ

پوری طرح اللہ ہی کو خوب معلوم ہے جتنی مدت وہ غار میں ٹھہرے اسی کو تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب ہے اس پر اصحاب کہف کا حال کیسے مخفی رہ سکتا ہے عجیب دیکھنے والا اور عجیب سننے والا ہے ظاہر و باطن قریب اور بعید سب اس کے سامنے یکساں ہے آسمان اور زمین والوں کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا اس لیے لازم ہے کہ کوئی اس کے غیب میں دخل نہ دے اور جتنی بات اس نے بتلا دی ہے اس پر اکتفا کرے اور اپنی طرف سے کوئی بات رجما بالغیب نہ کہے۔



قَاتِلْ مَا أُوْحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ

اور پڑھ جو وحی ہوئی تجھ کو تیرے رب سے اسکی کتاب کو کوئی بدلنے والا

يَكَلِمَتِهِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝۲۷ وَأَصْبِرْ

نہیں اسکی باتیں اور کہیں نہ پاوے گا تو اسکے سوا پچھنے کو جگہ اور تھام رکھ

نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَالْعَشِيِّ

آپ کو ان کے ساتھ، جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام

يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ

طالب ہیں اس کے منہ کے اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان کو چھوڑ کر تلاش میں

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تَطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ

رونق دنیا کی زندگی کی اور نہ کہا مان اس کا جس کا دل غافل کیا ہم نے اپنی

ذِكْرَنَا وَاتَّبِعْ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا ۝۲۸ وَقُلِ الْحَقُّ

یاد سے اور پیچھے لگا ہے اپنی چاؤ کے اور اسکا کام ہے حد پر نہ رہنا اور کہہ سچی بات

مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ ۚ

ہے تمہارے رب کی طرف سے پھر جو کوئی چاہے مانے اور جو کوئی چاہے نہ مانے

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ

ہم نے رکھی ہے گنہ گاروں کے واسطے آگ، جو گھیر رہی ہیں انکو اسکی قناتیں اور اگر

يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ

فریاد کریں گے تو ملے گا پانی جیسا پیپ، بھون ڈالے منہ کو کیا بُرا

الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝۲۹ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

پینا ہے اور کیا بُرا آرام جو لوگ یقین لاتے اور کہیں

الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰ أُولَٰئِكَ

نیکیاں ہم نہیں کھوتے نیگ اس کا جس نے بھلا کیا کام ایسوں

لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ

کو باغ ہیں بسنے کے بہتی ان کے نیچے نہریں پہناتے ہیں

فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا

انکو وہاں کچھ کنگن سونے کے اور پہنتے ہیں کپڑے ہنر

مِّنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ

پتلے اور گاڑھے ریشم کے لگے بیٹھے ہیں ان میں تختوں پر

نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝۳۱

کیا خوب بدلہ ہے اور کیا خوب آرام

حکم تلاوت قرآن مدارات ورویشان و فرقہ پوشان

فاللہ تعالیٰ وائل ما اوحی الیک..... الی..... وحسنت مرتفقًا

(رابط) شروع سورت میں نزول کتاب کی نعمت کو بیان فرمایا اور اس کے بعد دنیا کے فناء و زوال کو



بیان کیا پھر اسکے بعد اصحاب کہف کا قصہ بیان کیا جنہوں نے دنیا پر لات ماری اور مضبوطی کے ساتھ حق پر قائم رہے بالآخر کامیاب ہوئے اور ظالم اور متکبر دنیا سے رخصت ہوئے اب اصحاب کہف کے قصہ کے بعد پھر اس قرآن کی تلاوت کا حکم دیتے ہیں جس میں دشمنان اسلام کے سوالات کے جوابات نازل ہوتے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہوتی اور پھر اصحاب کہف جیسے درویشان اسلام اور اہل خرقہ یعنی گدڑی اور کبیل پوشوں کی مجالست اور مدارات اور خاطر داری کا حکم دیتے ہیں اور نبی کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ عمارؓ اور سلمانؓ اور صہیبؓ اور بلالؓ اور ابن مسعودؓ جیسے درویشوں کو جو زہد و قناعت اور صبر اور انتقامت میں اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان پر خاص نظر عنایت رکھیے اور اہل دنیا اور مالداروں کے کہنے سے ان درویشوں کو اپنی مجلس سے علیحدہ نہ کیجیے اور جو لوگ اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں انکی پرواہ نہ کیجیے چاہے ایمان لائیں یا نہ لائیں ان اہل دنیا کی طرف التفات نہ کیجیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں کہ ان آیات میں پہلے تلاوت قرآن کا حکم دیا بعد ازاں ان لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جو رضائے الہی کے طالب ہوئے ہیں اور صبح و شام عبادت الہی میں مشغول رہتے ہیں اور ایسے لوگوں سے منہ موڑنے کی ممانعت فرمائی اور اہل غفلت سے احتراز اور کنارہ کشی کا حکم دیا اور اس آیت میں جس جماعت کی مجالست اور مصاحبت رکھنے کا حکم دیا گیا وہ ہمارے اولین تھے جو کثرت عبادت و اطاعت کے ساتھ موصوف تھے اور خواہ ابتداء ہی سے وہ فقیر تھے یا اپنا مال و متاع راہ خدا میں خرچ کر کے تنگ دست ہو گئے تھے یہ ان کا عظیم وصف تھا و ہذا هو المقصود۔

کفار یہ کہتے تھے کہ اگر آپؐ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی بات کو سنیں اور آپؐ پر ایمان لے آئیں تو جب ہم آپؐ کے پاس آیا کریں تو آپؐ ان فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں ہمارا اور انکا مل کر بیٹھنا ہماری شان کے خلاف ہے انکے جبوتوں اور کپڑوں سے بو آتی ہے یہ لوگ ہمارے برابر کے نہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی اور آپؐ کو انکی درخواست قبول کرنے سے منع کر دیا اور آپؐ کو حکم دیا کہ آپؐ ان متکبرین اور مغزورین کی بات کی طرف توجہ اور التفات نہ کریں اور ان درویشان اسلام کی صحبت اور مجالست کو برقرار رکھیں اور ان سے اپنی نظر التفات نہ ہٹائیں یہ درویشان اسلام صبح و شام اللہ کے ذکر اور دعا میں مشغول ہیں اور ہمارے مخلص بندے ہیں اور اصحاب کہف کا نمونہ ہیں ان اہل غفلت کے کہنے سے آپؐ ان فقراء مومنین کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیں اور نہ اٹھائیں ان متکبرین کو یہ گوارا نہ تھا کہ کوئی انکے برابر بیٹھ سکے اللہ تعالیٰ نے بتلادیا کہ انکی یہ درخواست قابل منظور نہیں اصل عزت والے یہ فقراء صادقین ہیں اور یہ مغزورین اور متکبرین اللہ کے نزدیک مجھڑے پر کے برابر بھی نہیں اور اسی مضمون کی ایک آیت سورت انعام میں گذر چکی ہے وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ تک یہی مضمون چلا گیا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبیؐ! آپؐ اپنے پروردگار کی اس کتاب کو جو بذریعہ وحی آپؐ کے پاس

بھیجی گئی ہے اسکو پڑھتے رہیے خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی سنائیے اور لوگوں تک اسکو پہنچائیے یہی آپ کی نبوت کی کافی اور ثانی دلیل ہے اور یہ خیال نہ کیجیے کہ ان دولت مندوں کے اسلام میں داخل ہو جانے سے اسلام کو ترقی ہوگی ان پر دین کی ترقی کا دار و مدار نہیں اس دین کی ترقی کے ہم ذمہ دار ہیں ہم آپ سے وعدہ کر چکے ہیں اللہ کی باتوں کو یعنی اس کے وعدوں کو کوئی بدلنے والا نہیں خدا کے تمام وعدے اور تمام پیشین گوئیاں پوری ہو کر رہیں گی کسی کی موافقت یا مخالفت وعدۃ الہی پر اثر انداز نہیں ہو سکتی یا یہ معنی ہیں کہ کافروں کے اس قول کی پرواہ نہ کیجیے جو یہ کہتے ہیں اِنَّتَ بِقُرْآنٍ غَبِیْرٍ هٰذَا اَوْ یَدِّ لَہٗ: یعنی اس قرآن کے سوا دوسرا قرآن لاؤ جس میں بتوں کی مذمت اور شرک کا رد نہ ہو یا اس میں کچھ رد و بدل کر دو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ اللہ کے کلمات میں کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں اور بخیر ذات خداوندی کے آپ کوئی پناہ نہ پائیں گے اس کے سوا کوئی پناہ دینے والا نہیں۔

شروع سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ زمین کی چیزیں اور تمام اسباب تحمل فقط دنیا کی زینت ہیں نہ کہ آخرت کی اور دنیا کی زینت فانی اور سریع الزوال ہے اس سے دل بستگی نہ چاہیے عاقل کا کام دار آخرت کی فکر ہے اسکے بعد اصحاب کہف کا قصہ ذکر فرمایا کہ جو شاہی خاندان کے افراد تھے اور محلوں کے رہنے والے تھے دنیا کی زینت کو چھوڑ کر اپنے دین کو لے کر بھاگ نکلے اور غار میں جا چھپے اب اس کے بعد اشراف مکہ کے متعلق ایک ہدایت فرماتے ہیں دوسرا مکہ دنیا کی زینت پر فریفتہ تھے اور اسباب دنیا کے غرور میں ان کو فقرا مسلمین کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے ان دوسارے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی کہ جس وقت ہم آپ کے پاس آیا کریں اس وقت یہ لوگ آپ کے پاس نہ آیا کریں آپ ہمارے لیے علیحدہ مجلس رکھیے اور ان درویشوں کو اس مجلس میں ہمارے ساتھ شریک نہ کیجیے یہ لوگ صوف کے جُتے پہنے رہتے ہیں اور ان میں انکو پسینہ آتا ہے اور اس سے بدبو آتی ہے اور ہم شرفاء اور سادات حفر ہیں اگر ہم اسلام لے گئے تو ہماری تقلید میں سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے غرض یہ کہ سرداران قریش نے ان جیہ پوشوں اور کمبل والوں کے پاس اور ان کے ساتھ بیٹھنا کمر شان سمجھا ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت یہ خیال آیا ہو کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے غریب کو علیحدہ کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے یہ تو بچے اور بچے مسلمان ہیں ہی اگر سرداران قریش اس طرح اسلام میں داخل ہو جائیں تو یہ اسلام کے لیے باعث تقویت ہوگا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اے نبی آپ ان اہل دنیا کی ذرا برابر پرواہ نہ کیجیے بلکہ اپنی نشست و برخاست میں ہمہ تن اپنے آپ کو ان لوگوں میں مقید اور پابند رکھیے جو صبح و شام یعنی شروع دن سے لے کر آخر دن تک اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر اور عبادت سے فقط رضائے خداوندی کے طالب ہیں اس سے ان کی کوئی دنیاوی غرض نہیں اور چاہیے کہ آپ کی آنکھیں ان فقرا مسلمین سے نہ پھر جائیں یعنی ایسا نہ ہو کہ کسی وقت آپ کی نظر التفات ان اہل دنیا کی طرف پھر جائے

گویا کہ آپ دنیاوی زندگی کی زیب و زینت اور اس کی آرائش کی طرف مائل ہونے لگے کیونکہ امیروں کی دلجوئی کے لیے فقیروں کو پاس نہ آنے دینا بھی ایک قسم کی دنیا کی زینت کی رعایت ہے جس سے اللہ کا بنی پاک اور منزہ ہے حق جل شانہ نے ان آیات میں اپنے بنی کو کافروں کی اس قسم کی دلجوئی سے منع فرمادیا کیونکہ مجلس اور مجالست میں امیروں اور فقیروں میں فرق اور امتیاز قائم کرنا بظاہر حیات دنیا کی زینت کی رعایت ہے در نہ عقبی اور آخرت کی راہ سے فقراء اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے وہ شاہان دنیا کو بھی حاصل نہیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کر کے بتا دیا کہ یہ متکبرین ایمان لانے والے نہیں ان کا ایمان محض موہوم اور محتمل ہے اور محض موہوم اور محتمل فائدہ کی خاطر مجبین مخلصین کے احترام اور دلجوئی کو کیوں نظر انداز کر دیا جائے نیز غریبوں کے ساتھ اس قسم کا معاملہ کرنے میں یہ بھی احتمال ہے کہ لوگ اس طرز عمل کو دیکھ کر بنی سے بدگمان نہ ہو جائیں اور اسلام کے قبول کرنے میں تردد کرنے لگیں اور چند متکبرین کے اسلام لے آنے میں اسلام کا اتنا فائدہ نہیں جتنا کہ اس بدگمانی سے اسلام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فقراء اور درویشان اسلام کی پہلے سے زیادہ خاطر داری اور مدارت کرنے لگے اور خاص طور پر انکے پاس آکر بیٹھتے اور یہ فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے (چیدہ اور پاکیزہ) لوگ بنائے کہ جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھ کو حکم دیا میری زندگانی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

**مسئلہ** عالم شریعت اور شیخ طریقت پر لازم ہے کہ فقراء کی صحبت اور مجالست کو نعمت سمجھے اور اپنی مجلس کو عام رکھے امراء اور اغنیاء کی رعایت سے اپنی مجلس سے فقراء کو نہ اٹھائے ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذموم ہے فقراء اور مساکین کے پاس بیٹھنے سے دنیا نظروں میں خوار ہوتی ہے یہ آیت بلالؓ اور عمارؓ اور صہیبؓ اور خبابؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے بارہ میں نازل ہوئی جو صوفیہ کے جتے پہنے ہوئے حضور پر نورؐ کی مجلس میں آتے تھے اور ان میں پسینہ آجاتا تھا جس سے ان اشراف قریش کو کراہت محسوس ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ صوفیہ کا جتہ درویشان اسلام کا لباس ہے اسی لیے صوفی کو صوفی کہتے ہیں کہ جو ازراہ تواضع و درویشی صوف (ہالوں) کا لباس پہنے۔

اور مت کہنا مانو اس شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور دنیا سے دور کا اس کو دیوانہ بنا دیا ہے اور وہ شخص ہم تن اپنی نفسانی خواہش کا تابع اور پیر ہو گیا ہے نفس کا بندہ (غلام) بنا ہوا ہے جدھر اس کا نفس اسکو لے جاتا ہے ادھر دوڑا چلا جاتا ہمدلت اور عزت سے

۱۔ تفسیر قرطبی کی روایت میں یہ لفظ ہیں قالو یا رسول اللہ لو جلست فی صدر المجلس ونحیت عنا هؤلاء لارواح کانت بهم وکانت علیہم اقبیۃ صوف لم یکن علیہم غیرها (تفسیر قرطبی ص ۳۹۰ جلد ۱۰)



اس کو کوئی بحث نہیں اور اس کا کام حد اعتدال سے گذرا ہوا ہے آپ ہرگز ہرگز ایسے لوگوں کا کہنا نہ مانیے اور ان کے کہنے سے فقرار صادقین اور اہل ذکر مخلصین کو اپنے پاس سے ہرگز نہ ہٹائیے اور ذرہ برابر ان اہل غفلت کی پرواہ نہ کیجیے اور ان اہل غفلت اور اہل ثروت سے صاف کہہ دیجیے کہ یہ دین حق تمہارے پروردگار کے پاس سے آیا ہے جو مشعل ہدایت ہے پس جس کا جی چاہے ایمان لاتے اور جس کا جی چاہے کفر کرے خدا تعالیٰ کو نہ تمہارے ایمان کی ضرورت ہے اور نہ تمہارے کفر سے ڈر ہے تمہارے کہنے سے میں ان فقراء صادقین و زاکرین مخلصین کو اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا اور جو حق کا کافر اور منکر ہو وہ قابلِ نفات نہیں اور یہ کلام بطور تہدید اور تحذیف ہے نہ کہ بطور تنبیہ و اباحت، اسکے بعد کافروں اور مسلمانوں کے اخروی درجات اور درجات کو بیان فرماتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے وہ انکی منتظر ہے اسکی قناتیں اور پردے ہر طرف سے انکو گھیر لیں گے اسکی چار دیواری سے باہر نہیں نکل سکیں گے اور اگر وہ پیاس سے چلا میں گے اور فریاد کریں گے تو انکی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا۔ یہ یا تیل کے تیلچٹ کی مانند ہوگا جو برتن کی تہ میں رہ جاتا ہے اور اس قدر تیز گرم ہوگا کہ پاس لاتے ہی منہ کو بھون ڈالے گا اور وہ دوزخ بہت ہی بُری آرام گاہ ہو گی۔ اور وہ پانی بہت ہی بُرا ہوگا۔

اب ان انقیام کے بعد سعاد کا حال اور مال ذکر کرتے ہیں تحقیق جو لوگ اس حق پر ایمان لاتے جو آپ دے کر بھیجے گئے ہیں اور اسکی ہدایت کے مطابق اچھے عمل کیے تو بلاشبہ ایسے نیکوکاروں کا اجر ہم ضائع نہیں کریں گے ایسے ہی لوگوں کے لیے ہمیشہ کے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہاں انکو سونے کے کنگن پہناتے جائیں گے جو بادشاہوں کی زینت ہے۔

زاد المسیر میں سعید بن جبیرؓ سے منقول ہے کہ ہر جنتی کے لیے تین کنگن ہوں گے ایک چاندی کا ایک موتی کا اور ایک یاقوت کا یا یہ مطلب ہے کہ کسی کے ہاتھ میں سونے کا کنگن ہوگا اور کسی کے ہاتھ میں چاندی کا اور کسی کے ہاتھ میں موتیوں کا اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ گاہے چنیں اور گاہے چناں ہو مطلب یہ ہے کہ عالم آخرت میں معاملہ برعکس ہوگا اہل ایمان اگرچہ وہ درویش اور فقیر ہوں وہ تو ایسے محلوں اور باغوں اور عیش و عشرت میں ہوں گے اور اہل کفر ذلت و خواری میں ہوں گے اور بےز کپڑے پہنیں گے باریک ریشم کے اور بےز ریشم کے، اور کافروں کو گندھک کے کرتے پہناتے جائیں گے تکیہ لگانے والے ہوں گے تختوں پر جیسا کہ امیروں کی عادت ہے مطلب یہ ہے کہ غایت درجہ عیش و آرام میں ہوں گے کیا خوب جزا ہے ایمان کی اور اعمال صالحہ کی اور جنت خوب آرام گاہ

۱۔ ہل کے معنی میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ہل کے معنی پگھلے ہوئے تانبے کے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ہل کے معنی تیل کی تیلچٹ کے ہیں ایسے ہم نے لفظ "یا" بڑھا کر دونوں معنی کی طرف اشارہ کر دیا۔

ہے یا وہ تخت خوب تکیہ گاہ ہیں جن پر یہ درویشان اسلام شاہانہ لباس میں بیٹھے ہوں گے اب آئندہ آیات میں دنیا کے چاہنے والے کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا

اور بتا اُن کو کہات دو مردوں کی بنا دیئے ہم نے

لَاٰحِدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا

ایک کو دو باغ انگور کے اور گردان کے

بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۝۳۲ كَلَّمَا

کھجوریں اور رکھی دونوں کے بیچ میں کھیتی دونوں

الْجَنَّتَيْنِ اتَتْهُمَا وَكَمَّ تَظْلِمُ مِنْهُ شَيْءًا لَّا وَفَجَرْنَا

باغ لاتے اپنا میوہ اور نہ گھٹاتے اس میں سے کچھ اور بہاتی ہم نے

خِلَاهُمَا نَهْرًا ۝۳۳ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ

ان دونوں کے بیچ نہر اور اسکو پھل ملا پھر بولا اپنے دوسرے سے جب

يَحَاوِرُهُ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴ وَدَخَلَ

باتیں کرنے لگا اس سے مجھ پاس زیادہ ہے تجھ سے مال اور آبرو کے لوگ اور گیا اپنے

جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ قَالَ مَا أَظُنُّ اَنْ تَبِيدَ

باغ میں اور وہ برا کر رہا تھا اپنی جان پر بولا مجھ کو نہیں آتا خیال میں کہ خراب ہو

هَذِهِ اَبَدًا ۝۳۵ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُودَتْ

یہ باغ کبھی اور مجھ کو خیال میں نہیں آتا کہ قیامت ہونی ہے اور اگر کبھی

اِلٰى رَبِّيْ لَا جَدَانَ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ

بہنچایا مجھ کو میرے رب کے پاس ہاؤں گا بہتر اس سے اُس طرف پہنچ کر۔ کہا اسکو دوسرے نے جب

وَهُوَ يُكَادِرُكَ أَكْفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

بات کرنے لگا کیا تو منکر ہو گیا اس شخص سے جس نے بنایا تجھ کو مٹی سے

ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاهُ رَجُلًا ۖ لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ

پھر بوند سے پھر پورا کر دیا تجھ کو مرد پر میں تو کہوں وہی اللہ ہے

رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۖ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ

میرا رب اور نہ مانوں سا بھی اپنے رب کا کسی کو اور کیوں نہ جب تو آیا تھا

جَنَّتِكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ إِنَّ

اپنے باغ میں کہا ہوتا؟ جو چاہا اللہ کا، کچھ زور نہیں مگر دیا اللہ کا اگر تو

تَرِنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ فَعَسَىٰ رَبِّي أَن

دیکھتا ہے مجھ کو کہ میں کم ہوں تجھ سے مال اور اولاد میں تو اُمید ہے کہ میرا رب دیوے

يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا

مجھ کو میرے باغ سے بہتر اور بھیج دے اس پر ایک بھسوک آسمان

مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۖ أَوْ يُصْبِحَ مَاءً وَهًا

سے پھر صبح کو رہ جادے میدان پٹپٹ یا صبح کو ہو رہے اسکا پانی

غَوْرًا فَلَن تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۖ وَأُحِيطَ بِشَرِّهِ

خشک پھر نہ سکے تو کہ اس کو ڈھونڈ لاوے اور سمیٹ لیا اس کا سارا پھل

فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ

پھر صبح کو رہ گیا ہاتھ بجاتا اس مال پر جو اس میں لگایا تھا اور وہ

خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ لِيَلَيْتَنِي لَمْ أَشْرِكْ

ڈھیا ہڑا تھا اپنی چھتریوں پر اور کہنے لگا کیا خوب تھا اگر میں سا بھی نہ بناتا اپنے



بِرَبِّي أَحَدًا ۴۲) وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ

رب کا کسی کو اور نہ ہوئی اسکی جماعت کہ مدد کریں اسکو اللہ

دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۴۳) هَذَا لَكَ الْوَلَايَةُ

کے سوا اور نہ ہووہ کہ بدلہ لے سکے وہاں سب اختیار ہے

لِلَّهِ الْحَقُّ ۴۴) هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۴۵)

اللہ سچے کا اسی کا انعام بہتر ہے اور اسی کا دیا بدلہ

## بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی مثال

قال الله تعالى واضرب لهم مثلاً زكريا... الى... هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا (رط) گزشتہ آیات میں کفار کی اس درخواست کو رد فرمایا جو اپنے مال و دولت کے نشہ میں چور تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر سمجھتے تھے اور ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار محسوس کرتے تھے اور اپنے مال و دولت پر فخر محسوس کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتے تھے کہ جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ ان درویشان اسلام اور فقراء مسلمین کو اپنے پاس سے ہٹا دیا کریں اب ان آیات میں ان متکبرین کے سنانے کے لیے اور دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری بتلانے کے لیے بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کی ایک مثال ذکر فرماتے ہیں جن میں سے ایک مالدار کافر تھا اور آخرت کا منکر تھا اور اپنے مال و دولت پر مغرور تھا اور دوسرا ایک مومن اور درویش تھا مال دار کافر مال و دولت کے نشہ میں سلسلہ عالم کو قدیم سمجھتا تھا اور آخرت کا منکر تھا اور فقیر مسلمان بھائی، اسکو خدا کی عظمت اور جلال کی تلقین کرتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ یہ عالم قدیم نہیں اور اس کا رخا نہ عالم کی باگ دور اس پروردگار کے ہاتھ میں ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا اصل دولت اور اصل عزت پروردگار عالم کی اطاعت اور عبادت میں ہے جو فقراء مسلمین کو حاصل ہے اور تو اس عزت سے محروم ہے یہ درویش بھائی اپنے دولت مند بھائی کو ڈراتا تھا کہ خدا کی ناشکری نہ کر مبادا کہ کوئی بلا نازل ہو جائے چناںچہ اس پر ایک بللہ آسمانی ناگہانی طور پر نازل ہوئی جس سے دم کے دم میں وہ تمام باغ جڑ گیا اور مالک باغ حسرت سے ہاتھ ملتارہ گیا تب اسکی آنکھ کھلی کہ اللہ ہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ آئندہ آیات میں ایک طالب دنیا اور ایک طالب آخرت کا قصہ بیان فرمائے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اموال کی کثرت اور اسعوان انصار کی قوت قابل فخر چیز نہیں ہو سکتی ہو سکتا ہے کہ دم کے دم میں تو نگر فقیر ہو جائے اور فقیر تو نگر ہو جائے قابل فخر تو ایمان اور عمل صالح اور تقویٰ ہے اور یہ دنیا تو چند روزہ باغ و بہار ہے چنانچہ فرماتے ہیں اے نبی! دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لیے دو شخصوں کا قصہ بیان کو وہ دو آدمی تھے آپس میں بھائی بھائی تھے ان میں سے ایک کو جو کافر تھا ہم نے انگوروں کے دو باغ دیتے تھے اور ان دونوں باغوں کو ہم نے کھجوروں کے درختوں سے گھیر دیا تھا یعنی ایک ہر چار طرف کھجور کے درخت تھے اور ان دونوں باغوں کے درمیان ہم نے کھیتی بھی کر دی تھی جس سے قوت روزینہ ان کو حاصل ہوتی تھی یعنی اس میں کوئی جگہ خالی نہ تھی تمام زمین سے قسم قسم کی پیداوار تھی دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور باغ کی پیداوار میں ذرہ برابر کمی نہ تھی اور ہم نے ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری کر دی تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں باغوں کو ہمیشہ پانی پہنچاتی اور اس پیداوار کے علاوہ اس شخص کیلئے اور بھی قسم قسم کے پھل تھے اور ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اور قتادہؒ سے مروی ہے کہ ثمر سے مال مراد ہے یعنی سولے ان دو باغوں کے اسکے پاس اور بھی قسم قسم کا مال تھا یعنی سونا اور چاندی وغیرہ تھیں یہ مالدار کافر اپنے ساتھی یعنی مومن بھائی سے جو غریب تھا بولا۔ درآں حالیکہ وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا یعنی یہ کہتا جاتا تھا اور وہ جواب دیتا جاتا تھا دونوں میں باہم گفتگو ہو رہی تھی اثنائے گفتگو میں اس کافر بھائی نے فخر اُکھا کہ میں تجھ سے مال میں بڑھا ہوا ہوں اور حشم و خدم کے اعتبار سے زیادہ عزت والا ہوں پھر یہ مال دار کافر اپنے غریب مومن ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے باغات اور انکی پیداوار اور مال و دولت کو دکھلاتا تھا اور فخر کرتا جاتا تھا اور اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا درآں حالیکہ وہ اپنے کفر اور فخر کے سبب اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔ فخر اور خود بینی کی وجہ سے اور پھر دنیا کی محبت کے سبب سے مومن بھائی نے اس کو فخر اور کفران نعمت کی شامت سے ڈرایا مگر ایک نہ سنی اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغ کبھی اجڑے کفار کا ہمیشہ یہی خیال ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ عیش و آرام میں ہی رہیں گے اور بولا کہ میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہوگی اور اگر بغرض محال تیرے اعتقاد کے مطابق میں اپنے پردر دگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو اس سے بہتر مکان میں وہاں پاؤں گا کیونکہ میری یہ امیری اس بات کی دلیل ہے کہ میری شان اسی لائق ہے کہ مجھے یہ مال و دولت ملے اور میرا رب مجھ سے راضی ہے جب اس نے مجھے یہاں دیا تو وہ مجھ کو وہاں بھی دے گا اور اس سے بہتر دے گا اکثر کفار اور اغنیاء کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی دولت اور عیش و عشرت اور دنیاوی عزت و راحت کو اپنی مقبول خداوندی اور مکرم عند اللہ ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں یہ حال تو کافروں کا ہے اور بہت سے مالدار مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے بزبانِ قال تو نہیں بزبانِ حال وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں اور عملاً فقر لہ اور غریبار کی مجالست سے عار کرتے ہیں اسکی یہ باتیں سن کر اس سے اس کے دیندار نادار ساتھی نے اثنائے گفتگو

میں کہا کیا تو اس خدا کی قدرت کا منکر ہو گیا ہے جس نے تجھ کو مٹی سے پیدا کیا پھر تجھ کو نطفہ سے نکالا جبکہ تو مردہ بدست زندہ تھا اور کسی چیز کا مالک نہ تھا ماں اور دایہ کی گود میں پرورش پا رہا تھا پھر خدا نے تجھ کو اپنی قدرت سے پورا مرد بنا دیا اب تجھے اس خدا کی قدرت میں شک ہو گیا کہ جب میں مڑ جاؤں گا اور مڑ کر مٹی ہو جاؤں گا تو وہ مجھے کیسے دوبارہ پیدا کرے گا جس خدا نے تجھ کو پہلی بار مٹی سے پیدا کیا وہی خدا تجھ کو دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے بھلا ایسے قادر مطلق کو قیامت کا قائم کرنا کیا مشکل ہے خیر تو مانے یا نہ مانے لیکن میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے یہی میرے دل میں ہے اور یہی میری زبان پر ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا نہ اعتقاد میں نہ قول میں اور نہ فعل میں اس جواب سے الوہیت اور وحدانیت کا بھی اثبات ہے کیونکہ جو ذات پاک عالم کی خالق اور مربی ہے وہ اس عالم کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ کیوں نہ ہو کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو یہ کہا ہوتا کہ جو خدا نے چاہا وہی قابلِ شدنی ہے بغیر اللہ کی مشیت کے کسی میں قوت اور زور نہیں یعنی باغ کو دیکھ کر تجھے چاہیے تھا کہ اپنی عاجزی کا اقرار کرتا اور دل و جان سے یہ کہا ہوتا کہ یہ سب کچھ باغ و بہار اللہ کی مشیت اور اس کے فضل سے ہے وہ چاہے تو اسکو آباد رکھے اور چاہے تو اسکو اجاڑ دے وہ ہر طرح سے قادر ہے بندہ میں قدرت نہیں کہ باغ کو اور اس کی بہار کو قائم رکھ سکے اسی طرح زندگی کی باغ و بہار۔ امیری اور فقری سب اسکی مشیت سے ہے دم کے دم میں امیر کو فقیر اور فقیر کو امیر بنا سکتا ہے زجاج کہتے ہیں کہ کسی میں طاقت نہیں کہ جو نعمت اور مال و دولت اسکے ہاتھ میں ہے وہ اسکو تھام سکے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے۔

جو شخص اپنے باغ میں یا مکان میں داخل ہوتے وقت مَاشَاءَ اللہ لَاقُوۃَ  
فائدہ اَلَا بِاِذْنِ اللہ کہے تو وہ باغ اور مکان بلا اور آفت اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔

حکایت امام دارالہجرت مالک بن انسؒ نے اپنے مکان کے دروازہ پر یہ لکھ رکھا تھا  
مَاشَاءَ اللہ لَاقُوۃَ اَلَا بِاِذْنِ اللہ کسی نے پوچھا کہ آپ نے یہ کیوں  
لکھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْلَا اِذْكَخَلْتْ بَحْنُكَ قُلْتَ مَاشَاءَ اللہ لَاقُوۃَ  
اَلَا بِاِذْنِ اللہ۔

اس نصیحت کے بعد اس غریب مسلمان بھائی نے اسکے تکبر اور فخر کا جواب دیا اور کہا اگر آج تو مجھے مال اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتا ہے تو تجھ کو زیبا نہ تھا کہ تو مجھ پر بڑائی اور تکبر ظاہر کرنے لگے پس کیا عجب ہے کہ میرا پروردگار دنیا یا آخرت میں یا دونوں جگہ مجھ کو تیرے سے بہتر باغ دے دے اور اس تیرے باغ پر آسمان سے کوئی بلا اور آفت بھیج دے جس کا تجھ کو وہم و گمان بھی نہ ہو پھر وہ تباہ ہو کر دفعۃً چٹیل میدان ہو جائے جس پر گھاس کا بھی نام و نشان نہ ہو یا اس کا پانی زمین کے اندر اتر جائے تو اسکو ڈھونڈ کر بھی واپس نہ لاسکے یہ بات تیری قدرت سے باہر ہے چنانچہ ایسا



ہی ہوا کہ جو بات اس مردِ مؤمن کی زبان سے نکلی تھی وہ سچ کر دی۔ اور بلا سبب ظاہری کے دفعۃً اور ناگہانی طور پر آسمان سے ایک آفت آئی جس سے وہ باغِ تباہ ہو گیا اللہ نے آسمان سے اس باغ پر ایک آگ بھیجی جس نے اسکو جلا کر خاک سیاہ کر دیا اور اس کا پانی زمین کے نیچے اتر گیا اور اس باغ کا سارا پھل عذابِ آسمانی کے گھیرے میں لے لیا گیا اور غیب سے ایسی تباہی آئی کہ وہ باغ اور درخت اور عمارت سب خراب اور مسمار ہو گئے پس صبح کی اس کافر نے اس حالت میں کہ کفِ افسوس ملتا تھا اس مال پر جو اس نے اس باغ میں صرف کیا تھا حسرت سے ہاتھ ملتارہ گیا کہ اب ہاتھ میں سوائے افسوس اور حسرت کے کچھ نہیں رہا اور اس باغ کی عمارتیں اپنی چھتوں پر گر پڑی تھیں اور وہ اس حال کو دیکھ کر کفِ افسوس ملتا جاتا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ کاش میں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہوتا یعنی جب اس کا باغ جل گیا تب اسے معلوم ہوا کہ یہ اس کے کفر و شرک کی سزا تھی اپنے کیے کفر پر نادم ہوا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مؤمن ہو گیا اس لیے کہ یہ ندامت خوفِ خداوندی اور کفر کی جہت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ایک دنیاوی مصیبت اور آفت کی وجہ سے تھی لہذا ایسی تمنا بیکار ہے اور نہ ہوتے اس کے لیے اعوان و انصار اور حشم و خدم کی کوئی جماعت بجز خدا کے جو اسکو مدد دے اور نہ وہ خود اپنا بدلہ لینے پر قادر تھا یہیں سے ثابت ہوا کہ کار سازی اور اختیار صرف خدا کے برحق کے لیے ہے کیونکہ مصیبت کے وقت جزع و فزع صرف اللہ کی طرف کرنا یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ خدا کے برحق وہی ہے کہ جس کو سارا اختیار ہے اور اس کے سوا سب باطل ہے اور عارضی چیز پر فخر کرنا نادانی ہے وہ اہل طاعت کو انعام اور جزا دینے میں سب سے بہتر ہے اور اسی کی اطاعت کا انجام سب سے بہتر ہے یعنی انجام اور عاقبت کے اعتبار سے اہل ایمان اور اہل طاعت سے بڑھ کر کوئی نہیں ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی مثال بیان کی انکی تعین میں مفسرین نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی بنی اسرائیل ہیں سے ننھے اور انھی دو بھائیوں کا قصہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الصافات میں ذکر کیا ہے کما قال تعالیٰ قَالَ قَاتِلْهُمْ مِّنْهُمْ اِنِّیْ ذَکَاۤءٌ لِّیْ قَوِّیْنِیْ الخ اور بعض کہتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے قبیلۃ مخزوم کے دو بھائیوں کے بارہ ہیں یہ آیت نازل ہوتی جن میں سے ایک بھائی مسلمان تھا اور دوسرا کافر اور مقصود یہ ہے کہ مال و دولت پر فخر کرنا اور فخرِ مسلمین کو حقیر سمجھنا بہت ہی بُرا ہے اصل عزت حق تعالیٰ کے تعلق اور اس کی اطاعت میں ہے۔

(دیکھو تفسیر کبیر ص ۵۰۰/ جلد ۵ و تفسیر قرطبی ص ۲۹۹/ جلد ۱۰)

حق تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ وہ اکثر اپنے مقبول بندوں کو دنیا سے دور رکھتا ہے اور کافروں کو دنیا کی عیش و آرام سے خوب نوازتا ہے اور اہل ایمان پر بلائیں نازل کرتا

**فائدہ**

ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

یعنی اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تمام لوگ کفر کے فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے تو ہم کافروں کو اتنا مال و دولت

ہیتے کہ ان کے گھروں کی چھتیں بھی چاندی کی کر دیتے، قاعدۂ اکثریہ تو یہ ہے مگر بعض مرتبہ کافر کا غرور اور تکبر  
توڑ دینے کے لیے کوئی بلا آسمانی اسکے مال و دولت پر نازل کرتے ہیں کہ متنبہ ہو جائے کہ یہ دنیا بچ ہے  
اور امیری اور فیری سب اسکے ہاتھ میں ہے وہ دم کے دم میں بڑے سے بڑے متکبر اور سرکش کو محتاج  
اور خوار بنا ڈالتا ہے اس لیے آئندہ آیت میں دنیا کی حقیقت سمجھانے کیلئے ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔

❖ ❖ ❖

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اور بتا ان کو کھادت دنیا کی زندگی کی

كَمَآ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَطَ بِهِ

جسے پانی اتارا ہم نے آسمان سے پھر بھڑ کر نکلا اس سے

نَبَاتٍ اَلْاَرْضِ فَاصْبَحَ هَشِيْمًا تَذَرُوْهُ

زمین کا سبزہ پھر کل کو ہو رہا پھوڑا باؤ میں

الرَّيْحُ طَوْكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝۳۵ اَلْمَالُ

اڑتا اور اللہ کو ہے ہر چیز پر قدرت مال

وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبَقِيَّتُ الصَّٰلِحٰتُ

اور بیٹے دولت ہیں دنیا کے جیتے اور رہنے والی نیکیوں

خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ اَمَلًا ۝۳۶ وَيَوْمَ نَسِيْرٌ

پر بہتر ہے تیرے رب کے ہاں بدلہ اور بہتر ہے توقع اور جس دن ہم چلا دیں

اَلْجِبَالُ وَتَرٰى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۚ وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ

بہار اور تو دیکھے زمین کھل گئی اور گھر بلا دیں انکو بھرنے

نُعَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝۳۷ وَعَرَضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ط

جھوڑیں ان میں ایک کو اور سامنے لائے تیرے رب کے قطار کر کے

لَقَدْ جَعَلْنَاكُمْ خَلْقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ

اور آپہنچے تم ہمارے پاس، جیسا ہم نے بنایا تھا تم کو پہلی بار نہیں تم بتاتے تھے

أَلَنْ نَجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ۚ ۴۸ وَوَضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَىٰ

کہ نہ ٹھہریں گے ہم تمہارا کوئی وعدہ اور رکھا جاوے گا کاغذ پھر تو دیکھ

الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوَلِّتُنَا

گنہگار ڈرتے ہیں اسکے بچے لکھے سے اور کہتے ہیں اے خرابی !

مَالِ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا

کیسا ہے یہ لکھا ؟ نہ چھوڑے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو

أَحْصَاهَا وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظْلِمُ

اس میں نہیں گھیری اور پاویں گے جو کیا ہے سامنے اور تیرا رب ظلم نہ

رَبُّكَ أَحَدًا ۚ ۴۹

کرے گا کسی پر

## دنیا کے فناء و زوال کی ایک مثال

قال الله تعالى واضرب لهم مثل الحيلولة الدنيا كماء انزلناه... الى... ولا يظلم ربك احداً  
 رابطہ گذشتہ آیات میں دو شخصوں کی مثال بیان کی تھی جس سے دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری کو بتلانا  
 مقصود تھا اب پھر دنیا کی بے ثباتی کے لیے ایک دوسری مثال بیان فرماتے ہیں تاکہ دنیا کی اندرونی  
 حقیقت ظاہر ہو جائے اور لوگ اسکی ظاہری زیب و زینت کو دیکھ کر فریفتہ نہ ہوں اور اسکی ظاہری  
 آرائش سے دھوکہ نہ کھائیں اور سمجھ جائیں کہ یہ دنیا پیچ ہے قابل فخر نہیں قابل فخر اور قابل شکر باقیات  
 صالحات یعنی اعمال صالحہ ہیں جن کے مقابلہ میں ساری دنیا کی آرائش اور زیبائش پیچ ہے دنیا تو خیس  
 ہے اگر نفیس کی خواہش ہے تو آخرت کی تیاری کریں اور آخرت کے لیے کوئی ذخیرہ اور خزانہ تیار کریں اور



وہ خزانہ اعمال صالح کا ہے دیکھ لو کہ ابلیس تکبر اور اپنی اصل پر غرور کی وجہ سے کیسا ذلیل و خوار ہو کر نکلا اور آخر میں فرمایا کہ قوم عاد اور ثمود کی بستیوں کو دیکھ لیں کہ تکبر اور غرور کی وجہ سے کیسے ہلاک ہوئے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ یہ متکبرین ایک حقیر اور فانی چیز پر فخر کر رہے ہیں حالانکہ ایک خبیث اور سریع الزوال چیز پر فخر کرنا نادانی ہے پھر قیامت کے ہولناک منظر کو بیان کیا کہ اس دنیا کے فناء و زوال کے بعد جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت ایمان اور عمل صالح کام آئے گا دنیا کی مال و دولت کچھ کام نہ آئے گی چنانچہ فرماتے ہیں اور اسے نبی آپ ان کافروں کیلئے جو اموال و اولاد پر فخر کرتے ہیں دنیاوی زندگی کی مثال بیان کر دیجئے کہ وہ کیسی ہری بھری معلوم ہوتی ہے اور پھر کیسی جلدی زائل اور فنا ہو جاتی ہے وہ ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس پانی کے ذریعہ سے گنجان روئیدگی حاصل ہوتی جس سے وہ زمین تر و تازہ اور سرسبز و شاداب ہو گئی اور خوش نما معلوم ہونے لگی پھر آخر کار وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو گئی جس کو ہوائیں اڑانے لگیں اور اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے وہی اپنی قدرت سے بسزہ اگاتا ہے اور پھر اسکو خشک کر کے ہوائیں اڑاتا ہے اسی طرح دنیا کا حال ہے کہ اول اول بسزہ اور کھیتی کی مانند تر و تازہ اور خوش نما معلوم ہوتی ہے اور خوب بہار دکھلاتی ہے پھر جس طرح چند روز کے بعد بسزہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور دائیں اور بائیں ہوائیں اس کو اڑا لے جاتی ہیں اسی طرح چند روز بعد یہ دنیا بھی فنا ہو جاتے گی لہذا چند روزہ رونق اور بہار پر پھولنا اور اترانا عقل کا کام نہیں خوب سمجھ لو کہ جس خدا نے تم کو آل و اولاد کی زینت عطا کی ہے وہ اس کے فناء کرنے پر بھی قادر ہے مال اور بیٹے جن پر یہ کافر اتراتے ہیں اور فخر کرتے ہیں محض دنیاوی زندگی کی زینت ہیں زادِ آخرت نہیں اور ایسی چیز پر دل لگانا اور فخر کرنا جو چند روز کے بعد زائل ہو جاتے اور آخرت میں کچھ کام نہ آئے عاقل کا کام نہیں حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ مال اور بیٹے دنیا کی کھیتی ہے اور اعمال صالحہ آخرت کی کھیتی ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں یعنی وہ اعمال صالحہ جو خالص اللہ کے لئے کیئے گئے ہوں اور طبع اور غرض کا شائبہ اس میں نہ ہو وہ تیرے پروردگار کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے خوب تر ہیں اور باعتبار امید اور توقع کے بہتر ہیں یعنی اعمال صالحہ پر اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ جو نیک عمل کرے گا وہ بہشت میں من مانی مراد پائے گا اس کے سوا تمام امیدیں موهوم ہیں اعمال صالحہ کا ثمرہ دائمی اور باقی ہے اور غیر اعمال صالحہ کا نتیجہ وقتی اور عارضی ہے۔

باقیات صالحات کی تفسیر میں سلف اور خلف سے مختلف اقوال منقول ہیں (قول اول) ابن عباس رضی وغیرہ سے منقول ہے کہ باقی رہنے والی نیکیاں سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یہ کلمات ماثورہ ہیں۔ اور اسکی تائید مرفوع حدیثوں سے بھی ہوتی ہے۔

(قول دوم) باقیات صالحات سے نماز ہائے پنجگانہ مراد ہیں۔

(قول سوم) باقیات صالحات سے وہ تمام اعمال صالحہ مراد ہیں جنکے ثمرات ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں جیسے کسی کو علم سکھایا جائے جو جاری رہے یا کوئی نیک رسم جاری کرے یا مسجد یا کنواں یا سرائے یا باغ یا کھیت خدا کے لئے وقف کر جائے یا اولاد کو تربیت کر کے صالح یا عالم باعمل چھوڑ جائے تو یہ سب صدقات جاریہ ہیں جنکا ثواب مرنے کے بعد بھی اسکو ملتا رہے گا اور یہی قول سب اقوال میں رائج اور صحیح ہے اور یہی قول سب سے اعم اور اشمل ہے جس میں نماز اور اعمال حج اور روزہ اور کلمات ماثورہ سبحات اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وغیرہ اور تمام پاکیزہ اقوال اور افعال جن کا ثمرہ آخرت کے لیے باقی رہے وہ سب باقیات صالحات میں داخل ہیں اور اسی قول کو امام طبریؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اختیار فرمایا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ باقیات صالحات کی تلقین سے آخرت کی ترغیب مراد ہے کہ اسکے لیے تیاری کریں اب آئندہ آیات میں قیامت کے ہولناک واقعات سے آگاہ کرنے کیلئے چند انواع کا ذکر فرمایا۔

(نوع اول) وَیَوْمَ نُسِیْرُ الْجِبَالِ اور اس دن کو یاد کرنا چاہیے کہ جس دن ہم پہاڑوں کو انکی جگہوں سے ہٹا کر چلا دیں گے جن کا وجود اور بقا لوگوں کی نظروں میں مستحکم ہے انکو روٹی کے گالوں کی طرح اڑا دیں گے۔

(نوع دوم) وَتَرَى الْمَاضِیَّ بَارِزًا اور تو اس دن زمین کو کھلا ہوا چیل میدان دیکھے گا نہ اس پر کوئی پہاڑ ہوگا نہ درخت نہ مکان پوری طرح زمین قاع صفصف ہوگی یعنی برابر اور ہموار میدان ہوگی نہ اس میں اونچائی ہوگی نہ نیچائی کسی چیز کا اس پر نام و نشان نہ ہوگا زمین کے مُردے اور اس کے خزینے اندر سے نکل کر سب باہر آجائیں گے غرض یہ کہ اس دن زمین صاف ہموار میدان بن جائے گی اور کوئی چیز زمین کے جوف (پیٹ) میں نہ رہے گی اس کا اندرونی جوف سب ظاہر ہو جائے گا۔

(نوع سوم) اور اس دن ہم سب لوگوں کو میدان حشر میں حساب کتاب کے لیے جمع کریں گے پھر ہم اولین و آخرین میں سے بغیر جمع کیے کسی کو نہیں چھوڑیں گے کہ وہاں نہ لایا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر نہ بھول چوک ممکن ہے نہ عجز ممکن ہے قُلْ اِنَّ الْاَوَّلَیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ لَمَجْمُوعُوْنَ اِلٰی مِیْقَاتٍ یَّوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (نوع چہارم) وَنُحْضِرُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا اور اس دن تمام اولین و آخرین حساب کے لیے تیرے پروردگار کے روبرو دکھڑے کیے جائیں گے یعنی اس دن تمام لوگ حساب کے لیے احکم الحاکمین کے روبرو دکھڑے کیے جائیں گے کما قال تعالیٰ یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ

(نوع پنجم) لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا کَمَا خَلَقْنَا کُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ : پھر پیش ہونے کے بعد منکرین قیامت کو ملامت کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا البتہ تحقیق تم آج ہمارے حضور میں حاضر ہوئے ہو بے حشمت و وقار اور بے خدمت گار اور بے مال و منال اور بے کرتے پا جائے ننگے بے پرو بال جیسا ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اب تو تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا اور تم کو یقین آگیا کہ خدا تعالیٰ کس طرح دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے اور وہ اموال و اولاد اور وہ باغات مکانات جن پر تم فخر کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی چیز اس وقت تمہارے پاس نہیں جس طرح پہلی مرتبہ تم ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اسی طرح پھر تم کو پیدا





وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ طَبَسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۝۵۰

اور وہ تمہارے دشمن ہیں بُرا ہاتھ لگائے انصافوں کو بدلہ دکھائیں

أَشْهَدُ تَهُمُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ

لیا میں نے انکو بنانا آسمان وزمین کا اور نہ بنانا

أَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُمْ تُخِذُ الْمُضِلِّينَ عَصْدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ

ان کا اور میں وہ نہیں کہ پکڑوں بہکانے والوں کو بازو اور جس دن

يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ

فرمائے گا پکارو میرے شریکوں کو جو تم بتاتے تھے پھر پکاریں گے

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ۝۵۲ وَرَأَى

پھر وہ جواب نہ دیں گے اور کر دیں گے ہم انکے بیچ مرنے کا اسباب اور دیکھیں گے

الْبَازِغُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا

گنہگار آگ کو پھر اٹکیں گے کہ اُن کو پڑنا ہے اس میں اور نہ پاویں گے

عَنْهَا مَصْرَفًا ۝۵۳ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ

اس سے راہ بدلنی اور پھر پھر سمجھائی ہم نے اس قرآن سے

لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ

لوگوں کو ہر ایک کہادت اور ہے انسان سب چیز سے زیادہ

جَدَلًا ۝۵۴ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمْ

جھگڑنے کو اور لوگوں کو انکاؤ جو رہا اس سے کہ یقین لائیں جب پہنچی انکو

الْهُدَى وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةٌ

راہ کی سوچھ اور گناہ بخشاویں اپنے رب سے سو یہی کہ پہنچے ان پر رسم

الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵ وَمَا نُرْسِلُ

پہلوں کی ، یا اکھڑا ہو ان پر عذاب سامنے اور ہم جو رسول

الرُّسُلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَجَادِلُ الَّذِينَ

بیعتے ہیں سو خوشی اور ڈر سنانے کو اور جھگڑے لاتے ہیں

كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا

منکر بھونٹے جھگڑے، کہ ڈکا دیں اس سے سچی بات اور ٹھہرایا ہے میرے

آيَتِي وَمَا أَنْذَرُوا هُزُوعًا ۝۵۶ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ

کلام کو ، اور جو ڈر سنائے ٹھٹھا اور کون ظالم اس سے جسکو سمجھایا اسکے

بَايَتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدْ مَتَّ يَدَاهُ

رب کے کلام سے ، پھر منہ پھیرا اسکی طرف سے اور بھول گیا جو آگے بھیج چکے ہیں اسکے ہاتھ

إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي

ہم نے رکھی ہے ان کے دلوں پر اوٹ کہ اسکو نہ سمجھیں ، اور ان کے

أَذَانِهِمْ وَقُرْآنًا ۚ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَى فَلَنْ

کانوں میں بوجھ اور جو تو ان کو بلا دے راہ پر ، تو ہرگز

يَهْتَدُوا وَإِذَا أَبَدًا ۝۵۷ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ

نہ آویں راہ پر اس وقت کبھی اور تیرا رب بڑا بخشنے والا ہے ہر رکھتا

لَوْ يُوَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ

اگر ان کو پکڑے ان کے کیے پر تو جلد ڈالے ان پر عذاب پر

لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْيلًا ۝۵۸ وَ

ان کا ایک وعدہ ہے کہیں نہ پاویں گے اس سے دوسرے سرکنے کو جگہ اور

تِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا

یہ سب بٹیاں جن کو ہم نے کھپا دیا، جب ظالم ہو گئے اور رکھا تھا

لِيَهْلِكَ مِنْهُمْ مَّوْعِدًا ۝۵۹

انکے کھینے کا ایک وعدہ

## غرور اور تکبر کا حال اور مال

قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرْ لَنَا وَلِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدْ وَإِلَّا دَمَرُ... اِلٰی.... وَجَعَلْنَا لِيَهْلِكَ مِنْهُمْ مَّوْعِدًا (ربط) گذشتہ آیات میں اہل دولت کے غرور اور تکبر کا حال بیان کیا اب ان آیات میں یہ بتلاتے ہیں کہ تمام خرابیوں کی جڑ یہی تکبر ہے جس کا آغاز ابلیس لعین سے ہوا اور تواضع اور نیاز مندی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا بھی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ ہے جس کا آغاز حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا یہ تمہارے باپ کا طریقہ ہے لہذا تم کو چاہیے کہ اپنے باپ آدمؑ کے طریقہ پر چلو پس خوب سمجھ لو کہ جو دولت مند کفر کرتے ہیں اور اپنے مال و دولت پر فخر کرتے ہیں اور فقراء مسلمین اور درویشان اسلام کو حقیر سمجھتے ہیں وہ سب ابلیس لعین کے مقتدی اور متبع ہیں جس طرح شیطان نے غرور کیا اور آدمؑ کو حقیر سمجھا اسی طرح یہ مال دار مشرک غریب مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں ابلیس کے انجام کو دیکھ لیں اور اپنے انجام کو سوچ لیں۔

(ربط دیگر) کہ انسان کی غفلت اور سرکشی کے دو سبب ہیں ایک تو دنیا کی مال و دولت (اس کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے) اور دوسرا سبب اغوار شیطانی ہے اس آیت میں اس کا ذکر فرماتے ہیں اور بنی آدم کو ابلیس کی عداوت پر آگاہ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارا اور تمہارے باپ کا قدیمی دشمن ہے اس سے ڈرتے رہنا اور نپکتے رہنا۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو اس وقت کو کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدمؑ کو بطور تحیت و تکریم سجدہ کرو تو سوائے ابلیس کے سب نے سجدہ کیا اس نے آدمؑ کے شرف اور کرامت کو تسلیم نہ کیا اور اس نے اس لیے سجدہ نہ کیا کہ وہ قوم جن سے تھا عنصر ناری کے غلبہ سے وہ علو اور تکبر کی طرف مائل ہوا پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر نکل گیا اور آدمؑ اور اسکی اولاد کا دشمن ہو گیا تو بنی آدمؑ جس کا یہ حال ہے کیا تم اسکو اور اسکی اولاد کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے جانی دشمن ہیں اور میں نے تو اس لعین کو تمہارے باپ کی وجہ سے اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا پھر مجھے چھوڑ کر ایسے



دشمن کو اور اسکی ذات کو کیوں اپنا دوست بناتے ہو ظالموں کے لیے یہ بہت ہی بُرا بدل ہے یعنی کیا یہ ظلم نہیں کہ جس ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین نے تم کو مکرم اور مشرف کیا اسے چھوڑ کر اس جدی دشمن کو اپنا دوست بنانا چاہتے ہو اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابلیس کے بیوی بچے بھی ہیں اس لیے کہ ذریت بغیر جور و نہیں ہوتی اس قسم کے اقوال زیادہ تر مجاہد اور شعبی اور اعمش سے منقول ہیں اور بعض مرفوع حدیثوں سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ ارحم الراحمین اور اکرم الاکرمین کو چھوڑ کر اپنے آبائی دشمن کو دوست بنانا بہت ہی بُرا بدل ہے۔

بقول دشمن پیمان دوست بشکستی : ہیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی  
اور ظاہر ہے کہ دوست کو چھوڑ کر آبائی دشمن کو اپنا دوست بنانا بڑا ہی ظلم ہے آب آئندہ آیت  
ہیں یہ بتلاتے ہیں کہ جن کو تم نے اپنا دلی اور متولی بنایا ہے وہ سب کے سب تمہاری طرح میرے بندے  
اور غلام ہیں کسی چیز کے مالک نہیں اس لیے کہ میں نے ان شیطانوں کو آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے  
وقت اپنی مدد اور مشورہ کے لیے حاضر نہیں کیا تھا اور نہ خود انکی پیدائش کے وقت انکو بلایا تھا کہ بلا کر ان  
سے پوچھا ہوتا کہ تم کو کیسا بنایا جائے مطلب یہ ہے کہ میں نے آسمان اور زمین اور تمام مخلوقات کو  
خود اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے انکی پیدائش میں میں نے کسی سے مدد نہیں لی اور نہ کسی سے صلاح اور  
مشورہ لیا اور اگر بغرض محال مدد بھی لیتا تو میں ان بد نخت اشقیاء گمراہ کرنے والوں کو قوت  
بازو بنانے والا نہیں جنہیں جانتا ہوں کہ میری راہ سے بہکانے والے ہیں مطلب یہ ہے کہ کجایہ  
شیاطین و کفار اور کجا آفرینش پروردگار قادر مطلق کو کسی کی مدد کی کیا ضرورت اور جن کو تم خدا کا شریک  
ٹھہراتے ہو اسکی حقیقت قیامت کے دن کھل جائے گی اس دن خدا تعالیٰ بالواسطہ فرشتوں کے مشرکوں  
سے کہے گا کہ جن کو تم اپنے زعم میں میرا شریک قرار دیتے تھے بلند آواز سے انکو اپنی امداد کے لیے  
پکارو تاکہ تمہارے زعم کے مطابق وہ تمہاری مدد اور سفارش کریں پس وہ انکو اپنی مدد کے لیے بلائیں  
گے سودہ شرکار انکی بات کا کوئی جواب بھی نہ دیں گے اور نہ انکی فریاد کو پہنچیں گے اور اس وقت ان  
گمراہوں پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ بالکل عاجز ہیں اور انکو سفارش وغیرہ کا کوئی اختیار نہیں اور عیسیٰؑ  
جیسے مقولان خداوندی بجائے سفارش کرنے کے ان کافروں سے اپنی براہت اور بیزاری کا اظہار  
فرمائیں گے کہ ہم ان گمراہوں کے فعل سے بالکل بے خبر ہیں اور نہ ہم انکے اس شرک پر راضی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اہل محشر کے سامنے ان گمراہوں کو بطور ملامت و توبیخ بہ حکم دے گا جن کو تم شرکار گمان کرنے لگے ان کو پکارو تاکہ تم کو اس عذاب سے چھڑوائیں اور تمہاری کچھ مدد کریں بہ لوگ پکاریں گے اور جواب نہ پائیں گے تو خوار اور ناامید ہو کر رہ جائیں گے اور پھر ہم ان عابدوں اور مجبوروں کے درمیان ایک ہلکے آڑھل کر دیں گے جس سے ان کے درمیان نفرت پڑ جائے گا اور ایک فریق دوسرے فریق سے مل نہ سکے گا اور نہ اس کے پاس

جاسکے گا کام آنا تو درکنار درمیان میں ایک عظیم خندق حائل ہوگی اور موبق کے معنی جاتے ہلاکت کے ہیں اس سے مراد آگ کی خندق ہے یا جہنم کی کسی وادی کا نام ہے جب درمیان میں یہ آڑ حائل ہو جاتے گی تو انکی امداد سے بالکل مایوسی ہو جائے گی اور بجائے مدد اور شفاعت کے کافروں کو یہ موبق نظر آئے گی جو جہنم کی راہ ہے اور اس وقت مجرم لوگ دور سے آگ کو دیکھیں گے تو دیکھتے ہی یقین کر لیں گے کہ وہ ضرور اس آگ میں گرنے والے ہیں اور اس سے ہٹنے اور بچنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے کیونکہ وہ آگ انکو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی اور ہر طرف سے فرشتوں کا پہرہ ہوگا یہ اس واسطے فرمایا کہ جن کو وہ خدا کا شریک ٹھہرتے تھے وہ ایسے عاجز ہیں کہ اس مصیبت کے وقت میں انکی کوئی مدد نہیں کر سکیں گے اور مسند احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کافر جہنم کو چالیس سال کی مسافت میں دیکھے گا مطلب یہ ہے کہ شاید اس آگ کو دیکھنے سے پہلے معافی کی کچھ امید ہو لیکن اس آگ کو دیکھنے کے بعد یقین کامل ہو جائیگا کہ ہمیں اس میں گرنا ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں اب اس کے بعد قرآن کریم کی جامعیت کو بیان فرماتے ہیں اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت اور نصیحت کے لیے ہر قسم کی مثال تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کر دی ہے تاکہ لوگ راہ حق سے نہ بھٹکیں مگر باوجود اس تفصیل اور واضح بیان کے لوگ حق سے جھگڑا لگاتے ہیں اور ہے انسان جھگڑنے میں سب سے بڑھ کر انسان کی فطرت اور جبلت میں مجادلہ اور مخاصمہ ایسا مرکوز ہے کہ حق کے مقابلہ میں مجادلہ کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور یہ جدال کبھی تو ایمانیات اور اعتقادیات میں ہوتا ہے مثلاً توحید اور رسالت کے بارہ میں یا قیامت کے بارہ میں مجادلہ کرے تو یہ کفر ہے اور کبھی عبادات اور اعمال صالحہ میں ہوتا ہے تو یہ جدال معصیت یعنی گناہ ہے مثلاً کوئی شخص ایمانیات یعنی توحید و رسالت میں تو نہیں جھگڑا کرتا مگر کسی حق بات میں اور عمل کے بارہ میں جھگڑا کرتا ہے تو یہ جدال کفر نہ ہوگا بلکہ معصیت اور گناہ ہوگا اور کبھی یہ جدال قربات اور مستحبات میں ہوتا ہے تو یہ جدال بے ادبی ہے مثلاً صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت انکے اور فاطمہ الزہراءؓ کے پاس آئے تو فرمایا کہ تم دونوں نماز کیوں نہیں پڑھتے (یعنی صلاۃ اللیل اور رات کے نوافل کیوں نہیں پڑھتے) علیؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے نفوس یعنی ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہم کو رات کو نماز کے لیے اٹھانا چاہتا ہے تو اٹھا دیتا ہے جب میں نے یہ جواب دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پشت پھیر کر واپس ہوئے اور مجھ سے کچھ نہیں کہا اور اپنے رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْئًا جَدَلًا؛ یعنی انسان بڑا جھگڑالو ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ جواب طاعات اور قربات یعنی مستحبات میں مجادلہ تھا کہ اپنی غفلت کی پردہ پوشی کے لیے خدا کی قدرت اور اس کی قضا و قدر کو بہانہ بنایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے اس آیت کی تلاوت سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ علیؑ کا یہ جواب درحقیقت ایک نوع کا مجادلہ ہے جو خلاف ادب ہے اور عملاً بے رخی اور بے التفاتی برتی تاکہ ناپسندیدگی کا اظہار ہو جائے اور جب لوگوں کے پاس ہدایت قرآنی آپہنچی تو انکو اس ہدایت ایمانی پر ایمان لانے اور اس کے قبول کرنے سے اور اپنی سابقہ ضلالت سے توبہ اور استغفار کرنے سے کوئی امر مانع نہیں ہوا مگر یہ بات مانع ہوئی کہ انکو اس بات کا انتظار اور طلب ہے کہ ان پر بھی وہی سنت الہی جاری ہو کہ جو گزشتہ جدال اور مقابلہ کرنے والوں پر جاری ہوئی تھی اس بات کے منتظر ہیں کہ عذاب الہی انکے سامنے اکھڑا ہو حاصل یہ کہ ان مجادلین اور معاندین پر یہ امر بخوبی منکشف ہو گیا ہے کہ قرآن حق ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں جدال اور عناد کے عادی ہیں یہ لوگ ایمان لانے والے اور حق کے ماننے والے نہیں بلکہ اس کے منتظر ہیں کہ اگلے مجادلین کی طرح ہلاک کیے جائیں یا عذاب الہی انکی آنکھوں کے سامنے آجائے تب مانیں حالانکہ اس وقت کا ماننا قابل قبول نہیں اور نہ مفید ہے اور ہم نہیں بھیتے رسولوں کو مگر صرف اہل ایمان کو بشارت دینے کے لیے اور اہل ضلالت کو عذاب الہی سے ڈرانے کے لیے ان پر یہ لازم نہیں کہ خواہ مخواہ لوگوں کو حق متوالیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ بے ہودہ اور ہمل باتوں کے ذریعے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ذریعے حق کو پھسلا دیں اور لڑکھڑا دیں یعنی اس قسم کی ہمل اور بیہودہ باتوں سے مجادلین کی یہ غرض ہوتی ہے کہ حق کو باطل اور باطل کو حق اور سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنادیں اور ان لوگوں نے بنالیا ہے میری آیات کو اور اس عذاب کو جن سے انکو ڈرایا گیا مضحکہ یعنی اسکو مذاق اور ٹھٹھا بنالیا ہے یعنی ان لوگوں نے آیات الہیہ کو اور مواعد خداوندی کو مضحکہ بنالیا ہے اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جسکو اس کے پردردگار کے کلام سے نصیحت کی گئی اور اسکو ہوشیار کر دیا گیا پھر اس نے انکی طرف سے منہ موڑا اور فراموش کر دیا جو اسکے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے یعنی اپنے گناہوں اور بدکاریوں کے انجام کو بھول گیا اور یہ نہ سوچا کہ جو کفر اور گناہ اپنے ہاتھوں سے کر کے آگے بھیج رہا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہو گا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جس نے خود اپنے ہاتھوں اپنے نفس پر ظلم کر کے اسکو تباہ اور برباد کر ڈالا اور ہر چند کہ اسکو آیات خداوندی سے نصیحت کی گئی مگر ایک نہ سنی اصل وجہ اسکی یہ ہے کہ تحقیق ہم نے ایسے مجادلین اور معاندین کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ قرآنی ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور انکے کانوں میں گرائی ڈال دی ہے تاکہ حق کو نہ سن سکیں اور لے نبیؐ اگر آپ انکو راہ راست کی طرف بلائیں تو ایسی حالت میں وہ کبھی بھی ہدایت پر نہیں آئیں گے اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر اور ایمان اور ہدایت اور گمراہی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے مگر اس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں بندہ کو چاہیے کہ اللہ کے حکم پر چلے رہا یہ امر کہ اللہ کے علم میں کیا ہے سوائے اس کا علم کسی کو نہیں بندہ کو حکم یہ ہے کہ کسب معاش کے لیے تجارت کرے یا زراعت کرے باقی اس تحقیق میں پڑنا کہ بندہ کے مقدر میں کتنا رزق لکھا ہے یہ جہالت اور حماقت ہے اور اسے نبیؐ تیرا پروردگار بڑا



تختے والا ہے خداوند رحمت ہے اس لئے وہ ان مجادلین اور معاندین اور مجرمین پر بالفعل اور فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا اگر وہ انکو ان کے اعمال پر پکڑنے لگے تو انکی بد اعمالیوں کا مقتضی یہ ہے کہ دنیا ہی میں ان پر جلد عذاب نازل کرے مگر وہ ایسا نہیں کرتا وہ بڑا حلیم اور کریم ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ انکی سزا کے لیے ایک وقت مقرر ہے یعنی روز قیامت جس سے چارہ اور مفر نہیں ہرگز نہ پاویں گے اس وعدہ سے پناہ اور بھاگنے کی جگہ کہ اس کے آنے سے پہلے ہی کہیں جا چھپیں اور اس سے محفوظ ہو جائیں اور یہ اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں یعنی قوم عاد اور قوم ثمود اور قوم لوط کی اجڑی ہوئی بستیاں تمہارے سامنے ہیں ہم نے انکو ہلاک کر دیا جب انہوں نے کفر اور شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ہم نے انکی ہلاکت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا ایک لمحہ اور ایک لحظ کا بھی فرق نہ ہوا اسی طرح آپ کے زمانہ کے سرکشوں اور جدال کرنے والوں کے لیے بھی علم الہی میں ایک وقت مقرر ہے یہ لوگ بھی اپنے وقت پر ہلاک ہوں گے آپ تسلی رکھیے اور انکی تکذیب اور جدال کی پرواہ نہ کیجیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان آیات میں ابلیس کا غرور اور تکبر کی وجہ سے خراب اور برباد ہونا بیان کیا اب آگے موسیٰ علیہ السلام اور حضر علیہ السلام کا قصہ بیان کرتے ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہیں جانتے تواضع کا انجام بہتر ہے اور تکبر کا انجام بُرا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو میں نہ ہٹوں گا جب تک

أَبْلَغَ جَمْعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضَىٰ حُقْبًا ۖ ﴿٦٠﴾

نہ پہنچوں دو دریا کے ملاپ تک یا چلتا جاؤں قرون

فَلَمَّا بَلَغَا جَمْعَ بَيْنَهُمَا نِسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ

پھر جب پہنچے دونوں دو دریا کے ملاپ تک بھول گئے اپنی چھلی، پھر اس نے

سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۖ ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ

اپنی راہ لی دریا میں سرنگ بنا کر پھر جب آگے چلے کہا موسیٰ نے اپنے

إِنَّا غَدَاةٌ نَّأْتِيكَ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۖ ﴿٦٢﴾

جوان کو لا ہمارے پاس ہمارا کھانا ہم نے پانی ہے اپنے اس سفر میں تکلیف

قَالَ ارْءَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ

بوللا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے جگہ پکڑی اس پتھر پاس، سو میں بھول گیا

الْحَوْتَ وَ مَا أَنَسِينِي إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ

بہملی اور یہ مجھ کو بھلا یا شیطان ہی نے کہ اسکا مذکور کروں

وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۖ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا

اور وہ کر گئی اپنی راہ دریا میں عجب طرح کہا یہی ہے جو ہم چاہتے

نَبِغٌ ۖ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۖ فَوَجَدَا عَبْدًا

تھے پھر الٹے پھرے اپنے پیر پہچانتے پھر پایا ایک بندہ

مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ

ہمارے بندوں میں کا جسکو دی تھی ہم نے اپنی مہر اپنے پاس سے اور سکھایا تھا

مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۖ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ

اپنے پاس سے ایک علم کہا اسکو موسیٰ نے کہے تو تیرے ساتھ

عَلَىٰ أَنْ تَعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ۖ قَالَ إِنَّكَ

رہوں اس پر کہ مجھ کو سکھاوے کچھ جو تجھ کو سکھائی ہے بھلی راہ بولا تو نہ سکے گا

لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا

میرے ساتھ ٹھہرنا اور کیونکر ٹھہرے دیکھ کر ایک چیز

لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۖ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنِ شَاءَ اللَّهُ

کو جو تیرے قابو میں نہیں اسکی سمجھ؟ کہا تو پاوے گا اگر اللہ نے چاہا مجھ کو

صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي

ٹھہرنے والا، اور نہ ٹالوں گا تیرا کوئی حکم بولا پھر اگر میرے ساتھ پہنچتا ہے

فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ

تو مت پوچھو مجھ سے کوئی چیز جب تک میں شروع نہ کروں تیرے آگے اسکا

ذِكْرًا ۴۰) فَانْطَلَقَا ۴۱) حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا

مذکور پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب چڑھے ناؤ میں اس کو پھاڑ ڈالا

قَالَ أَخَرَقْتُهَا لِتَغْرُقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۴۱)

موسیٰ بولا تو نے اسکو پھاڑ ڈالا کہ ڈبا دے اسکے لوگوں کو تو نے کی ایک چیز انوکھی

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۴۲) قَالَ

بولا میں نے نہ کہا تھا تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا کہا

لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي

مجھ کو نہ پکڑ میری بھول پر اور نہ ڈال مجھ پر میرا کام

عُسْرًا ۴۳) فَانْطَلَقَا ۴۴) حَتَّىٰ إِذَا اِقْبَا غُلَمًا فَقَتَلَهُ قَالَ أَقْتَلَتْ

مشکل پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ملے ایک لڑکے سے اسکو مار ڈالا موسیٰ بولا تو نے

نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۴۴) لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۴۵)

مار ڈالی ایک جان ستھری بن بدے کسی جان کے تو نے کی ایک چیز نامقول

### قصہ حضرت موسیٰ با خضر علیہما السلام

قال الله تعالى وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتْنِهِ لَآ أَبْرُحُ... إِلَى... لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا :  
(ربط) چونکہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لیے روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو سوالات کیے تھے وہ یہود کے بتلانے اور سمجھانے سے کیے تھے کہ اگر آنحضرت ان باتوں کا جواب دے دیں تو جانو کہ وہ نبی ہیں ورنہ نہیں اس لیے یہود کے سنانے کے لیے موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں تاکہ معلوم کریں کہ نبی کے لیے یہ شرط نہیں کہ اس کو سب چیزیں معلوم ہوں اور



وہ تمام اخبار اور قصص کا عالم ہو بلکہ نبوت کے لیے وحی اور علوم ہدایت کی معرفت ضروری ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام باوجود کلیم ہونے کے ان علوم سے واقف نہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو عطا کیے تھے اس لیے حضرت موسیٰؑ نے خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لیے سفر کیا تاکہ وہ ان سے علوم حاصل کریں جو اللہ تعالیٰ نے خاص انکو عطا کیے ہیں معلوم ہوا کہ نبی اور رسول کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا اور تمام واقعات اور قصص سے باخبر ہونا اور ہر قسم کے علم سے واقف ہونا ضروری نہیں البتہ نبی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان علوم ہدایت سے پوری طرح باخبر ہو جنکو رضائے خداوندی اور قرب خداوندی اور امت کی اصلاح اور تربیت میں دخل ہو اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو جو علم دیا وہ اس قسم کا نہ تھا بلکہ دوسری قسم کا تھا اس قسم کے علوم میں خضر علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر تھے مگر عند اللہ افضلیت اور تقرب کا دار و مدار علوم ہدایت اور علوم شریعت پر ہے ان علوم میں موسیٰ علیہ السلام سب سے اعلیٰ اور افضل اور سب سے بالا اور برتر تھے ان علوم میں روئے زمین پر ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔

موسیٰ علیہ السلام ایک یار بنی اسرائیل میں وعظ فرما رہے تھے تو کسی نے پوچھا کہ اس وقت آدمیوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں مطلب یہ تھا کہ جن علوم کو ہدایت اور قرب الہی کے حصول میں دخل ہے ان علوم میں کوئی میرے برابر نہیں اور یہ کلام باعتبار معنی اور مقصود کے صحیح تھا کیونکہ آپ اللہ کے اولوالعزم رسول تھے اور کلیم اللہ تھے اور صاحب تورات تھے اور صاحب معجزات عظیمہ تھے اس وقت روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر کسی کو علوم ہدایت کی معرفت حاصل نہ تھی مگر لفظ ظاہر مطلق تھا مقام رسالت کے مناسب یہ تھا کہ علی الاطلاق اپنے کو سب سے بڑا عالم نہ کہتے سب سے زیادہ علم کی نسبت خداوند ذوالجلال کی طرف مناسب تھی مقربین کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور معمولی سے معمولی بات پر بھی باز پرس ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنے برگزیدہ بندے کو احتیاط فی الکلام کی تعلیم دی جائے موسیٰ علیہ السلام کا جواب اگرچہ باعتبار معنی اور مقصود کے صحیح تھا لیکن حق تعالیٰ کو یہ الفاظ پسند نہ آئے اسلئے کہ جواب کے ظاہر میں عموم اور اطلاق سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ روئے زمین پر میں کل الوجوہ موسیٰؑ اعلم الناس ہیں اسلئے بغرض تادیب و تنبیہ یہ ارشاد ہوا کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین میں ہے وہ تم سے زیادہ علم رکھتا ہے مطلب یہ تھا کہ بعض علوم میں وہ تم سے زیادہ ہے گو ان علوم کو قرب الہی اور رضائے خداوندی کے حصول میں دخل نہ ہو لہذا سائل کے جواب میں اپنے کو مطلقاً اعلم الناس کہنا مناسب نہ تھا بلکہ مناسب یہ تھا کہ جواب کو خدا تعالیٰ کے علم محیط پر محمول کرتے اور کہتے کہ اللہ اعلم کہ اللہ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اللہ کے بہت سے مقبول اور مقرب بندے ہیں سب کی خبر اسکو ہے اور اسی کو معلوم ہے کہ اس نے اپنے خزانہ غیب میں سے کس کو کون سا علم عطا کیا ہے فَوَقَّ

كُلَّ ذِي عِلْمٍ حَلِيمٌ۔

حق جل شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سہو اور نسیان پر متنبہ فرمایا اور خضرؑ کے پاس جانے کا حکم دیا موسیٰ علیہ السلام اس ارشاد خداوندی کو سن کر ان سے ملنے کے مشتاق ہوئے اور پوچھا کہ ان سے

ملنے کی کیا صورت ہے ارشاد ہوا کہ مجمع البحرین یعنی روم اور فارس کے دو سمندر آپس میں ملتے ہیں وہاں پتھر کے پاس میرا ایک نیک بندہ ہے جو تجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے ہم نے اسکو ایک خاص علم دیا ہے جا کر اس سے ملو اور ناشتہ کے لیے ایک مچھلی تل کر اپنے زنبیل میں رکھ لو اور روانہ ہو جاؤ جہاں وہ مچھلی گم ہو جاتے وہیں تم کو ہمارا وہ بندہ ملے گا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک مچھلی بھنوا کر زنبیل میں رکھ لی اور یوشع بن نون کو اپنے ساتھ لے کر مجمع البحرین روانہ ہوئے۔

چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی وہ وقت یاد کرو جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان خادم سے جس کا نام یوشع بن نون تھا یہ کہا کہ میں اس سفر میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا طلب مطلوب میں مدتوں چلتا رہوں یعنی جب تک خدا کے اس نیک بندہ سے ملاقات نہ ہوگی میں سفر سے منہ نہ موڑوں گا۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید : یاتن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید  
چنانچہ بھنی ہوئی مچھلی ساتھ لے کر دونوں سفر کے لیے روانہ ہوئے پس جب یہ دونوں ان دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو اپنی مچھلی وہیں بھول گئے پس وہاں پہنچ کر وہ مچھلی باذن الہی زندہ ہو گئی اور دریا میں جا داخل ہوئی اور اس نے دریا میں ایک سرنگ کی طرح راہ بنائی جہاں مچھلی جاتی وہاں دریا کا پانی دونوں طرف سے کھڑا ہو جاتا اور سچ میں ایک طاق سا بن جاتا جب یہ دونوں حضرات مجمع البحرین پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سو گئے اور یوشع بن نون جاگتے رہے وہاں ایک چشمہ تھا یوشع بن نون اس چشمہ سے وضو کرنے لگے انکے ہاتھ سے ایک دو قطرہ پانی کا اس بھنی ہوئی مچھلی پر ٹپک پڑا اس سے وہ مچھلی فوراً زندہ ہو گئی یا کسی طرح سے وہ مچھلی باذن اللہ زندہ ہو گئی۔ واللہ اعلم  
(تفصیل کے لیے فتح الباری کتاب الانبیاء دیکھیے۔)

اور دریا میں چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی اور وہاں اس کے لیے مثل روشندان کے ایک طاق بن گیا۔ یوشع بن نون علیہ السلام کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور قصد کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام جاگیں گے تب ان سے اسکا ذکر کروں گا مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگے تو یوشع علیہ السلام اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے اور دونوں حضرات وہاں سے آگے چل کھڑے ہوئے۔

پھر جب دونوں وہاں سے آگے بڑھے اور چلتے چلتے دور نکل گئے تو لگے روز دن چڑھے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم یوشع بن نون سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ تحقیق ہم سفر کی اس منزل میں تعب اور مشقت کو پہنچے ہیں یعنی تھک گئے ہیں مجمع البحرین تک موسیٰ علیہ السلام کو تھکن نہیں ہوئی جب منزل مقصود سے آگے بڑھے تب تھکن محسوس ہوتی اور بھوک بھی لگی اور کھانا طلب کیا دیکھا تو مچھلی نہ در دہے اس وقت یوشع بن نون کو مچھلی کا حال یاد آیا اور بولے کہ بھلا آپ کو معلوم بھی ہے کہ جب ہم اس پتھر کے پاس پھرے تھے اور آپ تو وہاں سو گئے تھے اور مچھلی بکا ایک زندہ ہو کر دریا میں داخل ہو گئی

اور اس کے لیے ایک طاق سا بن گیا اور میرا ارادہ یہ تھا کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو آپ سے اس واقعہ کا ذکر کروں گا مگر جب آپ بیدار ہوئے تو تحقیق میں آپ سے اس پھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور یہ پتھر جس کے پاس جا کر ٹھہرے تھے جمع البحرین پر تھا اور یہی مقام انکی منزل مطلوب و مقصود تھی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلا دیا تھا کہ خضرؑ کے ملنے کی جگہ کی نشانی یہ ہے کہ جہاں وہ پھلی زندہ ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا لیکن بائیں ہیموش بن لون اسکا ذکر کرنا بھول گئے اور کہا کہ مجھے شیطان نے بھلا دیا کہ میں اس واقعہ کا آپ سے ذکر کرتا نہ معلوم کبخت شیطان نے مجھ کو کس دھیان میں لگا دیا کہ میں آپ سے اس عجیب و غریب واقعہ کا ذکر کرنا بھول گیا عین منزل مقصود پر پہنچ کر اصل مقصود سے ذہول اور غفلت شیطان ہی کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے جس نے قدرت الہی کے ایسے کرشمہ کو بھلا دیا ورنہ یہ عجیب و غریب کرشمہ قدرت بھولنے کے لائق نہ تھا بظاہر سفر کی جلدی کے بارے اس کا ذکر کرنا بھول گئے یوشع بن لون نے اپنی اس سہو نسیان کو تواضعاً شیطان کی طرف منسوب کیا شیطان کا اصل زور تو اس کے دوستوں ہی پر چلتا ہے کما قال تعالیٰ اِنَّهَا سُلْطَانُ عَلٰی الَّذِیْنَ یَتَوَكَّلُوْنَ لیکن بھول چوک اور دوسوہ شیطانی کبھی کبھی خدا کے نیک بندوں کو بھی پیش آجاتی ہے کما قال تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّیْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُبْصِرُوْنَ مگر یہ بھول چوک عباد صالحین کے حق میں مضر نہیں ہوتی بلکہ ان کے حق میں مزید ترقی مدارج کا سبب بن جاتی ہے جیسا کہ یہاں سفر کی مزید مشقت سے انکو زیادہ عروج ہوا اور مظہر کرامت بنے کہ بھنی ہوئی پھلی زندہ ہو گئی۔

خلاصہ کلام یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع بن لون سے کھانا طلب کیا تو دیکھا کہ پھلی نادر ہے تو یوشع بن لون نے معذرت کی اور عرض کیا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو پھلی وہیں مفقود ہو گئی تھی اور میں آپ سے اس قصہ کا ذکر کرنا بھول گیا تھا اور وہ قصہ یہ ہوا کہ اس پھلی نے زندہ ہونے کے بعد دریا میں عجیب طرح سے راستہ بنالیا ایک عجیب بات تو یہ ہوتی کہ بھنی ہوئی پھلی زندہ ہو گئی اور دوسری عجیب بات یہ ہوتی کہ وہ زندہ ہو کر دریا میں سرنگ بناتی چلی گئی اور پانی میں جا کر بیٹھ گئی وہاں طاق سا کھلا رہ گیا موسیٰ علیہ السلام نے یہ قصہ سن کر فرمایا یہی تو وہ مقام ہے جس کی ہم تلاش اور جستجو میں تھے اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندہ کا یہی پتہ بتایا تھا کہ جہاں پھلی گم ہو جائے وہیں اس سے ملاقات ہوگی اس لیے ہم کو پھر اسی جگہ واپس لوٹنا چاہیے پس لوٹ پڑے دونوں اپنے نشان قدم پر کھوج لگاتے ہوئے اور پھر اسی پتھر کے پاس واپس آگئے جہاں پھلی بھولے تھے سو وہاں پہنچ کر ان دونوں نے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق یوشع بن لون نے ہمارے بندوں میں سے ایک خاص بندہ کو پایا یہ بندہ خدا وہی خضرؑ ہیں جن کی ملاقات کے لیے یہ سفر کیا اس جگہ اللہ تعالیٰ نے اس خاص بندہ کے دو وصف بیان کیے۔

(اَوَّلُ) اَتَيْنَهُ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّنَا یعنی ہم نے اسکو اپنی خاص رحمت اور خاص عنایت سے سرفراز کیا تھا بعض کہتے ہیں کہ رحمت سے نبوت اور ہدایت مراد ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک رحمت سے



ولاہیت اور مقبولیت مراد ہے اور لفظ رحمت مجمل ہے جس میں دونوں معنی کا احتمال ہے اس لیے بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام ولی تھے نبی نہ تھے۔

(دوسرا وصف) اللہ تعالیٰ نے انکا یہ بیان فرمایا وَعَلَّمْنَاهُ مَنْ لَدُنَّا عَلَمًا: اور انکو ہم نے اپنے پاس سے ایک خاص علم عطا کیا تھا جو نظر و فکر سے حاصل نہیں ہو سکتا، ہم نے اپنے پاس سے ان کو باطنی علم سکھایا وہ علم ہمارے ساتھ خاص ہے بغیر ہمارے سکھائے کوئی اس علم کو نہیں جان سکتا صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایسے ہی علم کو علم لدنی کہتے ہیں جس میں اسباب ظاہری کا دخل اور واسطہ نہ ہو اور عالم غیب سے براہ راست علم اس کے قلب میں داخل ہو ملائکہ پر جو منجانب اللہ علوم فائض ہوتے ہیں وہ اسی قسم کے ہوتے ہیں قلب میں عام طور پر جو علم داخل ہوتا ہے وہ حواس ظاہری کے دروازوں سے داخل ہوتا ہے ایسے علم کو علم حصولی اور علم اکتسابی کہتے ہیں اور جب کسی کے قلب میں کوئی دروازہ عالم ملکوت کی طرف کھل جائے اور بلا ان ظاہری دروازوں کے کوئی علم قلب میں پہنچ جائے تو ایسے علم کو علم لدنی کہتے ہیں جو علم قلب کے باہر کے دروازہ سے داخل اور حاصل ہو وہ علم حصولی ہے اور جو علم قلب کے اندر کسی باطنی دروازہ سے آئے وہ علم لدنی اور علم واسی اور علم حضوری کہلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام کو اسرار غیبی اور باطنی حکمتوں اور مصلحتوں کا علم عطا فرمایا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو احکام شریعت کا علم عطا فرمایا تھا ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

چنانچہ جب ملاقات ہوتی تو خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا انی علی علم من علم اللہ علمنیہ لا تعلم وانت علی علم من علم اللہ علمک اللہ لا اعلم یعنی مجھے اللہ کی طرف سے ایک خاص علم ملا ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاص مجھ کو عطا کیا ہے جس کا تعلق اسرار کوئیہ اور جزئیات غیبیہ سے ہے یہ علم مجھ کو ایک خاص مقدار میں ملا ہے تم اسکو نہیں جانتے اور تم کو منجانب اللہ ایک خاص علم ملا ہے جس کا تعلق اسرار شریعت اور احکام ہدایت اور اصلاح امت سے ہے یہ علم اللہ نے خاص تم کو سکھایا ہے میں اس علم کو نہیں جانتا مطلب یہ ہے کہ میرا علم اور تمہارا علم دو مختلف قسمیں ہیں دونوں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں اس لیے تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتے اور وہاں ایک چڑیا دکھائی دی کہ دریا میں سے پانی پیتی تھی تو خضر نے کہا کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوقات کا علم اللہ کے سامنے ایسا ہے جیسے دریا میں سے چڑیا کے منہ میں ایک قطرہ آگاہ ہے اور یہ بھی محض تفہیم کے لیے تھا ورنہ درحقیقت یہ نسبت بھی نہیں اس لیے کہ ساری دنیا کا علم بھی تنہا ہی ہے اور اسکو خدا تعالیٰ کے غیر تنہا ہی علم سے کیا نسبت خدا تعالیٰ کے دریائے علم کی کوئی حد اور انتہا نہیں جس کو جو علم ملا وہ اس کے دریائے علم کا ایک قطرہ ہے اور ایک قطرہ آب پر ناز کرنا مناسب نہیں اس دریا پر نظر کرو جہاں سے یہ قطرہ ملا ہے خضر علیہ السلام کی اس بے مثال تمثیل وَمَا أُوتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا کی خوب تفسیر ہو گئی اور مشرکین مکہ نے جو اہل کتاب کے مشورہ سے آپ کے امتحان کے لیے تین سوال

کہتے تھے انکے ساتھ اس قصہ کا ربط خوب ظاہر ہو گیا کہ نبی کے لیے تمام علوم کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے  
 موسیٰ علیہ السلام نے وہاں پہنچ کر انکو سلام کیا بعد ازاں موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں  
 اس لیے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں اور آپ کا اتباع کروں اس  
 شرط پر یا اس امید پر کہ جو خیر اور بھلائی کی باتیں آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دی گئی ہیں ان  
 میں سے آپ کچھ مجھ کو بھی تعلیم کریں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی اور رسول تھے علوم شریعت  
 سے پورے واقف اور باخبر تھے لیکن جو علم خضر علیہ السلام کو دیا گیا تھا اس علم کا تعلق شریعت سے نہ  
 تھا بلکہ اس کا تعلق اسرار کونیہ اور امور باطنیہ سے تھا اور ایسے علم کا جس کا تعلق شریعت اور احکام خداوندی  
 سے نہ ہو نبی کا غیر نبی سے ایسے علم کا سیکھنا نبوت کے منافی نہیں اور حدیث انتم اعلم بالصواب  
 دنیا کم اس کی مؤید ہے معلوم ہوا کہ صاحب شریعت پیغمبر کا کسی غیر نبی سے ایسے امور کو سیکھنا کہ جن  
 کا اصول دین اور فروع دین سے کوئی تعلق نہ ہو شان نبوت کے منافی نہیں۔

خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ تم میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر صبر نہیں کر سکو گے کیونکہ تم  
 شریعت کے پابند ہو اور احکام شریعت کا دار و مدار ظاہر پر ہے اور مجھ سے ایسے امور صادر اور سرزد ہوں  
 گے کہ جو بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان کے اصل راز اور اندرونی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہو  
 گی آپ انکو دیکھ کر حیران ہوں گے آپ کی نظر صرف ظاہر پر ہوگی اور اس شے کی باطنی حکمتوں اور  
 مصالحتوں کا آپ کو علم نہ ہوگا اس لیے آپ ایسے امور کو دیکھ کر صبر نہ کر سکیں گے میں جانتا ہوں کہ آپ  
 میری باتوں کا انکار کریں گے اور آپ اس انکار میں بدشعبہ معذور ہوں گے اس لیے کہ اذروئے شریعت  
 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض ہے اور آپ نبی ہیں اور نبی سے امور منکرہ پر صبر نہیں ہو سکتا لیکن  
 میں بھی ان امور کے کرنے میں معذور ہوں گا اس لیے کہ میں منجانب اللہ اس کا مامور ہوں گا اور من  
 جانب اللہ میں اسکی باطنی حکمت و مصلحت پر مطلع ہوں گا اور آپ ان مصالح سے آگاہ نہ ہوں گے  
 اس لیے آپ میری باتوں پر صبر نہ کر سکیں گے بہر حال آپ کے لیے میری باتوں پر صبر کرنا اور سکوت اور  
 خاموشی اختیار کرنا بہت دشوار ہوگا اور اگر سوالات اور مواخذہ اور روک ٹوک کا سلسلہ جاری رہا تو تعلیم  
 و تعلم کا سلسلہ کیسے جاری رہ سکے گا اور بے شک آپ اس چیز پر کیسے صبر کر سکتے ہیں جو آپ کے احاطہ علم  
 سے باہر ہو آپ کی نظر اس امر کی ظاہری قباحت پر تو ہوگی مگر اس کے باطنی محاسن آپ کے علم سے  
 پوشیدہ ہوں گے موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اگرچہ میں ظاہر شریعت کا مکلف ہوں باطن سے  
 مجھے کوئی سروکار نہیں لیکن میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کی مخالفت نہ کروں گا انشاء اللہ آپ  
 مجھے صابر پائیں گے اور حتی الوسع میں کسی بات میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں  
 کہ جو امر آپ سے صادر ہوگا اگرچہ وہ بظاہر میری نظر میں قبیح ہوگا مگر درحقیقت قبیح نہ ہوگا اسیلئے  
 کہ جب اللہ رب العالمین نے آپکی معیت اور مصاحبت کا حکم دیا ہے تو یہ اس امر کی قطعی دلیل ہے



کہ آپ کا جو کام ہو گا وہ عین منشاء خداوندی ہو گا اس لیے میں انشاء اللہ حتی الوسع اس پر صبر کروں گا صبر کا وعدہ فرمایا اور تبرک کے لیے انشاء اللہ کی قید لگا دی جیسا کہ انبیاء کی سنت ہے کما قال تعالیٰ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن تَشَاءَ اللَّهُ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے بطور تبرک اور بطریق توکل انشاء اللہ کہا کہ بندہ کا فعل خواہ صبر ہو اور خواہ شکر ہو سب اللہ کی مشیت پر موقوف ہے بندہ اپنے کسی قول اور فعل اور عمل میں مستقل نہیں لّا حول ولا قوت الا باللہ العلی العظیم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ سارا کلام درحقیقت حضرت خضر علیہ السلام کے اس قول اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا کا جواب تھا اہل فہم حضرات موسیٰ علیہ السلام کے اس جواب با صواب پر غور فرمائیں کہ جس کے ہر لفظ اور ہر حرف سے ادب اور تواضع ٹپک رہی ہے۔

(اول) هَلْ اَتَّبَعَكَ مِمَّا عَلَّمَنِيْ سَے اتباع کی اجازت چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے آپکو آپکے تابع کر دوں۔

(دوم) عَلَيَّ اَنْتَ تُعَلِّمَنِ سَے اقرار کیا کہ آپ عالم اور معلم ہیں اور میں آپکا متعلم بننا چاہتا ہوں۔

(سوم) مِمَّا عَلَّمَنِكَ کہہ کر حضرت خضرؑ سے بعض علم کی درخواست کی کہ آپ اپنے علم میں سے کچھ حصہ اور اس کا کوئی جز مجھ کو مرحمت فرمائیں مطلب یہ تھا کہ میں نہیں چاہتا کہ علم میں آپ کے برابر ہو جاؤں بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ جو علم آپ کو حاصل ہے اس میں سے کوئی جز مجھے عطا فرمائیں۔

(چہارم) یہ کہ عَلَّمَنِكَ سَے اس بات کا اقرار کیا کہ یہ علم آپ کو من جانب اللہ ملا ہے۔

(پنجم) لَفْظِ رُسُودًا سَے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ علم رشد و ہدایت ہے اس رشد میں سے کچھ عطا کیے جانے کی درخواست کی۔

(ششم) سَتَجِدُنِيْ اِنْ شَاءَ اللَّهُ هَابِوًا یعنی انشاء اللہ آپ مجھ کو صابر پائیں گے۔

(ہفتم) وَلَا اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا یعنی آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کروں گا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے تعلیم کی درخواست کی تو خضر علیہ السلام نے کہا اے موسیٰ! کیا تمہیں توریت کا علم کافی نہیں موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اللہ کے حکم سے حاضر ہوا ہوں اس پر خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو اس بات کا خیال رکھنا کہ مجھ سے کسی چیز کے متعلق سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود تم کو اسکے حال سے آگاہ کر دوں مطلب یہ ہے کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہتے ہو تو شرط یہ ہے کہ مجھ سے کچھ نہ پوچھنا اور نہ مجھ پر اعتراض کرنا کہ یہ کیوں کیا یا ایسا کیوں کیا یہاں تک کہ میں خود تم سے اس کا ذکر کر دوں (تفسیر سراج منیر ص ۳۲۲)

اب آئندہ آیات میں اللہ تعالیٰ ان وفائع کو بیاں کرتے ہیں جو اس کے لحد موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے درمیان پیش آئے پس ان شرائط کے تسلیم کر لینے کے بعد موسیٰ خضر علیہ السلام کے ساتھ ہوئے اور آگے روانہ ہوئے ظاہر یہ ہے کہ یوشع بن نون بھی ساتھ تھے کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے



اس لیے اصل مقبوع یعنی موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کر دیا اور تابع (یوشع بن نون) کا ذکر چھوڑ دیا اور قشیری کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی ملاقات کے بعد حضرت یوشع کو واپس کر دیا واللہ اعلم

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام دونوں روانہ ہوئے اور چلتے چلتے ایسے مقام پر پہنچے جہاں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت پیش آئی نا خدا نے حضرت خضر کو پہچان کر بصد تعظیم و تکریم کشتی میں مفت سوار کر لیا یہاں تک کہ جب دونوں اس کشتی میں سوار ہو گئے تو کچھ دور چل کر حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیا موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرائے کہ اب کشتی میں پانی بھر جائے گا اور کشتی غرق ہو جائے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھبرا کر کہا اے خضر کیا تو نے اس کشتی کو اس لیے پھاڑا ہے کہ کشتی والوں کو غرق کر دے اور بے وجہ سب کی جانیں ضائع ہوں اور احسان کا بدلہ نقصان سے دیں مال بھی برباد اور جائیں بھی برباد البتہ تحقیق تم نے عجیب ہی کام کیا ہے ایک تختہ نکال کر کشتی والوں پر آفت برپا کر دی۔ خضر علیہ السلام نے کہا میں نے کہا نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے آخر وہی ہوا جو میں نے کہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول گیا تھا لہذا مجھے میری بھول چوک پر نہ پکڑو اور میرے معاملہ پر سختی نہ کرو تاکہ میرے لیے آپ کی معیت اور مرافقت میں دشواری نہ ہو بھول چوک میں نرمی اور چشم پوشی چاہیے نہ کہ مواخذہ اور سخت گیری فعل نسیان اللہ تعالیٰ کے نزدیک عدم کے حکم میں ہے پھر کشتی سے اتر کر دونوں آگے روانہ ہوئے اور ایک بستی میں پہنچے اور چند لڑکوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے یہاں تک کہ جب وہ دونوں ایک کمسن لڑکے سے ملے جو ان کھیلنے والوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا تو حضرت خضر نے اسکو پکڑ کر مار ڈالا قتل کر دیا یا زمین پر لٹا کر چھری سے ذبح کر دیا یا اسکا سر اسکے دھڑ سے جدا کر دیا یا اس کا سر دیوار سے مار دیا اور مار کر چل کھڑے ہوئے ایک کمسن بچے کے اس حیرت انگیز قتل کو دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو جوش آگیا اور بولے اے خضر کیا تو نے ایک باک اور بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے عوض اور بدلہ کے یونہی مار ڈالا یہ تو معصوم بچہ تھا اس نے نو کسی کا خون بھی نہیں کیا تھا ایسا معصوم بچہ اگر کسی کا خون بھی کر ڈالے تو اس پر قصاص نہیں آپ نے اسکو کیسے مار ڈالا بے شک آپ نے بہت ہی ناپسندیدہ اور برا کام کیا جس کا عقل اور فطرت اور شریعت سب ہی انکار کرتی ہیں آپ کا یہ فعل پہلے فعل سے زیادہ سخت ہے آپ نے ایسا برا کام کیا جس کا تدارک بھی ممکن نہیں کشتی کے شگاف کا من وجہ تدارک ممکن ہے مگر قتل کا تدارک ممکن نہیں مار ڈالنے کے بعد جان ڈالنا کسی کے اختیار میں نہیں نیز قتل سے جان کا نقصان یقینی ہے اور شگاف سے کشتی کا عرف ہونا یقینی نہیں ممکن ہے کہ کشتی باوجود شگاف کے غرق نہ ہو یا لوگ کسی اور طرح سے بچ جائیں۔

الحمد لله انج بتاریخ ۱۴ ذی الحجۃ الحرم یوم ثنبہ ۱۳۸۹ھ عصر اور مغرب کے درمیان پندرہویں پارہ کی تفسیر سے

فراغت ہوئی      فَلَلهُ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَاخِرًا



ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر

## تصدیق نامہ

مکتبۃ المعارف دارالعلوم حسینیہ شہدادپور کے مطبوعہ تفسیر معارف القرآن  
مصنفہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ  
کے جلد چہارم پارہ ۱۲ - ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ کے متن قرآن کریم کو بغور پڑھا۔  
تصدیق کے جاتی ہے کہ اس کے متن قرآن کریم  
میں کوئی کمی بیشی یا اعراب کی غلطی نہیں ہے۔  
واللہ اعلم

علیم الحسنان شہدادپور

۲۱ محرم ۱۴۲۱ھ

